

معارف الحديث

ہمدی

اساتذہ نبوی کا ایک جمعیۃ نور تجلیۃ آفتاب
آئندہ ترمیم و تشریحات کے ساتھ

ترجمہ و تفسیر

دارالافتاء دارالعلوم دیوبند



معارف الحدیث

یعنی

احادیث نبوی کا ایک جمید اور جامع انتخاب
اُردو ترجمہ اور تشریحات کے ساتھ

جدد سوم

کتاب الطہارۃ و کتاب الصلوۃ

تألیف

مولانا محمد منظور نعمانی

دارالاشاعت

دارالاشاعت

بعد حقوق عدلیت برائے پاکستان بکس ”خلیل اشرف عثمانی“ دارالاشاعت کراچی محفوظ ہیں

مختلف سے جو وہابی حقوق اشاعت پہلے سے اصل تھے اب ان کے ورع سے پاکستان کے لئے ”بعد حقوق عدلیت“ اپنے تمام حقوق سے خلیل اشرف عثمانی کے حق میں دستبرداری کا معاہدہ مکمل میں آیا ہے اس کی اطلاع درجہ ذیل کاپی رائٹ رجسٹرار کے ہاں مکمل میں آچکی ہے۔ لہذا کوئی شخص یا ادارہ اس کی غیر قانونی اشاعت بذمت میں ملوث پایا گیا تو بغیر جھٹکی اطلاع کے قانونی کارروائی مکمل میں لائی جائے گی۔ تاثر

طباعت کمپیوٹرائزیشن : اپریل ۲۰۰۷ء

باہتمام خلیل اشرف عثمانی دارالاشاعت کراچی

پرنس علمی رافنس کراچی

قارئین سے گزارش

اپنی حق السبق کوشش کی جاتی ہے کہ پروف ریڈنگ معیاری ہو۔ الحمد للہ اس بات کی نگرانی سے نئے ادارہ میں مستقل ایک عالم موجود رہے ہیں۔ پھر بھی کوئی غلطی نظر آئے تو ازراہ کرم مطلع فرما کر مضمون فہمائیں تاکہ تسمیہ و اشاعت میں درست ہو سکے۔ جزاک اللہ

نئے - - - - -

ادارہ اسلامیات ۱۹۰ تاہلی لاہور	ادارۃ المعارف جامعہ دارالعلوم کراچی
بیت العلوم 20 بھدر روڈ لاہور	بیت القرآن اردو بازار کراچی
کتبہ سید احمد شہید اردو بازار لاہور	بیت اقصیٰ میں اشرف مدارس کشن چال بک کراچی
یہ نوری بک انٹرنیٹ خیبر بازار پشاور	بیت کتب و سنت میں اشرف مدارس کشن چال کراچی
کتبہ اسلامیہ کچی اڈا ایبٹ آباد	کتبہ اسلامیہ مین چور بازار۔ فضل آباد
کتبہ خیر شہید۔ مدینہ مارکیٹ راجہ بازار راولپنڈی	مکتبہ المعارف محلہ فیضی۔ پٹنہ

تفصیلات کے لئے - - - - -

ISLAMIC BOOKS CENTRE
F-10, COMPLEX, WAZIRPUR
ROCKY HILLS, LAHORE

AZHAR ACADEMY LTD
F-10, COMPLEX, WAZIRPUR
ROCKY HILLS, LAHORE

میں سے - - - - -

DARUL-ULOOM AL-MADANIYA
S2, COMPLEX, WAZIRPUR
ROCKY HILLS, LAHORE

MADRASATUL ISLAMIAH BOOK STORE
F-10, COMPLEX, WAZIRPUR
ROCKY HILLS, LAHORE

نکتہ سخاں را صلائے عام ۛۛ از بچے ایسے پیغام ۛۛ

پیشکش

اُن سب اخوانِ دینی کی خدمت میں — جو ”نبی اُمّی“ سیدنا حضرت محمد
عربی (فداؤ اُمّی والی و روحی و قلبی) پر ایمان رکھتے ہیں
اور آپ ﷺ کی ہدایت اور اُسوۂ حسنہ کی پیروی ہی میں اپنی اور تمام اولادِ آدم
علیہ السلام کی نجات کا یقین رکھتے ہیں
اور اس لئے آپ ﷺ کی تعلیم اور طرزِ زندگی سے صحیح واقفیت حاصل کرنا چاہتے ہیں

آئیے

علم و تصویر ہی کے راستہ سے مجلسِ نبوی ﷺ میں حاضر ہو کر
آپ ﷺ کے ارشادات سنیں

اور

اس چشمہٴ انوار سے
اپنے تاریک دلوں کیلئے روشنی حاصل کریں

عاجز و عاصی

محمد منجور نعمانی مدظلہ

فہرست مضامین

حصہ سوم

۱۷	۱ دیباچہ (از مولف)
۲۰	۲ اس جلد کے متعلق کچھ ضروری باتیں
۲۳	۳ کتاب الطہارۃ
۲۴	۴ طہارت و پاکیزگی کی حقیقت اور دین میں اس کا مقام
۲۶	۵ طہارت جزو ایمان ہے
۲۸	۶ ناپاکی سے عذاب قبر
۳۱	۷ قضائے حاجت اور استحباب سے متعلق ہدایات
۳۶	۸ قضائے حاجت کے مقام پر جانے کی دعا
۳۶	۹ قضائے حاجت سے فارغ ہونے کے بعد کی دعا
۳۷	۱۰ وضو اور اسکے فضائل و برکات
۳۸	۱۱ وضو منابہوں کی صفائی اور معافی کا ذریعہ
۴۰	۱۲ وضو جنت کے سب دروازوں کی کنجی
۴۰	۱۳ قیامت میں اعضائے وضو کی نورانیت
۴۱	۱۴ تکلیف اور ناگواری کے باوجود کامل وضو
۴۲	۱۵ وضو کا اہتمام محل ایمان کی نشانی
۴۲	۱۶ وضو پر وضو
۴۳	۱۷ ناقص وضو کرنے کے برے اثرات
۴۳	۱۸ مسواک کی اہمیت اور فضیلت
۴۵	۱۹ مسواک کے خاص اوقات اور مواقع
۴۶	۲۰ مسواک سنت انبیاء اور تقاضائے فطرت
۴۹	۲۱ نماز کو قیمتی بنانے میں مسواک کا اثر
۵۰	۲۲ نماز کے لئے وضو کا حکم
۵۲	۲۳ وضو کا طریقہ
۵۵	۲۴ وضو کی سنتیں اور اسکے آداب
۵۸	۲۵ وضو میں پانی بے ضرورت نہ بہایا جائے
۵۸	۲۶ وضو کے بعد تویہ یا رومال کا استعمال
۵۹	۲۷ ہر وضو کے بعد اللہ تعالیٰ کا کچھ ذکر اور نماز
۶۰	۲۸ جنابت اور غسل جنابت
۶۱	۲۹ غسل جنابت کا طریقہ اور اسکے آداب
۶۳	۳۰ مسنون یا مستحب غسل

۶۴	۳۱ جمعہ کے دن کا غسل
۶۶	۳۲ میت نہلانے کے بعد غسل
۶۶	۳۳ عید کے دن کا غسل
۶۷	۳۴ تنہیم
۶۷	۳۵ تنہیم کی حکمت
۶۸	۳۶ تنہیم کا حکم
۷۳	۳۷ کتاب الصلوٰۃ
۷۵	۳۸ نماز کی عظمت و اہمیت اور اس کا امتیاز
۷۷	۳۹ نماز ترک کرنا ایمان کے منافی اور کافرانہ عمل
۸۰	۴۰ نماز پنجگانہ کی فرضیت اور ان پر وعدہ مغفرت
۸۱	۴۱ نماز غائبوں کی معافی اور تقسیم کا ذریعہ
۸۲	۴۲ وقت پر نماز محبوب ترین عمل
۸۲	۴۳ نماز پر جنت اور مغفرت کا وعدہ
۸۳	۴۴ افسوس کسی بد بختی ہے
۸۳	۴۵ نماز محبوب ترین عمل ہے
۸۳	۴۶ نماز کے اوقات
۸۶	۴۷ وقت ظہیر کے بارے میں آپ کا معمول اور ہدایت
۸۹	۴۸ وقت عصر کے بارے میں آپ کا معمول اور ہدایت
۹۰	۴۹ وقت مغرب کے بارے میں آپ کا معمول اور ہدایت
۹۱	۵۰ وقت عشاء کے بارے میں آپ کا معمول اور ہدایت
۹۲	۵۱ وقت فجر کے بارے میں آپ کا معمول اور ہدایت
۹۳	۵۲ آخر وقت میں نماز پڑھنے کے بارے میں
۹۵	۵۳ سونے یا بھول جانے کی وجہ سے نماز قضا ہو جائے تو
۹۶	۵۴ اذان
۹۷	۵۵ اسلام میں اذان کا آغاز
۱۰۱	۵۶ ابو محمد و ردہ کو اذان کی تلقین
۱۰۳	۵۷ اذان و اقامت میں دین کے بنیادی اصولوں کی تعمیم و دعوت
۱۰۳	۵۸ اذان و اقامت کے متعلق بعض احکام
۱۰۶	۵۹ اذان و مؤذنوں کی فضیلت
۱۰۹	۶۰ اذان کا جواب اور اس کے بعد کی دعا
۱۱۱	۶۱ مساجد اور ان کی عظمت و اہمیت
۱۱۶	۶۲ مسجد میں داخل ہونے اور باہر آنے کی دعا
۱۱۷	۶۳ تحیۃ المسجد

۶۳	مسجد سے تعلق ایمان کی نشانی	۱۱۸
۶۵	مسجدوں میں صفائی اور خوشبو کا حکم	۱۱۸
۶۶	مسجد بنانے کا اجر	۱۱۸
۶۷	مسجدوں کی ظاہری شان و شوکت اور نیپ ٹاپ پسندیدہ نہیں	۱۱۹
۶۸	بدبو دار چیز کھانے کے مسجد میں آنے کی ممانعت	۱۲۰
۶۹	مسجدوں میں شعر بازی اور خرید و فروخت کی ممانعت	۱۲۱
۷۰	چھوٹے بچوں اور شور و شغب سے مسجدوں کی حفاظت	۱۲۱
۷۱	مسجدوں میں دنیا کی بات نہ کی جائے	۱۲۲
۷۲	مسجد میں نماز کیلئے عورتوں کا آنا	۱۲۲
۷۳	جماعت	۱۲۳
۷۴	جماعت کی اہمیت	۱۲۵
۷۵	نماز باجماعت کی فضیلت اور برکت	۱۲۸
۷۶	جماعت کی نیت پر جماعت کا پورا ثواب	۱۲۹
۷۷	کن حالات میں مسجد اور جماعت کی پابندی ضروری نہیں	۱۳۰
۷۸	جماعت میں صف بندی	۱۳۲
۷۹	صفوں کو سیدھا اور برابر کرنے کی اہمیت اور تاکید	۱۳۲
۸۰	پہلے اگلی صفیں مکمل کی جائیں	۱۳۳
۸۱	صف اول کی فضیلت	۱۳۵
۸۲	صفوں کی ترتیب	۱۳۵
۸۳	امام کو وسط میں کھڑا ہونا چاہئے	۱۳۶
۸۴	جب ایک یا دو مقتدی ہوں تو کس طرح کھڑے ہوں	۱۳۶
۸۵	صف کے پیچھے اکیلے کھڑے ہونے کی ممانعت	۱۳۷
۸۶	عورتوں کو مردوں سے حتیٰ کہ بچوں سے بھی الگ پیچھے کھڑے ہونا چاہئے	۱۳۷
۸۷	امامت	۱۳۸
۸۸	امامت کی ترتیب	۱۳۸
۸۹	اپنے میں سے بہتر کو امام بنایا جائے	۱۳۹
۹۰	امام کی ذمہ داری اور مسئولیت	۱۴۰
۹۱	مقتدیوں کی رعایت	۱۴۰
۹۲	مقتدیوں کو ہدایت	۱۴۳
۹۳	نماز کس طرح پڑھی جائے	۱۴۳
۹۴	رسول اللہ کس طرح نماز پڑھتے تھے	۱۴۵
۹۵	خاص لڑکا رو دعا میں	۱۴۸
۹۶	نماز میں قرأت قرآن	۱۵۲

۱۵۳	۹۷ مسئلہ قرأت فاتحہ میں مجتہدین کے مذاہب
۱۵۵	۹۸ نماز فجر میں رسول اللہ کی قرأت
۱۵۸	۹۹ نماز ظہر و عصر میں رسول اللہ کی قرأت
۱۵۸	۱۰۰ نماز مغرب میں رسول اللہ کی قرأت
۱۵۹	۱۰۱ نماز عشاء میں رسول اللہ کی قرأت
۱۶۱	۱۰۲ مختلف اوقات میں رسول اللہ کی قرأت
۱۶۲	۱۰۳ جمعہ اور عیدین کی نماز میں رسول اللہ کی قرأت
۱۶۳	۱۰۴ سورۃ فاتحہ کے ختم پر "آمین"
۱۶۵	۱۰۵ آمین بالجہر یا بالسور
۱۶۶	۱۰۶ رفع یدین
۱۶۹	۱۰۷ رکوع و سجود اچھی طرح ادا کرنے کی تاکید
۱۶۹	۱۰۸ رکوع و سجود میں کیا پر حساب ہے
۱۷۱	۱۰۹ رکوع و سجود میں قرآن مجید نہ پڑھا جانے
۱۷۳	۱۱۰ سجدہ کی فضیلت
۱۷۶	۱۱۱ قیومہ اور جلسہ
۱۷۹	۱۱۲ قعدہ، تشہد اور سلام
۱۷۹	۱۱۳ قعدہ کا صحیح اور مستحسن طریقہ
۱۸۱	۱۱۵ قعدہ کا ولی میں اختصار و غلٹ
۱۸۱	۱۱۶ تشہد
۱۸۲	۱۱۷ درود شریف
۱۸۲	۱۱۸ درود شریف کی حکمت
۱۸۳	۱۱۹ درود و سلام سے شرک کی جرئت جاتی ہے
۱۸۳	۱۲۰ قرآن مجید میں درود و سلام کا حکم
۱۸۵	۱۲۱ درود شریف میں لفظ "آل" کا مطلب
۱۸۷	۱۲۲ نماز میں درود شریف کا موقع اور اس کی حکمت
۱۸۷	۱۲۳ درود شریف کے بعد اور سلام سے پہلے دعا
۱۹۰	۱۲۴ خاتمہ نماز کا سلام
۱۹۱	۱۲۵ سلام کے بعد ذکر و دعا
۱۹۷	۱۲۶ سنتیں اور نو نفل
۱۹۷	۱۲۷ دن رات کی مؤکدہ سنتیں
۱۹۹	۱۲۸ فجر کی سنتوں کی خاص اہمیت و فضیلت
۱۹۹	۱۲۹ فجر کے اوقات کے مابین دوسرے واقعات کے سنن و نوافل کی فضیلت

۲۰۱	۱۳۰ وتر
۲۰۳	۱۳۱ وتر میں قرأت
۲۰۴	۱۳۲ قنوت وتر
۲۰۵	۱۳۳ وتر کے بعد دو رکعت نفل
۲۰۶	۱۳۴ قیام لیل یا تہجد اسکی فضیلت اور اہمیت
۲۰۹	۱۳۵ عقیدہ عصمت اور رسول اللہ کے ذنوب کی مغفرت
۲۱۱	۱۳۶ نماز تہجد کی قضاء اور اسکا بدل
۲۱۱	۱۳۷ رسول اللہ تہجد میں کتنی رکعتیں پڑھتے تھے رسول اللہ کے تہجد کی بعض تفصیلات
۲۱۲	۱۳۸ چاشت یا اشراق کے نوافل
۲۱۶	۱۳۹ دو نوافل جن کا تعلق خاص حالات سے ہے
۲۱۹	۱۴۰ صلوٰۃ استغفار
۲۲۰	۱۴۱ صلوٰۃ الحاجۃ
۲۲۱	۱۴۲ صلوٰۃ استخارہ
۲۲۲	۱۴۳ صلوٰۃ تسبیح
۲۲۳	۱۴۴ نوافل کا ایک خاص فائدہ
۲۲۶	۱۴۵ انیس سو تالیفی نمبر پر مبنی مسائل مستعملہ کا شمار
۲۲۷	۱۴۶ انیس سو تالیفی نمبر پر مبنی مسائل مستعملہ کا شمار
۲۲۸	۱۴۷ جمعہ کے دن کی عظمت و فضیلت
۲۲۹	۱۴۸ جمعہ کے دن کا خصوصی وظیفہ درود شریف
۲۲۹	۱۴۹ وفات کے بعد آپ پر درود کی پیشی اور مسئلہ حیات انبیاء
۲۳۰	۱۵۰ جمعہ کے دن رحمت و قبولیت کی ایک خاص گھڑی
۲۳۱	۱۵۱ نماز جمعہ کی فرضیت اور خاص اہمیت
۲۳۲	۱۵۲ نماز جمعہ کا اہتمام اور اسکے آداب
۲۳۳	۱۵۳ جمعہ کیلئے اچھے کپڑوں کا اہتمام
۲۳۴	۱۵۴ جمعہ کے دن خط بنوانا اور ناخن تراشنا
۲۳۴	۱۵۵ جمعہ کے لئے اول وقت جانے کی فضیلت
۲۳۵	۱۵۶ نماز جمعہ اور خطبہ کے بارے میں رسول اللہ کا معمول
۲۳۶	۱۵۷ نماز جمعہ سے پہلے اور بعد کی سنتیں
۲۳۸	۱۵۸ عید الفطر و عید الاضحیٰ
۲۳۹	۱۵۹ عیدین کا آغاز
۲۴۰	۱۶۰ عیدین کی نماز اور خطبہ وغیرہ
۲۴۰	۱۶۱ عیدین کی نماز بغیر اذان و اقامت ہی سنت ہے
۲۴۱	۱۶۲ عیدین کی نماز سے پہلے اور بعد میں کوئی نفل نماز نہیں ہے

۲۴۱	عیدین کی نماز کا وقت	۱۶۳
۲۴۳	عیدین کی نماز میں قرأت	۱۶۳
۲۴۳	بارش کی وجہ سے عید کی نماز مسجد میں	۱۶۵
۲۴۴	عیدین کے دن کھانا نماز سے پہلے یا نماز کے بعد	۱۶۶
۲۴۴	عید گاؤں کی آمد و رفت میں راستے کی تبدیلی	۱۶۷
۲۴۵	صدقہ فطر اسکات اور اسکی حکمت	۱۶۸
۲۴۶	عید الاضحیٰ کی قربانی	۱۶۹
۲۴۷	قربانی کا طریقہ	۱۷۰
۲۴۸	قربانی کے جانور کے بارے میں ہدایات	۱۷۱
۲۴۹	بڑے جانور میں کتنے حصے	۱۷۲
۲۴۹	قربانی کا وقت عید کی نماز کے بعد	۱۷۳
۲۵۰	عشرہ ذی الحجہ کی فضیلت و حرمت	۱۷۴
۲۵۱	صلوۃ کسوف اور صلوۃ استسقا	۱۷۵
۲۵۱	نماز کسوف	۱۷۶
۲۵۲	نماز استسقا	۱۷۷
۲۵۹	نماز جنازہ اور اسکے قبل و بعد	۱۷۸
۲۶۰	موت کی یاد اور اس کا شوق	۱۷۹
۲۶۳	موت کی تمنا اور اسکی دعا کرنے کی ممانعت	۱۸۰
۲۶۳	بیداری بھی مومن کے لئے رحمت اور گنہگاروں کا کفارہ	۱۸۱
۲۶۶	بیماری میں زمانہ تندرستی کے اعمال کا ثواب	۱۸۲
۲۶۶	مریض کی عیادت اور تسلی و ہمدردی	۱۸۳
۲۶۸	مریض پر دم اور اسکے لئے دعا و صحت	۱۸۴
۲۷۰	جب موت کے آثار ظاہر ہونے لگیں تو کیا کریں؟	۱۸۵
۲۷۱	مرنے کے بعد کیا کیا جائے	۱۸۶
۲۷۲	میت پر گریہ و بکا اور نوحہ و ماتم	۱۸۷
۲۷۵	آنکھ کے آنسو اور دل کا صدمہ	۱۸۸
۲۷۶	منہ بیت زدہ کی تعزیت اور ہمدردی	۱۸۹
۲۷۷	اش میت کے لئے حنائے کا اہتمام	۱۹۰
۲۷۷	موت پر نصیب اور اس کا اجر	۱۹۱
۲۷۹	آنحضرت کا ایک تعزیت نامہ اور صبر کی تلقین	۱۹۲
۲۸۰	میت کا غسل و غسل	۱۹۳
۲۸۲	کفن میں کیا کیا اور کیسے پہرے ہونے چاہئیں؟	۱۹۴
۲۸۳	جنازہ کے ساتھ چھٹے اور نماز جنازہ پڑھنے کا ثواب	۱۹۵

۲۸۳	۱۹۶ جنازہ کے ساتھ تیز رفتاری اور جلدی کا حکم
۲۸۵	۱۹۷ نماز جنازہ اور اس میں میت کے لئے دعا
۲۸۷	۱۹۸ نماز جنازہ میں کثرت تعداؤ کی برکت اور اہمیت
۲۸۹	۱۹۹ دفن کا طریقہ اور اسکے آداب
۲۹۰	۲۰۰ قبور کے متعلق ہدایات
۲۹۱	۲۰۱ زیارت قبور
	۲۰۲ اموات کے لئے ایصالِ ثواب

۲۔۱۔ چہارم

۲۹۵	۲۰۳ دیباچہ
۲۹۹	۲۰۴ کتاب الزکوٰۃ
۳۰۱	۲۰۵ دین میں زکوٰۃ کی اہمیت اور اس کا مقام
۳۰۱	۲۰۶ وفات نبویؐ کے بعد زکوٰۃ کا انکار کرنے والوں کے خلاف جہاد بالسیف پر صحابہ کا پہلا اجماع
۳۰۲	۲۰۷ زکوٰۃ کے تین پہلو
۳۰۲	۲۰۸ زکوٰۃ کا حکم اگلی شریعتوں میں
۳۰۳	۲۰۹ مطلق زکوٰۃ کا حکم اسلام کے ابتدائی دور میں ہجرت سے بہت پہلے آچکا تھا
۳۰۴	۲۱۰ ایمان اور نماز کے بعد زکوٰۃ کی دعوت
۳۰۶	۲۱۱ زکوٰۃ ادا کرنے کا عذاب
۳۰۷	۲۱۲ زکوٰۃ ادا نہ کرنا مال کی بربادی کا باعث
۳۰۸	۲۱۳ زکوٰۃ مال کی تطہیر اور تزکیہ کا ذریعہ
۳۱۰	۲۱۴ زکوٰۃ کے تفصیلی احکام اور ضوابط
۳۱۰	۲۱۵ تم سے تم ستم مال پر زکوٰۃ فرض ہے
۳۱۱	۲۱۶ اموال تجارت پر زکوٰۃ
۳۱۲	۲۱۷ زکوٰۃ سال گزرنے پر واجب ہوگی
۳۱۲	۲۱۸ زیورات پر زکوٰۃ کا حکم
۳۱۳	۲۱۹ زکوٰۃ پیشگی بھی ادا کی جاسکتی ہے
۳۱۳	۲۲۰ زکوٰۃ اور صدقات کے مستحقین
۳۱۵	۲۲۱ پیش کے طور پر بھیک مانگنے والے ”فقراء“ اور ”مساکین“ نہیں ہیں
۳۱۵	۲۲۲ جو لوگ تندرست و توانا ہوں اور کم کے کھائیں انہیں زکوٰۃ نہیں دینی چاہئے
۳۱۶	۲۲۳ زکوٰۃ صدقات اور خاندانِ نبوت
۳۱۸	۲۲۴ کن حالات میں سوال کرنے کی اجازت ہے اور کن حالات میں اجازت نہیں ہے
۳۲۱	۲۲۵ سوال میں بے جا دلالت ہے
۳۲۱	۲۲۶ اگر سوال کرنا تاثر بر ہو تو اللہ کے نیک بندوں سے کیا جائے

- ۲۲۷ اپنی حاجت بندوں کے سامنے نہ رکھو، بس اللہ کے سامنے رکھو
- ۲۲۸ بندوں سے سوال نہ کرنے پر جنت کی ضمانت
- ۲۲۹ اگر بغیر سوال اور طمع نفس کے سچے توبہ کا عطیہ ہے اسے لے لینا چاہئے
- ۲۳۰ جب تک محنت سے کماتے ہو سوال نہ کرو
- ۲۳۱ زکوٰۃ کے علاوہ مالی صدقات
- ۲۳۲ امیر غریب ہر مسلمان کے لئے صدقہ لازم ہے
- ۲۳۳ ہاتھ پاؤں سے کسی کی خدمت اور زبانی ہمدردی بھی ایک قسم کا صدقہ ہے
- ۲۳۴ صدقہ کی ترغیب اور اس کی برکات
- ۲۳۵ جو اللہ کی راہ میں ہے حساب دے گا اللہ تعالیٰ اس کو بے حساب عطا فرمائے گا
- ۲۳۶ جو ربا و خدا میں خرچ کر دیا جائے وہی باقی اور کام آنے والا ہے
- ۲۳۷ اتفاق کے بارے میں اصحاب یقین و توکل کی رلو
- ۲۳۸ حضرت بلالؓ کے تھوڑے سے چھوڑے جمع کر کے رکھنے پر رسول کا عتاب
- ۲۳۹ جو دولت مند کشادہ دہتی سے ربا و خدا میں صرف نہ کریں وہ بڑے خسارے میں ہیں
- ۲۴۰ صدقہ کے خواص اور برکات
- ۲۴۱ صدقہ کرنے سے مال میں کمی نہیں آتی بلکہ برکت ہوتی ہے
- ۲۴۲ ضرورت مندوں کو کھلانے پلانے اور پہنانے کا اجر و ثواب
- ۲۴۳ جو کچھ پیاسے جانوروں کو کھلانا پلانا بھی صدقہ ہے
- ۲۴۴ ایک گناہگار عورت پیاسے کتے کو پانی پلانے پر بخش دی گئی
- ۲۴۵ اللہ کے بندوں کو زحمت سے بچانے کا صلہ جنت
- ۲۴۶ کس وقت کے صدقہ کا ثواب زیادہ ہے
- ۲۴۷ (اللہ کی نگاہ میں اس صدقہ کی بڑی قیمت ہے جو بندہ اپنی زندگی اور تندرستی کے حال پر کرے، جس وقت کہ اس کے سامنے اپنے مسائل اور اپنا مستقبل بھی ہو اور جو صدقہ ایسے وقت کیا جائے جب موت سامنے کھڑی نظر آئے تو اس کی کوئی خاص قیمت اور وقعت نہیں ہے)
- ۲۴۸ اپنے اہل و عیال کی ضروریات پر خرچ کرنا بھی صدقہ ہے
- ۲۴۹ اہل قربات پر صدقہ کی خاص فضیلت اور اس کی حکمت
- ۲۵۰ مرنے والوں کی طرف سے صدقہ
- ۲۵۱ کتاب الصوم
- ۲۵۲ اسلام کے ارکان اربعہ میں روزہ کی خاص نوعیت
- ۲۵۳ اسلامی طرز حیات کی تعمیر میں روزہ کا اثر
- ۲۵۴ اگلی تمام شریعتوں میں بھی روزہ کا حکم
- ۲۵۵ آخری امت کے لئے فرض روزوں کا مخصوص نظام و نصاب اور اس کی حکمت
- ۲۵۶ ماہ رمضان کی تخصیص کی حکمت
- ۲۵۷ ماہ رمضان کے فضائل و برکات

- ۳۴۴ ابواب جنت کے کھول دیئے جانے، ابواب دوزخ کے بند کئے جانے اور شیطان کے جزدیئے جانے کا مطلب
- ۳۴۶ رمضان کی آمد پر رسول اللہ کا ایک خطبہ
- ۳۴۸ شب قدر کے ”ایک ہزار مہینوں“ سے بہتر ہونے کا مطلب
- ۳۴۹ روزہ کی قدر و قیمت اور اس کا صلہ
- ۳۵۱ ایمان و اتساب کے ساتھ روزہ اور تراویح باعث مغفرت
- ۳۵۲ ایمان و اتساب کا مطلب
- ۳۵۲ روزہ اور قرآن کی شفاعت
- ۳۵۳ رمضان کا ایک روزہ چھوڑنے کا نقصان ناقابل تلافی
- ۳۵۳ روزہ میں معصیتوں سے پرہیز
- ۳۵۳ رمضان کا عشرہ اخیرہ اور لیلۃ القدر
- ۳۵۶ شب قدر کی خاص دعا
- ۳۵۶ رمضان کی آخری رات بھی مغفرت کی خاص رات
- ۳۵۷ اعتکاف
- ۳۵۸ رمضان کے آخری عشرہ کا اعتکاف وفات شریف تک حضور کا معمول رہا
- ۳۵۸ اعتکاف کی پابندیاں
- ۳۵۹ اعتکاف کی پابندی کی وجہ سے معکف جو اعمال صالحہ نہیں کر سکتا اس کے اعمال نامہ میں ان کا ثواب بھی لکھا جاتا ہے
- ۳۵۹ رویت بلال
- ۳۶۰ شریعت اسلامی میں مہینے اور سال کیلئے قمری نظام اختیار کئے جانے کی مصنعت اور حکمت
- ۳۶۰ رمضان شروع ہونے یا ختم ہونے کا اصل دار و مدار رویت بلال پر ہے
- ۳۶۲ خبر اور شہادت سے چاند کا ثبوت
- ۳۶۸ ثبوت رمضان کے لئے ایک آدمی کی شہادت کافی ہے اور عید کے چاند کے لئے کم از کم دو آدمیوں کی شہادت ضروری ہے
- ۳۶۳ رمضان سے ایک دو دن پہلے روزہ رکھنے کی ممانعت اور اس کی حکمت
- ۳۶۳ محرمی اور افطار کے بارے میں ہدایات
- ۳۶۳ محرمی کھانے کی ترغیب و تاکید
- ۳۶۵ افطار میں غلبت اور محرمی میں تاخیر کرنے کا حکم
- ۳۶۶ صوم وصال کی ممانعت
- ۳۶۷ دوسروں کو منع فرمانے کے باوجود خود صوم وصال رکھنے کی وجہ
- ۳۶۸ روزہ کے افطار کے لئے کیا چیز بہتر ہے
- ۳۶۸ افطار کے وقت کی دعا
- ۳۶۹ کسی روزہ دار کو روزہ افطار کرانے کا ثواب
- ۳۶۹ مسافرت میں روزہ کا حکم

- ۲۸۹ سفر میں کس حالت میں روزہ رکھنا بہتر ہے اور کس حالت میں قضا کرنا بہتر ہے
- ۲۹۰ فرض روزوں کی قضا کا حکم
- ۲۹۱ نفس کی خواہش سے بلا حذر شرعی فرض روزہ توڑنے کا کفارہ
- ۲۹۲ کن چیزوں سے روزہ خراب نہیں ہوتا
- ۲۹۳ نفلی روزے
- ۲۹۴ رسول اللہ ﷺ نفلی روزے سب سے زیادہ شعبان میں رکھتے تھے
- ۲۹۵ شعبان میں زیادہ نفلی روزے رکھنے کی حکمت و مصمت
- ۲۹۶ رمضان کے بعد شوال کے چار روزے
- ۲۹۷ ہر مہینے تین نفلی روزے کافی ہیں
- ۲۹۸ مہینے کے تین روزوں کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کا معمول
- ۲۹۹ ہر مہینے ایام نیش (تیسویں، چودھویں، پندرہویں) کے روزے
- ۳۰۰ ایام عاشوراء اور ذوالحجہ اور اس کی تاریخی اہمیت
- ۳۰۱ مشرہ ذی الحجہ اور ذی الحجہ کا روزہ
- ۳۰۲ پندرہویں شعبان کا روزہ
- ۳۰۳ ہفتہ کے خاص دنوں میں نفلی روزے
- ۳۰۴ وہ دن جن میں نفلی روزہ رکھنا منع ہے
- ۳۰۵ نفلی روزہ توڑا بھی جا سکتا ہے
- ۳۰۶ نفلی روزے توڑ دینے پر قضا کا حکم اور اس بارے میں ائمہ کا اختلاف کتاب الحج
- ۳۰۷
- ۳۰۸ حج کیا ہے؟
- ۳۰۹ حج کی فرضیت اور فضیلت
- ۳۱۰ ان اذیوں کے لئے سخت و عید جو سنگ حج کا پورا سامان مہیا ہونے کے باوجود حج نہ کریں
- ۳۱۱ معصیتوں سے پاک اور مخلصانہ حج پر گنہگاروں کی معافی اور جنت کی بشارت
- ۳۱۲ میقات، احرام، تلبد
- ۳۱۳ میقات
- ۳۱۴ احرام کا لباس
- ۳۱۵ احرام سے پہلے غسل
- ۳۱۶ تلبد
- ۳۱۷ احرام کا پہلا تلبد کس وقت
- ۳۱۸ رسول اللہ ﷺ کے پہلے تلبد کے بارے میں صحابہ کرام کے بیانات کا اختلاف اور اس بارے میں حضرت
- ۳۰۹ عبد اللہ بن عباس کا قول فیصل
- ۳۰۹ تلبد بلند آواز میں پڑھا جائے
- ۳۱۰ تلبد کے بعد کی خاص دعا

- ۳۲۱ حجۃ الوداع
- ۳۲۲ ۹ھ میں رسول اللہ ﷺ نے حضرت صدیق اکبرؓ کو امیر حج بنا کر بھیجا اور خود اس سال حج نہیں فرمایا بلکہ اگلے سال ۱۰ھ میں حج کیا اس کی حکمت
- ۳۲۳ حجۃ الوداع کے لئے حضور ﷺ کس دن اور کس وقت مدینے سے روانہ ہوئے اور کتنے رفقاء آپ کے ہمراہ تھے
- ۳۲۴ حجۃ الوداع کے بارے میں حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا تفصیلی بیان
- ۳۲۵ ۱۰ھ میں انجھ کو حلق کرانے کے بعد حضور ﷺ کا اپنے سر کے مبارک بال ابو طلحہ انصاریؓ کو دے دینا اور ان کا لوگوں میں تقسیم کیا جانا
- ۳۲۶ حج کے اہم اعمال و ارکان
- ۳۲۷ مکہ میں داخلہ اور پہلا طواف
- ۳۲۸ حجر اسود
- ۳۲۹ طواف میں ذکر و دعا
- ۳۳۰ وقوف عرفہ کی اہمیت اور فضیلت
- ۳۳۱ رمی جمرات
- ۳۳۲ حج کی قربانی
- ۳۳۳ طواف زیارت اور طواف وداع
- ۳۳۴ طواف کے بعد ملتمز سے چمنہ اور دعا کرنا
- ۳۳۵ فضائل حرمین
- ۳۳۶ حرم مکہ کی عظمت اور اس کے خاص احکام
- ۳۳۷ مدینہ طیبہ کی عظمت اور محبوبیت
- ۳۳۸ تکلیفوں پر صبر کر کے مدینہ میں پڑنے والوں کے لئے شفاعت کی بشارت
- ۳۳۹ مدینہ میں مرنے والوں کے لئے شفاعت کی ضمانت
- ۳۴۰ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی دعا کہ: ”اے اللہ! مجھے شہادت عطا فرما، اور میری موت مدینہ میں ہو۔“ اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی قبولیت
- ۳۴۱ مسجد نبوی ﷺ کی عظمت و فضیلت اور دوسری مساجد کی بہ نسبت اس میں نماز کا ثواب
- ۳۴۲ روضہ مطہرہ کی زیارت

دیباچہ

از مؤلف

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی

اسلام بلکہ کسی بھی مذہب میں..... جس کو مذہب کہا جاسکتا ہو..... نبی اور رسول کے بغیر ہدایت کا کوئی تصور ہی نہیں۔ نبی اور رسول پر ہی ہدایت کا نزول ہوتا ہے، وہی بندوں کو اللہ کی ہدایت پہنچاتا ہے وہی اسکے اصولوں کی تشریح کرتا اور احکام کی عملی شکلیں بتاتا ہے پھر اس سلسلہ میں پیدا ہونے والے ضروری سوالات کا وہی جواب دیتا ہے۔ اسلئے ہدایت کے نظام میں رسول ہی کی حیثیت مرکزی اور بنیادی ہے اور وہی انسانوں کیلئے ہدایت کا ماخذ ہے، اور اسی لئے اس پر ایمان لانا اور اس کو اللہ کا مقرر کیا ہوا رہنما ماننا نجات اور سعادت کی بنیادی شرط ہے..... ہمارے اس دور کیلئے بلکہ چھٹی صدی عیسوی سے اس دنیا کے آخری دن یعنی قیامت تک کے لئے اور پورے عالم انسانی کیلئے حضرت محمد رسول اللہ ﷺ اللہ کے نبی اور رسول ہیں۔ اب اللہ کی رضا اور اس کا قرب حاصل کرنے کے لئے راہ صرف وہی ہے جس کی طرف حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے رہنمائی فرمائی..... قرآن مجید میں خود آپ ﷺ کو مخاطب کر کے فرمایا گیا:

”لَئِنْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْكُمُ اللّٰہُ وَیَغْفِرْ لَکُمْ ذُنُوْبَکُمْ ۗ وَاللّٰہُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۝
لَّیْ اَطِيعُوا اللّٰہَ وَالرَّسُوْلَ لَئِنْ تَوَلَّوْا لَیْسَ اللّٰہُ لَا یُحِبُّ الْکٰفِرِیْنَ“ (آل عمران: ۳۲، ۳۳)

(اے پیغمبر ﷺ) تم صاف صاف بتا دو کہ اے لوگو! اگر تم خدا کو چاہتے ہو اور اسکی رضا اور رحمت اور اسکے پیار کے طلبگار ہو تو اسکا راستہ صرف یہ ہے کہ تم میری پیروی کرو اور میری بتائی ہوئی راہ پر چلو صرف اسی طرح تم اسکی بخشش اور اسکے پیار سے حصہ پاسکو گے۔ اے رسول ﷺ) تم کہہ دو کہ اے لوگو! اللہ اور اسکے رسول کی یعنی میری فرمانبرداری کرو، اگر وہ نہ مانیں تو اللہ کی محبت اور اس کا پیار کبھی حاصل نہیں ہو گا نہ ماننے والوں کو۔

جب آپ پر ایمان لانا اور آپ ﷺ کا اتباع اور آپ کے اسوۂ حسنہ کی پیروی قیامت تک پیدا ہونے والے سارے انسانوں کے لئے نجات ہے اور رضائے الہی کی شرط قرار دی گئی تو ضروری تھا کہ یا تو آپ ﷺ کو اس دنیا کے خاتمہ تک زندہ رکھا جاتا تاکہ ہدایت اور رہنمائی کے لئے بہ نفس نفیس آپ ﷺ کی طرف رجوع کیا جاسکتا یا آپ کی پوری تعلیم و ہدایت اور آپ کے اسوۂ حسنہ کو اس طرح محفوظ کر دیا جاتا کہ بعد میں آنے والے بھی پورے علمی اعتماد اور قلبی اطمینان کے ساتھ اسی طرح آپ ﷺ سے تعلیم ہدایت لے سکتے جس طرح سے اور جس اعتماد و اطمینان کے ساتھ آپ کے زمانہ کے لوگ لیتے تھے۔

قیامت تک آپ کو باقی رکھنا حکمت الہی کے خلاف تھا اسلئے دوسرا بندوبست فرمایا گیا۔ آپ کی لائے ہوئی ہدایت کا ایک حصہ جو اساسی قانون اور بنیادی دستور کی حیثیت رکھتا ہے جس کے الفاظ بھی آسمانی اور الہامی ہیں یعنی قرآن مجید، اسکو تو اللہ تعالیٰ نے محفوظ کرا دیا۔ تاریخ سے واقفیت رکھنے والے غیر مسلم بھی جانتے ہیں کہ اسکا لفظ لفظ محفوظ ہے..... اسکے علاوہ زندگی کے مختلف شعبوں سے تعلق آپ کی تفصیلی ہدایات، آپ کے راہنما ارشادات و خطبات، آپ کے اعمال و افعال اور اخلاق و عادات گویا آپ کی پوری زندگی جو دراصل قرآن مجید کی تشریح و تفسیر اور اسکی ہدایت و تعلیم کی عملی تصویر ہے، اسکو بھی اللہ تعالیٰ نے آپ کی امت سے حدیث کی تدوین و حفاظت کا معجزانہ کام لیکر ایسا محفوظ کرا دیا کہ قریبا چودہ سو برس گزر جانے کے باوجود آپ کی پوری جیفیرانہ زندگی کا ریکارڈ اس طرح موجود اور محفوظ ہے کہ گویا اپنی خصوصیات کے ساتھ آپ خود اس دنیا میں رونق افروز ہیں..... اگر کسی باتوفیق بندے کی حدیث کے ذخیرے پر نظر ہو اور اسکو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ایمانی رابطہ بھی نصیب ہو تو وہ محسوس کرے گا کہ گویا حدیث کے آئینے میں اسکی نظر کے سامنے رسول اللہ ﷺ کی پوری زندگی کی نکسی تصویر ہے، وہ آپ کو اٹھتے بیٹھتے چلتے پھرتے ہستے بولتے نماز پڑھتے لوگوں کے سامنے خطبہ دیتے اللہ کے حضور دعا کرتے، اسمیں زار زار روتے اور اسمیں تسو بہاتے، احرام باندھتے حج کرتے، حج میں طواف اور سعی کرتے، قربانی کرتے اور حلق کراتے، مسجد کے صحن میں نزاعات کا تصفیہ کرتے، مجرموں کیلئے سزاؤں کے احکام جاری فرماتے اور میدان جنگ میں مجاہدین کی صفوں کی قیادت کرتے دیکھا ہو گا، اپنے دل کے کانوں سے آپکے ارشاد سننے گا۔ جلوت اور عام مجالس کے علاوہ خلوت کی آپکی ایسی بہت سی باتیں بھی اسکے علم میں آئیں گی جو اپنے قریب ترین عزیزوں و دوستوں حتیٰ کہ اپنے ماں باپ کو بھی وہ نہ جانتا ہو گا۔ ابھی چند دن پہلے کی بات ہے کہ اپنے ملک کے ایک مشہور و معروف غیر مسلم فاضل سے رسول اللہ ﷺ کی تعلیم اور آپ کی زندگی کے محفوظ ہونے ہی کے موضوع پر گفتگو کرتے ہوئے انکی بعض نقطہ فیمیں اور عقلی الجھنوں کو دور کر نیکے لئے مجھے کہنا پڑا: ”میرے والد ماجد کا انتقال جس وقت ہوا اسوقت میری عمر قریبا پینتالیس سال کی تھی گویا میں فہم و شعور کے ساتھ قریبا چالیس سال اپنے والد ماجد کے ساتھ رہا ہوں لیکن میں قسم کھا کے کہہ سکتا ہوں کہ حدیث کے ذریعے جتنا کچھ میں رسول اللہ ﷺ کے بارے میں جانتا ہوں اتنا اپنے والد ماجد کے بارے میں نہیں جانتا۔“ الحمد للہ مجھے اطمینان ہے کہ یہ بات میں نے غلط نہیں کہی تھی۔ صحابہ کرام جن کو دولت ایمان کے علاوہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ عشق کی نسبت بھی تھی جو کچھ آپ ﷺ سے سنتے تھے اور جو کچھ آپ ﷺ کو کرتے دیکھتے تھے اسکو یاد رکھتے تھے اور ذوق و شوق کے ساتھ اسکے تذکرے کرتے تھے۔ یہ ایمان اور عشق و محبت کا قدرتی تقاضا بھی تھا اور وہ اسکو اپنی اہم ذمہ داری، بڑی سعادت اور اللہ تعالیٰ کی رضا اور قرب کا وسیلہ بھی سمجھتے تھے..... بعض صحابہ مثلاً عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ آپ ﷺ کے ارشادات خود آپکی اجازت سے قلمبند کرتے تھے۔^۱

۱ صحیح بخاری میں حضرت ابوہریرہؓ کا یہ بیان موجود ہے کہ عبداللہ بن عمرو حدیثیں لکھا کرتے تھے اور مسند احمد اور سنن ابی داؤد میں خود عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ کا بیان مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے میں نے اس بات..... (جاری ہے)

پھر جن لوگوں کو رسول اللہ ﷺ کا زمانہ نصیب نہیں ہوا اور انھوں نے آپ ﷺ کے فیض یافتہ صحابہ کرام کو پایا انہوں نے معلومات و محفوظات کا وہ سارا ذخیرہ اُن سے حاصل کیا۔ اس دور میں (یعنی دور تابعین میں) خلیفہ راشد حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ کی خاص توجہ اور تحریک سے کتابی شکل میں صحابہ کرامؓ کی روایت سے احادیث کی جمع و تدوین کا کام شروع ہوا۔^۱

چنانچہ ابن شہاب زہری اور ہمام بن منبہ جیسے علماء تابعین نے اس کام کا آغاز کیا پھر اسکے تلامذہ جس اسکا نام رواج ہو گیا۔

اس دور کی مرتب کی ہوئی کتابوں میں سے امام مالکؒ کی مؤطا آج تک متداول ہے، اسکے علاوہ جو بہت سے مجموعے اس دور میں مرتب ہوئے تھے وہ مستقل صورت میں اگرچہ آج سامنے نہیں ہیں لیکن بعد سے تیار شدہ مجموعوں میں وہ پورا حتمی سرمایہ محفوظ ہو گیا۔

اس دور کے بعد امام عبدالرزاق، امام ابن ابی شیبہ، امام احمد اور حافظ الہدیث حمیدی جیسے سیکڑوں حضرات نے اپنے اپنے انداز پر اس کام کو آگے بڑھایا۔

ان کے بعد امام بخاریؒ، امام مسلمؒ، اور اصحاب سنن کا زمانہ آیا، انھوں نے اس سلسلے میں وہ کام کیا جو انکی مرتب کی ہوئی کتب صحیح کی شکل میں آج ہمارے سامنے ہے۔

اگلے بعد انہی کے طرز پر حدیث کے سیکڑوں مجموعے تیار ہوئے اور حدیث کی روایت اور تدوین و حفاظت کا یہ کام کئی صدی مسلسل اسی طرح ہوتا رہا۔ ساتھ ساتھ راویوں کی تنقید اور جرح تعدیل کا کام بھی خاص اہمیت سے ہوتا رہا۔ اور اسکے نتیجے میں چالیس ہزار سے زیادہ روایان حدیث کے حوالے سے متعلق اسماء الرجال کے عنوان سے ایک مستقل فن ایک پورا کتب خانہ تیار ہو گیا۔

اس کے ساتھ احادیث سے اصول و احکام کے استخراج و استنباط کا کام بھی برابر ہوتا رہا، جس کا ابتدائی نمونہ امام مالکؒ، امام ابو یوسفؒ، امام محمدؒ اور امام شافعیؒ کی کتابوں میں دیکھا جاسکتا ہے، اور امام بخاریؒ کے تراجم ابواب تو اس کی بہترین مثال ہیں۔

بعد کی صدیوں میں ہر دور کے علماء امت نے احادیث کے ان مجموعوں یا ان ہی سے مرتب ہونے والی دوسری مؤلفات کو اپنی خدمت اور توجہ کا مرکز بنایا اور ہر زمانہ میں اس کی ضرورت اور اہل زمانہ کے مذاق کے مطابق انکی شرحیں لکھی گئیں، اور یہ سلسلہ اب تک جاری ہے۔

ہمارے اس زمانے کی غالباً سب سے اہم ایک خصوصیت یہ ہے کہ مغربی علوم نظریات کی ترقی اور

(گزشتہ سے پوسٹ)

کی اجازت چاہی تھی اور آپ ﷺ نے مجھے اس بات کی اجازت دی تھی۔

(حاشیہ صفحہ ۵۸)

۱ عمر بن عبدالعزیزؓ نے مدینے طیبہ کے اپنے امیر اور قاضی ابو بکر بن حزم کو لکھا تھا: بطور حدیث رسول اللہ

فاکتہ فاسی حفت دروس العلم و دھاب العیسا، الخ

اشاعت نے پوری انسانی دنیا کی طرز فکر اور علمی مزاج کو زیادہ متاثر کیا ہے، اسلئے تعلیمات محمدی ﷺ کے آج کے ازمینوں کی یہ خاص ذمہ داری ہے کہ وہ اس ذہنی و فکری تبدیلی کو پیش نظر رکھتے ہوئے اس بیسویں صدی کے سامنے رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات و ہدایت کو پیش کریں۔

اللہ تعالیٰ نے اب سے دو سو سال پہلے ٹھیک اس وقت جبکہ ان مغربی علوم و افکار کی ترقی کا آغاز ہو رہا تھا اس کام کی بنیاد حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھوں سے رکھوا دی تھی۔ انکی بے نظیر کتاب ”حجۃ اللہ البالغۃ“ میں اس کام کے کرنے والوں اور اس راہ پر چلنے والوں کیلئے پوری روشنی موجود ہے۔ اس عاجز کا خیال ہے کہ حدیث و سنت کے بارے میں ہمارے اس دور کے ذہنوں کو مطمئن کرنے کا جیسا سامان اس کتاب میں ہے ایسا پورے اسلامی کتب خانہ کی کسی دوسری کتاب میں نہیں ہے۔

اس ناچیز نے چونکہ بیسویں صدی کے ذہن اور اس دور کی خصوصیات کو سامنے رکھ کر اردو میں شرح حدیث کا یہ سلسلہ شروع کیا تھا جس کی یہ تیسری جلد اب شائع ہو رہی ہے اس لئے اس میں دوسری شرح حدیث کی بہ نسبت زیادہ استفادہ ”حجۃ اللہ البالغۃ“ ہی سے کیا گیا ہے۔

اس کتاب میں حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ نے حدیث کے مقاصد و مطالب کی وضاحت اور اسکی حکمت کے بیان میں جو طریقہ اختیار کیا ہے اسکی ایک خصوصیت یہی ہے کہ اس سے اس دور کے ذہن بھی پوری طرح مطمئن ہو سکتے ہیں۔ اس کے علاوہ دوسری اور بڑی اہم خصوصیت اس کی یہ ہے کہ اسکی روشنی میں امت کے فقہاء و مجتہدین کے فقہی و اجتہادی اختلافات کی واقعی نوعیت سامنے آ جاتی ہے اور ایسا نظر آنے لگتا ہے کہ ان ائمہ کے یہ تمام فقہی مسالک ایک درخت کی قدرتی شاخیں یا ایک بڑے دریا سے نکلنے والی نہریں ہیں، ان سب کا سرچشمہ ایک ہی ہے، اور ان میں کوئی تضاد اور حقیقی اختلاف نہیں ہے، افسوس ہے کہ ہماری دور گاہوں میں ابھی تک یہ ولی الہی طریقہ رواج نہیں پاسکا، حالانکہ ہمارے اس دور کیلئے اللہ تعالیٰ کی یہ خاص الخاص نعمت ہے۔

معارف الحدیث کی یہ تیسری جلد ابواب طہارت اور ابواب صلوٰۃ پر مشتمل ہے۔ اس میں بہت سی حدیثیں ان مسائل سے متعلق بھی ناظرین کرام پڑھیں گے جن میں فقہاء کے مسالک مختلف ہیں، اس عاجز نے ان کی تشریح میں شاہ صاحب ہی کے اصولی طریقے کی پیروی کی ہے۔

اس جلد سے متعلق کچھ ضروری باتیں

معارف الحدیث کی پہلی جلد میں ایمان و آخرت سے متعلق، اور دوسری تزکیہ قلب و نفس اور اصلاح اخلاق سے متعلق احادیث مرتب کر کے پیش کی گئی تھیں، اس تیسری جلد میں اسلام کے پورے نظام عبادت یعنی نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج اور اذکار و عوّا کے ابواب کی حدیثیں جمع کر کے نذر ناظرین کرنے کا ارادہ تھا۔ لیکن صرف نماز اور طہارت کے ابواب کے صفحات پانچ سو کے قریب ہو گئے اسلئے اس جلد کو اسی پر تمام کر دینا پڑا، باقی حصہ انشاء اللہ چوتھی جلد میں پیش ہوگا، اندازہ یہ ہے کہ اسکی ضخامت بھی اتنی ہی ہو جائیگی۔

پہلی جلد ۱۳۷۳ھ میں شائع ہوئی تھی، دوسری اسکے تین سال بعد ۱۳۷۶ھ میں شائع ہو گئی تھی، یہ

تیسری جلد بعض خاص رکاوٹوں کی وجہ سے قریباً ۸ سال کے وقفے سے اب شائع ہو رہی ہے، لیکن اسکے بعد والی جلد کے بار میں امید ہے کہ وہ انشاء اللہ آنے والے سال ہی میں ناظرین کی خدمت میں پیش کی جاسکے گی۔ طہارت چونکہ بہت سی عبادات کے لئے خاص کر نماز کیلئے شرط قرار دی گئی ہے، اسلئے عام محدثین کا یہ دستور ہے کہ وہ اپنی مؤلفات میں نماز اور دوسری عبادات کی حدیثوں سے پہلے ابواب طہارت کی حدیثیں ذکر کرتے ہیں، اسی طریقے کی پیروی میں اس جلد میں بھی پہلے ابواب طہارت کی حدیثیں درج کی گئی ہیں جن کی تعداد صرف ۷۰ ہے، اسکے بعد ابواب نماز کی حدیثیں ہیں جنکی تعداد ۳۵۱ ہے۔ ان حدیثوں کے انتخاب اور ترتیب کا کام بہت غور و فکر سے کیا گیا ہے حدیث پر نظر اور دور حاضر کے علمی و دینی تقاضوں کی خبر رکھنے والے حضرات اگر غور فرمائیں گے تو محسوس کریں گے کہ ترجمہ اور تشریح سے قطع نظر انتخاب اور ترتیب کے بجائے خود ایک کام ہو گیا ہے۔

اس سے پہلی دو جلدوں کی طرح اس جلد میں بھی احادیث کے ترجمہ و تشریح میں اصل مطمح نظر یہ رہا ہے کہ ہمارے اس دور کے ذہن رسول اللہ ﷺ کی تعلیم کی عظمت اور قدر و قیمت کو سمجھیں اور انکے اندر اسکے اتباع کا جذبہ پیدا ہو اور اس نور اور روشنی سے وہ بھی حصہ لے سکیں جس سے آپ ﷺ کی اس تعلیم و ہدایت کے ذریعے صحابہ کرام کو حصہ ملا تھا، اسلئے خالص علمی و فنی اور درسی بحثوں سے بچایا گیا ہے اور اپنی بساط بھر آسان اور مؤثر انداز میں احادیث کا بس مقصد و پیام واضح کرنے اور حضرت شاہ ولی اللہ کے طریقے پر حسب ضرورت اسکی روح اور حکمت و مصلحت بیان کرنے پر اکتفا کیا گیا ہے۔

آمین اور رفع یدین جیسے اختلافی مسائل کے بارے میں ناظرین کو ذہنی اشتیاق اور پریشاں دماغی سے بچانے کیلئے جہاں کچھ لکھنا پڑا ہے تو امکان بھر اسکی کوشش کی گئی ہے کہ مناظرانہ بحث کی شکل نہ بنے۔ اب انہیں صحیح اور صواب وہ اللہ تعالیٰ کی توفیق سے ہے اور جو غلط ہے وہ اس ناقص العلم کے علم و فہم کا قصور ہے۔ پہلی دو جلدوں کی طرح اس جلد کی حدیثیں بھی زیادہ تر ”مشکوٰۃ المصابیح“ سے لی گئی ہیں اور تخریج میں اسی پر اعتماد کیا گیا ہے نیز اسی کی پیروی میں یہ طریقہ بھی اختیار کیا گیا ہے کہ جو حدیث صحیح بخاری یا صحیح مسلم سے لی گئی ہے وہ حدیث کی اگرچہ دوسری کتابوں میں بھی ہو لیکن حوالہ صرف صحیح بخاری یا صحیح مسلم ہی کا دیا گیا ہے، کیونکہ کسی حدیث کا ان میں سے کسی ایک میں ہونا بھی اسکی صحت کی کافی ضمانت ہے۔ بعض حدیثیں ”جمع الفوائد“ سے بھی لی گئی ہیں اور چند کنز العمال سے بھی، لیکن انکے لئے کنز العمال کا حوالہ التزاماً دیا گیا ہے۔ بعض حدیثیں براہ راست صحاح کی کتابوں صحیح بخاری، صحیح مسلم، جامع ترمذی، سنن ابی داؤد وغیرہ سے بھی لی گئی ہیں، یہ وہی حدیثیں ہیں جو ان الفاظ کے ساتھ مشکوٰۃ یا جمع الفوائد میں مذکور نہیں ہیں۔

جیسا کہ پہلی دو جلدوں کے دیباچہ میں لکھا جا چکا ہے چونکہ اس سلسلہ (معارف الحدیث) کا اصل مقصد دعوت اور تذکیر و تنصیم ہے اسلئے متن حدیث کے ترجمے میں نحوی ترکیب اور لفظی ترجمہ کی پابندی ضروری نہیں سمجھی گئی ہے، بلکہ حدیث کے مقصد اور پیام کو واضح کرنا پیش نظر رکھا گیا ہے اور اسی نقطہ نظر سے کسی حدیث کو مقدم یا مؤخر کیا گیا ہے۔

اپنے باتوفیق ناظرین سے آخری گزارش یا وصیت

پہلی دونوں جلدوں کے دیباچہ میں یہی کی گئی تھی اور اب بھی یہی ہے۔ کہ حدیث نبوی ﷺ کا مطالعہ صرف اضافہ معلومات کیلئے اور علمی سیر کے طور پر ہرگز نہ کیا جائے بلکہ آنحضرت ﷺ کے ساتھ اپنے ایمانی تعلق کو تازہ کرنے کیلئے اور رشد و ہدایت حاصل کرنے اور عمل کرنے کی نیت سے کیا جائے، نیز درس و مطالعہ کے وقت رسول اللہ ﷺ کی عظمت و محبت کو دل میں بیدار کیا جائے اور اس طرح ادب اور توجہ سے پڑھا یا سنا جائے کہ گویا حضور ﷺ کی مجلس مبارک میں ہم حاضر ہیں اور آپ فرما رہے ہیں اور ہم سن رہے ہیں۔ اگر ایسا کیا گیا تو قلب و روح کو ان انوار و برکات اور ایمانی کیفیات کا کچھ نہ کچھ حصہ انشاء اللہ ضرور نصیب ہو گا جو عہد نبوی ﷺ کے ان خوش نصیبوں کو حاصل ہوتی تھیں جن کو اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ سے براہ راست روحانی و ایمانی استفادہ کی دولت عطا فرمائی تھی۔ آخری کلمہ اللہ کی حمد ہے اور اس خدمت کے اتمام کے لئے حسن توفیق کی استدعا۔۔۔ اور غلطیوں اور گناہوں کی معافی کی التجا اللہ کی رحمت اور اس کے بندوں کی دعاؤں کا محتاج و طلبگار۔

محمد منظور نعمانی صاحب مدظلہ

تیم رمضان ۱۳۸۳ ۵ جنوری ۱۹۶۵

معارف الحدیث

جلد دوم — حصہ سوم

کتاب الطہارت

سلسلہ لکھنؤ

طہارت و پاکیزگی کی حقیقت اور دین میں اس کا مقام
اسلام میں طہارت و پاکیزگی کی حیثیت صرف یہی نہیں ہے کہ وہ نماز، تلاوت قرآن اور طواف کعبہ
جیسی عبادات کے لئے لازمی شرط ہے، بلکہ قرآن و حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بجائے خود بھی دین کا
ایک اہم شعبہ اور بذات خود بھی مطلوب ہے۔ قرآن مجید کی آیت ”ان اللہ یحب المتطہرین“ (اللہ تعالیٰ
پاکیزہ کرنے والوں سے محبت کرتا ہے اور پاک و صاف رہنے والے اپنے بندوں کو محبوب
رکھتا ہے)۔

اور قبا کی بستی میں رہنے والے اہل ایمان کی تعریف میں قرآن مجید کا ارشاد ”فہو احسن الخلق“ (اس میں ہمارے ایسے بندے ہیں جو بڑے پاکیزگی پسند ہیں اور اللہ
تعالیٰ خوب پاک و صاف رہنے والے بندوں سے محبت کرتا ہے)۔ صرف ان ہی دو آیتوں سے اندازہ کیا جا
سکتا ہے کہ اسلام میں طہارت و پاکیزگی کی بجائے خود کتنی اہمیت ہے۔ اسی طرح آگے پہلے ہی نمبر پر صحیح
مسلم کی جو حدیث درج کی جا رہی ہے اس کے پہلے فقرے ”الطہور شرط الایمان“ کا گویا لفظی ترجمہ ہی یہ
ہے کہ طہارت و پاکیزگی اسلام کا ایک حکم ہی نہیں بلکہ وہ دین و ایمان کا ایک اہم جزو ہے۔ اور ایک دوسری
حدیث میں اسکو ”ثمن ایمان“ فرمایا گیا۔ ہمارے استاذ الاساتذہ اور شیخ المشائخ حضرت شاہ ولی اللہ قدس سرہ کی
ایک نفیس تحقیق قابل ذکر ہے، اپنی بے نظیر کتاب ”تہذیب الباطن“ میں فرماتے ہیں:

”کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنے خاص فضل سے یہ حقیقت سمجھا دی ہے کہ فلاح و سعادت جس شاہراہ کی
طرف انبیاء علیہم السلام کی بعثت ہوئی (جس کا نام شریعت ہے) اگرچہ اس کے بہت سے ابواب ہیں اور ہر
باب کے تحت سینکڑوں احکام ہیں لیکن اپنی بے پناہ کثرت کے باوجود وہ سب بس ان چار اصولی عنوانوں
کے تحت آتے ہیں طہارت، اخبات، ستم حیات، عذالت“ ①

پھر شاہ صاحب نے ان میں سے ہر ایک کی حقیقت بیان کی ہے جس کے مطالعے کے بعد یہ بات بالکل
واضح ہو کر سامنے آتی ہے کہ بلاشبہ ساری شریعت بس ان ہی چار حصوں میں منقسم ہے۔ یہاں ہم شاہ
صاحب کے کلام کے صرف اس حصے کا خلاصہ درج کرتے ہیں جس میں انھوں نے طہارت کی حقیقت بیان
فرمائی ہے۔ فرماتے ہیں کہ:

ایک سلیم الفطرت اور صحیح المزاج انسان جس کا قلب بہیمیت کے سفلی تقاضوں سے مغلوب اور ان
میں مشغول نہ ہو، جب وہ کسی نجاست سے آلودہ ہو جاتا ہے یا اسکو پیشاب یا خاندہ کا سخت تقاضا ہوتا ہے یا
وہ تہاؤ وغیرہ سے فارغ ہو جاتا ہے تو اپنے نفس میں ایک خاص قسم کا انقباض و تکدر اور رگڑائی و بے اطمینانی

اور اپنی طبیعت میں سخت ظلمت کی ایک کیفیت محسوس کرتا ہے، پھر جب وہ اس حالت سے نکل جاتا ہے مثلاً پیٹ شاپ بلیا خانہ کا جو سخت تقاضا تھا اس سے وہ فارغ ہو جاتا ہے اور اچھی طرح استنجا اور طہارت کر لیتا ہے یا اگر وہ جماع سے فارغ ہوا تھا تو غسل کر لیتا ہے اور اچھے صاف ستھرے کپڑے پہن لیتا ہے اور خوشبو لگا لیتا ہے تو نفس کے انقباض و تکدر اور طبیعت کی ظلمت کی وہ کیفیت جاتی رہتی ہے اور اس کے بجائے اپنی طبیعت میں وہ ایک انشراح و انبساط اور سرور و فرحت کی کیفیت محسوس کرتا ہے۔ بس دراصل پہلی کیفیت اور حالت کا نام "ت" (ناپاکی) اور دوسری کا نام "ت" (پاکی و پاکیزگی) ہے، اور انسانوں میں جن کی فطرت سلیم اور جن کا وجدان صحیح ہے وہ ان دونوں حالتوں اور کیفیٹوں کے فرق کو واضح طور پر محسوس کرتے ہیں اور اپنی طبیعت و فطرت کے تقاضے سے "ت" کی حالت کو ناپسند اور دوسری کو (یعنی "ت" کی حالت کو) پسند کرتے ہیں۔

اور نفس انسانی کی یہ طہارت کی حالت ملاء اعلیٰ یعنی ملکوت کی حالت سے بہت مشابہت و مناسبت رکھتی ہے کیونکہ وہ دائمی طور پر بہیمی آلودگیوں سے پاک و صاف اور نورانی کیفیات سے شادیاں و فرحان رہتے ہیں اور اسی لئے حسب امکان طہارت و پاکیزگی کا اہتمام و دوام انسانی روح کو ملکوتی کمالات حاصل کرنے اور البہامات و منہات کے ذریعے ملاء اعلیٰ سے استفادہ کرنے کے قابل بنادیتا ہے۔ اور اس کے برعکس جب آدمی حدث اور ناپاکی کی حالت میں ڈوبا رہتا ہے تو اسکو شیاطین سے ایک مناسبت و مشابہت حاصل ہو جاتی ہے اور شیطانی وسوس کی قبولیت کی ایک خاص استعداد اور صلاحیت اس میں پیدا ہو جاتی ہے اور اس کی روح کو ظلمت گھیر لیتی ہے۔" (ابن عربی ص ۱۰۸)

شاہ صاحب کی اس عبارت سے معلوم ہوا کہ طہارت اور حدث دراصل انسانی روح اور طبیعت کی مذکورہ بالا دو حالتوں کا نام ہے اور ہم جن چیزوں کو حدث یا ناپاکی اور طہارت یا پاکیزگی کہتے ہیں وہ دراصل ان کے اسباب و موجبات ہیں اور شریعت ان ہی اسباب پر احکام جاری کرتی ہے اور انہی سے بحث کرتی ہے۔ امید ہے کہ طہارت کی حقیقت اور روح انسانی کیلئے اسکی ضرورت و اہمیت سمجھنے کے لئے شاہ صاحب کا یہ کلام انشاء اللہ کافی ہوگا۔ نیز اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ طہارت و پاکیزگی شریعت کا پورا چوتھا حصہ ہے۔ پھر اسی کتاب "تہذیب الاخلاق" کے ایک دوسرے مقام پر جہاں طہارت کے احکام اور انکے اسرار ہی کا بیان ہے فرماتے ہیں: طہارت کی تین قسمیں ہیں، ایک حدث سے طہارت (یعنی جن حالتوں میں غسل یا وضو واجب یا مستحب ہے۔ ان حالتوں میں غسل یا وضو کر کے شرعی طہارت و پاکیزگی حاصل کرنا۔ دوسرے ظاہری نجاست اور پلیدی سے جسم یا اپنے کپڑوں کو یا جگہ کو پاک کرنا۔ تیسرے جسم کے مختلف حصوں میں جو گندگیاں اور میل و کچیل پیدا ہو تارہتا ہے اسکی صفائی کرنا (جیسے دانتوں کی صفائی ناک کے نتھنوں کی صفائی، ناخن اور زیر ناف بالوں کی صفائی) آگے طہارت کے متعلق جو حدیثیں درج ہو گئی ان میں سے بعض کا تعلق مطلق طہارت سے ہوگا جو ان تینوں قسموں پر حاوی ہے، اور بعض کا تعلق کسی ایک خاص قسم سے ہوگا..... اس تمہیدی بیان کے بعد اب طہارت سے متعلق حدیثیں پڑھئے:

طہارت جزو ایمان ہے

عَنْ أَبِي مَالِكٍ الْأَشْعَرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ الطُّهُورُ شَطْرُ الْإِيمَانِ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ تَمْلَأُ الْمِيزَانَ وَسُبْحَانَ اللَّهِ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ تَمْلَأُ أَوْ تَمْلَأُ مَا بَيْنَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَالصَّلَاةُ نُورٌ وَالصَّدَقَةُ بُرْهَانٌ وَالصَّبْرُ حَيَاءٌ وَالْقُرْآنُ حُجَّةٌ لَكَ أَوْ عَلَيْكَ كُلُّ النَّاسِ يَغْدُو بَاسْمِهِ أَنْفَسُهُ لَمْ يَغْطِهَا أَوْ مَوْ بِقُهَا. (رواه مسلم)

ابو مالک اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ طہارت و پاکیزگی جزو ایمان ہے اور کلمہ الحمد للہ میزانِ عمل کو بھر دیتا ہے اور سبحان اللہ والحمد للہ بھر دیتے ہیں آسمان کو اور زمین کو، اور نماز نور ہے اور صدقہ دلیل و برہان ہے اور صبر اجالا ہے اور قرآن یا توحید ہے تمہارے حق میں یا حجت ہے تمہارے خلاف ہر آدمی صبح کرتا ہے پھر وہ اپنی جان کا سودا کرتا ہے پھر یہ توحید نجات دلا دیتا ہے یا سکول بلاک کر دیتا ہے۔ (صحیح مسلم)

..... جیسا کہ ظاہر ہے کہ یہ حدیث رسول اللہ ﷺ کا ایک خطبہ ہے جس میں آپ ﷺ نے دین کے بہت سے حقائق بیان فرمائے ہیں اس کا صرف پہلا جزو اور پہلا فقرہ (الطُّهُورُ شَطْرُ الْإِيمَانِ) طہارت سے متعلق ہے اور اسی وجہ سے یہ حدیث کتب حدیث میں "کتاب الطہارۃ" میں درج کی جاتی ہے شطر کے معنی نصف اور آدھے کے ہیں بلکہ اسی مضمون کی ایک اور حدیث جو امام ترمذی نے ایک دوسرے صحابی سے روایت کی ہے اس میں "الطُّهُورُ نِصْفُ الْإِيمَانِ" ہی کے الفاظ ہیں، لیکن اس عاجز کے نزدیک شطر و نصف دونوں لفظوں کا مطلب یہاں یہی ہے کہ طہارت و پاکیزگی ایمان کا خاص جزو اور اس کا اہم شعبہ اور حصہ ہے اور حضرت شاہ ولی اللہ کا جو کلام اوپر نقل ہوا ہے اس سے یہ حقیقت اتنی واضح اور روشن ہو چکی ہے جس پر کسی اضافہ کی ضرورت نہیں۔

طہارت و پاکیزگی کی یہ اہمیت بیان فرمانے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی تسبیح اور تمجید کا اجر و ثواب اور اسکی فضیلت بیان فرمائی ہے، تسبیح یعنی سبحان اللہ کہنے کا مطلب اپنے اس یقین کا اظہار اور اسکی شہادت ادا کرنا ہوتا ہے کہ اللہ کی مقدس ذات ہر اس بات سے پاک اور برتر ہے جو اسکی شان الوہیت کے مناسب نہ ہو اور تحمید یعنی الحمد للہ کہنے کا مطلب اپنے اس یقین کا اظہار اور اس شہادت کا ادا کرنا ہوتا ہے کہ ساری خوبیاں اور سارے کمالات جن کی بنا پر کسی کی حمد و ثناء کی جاسکتی ہے صرف اللہ تعالیٰ ہی کی ذات میں ہے اور اسلئے بس ساری حمد و ستائش بس اسی کے لئے ہے یہی تسبیح و حمد حق تعالیٰ کی نورانی اور معصوم مخلوق فرشتوں کا خاص وظیفہ ہے۔ قرآن مجید میں خود فرشتوں کا یہ بیان خود ان ہی کی زبانی نقل کیا گیا ہے "سبح بحمدك" (خداوند! ہم تیری حمد و تسبیح میں مصروف رہتے ہیں)۔

پس انسانوں کے لئے بھی بہترین و وظیفہ اور مقدس ترین شغل یہی ہو سکتا ہے کہ وہ اپنے اور سارے عالم

کے خالق و پروردگار کی تسبیح کریں رسول اللہ ﷺ نے اسی ترغیب کے لئے اس حدیث میں فرمایا ہے کہ ایک کلمہ سبحان اللہ میزانِ عمل کو بھردیتا ہے اور اس سبحان اللہ کے ساتھ الحمد للہ بھی مل جائے تو ان دونوں کا نور زمین و آسمان کی ساری فضاؤں کو معمور و منور کر دیتا ہے۔

”سبحان اللہ“ سے میزانِ اعمال کا بھر جانا اور ”سبحان اللہ والحمد للہ“ سے آسمان و زمین کا معمور ہو جانا یہ ان حقائق میں سے ہے جن کے اور اک کا حاسب یہاں ہم کو نہیں دیا گیا۔ ہاں اللہ تعالیٰ اپنے خاص بندوں پر اس قسم کی تحقیق کو کبھی کبھی یہاں بھی منکشف فرمادیتا ہے، ہم عوام کا حصہ یہی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی بیان فرمائی ہوئی ان حقیقتوں پر ایمان لائیں، انکا یقین کریں اور ان سے عمل کا فائدہ اٹھائیں۔ حمد و تسبیح کی اس فضیلت اور ترغیب کے بعد رسول اللہ ﷺ نے نماز کے بارے میں فرمایا ہے کہ ”وہ نور ہے“ اس دنیا میں نماز کی اس خصوصیت کا ظہور اس طرح ہوتا ہے کہ اسکی برکت سے قلب میں ایک نور پیدا ہوتا ہے جس کو اللہ کے وہ بندے خود محسوس کرتے ہیں جن کی نمازی حقیقی نمازی ہیں پھر اسی نور کا ایک اثر یہ ہوتا ہے کہ آدمی فواحش و منکرات سے بچتا ہوا چلتا ہے اسی کو قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے ”ان الصلوة تنسی عن الفحشاء والمنکر“ (بلاشبہ نماز میں یہ خاصیت ہے کہ وہ آدمی کو فواحش و منکرات سے روکتی ہے) اور آخرت کی منزلوں میں نماز کی اس نورانیت کا ظہور اس طرح ہو گا کہ وہاں کی اندھیروں میں نماز روشنی اور اجالا بن کر نمازی کے ساتھ ہو گی۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے کہ ”نور لھم یسعی لہ“ (اللہ کے نیک صالح بندوں کے آگے آگے اور دینی جانب انکے اعمال کا نور دوڑتا ہو گا)

اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے صدقے کے بارے میں فرمایا ہے کہ وہ دلیل و برہان ہے اس دنیا میں صدقے کے برہان ہونے کا مطلب بظاہر یہی ہو سکتا ہے کہ وہ اس امر کی کھلی ہوئی دلیل ہے کہ صدقہ کرنے والا بندہ مؤمن و مسلم ہے، اگر دل میں ایمان نہ ہو تو اپنی کمائی کا صدقہ کرنا آسان نہیں ہے ”وہو انشی فی الدین است“ اور آخرت میں اس خصوصیت کا ظہور اس طرح ہو گا کہ صدقہ کرنے والے مخلص بندے کے صدقے کو اسکے ایمان اور اسکی خدا پرستی اور نشانی مان کر اس کو انعامات سے نوازا جائے گا۔

اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے صبر کے بارے میں فرمایا ہے کہ وہ ”نسیا“ یعنی روشنی اور اجالا ہے بعض حضرات نے نماز اور صدقہ کی مناسبت سے یہاں لفظ صبر سے مراد روزہ لیا ہے، لیکن ناچیز کے نزدیک رائج یہ ہے کہ صبر یہاں اپنے اصل و وسیع معنی ہی میں استعمال ہوا ہے قرآن و حدیث کی زبان میں صبر کے اصل معنی ہیں ”اللہ کے حکم کے تحت نفس کی خواہشات کو دبانا اور اس راہ میں تمخیاں اور ناگواریاں برداشت کرتے رہنا“ اس لحاظ سے صبر گویا پوری دینی زندگی کو اپنے اندر لئے ہوئے ہے اور اس میں نماز، صدقہ، روزہ، حج اور جہاد اور انکے علاوہ اللہ کے لئے اور دین کے احکام کی پابندی میں ہر قسم کی تکلیفیں برداشت کرنا اور اپنی نفسانی خواہشات کو دبائے رکھنا، سب ہی اس کے مفہوم میں داخل ہے اور اسی کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ یہ صبر ”نسیا“ ہے قرآن مجید میں چاند کی روشنی کو ”نور“ اور سورج کی روشنی کو ”ضیاء“ فرمایا گیا ہے (ھو الذی جعل الشمس ضیاء والقمر نورا) (سورہ یس ۵۰) اس لحاظ سے صبر اور نماز سے پیدا ہونے والی

روشنیوں میں نسبت ہوگی جو سورج اور چاند میں ہے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

اسکے بعد رسول اللہ ﷺ نے قرآن مجید کے بارے میں فرمایا ہے کہ یا تو وہ تمہارے واسطے اور تمہارے حق میں دلیل یا تمہارے خلاف!..... مطلب یہ ہے کہ قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا کلام اور اس کا ہدایت نامہ ہے، اب اگر تمہارا تعلق اور رویہ اس کے ساتھ عظمت و احترام اور اتباع کا ہو گا جیسا کہ ایک صاحب ایمان کا ہونا چاہیے تو وہ تمہارے لئے شاہد و دلیل بنے گا اور اگر تمہارا رویہ اسکے برخلاف ہو گا تو پھر اسکی شہادت تمہارے خلاف ہوگی۔ ان تنبیہات و ترغیبات کے بعد رسول اللہ ﷺ نے آخر میں ارشاد فرمایا ہے کہ ”اس دنیا کا ہر انسان خواہ وہ کسی حال اور کسی شکل میں زندگی گزار رہا ہو وہ روزانہ اپنے نفس اور اپنی جان کا سودا کرتا ہے، پھر یا تو وہ اسکو نجات دلانے والا ہے یا ہلاک کرنے والا ہے۔“ مطلب یہ ہے کہ انسان کی زندگی ایک مسلسل تجارت اور سوداگری ہے، اگر وہ اللہ کی بندگی اور رضا طلبی والی زندگی گزار رہا ہے تو اپنی ذات کیلئے بڑی اچھی کمائی کر رہا ہے اور اسکی نجات کا سامان فراہم کر رہا ہے اور اگر اسکے برعکس وہ نفس پرستی اور خدا فراموشی کی زندگی گزار رہا ہے تو وہ اپنی تباہی اور بربادی کما رہا ہے اور اپنی دوزخ بن رہا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم کو ان حقیقوں کا یقین نصیب فرمائے اور رسول اللہ ﷺ کی ان ترغیبات و تنبیہات سے فائدہ اٹھانے کی توفیق دے۔

ناپاں سے مذاب قبر

۲. عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ مَرَّ النَّبِيُّ ﷺ بِقَبْرَيْنِ فَقَالَ إِنَّهُمَا لَيُعَذَّبَانِ وَمَا يُعَذَّبَانِ فِيْ كَيْفٍ أَمَّا أَحَدُهُمَا لَكَانَ لَا يَمْسِيْهُ (وَفِي رَوَايَةٍ لِمُسْلِمٍ لَا يَسْتَنِيْزُهُ) مِنَ الْبَوْلِ وَأَمَّا الْآخَرُ لَكَانَ يَمْشِيْ بِالنَّمِيمَةِ ثُمَّ أَخَذَ جَرِيْدَةً رَطْبَةً فَشَقَّهَا بِصُفْيَيْنِ ثُمَّ عَرَّزَ لِيْ كُلِّيْ قَبْرٍ وَاحِدَةً قَالُوا يَا رَسُوْلَ اللهِ لِمَ صَنَعْتَ هَذَا؟ فَقَالَ لَعَلَّهٗ أَنْ يُخْلَفَ عَنْهُمَا مَا لَمْ يَسْبِقَا (رواه البخاری و مسلم)

حضرت عبد اللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا گزر دو قبروں پر ہوا تو آپؐ نے فرمایا کہ جو دو آدمی ان قبروں میں مدفون ہیں انہیں عذاب ہو رہا ہے، اور کسی ایسے گناہ کی وجہ سے یہ عذاب نہیں ہو رہا ہے جس کا معاملہ بہت مشکل ہو تا (یعنی جس سے بچنا بہت دشوار ہو تا بلکہ یہ دونوں اپنے اپنے ایسے گناہ کی پاداش میں عذاب دیئے جا رہے ہیں جس سے بچنا کچھ مشکل نہ تھا) ان میں سے ایک کا گناہ تو یہ تھا کہ وہ پیشاب کی گندگی سے بچاؤ لپاک رہنے کی کوشش اور فکر نہیں کرتا تھا اور دوسرے کا گناہ یہ تھا کہ چغلیاں لگاتا پھرتا تھا۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے کھجور کی ایک تر شاخ لی اور اسکو سوچے چیر کر دو ٹکڑے کیا، پھر ہر ایک کی قبر پر ایک ٹکڑا لٹا دیا۔ صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ یہ آپ نے کس مقصد سے کیا آپؐ نے فرمایا، امید ہے کہ جس وقت تک شاخ کے یہ ٹکڑے بالکل خشک نہ ہو جائیں ان دونوں کے عذاب میں تخفیف نہ لگائی جائے۔ (صحیح بخاری، صحیح مسلم)

ترجمہ..... مذاب قبر کے بارے میں اصولی بحث اس سلسلے کی پہلی جلد میں کی جا چکی ہے اور وہیں وہ حدیثیں

بھی ذکر کی جاچکی ہیں جن میں صراحت فرمایا گیا ہے کہ عذاب قبر کی چیخ و پکار کو آپس کی دوسری سب مخلوق سنتی ہے لیکن جن و انس عام طور سے نہیں سنتے اور وہیں اسکی حکمت بھی تفصیل سے بیان کی جاچکی ہے، نیز وہیں صحیح مسلم کی ایک حدیث نقل کی جاچکی ہے جس میں بعض قبروں کے عذاب پر رسول اللہ ﷺ کے مطلع ہونے کا ایک واقعہ بیان کیا گیا ہے۔ پس یہ واقعہ جو اس حدیث میں بیان ہوا ہے یہ بھی اسی طرح کا ایک دوسرا واقعہ ہے اللہ تعالیٰ انبیاء علیہم السلام کو عالم غیب کی بہت سی ایسی چیزوں کا مشاہدہ کراتا ہے اور بہت سی ایسی آوازیں سنوا دیتا ہے جن کو عام انسانوں کی آنکھیں اس عالم میں نہیں دیکھتیں اور انکے کان نہیں سنتے۔ بہر حال یہ بھی اسی قبیل کی ایک چیز ہے۔

اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے ان دونوں صاحبوں کے عذاب کا سبب ان کے دو خاص گناہوں کو بتایا ہے ایک کے متعلق بتایا کہ وہ چغلی کرتا تھا جو ایک سنگین اخلاقی جرم ہے اور قرآن مجید میں بھی ایک جگہ اس کا ذکر ایک کافر اند خصلت یا منافقانہ عادت کے طور پر کیا گیا ہے۔ فرمایا گیا: ﴿لَا تَطْعَمُونَ خَلْقًا﴾ مہین ۵ ﴿هَٰذَا مِثْلُ مَا كُنْتُمْ تَفْعَلُونَ﴾ (قلم) اور کتب قدیمہ کے بہت بڑے عالم کعب احبار سے مروی ہے کہ تورات میں چغلی کو سب سے بڑا گناہ بتایا گیا ہے۔^۵ اور دوسرے کے عذاب کا سبب آپ نے یہ بتایا کہ وہ پیشاب کی گندگی سے بچاؤ اور پاک صاف رہنے میں بے احتیاطی کرتا (لا یستنجی اور لا یستبذ) دونوں کا حاصل مطلب یہی ہے، اور صحیح بخاری کی روایت میں اس واقعہ پر ﴿لَا یَسْتَنْجِی﴾ بھی آیا ہے اور حاصل اس کا بھی یہی ہے، بہر حال اس سے معلوم ہوا کہ پیشاب کی گندگی سے (اور اسی طرح دوسری ناپاکیوں سے) بچنا یعنی اپنے جسم اور اپنے کپڑوں کو محفوظ رکھنے کی کوشش کرنا اللہ تعالیٰ کے اہم احکامات میں سے ہے اور اسمیں کوتاہی اور بے احتیاطی ایسی معصیت ہے کہ جس کی سزا آدمی کو قبر میں بجھکتی پڑے گی۔

آگے حدیث میں جو یہ ذکر ہے کہ آپؐ نے کھجور کی ایک تر شاخ منگوائی اور بیچ میں سے اس کے دو ٹکڑے کر کے ایک ایک ٹکڑا ان دونوں کی قبر پر گاڑ دیا۔ اور بعض صحابہؓ نے جب اس کی بابت دریافت کیا تو آپؐ نے فرمایا کہ ”مجھے امید ہے کہ جب تک ان ٹکڑوں میں کچھ تری رہے گی اس وقت تک کیلئے ان کے عذاب میں تخفیف کر دی جائے گی..... اسکی ایک توجیح بعض شارحین نے یہ ذکر کی ہے کہ کسی درخت کی شاخ میں جب تک کچھ تری نمی رہتی ہے اس وقت تک وہ زندہ رہتی ہے اور اس وقت تک وہ اللہ کی تسبیح و حمد کرتی رہتی ہے..... گویا قرآن مجید کی آیت ”وَاللَّهُ سَمِیعٌ عَلِیمٌ“ کا مطلب ان حضرات کے نزدیک یہ ہے کہ ہر چیز اس وقت تک جب تک کہ اس میں کچھ زندگی ہو اللہ تعالیٰ کی حمد و تسبیح کرتی رہتی ہے اور جب اس چیز کی زندگی ختم ہو جاتی ہے تو اسکی حمد و تسبیح بھی ختم ہو جاتی ہے..... بہر حال اسی بنا پر ان حضرات نے رسول اللہ ﷺ کے اس فعل اور آپ کے اس ارشاد کی توجیہ یہ کی ہے کہ آپؐ نے کھجور کی شاخ کے یہ ٹکڑے ان قبروں پر اسلئے گاڑے کہ انکی تسبیح و حمد کی برکت سے عذاب میں تخفیف ہو جائے اور آپؐ نے ان ٹکڑوں

① اور متناو اس شخص کی بات جو (جھوٹ بولنے میں بے باک) بے تحاشا قسمیں کھانے کا عادی ہے اور عیب چینی اور

چغلی چغلی جس کا مشغلہ ہے۔ ② ذکرہ شیخ عبد الحق فی شرح مشکوٰۃ

کے خشک ہونے تک تخفیف کی جو امید ظاہر فرمائی اس کی بنیاد بس یہی تھی۔ لیکن اکثر شارحین نے اس توجیہ کو غلط قرار دیا ہے، اور ہمارے نزدیک بھی یہ توجیہ بالکل غلط بلکہ مبہل ہے۔ ذرا غور کرنے سے ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ اگر آپؐ نے یہ کام اس نقطہ نظر سے کیا ہوتا تو کھجور کی شاخ چیر کے آپؐ اس کے ٹکڑے قبروں پر نصب نہ کرتے کیونکہ وہ دو دو چار دن میں خشک ہو جاتے ہیں بلکہ اس صورت میں آپؐ ان قبروں پر کوئی پودا نصب کر دیتے جو برسہا برس تک ہرارت نہا۔ دوسری واضح دلیل اس توجیہ کے غلط ہونے کی یہ ہے کہ اگر صحابہ کرامؓ نے آپؐ کا منشاء اور نقطہ نظر یہ سمجھا ہوتا تو وہ سب ایسا ہی کرتے اور ہر قبر پر شاخ نصب کرنے بلکہ درخت لگانے کا اس دور میں عام رواج ہوتا حالانکہ ایسا نہیں ہوا بہر حال حضورؐ کے اس عمل اور اس ارشاد کی یہ توجیہ بالکل غلط ہے اور پھر اس توجیہ پر بزرگان دین کے مزارات پر ہار پھول چڑھانے کی مشرکانہ رسم کا جواز نکالنا تو روح اسلام پر سخت ظلم ہے۔

پس صحیح توجیہ رسول اللہؐ کے اس عمل اور ارشاد کی یہ ہے کہ آپؐ نے اللہ تعالیٰ سے ان مردوں کے لئے تخفیف عذاب کیلئے دعا فرمائی تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپؐ کو بتایا گیا کہ آپؐ اس طرح ایک ہری شاخ کے دو حصے کر کے ان قبروں پر ایک ایک گاڑ دیتے۔ جب تک اس میں تری رہے گی اس وقت تک کیلئے ان کے عذاب میں تخفیف کر دی جائے گی۔ صحیح مسلم کے آخر میں حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایک طویل حدیث ہے اس میں بھی دو قبروں کے عذاب کا ذکر ہے اور وہ دوسرا واقعہ ہے وہاں حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ بیان ہے کہ حضورؐ نے مجھے یہ حکم دیا کہ جاؤ ان درختوں میں سے دو شاخیں کاٹ کے فلاں جگہ ڈال دو! حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے آپؐ کے حکم کی تعمیل کی اور جب آپؐ سے اسکی بابت میں نے دریافت کیا تو آپؐ نے فرمایا کہ وہاں دو قبریں ہیں جن پر عذاب ہو رہا ہے، میں نے اللہ تعالیٰ سے تخفیف عذاب کی استدعا کی تھی، اللہ تعالیٰ نے اتنی بات قبول فرمائی کہ جب تک یہ شاخیں تر رہیں گی ان کے عذاب میں تخفیف رہے گی۔۔۔۔۔۔ بہر حال حضرت جابرؓ کی اس روایت سے یہ بات صراحتہ معلوم ہو گئی کہ ہری شاخوں کو یا کئی تری کو عذاب کی تخفیف میں کوئی دخل نہیں تھا، بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ بات فرمائی گئی تھی کہ آپؐ کی دعا کی وجہ سے ہم اتنی مدت کیلئے انکے عذاب میں تخفیف کر دیں گے۔ پس اصلی چیز تھی حضورؐ کی دعا اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے اسکی بنا پر ایک محدود مدت تک کیلئے تخفیف کا فیصلہ۔

شارحین نے اس حدیث کی شرح میں اسپر بھی گفتگو کی ہے کہ یہ دو قبریں جن پر رسول اللہؐ نے کھجور کی شاخ کے ٹکڑے گاڑھے، مسلمانوں کی تھیں یا غیر مسلموں کی؟ اور پھر ترجیح اسکو دی ہے کہ یہ قبریں مسلمانوں کی تھیں، اسکا ایک واضح قرینہ خود اسی حدیث میں یہ موجود ہے کہ آپؐ نے عذاب کا سبب چغل خوری کی عادت اور پیشاب کے معاملے میں بے احتیاطی اور لاپرواہی بتایا ہے حالانکہ یہ قبریں کافروں کی ہوتیں تو عذاب کا سبب سے بڑا سبب انکا کفر اور شرک بتلایا جاتا۔۔۔۔۔۔ علاوہ ازیں مسند احمد میں حضرت ابوالانامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایک روایت ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ قبریں بقیع میں تھیں اور آپؐ نے بقیع سے گزرتے ہوئے ان قبروں کے عذاب کو محسوس کیا تھا، اور معلوم ہے کہ مدینہ طیبہ میں بقیع مسلمانوں ہی

کا قبرستان ہے... بہر حال ان سب قرآن حکیم معلوم ہوتا ہے کہ یہ قبریں مسلمانوں ہی کی تھیں... واللہ تعالیٰ اعلم۔
اس حدیث کا خاص سبق اور اسکی خاص ہدایت یہ ہے کہ پیشاب وغیرہ کی نجاست سے اپنے کو محفوظ رکھنے کی پوری کوشش اور فکر کی جائے اور جسم اور کپڑوں کے پاک صاف رکھنے کا اہتمام کیا جائے اور پھلخوری جیسی منافقانہ اور مفسدانہ عادت سے بچا جائے ورنہ ان دونوں باتوں میں کوتاہی اور بے احتیاطی کا خمیازہ بھگتنا ہوگا۔ اَللّٰهُمَّ احْفَظْنَا:.....

قضاء حاجت اور استنجاء سے متعلق ہدایت

(۳) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِنَّمَا آتَاكُمْ مِفْلَ الْوَالِدِ لَوْلِيهِ أَعْلَمَكُمْ إِذَا آتَيْتُمُ الْغَائِطَ فَلَا تَسْتَقْبِلُوا الْقِبْلَةَ وَلَا تَسْتَذْبِرُوهَا، وَأَمْرٌ بِقَلْبِهِ أَحْجَابُ وَنَهْيٌ عَنِ الرُّوثِ وَالرِّمَّةِ وَنَهْيٌ أَنْ يَسْتَقْبِلَ الرَّجُلُ بِيَمِينِهِ. (رواہ ابن ماجہ والدارمی)

ترجمہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے ارشاد فرمایا میں تم لوگوں کے لئے مثل ایک باپ کے ہوں اپنی اولاد کیلئے (یعنی جس طرح اولاد کی خیر خواہی اور انکوزندگی کے اصول و آداب سکھانا ہر باپ کی ذمہ داری ہے اسی طرح تمہاری تعلیم و تربیت میرا کام ہے اسلئے) میں تمہیں بتاتا ہوں کہ جب تم قضائے حاجت کیلئے جاؤ تو نہ قبلہ کی طرف منہ کر کے بیٹھو نہ اسکی طرف پشت (بلکہ اس طرح بیٹھو کہ قبلہ کی جانب نہ تمہارا منہ ہو نہ تمہاری پیٹھ)۔ (حضرت ابو ہریرہ کہتے ہیں کہ) اور آپ نے استنجہ میں تین پتھروں کے استعمال کرنے کا حکم دیا اور منع فرمایا استنجہ میں لید اور ہڈی استعمال کرنے سے اور منع فرمایا دانے ہاتھ سے استنجہ کرنے سے۔ (مشن ابن ماجہ ص ۱۰۱)

(۴) عَنْ سَلْمَانَ قَالَ قِيلَ لَهُ لِمَ عَلَّمَكُمْ نَيْتُكُمْ ﷺ كُلَّ خَيٍّْ حَتَّى الْخِزَاءِ قَالَ لَقَالَ أَجَلٌ لَقَدْ نَهَانَا أَنْ نَسْتَقْبِلَ الْقِبْلَةَ لِغَائِطٍ أَوْ بَوْلٍ أَوْ أَنْ نَسْتَجْبِيَ بِالْيَمِينِ أَوْ أَنْ نَسْتَجْبِيَ بِالْقُلِّ مِنْ لَفْلَفَةِ أَحْجَابٍ أَوْ أَنْ نَسْتَجْبِيَ بِرُجْعٍ أَوْ بِعَظْمٍ.. (رواہ مسلم)

ترجمہ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ سے روایت ہے، بیان فرماتے ہیں کہ (بعض مشرکوں کی طرف سے تمسخر اور طنز کے طور پر) ان سے کہا گیا کہ تمہارے پیغمبرؐ نے تو تم لوگوں کو ساری ہی باتیں سکھائی ہیں۔ یہاں تک کہ پاخانہ پھرنے کا طریقہ بھی! حضرت سلمان نے ان سے کہا ہاں بیشک (انھوں نے ہم کو سب ہی کچھ سکھایا ہے اور استنجہ کے متعلق بھی ضروری ہدایتیں دی ہیں۔ چنانچہ) انھوں نے ہم کو اس سے منع فرمایا ہے کہ پاخانہ یا پیشاب کے وقت ہم قبلہ کی طرف رخ کریں یا یہ کہ ہم دانے ہاتھ سے استنجہ کریں یا یہ کہ ہم استنجہ میں تین پتھروں سے کم استعمال کریں یا یہ کہ ہم استنجہ کریں (اونٹ گھوڑے یا تیل وغیرہ) کسی چوپائے کے فضلے یا ہڈی سے)۔ (مشن ابن ماجہ ص ۱۰۱)

تشریح..... جس طرح کھانا پینا انسان کی بنیادی ضرورتوں میں سے ہے اسی طرح پاخانہ پیشاب بھی ہر انسان کے ساتھ لگا ہوا ہے۔ نبی برحق حضرت محمد نے جس طرح زندگی کے دوسرے کاموں اور شعبوں میں

ہدایات دی ہیں اسی طرح پاخانہ و پیشاب اور طہارت و استنجہ کے بارے میں بھی بتایا ہے کہ یہ مناسب ہے اور یہ نامناسب، یہ درست ہے اور یہ نادرست.....

مندرجہ بالا دونوں حدیثوں میں رسول اللہ ﷺ نے جو ہدایات اس باب میں دی ہیں وہ چار ہیں۔ ایک یہ کہ پاخانہ کیلئے اس طرح بیٹھا جائے کہ قبلے کی طرف نہ منہ ہو نہ پیٹھ۔ یہ قبلے کے ادب و احترام کا تقاضا ہے۔ ہر مہذب آدمی جس کو لطیف اور روحانی حقیقتوں کا کچھ شعور و احساس ہو۔ پیشاب یا پاخانے کے وقت کسی مقدس اور محترم چیز کی طرف منہ یا پیٹھ کر کے بیٹھنا بے ادبی اور گنوار بن سمجھتا ہے۔

دوسری ہدایت آپ ﷺ نے یہ دی کہ داہنا ہاتھ جو عام طور پر کھانے پینے، لکھنے پڑھنے، لینے دینے وغیرہ سارے کاموں میں استعمال ہوتا ہے اور جس کو ہمارے پیدا کرنے والے نے پیدائشی طور پر بائیں ہاتھ کے مقابلے میں زیادہ صلاحیت اور خاص فوقیت بخشی ہے اسکو استنجہ کی گندگی کی صفائی کے لئے استعمال نہ کیا جائے۔ یہ بات بھی ایسی ہے کہ ہر مہذب آدمی جس کو انسانی شرف کا کچھ شعور و احساس ہے، اپنے بچوں کو یہ بات سکھانی ضروری سمجھتا ہے۔

تیسری ہدایت آپ ﷺ نے یہ دی ہے کہ استنجہ میں صفائی کیلئے کم سے کم تین پتھر استعمال کرنے چاہئیں، کیونکہ عام حال یہی ہے کہ تین سے کم میں پوری صفائی نہیں ہوتی۔ پس اگر کوئی شخص محسوس کرے کہ اسکو صفائی کیلئے تین سے زیادہ پتھروں یا ڈھیلوں کے استعمال کرنے کی ضرورت ہے تو اپنی ضرورت کے مطابق زیادہ استعمال کرے۔ یہ بھی ملحوظ رہے کہ حدیثوں میں استنجہ کے لئے خاص پتھر کا ذکر اسلئے آتا ہے کہ عرب میں پتھر کے ٹکڑے ہی اس مقصد کیلئے استعمال ہوتے تھے، ورنہ پتھر کی کوئی خصوصیت نہیں ہے۔ مٹی کے ڈھیلے اور اسی طرح ہر ایسی پاک چیز سے یہ کام لیا جاسکتا ہے جس سے صفائی کا مقصد حاصل ہو سکتا ہو۔ اسکا استعمال اس کام کیلئے نامناسب نہ ہو۔

چوتھی ہدایت آپ ﷺ نے اس سلسلے میں یہ دی کہ کسی جانور کی گرمی پڑی بڑی سے اور اسی طرح کسی جانور کے خشک فضلے سے یعنی لید وغیرہ استنجہ نہ کیا جائے۔ کیونکہ زمانہ جاہلیت میں عرب کے بعض لوگ ان چیزوں سے بھی استنجہ کر لیا کرتے تھے اسلئے رسول اللہ ﷺ نے صراحتاً اس سے منع فرمادیا۔ اور ظاہر ہے کہ ایسی چیزوں سے استنجہ کرنا سلیم الفطرت اور صاحب تمیز آدمی کے نزدیک بڑے گنوار بن کی بات ہے۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ إِذَا أَتَى الْعُلَاءَ أَتَيْتَهُ بِمَاءٍ لَمْ يَتَوَدَّرْ وَرُكُوءَةً لَأَسْتَجْلِيَ ثُمَّ مَسَحَ يَدَهُ عَلَى الْأَرْضِ ثُمَّ أَتَيْتَهُ بِأَنْدَاءٍ غَرَّ كَثْرَتُهَا۔ (رواہ ابو داؤد)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب استنجہ کو جاتے تھے تو میں آپ کو پانی لا کے دیتا تھا پانی کے برتن تور میں (جو کاسی یا پتھر سے بنا ہوا ایک برتن ہوتا تھا) یا رکود میں (یعنی چمڑے کے چھوٹے ٹکڑے میں) تو آپ اس سے طہارت کرتے تھے، پھر اپنے ہاتھ کو زمین کی مٹی پر ملتے تھے، پھر دوسرا برتن پانی کا لاتا تھا تو اس سے آپ وضو کرتے تھے۔ (بخاری ص ۱۰۰)

تشریح..... مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ پتھر وغیرہ سے استنجہ کرنے کے بعد پانی سے بھی طہارت فرماتے تھے، پھر اس کے بعد ہاتھ کو زمین پر مل کر دھوتے تھے، اس کے بعد وضو بھی فرماتے تھے..... حدیث کے راوی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ کے استنجے اور وضو کیلئے پانی لا کر دینے کی سعادت عموماً مجھے حاصل ہوتی تھی..... صحیحین کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ اس خدمت میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بھی خاص حصہ تھا۔

جیسا کہ اس حدیث سے معلوم ہوا آپ کی عادت مبارکہ یہی تھی کہ قضاے حاجت اور استنجے سے فارغ ہو کر وضو بھی فرماتے تھے۔ لیکن کبھی کبھی یہ ظاہر کرنے کیلئے کہ یہ وضو کرنا صرف اولیٰ و افضل ہے فرض یا واجب نہیں ہے آپ نے اسکو ترک بھی کیا۔ چنانچہ سنن ابی داؤد اور سنن ابن ماجہ میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ چشتاب سے فارغ ہوئے تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ وضو کے لئے پانی لے کر کھڑے ہو گئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ”عمر یہ کیا ہے، کس کیلئے پانی لئے کھڑے ہو؟“ حضرت عمرؓ نے عرض کیا، آپ کے وضو کیلئے پانی لایا ہوں آپ نے فرمایا کہ میں اس کے لئے مامور نہیں ہوں کہ جب پیشاب کروں تو ضروری وضو کروں اور اگر میں پابندی اور مداومت کروں تو امت کیلئے ایک قانون اور دستور بن جائے گا۔

اس حدیث سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ رسول اللہ ﷺ مسند کی صحیح کو رعیت اپنے عمل سے واضح کرنے کیلئے اور امت کو غلط فہمی اور مشقت سے بچانے کیلئے کبھی کبھی اولیٰ اور افضل کو ترک بھی فرمادیتے تھے۔

۶ عَنْ أَبِي أَيُّوبَ وَ جَابِرٍ وَ أَنَسٍ أَنَّ هَذِهِ الْآيَةَ لَمَّا نَزَلَتْ فِيهِ رِجَالٌ يُحِبُّونَ أَنْ يَتَطَهَّرُوا وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُطَهَّرِينَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يَا مَعْشَرَ الْأَنْصَارِ إِنَّ اللَّهَ لَذُنْفَنِي عَلَيْكُمْ فِي الطَّهْرِ لَمَّا طَهُرْتُكُمْ قَالُوا تَوَضَّأُ لِلصَّلَاةِ وَ تَغْتَسِلُ مِنَ الْجَنَابَةِ وَ تَسْتَجِئُ بِالْمَاءِ فَإِنَّ لَهُوَ ذَاكَ لَعَلَّكُمْ تُرَوِّدُونَ — (رواہ ابن ماجہ)

ترجمہ..... حضرت ابو ایوب انصاری اور حضرت جابر اور حضرت انس رضی اللہ عنہم سے روایت ہے تینوں حضرات بیان فرماتے ہیں کہ مسجد قبا کے بارہ میں جب (سورۃ توبہ) کی یہ آیت نازل ہوئی ”فیه رجالٌ یحبُّونَ ان یطہروا“ واللہ یحبُّ المطہرین“ (اس مسجد میں ہمارے ایسے بندے ہیں جو پاکیزگی پسند کرتے ہیں اور اللہ ایسے پاکیزگی پسند لوگوں سے محبت کرتا ہے) تو رسول اللہ ﷺ نے (اس مسجد میں نماز پڑھنے والے اور اسکو آباد کرنے والے انصار سے) فرمایا۔ اے گروہ انصار اللہ تعالیٰ نے طہارت و پاکیزگی کے بارے میں تمہاری تعریف فرمائی ہے تو وہ تمہاری کیا صفائی اور پاکیزگی ہے؟ انھوں نے عرض کیا کہ (طہارت و پاکیزگی کی کوئی خاص بات اس کے سوا تو ہم اپنے میں نہیں پاتے) کہ نماز کیلئے وضو کرتے ہیں، جنابت کا غسل کرتے ہیں اور پانی سے استنجہ کرتے ہیں (یعنی صرف پتھر وغیرہ کے استعمال پر اکتفا نہیں کرتے بلکہ بعد میں پانی سے بھی استنجہ کرتے ہیں) آپ نے فرمایا بس یہی بات

ہے، پس تم اسکو اپنے اوپر لازم کرلو۔ (سنن ابن ماجہ)

تشریح..... عرب کے بہت سے لوگ صرف ڈھیلے پتھر سے استنجہ کرنے پر اکتفا کرتے تھے اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ (موٹی جھوٹی غذا اور باضے کی درستی کی وجہ سے) ان لوگوں کو اجابت اونٹ کی میٹنیوں کی طرح خشک ہوتی تھی اسلئے استنجے میں انکو پانی کے استعمال کی خاص ضرورت بھی نہیں ہوتی تھی۔ اور پتھر کے استعمال پر اکتفا کر لیتے تھے لیکن انصار کی عادت پانی کے استعمال کی بھی تھی، قرآن مجید میں انکی اس پاکیزگی پسندی کی تحسین و تعریف نازل ہوئی اور رسول اللہ ﷺ نے انکو ہدایت فرمائی کہ وہ اسکو اپنے اوپر لازم کر لیں..... اور خود آپکا طرز عمل تو یہ تھا ہی..... الغرض قرآن مجید نے اور رسول اللہ ﷺ کے ارشاد اور طرز عمل نے امت مسلمہ کو ہدایت دی کہ اگر بالفرض کسی کا حال یہ ہو کہ اجابت کی خشکی کی وجہ سے ڈھیلے، پتھر وغیرہ کا استعمال کافی ہو، تب بھی وہ پانی سے استنجہ کرے اور ہاتھ کو منی وغیرہ سے مانجھے۔ پاکیزگی پسندی کا تقاضا یہی ہے اور اللہ تعالیٰ کو یہی طریقہ پسند ہے۔

(۷) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ اَتَّقُوا لِلْعَيْنَيْنِ قَالُوا وَمَا اللَّعْنَتَانِ يَا رَسُولَ اللَّهِ قَالَ
الْبُحَى يَتَخَلَّى فِي طَرَفَيْ النَّاسِ أَوْ فِي بَطْنِهِمْ - (رواہ ابوداؤد)

ترجمہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ لعنت کا سبب بننے والی دو باتوں سے بچو، صحابہؓ نے عرض کیا کہ حضرت! وہ دو باتیں کیا ہیں؟ آپؐ نے فرمایا کہ ایک یہ کہ آدمی لوگوں کے راستے میں قضاے حاجت کرے اور دوسرے یہ کہ ان کے سائے کی جگہ میں ایسا کرے۔

(صحیح مسلم)

تشریح..... مطلب یہ کہ لوگ جس راستے پر چلتے ہوں یا سائے کی جگہ آرام کرنے کے لئے بیٹھتے ہوں اگر کوئی گنوار آدمی وہاں قضاے حاجت کرے گا تو لوگوں کو اس سے اذیت اور تکلیف پہنچے گی اور وہ اسکو برا بھلا کہیں گے اور لعنت کریں گے۔ لہذا ایسی باتوں سے بچنا چاہئے..... اور سنن ابی داؤد میں حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی اس مضمون کی ایک حدیث مروی ہے، اس میں راستے اور سائے کے علاوہ ایک تیسری جگہ مواردا کا بھی ذکر ہے۔ جس سے مراد وہ مقامات ہیں جہاں پانی کا کوئی انتظام ہو اور اسکی وجہ سے لوگ وہاں آتے ہوں۔ اصل مقصد حضور ﷺ کی ہدایت کا بس یہ ہے کہ اگر گھر کے علاوہ جنگل وغیرہ میں ضرورت پیش آجائے تو ایسی جگہ تلاش کرنی چاہئے جہاں لوگوں کی آمد و رفت نہ ہو اور انکے لئے باعث تکلیف نہ بنے۔

(۸) عَنْ جَابِرٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ إِذَا أَرَادَ الْهَرَاةَ انْطَلَقَ حَتَّى لَا يَرَاهُ أَحَدٌ - (رواہ ابوداؤد)

ترجمہ حضرت ابویوب انصاری اور حضرت جابر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا دستور تھا کہ جب آپؐ کو قضاے حاجت کے لئے باہر جانا ہو تا تو اتنی دور اور ایسی جگہ تشریف لے جاتے کہ کسی کی نظر آپؐ پر نہ پڑ سکتی۔ (سنن ابی داؤد)

تشریح..... اللہ تعالیٰ نے انسان کی فطرت میں شرم و حیا اور شرافت کا جو مادہ ودیعت رکھا ہے اسکا تقاضا ہے کہ

انسان اس کی کوشش کرے کہ اپنے اس قسم کی بشری ضرورتیں اس طرح پوری کرے کہ کوئی آنکھ اس کو نہ دیکھے، اگرچہ اس کیلئے اسکو دور سے دور جانے کی تکلیف اٹھانی پڑے، یہی رسول اللہ ﷺ کا عمل تھا اور یہی آپ کی تعلیم تھی۔

(۹) عَنْ أَبِي مُوسَى لَإِنْ مَخُتٌ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ ذَاتَ يَوْمٍ لَفَزَ أَنْ يَتَوَلَّى دِمْعًا فِي أَصْلِ جَدَارٍ لَبَّانٍ لَمْ يَلِ إِذَا أَرَادَ أَخَذَهُمْ أَنْ يَتَوَلَّى فَلْيَرْتَدَّ لِيُؤْلِهِ - (رواہ ابو داؤد)

ترجمہ... حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھا۔ آپ کو پیشاب کا تقاضا ہوا تو آپ ایک دیوار کے نیچے نرم اور نشیبی زمین کی طرف آئے اور وہاں پیشاب سے فارغ ہوئے۔ آپ نے فرمایا جب تم میں سے کسی کو پیشاب کرنا ہو تو اس کے لئے مناسب جگہ تلاش کرے۔ (سنن ابی داؤد)

تشریح... مطلب یہ ہے کہ پیشاب کیلئے ایسی جگہ تلاش کر کے جیسا چاہئے جہاں پردہ بھی ہو اور اپنے اوپر چھینے پڑنے کا خطرہ نہ ہو اور رخ بھی غلط نہ ہو۔

اللہ تعالیٰ کی بشارتیں اسکے اس پاک پیغمبر... پر جس نے امت کو پیشاب پانخانے تک کے آداب سکھائے۔

(۱۰) عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَغْفَلٍ لَإِنْ لَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ لَا يَتَوَلَّى أَخَذَهُمْ فِي مُسْتَحَبَةٍ لَمْ يَغْتَسِلْ فِيهِ أَوْ يَتَوَضَّأَ فِيهِ لَإِنْ عَامَّةُ الْمَوَسَّاسِ مِنْهُ - (رواہ ابو داؤد)

ترجمہ... حضرت عبد اللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہدایت فرمائی کہ تم میں سے کوئی ہرگز ایسا نہ کرے کہ اپنے غسل خانے میں پہلے پیشاب کرے پھر اس میں غسل یا وضو کرے اکثر وسوسے اسی سے پیدا ہوتے ہیں۔

تشریح... مطلب یہ کہ ایسا کرنا بہت ہی غلط اور بڑی بد تمیزی کی بات ہے کہ آدمی اپنے غسل کرنے کی جگہ میں پہلے پیشاب کرے اور پھر وہیں غسل یا وضو کرے، ایسا کرنے کا ایک برا نتیجہ یہ ہے کہ اس سے پیشاب کی چھینٹوں کے وسوسے پیدا ہوتے ہیں... اس آخری جملے سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ رسول اللہ ﷺ کے اس ارشاد کا تعلق اسی صورت سے ہے کہ جب غسل خانہ میں پیشاب کے بعد غسل یا وضو کرنے سے ناپاک جگہ کی چھینٹوں کے اپنے اوپر پڑنے کا اندیشہ ہو ورنہ اگر غسل خانہ کی بناوٹ ایسی ہے کہ اس میں پیشاب کیلئے الگ جگہ بنی ہوئی ہے یا سکا فرش ایسا بنایا گیا ہے کہ پیشاب کرنے کے بعد پانی بہا دینے سے اسکی پوری صفائی اور طہارت ہو جاتی ہے تو پھر اسکا حکم یہ نہیں ہے۔

(۱۱) عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ سُرَجٍ لَإِنْ لَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ لَا يَتَوَلَّى أَخَذَهُمْ فِي حُجْرٍ (سنن ابی داؤد سنن نسائی)

ترجمہ... حضرت عبد اللہ بن سرج رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم میں سے کوئی ہرگز کسی سوراخ میں پیشاب نہ کرے۔ (سنن ابی داؤد، سنن نسائی)

تشریح..... جنگل میں اور اسی طرح گھروں میں جو سوراخ ہوتے ہیں وہ عموماً حشرات الارض کے ہوتے ہیں۔ اگر کوئی گنوار آدمی یا نادان بچہ کسی سوراخ میں پیشاب کرے تو ایک تو اس میں رہنے والے حشرات الارض کو بے ضرورت اور بے فائدہ تکلیف ہوگی دوسرے یہ بھی خطرہ ہے کہ وہ سوراخ سانپ یا بچھو جیسی کسی زہریلی چیز کا ہو اور وہ اچانک نکل کر کاٹ لے ایسے واقعات بکثرت نقل بھی کئے گئے ہیں مہر حال رسول اللہ ﷺ نے (جو امت کے ہر طبقے کے لئے اصل مربی اور معلم ہیں) سوراخ میں پیشاب کرنے سے ان ہی وجوہ سے تاکید منع فرمایا ہے۔

قضاء حاجت کے مقام پر جانے کی دعا

(۱۲) عَنْ زَيْدِ بْنِ أَرْقَمَ قَالَ لَمَّا لَمْ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ هَذِهِ الْحُشُوشُ مُخْتَصَرَةٌ لِيَا، أَنَّى أَحَدُكُمْ الْعَلَاءَ لِلْيَقْلِ أَعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الْخُبِّ وَالْخَبَائِثِ - (رواہ ابو داؤد و ابن ماجہ)

ترجمہ..... حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا حاجت کے ان مقامات میں خبیث مخلوق شیاطین وغیرہ جتے ہیں، پس تم میں سے کوئی جب بیت الخلاء جاوے تو چاہئے کہ پہلے یہ دعا کرے کہ میں اللہ کی پناہ لیتا ہوں خبیثوں سے اور خبیثیوں سے۔ (ترمذی، سنن ابن ماجہ)

تشریح..... جس طرح ملحد کو طہارت و نظافت اور ذکر اللہ سے اور ذکر و عبادت کے مقامات سے خاص مناسبت ہے اور وہیں ان کا جی لگتا ہے اسی طرح شیاطین جیسی خبیث مخلوقات کو گندہ یوں سے اور گندے مقامات سے خاص مناسبت ہے اور وہی ان کے مراکز اور دلچسپی کے مقامات ہیں، اس لئے رسول اللہ ﷺ نے امت کو یہ تعلیم دی کہ قضائے حاجت کی مجبوری سے جب کسی کو ان گندے مقامات میں جانا ہو تو پہلے وہاں رہنے والے خبیثوں اور خبیثیوں کے شر سے اللہ سے پناہ مانگے اُس کے بعد وہاں قدم رکھے۔ ہم عوام کا حال یہ ہے کہ نہ ذکر و عبادت کے مقامات میں ہم فرشتوں کی آمد اور ان کا نزول محسوس کرتے ہیں اور نہ گندے مقامات پر ہمیں شیاطین کے وجود کا احساس ہوتا ہے لیکن صادق و مصدوق حضرت محمد ﷺ نے اس کی خبر دی ہے اور اللہ کے بعض بندے اس کے خاص فضل سے ان حقیتوں کو کبھی کبھی خود بھی اسی طرح محسوس کرتے ہیں اور اس سے ان کے ایمان میں بڑی ترقی ہوتی ہے۔

قضاء حاجت سے فارغ ہونے کے بعد کی دعا

(۱۳) عَنْ عَائِشَةَ لَأَلْتُ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا عَرَجَ مِنَ الْعَلَاءِ لَمَّا "عَفَرَكَ"

(رواہ الترمذی و ابن ماجہ)

ترجمہ..... حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا دستور تھا کہ جب آپ حاجت سے فارغ ہو کر بیت الخلاء سے باہر آتے تو اللہ تعالیٰ سے عرض کرتے "عَفَرَكَ" (اے اللہ تیری پوری مغفرت کا طالب و سائل ہوں)۔ (ترمذی، سنن ابن ماجہ)

تشریح..... قضاء حاجت سے فارغ ہونے کے بعد آپ کی اس مغفرت طلبی کی متعدد وجہیں کی گئی ہیں،

ان میں سب سے زیادہ لطیف اور دل کو لگنے والی توجہ اس عاجز کے نزدیک یہ ہے کہ انسان کے پیٹ میں جو گندہ فضلہ ہوتا ہے وہ ہر انسان کے لئے ایک قسم کے انقباض اور گرانی کا باعث ہوتا ہے اور اگر وہ وقت پر خارج نہ ہو تو اس سے طرح طرح کی تکلیفیں اور بیماریاں پیدا ہو جاتی ہیں۔ اور اگر طبعی تقاضے کے مطابق پوری طرح خارج ہو جائے تو آدمی ایک ہلکا پن اور ایک خاص قسم کا انشراح محسوس کرتا ہے اور اس کا تجربہ ہر انسان کو ہوتا ہے..... اسی طرح سمجھنا چاہئے کہ صحیح احساس رکھنے والے عارفین کے لئے بالکل یہی حال گناہوں کا ہے وہ ہر طبعی انقباض اور دنیا کے ہر اندرونی اور بیرونی بوجھ اور ہر گرانی سے زیادہ گناہوں کے بوجھ اور ان کی گرانی اور اذیت کو محسوس کرتے ہیں اور گناہوں کے بارے اپنی پیچھے کے ہلکا ہونے کی فکر ان کو بالکل ویسی ہی ہوتی ہے جیسی کہ ہم جیسے عام انسانوں کو پیٹ اور آنتوں سے گندے فضلے کے خارج ہو جانے کی پس رسول اللہ ﷺ جب اس بشری تقاضے سے فارغ ہوتے اور انسانی فطرت کے مطابق طبیعت ہلکی اور منشرح ہوتی تو مذکور بالا احساس کی مطابق اللہ تعالیٰ سے دعا فرماتے کہ جس طرح تو نے اس گندے فضلے کو میرے جسم سے خارج کر کے میری طبیعت کو ہلکا کر دیا اور مجھے راحت و عافیت عطا فرمائی اسی طرح میرے گناہوں کی پوری پوری مغفرت فرما کر میری روح کو پاک صاف اور گناہوں کے بوجھ سے میری پیچھے کو ہلکا کر دے۔

ربا یہ سوال کہ گناہوں سے معصوم ہونے کے باوجود اور ”لِغُفَرِ لَكَ اللَّهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ“ کے قرآنی اعلان کے بعد بھی آپ اپنے گناہوں سے استغفار کیوں فرماتے تھے تو اس کا جواب تفصیل سے ان شاء اللہ آگے کتاب الصلوٰۃ میں تجدد کے بیان میں آئے گا۔

(۱۴) عَنْ أَبِي فَرْزَانَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا خَرَجَ مِنَ الْخَلَاءِ لَانَ الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي أَذْهَبَ عَنِّي الْأَذَى وَعَالَمِي (رواہ السنن)

ترجمہ: حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب قضاء حاجت سے فارغ ہو کر بیت الخلا سے باہر تشریف لاتے تو کہتے ”الحمد لله الذي“ الخ (اس اللہ کیلئے حمد و شکر جس نے مجھ سے گندگی دور فرمائی اور مجھے عافیت بخشی)۔ (سنن نسائی)

تشریح:..... حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی اوپر والی حدیث سے معلوم ہوا تھا کہ آپ بیت الخلا سے باہر آکر ”غفر انك“ کہتے تھے اور حضرت ابوذر غفاریؓ کی اس حدیث سے یہ دوسری دعا معلوم ہوئی۔ واقعہ یہ ہے کہ مضمون کے لحاظ سے یہ دونوں دعائیں موقع کے بہت مناسب اور بر محل ہیں، اس لئے خیال یہ ہے کہ کبھی آپ یہ کہتے ہوں گے اور کبھی وہ۔ واللہ اعلم

وضو اور اسکے فضائل و برکات

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے یہ بات چنے ذکر کی جا چکی ہے کہ جن سلیم الفطرت انسانوں کی روحانیت بھیمیت سے مغلوب نہیں ہوئی ہے وہ حدیث کی حالت میں..... یعنی جب پیشاب پاخانے جیسے کسی سبب سے ان کا وضو ٹوٹ جائے تو اپنے باطن میں وہ ایک گونہ خلعت و کدورت اور ایک

طرح کی گندگی محسوس کرتے ہیں۔ (اور اصل حدیث یہی کیفیت ہے) اور شریعت اسلامی نے اسی کے ازالہ کے لئے وضو مقرر فرمایا ہے..... جن بندوں نے بہیمیت کے سلفی تقاضوں سے مغلوب ہو کر اپنے لطیف روحانی احساسات کو قنف نہیں کر دیا ہے وہ حدیث کی حالت میں اس باطنی گندگی اور ظلمت کو بھی محسوس کرتے ہیں اور یہ بھی محسوس کرتے ہیں کہ وضو سے یہ کیفیت زائل ہو کر ایک روحانی پاکیزگی و نورانیت پیدا ہو جاتی ہے۔ وضو کا اصل مقصد و موضوع تو یہی ہے اور اسی وجہ سے اس کو نماز یعنی بارگاہ الہی کی خاص حضوری کی لازمی شرط قرار دیا گیا ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اس میں اپنے فضل سے اس کے علاوہ بھی بہت سی برکات رکھی ہیں..... رسول اللہ ﷺ نے جس طرح اُمت کو وضو کا طریقہ اور اس کے متعلق احکام بتلائے ہیں اُسی طرح آپ نے اُس کے فضائل و برکات بھی بیان فرمائے ہیں۔ پہلے چند حدیثیں اسی سلسلہ کی پڑھ لی جائیں۔

وضو گناہوں کی صفائی اور معافی کا ذریعہ

(۱۵) عَنْ عُثْمَانَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ تَوَضَّأَ لَأَخْسَنَ التَّوَضُّؤِ عَرَجَتْ عَظْمَانَاهُ مِنْ جَسَدِهِ حَتَّى تَخْرُجَ مِنْ تَحْتِ أَظْفَارِهِ (رواه البخاری و مسلم)

ترجمہ..... حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس شخص نے وضو کیا اور (بتائے ہوئے طریقہ کے مطابق) خوب اچھی طرح وضو کیا تو اُس کے سارے گناہ نکل جائیں گے یہاں تک کہ اس کے ناخنوں کے نیچے سے بھی۔ (صحیح بخاری، صحیح مسلم)

تشریح..... مطلب یہ ہے کہ جو شخص رسول اللہ ﷺ کی تعلیم و ہدایت کے مطابق باطنی پاکیزگی حاصل کرنے کے لئے آداب و سنن وغیرہ کی رعایت کے ساتھ اچھی طرح وضو کرے گا تو اُس سے صرف اعضائے وضو کی میل چکیل اور حدیث والی باطنی ناپاکی ہی دور نہ ہوگی بلکہ اس کی برکت سے اس کے سارے جسم کے گناہوں کی ناپاکی بھی نکل جائے گی اور وہ شخص حدیث سے پاک ہونے کے علاوہ گناہوں سے بھی پاک صاف ہو جائے گا۔ آگے آنے والی بعض حدیثوں سے اس کی مزید تفصیل معلوم ہوگی۔

(۱۶) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا تَوَضَّأَ الْعَبْدُ الْمُسْلِمُ أَوْ الْمُؤْمِنُ لَفَسَلَتْ وَجْهَهُ خَرَجَ مِنْ وَجْهِهِ كُلُّ خَطِيئَةٍ نَكَرَ إِلَيْهَا بَعِيْنُهُ مَعَ الْمَاءِ أَوْ مَعَ آخِرِ لُكْمِ الْمَاءِ لِإِذَا غَسَلَ يَدَيْهِ خَرَجَ مِنْ يَدَيْهِ كُلُّ خَطِيئَةٍ كَانَ يَكْتُمُهَا يَدَاهُ مَعَ الْمَاءِ أَوْ مَعَ آخِرِ لُكْمِ الْمَاءِ لِإِذَا غَسَلَ رِجْلَيْهِ خَرَجَ كُلُّ خَطِيئَةٍ مَسَّتْهَا رِجْلَاهُ مَعَ الْمَاءِ أَوْ مَعَ آخِرِ لُكْمِ الْمَاءِ حَتَّى يَخْرُجَ نَقِيًّا مِنَ اللَّتُوبِ - (رواه مسلم)

ترجمہ..... حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب کوئی مسلم بندہ وضو کرتا ہے اور اس میں اپنے چہرہ کو دھو رہا ہے اور اس پر پانی ڈالتا ہے تو پانی کے ساتھ اس کے چہرہ سے وہ سارے گناہ نکل جاتے ہیں (اور گویا دھل جاتے ہیں) جو اس کی آنکھ سے ہوئے تھے اس کے بعد جب وہ اپنے ہاتھ دھو رہا ہے تو وہ سارے گناہ اس کے ہاتھوں سے خارج ہو جاتے ہیں اور دھل جاتے ہیں جو اس

کے ہاتھوں سے ہوئے اس کے بعد جب وہ اپنے پاؤں دھو رہا ہے تو وہ سارے گناہ اس کے پاؤں سے خارج ہو جاتے ہیں جو اس کے پاؤں سے ہوئے اور جن کے لئے اس کے پاؤں استعمال ہوئے یہاں تک کہ وضو سے فارغ ہونے کے ساتھ وہ گناہوں سے بالکل پاک صاف ہو جاتا ہے۔ (صحیح مسلم)

تشریح..... یہاں چند باتیں وضاحت طلب ہیں:

(۱)..... مندرجہ بالا دونوں حدیثوں میں وضو کے پانی کے ساتھ گناہوں کے جسم سے نکل جانے اور دھل جانے کا ذکر ہے، حالانکہ گناہ میل کچیل اور ظاہری نجاست جیسی کوئی چیز نہیں ہے جو پانی کے ساتھ نکل جائے اور دھل جائے..... بعض شارحین حدیث نے اس کی توجیہ میں کہا ہے کہ گناہوں کے نکل جانے کا مطلب صرف معافی اور بخشش ہے..... اور بعض دوسرے حضرات نے فرمایا ہے کہ بندہ جو گناہ جس عضو سے کرتا ہے اس کا ظلمتی اثر اور اس کی نحوست پہلے اس عضو میں اور پھر اس شخص کے دل میں قائم ہو جاتی ہے، پھر جب اللہ کے حکم سے اور اپنے کو پاک کرنے کے لئے وہ بندہ سنن و آداب کے مطابق وضو کرتا ہے تو جس جس عضو سے اس نے گناہ کئے ہوتے ہیں اور گناہوں کے جو گندے اثرات اور جو ظلمتیں اس کے اعضاء اور اس کے قلب میں قائم ہو چکی ہوتی ہیں وضو کے پانی کے ساتھ وہ سب دھل جاتی اور زائل ہو جاتی ہیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کی معافی اور مغفرت بھی ہو جاتی ہے..... یہی دوسری توجیہ اس عاجز کے نزدیک حدیث کے الفاظ سے زیادہ قریب ہے واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۲)..... حضرت ابو ہریرہؓ ولی اس حدیث میں چہرہ کے دھونے کے ساتھ صرف آنکھوں کے گناہوں کے دھل جانے اور نکل جانے کا ذکر فرمایا گیا ہے حالانکہ چہرہ میں آنکھوں کے علاوہ ناک اور زبان و دہن بھی ہیں اور بعضے گناہوں کا تعلق انہی سے ہوتا ہے..... اس کا جواب یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس حدیث میں اعضاء وضو کا استيعاب نہیں فرمایا ہے بطور تمثيل کے آنکھوں اور ہاتھوں پاؤں کا ذکر فرمایا ہے..... اس مضمون کی ایک دوسری حدیث میں (جس کو امام مالک اور امام نسائی نے عبد اللہ الصناجی سے روایت کیا ہے) اس سے زیادہ تفصیل ہے۔ اس میں کلی اور ناک کے پانی (مضمضہ و استنشاق) کے ساتھ زبان و دہن اور ناک کے گناہوں کے نکل جانے اور دھل جانے کا اور اسی طرح کانوں کے مسح کے ساتھ کانوں کے گناہوں کے نکل جانے کا بھی ذکر ہے۔

(۳)..... نیک اعمال کی یہ تاثیر ہے کہ وہ گناہوں کو مٹاتے اور ان کے داغ و جھون کو دھو ڈالتے ہیں قرآن مجید میں بھی مذکور ہے ارشاد فرمایا گیا ہے ”ان الحسنات یذھبن السیئات“ (خود: ۱۱۳) یعنی نیک اعمال گناہوں کو مٹا دیتے ہیں..... اور احادیث میں خاص خاص اعمالِ حسنہ کا نام لے لے کر رسول اللہ ﷺ نے تفصیل سے بیان فرمایا ہے کہ فلاں نیک عمل گناہوں کو مٹا دیتا ہے، فلاں نیک عمل گناہوں کو معاف کر دیتا ہے فلاں نیک عمل گناہوں کا کفارہ بن جاتا ہے، اس قسم کی بعض حدیثیں اس سلسلہ میں پہلے گذر چکی ہیں اور آئندہ بھی مختلف ابواب میں آئیں گی۔ ان میں سے بعض حدیثوں میں حضورؐ نے یہ تصریح بھی فرمائی ہے کہ ان نیک اعمال کی برکت سے صرف صغیرہ گناہ معاف ہوتے ہیں، اسی بنا پر اہل حق اہل النہ اس کے قائل ہیں کہ

اعمالِ حسنہ سے صرف صفائے بیرونی کی تطہیر ہوتی ہے، قرآن مجید میں بھی فرمایا گیا ہے:

(النساء: ۴: ۳۱)

إِنْ تَجِدُوا غَاسِقًا غَافِلًا فَرُدُّوهُ إِلَىٰ ذِكْرِ اللَّهِ ۚ وَتَلَذُّوا مِن فَضْلِهِ ۚ وَأَلْزَمُوا خَاطَبَهُ عِندَ غُرْفَتِهِ ۚ إِنَّكُمْ أَعْيُنُكُمْ لَأَرَأَيْتُمْ أَفْعَالُكُمْ ۚ

اگر تم کہیں گھبراہٹ میں (بڑے بڑے گناہوں) سے بچتے رہو گے تو تمہاری (معمولی) برائیاں اور غلطیاں ہم تم سے دفع کر دیں گے۔

الغرض مندرجہ بالا دونوں حدیثوں میں وضو کی برکت سے جن گناہوں کے نکل جانے اور دُحُل جانے کا ذکر ہے اُن سے مراد صفائے بیرونی ہیں کہ برائے کا معاملہ بہت سنگین ہے اس زہر کا تریاق صرف توبہ ہی ہے۔

وضو جنت کے سارے دروازوں کی کھلی ہے

(۱۷) عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مَا مِنْكُمْ مِنْ أَحَدٍ يَتَوَضَّأُ لِيُطْلِعَ أَوْ لِيَسْبِغَ الْوُضُوءَ ثُمَّ يَقُولَ أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ إِلَّا لِفَتْحِ لَهُ أَبْوَابِ الْجَنَّةِ الثَّمَانِيَةِ يَدْخُلُهَا مِنْ أَيِّهَا شَاءَ (رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے (ایک سلسلہ کلام میں) فرمایا جو کوئی تم میں سے وضو کرے (اور پورے آداب کے ساتھ خوب اچھی طرح) اور مکمل وضو کرے، پھر وضو کے بعد کہے "اشھد ان لا اله الا الله وان محمدا عبده ورسوله" تو لازمی طور پر اُس کے لئے جنت کے آٹھوں دروازے کھل جائیں گے وہ جس دروازے سے بھی چاہے گا جنت میں جاسکے گا۔ (صحیح مسلم)

تشریح: وضو کرنے سے بظاہر صرف اعضا، وضو کی صفائی ہوتی ہے اس لئے مؤمن بندہ وضو کرنے کے بعد محسوس کرتا ہے کہ میں نے حکم کی تعمیل میں اعضا، وضو تو دھو لئے اور ظاہری طہارت اور صفائی کر لی لیکن اصل گندگی تو ایمان کی مَروری اخلاص کی کمی اور اعمال کی خرابی کی گندگی ہے اس احساس کے تحت وہ کلمہ شہادت پڑھ کے ایمان کی تجدید اور اللہ تعالیٰ کی خالص بندگی اور رسول اللہ ﷺ کی پوری پیروی کا دیا نئے سرے سے عہد کرتا ہے اس کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی کامل مغفرت کا فیصلہ ہو جاتا ہے اور جیسے کہ حدیث میں فرمایا گیا ہے اس کے لئے جنت کے سارے دروازے کھل جاتے ہیں۔

امام مسلم ہی نے ایک دوسری روایت میں اسی موقع پر کلمہ شہادت کے یہ الفاظ بھی نقل کئے ہیں: "اشھد ان لا اله الا الله" محمدنا عبده ورسوله" نیز اسی حدیث کی ترمذی کی روایت میں اس کلمہ شہادت کے بعد "اللہم اجعلنی من التوابین واجعلنی من المستغفرین" کا بھی اضافہ ہے۔

قیامت میں اعضا، وضو کی نورانیت

(۱۸) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِنْ أَمْنِي يَدْخُلُونَ يَوْمَ الْقِيَمَةِ غُرًّا مُّحَجَّلِينَ مِنْ أَلْوَانِ الْوُضُوءِ لَمْ يَسْتَطَاعَ مِنْكُمْ أَنْ يَطْلُلَ غُرَّتُهُ لَلْفِعْلِ — (رواہ البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میرے امتی قیامت کے دن بلائے جائیں گے تو وضو کے اثر سے اُنکے چہرے اور ہاتھ اور پاؤں روشن اور منور ہوں گے۔ پس تم میں سے جو کوئی اپنی وہ روشنی اور نورانیت بڑھا سکے اور مکمل کر سکے تو ایسا ضرور کرے۔ (صحیح بخاری، ص ۱۸۰)

تشریح: وضو کا اثر اس دنیا میں تو اتنا ہی ہوتا ہے کہ چہرے اور ہاتھ پاؤں کی دھلائی صفائی ہو جاتی ہے اور اہل اور اک و معرفت کو ایک خاص قسم کی روحانی نشاط و انبساط کی کیفیت بھی حاصل ہوتی ہے۔ لیکن جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے اس حدیث میں (اور اس کے علاوہ بھی متعدد حدیثوں میں) فرمایا ہے۔ قیامت میں وضو کا ایک مبارک اثر یہ بھی ظاہر ہو گا کہ وضو کرنے والے آپ کے اُمتوں کے چہرے اور ہاتھ پاؤں وہاں روشن اور تاباں ہوں گے اور یہ اُن کا امتیازِ نشان ہو گا۔ پھر جس کا وضو جتنا کامل و مکمل ہو گا اُس کی یہ نورانیت اور تابانی اُسی درجہ کی ہو گی اسی لیے حدیث کے آخر میں حضورؐ نے فرمایا ہے کہ جس سے ہو سکے وہ اپنی اس نورانیت کو مکمل کرنے کی امکانی کوشش کرتا رہے جس کی صورت یہی ہے کہ وضو ہمیشہ فکر اور اہتمام کے ساتھ مکمل کیا کرے اور آداب کی پوری نگہداشت رکھے۔

تکلیف اور ناگواری کے باوجود کامل وضو

(۱۹) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ أَلَا أَدْلِكُكُمْ عَلَى مَا يَمْحُو اللَّهُ بِهِ الْغُفَاةَ وَيَرْفَعُ بِهِ الرُّوحَانَ قَالَُوا بَلَى يَا رَسُولَ اللَّهِ قَالَ إِسْبَاغُ الْوُضْوءِ عَلَى الْمَكَارِهِ وَتَخْفِيفُ الْغُفَاةِ إِلَى الْمَسَاجِدِ وَإِيتَاكَ الصَّلَاةِ بَعْدَ الصَّلَاةِ لَكُمْ الرِّبَاطُ وَلَدَاكُمْ الرِّبَاطُ۔ (رواد مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کیا میں تم کو وہ اعمال بتاؤں جن کی برکت سے اللہ گناہوں کو مٹاتا ہے اور درجے بلند فرماتا ہے؟ حاضرین صحابہؓ نے عرض کیا: حضرت ضرور بتلائیں۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا (۱) تکلیف اور ناگواری کے باوجود پوری طرح کامل وضو کرنا۔ (۲) اور مسجدوں کی طرف قدم زیادہ پڑنا (۳) اور ایک نماز کے بعد دوسری نماز کا منتظر رہنا، پس یہی ہے حقیقی رباط یہی ہے اصلی رباط۔ (صحیح مسلم، ص ۱۸۰)

تشریح: اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے تین عملوں کی ترغیب دی ہے اور فرمایا ہے کہ ان اعمال سے گناہ معاف ہوتے ہیں۔ اور درجوں میں ترقی ہوتی ہے ایک یہ کہ وضو کرنے میں اگر کسی وجہ سے تکلیف اور مشقت ہو تو اس کے باوجود وضو پورا پورا کیا جائے اور اس میں خلاف سنت اختصار سے کام نہ لیا جائے۔ مثلاً سردی کا موسم ہے اور پانی ٹھنڈا ہے، یا پانی کم ہے جو پورا وضو سنت کے مطابق کرنے اور ہر عضو کو تین دفعہ دھونے کیلئے کافی نہیں ہو سکتا، بلکہ ایسا کرنے کے لئے پانی کچھ دور چل کر لانا پڑتا ہے تو ایسی صورت میں تکلیف اور مشقت اٹھا کر سنت کے مطابق کامل وضو کرنا ایسا محبوب عمل ہے جس کی برکت سے بندے کو گناہوں سے پاک صاف کر دیا جاتا ہے اور اس کے درجے بلند کر دیے جاتے ہیں۔ دوسرا عمل آپؐ نے بتایا مسجد کی طرف قدموں کا زیادہ پڑنا یعنی مسجد سے زیادہ تعلق رکھنا اور نماز کے لئے بار بار مسجد کی طرف

جانا اور ظاہر ہے کہ جس کا مکان مسجد سے جتنے زیادہ فاصلے پر ہوگا اس کا حصہ اس سعادت میں اسی حساب سے زیادہ ہوگا..... اور تیسرا عمل آپؐ نے بتلایا "ایک نماز کے بعد سو سی نماز کا نفل رکھنا" اور دل کا اسی میں لگا رہنا۔ اور ظاہر ہے کہ یہ حال اسی بندہ کا ہوگا جس کے دل کو نماز سے چین و سکون ملتا ہوگا اور رسول اللہ ﷺ کی "فِرْدَ عِیْسٰی فِی الصَّلٰۃِ" والی کیفیت کا کوئی ذرہ جس کو نصیب ہوگا۔

حدیث کے آخر میں آپؐ نے فرمایا ”یہی حقیقی رباط ہے، یہی اصلی رباط ہے“ رباط کے معروف معنی اسلامی سرحد پر پڑاؤ کے ہیں۔ دشمن کے حملہ سے حفاظت کے لئے جو مجاہدین سرحد پر متعین کر دیئے جاتے ہیں اُن کے پڑاؤ کو رباط کہا جاتا ہے اور ظاہر ہے کہ یہ بڑا عظیم الشان عمل ہے، ہر وقت جان خطرہ میں رہتی ہے..... اس حدیث میں رسول اللہؐ نے ان تین اعمال کو غالباً اس لحاظ سے ”رباط“ فرمایا ہے کہ ان تینوں عملوں کا اہتمام شیطان کی غارت گری سے حفاظت کی بڑی محکم تدبیر ہے اور شیطانی حملوں سے اپنے ایمانوں کی حفاظت مقصدی لحاظ سے ملکی سرحدات کی حفاظت سے بھی اہم ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

و نسو کا اہتمام کمال ایمان کی نشانی

و خصوصاً اجتماع کمال ایمان و نشانی

(٢٠) عَنْ ثَوْبَانَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ اسْتَعِينُوا وَلَنْ تُحْصُوا وَاعْلَمُوا أَنَّ خَيْرَ أَعْمَالِكُمْ

الصَّلَاةُ وَلَا يُحَافِظُ عَلَى الْوُضُوءِ إِلَّا مُؤْمِنٌ - (رواه مالك و احمد و ابن ماجه و الدارمي)

حضرت ثویان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ٹھیک ٹھیک چلو، صراط مستقیم پر قائم رہو۔ لیکن چونکہ یہ استقامت بہت مشکل ہے اس لئے، تم اس پر پورا قابو برائے نہ پا سکو گے (لہذا ہمیشہ اپنے کو قصور وار اور خطا کار بھی سمجھتے رہو) اور اچھی طرح جان لو کہ تمہارے سارے اعمال میں سب سے بہتر عمل نماز ہے (اس لئے اس کا سب سے زیادہ اہتمام کرو) اور وضو کی پوری پوری نگہداشت پس بندہ مؤمن ہی کر سکتا ہے۔

تشریح..... وضو کی محافظت و نگہداشت کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ہمیشہ سنت کے مطابق اور آداب کی رعایت کے ساتھ کامل وضو کیا جائے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ بندہ برابر با وضو رہے، شار صحن نے یہ دونوں ہی مطلب بیان کئے ہیں اور اس عاجز کے نزدیک محافظت کا لفظ ان دونوں ہی باتوں پر حاوی ہے۔ بہر حال رسول اللہ ﷺ نے اس حدیث میں ”حیۃ النبی“ کو کمال ایمان کی نشانی اور اہل ایمان و یقین کا عمل بتایا ہے۔

و نَسُوهُ وَ نَسُوهُ

(۲۱) عَنْ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مَنْ تَوَضَّأَ عَلَى طَهْرٍ حُجِبَ لَهُ عَشْرُ حَسَنَاتٍ .

(رواه الترمذی)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص نے

طہارت کے باوجود (یعنی با وضو ہونے کے باوجود تازہ) وضو کیا اس کے لئے دس نیکیاں لکھی جائیں گی۔ (بخاری ترمذی)

تشریح..... اس ارشاد کا مقصد بظاہر یہ واضح کرنا ہے کہ با وضو ہونے کی حالت میں تازہ وضو کرنے کو فضول و عبث نہ سمجھا جائے، بلکہ یہ ایسی نیکی ہے جس کے کرنے والے کے نامہ اعمال میں دس نیکیاں لکھی جاتی ہیں۔ اکثر علماء کی رائے یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے اس ارشاد کا تعلق اس صورت سے ہے کہ جبکہ پہلے وضو سے کوئی ایسی عبادت کر لی گئی ہو جس کے لئے وضو ضروری ہے، اس لئے اگر کسی نے وضو کیا اور ابھی وضو سے کوئی عبادت ادا نہیں کی اور نہ کوئی ایسا کام کیا جس کے بعد وضو کی تجدید مستحب ہو جاتی ہے تو ایسی صورت میں اس کو تازہ وضو نہیں کرنا چاہئے۔

نقص وضو کے برے اثرات

(۲۲) عَنْ شَيْبٍ بْنِ أَبِي رَوْحٍ عَنْ رَجُلٍ مِنْ أَصْحَابِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ صَلَّى صَلَوةَ الصُّبْحِ لَقَرَأَ الرُّؤْمَ فَالْتَمَسَ عَلَيْهِ لَلْمَا صَلَّى لَأَنَّ مَنَابِلَ أَقْرَامٍ يَصْلُونَ مَعَنَا لَا يُخْمِسُونَ الْكُهُوزَ وَإِنَّمَا يُلْبِسُ عَلَيْنَا الْقُرْآنَ أَوَّلَ ذَلِكَ. (رواه النسائي)

ترجمہ..... شیب بن ابی روح نے رسول اللہ ﷺ کے ایک صحابی سے روایت کی ہے کہ حضور ﷺ نے ایک دن فجر کی نماز پڑھی اور اس میں آپ نے سورہ روم شروع کی تو آپ کو اس میں اشتباہ ہو گیا اور خلل پڑھ گیا۔ جب آپ نماز پڑھ چکے تو فرمایا بعض لوگوں کی یہ کیا حالت ہے کہ ہمارے ساتھ نماز میں شریک ہو جاتے ہیں اور طہارت (وضو وغیرہ) اچھی طرح نہیں کرتے، بس یہی لوگ ہمارے قرآن پڑھنے میں خلل ڈالتے ہیں۔ (مشکوٰۃ)

تشریح..... معلوم ہوا کہ وضو وغیرہ طہارت اچھی طرح نہ کرنے کے برے اثرات دوسرے صاف قلوب پر بھی پڑتے ہیں اور اتنے پڑتے ہیں کہ ان کی وجہ سے قرآن مجید کی قرأت میں گڑبڑ ہو جاتی ہے اور جب رسول اللہ ﷺ کا قلب مبارک دوسرے لوگوں کی اس طرح کی کوتاہیوں سے اتنا متاثر ہوتا تھا تو پھر ہم عوام کس شمار و قطار میں ہیں لیکن چونکہ ہمارے قلوب پر رنگ کی جہیں کی جہیں جم گئی ہیں اس لئے ہم کو ان چیزوں کا احساس نہیں ہوتا۔ اس حدیث سے بڑی وضاحت کے ساتھ یہ بات معلوم ہو گئی کہ انسانوں کے قلوب پر ساتھ والوں کی اچھی یا بری کیفیات کا کس قدر اثر پڑتا ہے، اصحاب قلوب صوفیاء کرام نے اس حقیقت کو خوب سمجھا ہے۔

مسواک کی اہمیت اور فضیلت

طہارت و نظافت کے سلسلہ میں رسول اللہ ﷺ نے جن چیزوں پر خاص طور سے زور دیا ہے اور بڑی تاکید فرمائی ہے ان میں سے ایک مسواک بھی ہے۔ ایک حدیث میں آپ نے یہاں تک فرمایا ہے کہ اگر مجھے

یہ خیال نہ ہو تا کہ میری امت پر بہت مشقت پڑ جائے گی تو میں ہر نماز کے وقت مسواک کرنا ان پر لازم کر دیتا۔ مسواک کے جو طبی فوائد ہیں اور بہت سے امراض سے اس کی وجہ سے جو تحفظ ہوتا ہے آج کل کا ہر صاحب شعور اس سے کچھ نہ کچھ واقف ہے۔ لیکن دینی نقطہ نگاہ سے اس کی اصل اہمیت یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کو بہت زیادہ راضی کرنے والا عمل ہے۔ اس مختصر تمہید کے بعد مسواک کی ترغیب و تاکید کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کے چند ارشادات پڑھئے!

(۲۳) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ السَّوَّاکُ مَطَهْرَةٌ لِلْفَمِ مَرْضَاةٌ لِلرَّبِّ . (رواد الشافعی

و حسہ و اندلسی و نسبی و زوی البخاری فی صحیحہ و مسند)

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ”مسواک منہ کو بہت زیادہ پاک صاف کرنے والی اور اللہ تعالیٰ کو بہت زیادہ خوش کرنے والی چیز ہے۔“

(مسند امام شافعی، مسند احمد، سنن دارمی، سنن نسائی۔ نیز صحیح بخاری میں امام بخاری نے بھی اس حدیث کو با اسناد بخاری تعلقاً روایت کیا ہے۔)

ترجمہ: کسی چیز میں حسن کے دو پہلو ہو سکتے ہیں ایک یہ کہ وہ حیاۃ دنیا کے لحاظ سے فائدہ مند اور عام انسانوں کے نزدیک پسندیدہ ہو اور دوسرے یہ کہ وہ اللہ تعالیٰ کی محبوب اور اجر اخروی کا وسیلہ ہو۔ رسول اللہ ﷺ نے اس حدیث میں بتلایا ہے کہ مسواک میں یہ دونوں چیزیں جمع ہیں، اس سے منہ کی صفائی ہوتی ہے، گندے اور مضر مادے خارج ہو جاتے ہیں۔ منہ کی بدبو زائل ہو جاتی ہے، یہ اس کے نقد دینی فوائد ہیں اور دوسرا اخروی اور ابدی نفع اس کا یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل ہونے کا بھی خاص وسیلہ ہے۔

(۲۴) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ لَوْلَا أَنْ أَشُقُّ عَلَى أُمَّتِي لَأَمَرْتُهُمْ بِالسَّوَّاکِ عِنْدَ كُلِّ صَلَاةٍ . (رواد البخاری و مسلم و الموطأ و نسبی)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ اگر یہ خیال نہ ہو تا کہ میری امت پر بہت مشقت پڑ جائے گی تو میں ان کو ہر نماز کے وقت مسواک کرنے کا حتمی امر کرتا۔

(صحیح بخاری، صحیح مسلم)

ترجمہ: مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں مسواک کی محبوبیت اور اس کے عظیم فوائد دیکھتے ہوئے میرا حق چاہتا ہے کہ اپنے ہر امتی کے لئے حکم جاری کر دوں کہ وہ ہر نماز کے وقت مسواک ضرور کیا کرے۔ لیکن ایسا حکم میں نے صرف اس خیال سے نہیں دیا کہ اس سے میری امت پر بہت بوجھ پڑ جائے گا اور ہر ایک کے لئے اس کی پابندی مشکل ہوگی، غور سے دیکھا جائے تو یہ بھی ترغیب و تاکید کا ایک عنوان ہے اور بلاشبہ بڑا مؤثر عنوان ہے۔

فائدہ:..... اسی حدیث کی بعض روایات میں ”عند کلِّ صَلَاةٍ“ کی بجائے ”عند کلِّ وَضْءٍ“ بھی وارد ہوا ہے۔ اور مطلب دونوں کا قریب قریب ایک ہی ہے۔ (صحیح بخاری کتاب الصوم باب مسواک و اربعہ و الاہل بیت علیہم السلام)

(۲۵) عَنْ أَبِي أُمَامَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ كَانَ مَاجَاءً فِي جَبْرِئِلَ عَلَيْهِ السَّلَامُ فَقَالَ لَا أَمْرَيْنِ بِالْبَيَّاتِ لَقَدْ خَشِيتُ أَنْ أَحْفِي مَقْلَمِي فِي . (رواہ احمد)

ترجمہ: حضرت ابوامامہ باہلی سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”اللہ کے فرشتے جبرئیل جب بھی میرے پاس آئے ہر دفعہ انہوں نے مجھے مسواک کے لئے ضرور کہا۔ خطہ ہے کہ (جبرئیل کی بار بار کی اس تاکید اور وصیت کی وجہ سے) میں اپنے منہ کے اگلے حصہ کو مسواک کرتے کرتے کھس نہ ڈالوں۔“ (مسند احمد)

تشریح: مسواک کے بارہ میں حضرت جبرئیل کی بار بار یہ تاکید وصیت دراصل اللہ تعالیٰ ہی کے حکم سے تھی اور اس کا خاص راز یہ تھا کہ جو ہستی اللہ تعالیٰ سے مخاطبہ اور مناجات میں ہمہ وقت مصروف رہتی ہو اور اللہ کا فرشتہ جس کے پاس بار بار آتا ہو اور اللہ کے کلام کی تلاوت اور اس کی طرف دعوت جس کا خاص وظیفہ ہو اس کے لئے خاص طور سے ضروری ہے کہ وہ مسواک کا بہت زیادہ اہتمام کرے۔ اسی لئے رسول اللہ مسواک کا بہت زیادہ اہتمام فرماتے تھے۔

مسواک کے خاص اوقات اور مواقع

(۲۶) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ لَا يَزَالُ مِنْ لَيْلٍ وَلَا نَهَارٍ لِيَسْتَقِطَ إِلَيْهِ يَسْوُكُ قَبْلَ أَنْ يَقُومَ . (رواہ احمد و ابو داؤد)

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا معمول تھا کہ دن یا رات میں جب بھی آپ سوتے تو اٹھنے کے بعد وضو کرنے سے پہلے مسواک ضرور فرماتے۔ (مسند احمد، ترمذی، نسائی، ...)

(۲۷) عَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِذَا لَامَ لِلتَّهَجُّدِ مِنَ اللَّيْلِ يَشْوِصُ لَهَا بِالْبَيَّاتِ . (رواہ البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا دستور تھا کہ جب رات کو آپ تہجد کے لئے اٹھتے تو مسواک سے اپنے دہن مبارک کی خوب صفائی کرتے (اس کے بعد وضو فرماتے اور تہجد میں مشغول ہوتے)۔ (صحیح بخاری، مسلم)

(۲۸) عَنْ فُرَيْحِ بْنِ عَالِيٍّ قَالَ سَأَلْتُ عَائِشَةَ بِأَيِّ حَيْثُ كَانَ يَبْدَأُ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِذَا دَخَلَ بَيْتَهُ قَالَتْ بِالْبَيَّاتِ . (رواہ مسلم)

ترجمہ: شریح بن ابی رائے سے روایت ہے کہ میں نے ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ رسول اللہ ﷺ جب باہر سے گھر میں تشریف لاتے تھے تو سب سے پہلے کیا کام کرتے تھے؟ تو انہوں نے فرمایا کہ سب سے پہلے آپ مسواک فرماتے تھے۔ (صحیح مسلم)

تشریح..... ان حدیثوں سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ ہر نیند سے جاگنے کے بعد، خاص کر رات کو تہجد کے لئے اٹھنے کے وقت پابندی اور اہتمام سے مسواک فرماتے تھے، اس کے علاوہ باہر سے جب گھر میں تشریف لاتے تھے تو سب سے پہلے مسواک فرماتے تھے، اس سے معلوم ہوا کہ مسواک صرف وضو کے ساتھ مخصوص نہیں ہے، بلکہ سوکر اٹھنے کے بعد اور مسواک کئے زیادہ دیر گزرنے کے بعد اگر وضو کرنا نہ بھی ہو جب بھی مسواک کر لینی چاہئے۔ ہمارے علمائے کرام نے ان ہی احادیث کی بناء پر لکھا ہے کہ مسواک کرنا یوں تو ہر وقت میں مستحب اور باعث اجر و ثواب ہے، لیکن پانچ موقعوں پر مسواک کی اہمیت زیادہ ہے۔ وضو میں، نماز کے لئے کھڑے ہوتے وقت، اگر وضو اور نماز کے درمیان زیادہ فاصل ہو گیا ہو اور قرآن مجید کی تلاوت کے لئے اور سوتے سے اٹھنے کے وقت اور منہ میں بدبو پیدا ہو جانے یا دانتوں کے رنگ میں تغیر آجانے کے وقت ان کی صفائی کے لئے۔

مسواک سنت انبیاء اور تقاضائے فطرت

(۲۸) عَنْ أَبِي أَيُّوبَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ أَزَيَّعَ مِنْ سُنَنِ الْمُرْسَلِينَ الْحَيَاءُ وَ التَّعَطُّرُ وَ السَّوَاكُ وَ الْيَسَاكُ . (رواہ الترمذی)

ترجمہ..... حضرت ابویوب انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا چار چیزیں پیغمبروں کی سنتوں میں سے ہیں۔ ایک حیاء، دوسرے خوشبو لگانا، تیسرے مسواک کرنا اور چوتھے نکاح کرنا۔

(پانچ ترمذی)

تشریح..... رسول اللہ ﷺ نے اس حدیث میں یہ بتلا کر کہ یہ چاروں چیزیں اللہ کے پیغمبروں کی سنتیں اور ان کے معمولات میں سے ہیں اپنی امت کو ان کی ترغیب دی ہے اور بلاشبہ یہ بڑی مؤثر ترغیب ہے۔ حیا کے بارے میں کتاب الاخلاق میں تفصیل سے لکھا جا چکا ہے، نکاح کے بارہ میں انشاء اللہ کتاب الزکاح میں لکھا جائے گا۔ تعطر یعنی خوشبو لگانا بڑی محبوب صفت ہے، انسان کے روحانی اور ملکوتی تقاضوں میں سے ہے اس سے روح اور قلب کو ایک خاص نشاط حاصل ہوتا ہے، عبادت میں کیف اور ذوق پیدا ہوتا ہے اور اللہ کے دوسرے بندوں کو بھی راحت پہنچتی ہے اس لئے تمام انبیاء علیہم السلام اور اللہ تعالیٰ کے سارے اچھے بندوں کی محبوب سنت ہے۔

(۳۰) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ عَشْرٌ مِنَ الْفِطْرَةِ لِمَنِ الشَّارِبُ وَ إِغْفَاءُ اللَّحْيَةِ وَ السَّوَاكُ وَ اسْتِشْقَاءُ الْمَاءِ وَلِمَنِ الْأَظْفَارُ وَ غَسْلُ الْبَرَاجِمِ وَ تَقْفُ الْأَيْبُطِ وَ حَلَقُ الْعَالَةِ وَ الْيَقَاصُ الْمَاءِ لَالٌ وَ كَرْبًا لَالٌ مُضْعَبٌ وَ نَسِيتُ الْعَاظِرَةَ إِلَّا أَنْ تَكُونَ الْمَضْمَضَةُ .

(رواہ مسلم)

ترجمہ..... حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: دس چیزیں ہیں جو امور

فطرت میں سے ہیں۔ مونچھوں کا ترشوانا، داڑھی کا چھوڑنا، مسواک کرنا، ناک میں پانی لے کر اس کی صفائی کرنا، ناخن ترشوانا، انگلیوں کے جوڑوں کو (جن میں اکثر میل کچیل رہ جاتا ہے اہتمام سے کھونا، بغل کے بال لینا، موئے زیر ناف کی صفائی کرنا، اور پانی سے استنجا کرنا۔ حدیث کے راوی ذکر کیا کہتے ہیں کہ ہمارے شیخ مصعب نے بس یہی نو چیزیں ذکر کیں اور فرمایا کہ دسویں چیز بھول گیا ہوں، اور میرا گمان یہی ہے کہ وہ کھلی کرنا ہے۔ (صحیح مسلم)

تشریح..... اس حدیث میں ان دس چیزوں کو "من الفطرة" یعنی امور فطرت میں سے کہا گیا ہے۔ بعض شارحین حدیث کی رائے یہ ہے کہ الفطرة سے مراد یہاں سنت انبیاء یعنی پیغمبروں کا طریقہ ہے اور اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ اسی حدیث کی مستخرج ابی عوانہ کی روایت میں فطرة کی جگہ سنت کا لفظ ہے، یعنی اس میں "عشر من الفطرة" کی بجائے "عشر من السنة" کے الفاظ ہیں، ان حضرات کا کہنا ہے کہ اس حدیث میں انبیاء علیہم السلام کے طریقہ کو الفطرة اس لئے کہا گیا ہے کہ وہ فطرت کے عین مطابق ہوتا ہے۔ اس تشریح کی بناء پر حدیث کا مطلب یہ ہو گا کہ انبیاء علیہم السلام نے جس طریقہ پر خود زندگی گزاری اور اپنی اپنی امتوں کو جس پر چلنے کی ہدایت کی اس میں یہ دس باتیں شامل تھیں۔ گویا یہ دس چیزیں انبیاء علیہم السلام کی متفقہ تعلیم اور ان کے مشترکہ معمولات سے ہیں۔

بعض شارحین نے الفطرة سے دین فطرت یعنی دین اسلام مراد لیا ہے۔ قرآن مجید میں دین کو فطرت کہا گیا ہے، ارشاد ہے "فاقم^۱ وجہک للدين حیثما فطرت اللہ النبی فطرت الناس علیہا لا تبدیل لخلق اللہ ذلک الدین القیم" (الروم ۳۰: ۳۰) اس بناء پر حدیث کا مطلب یہ ہو گا کہ یہ دس چیزیں دین فطرت یعنی اسلام کے اجزائے احکام میں سے ہیں۔

اور بعض شارحین نے الفطرة سے انسان کی اصل فطرت و جبلت ہی مراد لی ہے اس تشریح کی بناء پر حدیث کا مطلب یہ ہو گا کہ یہ دس چیزیں انسان کی اصل فطرت کا تقاضا ہیں جو اللہ نے اس کی بنائی ہے۔ گویا جس طرح انسان کی اصل فطرت یہ ہے کہ وہ ایمان اور نیکی اور طہارت و پاکیزگی کو پسند کرتا ہے اور کفر اور فواحش و منکرات اور گندگی و ناپاکی کو ناپسند کرتا ہے اسی طرح مذکورہ بالا دس چیزیں ایسی ہیں کہ انسانی فطرت (اگر کسی خارجی اثر سے مآوہ اور فاسد نہ ہو چکی ہو) تو ان کو پسند ہی کرتی ہے اور حقیقت شناسوں کو یہ بات معلوم اور مسلم ہے کہ انبیاء علیہم السلام جو دین اور زندگی کا طریقہ لے کر آتے ہیں وہ دراصل انسانی فطرت کے تقاضوں ہی کی مستند اور منضبط تشریح ہوتی ہے۔

اس تفصیل سے خود بخود معلوم ہو جاتا ہے کہ حدیث کے لفظ الفطرة کا مطلب خواہ سنت انبیاء ہو خواہ دین فطرت اسلام ہو، اور خواہ انسان کی اصل فطرت و جبلت ہو، حدیث کا مدعا توں میں ایک ہی ہو گا اور

۱ پس سیدھا کروا ہنازخ سب طرف سے یکسو ہو کر دین حق کی طرف اللہ کی بنائی ہوئی فطرت جس پر اس نے انسانوں کو پیدا کیا اللہ کی بناوٹ میں تبدیلی نہیں ہے دین ہے سیدھا پکا۔

وہ یہ کہ یہ دس چیزیں انبیاء علیہم السلام کے لائے ہوئے اس متفقہ طریقہ زندگی اور اس دین کے اجزاء و احکام میں سے ہیں جو دراصل انسان کی اصل فطرت و جبلت کا تقاضا ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے حجۃ اللہ البالغہ میں اپنے خاص حکیمانہ طرز پر اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے جو چند سطریں لکھی ہیں ان کا خلاصہ ہم ذیل میں درج کرتے ہیں فرماتے ہیں:

”یہ دس عملی باتیں جو دراصل طہارت و نظافت کے باب سے تعلق رکھتی ہیں، ملت حنفیہ کے مؤسس و مورث حضرت ابراہیم علیہ السلام سے منقول ہیں۔ اور ابراہیمی طریقہ پر چلنے والی حنفی امتوں میں عام طور سے ان کا رواج رہا ہے اور ان پر ان کا عقیدہ بھی رہا ہے۔ قربنہا قرن تک وہ ان اعمال کی پابندی کرتے ہوئے جیتے اور مرتے رہے ہیں، اسی لئے ان کو فطرت کہا گیا ہے اور یہ ملت حنفی کے شعائر ہیں۔ اور ہر ملت کے لئے ضروری ہے کہ اس کے کچھ مقرر و معلوم شعائر ہوں اور وہ ایسے علانیہ ہوں جن سے اس ملت والوں کو پہچانا جاسکے اور ان میں کوتاہی کرنے پر ان سے مواخذہ کیا جاسکے تاکہ اس ملت کی فرمانبرداری اور نافرمانی احساس اور مشاہدہ کی گرفت میں آسکے، اور یہ بھی قرین حکمت ہے کہ شعائر ایسی چیزیں ہوں جو نادر الوقوع نہ ہوں اور ان میں معتد بہ فوائد ہوں اور لوگوں کے ذہن ان کو پوری طرح قبول کریں اور ان دس چیزوں میں یہ باتیں موجود ہیں۔ اس کو سمجھنے کے لئے ان چند باتوں پر غور کرنا چاہئے!

جسم انسانی کے بعض حصوں میں پیدا ہونے والے بالوں کے بڑھنے سے پاکیزگی پسند اور لطیف مزاج آدمی کی سلیم فطرت اسی طرح منقبض اور مکدر ہوتی ہے جس طرح کہ حادث سے یعنی کسی گندگی کے جسم سے خارج ہونے سے ہوا کرتی ہے۔ بغل میں اور ناف کے نیچے پیدا ہونے والے بالوں کا حال یہی ہے۔ اسی لئے ان کی صفائی سے سلیم الفطرت آدمی اپنے قلب و روح میں ایک نشاط اور انشراح کی کیفیت محسوس کرتا ہے جیسے کہ یہ اس کی فطرت کا خاص تقاضا ہے۔ اور بالکل یہی حال ناخنوں کا بھی ہے۔ اور ڈاڑھی کی نوعیت یہ ہے کہ اس سے چھوٹے اور بڑے کی تمیز ہوتی ہے اور وہ مردوں کے لئے شرف اور جمال ہے اور اسی سے ان کی مردانہ ہیئت کی تکمیل ہوتی ہے اور وہ سنت انبیاء ہے۔ اس لئے اس کا رکھنا ضروری ہے^① اور اس کا صاف کرنا مجوس و ہنود وغیرہ اکثر غیر مسلم قوموں کا طریقہ ہے۔ نیز چونکہ بازاری قسم کے اور نجی سطح کے لوگ عموماً ڈاڑھیاں نہیں رکھتے اس لئے ڈاڑھیاں نہ رکھنا گویا اپنے کو ان ہی کی صفوں میں شامل کرنا ہے۔

اور مونچھوں کے بڑھانے اور لمبا رکھنے میں کھلا ہوا ضرر یہ ہے کہ منہ تک بڑھی ہوئی مونچھوں میں کھانے پینے کی چیزیں لگ جاتی ہیں اور ناک سے خارج ہونے والی رطوبت کا راستہ بھی وہی ہے اس لئے صفائی اور پاکیزگی کا تقاضا یہی ہے کہ مونچھیں زیادہ بڑی نہ ہونے پائیں اس واسطے مونچھوں کے ترشوانے کا حکم دیا گیا

① جامع ترمذی کتاب الدعوات ص ۱۹۰، ۲ دوسری متعدد حدیثوں میں صاف اور صریح الفاظ میں ڈاڑھی رکھنے کا حکم بیضہ امر بھی وارد ہوا ہے جس سے فقہائے امت نے عام طور سے وجوب سمجھا ہے۔ لیکن کسی حدیث میں مقدار کی صراحت نہیں ہے۔ فقہانے مختلف فرائض و شواہد سے یہ سمجھا ہے کہ ایک مشت کے بقرہ رکھنا واجب ہے۔ ۱۲

ہے۔ اور کلی اور پانی کے ذریعہ ناک کی صفائی اور مسواک اور پانی سے استنجا اور اہتمام سے انگلیوں کے ان جوڑوں کو دھونا جن میں میل پکھیل رہ جاتا ہے، صفائی اور پاکیزگی کے نقطہ نظر سے ان سب چیزوں کی ضرورت و اہمیت کسی وضاحت کی محتاج نہیں۔“

بعض اکابر علماء نے فرمایا ہے کہ اس حدیث سے یہ اصول معلوم ہو گیا کہ جسم کی صفائی اور اپنی ہیئت اور صورت کی درستی اور ایسی ہر چیز کا ازالہ اور اس سے اجتناب جس سے گھن آئے اور کراہیت پیدا ہو احکام فطرت میں سے ہے اور طریقہ انبیاء ہے۔ اللہ تعالیٰ نے صورت کی تحسین کو اپنا خاص انعام و احسان بتلایا ہے۔ ”وَصَوِّرَكُمْ فَاَحْسِنْ صُورَتَكُمْ۔“

اس حدیث کو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے ان کے بھانجے حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ نے روایت کیا ہے، ان سے روایت کرنے والے طلق بن حبیب ہیں۔ اور ان سے روایت کرنے والے مصعب بن شیبہ ہیں۔ ان کے شاگرد زکریا بن ابی زائدہ ہیں۔ ان ہی زکریا نے اپنے شیخ مصعب سے یہ حدیث روایت کی ہے جس میں انہوں نے دس چیزوں میں سے نو کو تو وثوق سے ذکر کیا اور دسویں کے متعلق بتلایا کہ وہ مجھے اچھی طرح یاد نہیں رہی، البتہ میرا خیال ہے کہ وہ مضمضہ (کلی) کرنا تھا۔

نماز کو قیمتی بنانے میں مسواک کا اثر

(۳۱) عَنْ عَائِشَةَ لَأَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ تَفَضَّلَ الصَّلَاةَ الَّتِي يُسَنَّاكَ لَهَا عَلَى الصَّلَاةِ الَّتِي لَا

يُسَنَّاكَ لَهَا سَبْعِينَ ضِعْفًا . (رواه البيهقي في شعب الایمان)

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا وہ نماز جس کیلئے مسواک کی جائے اس نماز کے مقابلہ میں جو بلا مسواک کے پڑھی جائے ستر گنی فضیلت رکھتی ہے۔

(شعب الایمان للبیہقی)

تشریح:..... پہلے بھی بار بار ذکر کیا جا چکا ہے کہ عربی زبان اور محاورہ میں ستر (اور اسی طرح بعض اور عدد بھی) مطلق کثرت اور بہتات کے لئے بھی استعمال ہوتے ہیں، غالباً اس حدیث میں بھی سبعین کا لفظ اس محاورہ کے مطابق کثرت اور بہتات ہی کے لئے استعمال ہوا ہے۔ اس بناء پر حدیث کا مطلب یہ ہوگا کہ جو نماز مسواک کر کے پڑھی جائے وہ اس نماز کے مقابلے میں جو بلا مسواک کے پڑھی جائے بدرجہا اور بہت زیادہ افضل ہے۔ اور اگر سبعین سے مراد ستر کا خاص عدد ہو تب بھی کوئی استبعاد کی بات نہیں ہے۔

جب کوئی بندہ ملک الملب اور احکم الحاکمین کے دربار عالی میں حاضری اور نماز کے ذریعہ اس سے مخاطبت اور مناجات کا ارادہ کرے اور یہ سوچے کہ اس کی عظمت و برائی کا حق تو یہ ہے کہ مشک و گلاب سے اپنے دامن و زبان کو دھو کر اس کا نام نہی یا جائے اور اس کے حضور میں کچھ عرض کیا جائے، لیکن چونکہ اس مالک نے اپنی عنایت و رحمت سے صرف مسواک ہی کا حکم دیا ہے اس لئے میں مسواک کرتا ہوں، بہر حال جب کوئی بندہ اللہ تعالیٰ کی عظمت کے اس احساس اور ادب کے اس جذبہ سے نماز کے لئے مسواک کرے تو وہ نماز اگر

اس نماز کے مقابلہ میں جس کے لئے مسواک نہ کی گئی ہو ستر یا اس سے بھی زیادہ درجے افضل قرار دی جائے تو بالکل حق ہے۔ حقیقت تو یہ ہے ۔

ہزار بار بشویم دہن ز مشک و گلاب ہنوز نام تو گفتن کمال ہے ابوبی است
فائدہ..... مشکوٰۃ المصابیح میں حضرت عائشہؓ کی یہ حدیث صرف بیعتی کے حوالے سے نقل کی گئی ہے لیکن
منذری نے ترغیب میں اس حدیث کو حضرت عائشہؓ ہی کی روایت سے خفیف لفظی فرق کے ساتھ درج کر
کے لکھا ہے۔ رواہ احمد والہزار و ابویعلیٰ و ابن خزیمہ فی صحیحہ۔ و رواہ الحاکم فی المستدرک و قال تصحیح الاسناد۔ اور
قریب قریب اسی مضمون کی ایک حدیث ابونعیم کے حوالہ سے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت سے اوو
دوسری حضرت جابرؓ کی روایت سے نقل کی ہے اور پہلی کی سند کو جید اور دوسری کی سند کو صحیح کہا ہے۔

نماز کے لئے وضو کا حکم

طہارت کے باب میں رسول اللہ ﷺ نے امت کو جو بدایات دی ہیں ان میں سے بعض تو وہ ہیں جن کی
حیثیت مستقل احکام کی ہے جیسے استنجے کے احکام۔ جسم کو اور کپڑوں کو پاک رکھنے کے احکام، پانی کی پاکی اور
نپاکی کے تفصیلی احکام وغیرہ۔ اور بعض وہ ہیں جن کی حیثیت شرائط نماز کی ہے۔ وضو کا حکم اسی قبیل سے
ہے، قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے۔ ”اِذَا قُمْتُمْ إِلَى الصَّلَاةِ فَاغْسِلُوا وُجُوهَكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ إِلَى الْمَرَافِقِ
وَامْسَحُوا بِرُءُوسِكُمْ وَأَرْجُلَكُمْ إِلَى الْكَعْبَيْنِ“

اس آیت میں بتایا گیا ہے کہ نماز جو اللہ تعالیٰ کی مقدس بارگاہ میں حاضری اور اس سے مخاطبت و مناجات کی
ایک خاص الخاص شکل ہے اس کے لئے با وضو ہونا شرط ہے۔ پس اگر کوئی شخص با وضو نہیں ہے (یعنی
حدث کی حالت میں ہے، جس کی حقیقت پہلے بتائی جا چکی ہے) تو نماز شروع کرنے سے پہلے اس کو وضو کر لینا
چاہئے۔ دربار الہی کی اس خاص حاضری کا یہ لازمی ادب ہے، اس کے بغیر اس کی نماز برتر قبول نہیں ہوگی،
اس سلسلہ کے رسول اللہ ﷺ کے چند ارشادات ذیل میں پڑھئے!۔

(۳۲) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ لَا تَقْبَلُ صَلَاةٌ مِنْ أَحَدٍ حَتَّى يَتَوَضَّأَ -

(رواہ البخاری و مسلم)

ترجمہ..... حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص کا وضو
نہیں ہے اس کی نماز قبول نہیں ہوگی تا وقتیکہ وہ وضو نہ کر لے۔ (صحیح بخاری، صحیح مسلم)

(۳۳) عَنْ أَبِي عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ لَا تَقْبَلُ صَلَاةٌ بِغَيْرِ طَهْرٍ وَلَا صَلَاةٌ مِنْ غُلُولٍ

(رواہ مسلم)

ترجمہ..... حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کوئی نماز
طہارت کے بغیر قبول نہیں ہو سکتی اور نہ کوئی ایسا صدقہ قبول ہو سکتا ہے جو ناجائز طریقہ سے حاصل

کئے ہوئے مال سے کیا جائے۔ (صحیح مسلم)

تشریح..... اس حدیث میں ”طہیور“ سے مراد وضو ہے اور اس کا مطلب وہی ہے جو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی اوپر والی حدیث کا ہے، صرف الفاظ کا فرق ہے۔

(۳۴) عَنْ عَلِيٍّ لَمَّا قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مِفْتَاحُ الصَّلَاةِ الطُّهُورُ وَتَحْرِيمُهَا التَّكْبِيرُ وَتَحْلِيلُهَا

التَّسْلِيمُ۔ (رواہ ابو داؤد والترمذی والبخاری ورواہ اس صحاحۃ عنہ وغل ای سعید)

ترجمہ..... حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ نماز کی کنجی طہور (یعنی وضو) ہے اور اس کی تحریم تکبیر ہے (یعنی اللہ اکبر کہہ کے آدمی نماز میں داخل ہو جاتا ہے، جس کے بعد بات چیت کرنے اور کھانے پینے کے ایسے جائز کام نماز کے ختم ہونے تک اس کے لئے حرام اور ناجائز ہو جاتے ہیں) اور اس کی تحلیل السلام علیکم کہتا ہے (یعنی نماز کے ختم پر السلام علیکم ورحمۃ اللہ کہنے کے بعد وہ ساری باتیں آدمی کے لئے حلال اور جائز ہو جاتی ہیں جو نماز کی وجہ سے اس کے لئے حرام اور ناجائز ہو گئی تھیں)۔ (سنن ابی داؤد، جامع ترمذی، سنن دارمی اور ابن ماجہ نے اس حدیث کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے علاوہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے بھی روایت کیا ہے۔)

(۳۵) عَنْ جَابِرٍ لَمَّا قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مِفْتَاحُ الْجَنَّةِ الصَّلَاةُ وَمِفْتَاحُ الصَّلَاةِ الطُّهُورُ (رواہ احمد)

ترجمہ..... حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جنت کی کنجی نماز ہے اور نماز کی کنجی طہور (یعنی وضو) ہے۔ (مسند احمد)

تشریح..... ان دونوں حدیثوں میں طہور یعنی وضو کو نماز کی کنجی فرمایا گیا ہے۔ گویا جس طرح کوئی شخص کسی مقفل گھر میں کنجی سے اس کا تالا کھولے بغیر داخل نہیں ہو سکتا، اسی طرح بغیر وضو کے نماز میں داخلہ نہیں ہو سکتا۔ ان چاروں حدیثوں کی تعبیر میں اگرچہ کچھ فرق ہے لیکن حاصل اور مدعا سب کا یہی ہے کہ نماز کے قابل قبول ہونے کے لئے واضح شرط ہے۔ نماز چونکہ اللہ تعالیٰ کے حضور میں حاضری اور اسے مخاطب و مناجات کی اعلیٰ اور انتہائی شکل ہے، جس کے آگے اس دنیا میں ممکن نہیں، اس لئے اس کے ادب کا حق تو یہ تھا کہ ہر نماز کے لئے سارے جسم کے غسل اور بالکل پاک صاف اچھا لباس پہننے کا حکم دیا جاتا لیکن چونکہ اس پر عمل بہت مشکل ہوتا اس لئے اللہ تعالیٰ نے ازراہ کرم صرف اتنا ضروری قرار دیا کہ نماز پاک کپڑے پہن کر پڑھی جائے اور سارے جسم کے غسل کے بجائے صرف وضو کر لیا جائے جس میں وہ سارے ظاہری اعضاء دھل جاتے ہیں جو انسان کے جسم میں خاص اہمیت رکھتے ہیں اور اس حیثیت سے وہی سارے جسم کے قائم مقام قرار دیے جاسکتے ہیں۔ نیز ہاتھ پاؤں اور چہرہ اور سر یہی وہ اعضاء ہیں جو عام طور پر لباس سے باہر رہتے ہیں اسلئے وضو میں صرف انہی کے دھونے اور مسح کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ علاوہ ازیں وضو نہ ہونے کی حالت میں طبیعت میں جو ایک خاص قسم کا روحانی تکرر اور انتہا باض ہوتا ہے اور وضو کرنے کے بعد انشراح و انبساط کی ایک خاص کیفیت اور ایک خاص طرح کی لطافت و نورانیت جو انسان کے باطن میں پیدا ہوتی ہے

جن بندگان خدا کو ان کیفیتوں کا احساس اور تجربہ ہوتا ہے وہ خوب سمجھتے ہیں کہ نماز کے لئے وضو کو لازمی شرط قرار دیے جانے کا اصل راز کیا ہے، باقی اتنی بات تو ہم سب عوام بھی سمجھ سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی مقدس اور عالی بارگاہ میں حاضری کا یہ ادب ہے۔ اللہ کے جو بندے صرف اتنی بات سمجھ کر بھی وضو کریں گے۔ انشاء اللہ وہ بھی اپنے وضو میں ایک خاص لذت و نورانیت محسوس کریں گے۔

و ضو کا طریقہ

۳۶ عَنْ عُثْمَانَ أَلَّهَ تَوَضَّأَ فَأَنْفَرَعَ عَلَى يَدَيْهِ ثَلَاثًا ثُمَّ تَمَضَّمْضَ وَاسْتَنْقَرَ ثُمَّ غَسَلَ وَجْهَهُ ثَلَاثًا ثُمَّ غَسَلَ يَدَهُ الْيُمْنَى إِلَى الْمِرْقِئِ ثَلَاثًا ثُمَّ غَسَلَ يَدَهُ الْيُسْرَى إِلَى الْمِرْقِئِ ثَلَاثًا ثُمَّ مَسَحَ بِرَأْسِهِ ثُمَّ غَسَلَ رِجْلَهُ الْيُمْنَى ثَلَاثًا ثُمَّ الْيُسْرَى ثَلَاثًا لَال رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ تَوَضَّأَ نَحْوَ وَضُوءِي هَذَا ثُمَّ لَال مِنْ تَوَضَّأَ وَضُوءِي هَذَا ثُمَّ يُصَلِّي رُكْعَتَيْنِ لَا يُحَدِّثُ نَفْسَهُ فِيهِمَا بِغَيْرِ خَيْرَةٍ مَا تَقَلَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ .

رواہ بخاری و مسلم و سنن نسائی و ابن ماجہ

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے ایک دن اس طرح وضو فرمایا کہ پہلے اپنے دونوں ہاتھوں پر تین دفعہ پانی ڈالا پھر گلی کی اور ناک میں پانی لے کر اس کو نکالا اور ناک کی صفائی کی پھر تین دفعہ اپنا پورا چہرہ دھویا، اس کے بعد داہنا ہاتھ کہنی تک تین دفعہ دھویا، پھر اسی طرح بائیں ہاتھ کہنی تک تین دفعہ دھویا، اس کے بعد سر کا مسح کیا، پھر داہنا پاؤں تین دفعہ دھویا، پھر اسی طرح بائیں پاؤں تین دفعہ دھویا۔ (اس طرح پورا وضو کرنے کے بعد) حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ کو دیکھا کہ آپ نے بالکل میرے اس وضو کی طرح وضو فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ جس نے میرے وضو کے مطابق وضو کیا پھر دو رکعت نماز (دل کی پوری توجہ کے ساتھ) ایسی پڑھی جو حدیث نفس سے خالی رہی (یعنی دل میں ادھر ادھر کی باتیں نہیں سوچیں) تو اس کے پیچھے سارے گناہ و معاف ہو گئے۔

(بخاری، مسلم، نسائی، ابن ماجہ)

ترجمہ..... حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ کے وضو کا جو طریقہ بتلایا ہے بلکہ عملاً کر کے دکھایا ہے، یہی وضو کا افضل اور مستنون طریقہ ہے البتہ اس میں گلی اور پانی سے ناک کی صفائی سے متعلق یہ نہیں بیان کیا گیا ہے کہ آپ نے یہ کتنے دفعہ کیا۔ لیکن بعض دوسری روایتوں میں تین تین دفعہ کی تصریح ہے۔^۹

اسے حدیث میں جو دو رکعتیں خشوع و خضوع کے ساتھ پڑھنے کا ارشاد ہے، یہ ضروری نہیں کہ وہ غسل ہی ہوں بلکہ اگر کسی مستنون طریقہ پر وضو کر کے کوئی فرض یا سنت نماز بھی ایسی نصیب ہو کہ جو حدیث نفس سے خالی اور حیرت انگیز خیالات سے خالی رہی تو انشاء اللہ حدیث کی موعود مغفرت اس کو بھی حاصل ہوگی۔ شارحین حدیث اور عارفین نے کہا ہے کہ حدیث نفس یہ ہے کہ ادھر ادھر کا کوئی خیال ذہن میں

آئے اور دل اس میں مشغول ہو جائے، لیکن اگر کوئی خطرہ دل میں گزرے اور دل اس میں مشغول نہ ہو بلکہ اس کو ہٹانے اور دفع کرنے کی کوشش کرے تو وہ مضر نہیں ہے اور یہ چیز کاملین کو بھی پیش آتی ہے۔

(۳۷) عَنْ أَبِي حَمَازَةَ قَالَ رَأَيْتُ عَلِيًّا تَوَضَّأَ فَغَسَلَ كَفَّهُ حَتَّى انْفَلَا هُمَا ثُمَّ مَضَمَضَ ثَلَاثًا وَ اسْتَشَقَّ ثَلَاثًا وَ غَسَلَ وَجْهَهُ ثَلَاثًا وَ ذَرَاغِيهِ ثَلَاثًا وَ مَسَحَ بِرَأْسِهِ مَرَّةً ثُمَّ غَسَلَ لَتَمِيهِ إِلَى الْخُمَيْنِ ثُمَّ لَامَ لَاعِلَهُ فَغُذِرَ كَهْؤُذِهِ فَشَرِبَهُ وَهُوَ لَائِمٌ ثُمَّ قَالَ آخَبْتُ أَنْ أُبَيِّنَ لَكُمْ كَيْفَ كَانَ كَهْؤُذُ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ (رواہ ابن ماجہ و الترمذی)

ابو حمزہ سے روایت ہے کہ میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دیکھا آپ نے وضو اس طرح فرمایا، پہلے اپنے دونوں ہاتھ اچھی طرح دھوئے یہاں تک کہ ان کو خوب اچھی طرح صاف کر دیا، پھر تین دفعہ کلی کی، پھر تین دفعہ پانی ناک میں لے کر اس کی صفائی کی، پھر چہرے اور دونوں ہاتھوں کو تین تین دفعہ دھویا، پھر سر کا مسح ایک دفعہ کیا، پھر دونوں پاؤں ٹخنوں تک دھوئے، اس کے بعد آپ کھڑے ہوئے اور کھڑے ہی کھڑے آپ نے وضو کا بچا ہو پانی لے کر پیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس طرح پورا وضو کر کے دکھانے کے بعد فرمایا۔ میں نے چاہا کہ تمہیں دکھاؤں کہ رسول اللہ ﷺ کس طرح وضو فرمایا کرتے تھے۔

تشریح..... جیسا کہ حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کی ان حدیثوں سے معلوم ہوا رسول اللہ ﷺ عام طور سے وضو اسی طرح فرماتے تھے کہ دھونے والے اعضاء کو تین تین دفعہ دھوتے تھے اور سر پر مسح ایک ہی دفعہ فرماتے تھے۔ لیکن کبھی کبھی آپ نے ایسا بھی کیا ہے کہ دھوئے جانے والے اعضاء کو بھی صرف ایک ہی ایک مرتبہ یا صرف دو ہی مرتبہ دھویا، اور ایسا آپ نے یہ بتانے اور دکھانے کے لئے کیا کہ اس طرح بھی وضو ہو جاتا ہے، فقہاء کی اصطلاح میں اس کو بیان جواز کہتے ہیں۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ کسی وقت پانی کی کمی کی وجہ سے آپ نے ایسا کیا ہو۔ واللہ اعلم۔

(۳۸) عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَبَّاسٍ قَالَ تَوَضَّأَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مَرَّةً مَرَّةً لَمْ يَزِدْ عَلَى هَذَا .

(رواہ البخاری)

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ (ایک دن) رسول اللہ ﷺ نے وضو فرمایا ایک مرتبہ (یعنی وضو میں دھوئے جانے والے اعضاء کو آپ نے صرف ایک ایک دفعہ دھویا، اس سے زیادہ نہیں کیا۔) (صحیح بخاری)

(۳۹) عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ زَيْدٍ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ تَوَضَّأَ مَرَّتَيْنِ مَرَّتَيْنِ -

حضرت عبد اللہ بن زید بن عاصم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ (ایک دفعہ) رسول اللہ ﷺ نے وضو فرمایا دو مرتبہ (یعنی دھوئے جانے والے اعضاء کو دو بار دھویا۔) (صحیح بخاری)

تشریح..... ان دونوں حدیثوں میں اعضاء وضو کے صرف ایک ایک دفعہ یا دو دفعہ دھونے کا جو ذکر ہے جیسا کہ اوپر بتلایا جا چکا ایسا آپ نے کبھی کبھی صرف یہ بتانے اور دکھانے کے لئے کیا تھا کہ اتنا کرنے سے بھی وضو ہو جاتا ہے، ورنہ عام عبادت شریفہ یہی تھی کہ وضو میں آپ ہاتھ، منہ اور پاؤں کو تین تین دفعہ دھوتے تھے اور اسی کی دوسروں کو تعلیم دیتے تھے، اور وضو کا یہی افضل اور مسنون طریقہ ہے، مندرجہ ذیل دو حدیثوں سے یہ بات اور زیادہ صاف ہو جاتی ہے۔

(۴۰) عَنْ عُمَرُو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ لَالٍ جَاءَ اَعْرَابِيٌّ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ يَسْأَلُ عَنِ الْوُضُوءِ لَمَّا رَأَاهُ لَمَّا كَانَ هَكَذَا الْوُضُوءُ لَمَنْ زَادَ عَلَى هَذَا لَفْظًا أَسَاءَ وَتَعَدَّى وَظَلَمَ.

(رواہ السنائی و ابن ماجہ)

تشریح..... عمر بن شعیب اپنے والد شعیب سے اور وہ اپنے دادا عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہم سے روایت کرتے ہیں کہ ایک اعرابی وضو کے بارے میں سوال کرتے ہوئے (یعنی وضو کا طریقہ پوچھتے ہوئے) رسول اللہ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے ان کو تین تین دفعہ وضو کر کے دکھایا (یعنی ایسا وضو کر کے دکھایا جس میں آپ نے دھوئے جانے والے اعضاء کو تین تین دفعہ دھویا) اس کے بعد آپ نے ان اعرابی سے فرمایا کہ وضو ایسے ہی کیا جاتا ہے، تو جس نے اس میں اپنی طرف سے کچھ اور اضافہ کیا تو اس نے برائی کی اور زیادتی کی اور ظلم کیا۔ (سنن ابن ماجہ)

تشریح..... اس حدیث میں رسول اللہ نے وضو میں اضافہ کرنے کی جو سخت مذمت کی ہے اس کا مطلب بظاہر یہی ہے کہ اعضاء وضو کے صرف تین تین دفعہ دھونے سے کامل مکمل وضو ہو جاتا ہے۔ اب جو شخص اس میں کوئی اضافہ کرے گا وہ گویا شریعت میں اپنی طرف سے ترمیم کرے گا، اور بلاشبہ یہ اس کی بڑی جسارت اور بڑی بے ادبی ہوگی۔

(۴۱) عَنْ ابْنِ عُمَرَ لَمَّا قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مَنْ تَوَضَّأَ وَاحِدَةً لِحْلِكَ وَطَيْفَةَ الْوُضُوءِ الَّتِي لَا بُدَّ مِنْهَا وَمَنْ تَوَضَّأَ اِثْنَيْنِ لِلَّهِ كِفْلَانٍ وَمَنْ تَوَضَّأَ ثَلَاثًا لَكَ لَذَالِكَ وَضُوءٌ وَالْاَنْبِيَاءُ مِنْ قَبْلِي.

(رواہ احمد)

تشریح..... حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے ارشاد فرمایا جو وضو کرے ایک دفعہ (یعنی دھوئے جانے والے اعضاء کو اس میں صرف ایک ہی ایک دفعہ دھوئے) تو یہ وضو کا دو درجہ ہے جس کے بغیر کوئی چارہ ہی نہیں (اور اس کے بغیر وضو ہوتا ہی نہیں) اور جو وضو کرے دو درجہ (یعنی اس میں اعضاء وضو کو دو دفعہ دھوئے) تو اس کو (ایک ایک دفعہ والے وضو کے مقابلہ میں) وہ حصے ثواب ہو گا۔ اور جس نے وضو کیا تین تین دفعہ (جو افضل اور مسنون طریقہ ہے، تو یہ میرا وضو ہے اور مجھ سے پہلے پیغمبروں کا) (یعنی میرا دستور اعضاء وضو کو تین تین دفعہ دھونے کا ہے اور مجھ سے پہلے انبیاء علیہم السلام کا طریقہ بھی یہی رہا ہے۔)

تشریح..... یہ حدیث مسند احمد کی ہے اور اسی میں ایک دوسری روایت اس طرح ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک دن ایک ایک دفعہ وضو کر کے دکھایا اور فرمایا کہ یہ وہ کم سے کم درجہ کا وضو ہے جس کے بغیر کسی کی نماز اللہ تعالیٰ کے ہاں قبول ہی نہیں ہو سکتی، اس کے بعد آپ نے دو دفعہ کا وضو کر کے دکھایا اور فرمایا کہ پہلے والے وضو کے مقابلہ میں اس کا ثواب دوہرا ملے گا، پھر آپ نے تین تین دفعہ والا وضو کر کے دکھایا اور فرمایا کہ یہ میرا وضو ہے اور مجھ سے پہلے انبیاء علیہم السلام کا۔ اس دوسری روایت کو دار قطنی، بیہقی، ابن حبان اور ابن ماجہ نے بھی دریافت کیا ہے۔ (زجاجۃ المصابیح) ان دونوں روایتوں سے بات بالکل صاف ہو جاتی ہے۔ فَلِلَّهِ الْحُسْنُ

وضو کی سنتیں اور اس کے آداب

وضو میں فرض تو بس وہی چار چیزیں ہیں جن کا ذکر سورہ کاندہ کی اس مندرجہ بالا آیت میں کیا گیا ہے جس میں نماز سے پہلے وضو کرنے کا حکم دیا گیا ہے، یعنی پورے چہرے کا دھونا، ہاتھوں کا کہنیوں تک دھونا، سر کا مسح کرنا، پاؤں کا تختوں تک دھونا۔ ان چار چیزوں کے علاوہ رسول اللہ ﷺ وضو میں جن چیزوں کا اہتمام فرماتے تھے یا جن کی ترغیب دیتے تھے، وہ وضو کی سنتیں اور اس کے آداب ہیں جن سے وضو کی ظاہری یا باطنی تکمیل ہوتی ہے۔ مثلاً چہرے اور ہاتھ پاؤں کی بجائے ایک ایک دفعہ کے تین تین بار دھونا اور مل مل کر دھونا، ڈاڑھی میں اور ہاتھ پاؤں کی انگلیوں میں خلال کرنا، انگلی میں پینی ہوئی انگوٹھی کو حرکت دینا، تاکہ اس کے نیچے پانی پہنچنے میں شہ نہ رہ جائے اسی طرح کلی اور ناک کی صفائی کا اہتمام کرنا، کانوں کے اندرونی اور بیرونی حصہ کا مسح کرنا، شروع میں بسم اللہ اور آخر میں کلمہ شہادت پڑھنا اور خاتمہ وضو کی دعا کرنا، یہ سب وضو کی سنتیں اور اس کے آداب و مستحبات ہیں جن سے وضو کی تکمیل ہوتی ہے۔ اس سلسلہ کی چند حدیثیں ذیل میں پڑھیے!

۴۲ عَنْ سَعِيدِ بْنِ زَيْدٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ لَا وَضُوءَ لِمَنْ لَمْ يَذْكُرِ اسْمَ اللَّهِ عَلَيْهِ .

(رواہ الترمذی و ابن ماجہ)

ترجمہ..... حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس شخص نے اللہ کا نام لئے بغیر وضو کیا، اس کا وضو ہی نہیں۔ (تابع ترمذی۔ ابن ماجہ)

تشریح..... امت کے اکثر ائمہ اور مجتہدین کے نزدیک اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جو وضو غفلت کے ساتھ، اللہ کا نام لئے بغیر کیا جائے وہ بہت ناقص اور بالکل بے نور ہو گا۔ اور ناقص کو کالعدم قرار دے کر اس کی سرے سے نفی کر دینا عام محاورہ ہے۔ ”کتاب الایمان“ میں یہ بات تفصیل اور وضاحت سے لکھی جا چکی ہے۔ اگلے ہی نمبر پر ابو بکر یثرب و ابن مسعود و ابن عمر رضی اللہ عنہم کی روایت سے جو حدیث درج ہو رہی ہے اس سے یہ بات پوری طرح واضح ہو جاتی ہے کہ اللہ کا نام لئے بغیر جو وضو کیا جائے وہ اگرچہ بالکل بیکار نہیں ہے لیکن اپنی باطنی تاثیر اور نورانیت کے لحاظ سے بہت ناقص ہے۔

(۴۳) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ وَابْنِ مَسْعُودٍ وَابْنِ عُمَرَ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ مَنْ تَوَضَّأَ وَذَكَرَ اسْمَ اللَّهِ فَإِنَّهُ يُطَهِّرُ جَسَدَهُ كُلَّهُ وَمَنْ تَوَضَّأَ وَلَمْ يَذْكُرْ اسْمَ اللَّهِ لَمْ يُطَهِّرْ إِلَّا مَوْضِعَ الوُضُوءِ .

(رواہ الدارقطنی)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ، ابن مسعود و ابن عمر رضی اللہ عنہم سے روایت ہے کہ جو شخص وضو کرے اور اس میں اللہ کا نام لے، تو وہ وضو اس کے سارے جسم کو پاک کر دیتا ہے، اور جو کوئی وضو کرے اور اس میں اللہ کا نام نہ لے، تو وہ وضو اس کے صرف اعضائے وضوی کو پاک کرتا ہے۔ (المعجم الدارقطنی)

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جو وضو اللہ کا نام لے کر مثلاً بسم اللہ پڑھ کر یا اسی طرح کوئی کلمہ ذکر زبان سے ادا کر کے کیا جائے تو اس کے اثر سے سارا جسم مطہر اور منور ہو جاتا ہے اور جو وضو اللہ کا نام لئے اور اس کا ذکر کئے بغیر کیا جائے تو اس سے صرف اعضائے وضوی کی طہارت ہوتی ہے۔ اس کا مطلب یہی ہوا کہ یہ وضو بہت ناقص قسم کا ہوتا ہے۔

(۴۴) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يَا أَبَاهُ هِرَّةَ إِذَا تَوَضَّأْتَ فَقُلْ بِسْمِ اللَّهِ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ فَإِنَّ حِفْظَكَ لَا تَبْرَحُ تَكْتُبُ لَكَ الْحَسَنَاتِ حَتَّى تُحْدِثَ مِنْ ذَلِكَ الْوُضُوءِ .

(رواہ الصرائی فی الصغیر)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا: ابو ہریرہ! جب تم وضو کرو تو کہو: یا اللہ! الحمد للہ (اس کا اثر یہ ہوگا کہ) جب تک تمہارا یہ وضو باقی رہے گا، اس وقت تک تمہارے محافظ فرشتے (یعنی کاتبین اعمال) تمہارے لئے برابر نیکیاں لکھتے رہیں گے۔

(المعجم فی صغیر)

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جو وضو بسم اللہ، الحمد للہ کہہ کر کیا جائے اللہ تعالیٰ کے نزدیک اتنی عظیم نیکی ہے، کہ جب تک وہ باقی اور قائم رہے اس وقت تک کاتبان اعمال اس وضو والے کے لئے اعمال میں مسلسل نیکیاں لکھنے کے لئے مامور ہیں۔

(۴۵) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِذَا لَبَسْتُمْ وَإِذَا تَوَضَّأْتُمْ فَأَبْدِئُوا بِسْمِ اللَّهِ .

(رواہ احمد و ابو داؤد)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب تم لباس پہنو اور جب تم وضو کرو تو اپنے اعضا سے ابتدا کیا کرو۔ (المعجم الدارقطنی)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ جب کوئی کپڑا یا جو تیا موزہ وغیرہ پہنا جائے تو پہلے دائیں طرف پہنا جائے اور جب وضو کیا جائے تو ہر عضو کے دھونے کی ابتدا دائیں طرف سے کی جائے۔

(۴۶) عَنْ لُقَيْطِ بْنِ صَبْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يَا أَخِي بَنِي عَنِ الْوُضُوءِ فَإِنَّ أَسْبَغَ الْوُضُوءِ وَخَلَّلَ بَيْنَ

الْأَصَابِعُ وَبَالِغٌ فِي الْإِسْتِخْشَاقِ إِلَّا أَنْ تَكُونَ صَالِمًا. (رواہ ابو داؤد و الترمذی و السنن)

ترمذی: القبط بن صبرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! مجھے وضو کی بابت بتائیے! (یعنی بتائیے کہ کن باتوں کا وضو میں مجھے خاص طور سے اہتمام کرنا چاہیے) آپ نے فرمایا: (ایک تو یہ کہ) پورا وضو خوب اچھی طرح اور کامل طریقہ سے کیا کرو (جس میں کوئی کمی نہ رہے) اور دوسرے یہ کہ ہاتھ پاؤں دھوتے وقت ان کی انگلیوں میں خیال کیا کرو اور تیسرے یہ کہ ناک کے نتھنوں میں پانی چڑھائے اچھی طرح ان کی صفائی کیا کرو، والا یہ کہ تم روزے سے ہو۔ (یعنی روزہ کی حالت میں ناک میں پانی زیادہ نہ چڑھاؤ)۔ (سنن ابی داؤد و السنن و الترمذی)

(۴۷) عَنْ الْمُسْتَوْرِدِ بْنِ شَدَّادٍ قَالَ رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ إِذَا تَوَضَّأَ يَذْلُكُ أَصَابِعَ رِجْلَيْهِ بِمَنْصَرِفٍ - (رواہ الترمذی و ابو داؤد و ابن ماجہ)

ترمذی: مستورد بن شداد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ کو دیکھا، جب آپ وضو فرماتے، تو ہاتھ کی سب سے چھوٹی انگلی (چھنگلی) سے پاؤں کی انگلیوں کو (یعنی ان کے درمیانی حصوں کو) ملتے تھے۔ (سنن ابی داؤد و السنن و الترمذی)

(۴۸) عَنْ أَنَسٍ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِذَا تَوَضَّأَ أَخَذَ كُلَّ مَاءٍ لَازِعَةً تَحْتَ حَنَكِهِ لِيُغْلَلَ بِهِ لِحْيَتَهُ وَقَالَ هَكَذَا أَمَرَنِي رَبِّي - (رواہ ابو داؤد)

ترمذی: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ کا طریقہ یہ تھا کہ جب وضو فرماتے تو ایک ہاتھ سے پانی لے کر ٹھوڑی کے نیچے ریش مبارک کے اندرونی حصہ میں پہنچاتے اور اس سے ریش مبارک میں خیال کرتے (یعنی ہاتھ کی انگلیاں اس کے درمیان سے نکالتے) اور فرماتے میرے رب نے مجھے ایسا ہی کرنے کا حکم دیا ہے۔ (سنن ابی داؤد و السنن و الترمذی)

(۴۹) عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ مَسَحَ بِرَأْسِهِ وَ أَكْبَدَهُ بِأُظْفَارِهِمَا بِالسَّبَّاحَتَيْنِ وَ ظَاهِرَهُمَا بِأَيْدِيهِمَا. (رواہ السنن)

ترمذی: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے (وضو میں) اپنے سر مبارک کا مسح فرمایا اور اس کے ساتھ دونوں کانوں کا بھی (اس طرح) کہ کانوں کے اندرونی حصہ کا تو انگوٹھوں کے برابر والی، انگلیوں سے مسح فرمایا اور اوپر کے حصہ کا دونوں انگوٹھوں سے۔ (سنن ابی داؤد و السنن و الترمذی)

(۵۰) عَنْ الرَّبِيعِ بْنِ مَعْرُوفٍ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ تَوَضَّأَ لَازِعَةً لِيُغْلَلَ بِجُحْرَى أُذُنَيْهِ.

(رواہ ابو داؤد و احمد و ابن ماجہ)

ترمذی: ربیع بنت معوذ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے وضو فرمایا تو (کانوں کا مسح کرتے ہوئے) دونوں کانوں کے سوراخوں میں بھی آپ نے اپنی انگلیاں ڈالیں۔ (سنن ابی داؤد و السنن و الترمذی)

۵۱. عَنْ أَبِي رَافِعٍ لَمَّا كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِذَا تَوَضَّأَ وَضُوءَ الصَّلَاةِ حَرَّكَ خَاتِمَهُ لِي أَضْبِعَهُ

(رواہ ابورافع و ابن ماجہ)

حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب نماز کا وضو فرماتے تھے تو انگلی میں پھنی ہوئی اپنی انگوٹھی کو بھی حرکت دیتے تھے (تاکہ پانی اس جگہ بھی اچھی طرح پہنچ جائے اور کوئی شک و شبہ باقی نہ رہے)۔
(ترمذی، سنن ابن ماجہ)

..... مندرجہ بالا حدیثوں میں وضو کے سلسلہ کے جن جن اعمال کا ذکر ہے، مثلاً اذان بھی اور ہاتھ پاؤں کی انگلیوں کا خیال کرنا، کانوں کے اندر باہر کا اچھی طرح مسح کرنا اور ان کے سوراخوں تک بھی انگلیاں پہنچانا، اسی طرح ہاتھ میں پھنی ہوئی انگوٹھی کو حرکت دینا، یہ سب وضو کے تکمیلی آداب ہیں جن کا اہتمام رسول اللہ خود بھی فرماتے تھے، اور اپنے قول و عمل سے دوسروں کو بھی ان کی تعلیم و ترغیب دیتے تھے۔

وضو کے پانی بے ضرورت نہ بہایا جائے

۵۲. عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو بْنِ الْعَاصِ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ مَرَّ بِسَعْدٍ وَهُوَ يَتَوَضَّأُ فَقَالَ مَا هَذَا السَّرَفِ

يَا سَعْدُ! لَمَّا أَقْبَى الْوُضُوءَ سَرَفٌ؟ قَالَ وَإِنْ كُنْتُ عَلَى نَهْرٍ جَارٍ - (رواہ احمد و ابن ماجہ)

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ سعد بن ابی وقاص (رضی اللہ عنہ) وضو کر رہے تھے (اور اس میں پانی کے استعمال میں فضول خرچی سے کام لے رہے تھے) رسول اللہ (ﷺ) ان کے پاس سے گزرے تو آپ نے ان سے فرمایا: سعد! یہ کیسا اسراف ہے (یعنی پانی بے ضرورت کیوں بہایا جا رہا ہے) انہوں نے عرض کیا حضور (ﷺ)! کیا وضو کے پانی میں بھی اسراف ہوتا ہے؟ (یعنی کیا وضو میں پانی زیادہ خرچ کرنا بھی اسراف میں داخل ہے؟) آپ ﷺ نے فرمایا، ہاں یہ بھی اسراف میں داخل ہے، اگرچہ تم کسی جاری نہر کے کنارے ہی پر کیوں نہ ہو۔
(ترمذی، سنن ابن ماجہ)

تشریح..... اس حدیث سے معلوم ہوا کہ وضو کے آداب میں سے یہ بھی ہے کہ پانی کے استعمال میں اسراف سے کام نہ لیا جائے۔

وضو کے بعد تویہ یا رومال کا استعمال

۵۳. عَنْ مَعَاذِ بْنِ جَبَلٍ لَمَّا رَأَى رَسُولَ اللَّهِ ﷺ إِذَا تَوَضَّأَ مَسَحَ وَجْهَهُ بِطَرَفِ ثَوْبِهِ

(رواہ الترمذی)

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ جب آپ وضو فرماتے تو اپنے ایک کپڑے کے کنارے سے چہرہ مبارک پونچھ لیتے۔ (ابن ترمذی)

تشریح..... اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ وضو فرمانے کے بعد اپنے کسی کپڑے (چادر وغیرہ) کے کنارے ہی سے چہرہ مبارک پونچھ لیتے تھے۔ اور امام ترمذی ہی نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا

اس لئے یہ سوال پیدا نہیں ہوتا کہ بلالؓ زندگی ہی میں جنت میں کس طرح پہنچ گئے البتہ حضورؐ کا خواب میں حضرت بلالؓ کو جنت میں دیکھنا اور اس کا بیان فرمانا اس بات کی قطعی شہادت ہے کہ حضرت بلالؓ جنتی ہیں بلکہ درجہ اول کے جنتیوں میں ہیں۔

اس حدیث کی روح اور اس کا خاص پیغام یہ ہے کہ بندہ اس کی عادت ڈالے کہ جب بھی وضو کرے اس سے حسب توفیق کچھ نماز ضرور پڑھے، خولو فرض ہو، خولو سنت، خولو نفل۔

باب تیسواں: عبادت

ہر سلیم الفطرت اور صاحب روحانیت انسان، جب اس کے جسم کے کسی حصہ سے کوئی گندہ مادہ خارج ہوتا ہے یا اپنی طبیعت کا وہ کوئی ایسا بیکسی اور شہوانی تقاضا پورا کرتا ہے جو ملکوتیت سے بہت ہی بعید ہوتا ہے، تو جیسا کہ پہلے بھی ذکر کیا جا چکا ہے، وہ اپنے باطن میں ایک خاص قسم کی ظلمت و کدورت اور گندگی و آلودگی محسوس کرتا ہے اور اس حالت میں عبادت جیسے مقدس کاموں کے قابل اپنے کو نہیں سمجھتا اور بتلایا جا چکا ہے کہ دراصل اسی حالت کا نام حدث ہے۔ پھر اس حدث کی دو قسمیں ہیں یا یوں کہئے کہ دو درجے ہیں، ایک حدث اصغر، جس کے ازالہ کے لئے صرف وضو کافی ہو جاتا ہے، یعنی صرف وضو کر لینے سے ظلمت و گندگی کا وہ اثر ازالہ ہو جاتا ہے اور دوسرے حدث اکبر، جس کے اثرات زیادہ گہرے اور زیادہ وسیع ہوتے ہیں، اور ان کا ازالہ پورے جسم کے غسل ہی سے ہو سکتا ہے پیشاب پاخانہ اور خروج یابح وغیرہ حدث اصغر کی مثالیں ہیں اور مجامعت و حیض و نفاس وغیرہ حدث اکبر کی۔

ہر سلیم الفطرت انسان اس روحانی ظلمت و کدورت کے ازالہ کے لئے جو مجامعت یا حیض و نفاس سے قلب و روح میں پیدا ہوتی ہے، غسل ضروری سمجھتا ہے اور جب تک غسل نہ کر لے، اپنے کو مقدس مشاغل و وظائف میں مشغولی کے لائق بلکہ مقدس مقامات سے گزرنے کے بھی قابل نہیں سمجھتا، گویا یہ انسان کی سلیم فطرت کا تقاضا ہے، شریعت مطہرہ نے بھی ان حالات میں غسل واجب کیا ہے اور غسل سے پہلے نماز اور تلاوت قرآن جیسے مقدس وظائف میں مشغول ہونے سے اور مساجد جیسے مقدس مقامات میں داخل ہونے سے منع فرمایا ہے، اس سلسلہ کی چند حدیثیں ذیل میں درج کی جاتی ہیں:-

۵۵. عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ لَا تَقْرَأُ الْمَغِصَّةَ وَلَا الْجَنَبُ حَتَّىٰ يَمْسَحَ بِالْمُغْتَسَلِ.

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ حائضہ عورت اور جنبی آدمی قرآن پاک میں سے کچھ بھی نہ پڑھے۔ (یعنی قرآن مجید جو اللہ تعالیٰ کا مقدس کلام ہے، اس کی تلاوت ان دونوں کے لئے بالکل ممنوع ہے)۔

۵۶. عَنْ عَلِيٍّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ وَجْهًا هَلِ الْبُيُوتُ عَنِ الْمَسْجِدِ لَئِنِّي لَا أُجِلُّ

الْمَسْجِدَ لِتَعَابِيضٍ وَلَا جُنُبٍ. (رواہ ابو داؤد)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا: ان گھروں کا رخ مسجد کی طرف سے پھیر دو (یعنی ان کے دروازے جو مسجد کی طرف ہیں، ان کو مسجد کی جانب سے بند کر کے دوسری جانب کھولو) کیونکہ کسی حائضہ عورت اور کسی جنبی کے لئے مسجد میں داخل ہونے کا بالکل جواز نہیں ہے (ان کے لئے مسجد میں آنا ناجائز و حرام ہے)۔

تشریح..... مسجد نبوی ﷺ جب شروع میں بنی تھی، تو اس کے آس پاس کے بہت سے گھروں کے دروازے مسجد کی طرف تھے، گویا کہ صحن مسجد ہی میں کھلتے تھے، کچھ عرصہ کے بعد یہ حکم آگیا، کہ مسجد کے ادب و احترام کا یہ حق ہے کہ حائضہ اور جنبی اس میں داخل نہ ہوں، اس وقت رسول اللہ نے یہ اعلان فرمایا اور حکم دیا کہ یہ سب دروازے مسجد کی جانب سے بند کر کے دوسری طرف کھولے جائیں۔

غسل جنابت کا طریقہ اور اس کے آداب

رسول اللہ ﷺ نے جس طرح اپنے قول و عمل سے وضو کا طریقہ اور اس کے آداب سکھائے اور بتلائے ہیں، اسی طرح غسل کا طریقہ اور اس کے آداب بھی تعلیم فرمائے ہیں:

۵۷) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ تَحْتَ كُلِّ فُغْرٍ جَنَابَةٌ لَا غَسِلُوا الشَّعْرَ وَالْفَرْجَ الْبُشْرَةَ. (رواہ ابو داؤد و الترمذی و ابن ماجہ)

تشریح..... حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے ارشاد فرمایا کہ جسم کے ہر بال کے نیچے جنابت کا اثر ہوتا ہے، اس لئے غسل جنابت میں بالوں کو اچھی طرح دھونا چاہئے۔ (تاکہ جسم انسانی کا وہ حصہ بھی جو بالوں سے چھپا رہتا ہے، پاک صاف ہو جائے) اور جلد کا جو حصہ ظاہر ہے (جس پر بال نہیں ہیں) اس کی بھی اچھی طرح صفائی دھلائی کرنی چاہئے۔ (سنن ابی داؤد، جامع ترمذی، سنن ابن ماجہ)

۵۸) عَنْ عَلِيٍّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مَنْ تَرَكَ مَوْضِعَ فُغْرَةٍ مِنْ جَنَابَةٍ لَمْ يَغْسِلْهَا لَعَلَّ بِهَا عَذَابٌ وَ كَذًا مِنَ النَّارِ ، قَالَ عَلِيُّ لِمَنْ تَمَّ عَادِيَتْ رَأْسِي لِمَنْ تَمَّ عَادِيَتْ رَأْسِي لَعَلَّ.

(رواہ ابو داؤد و احمد و الدارمی الا ائمتہ لم یکر رافضی عادیث راسی)

تشریح..... حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے ارشاد فرمایا: جس شخص نے غسل جنابت میں ایک بال بھر بھی جگہ دھونے سے چھوڑ دی تو اس کو دوزخ کا ایسا ایسا عذاب دیا جائے گا۔ حدیث کے راوی حضرت علی فرماتے ہیں کہ حضور کے اس ارشاد ہی کی وجہ سے میں اپنے سر کے بالوں کا دشمن بن گیا (یعنی میں نے معمول بنایا، کہ جب ذرا بڑھے، میں نے ان کا صفایا کر دیا) ابو داؤد کی روایت کے مطابق یہ جملہ آپ نے تین دفعہ فرمایا۔ (سنن ابی داؤد، سنن ابن ماجہ)

تشریح..... ان دونوں حدیثوں سے معلوم ہوا کہ غسل جنابت میں سارے جسم کا اس طرح دھویا جانا ضروری

ہے کہ ایک بال بھر جگہ بھی دھونے سے باقی نہ رہ جائے۔

بعض شارحین نے لکھا ہے کہ غسل کی سہولت کی وجہ سے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے سر کے بال صاف کرانے کا اپنا جو معمول بنالیا تھا اس سے معلوم ہوا کہ اس مقصد سے سر منڈانے کا طریقہ بھی جائز اور مستحسن ہے۔ اگرچہ اولیٰ سر پر بال رکھنے ہی کا طریقہ ہے، جیسا کہ خود رسول اللہ ﷺ کا اور باقی خلفائے راشدین کا معمول تھا۔

۵۹ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِذَا اغْتَسَلَ مِنَ الْجَنَابَةِ يَذُّهُ الْفَيْسِلَ يَذُّهُ ثُمَّ يَفْرِغُ بِيَمِينِهِ عَلَى شِمَالِهِ الْفَيْسِلَ لِرُجْعِهِ ثُمَّ يَتَوَضَّأُ وَضُوءَهُ لِلصَّلَاةِ ثُمَّ يَأْخُذُ الْمَاءَ فَيُذْجِلُ أَصَابِعَهُ فِي أَصُولِ الشَّعْرِ حَتَّى إِذَا رَأَى أَنَّ لِدَاسْتَبْرَاحَ حَقْنَ عَلَى رَأْسِهِ فَلَكَ حَفَنَاتٍ ثُمَّ أَفَاضَ عَلَى سَائِرِ جَسَدِهِ ثُمَّ غَسَلَ رِجْلَيْهِ .
رواد الحارثی و مسند و اللفظ لمسلم .

ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب غسل جنابت فرماتے تھے تو سب سے پہلے اپنے دونوں ہاتھ دھوتے تھے، پھر بائیں ہاتھ سے مقام استنجہ کو دھوتے اور داہنے ہاتھ سے اس پر پانی ڈالتے تھے، پھر وضو فرماتے تھے، اسی طرح جس طرح نماز کے لئے وضو فرمایا کرتے تھے، پھر پانی لیتے تھے اور بالوں کی جڑوں میں انھیں ڈال کر وہاں پانی پہنچاتے تھے، یہاں تک کہ جب آپ سمجھتے تھے کہ آپ نے سب میں پوری طرح پانی پہنچایا، تو دونوں ہاتھ بھر بھر کر تین دفعہ پانی اپنے سر کے اوپر ڈالتے تھے، اس کے بعد باقی سارے جسم پر پانی بہاتے تھے، اس کے بعد دونوں پاؤں دھوتے تھے۔

۶۰ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ حَدَّثَنِي عَائِشَةُ مِمَّنْ قَالَتْ أَذْنَتْ لِرَسُولِ اللَّهِ ﷺ غُسْلَهُ مِنَ الْجَنَابَةِ لَفَسَلْ عَلَيْهِ مَرَّتَيْنِ أَوْ ثَلَاثًا ثُمَّ أَذْخَلَ يَدَهُ فِي الْإِنَاءِ ثُمَّ أَلْفَرَعَ بِهِ عَلَى رُجْعِهِ وَغَسَلَ بِشِمَالِهِ ثُمَّ ضَرَبَ بِشِمَالِهِ الْأَرْضَ لَدَلَّكَهَا ذَلِكَا حَبِيدًا ثُمَّ تَوَضَّأَ وَضُوءَهُ لِلصَّلَاةِ ثُمَّ أَلْفَرَعَ عَلَى رَأْسِهِ فَلَكَ حَفَنَاتٍ مِلَاكِيَهَ ثُمَّ غَسَلَ سَائِرَ جَسَدِهِ ثُمَّ تَنَحَّى عَنْ مَقَامِهِ ذَلِكَ لَفَسَلْ عَلَيْهِ ثُمَّ أَتَيْتُهُ بِالْمِنْذِيلِ لَرُدُّهِ .
رواد الحارثی و مسند و اللفظ لمسلم .

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میری خالہ ام المؤمنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا نے مجھ سے بیان کیا، کہ میں نے ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ کے غسل جنابت کیسے پانی بھر کے آپ کے پاس رکھ دیا۔ تو آپ نے سب سے پہلے اپنے ہاتھوں کو دو دفعہ یا تین دفعہ دھویا، پھر اچھا دھوا ہوا ہاتھ آپ نے پانی کے اس برتن میں ڈالا اور اس سے پانی لے کر اپنے مقام استنجہ پر ڈالا اور بائیں ہاتھ سے اس کو دھویا، پھر اچھا دھویا ہوا ہاتھ زمین پر مارا اور اس کو خوب زمین کی مٹی سے ملا اور رگڑا، پھر وضو کیا، جیسے کہ آپ نماز کے لئے وضو فرمایا کرتے تھے، اس کے بعد تین دفعہ اپنے سر پر پانی لپ بھر بھر کے ڈالا، پھر اپنے سارے جسم کو دھویا، پھر اس جگہ سے ہٹ کر آپ نے اپنے دونوں پاؤں دھوئے، پھر میں

نے آپ کو رومال دیا، تو آپ ﷺ نے اس کو واپس فرمادیا (صحیحین ہی کی دوسری روایت میں یہ اضافہ بھی ہے، کہ رومال استعمال کرنے کے بجائے آپ ﷺ نے جسم پر سے پانی کو سونت دیا اور جھاڑ دیا)۔

(صحیح ابن ماجہ، ص ۱۸۷)

تشریح... حضرت عائشہ صدیقہ اور حضرت میمونہ کی ان حدیثوں سے رسول اللہ ﷺ کے غسل کے طریقے کی پوری تفصیل معلوم ہو جاتی ہے، یعنی یہ کہ آپ ﷺ سب سے پہلے اپنے دونوں ہاتھ دو تین دفعہ دھوتے تھے (کیونکہ ان ہاتھوں ہی کے ذریعہ پورے جسم کو غسل دیا جاتا ہے) اس کے بعد آپ مقام استنجا کو بائیں ہاتھ سے دھوتے تھے اور داہنے ہاتھ سے اس پر پانی ڈالتے تھے اس کے بعد بائیں ہاتھ کو مٹی سے مل کر اس کے اور رگزرگزر کر خوب مانجے اور دھوتے تھے، پھر اس کے بعد وضو فرماتے تھے (جس کے ضمن میں تین تین دفعہ کلی کر کے اور ناک میں پانی لے کر اس کی اچھی طرح صفائی کر کے منہ اور ناک کے اندرونی حصہ کو غسل دیتے تھے اور حسب عادت ریش مبارک میں خلال کر کے اس کے ایک ایک بال کو غسل دیتے اور بالوں کی جڑوں میں پانی پہنچاتے تھے) اس کے بعد اسی طرح سر کے بالوں کو اہتمام سے دھوتے تھے اور ہر بال کی جڑ تک پانی پہنچانے کی کوشش کرتے تھے، اس کے بعد باقی سارے جسم کو غسل دیتے تھے، پھر غسل کی اس جگہ سے بٹ کر پاؤں کو پھر دھوتے تھے۔ ظاہر ہے کہ غسل کا سب سے زیادہ پاکیزہ اور باسلیقہ طریقہ یہی ہو سکتا ہے۔ غسل کی جگہ سے بٹ کر پھر پاؤں آپ غالباً اس لئے دھوتے تھے کہ غسل کی وہ جگہ صاف اور پختہ نہیں ہوتی تھی۔

۶۱) عَنْ يَغْلَى قَالَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ رَأَى رَجُلًا يَغْتَسِلُ بِالْهَرَاوِ لَصَعْدِ الْمَنْبَرِ لِحَمْدِ اللَّهِ وَآلِهِ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّ اللَّهَ حَيٌّ سَيَرُ يُحِبُّ الْحَيَاءَ وَالْقِسْرَ لَإِذَا اغْتَسَلَ أَخَذَهُمُ الْفَيْسِرَ .

(رواہ ابو داؤد و النسائی)

ترجمہ... حضرت یعلی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی نظر ایک شخص پر پڑی جو کھلے میدان میں (برہنہ) غسل کر رہا تھا، تو آپ ﷺ نے (قریبی مناسب وقت میں) منبر پر خطبہ دیا، جس میں معمول کے مطابق پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کی اس کے بعد فرمایا، کہ اللہ تعالیٰ خود حیا فرمانے والا اور پردہ دار ہے، (یعنی بندوں کی جن شرمناک حرکتوں کا ظاہر کرنا شر و حیا کے خلاف ہے، اللہ تعالیٰ ان کو ظاہر نہیں فرماتا، بلکہ ان کی پردہ داری فرماتا ہے اور بندوں کے لئے بھی وہ حیا داری اور پردہ داری کو پسند فرماتا ہے، اس بناء پر اس کا حکم ہے اور میں تم کو اس کی ہدایت اور تاکید کرتا ہوں کہ جب تم میں سے کوئی غسل کیا کرے، تو پردہ کر لیا کرے (لوگوں کی نگاہوں کے سامنے بے پردہ کھڑا نہ ہو جایا کرے)۔ (سنن ابن ماجہ، ص ۱۸۷)

مسنون یا مستحب غسل

شریعت نے جن حالات میں غسل کو فرض و واجب قرار دیا ہے اس کا بیان ہو چکا اور اس کے متعلق رسول اللہ ﷺ کے ارشادات بھی درج کئے جا چکے، ان کے علاوہ بھی بعض موقعوں پر رسول اللہ ﷺ نے

غسل کا حکم دیا ہے، لیکن یہ حکم بطور فرضیت اور وجوب کے نہیں ہے بلکہ اس کا درجہ سنت یا مستحب کا ہے، اس سلسلہ میں رسول اللہ کی چند حدیث ذیل میں پڑھئے۔

ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا جب تم میں سے کوئی

۶۲ عَنْ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِذَا جَاءَ أَحَدُكُمْ الْجُمُعَةَ لِلْغُسْلِ ...

(رواہ البخاری و مسلم)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا جب تم میں سے کوئی جمعہ (یعنی جمعہ کی نماز کے لئے) آئے تو اس کو چاہئے کہ غسل کرے (یعنی نماز جمعہ ادا کرنے کے لئے اس کو غسل کرے تا چاہئے)۔

۶۳ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ حَقٌّ عَلَى كُلِّ مُسْلِمٍ أَنْ يَغْتَسِلَ لِي كُلِّ سَبْعَةِ أَيَّامٍ يَوْمًا يَغْتَسِلُ فِيهِ رَأْسُهُ وَجَسَدُهُ

(رواہ البخاری و مسلم)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا کہ ہر مسلمان پر حق ہے (یعنی اس کے لئے ضروری ہے) کہ ہفتہ کے سات دنوں میں سے ایک دن (یعنی جمعہ کے دن) غسل کرے اس میں اپنے سر کے بالوں کو اور سارے جسم کو اچھی طرح دھوئے۔

ان دونوں حدیثوں میں جمعہ کے غسل کا تاکید حکم ہے اور صحیحین ہی کی ایک اور حدیث میں جو حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے غسل جمعہ کے لئے واجب، کا لفظ بھی آیا ہے لیکن امت کے اکثر ائمہ اور علماء شریعت کے نزدیک اس سے اصطلاحی وجوب مراد نہیں ہے بلکہ اس کا مقصد بھی وہی تاکید ہے جو حضرت ابن عمر اور حضرت ابوہریرہ کی مندرجہ بالا حدیثوں کا مدعا ہے۔ اس مسئلہ کی پوری وضاحت حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے ایک ارشاد سے ہوتی ہے جو انہوں نے بعض اہل عراق کے سوال کے جواب میں فرمایا تھا۔ سنن ابی داؤد میں حضرت ابن عباس کے مشہور شائع کردہ حکمران سے اس سوال کا جواب کی پوری تفصیل اس طرح مروی ہے کہ۔

عراق کے بعض لوگ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انہوں نے سوال کیا کہ آپ کے خیال میں جمعہ کے دن کا غسل واجب ہے؟ انہوں نے فرمایا میرے نزدیک واجب تو نہیں ہے لیکن اس میں بڑی طہارت و پاکیزگی ہے اور بڑی خیر ہے اس کے لئے جو اس دن غسل کرے اور جو (کسی وجہ سے اس دن) غسل نہ کرے تو (وہ گنہگار نہیں ہوگا کیونکہ یہ غسل) اس پر واجب نہیں ہے۔ (اس کے بعد حضرت ابن عباس نے فرمایا) میں تمہیں بتاتا ہوں کہ غسل جمعہ کے حکم کی شروعات کیسے ہوئی (واقعہ یوں ہے کہ اسلام کے ابتدائی دور میں) مسلمان ہو کر غریب اور محنت کش تھے، صوف (یعنی اونٹ، بھیڑ وغیرہ) کے بالوں سے بنے ہوئے بہت

موٹے کپڑے پہنتے تھے اور محنت مزدوری میں اپنی پیٹھوں پر بوجھ لاتے تھے اور ان کی مسجد (مسجد نبوی) بھی بہت تنگ تھی اور اس کی چھت بہت نیچی تھی اور ساری مسجد بس ایک چھپر کا سائبان تھا (جس کی وجہ سے اس میں انتہائی گرمی اور گھٹن رہتی تھی) پس رسول اللہ ﷺ ایک جمعہ کو جب کہ سخت گرمی کا دن تھا گھر سے مسجد تشریف لائے اور لوگوں کا یہ حال تھا کہ صوف کے موٹے موٹے کپڑوں میں ان کو پسینے چھوٹ رہے تھے اور ان سب چیزوں نے مل ملا کر مسجد کی فضا میں بدبو پیدا کر دی تھی جس سے سب کو تکلیف اور اذیت ہو رہی تھی تو رسول اللہ ﷺ نے جب یہ بدبو محسوس کی تو فرمایا کہ:-

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِذَا كَانَ هَذَا الْيَوْمُ لَاغْتَسِلُوا وَلِيَمَسَّ أَحَدُكُمْ الْفَضْلَ مَا يَجِدُ مِنْ دُھْنِهِ وَطِبْهِ
اے لوگو جب جمعہ کا یہ دن ہوا کرے تو تم لوگ غسل کیا کرو اور جو اچھا خوشبودار تیل اور جو بہتر خوشبو جس کو دستیاب ہو وہ لگالیا کرے۔

(حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں) اس کے بعد خدا کے فضل سے فقر و فاقہ کا وہ دور ختم ہو گیا اور اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو خوشحالی اور وسعت نصیب فرمائی، پھر صوف کے وہ کپڑے بھی نہیں رہے جن سے بدبو پیدا ہوتی تھی اور وہ محنت و مشقت بھی نہیں رہی اور مسجد کی وہ تنگی بھی ختم ہو گئی اور اس کو وسیع کر لیا گیا اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جمعہ کے دن لوگوں کے پسینہ وغیرہ سے جو بدبو مسجد کی فضا میں پیدا ہو جاتی تھی وہ بات نہیں رہی۔“

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے اس بیان سے معلوم ہوا کہ اسلام کے ابتدائی دور میں اس خاص حالت کی وجہ سے جس کی ان کے اس بیان میں تفصیل کی گئی ہے غسل جمعہ مسلمانوں کے لئے ضروری قرار دیا گیا تھا، اس کے بعد جب وہ حالت نہیں رہی تو اس حکم کا وہ درجہ تو نہیں رہا، لیکن بہر حال اس میں پاکیزگی ہے جو اللہ تعالیٰ کو پسند ہے اور اب بھی اس میں خیر اور ثواب ہے۔ یعنی اب وہ مسنون اور مستحب ہے، اور سرہ بن جندب رضی اللہ عنہ کی مندرجہ ذیل حدیث میں غسل جمعہ کی یہی حیثیت صریحاً مذکور ہے۔

٦٤ عَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مَنْ تَوَضَّأَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ لِبِهَا وَبَعَثَ وَمِنْ
غَسَّسَ لَافُضْلَ الْفَضْلِ . (رواہ احمد و ابو داؤد و الترمذی و السنن و الدارمی)

ترجمہ:- حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص جمعہ کے دن (نماز جمعہ کے لئے) وضو کر لے تو بھی کافی ہے اور ٹھیک ہے اور جو غسل کرے تو غسل کرنا افضل ہے۔

(مسند احمد سنن ابی داؤد جامع ترمذی سنن ابی یوسف سنن ابی داؤد)

(آگے نماز جمعہ سے متعلق احادیث میں بھی جمعہ کے دن کے نہانے دھونے کا ذکر آئے گا اور اس سلسلہ کی بعض باتیں انشاء اللہ وہیں مذکور ہوں گی۔

میت کو نہانے کے بعد غسل

۶۵) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مَنْ غَسَلَ مَيِّتًا فَلْيَغْتَسِلْ .

(رواہ ابن ماجہ و زاد احمد و الترمذی و ابو داؤد "وَمَنْ حَمَلَهُ فَلْيَتَوَضَّأْ")

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص میت کو غسل دے تو اس کو چاہیے کہ غسل کرے (سنن ابن ماجہ میں یہ حدیث بس اس قدر ہے، اور مسند احمد، جامع ترمذی اور سنن ابی داؤد میں اس کے ساتھ یہ اضافہ بھی ہے کہ "اور جو شخص میت کا جنازہ اٹھائے اس کو چاہیے کہ وضو کر لے"۔

تشریح: امت کے ائمہ اور علماء شریعت کے نزدیک یہ حکم استحبابی ہے، اس لئے ان کے نزدیک میت کو غسل دینے والے کے لئے مستحب ہے کہ غسل سے فارغ ہونے کے بعد وہ خود بھی غسل کر لے، کیونکہ اس کا کافی امکان اور احتمال ہے کہ غسل میت کی چھٹیں اس کے جسم کے کسی حصہ پر پڑ گئی ہوں۔ اور ایک دوسری حدیث میں جس کو امام بیہقی نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اس غسل کے وجوب کی صریح نفی بھی وارد ہوئی ہے، اس لئے عام ائمہ امت نے میت کو غسل دینے کے بعد غسل کرنے کو مستحب ہی کہا ہے، اسی طرح حدیث کے دوسرے جزیں جنازہ اٹھانے والوں کو وضو کرنے کا جو حکم ہے وہ بھی استحبابی ہی ہے اور اس حکم کا مقصد غالباً یہ بھی ہے کہ جنازہ اٹھانے والے پہلے ہی سے وضو کر کے نماز جنازہ پڑھنے کے لئے تیار رہیں۔ واللہ اعلم۔

عید کے دن کا غسل

۶۶) عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَبَّاسٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَغْتَسِلُ يَوْمَ الْفِطْرِ وَيَوْمَ الْأَضْحَى .

(رواہ ابن ماجہ)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے دن غسل فرمایا کرتے تھے۔ (سنن ابی داؤد)

نہ..... عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے دن غسل کرنا اور حسب توفیق اچھا، صاف ستھرا لباس پہننا اور خوشبو استعمال کرنا، امت کے ان متوارث اعمال میں سے ہے جن کا رواج بلاشبہ قرن اول سے چلا آ رہا ہے، اس لئے اس میں شبہ نہیں کیا جاسکتا کہ امت کو اس کی تعلیم و ہدایت رسول اللہ ﷺ کے ارشاد یا عمل ہی سے ملی ہے، لیکن ان چیزوں کے بارہ میں جو روایات کتب حدیث میں ملتی ہیں محدثین کے اصول فقہ کے مطابق ان سب کی سندوں میں ضعف ہے، حضرت عبداللہ بن عباس کی یہ روایت جو سنن ابن ماجہ کے حوالہ سے یہاں درج کی گئی ہے اس کی سند بھی ضعیف ہے، یہ ایک واضح مثال ہے اس حقیقت کی کہ بعض روایات کی سندوں میں اصطلاحی ضعف ہوتا ہے لیکن ان کا مضمون صحیح اور ثابت ہوتا ہے۔ پس اگر کسی حدیث کی سند

میں محدثین کے نزدیک ضعف ہو لیکن اس کا مضمون شواہد و قرائن سے صحیح ثابت ہوتا ہو تو وہ صحیح ہے۔ یہی کی طرح حجت اور قابل قبول ہوگی۔

تیمم

بسا اوقات آدمی ایسی حالت اور کسی ایسی بیماری میں مبتلا ہوتا ہے کہ غسل یا وضو کرنا اس کے لیے مضر ہوتا ہے، اسی طرح کبھی آدمی ایسی جگہ ہوتا ہے کہ غسل یا وضو کے لئے وہاں پانی ہی میسر نہیں ہوتا۔ ان حالات میں اگر بلا غسل اور بلا وضو یوں ہی نماز پڑھنے کی اجازت دے دی جاتی، تو اس کا ایک نقصان تو یہ ہوتا کہ ان اتفاقات سے طبیعتیں ترک طہارت کی عادی بنتیں اور دوسرا اس سے بڑا ضرر یہ ہوتا کہ غسل اور وضو کی پابندی سے اللہ تعالیٰ کے دربار کی حاضری کا جو اہتمام محسوس ہوتا ہے اور اس کی وجہ سے اس حاضری کی عظمت اور اس کے تقدس کا جو تصور ذہن پر چھایا ہوا رہتا ہے وہ مجروح ہوتا، اس لیے اللہ تعالیٰ کی حکمت نے مجبوری کے ایسے حالات میں تیمم کو غسل اور وضو کا قائم مقام بنادیا ہے، اب غسل اور وضو سے مجبور ہونے کے حالات میں جب آدمی نماز وغیرہ کے لئے تیمم کا اہتمام کرے گا تو اس کی عادت اور اس کے ذہن پر انشاء اللہ اس طرح کا کوئی غلط اثر نہیں پڑے گا۔

تیمم یہ ہے کہ سطح زمین پر یا مٹی یا پتھر یا ریت جیسی کسی چیز پر (یعنی ایسی چیزیں جو سطح زمین پر عموماً ہوتی ہیں، ان میں سے کسی پر) طہارت کی نیت سے ہاتھ مار کر وہ ہاتھ چہرے اور ہاتھوں پر پھیر لیے جائیں، اس طرح بس ہاتھ پھیر لینے سے تیمم ہو جاتا ہے، مٹی وغیرہ کا چہرے یا ہاتھوں پر لگنا ضروری نہیں ہے بلکہ اس کا اہتمام کرنا چاہئے کہ مٹی وغیرہ چہرے اور ہاتھوں پر نہ لگے۔

تیمم کی حکمت

غسل اور وضو میں پانی استعمال ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ نے مجبوری کی حالت میں اس کے بجائے تیمم کا حکم دیا، جس میں مٹی اور پتھر وغیرہ کا استعمال ہوتا ہے، اس کی ایک حکمت تو بعض اہل تحقیق نے یہ بیان کی ہے، کہ پوری زمین کے دو ہی حصے ہیں، ایک بڑے حصہ کی سطح پانی ہے، دوسرے حصہ کی سطح مٹی، پتھر وغیرہ، اس لیے پانی اور مٹی میں خاص مناسبت ہے نیز انسان کی ابتدائی تخلیق بھی مٹی اور پانی ہی سے ہوئی ہے، علاوہ ازیں مٹی ہی ایسی چیز ہے جس کو انسان سمندر کے علاوہ ہر جگہ پاسکتا ہے اور مٹی کو ہاتھ لگا کر منہ پر پھیرنے میں تذلل اور خاکساری کی بھی ایک خاص شان ہے اور چونکہ انسان کا آخری ٹھکانا مٹی اور خاک ہی ہے اور اس کو خاک ہی میں ملنا ہے، اس لیے تیمم میں موت اور قبر کی یاد بھی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ ناسرارِ دینہ

اس کے بعد تیمم سے متعلق چند حدیثیں پڑھئے! سب سے پہلے صحیحین کی وہ حدیث درج کی جاتی ہے جس میں اس واقعہ کا ذکر ہے جس میں تیمم کا حکم نازل ہوا۔

تیمم کا حکم

(۶۷) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ خَرَجْنَا مَعَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ فِي بَعْضِ أَسْفَارِهِ حَتَّى إِذَا كُنَّا بِالْبَيْدَاءِ أَوْ بِذَاتِ الْجَنَشِ انْقَطَعَ عَقْدِي لِي لَقَامَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ عَلَى الْيَمَابِهِ وَأَلَامَ النَّاسَ مَعَهُ وَلَبَّسُوا عَلَى مَاءٍ فَاتَى النَّاسَ إِلَى أَبِي بَكْرٍ لَقَالُوا الْآتَرَى إِلَى مَا صَنَعَتْ عَائِشَةُ لَأَمَّا تَبَرَّ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ وَبِالنَّاسِ مَعَهُ وَلَبَّسُوا عَلَى مَاءٍ وَلَبَّسَ مَعَهُمْ مَاءَ لِحَاءِ أَبِي بَكْرٍ وَرَسُولُ اللَّهِ ﷺ وَاجِعَ رَأْسَهُ عَلَى لِحْيَتِي لَقَدْ نَامَ لَقَالَ حَسِبْتُ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ وَالنَّاسَ وَلَبَّسُوا عَلَى مَاءٍ وَلَبَّسَ مَعَهُمْ مَاءَ لَأَمَّا تَبَرَّ أَبُو بَكْرٍ وَلَقَالَ مَا شَاءَ اللَّهُ أَنْ يَقُولَ وَجَعَلَ يَطْعُنُنِي بِيَدِهِ فِي خَاصِرَتِي فَلَا يَمْنَعُنِي مِنَ التَّخْرُكِ إِلَّا مَكَانَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ عَلَى لِحْيَتِي لَقَامَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ حَتَّى أَصْبَحَ عَلَى غَيْرِ مَاءٍ لَأَنْزَلَ اللَّهُ عَزَّوَجَلَّ إِلَهُ التَّيْمُمِ لَتَيْمُمُوا لَقَالَ أَسِيدُنِي الْحَضِرُ وَهُوَ أَخَذَ الثَّقَبَاءِ مَاهِي بِأَوَّلِ بَرَكْحِكُمْ يَا آلَ أَبِي بَكْرٍ لَقَالَتْ عَائِشَةُ لَبَعْنَا الْبَعِيرَ الَّذِي كُنْتُ عَلَيْهِ لَوْ جَدْنَا الْعِقْدَ تَحْتَهُ . (رواه البخاري ومسلم واللفظ لمسلم)

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، بیان فرماتی ہیں کہ ایک سفر میں (تحقیق قول کے مطابق غزوہ ذات البرقع میں) ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ گئے۔ یہاں تک کہ جب ہم مقام بیداء یا ذات الجحش کے مقام پر تھے (یہ دونوں مقام مدینہ طیبہ اور خیبر کے درمیان پڑتے ہیں) تو وہاں میرا ایک بار (جو درحقیقت میری بڑی بہن اسماء کا تھا، اور میں نے عاریتاً اس سے لے کر گلے میں ڈال لیا تھا، نوٹ کر گزر گیا اور گویا گم ہو گیا، میں نے اس کی اطلاع رسول اللہ ﷺ کو کر دی) تو اس کو تلاش کرانے کے لئے آپ نے وہاں قیام فرمایا اور آپ کے ساتھ جو لوگ تھے وہ بھی ٹھہر گئے، اور اس مقام پر پانی کا کوئی بندوبست نہیں تھا، تو سچے لوگوں نے (میرے والد ماجد) ابو بکر صدیق کے پاس جا کر کہا کہ آپ دیکھتے ہیں (آپ کی صاحبزادی) عائشہؓ نے کیا کیا ہے، انہوں نے (بارگم کر کے) رسول اللہ ﷺ اور آپ کے سب ساتھیوں کو یہاں ٹھہرنے پر مجبور کر دیا ہے، حالانکہ نہ یہاں پانی ہے اور نہ لشکر کے ساتھ پانی ہے، پس (والد ماجد) ابو بکر صدیق میرے پاس تشریف لائے اور اس وقت رسول اللہ ﷺ میری ران پر سر رکھے آرام فرما رہے تھے اور آپ کو نیند آگئی تھی، پس مجھ سے مخاطب ہو کر فرمایا، کہ تو رسول اللہ ﷺ اور آپ کے سب ساتھیوں کے یہاں رکنے کا باعث بن گئی اور صورت حال یہ ہے کہ یہاں (قریب میں) ہمیں پانی نہیں ہے اور نہ لشکر کے ساتھ پانی کا انتظام ہے۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ۔ والد ماجد نے مجھے خوب ڈانٹا پنا اور جو اللہ کو منظور تھا، اس وقت انہوں نے مجھے وہ سب کہا اور (غصہ سے) میرے پہلو میں کوچے لگائے، لیکن رسول اللہ ﷺ چونکہ میری ران پر سر رکھے آرام فرما رہے تھے اس لیے میں بالکل نہیں ہلی (کہ میرے حرکت کرنے سے آپ کے آرام میں خلل نہ پڑے) پس رسول اللہ ﷺ سوتے رہے، یہاں تک کہ آپ نے صبح کی ایسے مقام پر اور ایسی حالت میں کہ وہاں پانی کا کوئی بندوبست

نہیں تھے، تو اس وقت اللہ تعالیٰ نے تیمم کی آیت نازل فرمائی، تو سب لوگوں نے تیمم کیا (اور تیمم کر کے نماز ادا کی گئی) تو اسید بن حضیر نے (جو ان نقباء انصار میں سے ایک تھے، جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ پر ہجرت سے پہلے بیعت کی تھی) کہا کہ اے آل ابو بکر! یہ تیمم کا حکم تمہاری پہلی برکت نہیں ہے (بلکہ اس سے پہلے بھی تمہارے ذریعہ امت کو برکتیں مل چکی ہیں) حضرت عائشہ فرماتی ہیں، کہ (اس سب کے بعد) جب اس اونٹ کو اٹھایا گیا جو میری سواری میں تھا، تو میرا دوبار اس کے نیچے مل گیا۔

(صحیح بخاری، صحیح مسلم)

تشریح..... حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی اس روایت میں جس آیت تیمم کا ذکر ہے اس سے غالباً سورہ نساء کی یہ آیت مراد ہے:

وَإِنْ كُنْتُمْ مَرْضَىٰ أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ أَوْ جَاءَ أَحَدٌ مِنْكُم مِّنَ الْغَالِطِ أَوْ لَمْ تُجِدُوا الْمَاءَ فَمَسُّوهُ بِأَيْدِيكُمْ فَإِنْ كَانَ اللَّهُ عَفُوًّا غَفُورًا . (النساء: ۴۰: ۳۶)

اور اگر تم بیمار ہو (اور پانی کا استعمال مسفر ہو) یا تم سفر پر ہو یا تم میں سے کوئی شخص استنجے سے آیا ہو یا تم نے بیبیوں سے قربت کی ہو اور تم کو پانی نہ ملے، تو تمہارا کھڑا زمین سے تیمم کر لیا کرو (یعنی اس زمین پر دو ہاتھ مار کے) اپنے چہروں اور ہاتھوں پر پھیر لیا کرو، اللہ تعالیٰ بہت معاف فرمانے والا اور بڑا بخشنے والا ہے۔

یہی مضمون لفظوں کے بہت خفیف فرق کے ساتھ سورہ مائدہ کے دوسرے رکوع میں بھی ارشاد فرمایا گیا ہے اور بعض راویوں کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ اس موقع پر سورہ مائدہ والی آیت نازل ہوئی تھی۔ لیکن اکثر مفسرین کی تحقیق یہ ہے کہ سورہ نساء والی آیت پہلے نازل ہوئی ہے اور سورہ مائدہ والی بعد میں۔ واللہ اعلم

۶۸ عَنْ عُمَارٍ لَّان جَاءَ رَجُلٌ إِلَى عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ فَقَالَ إِنِّي أَجْنَبْتُ فَلَمْ أَصِبِ الْمَاءَ فَقَالَ عُمَارُ لِعُمَرَ أَمَّا تَذْكُرُ أَنَّ كُنَّا فِي سَفَرٍ أَنَا وَأَنْتَ لَمَّا أَنْتَ لَمْ تَصِلْ وَأَمَّا أَنَا فَتَمَعْتُكَ لَصَلَّيْتُ لِذَلِكَ لِلنَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ إِنَّمَا يَكْفِيكَ هَذَا لَضَرَبَ النَّبِيُّ ﷺ بِكَفْيِهِ الْأَرْضَ وَلَفَّخَ فِيهِمَا ثُمَّ مَسَحَ بِهِمَا وَجْهَهُ وَكَفْيَهُ . (رواه البخاری و مسلم نحوه)

ترجمہ..... حضرت عمر بن ابی اسلم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کی خدمت میں آیا اور اس نے مسئلہ پوچھا کہ مجھے غسل کی حاجت ہو گئی ہے، اور پانی مجھے ملا نہیں (تو کیا کروں؟) حضرت عمارؓ نے (جو وہاں موجود تھے) حضرت عمرؓ سے کہا کیا آپ کو یاد نہیں کہ ایک دفعہ میں اور آپ سفر میں تھے (اور ہم دونوں کو غسل کی حاجت ہو گئی تھی) تو آپ نے تو اس حالت میں نماز نہیں پڑھی، اور میں نے یہ کیا کہ میں زمین پر خوب لوٹا پوٹا (کیونکہ میں سمجھتا تھا کہ جنابت والا تیمم بھی غسل کی طرح سارے جسم کا ہوتا ہوگا، تو جب ہم سفر سے واپس آئے) تو میں نے یہ بات رسول اللہ ﷺ

سے ذکر کی، تو آپ نے ارشاد فرمایا، کہ (زمین پر سارے جسم کو لٹانے اور خاک آلود کرنے کی کوئی ضرورت نہیں تھی) تمہارے لیے بس اتنا کرنا کافی تھا، یہ کہہ کے آپ نے اپنے دونوں ہاتھ زمین پر مارے اور ان کو پھونکا (تاکہ جو خاک دھول لگی ہو دواڑ جائے) پھر آپ نے ان دونوں ہاتھوں کو اپنے چہرے پر اور ہاتھوں پر پھیر لیا۔ (صحیح بخاری، صحیح مسلم)

ترجمہ..... اس روایت میں جس واقعہ کا ذکر ہے، اس میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے نماز نہ پڑھنے کی شارحین نے مختلف توجہیں کی ہیں، ان میں سب سے زیادہ سہل التفسیر یہ ہے کہ غالباً ان کو پانی مل جانے کا انتظار تھا اور اس کی کچھ امید تھی، اس لئے انہوں نے اس وقت تیمم کر کے نماز پڑھنا مناسب نہ سمجھا، واللہ اعلم۔ اور حضرت عمار کو اس وقت تک یہ معلوم نہیں تھا کہ غسل جنابت کی جگہ جو تیمم کیا جاتا ہے، اس کا طریقہ وہی ہے جو وضو والے تیمم کا طریقہ ہے، اس لیے وہ اپنے اجتہاد سے زمین میں لوٹے پوٹے لیکن جب رسول اللہ ﷺ سے انہوں نے اپنے اس عمل کا ذکر کیا تو آپ نے ان کی اس غلطی کی تصحیح فرمادی اور بتلادیا کہ جنابت کی حالت میں غسل کی جگہ جو تیمم کیا جاتا ہے اس کا طریقہ وہی ہے جو وضو والے تیمم کا ہے، حضرت عمارؓ چونکہ وضو والے تیمم کا طریقہ جانتے تھے، اس لیے رسول اللہ ﷺ نے اس کی طرف بس اشارہ فرمادیا۔ حضرت عمارؓ کی اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ تیمم میں مٹی یا خاک منہ پر یا ہاتھوں پر لگنا ضروری نہیں ہے، بلکہ اگر زمین پر یا مٹی پر یا ہاتھ مارنے سے ہاتھوں کو خاک دھول لگ جائے تو اسکو چھونک دینا بہتر ہے۔

(۶۹) عَنْ أَبِي كُرَيْبٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِنَّ الصُّعِيدَ الطَّيِّبَ وَضُوءَ الْمُسْلِمِ وَإِنْ لَمْ يَجِدِ الْمَاءَ عَشْرَ سِنِينَ لَأَدَا وَجَدَ الْمَاءَ فَلْيُجِمَّهُ بَشْرَةً فَإِنَّ ذَلِكَ خَيْرٌ۔ (رواہ احمد و ترمذی و ابوداؤد)

ترجمہ..... حضرت ابودر غفاریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ پاک مٹی مسلمان کا سامان طہارت ہے اگرچہ دس سال تک پانی نہ ملے، پس جب پانی پاوے تو چاہے کہ اس کو بدن پر ڈالے، یعنی اس سے وضو یا غسل کر لے، کیونکہ یہ بہت اچھا ہے۔ (صحیح ابوداؤد، صحیح ترمذی، صحیح ابوالخیر)

ترجمہ..... اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر برسہا برس تک ایک آدمی وضو یا غسل کے لیے پانی نہ پائے تو تیمم اس کے لیے برابر کافی ہوتا رہے گا۔ البتہ جب پانی میسر ہو جائے گا، تو غسل یا وضو اس کے لیے ضروری ہو جائے گا۔

ف..... قریب قریب سارے ائمہ امت اس پر متفق ہیں کہ جس شخص پر غسل واجب ہو اور پانی نہ ملنے کی وجہ سے یا بیماری کی مجبوری سے اس نے بجائے غسل کے تیمم کیا ہو، تو اس کو جب پانی مل جائے گا یا بیماری کا عذر ختم ہو جائے گا تو غسل کرنا اس پر واجب ہو گا۔

(۷۰) عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ خَرَجَ رَجُلَانِ فِي سَفَرٍ فَحَضَرَتِ الصَّلَاةُ وَلَيْسَ مَعَهُمَا مَاءٌ فَيَمِمَّا صَعِيدًا طَيِّبًا فَصَلَّيَا ثُمَّ وَجَدَ الْمَاءَ فِي الْوَلْتِ فَأَعَادَ أَحَدُهُمَا الصَّلَاةَ بِوَضُوءٍ وَلَمْ يُعِدِ الْآخَرُ ثُمَّ آتَا رَسُولَ اللَّهِ ﷺ فَذَكَرَا ذَلِكَ فَقَالَ لِلَّذِي لَمْ يُعِدِ أَصَبْتَ السَّنَةَ وَأَجْزَأُكَ

صَلَوْتُكَ وَلَئِنْ لِلدَّيِّ تَوْضًا وَاعَادَ لَكَ الْاَجْرَ مَرَّتَيْنِ . (بخاری، ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ)

حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ صحابہؓ میں سے دو شخص سفر میں گئے، کسی موقع پر نماز کا وقت آگیا اور ان کے ساتھ پانی تھا نہیں، اس لئے دونوں نے پاک مٹی سے تیمم کر کے نماز پڑھ لی، پھر نماز کا وقت ختم ہونے سے پہلے پانی بھی مل گیا، تو ایک صاحب نے تو وضو کر کے دوبارہ نماز پڑھی اور دوسرے صاحب نے نماز کا اعادہ نہیں کیا، پھر جب دونوں حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے، تو اس کا ذکر کیا، تو جن صاحب نے نماز کا اعادہ نہیں کیا تھا ان سے آپؐ نے فرمایا، تم نے ٹھیک طریقہ اختیار کیا اور تم نے جو نماز تیمم کر کے پڑھی، وہ تمہارے لیے کافی ہو گئی (شرعی مسئلہ یہی ہے کہ ایسے موقع پر تیمم کر کے نماز پڑھ لینا کافی ہے، بعد میں وقت کے اندر پانی مل جانے پر بھی اعادہ کی ضرورت نہیں، اس لیے تم نے جو کچھ کیا ٹھیک مسئلہ کے مطابق کیا) اور جن صاحب نے وضو کر کے نماز دوبارہ پڑھی تھی ان سے آپؐ نے فرمایا، کہ تمہیں دو ہر اثواب ملے گا (کیونکہ تم نے دوبارہ جو نماز پڑھی وہ نفل ہوگی) اللہ تعالیٰ نیکیوں کو ضائع نہیں فرماتا۔ (بخاری، ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ)

معارف الحديث

جلد دوم — حصہ دوم

کتاب الصلوة

—

سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ وَبِحَمْدِكَ وَتَبَارَكَ اسْمُكَ وَتَعَالَى جَدُّكَ وَلَا إِلَهَ غَيْرُكَ

اے اللہ میں تیری حمد و ستائش کے ساتھ تیری پاک بیان کرتا ہوں، تیرا پاک نام بڑا مبارک ہو، تو بڑی عظمت والا ہے، تیرے سوا کوئی بھی عبادت اور بندگی کا مستحق نہیں۔

رَبِّ اجْعَلْنِي مَقِيْمًا فِيْهِمُ الصَّلَاةِ وَمِنْ كُرَاتِي رَبَّنَا وَتَقَبَّلْ دُعَاءَ رَبَّنَا اغْفِرْ لِيْ وَلِوَالِدِيْ

وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ يَوْمَ يَقُوْمُ الْحِسَابُ ○

خداوند! مجھے نماز قائم کرنے والا بنا دے اور میری نسل کو بھی اس کی توفیق دے، میرے رب میری دعا قبول فرمائے!

پروردگار! جس دن اعمال کا حساب ہو اس دن مجھے اور میرے ماں باپ کو اور اپنے ایمان والے سب ہی بندوں کو بخش دے۔

اٰمِيْنَ يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ !

عبدك المذنب

محمد بن عبدالحق

عفا الله عنه

بِسْمِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

نماز میں عظمت و اہمیت اور اس کا مقصد

حضرات انبیاء علیہم السلام، اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات، کمالات و احسانات اور اس کی تقدیس و توحید کے بارے میں جو کچھ بتلاتے ہیں اس کو مان لینے اور اس پر ایمان لے آنے کا پہلا قدرتی اور بالکل فطری تقاضا یہ ہے کہ انسان اس کے حضور میں اپنی فداویت و بندگی، محبت و شیفگی اور محتاجی و درپوزہ گری کا اظہار کر کے اس کا قرب اور اس کی رحمت و رضا حاصل کرنے کی کوشش کرے اور اس کی یاد سے اپنے قلب و روح کے لئے نور اور سرور کا سرمایہ حاصل کرے۔ نماز کا اصل موضوع دراصل یہی ہے۔ اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ نماز اس مقصد کے حصول کا بہترین وسیلہ ہے۔ اسی لیے برہنہ کی تعلیم میں اس امر آسمانی شریعت میں ایمان کے بعد پہلا حکم نماز ہی کا رہا ہے۔ اور اسی لیے اللہ کی نازل کی ہوئی آخری شریعت (شریعت محمدی) میں نماز کے شرائط و ارکان اور سنن و آداب اور اسی طرح کے مفاسدات و مکروہات وغیرہ کے بیان کا اتنا اہتمام کیا گیا ہے اور اس کو اتنی اہمیت دی گئی ہے جو اس کے علاوہ کسی دوسری طاعت و عبادت کو بھی نہیں دی گئی۔ حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ حجۃ اللہ البالغہ میں نماز کا بیان شروع کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

اعلم ان الصلوٰۃ اعظم العبادات شأناً و واضحاً برهاناً و اشہراً فی الناس و انفعها فی النفس و لد لك اعنى الشارع بيان فضلها و تعيين اوقاتها و شروطها و اركانها و اذابها و رخصها و لو افلها اعتناء عظيما لم يفعل فسائر انواع الطاعات وجعلها من اعظم شعائر الدين. (ص ۱۸۶)

یعنی نماز اپنی عظمت شان اور متفصلاً عقل و فطرت ہونے کے لحاظ سے تمام عبادات میں خاص امتیاز رکھتی ہے اور خدا شناس و خدا پرست انسانوں میں سب سے زیادہ معروف و مشہور اور نفس کے تزکیہ اور تربیت کے لئے سب سے زیادہ نفع مند ہے اور اسی لیے شریعت نے اس کی فضیلت اس کے اوقات کی تعیین و تحدید اور اس کے شرائط و ارکان اور آداب و نواہل اور اس کی رخصتوں کے بیان کا وہ اہتمام کیا ہے جو عبادات و طاعات کی کسی دوسری قسم کے لیے نہیں کیا اور انہی خصوصیات و امتیازات کی وجہ سے نماز کو دین کا عظیم ترین شعار اور امتیازی نشان قرار دیا گیا ہے

اور اسی کتاب میں ایک دوسرے مقام پر نماز کے اجزاء اصلیہ اور اس کی حقیقت بیان کرتے ہوئے

فرماتے ہیں:

”واصل الصلوٰۃ لثلة اشیاء ان يخضع القلب عند ملاحظة جلال الله و عظمتہ و يعبر اللسان عن تلك العظمة و ذالك الخضوع بالفصح عبارة وان يؤدب الجوارح

حسب ذلک الخضوع۔

یعنی۔ نماز کے اصل عناصر تین ہیں:- ایک یہ کہ قلب اللہ تعالیٰ کی لاجبِ عظمت و جلال کے دھیان سے سر اُگلتا رہے۔ اور دوسرے یہ کہ اللہ تعالیٰ کی اس عظمت و کبریائی اور اپنی عاجزی و سر اُگلتی کو بہتر سے بہتر الفاظ میں اپنی زبان سے ادا کرے اور تیسرے یہ کہ باقی تمام ظاہری اعتناء کو بھی اللہ تعالیٰ کی عظمت و جبروت اور اپنی عاجزی و بندگی کی شہادت کے لئے استعمال کرے۔ پھر اسی سلسلہ کا ہم میں چند سطر کے بعد فرماتے ہیں:-

”اما الصلوة فهي المعجون المركب من الفكر المصروف لتقاء عظمة الله ... ومن الادعية المينة اخلاص عمله لله و توجيهه وجهه لتقاء الله وقصر الاستعانة في الله ومن الفعال تعظيمه كالسجود والركوع يصير كل واحد عضد الآخر ومكملة والمنبه عليه.“

یعنی۔ نماز کی حقیقت تین اجزاء سے مرکب ہے۔ ایک اللہ تعالیٰ کی عظمت و کبریائی کا تحقیر و استحضار۔ دوسرے چند ایسی دعائیں اور ایسے اذکار جن سے یہ بات ظاہر ہو کہ بندہ کی بندگی اور اس کے افعال خاص اللہ کے لئے ہیں اور وہ اپنا رُخ کیسویٰ کے ساتھ اللہ تعالیٰ ہی کی طرف کر پڑتا ہے اور اپنی حاجات میں صرف اللہ تعالیٰ ہی کی مدد چاہتا ہے اور تیسرے چند تہنیتی افعال جیسے رکوع و سجدہ وغیرہ ان میں سے ہر ایک دوسرے کی تکمیل کرتا ہے اور اس کی طرف دعوت و ترغیب کا ذریعہ بنتا رہتا ہے۔ آگے فرماتے ہیں:-

والصلوة معراج المؤمنين معدة للتجليات الاخرية ... وسبب عظيم لمحبة الله و رحمته ... واذا تمكنت من العبد اضمحل في نور الله وكفرت عنه خطاياہ ... ولا شئ انفع من سوء المعرفة منها اذا فعلت الفعالها واقوالها على حضور القلب والنية الصالحة ... واذا جعلت رسماً مشهوراً نفعت من غوائل الرسوم نفعا بينا وصارت شعاراً للمسلم يتميز به من الكافر ... ولا شئ في تمرين النفس على انقياد الطبيعة للعقل و جريانها في حكمه مثل الصلوة .. ص ۷۲، ۷۳ جلد (۱)

اس عبارت میں حضرت شاہ صاحب نے نماز کی مندرجہ ذیل چند خصوصیات اور تاثرات بیان کی ہیں، اول یہ کہ وہ اہل ایمان کی معراج ہے اور آخرت میں تجلیات الہی کے جو آثار سے اہل ایمان کو نصیب ہونے والے ہیں، ان کی استعداد اور صلاحیت پیدا کرنے کا وہ خاص ذریعہ ہے۔ دوم یہ کہ وہ اللہ تعالیٰ کی محبت و رحمت کے حصول کا وسیلہ ہے۔ سوم یہ کہ نماز کی حقیقت جب کسی بندہ کو حاصل ہو جاتی ہے اور اس کی روح پر نماز کی کیفیت کا غلبہ ہو جاتا ہے تو وہ بندہ نور الہی کی موجوں میں ڈوب کر گناہوں سے پاک صاف ہو جاتا ہے (جیسے کہ کوئی مٹی جلی چیز دیکھی موجوں میں پڑ کر پاک صاف ہو جاتی ہے جیسے لوہا آگ کی بجلی میں رکھ کر صاف کیا جاتا ہے)۔۔۔ چہارم یہ کہ نماز جب حضور قلب اور صادق نیت کے ساتھ پڑھی جائے تو غفلت

اور برے خیالات و وسوس کے ازالہ کی وہ بہترین اور بے مثل دوا ہے۔ جنم یہ کہ نماز کو جب پوری امت مسلمہ کے لیے ایک معروف و مقرر رسم اور عمومی وظیفہ بنادیا گیا تو اس کی وجہ سے کفر و شرک اور فسق و ضلال کی بہت سی چیزیں رسوم سے حفاظت کا فائدہ بھی حاصل ہو گیا اور مسلمانوں کا وہ ایک ایسا امتیازی شعار اور دینی نشان بن گیا، جس سے کافر اور مسلم کو پہچانا جاسکتا ہے۔

ششم یہ کہ طبیعت کو عقل کی رہنمائی کا پابند اور اس کا تابع فرمان بنانے کی مشق کا بہترین ذریعہ یہی نماز کا نظام ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے نماز کی یہ تمام خصوصیات و تاثیرات رسول اللہ کے مختلف ارشادات سے اخذ کی ہیں اور ہر ایک کا حوالہ بھی دیا ہے، لیکن چونکہ وہ پوری پوری حدیثیں آگے اپنی اپنی جگہ پر آنے والی ہیں اس لیے ہم نے ہم نے شاہ صاحب کے حوالوں کو اس عبارت سے حذف کر دیا ہے۔

نماز کی عظمت و اہمیت اور اس کے امتیاز کے بارے میں جو کچھ مذکورہ بالا اقتباسات میں شاہ صاحب نے فرمایا ہے ہم اس کو بالکل کافی سمجھتے ہوئے اسی پر اکتفا کرتے ہیں۔ اب ناظرین کرام شاہ صاحب کے ان اشارات کو ذہن میں رکھ کر نماز سے متعلق رسول اللہ کے ارشادات پڑھیں۔

نماز ترک کرنا ایمان سے منافی اور گناہ کبیرہ ہے۔

(۱) عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ بَيْنَ الْعَبْدِ وَبَيْنَ الْكُفْرِ تَرْكُ الصَّلَاةِ ...

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے ارشاد فرمایا کہ بندہ کے اور کفر کے درمیان نماز چھوڑ دینے کی کا فاصلہ ہے۔

تشریح: مطلب یہ ہے کہ نماز دین اسلام کا ایسا شعار ہے اور حقیقت ایمان سے اس کا ایسا گہرا تعلق ہے کہ اس کو چھوڑ دینے کے بعد آدمی کو یا کفر کی سرحد میں پہنچ جاتا ہے۔

(۲) عَنْ بُرَيْدَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ أَلْعَهْدُ الَّذِي بَيْنَنَا وَبَيْنَهُمْ تَرْكُ الصَّلَاةِ لِمَنْ تَرَكَهَا فَقَدْ كَفَرَ — (رواہ احمد والترمذی والنسائی وابن ماجہ)

حضرت بريد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے ارشاد فرمایا کہ ہمارے اور اسلام قبول کرنے والے عام لوگوں کے درمیان نماز کا عہد و پیمان ہے، (یعنی ہر اسلام لانے والے سے ہم نماز کا عہد لیتے ہیں جو ایمان کی خاص نشانی اور اسلام کا شعار ہے) پس جو کوئی نماز چھوڑے تو گویا اس نے اسلام کی راہ چھوڑ کے کفرانہ طریقہ اختیار کر لیا۔

(۳) عَنْ أَبِي الزُّرَّاءِ قَالَ أَوْصَانِي خَلِيلِي أَنْ لَا تُفْرِكَ بِاللَّهِ خَيْرًا رَأَى لَطِيفٌ وَحَرَفٌ وَلَا تَتْرُكْ صَلَاةً مَكْتُوبَةً مُصَعَّدًا لِمَنْ تَرَكَهَا مُصَعَّدًا فَقَدْ بَرَأَتْ مِنْهُ الذِّمَّةُ وَلَا تُشْرِبِ الْعُمُرَ لِأَنِّهَا مِفْتَاحُ كُلِّ قَرْبٍ — (رواہ ابن ماجہ)

حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میرے خلیل و محبوب صلی اللہ نے مجھے وصیت فرمائی ہے کہ اللہ کے ساتھ کبھی کسی چیز کو شریک نہ کرنا اگرچہ تمہارے ٹکڑے کر دینے جائیں اور تمہیں آگ میں بھون دیا جائے، اور خبردار کبھی بالارادہ نماز نہ چھوڑنا، کیونکہ جس نے دیدہ و دانستہ اور عمدہ نماز چھوڑ دی تو اس کے بارہ میں وہ ذمہ داری ختم ہو گئی جو اللہ کی طرف سے اس کے وفادار اور صاحب ایمان بندوں کے لئے ہے، اور خبردار شراب کبھی نہ پینا کیونکہ وہ ہر برائی کی کھٹی ہے۔

جس طرح ہر حکومت پر اس کی رعایا کے کچھ حقوق ہوتے ہیں، اور رعایا جب تک بغاوت جیسا کوئی سنگین جرم نہ کرے ان حقوق کی مستحق سمجھی جاتی ہے، اسی طرح مالک الملک حق تعالیٰ شانہ نے تمام ایمان لانے والوں اور دین اسلام قبول کرنے والوں کے لیے کچھ خاص احسانات و انعامات کی ذمہ داری محض اپنے لطف و کرم سے لے لی ہے (جس کا ظہور انشاء اللہ آخرت میں ہوگا) اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ کو مخاطب کر کے بتادیا ہے کہ دیدہ و دانستہ اور بالارادہ نماز چھوڑ دینا دوسرے تمام گناہوں کی طرح صرف ایک گناہ نہیں ہے بلکہ باغیانہ قسم کی ایک سرکشی ہے جس کے بعد وہ شخص رب کریم کی عنایت کا مستحق نہیں رہتا اور رحمت خداوندی اس سے بری الذمہ ہو جاتی ہے۔

اسی مضمون کی ایک حدیث بعض دوسری کتابوں میں حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی روایت سے بھی ذکر کی گئی ہے، اس میں رسول اللہ نے نماز کے بارہ میں قریب قریب انہی الفاظ میں تاکید و تنبیہ فرمائی ہے، لیکن اس کے آخری الفاظ تارک نماز کے بارہ میں یہ ہیں:

فَمَنْ تَرَكَهَا مُتَعَمِّدًا فَقَدْ خَرَجَ مِنَ الْمِلَّةِ

جس نے دیدہ و دانستہ اور عمدہ نماز چھوڑ دی تو وہ ہماری ملت سے خارج ہو گیا۔ اس حدیث میں ترک نماز کو کفر یا ملت سے خروج اسی بناء پر فرمایا گیا ہے کہ نماز ایمان کی ایسی اہم نشانی اور اسلام کا ایسا خاص الخاص شعار ہے کہ اس کو چھوڑ دینا بظاہر اس بات کی علامت ہے کہ اس شخص کو اللہ و رسول سے اور اسلام سے تعلق نہیں رہا اور اس نے اپنے کو ملت اسلامیہ سے الگ کر لیا ہے۔ خاص کر رسول اللہ کے عہد سعادت میں چونکہ اس کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا تھا کہ کوئی شخص مؤمن اور مسلمان ہونے کے بعد تارک نماز بھی ہو سکتا ہے اس لیے اس دور میں کسی کا تارک نماز ہونا اس کے مسلمان نہ ہونے کی عام نشانی تھی۔ اور اس عاجز کا خیال ہے کہ جلیل القدر تابعی عبد اللہ بن شفیق نے صحابہ کرام کے بارے میں جو یہ فرمایا ہے کہ:

كَانَ اصْحَابُ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَرَوْنَ شَيْئًا مِنَ الْأَعْمَالِ تَرَكُهُ كُفْرًا غَيْرَ الصَّلَاةِ

رسول اللہ کے اصحاب کرام نماز کے سوا کسی عمل کے ترک کرنے کو بھی کفر نہیں سمجھتے تھے۔

تو اس عاجز کے نزدیک اس کا مطلب بھی یہی ہے کہ صحابہ کرام دین کے دوسرے ارکان و اعمال مثلاً روزہ، حج، زکوٰۃ، جہاد اور اسی طرح اخلاق و معاملات وغیرہ ابواب کے احکام میں کوتاہی کرنے کو تو بس گناہ اور معصیت سمجھتے تھے، لیکن نماز چونکہ ایمان کی نشانی اور اس کا عملی ثبوت ہے اور ملت اسلامیہ کا خاص شعار ہے، اس لیے اس کے ترک کو وہ دین اسلام سے بے تعلقی اور اسلامی ملت سے خروج کی علامت سمجھتے تھے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

ان حدیثوں سے امام احمد بن حنبلؒ اور بعض دوسرے اکابر امت نے تو یہ سمجھا ہے کہ نماز چھوڑ دینے سے آدمی قطعاً کافر اور مرتد ہو جاتا ہے اور اسلام سے اس کا کوئی تعلق نہیں رہتا حتیٰ کہ اگر وہ اسی حال میں مر جائے تو اس کی نماز جنازہ بھی نہیں پڑھی جائے گی اور مسلمانوں کے قبرستان میں دفن ہونے کی اجازت بھی نہیں دی جائے گی۔ بہر حال اس کے احکام وہی ہوں گے جو مرتد کے ہوتے ہیں۔ گویا ان حضرات کے نزدیک کسی مسلمان کا نماز چھوڑ دینا بت یا صلیب کے سامنے سجدہ کرنے یا اللہ تعالیٰ یا اس کے رسول کی شان میں گستاخی کرنے کی طرح کا ایک عمل ہے جس سے آدمی قطعاً کافر ہو جاتا ہے خواہ اس کے عقیدہ میں کوئی تبدیلی نہ ہوئی ہو۔

لیکن۔۔۔ دوسرے اکثر ائمہ حق کی رائے یہ ہے کہ ترک نماز اگرچہ ایک کافرانہ عمل ہے، جس کی اسلام میں کوئی گنجائش نہیں، لیکن اگر کسی بد بخت نے صرف غفلت سے نماز چھوڑ دی ہے مگر اس کے دل میں نماز سے انکار اور عقیدہ میں کوئی انحراف نہیں پیدا ہوا ہے تو اگرچہ وہ دنیا و آخرت میں سخت سے سخت سزا کا مستحق ہے لیکن اسلام سے اور ملت اسلامیہ سے اس کا تعلق بالکل ٹوٹ نہیں گیا ہے اور اس پر مرتد کے احکام جاری نہیں ہوں گے، ان حضرات کے نزدیک مندرجہ بالا احادیث میں ترک نماز کو جو کفر کہا گیا ہے اس کا مطلب کافرانہ عمل ہے اور اس گناہ کی انتہائی شدت اور خباثت ظاہر کرنے کے لئے یہ انداز بیان اختیار کیا گیا ہے، جس طرح کسی مضر غذا یا دوا کے لیے کہہ دیا جاتا ہے کہ یہ بالکل زہر ہے۔

۴ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو بْنِ الْعَاصِ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ أَنَّهُ ذَكَرَ أَمَرَ الصَّلَاةِ يَوْمًا فَقَالَ مَنْ حَاطَظَ عَلَيْهَا كَانَتْ لَهُ نُورًا وَبُرْهَانًا وَنَجَاةٌ يَوْمَ الْقِيَمَةِ وَمَنْ لَمْ يُحَاطِظْ عَلَيْهَا لَمْ تَكُنْ لَهُ نُورًا وَلَا بُرْهَانًا وَلَا نَجَاةٌ وَكَانَ يَوْمَ الْقِيَمَةِ مَعَ الْكَافِرِينَ وَلَمْ يَزَلْ يَتَكَلَّمُ بِهَا حَتَّى نَزَلَ فِي النَّارِ

(رواہ احمد و ابوداؤد و ترمذی و ابن ماجہ و بیہقی و شعب ابی یوسف)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ نے نماز کے بارے میں گفتگو فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ جو بندہ نماز اجتماع سے ادا کرے گا تو وہ قیامت کے دن اس کے واسطے نور ہوگی، (جس سے قیامت کی اندھیروں میں اس کو روشنی ملے گی اور اس کے ایمان اور اللہ تعالیٰ سے اس کی وفاداری اور اطاعت شعار کی نشانی) اور دلیل ہوگی، اور اس کے لیے نجات کا ذریعہ بنے گی، اور جس شخص نے نماز کی ادائیگی کا اہتمام نہیں کیا (اور اس سے غفلت اور بے پروائی برتی) تو وہ

اسکے واسطے نہ نور بنے گی، نہ برہان اور نہ ذریعہ نجات، اور وہ بد بخت قیامت میں قارون، فرعون، ہامان اور مشرکین مکہ کے سرغنہ (ابی بن خلف کے ساتھ ہوگا۔ (صحیح مسلم، باب ۱۰۱، ص ۱۰۱)

نتیجہ..... مطلب یہ ہے کہ نماز سے لاپرواہی وہ جرم عظیم ہے جو آدمی کو اس جہنم میں پہنچائے گا جہاں فرعون و ہامان اور قارون اولین خلف جیسے خدا کے باغی ڈالے جائیں گے۔ لیکن ظاہر ہے کہ جہنم میں جانے والے سب لوگوں کا عذاب ایک ہی درجہ کا نہ ہوگا، ایک قید خانہ میں بہت سے قیدی ہوتے ہیں اور اپنے اپنے جرائم کے مطابق ان کی سزائیں مختلف ہوتی ہیں۔ (مسند احمد، ج ۱، ص ۱۰۱)

ماہنامہ اسلامیہ، ستمبر ۱۹۸۱ء، صفحہ ۱۰۱

عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ غُمَسُ صَلَواتِ الْفَرَضِ هُنَّ اللَّهُ تَعَالَى مَنْ أَحْسَنَ وَضُوءَهُ مَنْ صَلَّى مَنْ لَوْفِيَهُنَّ وَأَتَمَّ رُكُوعَهُنَّ وَعَشُوعَهُنَّ كَانَ لَهُ عَلَى اللَّهِ عَهْدٌ أَنْ يَغْفِرَ لَهُ وَمَنْ لَمْ يَفْعَلْ فَلَيْسَ لَهُ عَلَى اللَّهِ عَهْدٌ إِنَّ شَاءَ غَفَرَهُ وَإِنْ شَاءَ عَلَيْهِ .

(رواد احمد و ابو داؤد)

پانچ نمازیں اللہ تعالیٰ نے فرض کی ہیں جس نے ان کے لئے اچھی طرح وضو کیا اور ٹھیک وقت پر ان کو پڑھا اور رکوع بھی جیسے کرنے چاہئیں ویسے ہی کئے اور خشوع کی صفت کے ساتھ ان کو ادا کیا تو ایسے شخص کے لیے اللہ تعالیٰ کا پکا وعدہ ہے کہ وہ اس کو بخش دے گا اور جس نے ایسا نہیں کیا (اور نماز کے بارہ میں اس نے کوتاہی کی) تو اس کے لیے اللہ تعالیٰ کا کوئی وعدہ نہیں ہے چاہے گا تو اس کو بخش دے گا اور چاہے گا تو سزا دے گا۔ (صحیح مسلم، ج ۱، ص ۱۰۱)

نتیجہ..... مطلب یہ ہے کہ جو صاحب ایمان بندہ اجتماع اور فکر کے ساتھ نماز اچھی طرح ادا کرے گا تو اولاً تو وہ خود ہی گناہوں سے پرہیز کرنے والا ہوگا اور اگر شیطان انفس کے فریب سے کبھی اس سے گناہ سرزد ہوں گے تو نماز کی برکت سے اس کو توبہ و استغفار کی توفیق ملتی رہے گی (جیسا کہ عام تجربہ اور مشاہدہ بھی ہے) اور اس سب کے علاوہ نماز اس کے لئے کفارہ سینات بھی بنتی رہے گی اور پھر نماز بجائے خود گناہوں کے میل پچیل کو صاف کرنے والی اور بندہ کو اللہ تعالیٰ کی خاص رحمت و عنایت کا مستحق بنانے والی وہ عبادت ہے جو فرشتوں کے لئے بھی باعث رشک ہے، اس لیے جو بندے نماز کے شرائط و آداب کا پورا اہتمام کرتے ہوئے خشوع کے ساتھ نماز ادا کرنے کے عادی ہوں گے ان کی مغفرت بالکل یقینی ہے، اور جو لوگ دعوائے اسلام کے باوجود نماز کے بارے میں کوتاہی کریں گے (ان کے حالات کے مطابق) اللہ تعالیٰ جو فیصلہ چاہے گا کرے گا، چاہے ان کو سزا دے یا اپنی رحمت سے معاف فرما دے اور بخش دے۔ بہر حال وہ سخت خطرہ میں ہیں اور ان کی مغفرت اور بخشش کی کوئی گارنٹی نہیں۔

شعائیں اور رحمت الہی کے جموئے اس کے گناہوں کی گندگی کو فنا اور اس کے قصوروں کے خس و خاشاک کو اس سے جدا کر کے اس کو پاک صاف کر دیتے ہیں۔

(۸) عَنْ عُثْمَانَ بْنِ لَاحِقٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مَا مِنْ امْرِئٍ مُسْلِمٍ تَحَضَّرَهُ صَلَوةٌ مَكْتُوبَةٌ لِيُحْسِنَ وَضُوءَهُ مَا وَخَشَوْعَهَا وَرُكُوعَهَا إِلَّا كَانَتْ كَفَّارَةً لِمَا قَبْلَهَا مِنَ الذُّنُوبِ مَا لَمْ يَأْتِ كَبِيرَةً وَذَلِكَ لِلْمُحْكِلَةِ — (رواہ مسلم)

تشریح..... حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو مسلمان آدمی فرض نماز کا وقت آنے پر اس کے لیے اچھی طرح وضو کرے، پھر پورے خشوع اور اتھارے رکوع و سجود کے ساتھ نماز ادا کرے تو وہ نماز اس کے واسطے پچھلے گناہوں کا کفارہ بن جائے گی جب تک کہ وہ کسی کبیرہ گناہ کا مرتکب نہ ہو اور نماز کی یہ برکت اس کو ہمیشہ ہمیشہ حاصل ہوتی رہے گی۔

تشریح..... اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نماز کی یہ تاثیر اور برکت کہ وہ سابقہ گناہوں کا کفارہ بن جاتی ہے اور پہلے گناہوں کی گندگی کو دھو ڈالتی ہے اس شرط کے ساتھ مشروط ہے کہ وہ آدمی کبیرہ گناہوں سے آلودہ نہ ہو، کیونکہ کبیرہ گناہوں کی نحوست اتنی غلیظ ہوتی ہے اور اس کے ناپاک اثرات اتنے گہرے ہوتے ہیں جن کا زالہ صرف توبہ ہی سے ہو سکتا ہے، ہاں اللہ تعالیٰ چاہے تو یونہی معاف فرمادے اس کا کوئی ہاتھ پکڑنے والا نہیں۔

نماز پر جنت اور جنت کا وعدہ

(۹) عَنْ عُثْمَانَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مَا مِنْ مُسْلِمٍ يَتَوَضَّأُ لِيُحْسِنَ وَضُوءَهُ ثُمَّ يَقُومُ لِيُصَلِّيَ رَكَعَتَيْنِ مُقْبِلًا عَلَيْهِمَا بَلْقَلِهِ وَوَجْهَهُ إِلَّا وَجَبَتْ لَهُ الْجَنَّةُ — (رواہ مسلم)

تشریح..... حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو مسلمان بندہ اچھی طرح وضو کرے، پھر اللہ کے حضور میں کھڑے ہو کر پوری قلبی توجہ اور یکسوئی کے ساتھ دو رکعت نماز پڑھے، تو جنت اس کے لیے ضرور واجب ہو جائے گی۔

(۱۰) عَنْ زَيْدِ بْنِ خَالِدٍ الْجُهَنِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مَنْ صَلَّى سَجْدَتَيْنِ لَا يَسْهُو فِيهِمَا غُفِرَ اللَّهُ لَهُ مَا تَقَلَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ . — (رواہ احمد)

تشریح..... حضرت زید بن خالد جہنی سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ کا جو بندہ ایسی دو رکعت نماز پڑھے، جس میں اس کو غفلت بالکل نہ ہو تو اللہ تعالیٰ اس نماز ہی کے صلہ میں اس کے سارے سابقہ گناہ معاف فرمادے گا۔

تشریح..... مندرجہ بالا حدیثوں کی تشریح میں اوپر جو کچھ لکھا جا چکا ہے، وہی اس حدیث کی تشریح کے لیے بھی کافی ہے۔

افسوس کیسی بدبختی ہے

کہ نماز کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کے ان ترمیمی اور ترمیمی ارشادات کے باوجود امت کی بڑی تعداد آج نماز سے غافل اور بے پروا ہو کر اپنے کو اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کے الطاف و عنایات سے محروم اور اپنی دنیا و آخرت کو برباد کر رہی ہے۔ وما ظلمنہ اللہ ولكن كانوا انفسہم یظلمون ہ

نماز محبوب ترین عمل

(۱) عَنْ ابْنِ مَسْعُودٍ قَالَ سَأَلْتُ النَّبِيَّ ﷺ أَيُّ الْأَعْمَالِ أَحَبُّ إِلَى اللَّهِ قَالَ الصَّلَاةُ لَوْ فُتِحَ لَنَا ثُمَّ أَيُّ قَالَ بِرُؤَالِدَيْنِ لَفُتْنَا ثُمَّ أَيُّ قَالَ الْجِهَادُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ . (رواه البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ دینی اعمال میں سے کون سا عمل اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ محبوب ہے؟ آپ نے فرمایا کہ ٹھیک وقت پر نماز پڑھنا، پھر میں نے عرض کیا کہ اس کے بعد کون سا عمل زیادہ محبوب ہے؟ آپ نے فرمایا۔ ماں باپ کی خدمت کرنا، میں نے عرض کیا اس کے بعد کون سا عمل زیادہ محبوب ہے؟ آپ نے فرمایا۔ راہِ خدا میں جہاد کرنا۔ (صحیح بخاری، صحیح مسلم)

تشریح: اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے والدین کی خدمت اور جہاد سے افضل اور محبوب ترین ”نماز“ کو بتلایا ہے، اور بلاشبہ نماز کا مقام یہی ہے۔ اور اس کی کچھ تفصیل اس ناچیز کے رسالہ ”حقیقت نماز“ میں بھی دیکھی جاسکتی ہے۔

نماز کے اوقات

نماز سے جو اعلیٰ مقاصد اور منافع وابستہ ہیں، اور اللہ کے خوش نصیب بندوں کے لیے اس میں جولد تیں ہیں ان کا تقاضا تو یہ تھا کہ زندگی کے اگر سارے لمحات انہیں تو کم از کم دن رات کے اکثر اوقات نماز میں صرف کرنے ضروری قرار دیئے جاتے، لیکن چونکہ حکمت الہی نے انسانوں پر اور بھی بہت سی ذمہ داریاں ڈالی ہیں، اس لیے دن رات میں صرف پانچ وقت کی نمازیں فرض کی گئی ہیں۔ اور ان کے اوقات ایسی حکمت سے مقرر کئے گئے ہیں کہ نماز سے جو مقاصد وابستہ ہیں وہ بھی پورے ہوں اور دوسری ذمہ داریوں کی ادائیگی میں بھی خلل نہ پڑے۔

صبح نیند سے اٹھنے کے وقت (یعنی صبح صادق کے بعد طلوع آفتاب سے پہلے) فجر کی نماز فرض کی گئی ہے تاکہ صبح کو سب سے پہلا کام بارگاہِ قدوسیت میں حاضری و اظہارِ نیاز اور بندگی کے میثاق کی تجدید ہو، پھر دوپہر یعنی زوال آفتاب تک کوئی نماز فرض نہیں کی گئی، تاکہ ہر شخص اپنے حالات کے مطابق اپنے کام کاج اور دوسری ذمہ داریوں کو اس طویل وقفہ میں انجام دے سکے۔ پورے آدھے دن کے اس وقفہ کے بعد ظہر کی نماز فرض کی گئی اور اس میں بھی یہ سہولت دی گئی کہ خواہ اول وقت ادا کی جائے یا اپنے حالات کے مطابق گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ تاخیر کر کے پڑھی جائے۔ بہر حال یہ لازم قرار دیا گیا ہے کہ اس طویل وقفہ کے بعد نماز ظہر

اداکر جائے تاکہ غفلت یا بارگاہِ خداوندی سے غیر حاضری کی مدت اس سے زیادہ طویل نہ ہو، پھر شام کے آثار شروع ہونے کے وقت عصر کی نماز فرض کی گئی تاکہ اس خاص وقت میں بھی جو اکثر لوگوں کے لیے اپنے اپنے کاموں سے فرصت پانے اور تفریحی مشاغل میں مشغول ہونے کا وقت ہو تا ہے، ایمان والے بندے اپنے ظاہر و باطن سے ربِ قدوس کی بارگاہ میں حاضر اور اس کی عبادت میں مشغول ہوں۔ پھر دن کے ختم ہونے پر غروبِ آفتاب کے بعد مغرب کی نماز فرض کی گئی، تاکہ دن کے خاتمہ اور رات کے آغاز کے وقت ہم پھر بارگاہِ قدوسیت میں حاضر ہو کر اس کی حمد و تسبیح اور بندگی کے عہد کی تجدید کریں۔ اس کے بعد سونے کے وقت سے پہلے عشاء کی نماز لازم کی گئی، تاکہ روزانہ کی زندگی کا ہمارا آخری عمل یہی نماز ہو، اور ہم اپنے مالک سے رابطہ نیاز قائم کر کے اور ایمان و عہدیت کے عہد کی تجدید کر کے سونیں اور ہماری سہولت کے لیے پانچوں نمازوں کے ان وقتوں میں کافی وسعت بھی دی گئی ہے اپنے وقتی حالات کے مطابق ہم اول وقت بھی پڑھ سکتے ہیں اور درمیانی وقت میں بھی اور آخر وقت میں بھی۔

اس پوری تفصیل پر غور کر کے ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ ظہر سے لے کر عشاء تک کی نمازوں کے درمیانی وقفے تو اتنے مختصر مختصر ہیں کہ ایک سچے مؤمن کے لیے جو نماز کی قدر و قیمت سے واقف ہو اور اس کی لذت سے آشنا ہو، ظہر پڑھنے کے بعد عصر کا، عصر کے بعد مغرب کا اور مغرب کے بعد عشاء کا منتظر اور اس کے لیے فکر مند رہنا قدرتی طور پر بالکل ناگزیر ہے اور اس طرح گویا اس پورے وقفہ میں اس کا دل اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ اور نماز سے متعلق ہی رہے گا۔ البتہ فجر سے ظہر تک کا وقفہ خاصا طویل ہے اور جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا، اس کو اس لیے اتنا طویل رکھا گیا ہے کہ بندے اپنی دوسری ضروریات اور دوسرے کاموں کو اس وقفہ میں اطمینان سے انجام دے سکیں تاہم اس کی ترغیب دی گئی ہے کہ جن خوش نصیب بندوں سے ہو سکے وہ اس وقفہ کے درمیان بھی چاشت کی چند رکعتیں پڑھ لیا کریں۔ اسی طرح رات کے سونے کو انسان کی ایک فطری اور حقیقی ضرورت قرار دے کر عشاء سے فجر تک کوئی نماز فرض نہیں کی گئی ہے، اور یہ وقفہ سب سے زیادہ طویل رکھا گیا ہے لیکن یہاں بھی اس کی ترغیب دی گئی ہے کہ اللہ کے بندے آدھی رات گزرنے کے بعد کسی وقت اٹھ کر تہجد کی چند رکعتیں پڑھ لیا کریں، رسول اللہ ﷺ نے اس کی بڑی بڑی فضیلتیں بیان فرمائی ہیں اور خود آپ کا یہ ایسا دائمی معمول تھا کہ سفر میں بھی قضا نہیں ہوتا تھا۔ چاشت اور تہجد کے متعلق رسول اللہ ﷺ کے ترتیبی ارشادات انشاء اللہ اپنے موقع پر آئیں گے، یہاں تو یہ تمہیدی اشارے صرف نمازِ پنجگانہ کے بارے میں کیے گئے ہیں۔ اس کے بعد اس سلسلہ میں رسول اللہ ﷺ کی احادیث پڑھی جائیں۔

(۱۲) عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ وَبْنِ الْعَاصِ أَنَّ لَالَ سَيْلَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ عَنْ وَلَّتِ الصَّلَاةُ لَقَالَ وَلَّتِ صَلَاةُ الْفَجْرِ مَا لَمْ يَطْلُعْ لُرُكُ الشَّمْسِ الْأَوَّلُ وَوَلَّتِ صَلَاةُ الظُّهْرِ إِذَا زَالَتِ الشَّمْسُ عَنْ بَطْنِ السَّمَاءِ مَا لَمْ تَخْضِرِ الْعَصْرُ وَوَلَّتِ صَلَاةُ الْعَصْرِ مَا لَمْ تَضْفِرِ الشَّمْسُ وَتَنْقُطَ قُرْنُهَا الْأَوَّلُ وَوَلَّتِ صَلَاةُ الْمَغْرِبِ إِذَا غَابَتِ الشَّمْسُ مَا لَمْ يَنْقُطِ الشَّفَقُ وَوَلَّتِ صَلَاةُ الْعِشَاءِ

إلى نصف الليل . (رواه البخاری و مسلم و اللفظ لمسلم)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے نماز کے اوقات کے بارے میں دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ فجر کی نماز کا وقت تو اس وقت تک رہتا ہے جب تک سورج کا ابتدائی کنارہ نمودار نہ ہو، (یعنی صبح کو سورج جب طلوع ہونے لگے اور افق پر اس کا کنارہ ذرا بھی نمودار ہو جائے تو فجر کا وقت ختم ہو جاتا ہے) اور ظہر کا وقت اس وقت ہو تا ہے جب آفتاب بچ آسمان سے مغرب کی جانب ڈھل جائے اور اس وقت تک رہتا ہے جب تک کہ عصر کا وقت نہیں آ جاتا، اور عصر کی نماز کا وقت اس وقت تک ہے جب تک کہ سورج زرد نہ پڑ جائے اور سورج کا پہلا کنارہ ڈوبنے لگے، اور مغرب کی نماز کا وقت اس وقت ہو تا ہے جب آفتاب ڈوب کر بالکل غائب ہو جائے اور اس وقت تک رہتا ہے جب تک شفق غائب ہو، اور عشاء کی نماز کا وقت آدھی رات تک ہے۔ (صحیح مسلم)

ترجمہ:..... رسول اللہ ﷺ نے اس حدیث میں مسائل کے سوال کے جواب میں اکثر نمازوں کا آخری اور انتہائی وقت ہی بیان فرمایا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مسائل غالباً یہی دریافت کرنا چاہتا تھا کہ ان پانچوں نمازوں کے وقتوں میں کہاں تک وسعت ہے اور ہر نماز کس وقت تک پڑھی جاسکتی ہے اور اس کا آخری وقت کیا ہے؟ ابتدائی وقت غالباً اس کو معلوم ہو گا۔ واللہ اعلم۔

مغرب کی نماز کے بارے میں اس حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ ”اس کا وقت اس وقت تک رہتا ہے جب تک شفق غائب نہ ہو“۔ اس شفق کی تعین اور تحقیق میں ہمارے ائمہ کی رائیں کچھ مختلف ہیں، اتنی بات تو لوگ عام طور سے جانتے ہیں کہ غروب آفتاب کے بعد مغرب کی جانب کچھ دیر تک سرخی رہتی ہے^۱، اس کے بعد وہ سرخی ختم ہو جاتی ہے اور اس کی جگہ کچھ دیر تک سفیدی رہتی ہے^۲، پھر وہ سفیدی بھی غائب ہو جاتی ہے اور سیاہی آ جاتی ہے۔ پس اکثر ائمہ کی تحقیق تو یہ ہے کہ شفق غروب آفتاب کے بعد والی سرخی کا نام ہے اس لیے ان حضرات کے نزدیک سرخی ختم ہونے پر مغرب کا وقت ختم ہو کر عشاء کا وقت آ جاتا ہے۔ اور امام ابو حنیفہ کا مشہور قول یہ ہے کہ غروب آفتاب کے بعد والی سرخی اور اس کے بعد والی سفیدی دونوں کو شفق کہا جاتا ہے، اس لیے ان کے قول کے مطابق مغرب کا وقت اس وقت ختم ہو تا ہے، جب مغربی افق پر سفیدی بھی باقی نہ رہے اور سیاہی آ جائے اور اسی وقت ان کے نزدیک عشاء کا وقت آتا ہے، لیکن امام ابو حنیفہ سے ایک روایت دوسرے ائمہ کی تحقیق کے مطابق بھی منقول ہے، اور وہی اس مسئلہ میں ان کے دونوں مشہور شاگردوں امام ابو یوسف اور امام محمدؒ کی بھی تحقیق ہے۔ اسی لیے بہت سے اکابر احناف نے اسی پر فتویٰ بھی دیا ہے۔

عشاء کا آخری وقت اس حدیث میں اور اس کے علاوہ بھی بعض دوسری حدیثوں میں آدھی رات تک بتایا گیا ہے لیکن دوسری بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ صبح صادق تک عشاء کا وقت باقی رہتا ہے اس لئے جن حدیثوں میں عشاء کا وقت آدھی رات تک بتایا گیا ہے، ان کا مطلب یہ سمجھا گیا ہے کہ آدھی رات تک عشاء کی نماز پڑھنا جائز ہے اور اس کے بعد پڑھنا مکروہ ہے۔ واللہ اعلم

۱ یہ سرخی اکثر موسموں میں قریب ایک گھنٹہ تک رہتی ہے۔ ۱۲ یہ سفیدی اکثر موسموں میں تقریباً آدھے گھنٹے تک رہتی ہے۔ ۱۱

(۱۳) عَنْ بُرَيْدَةَ قَالَ إِنَّ رَجُلًا سَأَلَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ وَلَبِّ الصَّلَاةِ فَقَالَ لَهُ صَلَّى مَعَنَا هَذَيْنِ يَعْنِي الْيَوْمَيْنِ كُلَّمَا زَالَتْ الشَّمْسُ وَآمَرْنَا لَا فَكَاذٌ ثُمَّ أَمَرَهُ فَلَاكُمُ الظُّهْرُ ثُمَّ أَمَرَهُ فَلَاكُمُ الْعَصْرُ وَالشَّمْسُ مُرْتَفِعَةٌ بَيَضَاءُ نَفِثَةٍ ثُمَّ أَمَرَهُ فَلَاكُمُ الْمَغْرِبُ حِينَ غَابَتِ الشَّمْسُ ثُمَّ أَمَرَهُ فَلَاكُمُ الْعِشَاءُ حِينَ غَابَ الشَّفَقُ ثُمَّ أَمَرَهُ فَلَاكُمُ الْفَجْرُ حِينَ طَلَعَ الْفَجْرُ كُلَّمَا أَنْ كَانَ الْيَوْمُ الثَّانِي أَمَرَهُ فَأَبْرَدُ بِالظُّهْرِ فَأَبْرَدَ بِهَا فَانْعَمَ أَنْ يُبْرَدَ بِهَا وَصَلَّى الْعَصْرَ وَالشَّمْسُ مُرْتَفِعَةٌ أَخْرَجَهَا لَوْحُ اللَّيْلِ كَانَ وَصَلَّى الْمَغْرِبَ لَبَّلَ أَنْ يَغِيبَ الشَّفَقُ وَصَلَّى الْعِشَاءَ بَعْدَ مَا ذَهَبَ ثَلَاثُ اللَّيْلِ وَصَلَّى الْفَجْرَ فَاسْتَفْرَبَهَا ثُمَّ قَالَ آيِنِ السَّائِلَ عَنْ وَلَبِّ الصَّلَاةِ فَقَالَ الرَّجُلُ آتَا يَا رَسُولَ اللَّهِ قَالَ وَلَبِّ صَلَاتِكُمْ بَيْنَ مَا رَأَيْتُمْ . (رواه مسلم)

حضرت برید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک صاحب نے رسول اللہ ﷺ سے نماز کے اوقات کے بارہ میں سوال کیا تو آپ نے ان سے فرمایا کہ ان دونوں دن (آج اور کل) تم ہمارے ساتھ نماز پڑھو پھر (دوپہر کے بعد) جیسے ہی آفتاب ڈھلا آپ نے بلالؓ کو حکم دیا اور انہوں نے اذان دی، پھر آپ نے ان سے فرمایا تو انہوں نے ظہر کی نماز کے لیے اقامت کہی (اور ظہر کی نماز پڑھی گئی) پھر (عصر کا وقت آنے پر) آپ نے بلالؓ کو حکم دیا تو انہوں نے (قاعدہ کے مطابق پہلے اذان اور پھر) عصر کے لیے اقامت کہی (اور عصر کی نماز ہوئی) اور یہ اذان اور پھر نماز ایسے وقت ہوئی کہ آفتاب خوب اونچا اور پوری طرح روشن اور صاف تھا (یعنی اس کی روشنی میں وہ فرق نہیں رہا تھا جو شام کو ہو جاتا ہے پھر آفتاب غروب ہوتے ہی آپ نے بلالؓ کو حکم دیا تو انہوں نے مغرب کی اقامت کہی (اور مغرب کی نماز ہوئی) پھر جیسے ہی شفق غائب ہوئی تو آپ نے ان کو حکم دیا اور انہوں نے عشاء کی اقامت کہی (اور عشاء کی نماز پڑھی گئی) پھر رات کے ختم پر جیسے ہی صبح صادق نمودار ہوئی آپ نے ان کو حکم دیا اور انہوں نے فجر کی اقامت کہی (اور فجر کی نماز پڑھی گئی) پھر جب دوسرا دن ہوا تو آپ نے بلالؓ کو ٹھنڈے وقت ظہر کی نماز قائم کرنے کا حکم دیا اور فرمایا کہ ظہر (آج تاخیر کر کے) ٹھنڈے وقت پڑھی جائے تو آپ کے حسب حکم انہوں نے ٹھنڈے وقت پر ظہر کی اقامت کہی اور خوب اچھی طرح ٹھنڈا وقت کر دیا (یعنی کافی تاخیر کر کے ظہر اس دن بالکل آخری وقت پڑھی گئی) اور عصر کی نماز ایسے وقت پڑھی کہ آفتاب اُچرچا اونچا ہی تھا، لیکن کل گزشتہ کے مقابلہ میں زیادہ مؤخر کر کے پڑھی اور مغرب کی نماز آپ نے شفق کے غائب ہو جانے سے پہلے پڑھی، اور عشاء تہائی رات گزر جانے کے بعد پڑھی اور فجر کی نماز اسفار کے وقت یعنی (دن کا اجالا پھیل جانے پر) پڑھی، پھر آپ نے فرمایا، وہ صاحب کہاں ہیں جو نماز کے اوقات کے بارہ میں سوال کرتے تھے؟ اس شخص نے عرض کیا کہ میں حاضر ہوں یا رسول اللہ! آپ نے ان سے فرمایا، تمہاری نمازوں کا وقت اس کے درمیان ہے جو تم نے دیکھا۔ (صحیح مسلم)

تشریح..... ان سائل کو نماز کے اوقات کا اول و آخر سمجھانے کے لیے رسول اللہ ﷺ نے صرف زبانی تعلیم و تفہیم کے بجائے یہ بہتر سمجھا کہ عمل کر کے دکھادیا جائے، اس لیے آپ نے ان سے فرمایا کہ دو دن ہمارے

ساتھ پانچوں نمازیں پڑھو، پھر پہلے دن آپ نے ہر نماز اول وقت پڑھی اور دوسرے دن ہر نماز جائزہ تک مؤخر کر کے پڑھی اور ان سے فرمایا کہ ہر نماز کے وقت کا اول و آخر یہ ہے جس میں تم نے ہم کو نماز پڑھنا دیکھا۔

(۱۴) عَنْ سَيَّارِ بْنِ سَلَامَةَ قَالَ دَخَلْتُ أَنَا وَآبِي عَلَى أَبِي بَرْزَةَ الْأَسْلَمِيِّ لَقَالَ لَهُ أَبِي كَيْفَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي الْمَكْتُوبَةَ لَقَالَ كَانَ يُصَلِّي الْهَجِيرَ الَّتِي تَدْعُونَهَا الْأُولَى حِينَ تَذْخَضُ الشَّمْسُ وَيُصَلِّي الْفَصْرَ ثُمَّ يَرْجِعُ أَحَدُنَا إِلَى رَحِيلِهِ فِي الْأَصَى الْمَدِينَةِ وَالشَّمْسُ حَيَّةٌ وَلَمِثَتْ مَالًا فِي الْمَغْرِبِ وَكَانَ يَسْتَحِبُّ أَنْ يُؤَخِّرَ الْعِشَاءَ الَّتِي تَدْعُونَهَا الْعُتْمَةَ وَكَانَ يَكْرَهُ النَّوْمَ لِقَبْلِهَا وَالْحَدِيثُ بَعْدَهَا وَكَانَ يَنْقِيلُ مِنْ صَلَوةِ الْغَدَاةِ حِينَ يَعْرِفُ الرَّجُلُ جَلِيسَهُ وَيَقْرَأُ بِالسَّيِّئِينَ إِلَى الْمَاءِ . (رواد البخاری)

ترجمہ: سیار بن سلامہ سے روایت ہے کہ میں اپنے والد ماجد کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کے صحابی ابو برزہ اسلمی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا تو میرے والد نے ان سے دریافت کیا کہ رسول اللہ ﷺ فرض نمازیں کیسے پڑھا کرتے تھے؟ (یعنی آپ کے نماز پڑھنے کے اوقات کیا تھے؟) تو انہوں نے فرمایا کہ آپ دوپہر والی نماز جس کو تم لوگ نماز اولی کہتے ہو (یعنی ظہر) اس وقت پڑھتے تھے جب سورج ڈھل جاتا تھا اور عصر ایسے وقت پڑھتے تھے کہ اس کے بعد ہم میں سے کوئی آدمی مدینہ کے بالکل آخری سرے پر اپنے گھر واپس جاتا۔۔۔ تو ایسے وقت پہنچ جاتا تھا کہ آفتاب زندہ ہوتا تھا (یعنی اس میں روشنی و حرارت باقی رہتی تھی)۔۔۔ دو زرد اور ٹھنڈا نہیں ہو جاتا تھا، آگے سیار بن سلامہ کہتے ہیں (اور میں یہ بھول گیا کہ حضور ﷺ کی مغرب کی نماز کے بارہ میں انہوں نے کیا بتایا تھا) آگے ابو برزہ اسلمی کا بیان نقل کرتے ہیں کہ (اور عشاء جسے تم لوگ عتمہ کہتے ہو) رسول اللہ ﷺ دیر کر کے پڑھنا پسند فرماتے تھے، اور اس سے پہلے سونے کو اور اس کے بعد باتیں کرنے کو ناپسند فرماتے تھے۔ اور صبح کی نماز سے ایسے وقت فارغ ہوتے تھے جب آدمی (صبح کے اچالے میں) اپنے پاس بیٹھنے والوں کو پہچان لیتا تھا اور آپ (فجر کی نماز میں) سانٹھے لے کر سو تک آیتیں پڑھتے تھے۔ (صحیح بخاری، صحیح مسلم)

ترجمہ: اس حدیث کے راوی سیار بن سلامہ کو یہ یاد نہیں رہا کہ ابو برزہ اسلمی رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ کی نماز کا وقت کیا بتایا تھا، دوسری حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ مغرب کی نماز عام طور سے اول وقت یعنی آفتاب غروب ہوتے ہی پڑھا کرتے تھے، کبھی کسی خاص ضرورت اور مصلحت ہی سے آپ نے مغرب کی نماز تاخیر کر کے پڑھی ہے۔

(۱۵) عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْحَسَنِ بْنِ عَلِيٍّ قَالَ سَأَلْنَا جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللَّهِ عَنْ صَلَوةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَقَالَ كَانَ يُصَلِّي الظُّهْرَ بِالْهَاجِرَةِ وَالْفَصْرَ وَالشَّمْسُ حَيَّةٌ وَالْمَغْرِبَ إِذَا وَحَبَتْ وَالْعِشَاءَ إِذَا أَكْثَرَ النَّاسُ عَجَلًا وَإِذَا لَفُوا آخِرَ وَالصُّبْحَ

بَقْلَسَ - (رواہ البخاری و مسلم)

حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ کے پوتے محمد بن عمرو بن حسن سے روایت ہے کہ ہم نے حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے رسول اللہ ﷺ کی نمازوں کے بارہویں سوال کیا (یعنی یہ کہ آپ ﷺ کب نمازیں کس وقت پڑھتے تھے) تو انہوں نے بتایا کہ ظہر کی نماز آپ نصف النہار میں (یعنی زوال ہوتے ہی) پڑھتے تھے، اور عصر ایسے وقت کہ سورج بالکل زندہ ہوتا تھا، (اس کی گرمی اور روشنی میں کوئی فرق نہیں پڑتا تھا) اور مغرب اس وقت جب آفتاب غروب ہوتا، اور عشاء (کے بارے میں معمول یہ تھا کہ) جب لوگ زیادہ تعداد میں آجاتے تو آپ سوریا پڑھ لیتے تھے اور جب لوگ کم ہوتے تو مؤخر کر کے پڑھتے تھے، اور صبح کی نماز اندھیرے میں پڑھتے تھے۔ (صحیح بخاری، صحیح مسلم)

تشریح..... حضرت جابر کی اس حدیث میں اور اس سے پہلی ابو ہریرہ سلمیٰ ؓ والی حدیث میں بھی ظہر کی نماز کے بارے میں حضور ﷺ کا معمول یہ بتایا گیا ہے کہ آپ زوال ہوتے ہی نصف النہار میں پڑھ لیا کرتے تھے، لیکن آگے آنے والی بعض دوسری حدیثوں سے پتہ چلتا ہے کہ یہ معمول آپ کا گرمی کے موسم کے علاوہ تھا۔ جب گرمی سخت پڑتی تھی تو آپ ظہر میں اتنی تاخیر فرماتے تھے کہ گرمی کی حدت ختم ہو جائے اور وقت کچھ ٹھنڈا ہو جائے اور اسی کی آپ نے امت کو بھی ہدایت فرمائی ہے۔

(۱۶) عَنْ أَنَسٍ لَّانَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِذَا كَانَ الْحَرُّ أَتَرَدُّ بِالصَّلَاةِ وَإِذَا كَانَ الْبَرْدُ عَجَلَ .

(رواہ السنن)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا معمول تھا کہ جب گرمی ہوتی تو دیر کر کے ٹھنڈے وقت (ظہر کی) نماز پڑھتے اور جب سردی کا موسم ہوتا تو جلدی (یعنی اول ہی وقت میں) پڑھ لیتے۔ (البیہ)

(۱۷) عَنْ أَبِي سَعِيدٍ لَّانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا اخْتَلَّ الْحَرُّ لَأَتَرَدُّ دُونَ الظَّهْرِ

لَّانَ سِلَّةَ الْحَرِّ مِنْ فَيْحِ جَهَنَّمَ . (رواہ البخاری)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب گرمی سخت ہو تو ظہر کو ٹھنڈے وقت پڑھا کرو، کیونکہ گرمی کی شدت آتش دوزخ کے جوش سے ہے۔ (صحیح بخاری)

(یہ حدیث صحیح بخاری اور صحیح مسلم دونوں میں حضرت ابو ہریرہ ؓ کی روایت سے بھی مروی ہے، لیکن اس میں "فَافْرِ دُونَ الصَّلَاةِ" کا لفظ ہے، اگرچہ مراد اس سے بھی ظہر ہی ہے)

تشریح..... دنیا میں ہم جو کچھ دیکھتے ہیں اور محسوس کرتے ہیں اس کے کچھ تو ظاہری اسباب ہوتے ہیں جنہیں ہم خود بھی جانتے ہیں اور سمجھتے ہیں اور کچھ باطنی اسباب ہوتے ہیں جو ہمارے احساس و ادراک کی دسترس سے باہر ہوتے ہیں۔ انبیاء علیہم السلام کبھی ان کی طرف اشارے فرماتے ہیں، اس حدیث میں جو یہ فرمایا گیا ہے کہ "گرمی کی شدت آتش دوزخ کے جوش سے ہے" یہ اسی قبیل کی چیز ہے، گرمی کی شدت کا ظاہری

سب تو آفتاب ہے اور اس بات کو ہر شخص جانتا ہے اور کوئی بھی اس سے انکار نہیں کر سکتا، لیکن عالم باطن، اور عالم غیب میں اس کا تعلق جہنم کی آگ سے بھی ہے، اور یہ ان حقائق میں سے ہے جو انبیاء علیہم السلام ہی کے ذریعہ معلوم ہو سکتے ہیں۔ دراصل ہر راحت اور لذت کا مرکز اور سرچشمہ جنت ہے، اور ہر تکلیف و مصیبت کا اصل خزانہ اور سرچشمہ جہنم ہے، اس دنیا میں جو کچھ راحت و لذت یا تکلیف و مصیبت ہے وہ وہیں کے لامحدود خزانہ کا کوئی ذرہ اور اسی اتہاء سمندر کا کوئی قطرہ اور وہیں کی ہواؤں کا کوئی جھونکا ہے، اور اس کو اس مرکز و مخزن سے خاص نسبت ہے، اسی بنیاد پر اس حدیث میں گرمی کی شدت کو جہنم کی تیزی اور اس کے جوش و خروش سے منسوب کیا گیا ہے، اور اصل مقصد بس اتنا ہے کہ گرمی کی شدت کو جہنم سے ایک خاص نسبت ہے اور وہ غضب خداوندی کا ایک مظہر ہے اور نکتہ کی و ٹھنڈک رحمت خداوندی کی لہر ہے اس لیے جس موسم میں نصف النہار کے وقت سخت گرمی ہو اور گرمی کی شدت سے فضا جہنم بن رہی ہو تو ظہر کی نماز کچھ تاخیر کر کے ایسے وقت پڑھی جائے جب گرمی کی شدت ٹوٹ جائے وقت کچھ ٹھنڈا ہو جائے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

وقت عصر کے بارے میں آپ ﷺ کا فرمان: ”عصر بوقت آفتاب“

(۱۸) عَنْ أَنَسٍ لَّانَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يُصَلِّي الْعَصْرَ وَالشَّمْسُ مُرْتَفِعَةً حَتَّىٰ لَيَذْهَبَ الدَّاهِبُ إِلَى الْعَوَالِي لَيَأْتِي الْعَوَالِي وَالشَّمْسُ مُرْتَفِعَةً .

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ عصر کی نماز ایسے وقت پڑھتے تھے کہ آفتاب بلند اور زندہ ہوتا تھا۔ پس عوالی (یعنی مدینہ کی بالائی آبادیوں) کی طرف جانے والا آدمی (حضورؐ کے ساتھ نماز عصر پڑھ کے) چلتا تھا تو وہ عوالی ایسے وقت پہنچ جاتا تھا کہ آفتاب اس وقت بھی اونچا ہوتا تھا۔ (صحیح بخاری، ج ۱، ص ۱۸۷)

تشریح..... حضرت انس رضی اللہ عنہ کو اللہ تعالیٰ نے بہت طویل عمر عطا فرمائی^۱۔ پہلی صدی ہجری کے اواخر میں ان کی وفات ہوئی ہے۔ خلافت راشدہ کے خاتمہ کے بعد اموی حکومت کے بھی تقریباً پچاس سال انہوں نے دیکھے ہیں، ان کے زمانے میں بنو امیہ کے بعض خلفاء اور امراء عصر کی نماز میں بہت تاخیر کرتے تھے، حضرت انس رضی اللہ عنہ ان کے اس طرز عمل کو بہت غلط اور خلاف سنت سمجھتے تھے، اور حسب موقع اپنی اس رائے کا اظہار فرماتے تھے، اس حدیث کے بیان کرنے سے بھی ان کا مقصد یہی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا معمول عصر کی نماز میں اتنی تاخیر کا نہیں تھا، آپ ایسے وقت عصر پڑھتے تھے کہ آفتاب خوب بلند اور اپنی

۱ حضرت انس بن مالک رسول اللہ ﷺ کے خاص خادم تھے۔ جب حضورؐ مدینہ تشریف لائے تو ان کی عمر تقریباً ۶۵ سال کی تھی، ان کی والدہ ام سلیم نے ان کو آپ کی خدمت میں دے دیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں دینی تعلیم کی خدمت پر بصرہ منتقل ہوئے۔ ۹ھ میں وہیں وفات پائی۔ ان کے سنہ وفات کے بارہ میں بعض اور اقوال بھی ہیں لیکن راجح یہی ہے کہ آپ کی وفات ۹ھ میں ہوئی، واللہ اعلم۔

حرارت اور روشنی کے لحاظ سے بالکل زندہ ہوتا تھا، یہاں تک کہ آپؐ کے ساتھ عصر پڑھ کر اگر کوئی شخص عوالی کی طرف جاتا تو جس وقت وہ وہاں پہنچتا اس وقت بھی آفتاب بلندی پر ہوتا۔
عوالی مدینہ طیبہ کے قریب کی وہ آبادیاں کہلاتی ہیں جو بجانب مشرق تھوڑے فاصلہ پر ہیں۔ ان میں سے جو قریب ہیں وہ دو تین میل پر ہیں اور جو دور ہیں وہ پانچ چھ میل پر ہیں۔^۹

(۱۹) وَعَنْهُ لَانَ لَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ بِلَكَ صَلَوةِ الْمُتَأَنِّي يَجْلِسُ يَرْلُبُ الشَّمْسَ حَتَّى إِذَا اصْفَرَّتْ وَكَانَتْ بَيْنَ لَرْنَى الشَّيْطَانِ لَمْ تَنْفَرْ أَرْبَعًا لَا يَذْكُرُ اللَّهَ فِيهَا إِلَّا لِيلًا۔ (رواد مسلمہ)
حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ یہ منافق والی نماز ہے کہ آدمی بیٹھا ہوا آفتاب کا انتظار کرتا رہے یہاں تک کہ جب وہ زرد پڑ جائے اور شیطان کے دو قرونوں کے درمیان ہو جائے تو کھڑا ہو اور چار ٹھونکیں مارے اور ان میں اللہ کو بہت ہی تھوڑا یاد کرے۔

..... مطلب یہ ہے کہ عصر کی نماز میں بلا کسی مجبوری کے اتنی تاخیر کرنا کہ آفتاب میں زردی آجائے اور اس آخری اور تنگ وقت میں مرغ کی ٹھونگیوں کی طرح جلدی جلدی چار رکعتیں پڑھنا جن میں اللہ کے ذکر کی مقدار بھی بہت کم اور بس برائے نام ہو، ایک منافقانہ عمل ہے، مؤمن کو چاہئے کہ ہر نماز خاص کر عصر کی نماز اپنے صحیح وقت پر اور طہانیت اور تعدیل کے ساتھ پڑھے جلدی جلدی رکوع سجدہ کرنے کی کیفیت کو مرغ کی ٹھونگیوں سے تشبیہ دی گئی ہے، غالباً اس سے بہتر کوئی تشبیہ نہیں ہو سکتی۔

..... کے درمیان آفتاب کے طلوع اور غروب ہونے کا ذکر بعض اور احادیث میں بھی آیا ہے، ہم جس طرح شیطان کی پوری حقیقت نہیں جانتے، اسی طرح اس کے دو قرونوں اور ان کے درمیان آفتاب کے طلوع و غروب کی حقیقت بھی ہمارے معلومات کے دائرے سے باہر کی چیز ہے اور جیسا کہ بعض شارحین نے لکھا ہے یہ بھی ممکن ہے کہ یہ کوئی تشبیہ و تمثیل ہو۔ واللہ اعلم۔

وقت مغرب — بار — میں

(۲۰) عَنْ أَبِي أَيُّوبَ لَانَ لَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ لَا يَزَالُ أُمْنَى بِغَيْرِ أَوْلَ لَانَ عَلَى الْفِطْرَةِ مَا لَمْ يُؤَخَّرُوا الْمَغْرِبَ إِلَى أَنْ تَفْجَبَكَ النُّجُومُ۔ (رواد مسلمہ)

حضرت ابویوب انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، میری امت ہمیشہ خیر کے ساتھ رہے گی، جب تک کہ مغرب کی نماز اتنی مؤخر کر کے نہ پڑھے کہ ستارے گنجان ہو جائیں۔

۳۹۰-۳۸۸ھ ۳۰-۱۹۲۹ء کی بات ہے کہ یہ ناچیز امر وہ وضع مراد آباد میں تدریسی خدمت پر مامور تھا کہ عصر کی نماز مدرسہ کی مسجد میں پڑھ کر موضع حاجی پور کو روانہ ہوتا (جہاں سے رشتہ داری کا کچھ تعلق تھا اور جو امر وہبہ سے قریباً ۹ میل پر ہے) اور اکثر مغرب کے وقت وہاں پہنچ کے مغرب کی جماعت میں وہاں شریک ہو جایا کرتا۔

تشریح..... مغرب کی نماز رسول اللہ ﷺ عموماً اول وقت میں پڑھتے تھے، جیسا کہ اس حدیث سے معلوم ہوا، بلا کسی عذر اور مجبوری کے اس میں اتنی تاخیر کرنا کہ ستاروں کا جال آسمان پر پھیل جائے ناپسندیدہ اور مکروہ ہے، اگرچہ اس کا وقت جیسا کہ پہلے ذکر کیا جا چکا شفق غائب ہونے تک باقی رہتا ہے۔ تاہم اگر کبھی کسی اہم دینی مشغولیت کی وجہ سے مغرب میں کچھ تاخیر ہو جائے تو اس کی گنجائش ہے، صحیح بخاری میں عبد اللہ بن شقیق سے مروی ہے کہ ایک دفعہ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے عصر کے بعد وعظ شروع فرمایا یہاں تک کہ آفتاب غروب ہو گیا اور آسمان پر ستارے نکل آئے اور آپ کی بات جاری رہی، حاضرین میں سے بعض نے کہا: ”سَلَامٌ عَلَى النَّبِيِّ“ تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے ان کو ڈانٹا اور کبھی کبھی کے رسول اللہ کے طرز عمل کا حوالہ دے کر ان کو بتلایا کہ ایسے مواقع پر تاخیر بھی کی جاسکتی ہے۔

وقت غنیمت کے بار میں

(۲۱) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ لَوْلَا أَنْ أَخَذَ عَلَى أُمِّي لَمْ يَمُرْتُمْ أَنْ يُؤَخَّرُوا الْعِشَاءَ إِلَى ثُلُثِ اللَّيْلِ أَوْ يَضْفَهُ . (رواه احمد والترمذی وابن ماجہ)

ترجمہ..... حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اگر مجھے امت کی تکلیف اور مشقت کا خیال نہ ہوتا تو میں ان کو حکم دیتا کہ عشاء کی نماز تہائی رات یا آدھی رات تک مؤخر کر کے ہی پڑھا کریں۔“ (مسند احمد، جامع الترمذی، ابن ماجہ)

(۲۲) عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ مَكُنَّا ذَاتَ لَيْلَةٍ نَنْتَظِرُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ صَلَوةَ الْعِشَاءِ الْبَاصِرَةِ فَخَرَجَ الْبَنَاتُ جَنِينَ ذَهَبَ ثُلُثُ اللَّيْلِ أَوْ بَعْدَهُ فَلَا نَدْرِي أَخْصِيءَ شَفَلَهُ فِي أَهْلِهِ أَوْ غَيْرَ ذَلِكَ فَقَالَ جَنِينَ خَرَجَ إِلَيْكُمْ تَنْتَظِرُونَ صَلَوةَ مَا يَنْتَظِرُهَا أَهْلُ دِينٍ غَيْرُكُمْ وَلَوْلَا أَنْ يُثَقِّلَ عَلَى أُمِّي لَصَلَّيْتُ بِهِمْ هَذِهِ السَّاعَةَ ثُمَّ أَمَرَ الْمُؤَذِّنَ فَالْقَامَ الصَّلَوةَ وَصَلَّى . (رواه مسلم)

ترجمہ..... حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ ایک رات نماز عشاء کے وقت ہم لوگ مسجد میں رسول اللہ ﷺ کا بڑی دیر تک انتظار کرتے رہے، پھر آپ اس وقت باہر تشریف لائے جب تہائی رات جا چکی تھی یا اس کے بعد، اور ہمیں پتہ نہیں کہ اس تاخیر کا سبب اپنے گھروالوں کے ساتھ آپ کی کوئی مشغولی تھی یا اس کے سوا کوئی اور چیز آپ کو پیش آگئی تھی۔ بہر حال جب آپ گھر سے باہر مسجد میں تشریف لائے تو (ہماری تسلی اور دلداری کے لیے) ہم لوگوں سے فرمایا کہ تم لوگ اس وقت اس نماز کے انتظار میں ہو جس کا تمہارے سوا کسی دوسرے دین والے انتظار نہیں کرتے، اور اگر یہ خیال نہ ہوتا کہ میری امت کے لئے بھاری اور مشکل ہو جائے گا تو میں یہ نماز (بیشہ دیر کر کے) اسی وقت میں پڑھا کرتا (کیونکہ اس نماز کے لیے یہی وقت افضل ہے) اس کے بعد آپ نے مؤذن کو حکم دیا تو اس نے اقامت کہی اور آپ نے نماز پڑھائی۔ (صحیح مسلم)

..... ان دونوں حدیثوں سے معلوم ہوا کہ عشاء کی نماز کا افضل وقت اگرچہ وہ ہے جب کہ تہائی رات گزر جائے، لیکن اس وقت نماز پڑھنے میں چونکہ عام نمازیوں کے لیے زحمت اور مشقت ہے اور روزانہ اتنی دیر تک جاگ کر نماز کا انتظار کرنے میں بزاخت مجاہدہ ہے اس لیے رسول اللہ - مقتدیوں کی سہولت کے خیال سے عموماً اس سے پہلے ہی نماز پڑھ لیتے تھے، اور حضرت جابرؓ کی ایک حدیث میں پہلے بھی گزر چکا ہے کہ اگر لوگ عشاء کے لیے سویرا جمع ہو جاتے تو آپؐ جلدی پڑھ لیتے تھے اور اگر لوگوں کے آنے میں دیر ہوتی اور شروع وقت میں لوگ کم آتے تو آپؐ کچھ دیر کر کے پڑھا کرتے تھے۔ آپؐ کے اس طرز عمل اور ارشاد سے ایک اہم اور نہایت قیمتی اصول یہ معلوم ہوا کہ اگر کسی اجتماعی عمل کے افضل وقت پر اور افضل شکل میں ادا کرنے کی وجہ سے عوام کو قابل لحاظ زحمت اور مشقت ہوتی ہو تو ان کی سہولت کے خیال سے وہاں اس افضل وقت اور افضل شکل کو ترک کر دینا ہی افضل اور بہتر ہو گا اور عوام کے ساتھ اس شفقت و رعایت کا ثواب انشاء اللہ اس ثواب سے زیادہ ہو گا جو ترک افضل کی وجہ سے فوت ہو گا۔ دوسرے طور پر اس کو یوں بھی کہا جاسکتا ہے کہ اجتماعی اعمال میں وقت کی فضیلت یا شکل کی فضیلت کے مقابلہ میں عوام کی رعایت اور ان کی سہولت کی فضیلت مقدم ہے۔

ایک دوسری بات اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوئی کہ نماز عشاء کی فرضیت اس امت کے خصائص میں سے ہے۔ کسی اور امت پر یہ نماز فرض نہیں تھی، یہ بات بعض اور احادیث میں اس سے زیادہ صراحت کے ساتھ مذکور ہوئی ہے۔

۲۷۰ عَنْ الثُّعْمَانِ بْنِ بَشِيرٍ قَالَ آتَانَا أَعْلَمُ بِوَقْتِ هَذِهِ الصَّلَاةِ صَلَاةِ الْعِشَاءِ إِلَّا بِحِجْرَةِ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يُصَلِّي بِهَا لِسُقُوطِ الْقَمَرِ لَيْلَةً . (رواہ ابوداؤد والترمذی)

حضرت ثعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا کہ اس نماز عشاء کے وقت کو میں تم سب سے زیادہ جاننے والا ہوں، رسول اللہ ﷺ نماز عشاء اس وقت پڑھا کرتے تھے جس وقت مہینہ کی تیسری رات میں چاند غروب ہوا کرتا ہے۔

..... تجربہ اور حساب سے معلوم ہوا ہے کہ تیسری رات کو چاند اکثر و بیشتر غروب آفتاب سے دو دو حائے گھنے بعد غروب ہوتا ہے، اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کا عام معمول اتنے ہی وقت نماز عشاء پڑھنے کا تھا۔

وقت نماز عشاء

۲۷۱ عَنْ عَائِشَةَ لَالَتْ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ لَيُصَلِّي الصُّبْحَ لَتَنْصَرِفَ النِّسَاءُ مُتَلَفِّفَاتٍ بِمُرُوطِهِنَّ مَا يَتَعَرَّفْنَ مِنَ الْفَلَسِ . (رواہ ابوسلمہ)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ صبح کی نماز (ایسے وقت) پڑھا کرتے تھے کہ عورتیں (نماز سے فارغ ہو کر اپنی چادروں میں لپی واپس جاتیں تو اندھیرے کی وجہ سے

پہچانی نہ جاسکتیں۔

تشریح..... مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ فجر کی نماز سویرے ایسے وقت میں پڑھتے تھے کہ نماز ختم ہونے کے بعد بھی اتنا اندھیرا رہتا تھا کہ مسجد سے اپنے گھر کو واپس جانے والی خواتین کو جو اپنی چادروں میں لپیٹی لپٹائی ہوتی تھیں ان کا کوئی جاننے پہچاننے والا ان کے قدم و قامت اور انداز رفتار سے پہچان نہیں سکتا تھا۔

(۲۵) عَنْ قَتَادَةَ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ وَزَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ تَسَحَّرُوا لَمَّا قَرَعَا مِنْ سُحُورِهِمَا لَمْ يَبْقَ إِلَهُ إِلَّا اللَّهُ إِلَى الصَّلَاةِ لَمْ يَلْبَسْ كُمٌ بَيْنَ قَرَعِهِمَا مِنْ سُحُورِهِمَا وَخُورِلَهُمَا فِي الصَّلَاةِ لَمْ يَذَرَا يَفْرُو الرُّجُلُ غَمِيضِينَ آيَةً.

حضرت قتادہ تابعی حضرت انسؓ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے خاص صحابی زید بن ثابتؓ نے ایک دن ساتھ حمری کھائی، پھر جب یہ دونوں حضرات حمری سے فارغ ہو گئے تو رسول اللہ ﷺ نماز فجر کے لیے کھڑے ہو گئے اور آپ نے نماز پڑھائی (قتادہ کہتے ہیں) ہم لوگوں نے پوچھا کہ ان دونوں کے کھانے سے فارغ ہونے اور نماز شروع کرنے کے درمیان کتنا وقفہ ہوا؟ انہوں نے بتایا کہ بس اس قدر کہ کوئی آدمی جتنی دیر میں قرآن مجید کی پچاس آیتیں پڑھے۔

تشریح..... پچاس آیتیں پڑھنے میں صرف چند منٹ صرف ہوتے ہیں۔ اس حساب سے اس دن فجر کی نماز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے گویا صبح صادق ہوتے ہی پڑھ لی تھی۔ حضورؐ کی عام عادت اگرچہ یہی تھی کہ فجر سویرے پڑھتے تھے، جیسا کہ ابھی حضرت صدیقہؓ کی حدیث سے بھی معلوم ہو چکا ہے، لیکن صبح صادق ہوتے ہی بالکل شروع وقت میں نماز پڑھ لینا آپ کا عام طریقہ نہیں تھا، جیسا کہ ابو ہریرہؓ اور عبد اللہ بن مسعودؓ وغیرہ کی حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے، اس لیے قرین قیاس یہ ہے کہ حضرت انسؓ نے جس دن کا یہ واقعہ بیان کیا ہے اس دن آپ نے کسی خاص وجہ سے نماز بالکل شروع وقت ہی میں پڑھ لی تھی، جس طرح ہم لوگ بھی کبھی کبھی خاص حالات میں ایسا کر لیتے ہیں۔ واللہ اعلم۔

(۲۶) عَنْ رَافِعِ بْنِ خَدِيجٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ "اسْفِرُوا بِالْفَجْرِ فَإِنَّهُ أَعْظَمُ لِلْأَجْرِ."

ترجمہ: صبحِ فجر میں اُسرنا بہت زیادہ ثواب کا باعث ہے۔

تشریح..... حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اسفار میں ادا کرو نماز فجر (یعنی صبح کا اجالا پھیل جانے پر فجر کی نماز پڑھو) کیونکہ اس میں زیادہ اجر و ثواب ہے۔

تشریح..... حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی مندرجہ بالا حدیث سے معلوم ہوا تھا کہ رسول اللہ ﷺ فجر کی نماز سویرے اور اتنے اندھیرے میں پڑھتے تھے کہ نماز سے فارغ ہونے کے بعد بھی ایسا اندھیرا رہتا تھا کہ نماز پڑھ کر گھر واپس جانے والی خواتین پہچانی نہیں جاسکتی تھیں۔

اور حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ کی اس حدیث سے معلوم ہوا کہ فجر کی نماز صبح کا اجالا پھیل

جانے پر پڑھنا افضل اور زیادہ ثواب کی بات ہے۔ ائمہ مجتہدین اور علماء دین نے اس اختلاف کو کئی طریقوں سے حل کیا ہے۔ اس عاجز کے نزدیک بعض اکابر علماء کی یہ توجیہ سب سے زیادہ رائج ہے کہ رافع بن حذتج کی اس حدیث کے مطابق فجر کے لیے افضل تو اسفار ہی ہے، یعنی یہ کہ کچھ تاخیر کر کے اس وقت پڑھی جائے جب صبح کا اجالا پھیل جائے، لیکن چونکہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں زیادہ تر لوگ تہجد پڑھنے والے اور فجر کے لیے اول وقت اٹھنے والے تھے (جیسا کہ آج تک بھی اہل صلاح و تقویٰ کا عام حال ہے) اس لیے ان کے لئے سہولت اسی میں تھی کہ فجر کی نماز تاخیر سے نہ پڑھی جائے۔ دیر کر کے اسفار میں پڑھنے کی صورت میں ان کو طویل انتظار کی زحمت اٹھانی پڑتی، اس لیے رسول اللہ ﷺ فجر کی نماز زیادہ تر سویرے غلّس ہی میں پڑھتے تھے، گویا جس طرح عشاء کی نماز کے لیے تہائی رات تک کی تاخیر افضل ہونے کے باوجود آپ عام مقتدیوں کی سہولت کے خیال سے عشاء عموماً سویرے پڑھتے تھے، اسی طرح فجر بھی لوگوں کی سہولت کے لیے غلّس میں یعنی اندھیرے میں پڑھتے تھے، اور پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ اللہ کے بندوں کی رعایت اور سہولت کی فضیلت وقت کی فضیلت سے مقدم اور بالاتر ہے۔

ہمارے زمانے میں چونکہ تہجد گزار اور فجر کے لیے اول وقت میں اٹھنے والے بہت کم ہیں اور زیادہ لوگوں کو سہولت اسفار میں (یعنی اجالا پھیل جانے پر پڑھنے میں) ہے، بلکہ فجر کی جماعت اگر اول وقت غلّس میں ہو تو نمازیوں میں سے بھی بہت کم شریک جماعت ہو سکیں گے۔ ان سب وجوہ سے ہمارے زمانے میں کچھ تاخیر کر کے اسفار ہی میں فجر کی نماز پڑھنا بہتر ہوگا، تاہم اگر کسی جگہ کے عام نمازی اول وقت ہی میں جمع ہو جاتے ہوں اور تاخیر میں ان کے لیے زحمت اور مشقت ہو تو ان کے لیے یہی بہتر ہوگا کہ وداول وقت یعنی غلّس ہی میں نماز پڑھ لیں جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کا اکثر معمول تھا۔ بہت سے دینی حلقوں میں رمضان مبارک میں فجر کی نماز اول وقت غلّس میں پڑھنے کا دستور اسی بنیاد پر ہے۔

آخر وقت نماز پڑھنے کے بارے میں

(۲۷) عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا قَالَتْ مَا صَلَّى رَسُولُ اللَّهِ ﷺ صَلَوةً لَوْ فِيهَا إِلَّا جَوْرَ مَرْتَبٍ حَتَّى لَبِثَهُ اللَّهُ تَعَالَى . (رواہ الترمذی)

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی ساری عمر میں دو دفعہ بھی کوئی نماز اسکے آخری وقت میں نہیں پڑھی، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اٹھالیا۔ (بیان ترمذی)

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے اپنے اس بیان میں دو دفعہ کی قید غالباً اس لیے لگائی ہے کہ ایک دفعہ ایک شخص کو ہر نماز کا اول و آخر وقت بتانے کے لیے آپ نے ایک دن کی نمازیں آخر وقت میں بھی پڑھ کر دکھائی تھیں۔ یہ واقعہ صحیح مسلم کے حوالے سے نمبر ۱۷۱ پر درج ہو چکا ہے۔ بہر حال اس بیان سے حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کا مقصد یہی ہے کہ نماز کو مؤخر کر کے آخری وقت میں پڑھنا حضور کا طریقہ

نہیں تھا۔

(۲۸) عَنْ عَلِيٍّ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ يَا عَلِيُّ ثَلَاثٌ لَا تُؤَخِّرُهَا الصَّلَاةُ إِذَا آتَتْ وَ الْجَنَازَةُ إِذَا حَضَرَتْ وَالْأَيُّمُ إِذَا وَجَدْتَ لَهَا مُخَوًّا . (رواه الترمذی)

ترجمہ: حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے ارشاد فرمایا، علی! تین کام وہ ہیں جن میں تاخیر نہ کرنا، نماز جب اس کا وقت آجائے اور جنازہ جب تیار ہو کر آجائے اور بے شوہر والی عورت جب اس کے لیے کوئی مناسب جوڑ مل جائے۔

تشریح:..... مطلب یہ ہے کہ ان تین کاموں میں ہمیشہ جلدی کی جائے، جو عورت کسی کے نکاح میں نہ ہو اس سے نکاح کرنے کے لیے جب کوئی مناسب آدمی تیار ہو جائے تو پھر نکاح میں دیر نہ کی جائے، اسی طرح جب جنازہ آجائے تو نماز جنازہ اور تدفین میں دیر نہ لگائی جائے علی بذاتِ جب نماز کا وقت آجائے (یعنی وہ وقت جس وقت کہ نماز پڑھنی چاہیے) تو پھر بلا تاخیر نماز پڑھ لی جائے۔

(۲۹) عَنْ أَبِي كَرِيٍّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ كَيْفَ أَنْتَ إِذَا كَانَتْ عَلَيْكَ أَمْرَاءُ يُؤْمِتُونَ الصَّلَاةَ أَوْ يُؤَخِّرُونَ عَنْ وَفِئِهَا ثَلَاثٌ لِمَا تَأْمُرُنِي؟ قَالَ صَلَّيْتُ الصَّلَاةَ لَوْ فِيهَا لَأَنْ أَدْرَكْتُهَا مَعَهُمْ لَصَلَّيْتُ لَأَنَّهُمَا لَكَ نَابِلَةٌ - (رواه مسلم)

ترجمہ: حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے فرمایا، تمہارا کیا حال اور کیا رویہ ہو گا جب ایسے (غلط کار اور ناخدا اتریں) لوگ تم پر حکمراں ہوں گے جو نماز کو مردہ اور بے روح کر دیں گے (یعنی ان کی نمازیں خشوع و خضوع اور آداب کا اہتمام نہ ہونے کی وجہ سے بے روح ہوں گی) کیا وہ نمازوں کو ان کے صحیح وقت کے بعد پڑھیں گے؟ میں نے عرض کیا تو آپ کا میرے لیے کیا حکم ہے، یعنی ایسی صورت میں مجھے کیا کرنا چاہیے؟ آپ نے فرمایا تم وقت آجانے پر اپنی نماز پڑھ لو، اس کے بعد اگر ان کے ساتھ نماز پڑھنے کا موقع آئے تو ان کے ساتھ پھر پڑھ لو۔ یہ تمہارے لیے نفل ہو جائے گی۔ (صحیح مسلم)

تشریح:..... بنی امیہ کے بعض خلفاء اور امراء کے زمانے میں یہ پیشین گوئی حرف بحرف پوری ہو چکی ہے۔ جن صحابہ کرامؓ نے ان کا زمانہ پایا جیسے حضرت انسؓ اور اکثر اکابر تابعین، ان کو یہ ابتلاء پیش آیا اور انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی اس ہدایت پر عمل کیا۔

سو نے یا بھول جانے کی وجہ سے نماز قضا ہو جائے تو

(۳۰) عَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مَنْ نَسِيَ صَلَاةً أَوْ نَامَ عَنْهَا فَكَفَّارَتُهَا أَنْ يُصَلِّيَهَا إِذَا ذَكَرَهَا . (رواه البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو کوئی نماز کو بھول گیا یا نماز

کے وقت سوتا رہ گیا تو اس کا کفارہ یہ ہے کہ جب یاد آئے یا سو کے اٹھے اسی وقت پڑھ لے۔

..... مطلب یہ ہے کہ جب سو کر اٹھے یا بھول جانے کی صورت میں جس وقت یاد آئے اسی وقت بلا تاخیر نماز پڑھ لے اس صورت میں وہ نماز ادا ہی کے حکم میں ہوگی اور اس شخص کو کوئی گناہ نہیں ہوگا۔ بعض سفروں میں رسول اللہ ﷺ کو خود یہ واقعہ پیش آیا کہ رات کے بیشتر حصہ میں آپ اور آپ کے رفقاء چلتے رہے، اس کے بعد کچھ آرام کر لینے کے ارادے سے لیٹ گئے اور حضرت بلالؓ نے خود جاگتے رہنے اور فجر کے لیے جگانے کی ذمہ داری لے لی۔ لیکن تقدیر الہی کہ صبح صادق کے بالکل قریب خود حضرت بلالؓ کی آنکھ لگ گئی اور سب سوتے رہ گئے۔ یہاں تک کہ سورج نکل آیا، سب سے پہلے رسول اللہ ﷺ کی آنکھ کھلی، پھر سب لوگ گھبرا کر اٹھے، سب کو نماز کا وقت نکل جانے کا اس دن بہت رنج اور صدمہ تھا، آنحضرت نے اذان دلو کر جماعت سے نماز پڑھی اور فرمایا کہ سوتے ہوئے نماز کا وقت نکل جانے سے گناہ نہیں ہوتا۔ گناہ اور جرم جب ہے جب آدمی جاگتے ہوئے اور دانستہ نماز قضا کر دے۔

اذان

رسول اللہ ﷺ جب مکہ معظمہ سے ہجرت فرما کر مدینہ طیبہ تشریف لائے اور نماز باجماعت ادا کرنے کے لیے مسجد بنائی گئی تو ضرورت محسوس ہوئی کہ جماعت کا وقت قریب ہونے کی عام اطلاع کے لیے اعلان کا کوئی خاص طریقہ اختیار کیا جائے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس بارہ میں صحابہ کرامؓ سے بھی مشورہ فرمایا، کسی نے کہا کہ اس کے لیے بطور علامت کوئی خاص جھنڈا بلند کیا جائے، کسی نے رائے دی کہ کسی بلند جگہ آگ روشن کر دی جائے، کسی نے مشورہ دیا کہ جس طرح یہودیوں کے عبادت خانوں میں زنگ لگایا جاتا ہے (ایک قسم کا بھونپو) بجایا جاتا ہے اسی طرح ہم بھی نماز کے اعلان اور بلاؤے کے لیے زنگ لگایا کریں، کسی نے انصاری والے ناقوس کی تجویز پیش کی، لیکن رسول اللہ ﷺ کو ان میں سے کسی بات پر بھی اطمینان نہیں ہوا اور آپ اس مسئلہ میں متشکر رہے، آپ کی اس فکر مندگی نے بعض صحابہ کرامؓ کو بھی بہت متفکر کر دیا ان میں سے ایک انصاری صحابی حضرت عبداللہ بن زید بن عبد ربیعؓ نے جو حضورؐ کو متفکر دیکھ کر بہت ہی فکر مند اور بے چین ہو گئے تھے، اسی رات خواب دیکھا (جس کی تفصیل آگے آنے والی حدیثوں سے معلوم ہوگی) اس خواب میں انہیں اذان اور اقامت کی تلقین ہوئی، انہوں نے صبح سویرے ہی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنا خواب عرض کیا۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا ”انشاء اللہ یہ رؤیا حق ہے“ یعنی یہ خواب مضاجب اللہ ہے۔ (یہ بات آپؐ نے یا تو اس لیے فرمائی کہ ان صحابی کے بیان کرنے سے پہلے ہی خود آپؐ پر بھی اس بارہ میں وحی آپؐ کی تھی یا خواب سننے کے بعد اللہ تعالیٰ نے آپؐ کے قلب مبارک میں یہ بات ڈالی) بہر حال آپؐ نے ان صحابی عبداللہ بن زیدؓ سے فرمایا کہ تم بلالؓ کو اذان کے ان کلمات کی تلقین کر دو، ان کی آواز زیادہ بلند ہے وہ ہر نماز کے لئے اسی طرح اذان دیا کریں۔ بس اس دن سے اذان کا یہ نظام قائم ہوا جو آج تک دین اسلام اور

امت مسلمہ کا خاص اخص شعار ہے۔ اس تمہید کے بعد اذان و اقامت سے متعلق ذیل کی حدیثیں پڑھئے!

اسلام میں اذان کا آغاز

عَنْ أَبِي عُمَيْرٍ بْنِ أَسَى عَنْ عُمُومَةٍ لَهُ مِنَ الْأَنْصَارِ قَالَ إِنْتَمِ النَّبِيُّ ﷺ لِلصَّلَاةِ كَيْفَ يُجْمَعُ النَّاسُ لَهَا فَبَيَّنَّ لَهُ أَنْصَبَ رَأْيَةٍ عِنْدَ حُضُورِ الصَّلَاةِ فَإِذَا رَأَوْهَا أَذَّنَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا فَلَمْ يُعْجَبْهُ ذَلِكَ لَأَنَّ وَدَّكَرْلَهُ الْفَنَعُ يَعْنِي شُؤْرَ الْيَهُودِ فَلَمْ يُعْجَبْهُ ذَلِكَ وَقَالَ هُوَ مِنْ أَمْرِ الْيَهُودِ لَأَنَّ لَدَيْكَ لَهُ الْفَنُوسُ فَقَالَ هُوَ مِنْ أَمْرِ النَّصَارَى لَأَنْصَرَفَ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ زَيْدٍ وَهُوَ مُهْتَمٌّ لَهُمْ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ فَأَرَى الْأَذَانَ فِي مَنَامِهِ لَأَنَّ لَقَدْ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ فَخَبَرَهُ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنِّي لَكِنِّي نَائِمٌ وَتَفْطَنُ إِذَا اتَّأَلَى ابْتُ لَأَرَأَيْتَ الْأَذَانَ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يَا بِلَالُ لَمْ لَانْظُرْ مَا يَأْمُرُكَ بِهِ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ زَيْدٍ لَفَاعَلَهُ لَأَنَّ لَأَذَانَ بِلَالُ - (رواه ابو داؤد)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ کے (سب سے بڑے) صاحبزادے ابو نعیر اپنے بعض چچوں سے جو انصاری صحابیوں میں سے تھے روایت کرتے ہوئے بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کو نماز کے لیے فکر ہوئی (اور آپ نے مشورہ بھی فرمایا) کہ اس کے لیے لوگوں کو کس طرح جمع کیا جائے اور کیا تدبیر اختیار کی جائے، پس بعض لوگوں نے عرض کیا کہ نماز کے وقت ایک جھنڈا نصب کیا جائے، جب لوگوں کی اس پر نگاہ پڑے گی تو ایک دوسرے کو اطلاع کر دیں گے، رسول اللہ ﷺ کو یہ رائے پسند نہ آئی، راوی کا بیان ہے کہ اس سلسلہ میں آپ کے سامنے یہودیوں کے بھونپوکا بھی ذکر کیا گیا، آپ نے فرمایا وہ تو یہودیوں کی چیز اور ان کا طریقہ ہے اور اس کو بھی آپ نے پسند نہ کیا، پھر ناقوس کا ذکر کیا گیا۔ آپ نے فرمایا وہ نصاریٰ کا طریقہ اور ان کی چیز ہے۔ (الغرض اس مجلس میں کوئی بات طے نہیں ہو سکی) اس معاملہ میں رسول اللہ ﷺ کی غیر معمولی فکر مندی کو دیکھ کر آپ کے ایک انصاری صحابی عبد اللہ بن زید بن عبد ربہ بھی بہت فکر مند ہوئے اور اسی فکر مندی کی حالت میں حضور کی مجلس سے واپس آ کر پڑ گئے، پھر نیم خواب اور نیم بیداری کی حالت میں انہوں نے اذان سے متعلق خواب دیکھا (اس خواب کی پوری تفصیل آگے آنے والی حدیث سے معلوم ہو جائے گی) وہ صبح سویرے حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ رات جب کہ میری حالت یہ تھی کہ نیم خفتہ اور نیم بیدار تھا، نہ پوری طرح بیدار تھا اور نہ سویا ہوا تھا، میرے پاس کوئی آنے والا آیا اور اس نے مجھے اذان کہہ کر دکھائی..... (پھر انہوں نے خواب کی پوری تفصیل سنائی) حضور نے فرمایا، بلال! اٹھو اور بن عبد اللہ بن زید تم سے جو کہیں اور جو بتائیں وہی کرو (یعنی ان کی تلقین کے مطابق اذان دو) راوی کا بیان ہے کہ پھر بلال نے اس حکم کی تعمیل کی اور اذان دی۔ (سنن ابی داؤد)

فائدہ:..... ابو داؤد کی اس روایت میں یہ بھی مذکور ہے کہ عبد اللہ بن زید کے حضور کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنا خواب بیان کرنے سے پہلے ہی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی ایسا ہی خواب دیکھا تھا، لیکن جب

اقامت میں ان کو صرف ایک ایک دفعہ کہا گیا ہے۔ آگے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی جو روایت آرہی ہے اس سے بھی یہی بات معلوم ہوتی ہے کہ اقامت میں ان کلمات کے ایک ہی ایک دفعہ کہنے کا حکم تھا، لیکن بعض دوسری حدیثوں میں (جن میں سے بعض آگے درج بھی کی جا رہی ہیں اور ان کی بھی صحت مسلم ہے) اذان کی طرح اقامت میں بھی ان کلمات کا دو دو دفعہ کہنا وارد ہوا ہے۔ بعض ائمہ نے اپنے اصول اور اپنے معلومات کی بناء پر ایک ایک دفعہ والی روایات کو ترجیح دی ہے اور بعض نے دوسری قسم کی روایات کو، لیکن اس میں شبہ نہیں کہ اقامت کی یہ دونوں صورتیں ثابت ہیں اور اختلاف صرف ترجیح اور افضلیت میں کیا جاسکتا ہے۔

۳۳ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ لَمَّا كَفَّرَ النَّاسُ دُكْرُوا أَنْ يُعْلِمُوا وَقْتُ الصَّلَاةِ بِشَيْئٍ يَغْفِرُونَ لَهُمْ أَنْ يُوْذُوا أَوْ يَضْرَبُوا أَلْفَوْا فَأَمَرَ بِلَالٌ أَنْ يَشْفَعَ الْأَذَانَ وَيُؤَيِّرَ الْإِقَامَةَ .

(رواہ البحری : مسلمہ و اللفظ لہ)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، بیان فرماتے ہیں کہ (نماز کے لیے مسجد میں آنے والے) آدمیوں کی تعداد جب بڑھ گئی تو انہوں نے آپس میں اس مسئلہ پر گفتگو کی کہ کسی ایسی چیز کے ذریعہ نماز کے وقت کا اعلان کیا کریں جس کو لوگ پہچان لیا کریں (تاکہ جلدی ہر وقت جمع ہو جایا کریں) اس سلسلہ میں یہ بھی ذکر آیا کہ آگ روشن کی جایا کرے یا ناقوس بجایا جائے پھر (آخر کار اس معاملہ کا اختتام اس پر ہوا کہ) بلال کو حکم دیا گیا کہ وہ اذان میں (کلمات اذان کو) دو دو دفعہ کہنا کریں اور اقامت میں ایک ایک دفعہ۔ (صحیح بخاری، صحیح مسلم)

ترجمہ..... اس حدیث میں واقعہ کو بہت ہی اختصار سے بیان کیا گیا ہے، یہاں تک کہ عبد اللہ بن زید کے خواب وغیرہ کا ذکر بھی نہیں کیا گیا ہے۔ واقعات کے بیان کرنے والے ایسا اختصار کرنے میں اس وقت کوئی مضائقہ نہیں سمجھتے جب وہ اندازہ کرتے ہیں کہ ہمارا مخاطب واقعہ کی تفصیل سے واقف ہے یا کسی اور وجہ سے وہ پوری تفصیل کا ذکر کرنا اس وقت غیر ضروری سمجھتے ہیں۔

جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا تھا حضرت انس رضی اللہ عنہ کی اس حدیث میں بھی کلمات اقامت ایک ایک دفعہ کہنے کا ذکر کیا گیا ہے، جو حضرات اقامت میں بھی اذان کی طرح ہر کلمہ دو دفعہ کہنے کے حق میں ہیں وہ مذکورہ بالا ان دونوں حدیثوں کے بارہ میں کہتے ہیں کہ یہ اس ابتدائی دور سے متعلق ہیں جب اذان کی شروعات ہوئی تھی اس کے بعد عرصہ تک یہی طرز عمل رہا۔ لیکن سات آٹھ سال کے بعد غزوہ خنین سے واپسی پر جب رسول اللہ ﷺ نے ابو محذورہ رضی اللہ عنہ کو اذان اور اقامت کی تلقین فرمائی ہے تو اس میں آپ نے اقامت میں بھی ہر کلمہ دو دو دفعہ کہنے کی تلقین کی ہے جیسا کہ آگے درج ہونے والی حدیث سے معلوم ہوگا۔ اس لیے بعد کا حکم ہونے کی وجہ سے اسی کو ترجیح ہے۔

اس عاجز کے نزدیک اس مسئلہ میں حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کا یہ فیصلہ ”خلاف آخر“ ہے کہ اذان

واقامت کے کلمات کے بارے میں یہ اختلاف قرآن مجید کی مختلف قراتوں کا سا اختلاف ہے اور ہر دو طریقہ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے صحیح اور کافی ہے۔^①

البر محمد ورواه ابن القيمين

(٣٤) عَنْ أَبِي مَعْلُورَةَ قَالَ أَلْقَى عَلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ الْتَائِيَيْنِ هُوَ بِنَفْسِهِ فَقَالَ لَيْلَ اللَّهِ أَكْبَرُ اللَّهُ أَكْبَرُ، اللَّهُ أَكْبَرُ اللَّهُ أَكْبَرُ، أَفْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ، أَفْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ، أَفْهَدُ أَنْ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ، أَفْهَدُ أَنْ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ ثُمَّ تَعَوَّدَ لِقَوْلِ أَفْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ . أَفْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ، أَفْهَدُ أَنْ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ، أَفْهَدُ أَنْ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ، حَتَّى عَلَى الصَّلَاةِ، حَتَّى عَلَى الصَّلَاةِ، حَتَّى عَلَى الْفَلَاحِ، حَتَّى عَلَى الْفَلَاحِ . اللَّهُ أَكْبَرُ اللَّهُ أَكْبَرُ . لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ . (رواه مسلم)

حضرت ابو محمد و رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اذان پڑھنا مجھے رسول اللہ ﷺ نے بہ نفس نفیس سکھایا۔ مجھ سے فرمایا کہو:-

[illegible]

(٣٥) عَنْ أَبِي مَخْلُودَةَ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ عَلَّمَهُ الْأَذَانَ بِسَعِ عَشْرَةِ كَلِمَةٍ وَإِلَّا لَأَمَتَ بِسَعِ عَشْرَةِ كَلِمَةٍ - (رواه أحمد و الترمذی و ابوداؤد و الساتی و الدارمی و ابن ماحه)

ترجمہ: حضرت ابو مخذور رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے اذان سکھائی انہیں کلمے اور اقامت سترہ کلمے۔ (مسند امام باقر علیہ السلام، ج ۱، ص ۱۰۷، طبع مکتبۃ النبی، طبع ۱۴۱۱ھ)

تشریح..... حضرت ابو محذورہ کی اوپر والی روایت میں اذان کے پورے انیس کلمے ہیں کیونکہ شہادت کے چاروں کلمے اس میں مکرر آئے ہیں اور اقامت میں سترہ کلمے اس طرح ہوں گے کہ شہادت کے کلمے مکرر نہ ہونے کی وجہ سے چار کلمے کم ہو جائیں گے اور ”قد قامت الصلوٰۃ“، ”قد قامت الصلوٰۃ“ دو کلموں کا اضافہ ہو جائے گا، اس کی اور بیشی کے بعد ان کی تعداد پوری سترہ ہو جائے گی۔

ابو محمد ورہ کو لوٹان سکھانے کا یہ واقعہ شوال ۱۱ھ کا ہے جب رسول اللہ - غزوہ حنین سے فارغ ہو کر واپس آرہے تھے۔ اس واقعہ کی تفصیل جو مختلف روایات کے جمع کرنے سے معلوم ہوئی ہے، دلچسپ بھی ہے اور ایمان افروز بھی۔ اس لیے اس کا ذکر کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب فتح مکہ سے فارغ ہو کر اپنے لشکر کے ساتھ حنین کی طرف تشریف لے گئے، جبکہ آپ کے ساتھ ایک خاصی بڑی تعداد ان طلقا کی بھی ہو گئی تھی جن کو آپ نے فتح مکہ کے دن ہی معافی دے کر آزاد کیا تھا، تو یہ ابو محذورہ بھی جو اس وقت ایک شوخ نوجوان تھے اور مسلمان بھی نہیں ہوئے تھے اپنے ہی جیسے نواور یار دوستوں کے ساتھ حنین کی طرف چل دیئے۔ خود بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ حنین سے واپس ہو رہے تھے۔ راستہ ہی میں حضورؐ سے ہماری ملاقات ہوئی۔ نماز کا وقت آنے پر رسول اللہ ﷺ کے مؤذن نے اذان دی۔ ہم سب اس اذان سے (بلکہ اذان والے دین ہی سے) منکر و متعزرف تھے اس لیے ہم سب ساتھی مذاق اور تمسخر کے طور پر اذان کی نقل کرنے لگے اور میں نے بالکل مؤذن ہی کی طرح خوب بلند آواز سے نقل کرنی شروع کی، رسول اللہ ﷺ کو آواز پہنچ گئی تو آپ نے ہم سب کو بلوا بھیجا، ہم لا کر آپ کے سامنے پیش کر دیئے گئے، آپ نے فرمایا بتاؤ تم میں وہ کون ہے جس کی آواز بلند تھی۔ (ابو محذورہ کہتے ہیں کہ) میرے سب ساتھیوں نے میری طرف اشارہ کر دیا، اور بات سچی بھی تھی، آپ نے اور سب کو تو چھوڑ دینے کا حکم دے دیا اور مجھے روک لیا اور فرمایا کھڑے ہو اور پھر اذان کہو (ابو محذورہ کا بیان ہے کہ) اس وقت میرا حال یہ تھا کہ رسول اللہ ﷺ سے اور آپ نے جس اذان کے دینے کا حکم دیا تھا اس سے زیادہ مکر وہ اور مغرض میرے لیے کوئی چیز بھی نہ تھی، یعنی میرا دل (معاذ اللہ) آپ کی نفرت اور بغض سے بھرا ہوا تھا، لیکن میں مجبور اور بے بس تھا اس لیے ناچار حکم کی تعمیل کے لیے کھڑا ہو گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے خود اذان بتائی شروع کی اور فرمایا کہو: ”اللہ اکبر، اللہ اکبر، اللہ اکبر“ (آخر تک بالکل اسی طرح جس طرح اوپر والی حدیث میں گزر چکی ہے۔ آگے ابو محذورہ بیان کرتے ہیں) جب میں اذان ختم کر چکا تو آپ نے مجھے ایک تھیلی عنایت فرمائی جس میں کچھ چاندی تھی، اور میرے سر کے اگلے حصہ پر آپ نے اپنا دست مبارک رکھا اور پھر آپ نے دست مبارک میرے چہرے پر اور پھر میرے سامنے کے حصہ پر یعنی سینے پر اور پھر قلب و جگر پر اور پھر نیچے ناف کی جگہ تک پھیرا۔ پھر مجھے یوں دعا دی ”اللہ فیک و باریک اللہ علیک“ (اللہ تعالیٰ تیرے اندر برکت دے اور تجھ پر برکت نازل فرمائے) یہ دعا آپ نے مجھے تین دفعہ دی (حضورؐ کی اس دعا اور دست مبارک کی برکت سے میرے دل سے کفر اور نفرت کی وہ لعنت دور ہو گئی اور ایمان اور محبت کی دولت مجھے نصیب ہو گئی) اور میں نے عرض کیا کہ مجھے مکہ معظمہ میں مسجد حرام کا مؤذن بنادیتے! آپ نے فرمایا کہ جلاؤ ہم حکم دیتے ہیں اب مسجد حرام میں تم اذان دیا کرو!۔

اس پوری تفصیل سے یہ بات آسانی سے سمجھ میں آسکتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان سے شہادت کے کلمے ”اشہد ان لا اله الا اللہ اور اشہد ان محمداً رسول اللہ مکرر یعنی بجائے دو دو دفعہ کے چار چار دفعہ کیوں کہلوائے، غالباً اس کی وجہ یہ تھی کہ ان کے دل میں اس وقت تک ایمان آیا نہیں تھا، انہوں نے صرف حکم سے مجبور ہو کر اپنے اس وقت تک کے عقیدے کے بالکل خلاف اذان دینی شروع کر دی تھی اور اذان کے کلمات میں سب سے زیادہ ناگواران کو اس وقت شہادت کے یہی دو کلمے تھے (یعنی اشہد ان لا اله الا اللہ اور اشہد ان محمداً رسول اللہ) جب ایک دفعہ کہہ چکے تو حضورؐ نے فرمایا ان کلموں کو پھر دوبارہ کہو

اور خوب بلند آواز سے کہو۔ اس عاجز کا خیال ہے کہ آپ ان کی زبان سے یہ کلمے کہلوار ہے تھے اور خود اللہ تعالیٰ کی جانب متوجہ تھے کہ وہ ان کلموں کو اپنے اس بندے کے دل میں اتار دے، الغرض یہ بات بالکل قرین قیاس ہے کہ اس وقت کی ان کی خاص حالت کی وجہ سے آپ نے شہادت کے یہ کلمے مکرر کہلوائے ہوں ورنہ کسی صحیح روایت سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے مستقل مؤذن حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو یہ حکم دیا ہو اور وہ اذان میں شہادت کے یہ کلمے اس طرح چار چار دفعہ کہتے ہوں، اسی طرح عبد اللہ بن زیدؓ کے خواب کی صحیح روایت میں بھی شہادت کے یہ کلمے دو ہی دفعہ وارد ہوئے ہیں۔ لیکن اس میں شبہ نہیں کہ ابو محذورؓ مکہ معظمہ میں ہمیشہ اسی طرح اذان دیتے رہے یعنی ان کلموں کو مذکورہ بالا ترتیب کے مطابق چار چار دفعہ کہتے رہے جس کو اصطلاح میں (ترجیع) کہتے ہیں جس کی وجہ غالباً یہ تھی کہ حضورؐ نے جس طرح ان سے اذان کہلوائی تھی اور جس کی برکت سے ان کو دین کی دولت ملی تھی وہ ایک عاشق کی طرح چاہتے تھے کہ ہو بہو وہی اذان ہمیشہ دیا کریں ورنہ وہ یہ ضرور جانتے ہوں گے کہ حضورؐ کے مؤذن بلالؓ کس طرح اذان دیتے ہیں۔ اسی واقعہ کی روایات میں یہ بھی آتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ابو محذورہ کے سر کے اگلے حصے (ناصیہ) پر جہاں دست مبارک رکھا تھا وہاں کے اپنے بالوں کو کبھی کٹواتے نہیں تھے، اس عاجز کا خیال ہے کہ جیسی یہ ان کی ایک عاشقانہ ادا تھی اسی طرح ان کی ایک ادائیہ بھی تھی کہ وہ ہمیشہ ترجیع کے ساتھ اذان کہتے تھے، اور بلاشبہ حضورؐ کو اس کا علم تھا لیکن حضورؐ نے منع نہیں فرمایا، اس لیے اس کے بھی جواز میں کسی شبہ کی گنجائش نہیں! اور حقیقت وہی ہے جو حضرت شاہ ولی اللہؒ نے بیان فرمائی ہے کہ اذان و اقامت کے کلمات کا یہ اختلاف بس مختلف قرأتوں کا سا اختلاف ہے۔ واللہ اعلم

اذان و اقامت میں دین کے بنیادی اصولوں کی تعلیم و دعوت

اذان و اقامت کے سلسلہ میں یہاں اس حقیقت کی طرف اشارہ بھی ناظرین کے لیے انشاء اللہ مفید اور موجب بصیرت ہو گا کہ اگرچہ یہ دونوں چیزیں بظاہر وقت نماز کے اعلان کا ایک وسیلہ اور نماز کا بلاوا ہیں لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے ایسے جامع کلمات الہام فرمائے ہیں جو دین کی روح بلکہ دین کے پورے بنیادی اصولوں کی تعلیم و دعوت کو اپنے اندر سمیٹے ہوئے ہیں، دین کے سلسلے میں سب سے پہلی چیز اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کا مسئلہ ہے اس بارہ میں اسلام کا جو نظریہ ہے اس کے اعلان کے لئے اللہ اکبر اللہ اکبر سے بہتر اور اتنے جاندار الفاظ تلاش نہیں کئے جاسکتے، اس کے بعد نمبر آتا ہے عقیدہ توحید کا بلکہ صفات کا مسئلہ اسی سے صاف اور مکمل ہوتا ہے اس کے لئے اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ صبیحا جاندار اور مؤثر کوئی دوسرا مختصر کلمہ منتخب نہیں کیا جاسکتا۔ پھر اس حقیقت کے واضح اور معلوم ہو جانے کے بعد کہ بس اللہ ہی ہمارا الٰہ و معبود ہے، یہ سوال فوراً سامنے آ جاتا ہے کہ اس اللہ تک پہنچنے کا راستہ یعنی اس سے بندگی کا صحیح رابطہ قائم کرنے کا طریقہ کہاں سے معلوم ہو سکے گا؟ اس کے جواب کے لیے اَشْهَدُ اَنْ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللّٰہِ بہتر کوئی کلمہ نہیں سوچا جاسکتا، اس کے بعد ”حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃ“ کے ذریعہ اس صلوٰۃ کی دعوت دی جاتی ہے جو اللہ تعالیٰ کی

عبادت و بندگی اور اس سے رابطہ قائم کرنے کا سب سے اعلیٰ ذریعہ ہے، اور اللہ کی طرف چلنے والے کا سب سے پہلا قدم بھی ہے۔ اس کے بعد ہی حلی الفلاح کے ذریعہ اس حقیقت کا اعلان کیا جاتا ہے کہ یہی راستہ فلاح یعنی نجات و کامیابی کی منزل تک پہنچانے والا ہے، اور جو لوگ اس راستہ کو چھوڑ کر دوسری راہوں پر چلیں گے وہ فلاح سے محروم رہیں گے، گویا اس میں عقیدہ آخرت کا اعلان ہے اور ایسے الفاظ کے ذریعہ اعلان ہے کہ ان سے صرف عقیدہ ہی کا علم نہیں ہوتا بلکہ وہ زندگی کا سب سے اہم اور قابل فکر مسئلہ بن کر ہمارے سامنے کھڑا ہو جاتا ہے اور آخر میں **لِلّٰہِ الْکِبْرُ لِلّٰہِ الْکِبْرُ** لا الہ الا اللہ کے ذریعہ پھر یہ اعلان اور پکار ہے کہ انتہائی عظمت و کبریا کی والا بس اللہ ہی ہے اور وہی بلا شرکت غیرے الہ برحق ہے۔ اس لیے بس اسی کی رضا کو اپنا مطلوب و مقصود بنو۔

بار بار غور کیجئے کہ اذان و اقامت کے ان چند کلمات میں دین کے بنیادی اصولوں کا کس قدر جامع اعلان ہے اور کتنی جاندار اور مؤثر دعوت ہے۔ گویا ہماری ہر مسجد سے روزانہ پانچ وقت دین کی یہ پیغام و دعوت نشر کی جاتی ہے۔

ہم مسلمان اگر انتہائی سربلین کہ اپنے ہر بچے کو اذان یاد کروائیں اور کسی قدر تفصیل کے ساتھ اس کا مطلب سمجھا دیں، خصوصاً انسیدان لا الہ الا اللہ اور انسیدان محمد رسول اللہ کا مطلب زمان اور ماحول کے مطابق سمجھا دیں تو انشاء اللہ وہ کبھی کسی غیر اسلامی دعوت کا شکار نہ ہو سکے گا۔ اذان و اقامت متعلق بعض احکام:

۳۶ عَنْ جَابِرٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ لَيْلَالٍ إِذَا أَلَنْتَ فَارْمِلْ وَإِذَا أَلَمْتَ فَأَحْدِمْ وَاجْعَلْ بَيْنَ أَذَانِكَ وَالْأَمَانَةِ قَدْ رَمَا يَفْرُغُ الْأَكْلُ مِنَ الْكَلْبِ وَالشَّارِبُ مِنْ شُرْبِهِ وَالْمُعْتَصِرُ إِذَا دَخَلَ لِقَضَاءٍ حَاجِبِهِ وَلَا تَقْرَأُوا حَتَّى تَرَوْنِي . (رواہ الترمذی)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب تم اذان دو تو آہستہ آہستہ اور ٹخیر ٹخیر کر دیا کرو (یعنی ہر کلمہ پر سانس توڑ دو اور وقفہ کیا کرو) اور جب اقامت کہو تو رواں کہا کرو، اور اپنی اذان اور اقامت کے درمیان اتنا فاصلہ کیا کرو کہ جو شخص کھانے پینے میں مشغول ہے، وہ فارغ ہو جائے اور جس کو اشیاء کا تقاضا ہے وہ جا کر اپنی ضرورت سے فارغ ہو لے اور کھڑے نہ ہو اگر وہ جب تک کہ مجھے دیکھ نہ لو۔ (ابن ماجہ)

تشریح ... اس حدیث میں اذان و اقامت سے متعلق جو ہدایات دی گئی ہیں وہ تو بالکل واضح ہیں۔ کسی تشریح کی محتاج نہیں، البتہ آخری ہدایت ”وَلَا تَقْرَأُوا حَتَّى تَرَوْنِي“ (اور کھڑے نہ ہو اگر وہ جب تک کہ مجھے دیکھ نہ لو) وضاحت طلب ہے، غالباً بھی سمجھی ایسا ہو تا تھا کہ حجرہ شریف سے حضور کے مسجد تشریف لانے سے پہلے یہ اندازہ کر کے کہ آپ نماز پڑھانے کے لیے غنقریب باہر تشریف لانے والے ہیں، لوگ نماز کے لیے کھڑے ہو جاتے تھے اس کی آپ نے ممانعت فرمادی اور ارشاد فرمایا کہ میں جب تک مسجد میں نہ آؤں اور تم مجھے دیکھ نہ لو اس وقت تک کھڑے نہ ہو آؤ۔ اس ممانعت کی یہ وجہ تو ظاہر ہے کہ پہلے سے کھڑے ہو جانا بے وجہ کی تکلیف اٹھانا ہے اور ہو سکتا ہے کہ کسی وجہ سے آپ کو تشریف لانے میں تاخیر ہو جائے، لیکن اس

کے علاوہ آپ کی توضیح پسند طبیعت کے لیے یہ بات بھی تکلیف اور گرانی کا باعث ہوتی ہوگی کہ اللہ کے بندے صف باندھ کر آپ کے انتظار میں کھڑے ہوں۔

۳۷. عَنْ سَعْدِ مُؤَذِّنِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ أَمَرَ بِمَا لَا أَنْ يَجْعَلَ إِصْبَعِيهِ فِي أَذُنَيْهِ قَالَ اللَّهُ أَزْلَعُ لَصُورِكَ . (رواہ ابن ماجہ)

سعد قرظ جو (مسجد قبا) میں رسول اللہ ﷺ کے مقرر کئے ہوئے مؤذن تھے ان سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بلال کو حکم دیا کہ اذان دیتے وقت دو اپنی دونوں انگلیاں کانوں میں دے لیا کریں، آپ نے ان سے فرمایا کہ ایسا کرنے سے تمہاری آواز زیادہ بلند ہو جائے گی۔ (ابن ماجہ)

۳۸. عَنْ زِيَادِ بْنِ الْحَارِثِ الصَّدَائِي قَالَ أَمَرَنِي رَسُولُ اللَّهِ ﷺ أَنْ أَذِّنَ فِي صَلَوةِ الْفَجْرِ لَأَذُنْتُ لَأَزَادَ بَلَالٌ أَنْ يَقِيمَ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِنَّ أَحَاصِدَاءَ قَدْ أَذَنَ وَمَنْ أَذَنَ لَهُمْ يَقِيمُ . (رواہ فضیل بن عیاض و ابن ماجہ)

زیاد بن حارث صدائی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ فجر کی نماز کے وقت رسول اللہ ﷺ نے مجھے حکم دیا کہ تم اذان پڑھو میں نے اذان پڑھی۔ اس کے بعد جب اقامت کہنے کا وقت آیا تو بلال نے ارادہ کیا کہ اقامت وہ نہیں تو حضور نے (میرے متعلق) فرمایا کہ اس صدائی نے اذان پڑھی ہے اور قاعدہ یہ ہے کہ جو اذان پڑھے وہی اقامت کہے۔ (ابن ماجہ، ابن ابی شیبہ، ابن ابی حاتم، ابن ابی عمیر)

۳۹. عَنْ عُثْمَانَ بْنِ أَبِي الْعَاصِ قَالَ إِذَا مِنْ آخِرِ مَا عَهْدَ إِلَيَّ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ أَنْ الْجَلْمُؤُوتَا لَا يَأْخُذُ عَلَى أَذَانِهِ أَجْرًا . (رواہ الترمذی)

عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے (جب طائف کا عامل بنا کر مجھے روانہ فرمایا تو اس وقت آپ نے) آخر میں جو تاکید مجھے فرمائی ان میں سے ایک یہ ہدایت بھی تھی کہ کوئی ایسا مؤذن مقرر کر لینا جو اذان پڑھنے کی مزدوری نہ لے (بس اللہ کے لیے اور آخرت کے ثواب کی نیت سے اذان پڑھا کرے)۔ (ابن ماجہ)

تشریح: اس حدیث کی روشنی میں اکثر ائمہ دین کا جن میں امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ بھی شامل ہیں مسلک یہ ہے کہ اذان پڑھنے کی تنخواہ اور اجرت لینا درست نہیں ہے۔ دوسرے حضرات نے رسول اللہ ﷺ کی اس ہدایت کو تقویٰ اور عزیمت پر محمول کیا ہے۔ حنیفہ میں سے بھی متاخرین اہل فتویٰ نے زمانہ کے بدلے ہوئے حالات کے تحت اس میں گنجائش سمجھی ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ اذان اور امامت جیسے دینی اعمال کی عظمت اور تقدس کا تقاضا یہی ہے کہ وہ خالصا لوجہ اللہ ہوں اور تنخواہ کا معاملہ اگر ناگزیر ہی ہو تو دوسری متعلقہ خدمتوں اور پابندیوں کے عوض میں ہو اور معاملہ کے وقت یہ بات صاف کر لی جائے۔

۴۰. عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ الْإِمَامُ ضَامِنٌ وَالْمُؤَذِّنُ مُؤْتَمَنٌ اللَّهُمَّ ارْزُقِ الْإِمَامَةَ

وَأَغْفِرَ لِلْمُؤْمِنِينَ . (رواہ احمد و ابو داؤد و الترمذی و الشافعی)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ امام ضامن اور ذمہ دار ہے اور مؤذن امین ہے، اے اللہ (اماموں کو ٹھیک چلنے کی توفیق دے اور مؤذنین کی مغفرت فرما۔

۱۰۔ امام احمد بن حنبل، مسند امام احمد بن حنبل، ج ۱، ص ۱۰۰

ترجمہ..... مطلب یہ ہے کہ امام پر اپنی نماز کے علاوہ مقتدیوں کی نماز کی بھی ذمہ داری ہے اس لیے اس کو اپنے امکان کی حد تک ظاہر اور باطناً اچھی سے اچھی نماز پڑھنے کی کوشش کرنی چاہئے اور مؤذن پر لوگوں نے اذان کے بارے میں اعتماد کیا ہے، لہذا اس کو چاہیے کہ وہ اپنے ذاتی مصالح اور خواہشات کی روایت کے بغیر صحیح وقت پر اذان پڑھے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس حدیث میں مؤذن اور امام دونوں کی ذمہ داری بتلائی اور دونوں کے حق میں دعائے خیر فرمائی۔

(۴۱) عَنْ مَالِكِ بْنِ النُّعْمَانِ قَالَ أَتَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ أَنَا وَابْنُ عَمٍّ لِي فَقَالَ إِذَا سَأَلْتُكُمْ مَا لَنَا وَاقِيمَا وَلِيُّكُمَا أَخْبِرْهُمَا . (رواہ البخاری)

ترجمہ..... مالک بن النعمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور میرے ایک چچا زاد بھائی بھی ساتھ تھے، تو حضور نے ارشاد فرمایا کہ جب تم سفر کرو تو نماز کے لیے اذان اور اقامت کہو اور جو تم میں بڑا ہو وہ امامت کرے اور نماز پڑھائے۔ (مسند احمد، ج ۱)

ترجمہ..... صحیح بخاری ہی کی دوسری ایک روایت میں ہے کہ یہ مالک بن النعمان اپنے قبیلہ کے بعض آدمیوں کے ساتھ حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے اور دین سیکھنے اور حضور کے فیض صحبت سے مستفید ہونے کی نیت سے قریبائیں دن قیام کیا تھا، اپنی اس روایت میں انہوں نے حضور کے جس ارشاد کا ذکر کیا ہے وہ غالباً اس وقت کا ہے جب وطن واپس جانے کے لیے رسول اللہ ﷺ نے ان کو رخصت فرمایا تھا۔ اس میں آپ نے ان کو دو ہدایتیں فرمائی تھیں ایک یہ کہ سفر میں بھی نماز کے لیے اذان و اقامت کا اہتمام کیا جائے، اور دوسری یہ کہ جو بڑا ہو وہ امامت کرے، چوتھ دین اور ظلم دین کے لحاظ سے یہ اور ان کے ساتھی بظاہر برابر تھے، کسی کو دوسرے کے مقابلے میں کوئی خاص فضیلت اور فوقیت حاصل نہیں تھی اس لیے رسول اللہ نے ان کو یہ ہدایت فرمائی کہ تم میں عمر کے لحاظ سے جو بڑا ہو وہ امامت کرے اور ایسی صورت میں یہی اصول اور مسئلہ ہے۔

اذان اور مؤذنین کی فضیلت

(۴۲) عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ لَا تَسْمَعُ مَدَى صَوْتِ الْمُؤَذِّنِ جَنْ وَلَا إِنْسٍ وَلَا حَيٍّ إِلَّا حَسَدَ لَهُ يَوْمَ الْقِيَمَةِ . (رواہ البخاری)

ترجمہ..... حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مؤذن کی آواز جہاں تک پہنچتی ہے وہاں تک جو جن اور جو انسان اور جو چیز بھی اس کی آواز سنتی ہے وہ قیامت کے دن ضرور

اس کے حق میں شہادت دے گی۔ (تفسیر)

تشریح..... اللہ تعالیٰ نے اس کائنات کی ہر چیز کو اپنی معرفت کا کوئی حصہ عطا فرمایا ہے^(۱) اور اس سے کسی نہ کسی طرح (سبح حسہ۔ الایہ) اس لیے جب مؤذن اذان دیتا ہے اور اس میں اللہ تعالیٰ کی کبریائی اور اس کی توحید اور اس کے رسول کی رسالت اور اس کی دعوت کا اعلان کرتا ہے تو جن و انس کے علاوہ دوسری مخلوقات بھی اس کو سنتی اور سمجھتی ہیں اور قیامت میں اس کی شہادت ادا کریں گی۔ بلاشبہ اذان اور مؤذنوں کی یہ بڑی قابل رشک فضیلت ہے۔ وحی دلت فلتدلس الشیطان

(۴۳) عَنْ جَابِرٍ لَّانَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقُولُ إِنَّ الشَّيْطَانَ إِذَا سَمِعَ الْإِذَاءَ بِالصَّلَاةِ كُذِّبَ حَتَّى يَكُونَنَّ مَكَانَ الرُّوحَاءِ. (رواہ مسلم)

ترجمہ..... حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے، فرماتے تھے کہ شیطان جب نماز کی پکار یعنی اذان سنتا ہے تو مقام روحاء کے برابر دور چلا جاتا ہے۔ (تفسیر)

تشریح..... اللہ کی مخلوق میں بعض چیزیں ایسی ہیں جو بعض دوسری چیزوں کے لیے ناقابل برداشت ہیں۔ مثلاً اندھیرے کے لیے آفتاب ناقابل برداشت ہے۔ آفتاب کے نکلنے ہی اندھیرا کافور ہو جاتا ہے۔ اسی طرح سردی کے لیے آگ ناقابل برداشت ہے، جہاں آگ روشن کر دی جائے وہاں سے سردی دفع ہو جاتی ہے، بس کچھ یہی حال شیطان کا اذان کی پکار سے ہوتا ہے، رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے کہ جیسے ہی وہ اس کو سنتا ہے اتنی دور چلا جاتا ہے جتنی دور مدینہ سے مثلاً مقام روحاء ہے۔ (حضرت جابرؓ سے اس حدیث کے روایت کرنے والے راوی طلحہ بن نافع کا بیان اسی حدیث کے ساتھ صحیح مسلم میں مروی ہے کہ روحہ مدینہ سے ۳۶ میل دور ہے) حدیث کی روح یہ ہے کہ اذان جو توحید اور ایمان کی پکار ہے جس طرح وہ اللہ تعالیٰ کو نہایت محبوب ہے اور اس کے اچھے بندے اس کو سن کر مسجدوں کی طرف دوڑ پڑتے ہیں۔ اسی طرح شیطان مردود کے لیے وہ گویا بم کا گولا ہے، جہاں اللہ کے منادی نے اذان شروع کی وہ اس سے ایسا بھاگتا ہے جیسے آفتاب سے اندھیرا کافور ہوتا ہے۔ واللہ اعلم

(۴۴) عَنْ مُعَاوِيَةَ لَّانَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ الْمُؤَذِّنُونَ أَطْلَوُ النَّاسَ أَغْلَا يَوْمَ الْقِيَمَةِ.

(رواہ مسلم)

ترجمہ..... حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے خود سنا ہے آپؐ فرماتے تھے کہ اذان کہنے والے قیامت کے دن دوسرے سب لوگوں کے مقابلے میں دراز گردن (یعنی سر بلند) ہوں گے۔ (تفسیر)

تشریح..... حدیث کے الفاظ "أَطْلَوُ النَّاسَ" کا لفظی ترجمہ تو دراز گردن ہی ہے لیکن شارحین نے یہ قرآن مجید کی آیت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ ہر چیز اور ہر مخلوق اللہ تعالیٰ کی تسبیح اور حمد کرتی ہے لیکن ان کی یہ تسبیح اور حمد تم انسانوں کے فہم و ادراک سے باہر ہے۔ ۱۲۔

مؤذن اس کا داعی اور گویا اللہ تعالیٰ کا نقیب اور منادی ہے۔ افسوس آج ہم مسلمانوں نے اس حقیقت کو بالکل بھلا دیا ہے اور اذان کہنا ایک حقیر پیشہ بن گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمارے اس عظیم ترین اجتماع کی گناہ کو معاف فرمائے اور توبہ و اصلاح کی ہمیں توفیق دے۔

اذان کا جواب اور اس کے بعد کی دعا

[illegible]

ترجمہ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب مؤذن کہے اللہ اکبر اللہ اکبر اور (اس کے جواب میں) تم میں سے کوئی کہے اللہ اکبر اللہ اکبر، پھر مؤذن کہے اشہد ان لا الہ الا اللہ اور وہ جواب دینے والا بھی (اس کے جواب میں) کہے اشہد ان لا الہ الا اللہ پھر مؤذن کہے اشہد ان محمد رسول اللہ اور جواب دینے والا بھی کہے، اشہد ان محمد رسول اللہ پھر مؤذن کہے حی علی الصلوٰۃ تو جواب دینے والا کہے لا حول ولا قوۃ الا باللہ، پھر مؤذن کہے حی علی الاعمال اور جواب دینے والا کہے لا حول ولا قوۃ الا باللہ پھر مؤذن کہے اللہ اکبر اللہ اکبر اور جواب دینے والا بھی کہے اللہ اکبر اللہ اکبر، پھر مؤذن کہے لا الہ الا اللہ اور جواب دینے والا بھی کہے لا الہ الا اللہ اور یہ کہنا دل سے ہو تو وہ جنت میں جائے گا۔

تشریح..... ناظرین کو جیسا کہ پہلے معلوم ہو چکا ہے اذان کے دو پہلو ہیں یا کہنا چاہئے کہ اذان دو حیثیتوں کی جامع ہے، ایک یہ کہ وہ نماز باجماعت کا اعلان اور بلاوا ہے دوسرے یہ کہ وہ ایمان کی دعوت و پکار اور دین حق کا منشور ہے۔ پہلی حیثیت سے اذان سننے والے اور ہر مسلمان کے لیے ضروری ہے کہ وہ اذان کی آواز سنتے ہی نماز میں شرکت کے لیے تیار ہو جائے اور ایسے وقت مسجد میں پہنچ جائے کہ جماعت میں شریک ہو سکے۔^۱ اور دوسری حیثیت سے ہر مسلمان کو حکم ہے کہ وہ اذان سننے وقت اس ایمانی دعوت کے ہر جز و اور ہر کلمے کی اور اس آسمانی منشور کی ہر دفعہ کی اپنے دل اور اپنی زبان سے تصدیق کرے اور اس طرح پوری اسلامی آبادی ہر اذان کے وقت اپنے ایمان عہد و میثاق کی تجدید کیا کرے۔ رسول اللہ ﷺ نے اذان کا جواب دینے کی اور اس کے بعد دعائیں پھر کلمہ شہادت پڑھنے کی اسے ارشادات میں جو تعلیم و ترغیب دی ہے۔ اس عاجز کے نزدیک

① اس بارہ میں رسول اللہ کے تاکیدی ارشادات ان شاء اللہ آگئے ہیں۔ موت کے بیان میں درج کئے جائیں گے۔ ۱۲

اس کی خاص حکمت یہی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ اس سے یہ بات بھی سمجھ میں آ جاتی ہے کہ اذان کا جواب جو بظاہر ایک معمولی سا عمل ہے اس پر داخلہ جنت کی بشارت کا کیا راز ہے؟

۴۹ عَنْ سَعْدِ بْنِ أَبِي وَأَبِي لَالٍ لَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مَنْ لَالَ جِئَ يَسْمَعُ الْمُؤَذِّنَ أَخْهَدَ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَخَدَهُ لَا خَيْرَ لَكَ وَأَخْهَدَ أَنْ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ رَحِمَتْ بِاللَّهِ رَهًاوُ بِمُحَمَّدٍ رَسُولًا وَبِالْإِسْلَامِ دِينًا خَيْرَ لَكَ دِينًا

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا کہ جو شخص مؤذن کی اذان سننے کے وقت (یعنی جب وہ اذان پڑھ کر فارغ ہو جائے) کہے کہ میں شہادت دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور شہادت دیتا ہوں کہ محمد اس کے بندے اور رسول ہیں اور میں راضی و خوش ہوں اللہ کو رب مان کر اور حضرت محمد کو رسول اللہ مان کر اور اسلام کو دین حق مان کر، قہاس کے گناہ بخش دیئے جائیں گے۔

تشریح..... نیک اعمال کی برکت سے گناہوں کی بخشش کے بارے میں کچھ ضروری وضاحت و ضوع کے فضائل و برکات کے بیان میں کی جا چکی ہے وہ یہاں بھی ملحوظ رہنی چاہئے۔

۵۰ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ لَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مَنْ لَالَ جِئَ يَسْمَعُ الْيَدَاءَ الْيَدَاءَ اللَّهُمَّ رَبِّ هَذِهِ الْخَيْرَةِ الثَّامَةِ وَالصَّلَاةِ الْقَائِمَةِ ابْنِ مُحَمَّدٍ بِالْوَسِيلَةِ وَالْفَضِيلَةِ وَأَبْعَثْهُ مَقَامًا مَحْمُودًا بِالْيَدَى وَعَنْهُ خَلَّتْ لَهُ خَفَافَتِي يَوْمَ الْقِيَمَةِ — (رواہ الحدادی)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا جو کوئی بندہ اذان سننے کے وقت اللہ تعالیٰ سے یوں دعا کرے ”اے اللہ اس دعوت تامہ کاملہ اور اس صلوٰۃ قائمہ و دائمہ کے رب! (یعنی اے وہ اللہ جس کے لیے اور جس کے حکم سے یہ اذان اور یہ نماز ہے) (اپنے رسول پاک) محمد کو وسیلہ اور فضیلہ کے خاص درجہ اور مرتبہ عطا فرما اور ان کو اس مقام محمود پر سرفراز فرما جس کا تو نے ان کے لیے وعدہ فرمایا ہے۔“ تو وہ بندہ قیامت کے دن میری شفاعت کا حق دار ہو گیا۔ (صحیح بخاری)

تشریح..... اس حدیث میں رسول اللہ کے لیے تین چیزوں کی دعا کا ذکر کیا گیا ہے اور فرمایا گیا ہے کہ جو بندہ اذان سننے کے وقت اللہ تعالیٰ سے ان تین چیزوں کے رسول اللہ کو عطا کرنے کی دعا کرے گا وہ قیامت کے دن شفاعت محمدی کا خاص طور سے حق دار ہو گا۔ ایک وسیلہ۔ دوسرے فضیلہ۔ تیسرے مقام محمود۔ صحیح مسلم کی ایک حدیث میں اس وسیلہ کی تشریح خود رسول اللہ سے یہ مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مقبولیت و محبوبیت کا ایک خاص الخاص مقام و مرتبہ اور جنت کا ایک مخصوص و ممتاز درجہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے کسی ایک ہی بندہ کو ملنے والا ہے، اور سمجھنا چاہئے کہ فضیلہ بھی گویا اسی مقام اختصاص و امتیاز کا ایک عنوان ہے اور اسی طرح مقام محمود و مقام عزت ہے جس پر فائز ہونے والا ہر ایک کی نگاہ میں محمود اور محترم ہو گا اور سب اس کے شاخاں اور شکر گزار ہوں گے۔

سے کچھ اشارے بھی کیے جا چکے ہیں^۱۔ ان کی تحصیل و تکمیل کے لیے یہ بھی ضروری تھا کہ نماز کا کوئی اجتماعی نظام ہو، اسلامی شریعت میں اس اجتماعی نظام کا ذریعہ مسجد اور جماعت کو بنایا گیا ہے، ذرا سا غور کرنے سے ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ اس امت کی دینی زندگی کی تشکیل و تنظیم اور تربیت و حفاظت میں مسجد اور جماعت کا کتنا بڑا دخل ہے، اس لیے رسول اللہ ﷺ نے ایک طرف تو جماعتی نظام کے ساتھ نماز ادا کرنے کی انتہائی تاکید فرمائی اور ترک جماعت پر سخت سے سخت وعیدیں سنائیں (جیسا کہ ناظرین غفر رب ہی پڑھیں گے) اور دوسری طرف آپ نے مساجد کی اہمیت پر زور دیا اور کعبہ اللہ کے بعد بلکہ اسی کی نسبت سے ان کو بھی "مسجد" اور امت کا دینی مرکز بنایا اور ان کی برکات اور اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں ان کی عظمت و محبوبیت بیان فرما کر امت کو ترغیب دی کہ ان کے جسم خواہ کسی وقت کہیں ہوں لیکن ان کے دلوں اور ان کی روحوں کا رخ ہر وقت مسجد کی طرف رہے، اسی کے ساتھ آپ نے مساجد کے حقوق اور آداب بھی تعلیم فرمائے۔ اس سلسلہ کے آپ کے چند ارشادات ذیل میں پڑھئے!

(۵۱) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ أَحَبُّ الْبِلَادِ إِلَى اللَّهِ مَسَاجِدُهَا وَأَنْفَضُ الْبِلَادِ إِلَى اللَّهِ أَسْوَاقُهَا۔ (رواہ مسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، شہروں اور بستیوں میں سے اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ محبوب ان کی مسجدیں ہیں اور سب سے زیادہ مبغوض ان کے بازار اور منڈیاں ہیں۔ (صحیح مسلم)

تشریح..... انسان کی زندگی کے دو پہلو ہیں۔ ایک ملکوتی و روحانی، یہ نورانی اور لطیف پہلو ہے، اور دوسرا مادی و بھیس جو ظلماتی اور کثیف پہلو ہے۔ ملکوتی و روحانی پہلو کا تقاضا اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اس کا ذکر جیسے مقدس اشغال و اعمال ہیں، انہیں سے اس پہلو کی تربیت و تکمیل ہوتی ہے اور انہیں کی وجہ سے انسان اللہ تعالیٰ کی خاص رحمت و محبت کا مستحق ہوتا ہے، اور ان مبارک اشغال و اعمال کے خاص مراکز مسجدیں ہیں جو ذکر و عبادت سے معمور رہتی ہیں اور اس کی وجہ سے ان کو "بیت اللہ" سے ایک خاص نسبت ہے اس لیے انسانی بستیوں اور آبادیوں میں سے اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں سب سے زیادہ محبوب یہ مسجدیں ہی ہیں۔ اور بازار اور منڈیاں اپنے اصل موضوع کے لحاظ سے انسانوں کی مادی و بھیس تقاضوں اور نفسانی خواہشوں کے مراکز ہیں اور وہاں جا کر انسان عموماً خدا سے غافل ہو جاتے ہیں اور ان کی فضا اس غفلت اور منکرات و معصیات کی کثرت کی وجہ سے ظلماتی اور مکدر رہتی ہے۔ اس لیے وہ اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں انسانی آبادیوں کا سب سے زیادہ مبغوض حصہ ہیں۔

حدیث کی اصل روح اور اس کا منشاء یہ ہے کہ اہل ایمان کو چاہیے کہ وہ مسجدوں سے زیادہ سے زیادہ تعلق رکھیں اور ان کو اپنا مرکز بنائیں اور منڈیوں اور بازاروں میں صرف ضرورت سے جائیں اور ان سے دل نہ

لگائیں اور وہاں کی آلودگیوں سے مثلاً جھوٹ، فریب اور بددیانتی سے اپنی حفاظت کریں۔ ان حدود کی پابندی کے ساتھ بازاروں سے تعلق رکھنے کی اجازت دی گئی ہے۔ بلکہ ایسے سوداگروں اور تاجروں کو خود رسول اللہ ﷺ نے جنت کی بشارت سنائی ہے جو اللہ تعالیٰ کے احکام اور اصول دیانت و امانت کی پابندی کے ساتھ تجارتی کاروبار کریں اور یہ بالکل ایسا ہی ہے جیسا کہ بیت الخلا غلاظت اور گندگی کی جگہ ہونے کی وجہ سے اگرچہ اصلاً سخت ناپسندیدہ مقام ہے لیکن ضرورت کے بقدر اس سے بھی تعلق رکھا جاتا ہے، بلکہ وہاں کے آنے جانے میں اور قضاء حاجت میں اگر بندہ اللہ تعالیٰ کے احکام اور رسول اللہ ﷺ کی ہدایات و سنن کا لحاظ رکھے تو بہت کچھ ثواب بھی کما سکتا ہے۔

۵۲) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ سَبْعَةٌ يُظِلُّهُمُ اللَّهُ فِي ظِلِّهِ يَوْمَ لَا ظِلَّ إِلَّا ظِلُّهُ، إِمَامٌ عَادِلٌ وَ شَابٌّ نَشَأَ فِي عِبَادَةِ اللَّهِ وَ رَجُلٌ مَلَقَ بِالْمَسْجِدِ إِذَا خَرَجَ مِنْهُ حَتَّى يَعُودَ إِلَيْهِ وَ رَجُلَانِ تَحَابَّا فِي اللَّهِ اجْتَمَعَا عَلَيْهِ وَ تَفَرَّقا عَلَيْهِ وَ رَجُلٌ ذَكَرَ اللَّهَ خَالِيًا فَلَفَاضَتْ عَلَيْهِ وَ رَجُلٌ دَعَا امْرَأَةً ذَاتَ حَسَبٍ وَ جَمَالٍ فَقَالَ إِنِّي أَخَافُ اللَّهَ وَ رَجُلٌ تَصَدَّقَ بِصَدَقَةٍ لَّا خَفَاءَهَا حَتَّى لَا تَعْلَمَ جَمَالُهَا مَا تُنْفِقُ يَمِينُهُ . (رواه البخاری و مسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا سات قسم کے آدمی ہیں، جنہیں اللہ تعالیٰ اپنی رحمت کے سایہ میں جگہ دے گا۔ قیامت کے اس دن میں جس دن کہ اس کے سایہ رحمت کے سوا کوئی دوسرا سایہ نہیں ہوگا، ایک عدل و انصاف سے حکمرانی کرنے والا فرمانروا، دوسرا وہ جوان جس کی نشوونما اللہ تعالیٰ کی عبادت میں ہوئی (یعنی جو بچپن سے عبادت گزار تھا اور جوانی میں بھی عبادت گزار رہا اور جوانی کی مستیوں نے اسے غافل نہیں کیا) تیسرا وہ مرد مؤمن جس کا حال یہ ہے کہ مسجد سے باہر جانے کے بعد بھی اس کا دل مسجد ہی سے انکار بتا رہا ہے جب تک کہ پھر مسجد میں نہ آجائے، اور چوتھے وہ آدمی جنہوں نے اللہ کے لیے باہم محبت کی، اسی پر جڑے رہے اور اسی پر الگ ہوئے (یعنی ان کی محبت صرف منہ دیکھنے کی محبت نہیں جیسی کہ اہل دنیا کی محبتیں ہوتی ہیں، بلکہ ان کا حال یہ ہے کہ جب یکجا اور ساتھ ہیں جب بھی محبت ہے اور جب ایک دوسرے سے الگ اور غائب ہوتے ہیں جب بھی ان کے دل انہی محبت سے لرزہ ہوتے ہیں) پانچواں خدا کا وہ بندہ جس نے اللہ کو یاد کیا تبناہی میں تو اس کے آنسو بہہ پڑے اور چھٹا وہ مرد خدا جسے حرام کی دعوت دی کسی ایسی عورت نے جو خوبصورت بھی ہے اور صاحب وجاہت و عزت بھی، تو اس بندے نے کہا کہ میں خدا سے ڈرتا ہوں اس لیے حرام کی طرف قدم نہیں اٹھا سکتا) اور ساتواں وہ شخص جس نے اللہ کی راہ میں کچھ صدقہ کیا اور اس قدر چھپا کر کیا کہ گویا اس کے بائیں ہاتھ کو بھی خبر نہیں کہ اس کا داہنا ہاتھ اللہ کی راہ میں کیا خرچ کر رہا ہے اور کس کو دے رہا ہے۔

(تصحیح ابن ماجہ)

ترجمہ..... اس حدیث میں تیسرے نمبر پر اس شخص کو اللہ کے سایہ رحمت کی بشارت سنائی گئی ہے جس کا

حال یہ ہو کہ مسجد سے باہر ہونے کی حالت میں بھی اس کا دل مسجد میں انکار ہے۔ بے شک مؤمن کا حال یہی ہونا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ ان سات باتوں میں سے کوئی نہ کوئی بات ہم کو بھی نصیب فرمائے۔

(۵۳) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مَنْ هَذَا إِلَى الْمَسْجِدِ أَوْ رَاحَ أَهْلُ اللَّهِ لَهُ نُزْلَةٌ مِنَ الْجَنَّةِ كُلَّمَا عَدَا أَوْرَاحَ . (رواہ النجاشی و مسند)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو بندہ جس وقت بھی صبح کو یا شام کو اپنے گھر سے نکل کر مسجد کی طرف جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے واسطے جنت کی مہمانی کا سامان تیار کر دیتا ہے۔ وہ جتنی دفعہ بھی صبح یا شام کو جائے۔ (صحیح ابی داؤد)

تشریح..... حدیث کا مطلب یہ ہے کہ بندہ صبح یا شام جس وقت بھی اور دن میں جتنی دفعہ بھی خدا کے گھر میں (یعنی مسجد میں) حاضر ہوتا ہے، رب کریم اس کو اپنے عزیز مہمان کی نگاہ سے دیکھتا ہے اور ہر دفعہ کی حاضری پر جنت میں اس کے لیے مہمانی کا خاص سامان تیار کر دیتا ہے، جو وہاں پہنچنے کے بعد بندہ کے سامنے آنے والا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ رب کریم کے جنت والے سامان مہمانی کا یہاں کوئی تصور بھی نہیں کر سکتا، کنز العمال میں تاریخ حاکم کے حوالے سے روایت عبد اللہ بن عباس ایک حدیث کے الفاظ یہ نقل کیے گئے ہیں۔

الْمَسَاجِدُ بُيُوتُ اللَّهِ وَالْمُؤْمِنُونَ رُؤَاةُ اللَّهِ وَحَقُّ عَلَى الْمَرْزُوقِ أَنْ يَحْكُمَ زَوَاتِرَهُ

(کنز العمال ص ۱۲۴ ح ۴)

مسجدیں اللہ کے گھر ہیں اور ان میں حاضر ہونے والے اہل ایمان اللہ تعالیٰ کے ملاقاتی (اور مہمان) ہیں اور جن کی ملاقات کو کوئی آنے اس پر حق ہے کہ وہ آنے والے ملاقاتی کا احترام اور اس کی خاطر داری کرے۔

تاریخ حاکم کے حوالے سے یہ روایت کنز العمال میں نقل کی گئی ہے اس کی روایتیں محدثین کے نزدیک عموماً ضعیف ہیں خود کنز العمال کے مقدمہ میں بھی اس کی تصریح کر دی گئی ہے۔ لیکن اس کی اس روایت کا مضمون بخاری و مسلم کی مندرجہ بالا ابو ہریرہؓ والی حدیث کے بالکل مطابق ہے اس لیے تشریح میں یہاں اس کو نقل کر دینا مناسب معلوم ہوا۔^۵

(۵۴) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ صَلَوةُ الرَّجُلِ فِي الْجَمَاعَةِ تَضَعُفُ عَلَى صَلَوةِهِ فِي بَيْتِهِ وَفِي صَلَوةِهِ خَمْسَةٌ وَعِشْرِينَ ضِعْفًا وَذَلِكَ أَنَّهُ إِذَا تَوَضَّأَ فَأَحْسَنَ التَّوَضُّؤَ ثُمَّ خَرَجَ إِلَى الْمَسْجِدِ لَا يَخْرِجُهُ إِلَّا الصَّلَوةُ لَمْ يَخْطُ خُطْوَةً إِلَّا زُفِلَتْ بِهَا دَرَجَةٌ وَحُطَّ عَنْهُ بِهَا خَطِيئَةٌ لِإِذَا صَلَّى لَمْ تَزَلِ الْمَلَائِكَةُ تُصَلِّي عَلَيْهِ مَا دَامَ فِي صَلَوةٍ أَلَهُمَّ صَلِّ عَلَيْهِ أَلَهُمَّ ارْحَمْهُ وَلَا يَزَالُ أَحَدُكُمْ فِي صَلَوةٍ مَا انْظَرَ الصَّلَوةَ . (رواہ النجاشی و مسند)

۵ بعد میں کنز العمال ہی میں بالکل اسی مضمون کی ایک اور حدیث حضرت ابن مسعودؓ کی روایت سے منجم کبیر طبرانی کے حوالے سے بھی ملی۔ ۱۲۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، آدمی کی نماز جو وہ جماعت سے مسجد میں ادا کرے اس کی اس نماز کے مقابلہ میں جو اپنے گھر میں یا بازار میں پڑھے (ثواب میں) پچیس گنا زیادہ ہوتی ہے اور وجہ یہ ہے کہ جب وہ بندہ اچھی طرح وضو کر کے مسجد کی طرف جاتا ہے اور اس جانے میں نماز کے سوا اس کا کوئی دنیوی مقصد نہیں ہوتا، تو اس کے ہر قدم پر اس کا ایک درجہ بلند کر دیا جاتا ہے اور اس کی ایک خطا معاف کر دی جاتی ہے، پھر جب وہ نماز پڑھتا ہے تو فرشتے اس وقت تک برابر اس کے حق میں عنایت اور رحمت کی دعا کرتے رہتے ہیں جب تک کہ وہ نماز پڑھنے کی جگہ میں رہے، ان فرشتوں کی دعا یہ ہوتی ہے، اے اللہ اپنے اس بندے پر خاص عنایت فرما۔ اس پر رحمت فرما! اور جب تک تم میں سے کوئی نماز کے انتظار میں مسجد میں رہتا ہے، اللہ کے نزدیک اور اس کے حساب میں وہ برابر نماز ہی میں رہتا ہے۔ (صحیح بخاری، صحیح مسلم)

تشریح: مسجد میں جماعت سے نماز پڑھنے پر یہ نسبت گھر اور دکان وغیرہ کے ۲۵ گنا ثواب، اور راستہ کے ہر قدم پر ایک درجہ کی بلندی اور ایک گناہ کی معافی، یہ کتنی بڑی اور کتنی ارزاء دولت ہے؟ اور پھر اس سے بھی آگے فرشتوں کی دعا اللہ علیہ السلام رحمۃ اللہ علیہ کی عظیم نعمت ہے۔ اس کے علاوہ اس حدیث کی ایک دوسری روایت میں فرشتوں کی اس دعا میں اللہ غفرلہ اللہ رب غیب کا اضافہ بھی ہے (یعنی اے اللہ اس بندے کی مغفرت فرمادے، اس کی توبہ کو قبول فرمالے)۔ نیز اسی روایت کے آخر میں ایک اضافہ یہ بھی ہے ”مالہ یؤذیہ مالہ یحدث“ یعنی نماز کے بعد مسجد میں بیٹھنے والے اس بندے کے حق میں فرشتے یہ دعائیں اس وقت تک برابر کرتے رہتے ہیں جب تک وہ کسی کو اپنے ہاتھ یا اپنی زبان سے ایذا نہ پہنچائے یا اس کا وضو ٹوٹ نہ جائے۔

۵۵ عَنْ عُثْمَانَ بْنِ مَظْعُونٍ أَنَّهُ قَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ ائْذَنْ لَنَا فِي التَّرَهُّبِ لَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِنَّ تَرَهُّبَ أَقْنَى الْجُلُوسِ فِي الْمَسَاجِدِ اِنْتَظَارَ الصَّلَاةِ۔ (رواد فی شرح السنۃ)

حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ حضرت مجھ کو رہبانیت اختیار کرنے کی اجازت دے دیجئے۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ میری امت کی رہبانیت نماز کے انتظار میں مسجدوں میں بیٹھنا ہے۔ (صحیح بخاری)

تشریح: رسول اللہ ﷺ کے بعض صحابہؓ میں دنیوی معاملات اور دنیا کی لذتوں سے بے تعلق اور کنارہ کش ہو جانے کا جذبہ پیدا ہوا تھا اور وہ اس باب میں رسول اللہ ﷺ سے عرض معروض کرتے تھے۔ اس حدیث کے راوی عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ میں یہ رجحان بہت تیز تھا، انہوں نے ایک دفعہ کئی باتیں اسی طرح کی حضورؐ سے عرض کیں، ان میں سے آخری بات یہ تھی کہ ہمیں رہبانیت اختیار کرنے کی اجازت دے دی جائے جس کے بعد ہم تارک الدنیا راہبوں والی زندگی گزاریں۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کا جو جواب دیا اس کا مطلب یہ ہے کہ جن روحانی مقاصد اور اخروی منافع کے لیے پہلی امتوں میں رہبانیت تھی

میری امت کو وہ چیزیں نماز کے انتظار میں مسجد میں بیٹھنے ہی پر اللہ تعالیٰ عطا فرمانے والے ہیں اور بس یہی میری امت کی رہبانیت اور درویشی ہے۔ دراصل نماز کے انتظار میں مسجد میں بیٹھنا بھی ایک طرح کا "صوف" ہے۔ کاش ہم اس کی قدر و قیمت جانیں۔

۵۶ عَنْ بُرَيْدَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ بَشِّرِ الْمَسْكِينِينَ فِي الطَّلَمِ إِلَى الْمَسَاجِدِ بِالنُّورِ النَّامِ يَوْمَ الْقِيَمَةِ ... (رواه الترمذی و ابو داؤد)

ترجمہ: حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ کے جو بندے اندھیروں میں مسجدوں کو جاتے ہیں، ان کو بشارت سنو کہ (ان کے اس عمل کے صلہ میں) قیامت کے دن ان کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نور کامل عطا ہوگا۔ (پانچ ترمذی، ابن ماجہ، ...)

ترجمہ:..... رات کے اندھیروں میں نماز کے لیے پابندی سے مسجد جانا بلاشبہ بڑا مجاہدہ اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ سچے تعلق کی دلیل ہے، ایسے بندوں کو اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کی زبانی بشارت سنوائی ہے کہ ان کے اس عمل کے صلہ میں قیامت کے اندھیریوں میں ان کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نور کامل عطا فرمادیا جائے گا۔
فسبری لہم و طلوسی لہم

مسجد میں داخل ہونے اور باہر آنے کی دعا

۵۷ عَنْ أَبِي أُسَيْدٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِذَا دَخَلَ أَحَدُكُمْ الْمَسْجِدَ فَلْيَقُلْ اللَّهُمَّ افْتَحْ لِي أَبْوَابَ رَحْمَتِكَ وَإِذَا خَرَجَ فَلْيَقُلْ اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ مِنْ فَضْلِكَ . (رواه مسلم)

ترجمہ: ابواسید ساعدی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تم میں سے کوئی مسجد میں داخل ہونے لگے تو چاہیے کہ اللہ تعالیٰ سے دعا کرے اللھم افتح لی ابواب رحمۃک (اے اللہ میرے لیے اپنی رحمت کے دروازے کھول دے) اور جب مسجد سے باہر جانے لگے تو دعا کرے اللھم انسألک من فضلک (اے اللہ میں تجھ سے تیرے فضل کا سوال کرتا ہوں تو میرے لیے اس کا فیصلہ فرمادے)۔ (پانچ مسلم، ...)

ترجمہ:..... قرآن و حدیث میں رحمت کا لفظ زیادہ تر، اخروی اور دینی و روحانی انعامات کے لیے اور فضل کا لفظ رزق وغیرہ دنیوی نعمتوں کی داد و بخشش اور ان میں زیادتی کے لیے استعمال کیا گیا ہے اس لیے رسول اللہ ﷺ نے مسجد کے داخلہ کے لیے فتح باب رحمت کی دعا تعلیم فرمائی، کیونکہ مسجد دینی و روحانی اور اخروی نعمتوں ہی کے حاصل کرنے کی جگہ ہے اور مسجد سے نکلتے وقت کے لیے اللہ سے اس کا فضل یعنی دنیوی نعمتوں کی فراوانی مانگنے کی تلقین فرمائی، کیونکہ مسجد سے باہر کی دنیا کے لیے یہی مناسب ہے۔ ان دونوں باتوں کا خاص منشاء یہ ہے کہ مسجد میں آنے اور جانے کے وقت بندہ غافل نہ ہو اور ان دونوں حالتوں میں اللہ تعالیٰ کی طرف اس کی توجہ سائلانہ ہو۔

تشریف المسجد

(۵۸) عَنْ أَبِي قَتَادَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ إِذَا دَخَلَ أَحَدُكُمْ الْمَسْجِدَ فَلْيَرْكَعْ رَكَعَتَيْنِ قَبْلَ أَنْ يُجْلِسَ . (رواه البخاری و مسلم)

حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تم میں سے کوئی مسجد میں داخل ہو تو اس کو چاہیے کہ بیٹھنے سے پہلے دو رکعت نماز پڑھے۔

تشریح..... مسجد کو اللہ تعالیٰ سے ایک خاص نسبت ہے اور اسی نسبت سے اس کو تہنید کہا جاتا ہے، اس لیے اس کے حقوق اور اس میں داخلہ کے آداب میں سے یہ بھی ہے کہ وہاں جا کر بیٹھنے سے پہلے دو رکعت نماز ادا کی جائے، یہ گویا بارگاہ خداوندی کی سلامی ہے، اس لیے اس کو تہنید کہتے ہیں (تہنیت کے معنی سلامی کے ہیں) لیکن یہ حکم جمہور ائمہ کے نزدیک استحبانی ہے۔

ف..... اس حدیث میں صراحت حکم ہے کہ تہنیت المسجد کی یہ دو رکعتیں مسجد میں بیٹھنے سے پہلے پڑھنی چاہئیں، بعض لوگوں کو دیکھا گیا ہے کہ وہ مسجد میں جا کر پہلے قصد بیٹھنے میں اس کے بعد کھڑے ہو کر نماز کی نیت کرتے ہیں معلوم نہیں یہ غلطی کہاں سے رون پائی ہے۔ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ اب سے چار صدی پہلے ان کے زمانہ کے عام مسلمانوں میں بھی یہ غلطی رائج تھی۔

(۵۹) عَنْ عَبْدِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ لَا يَتَقَدَّمُ مِنْ سَفَرٍ إِلَّا تَهَارًا إِلَى الصُّلْحَى فَإِذَا قَدِمَ بَدَأَ بِالْمَسْجِدِ فَصَلَّى فِيهِ رَكَعَتَيْنِ ثُمَّ جَلَسَ فِيهِ . (رواه البخاری و مسلم)

حضرت کعب بن مالک سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا دستور تھا کہ سفر سے واپسی میں آپ دن ہی میں چاشت کے وقت مدینہ میں تشریف لاتے اور پہلے مسجد میں رونق افروز ہوتے تھے اور وہاں دو رکعت نماز پڑھنے کے بعد وہیں (پچھو دیر تک) تشریف رکھتے تھے۔

تشریح..... دوسری بعض حدیثوں میں یہ تفصیل آتی ہے کہ آپ سفر سے واپسی میں آخری منزل عموماً مدینہ طیبہ کے قریب ہی فرماتے تھے، جس کی وجہ سے مدینہ طیبہ میں یہ اطلاع ہو جاتی تھی کہ آپ فلاں مقام پر ٹھہر گئے ہیں اور کل صبح تشریف لانے والے ہیں، پھر علی الصبح آپ اس منزل سے روانہ ہو کر کچھ دن چڑھے یعنی چاشت کے وقت مدینہ طیبہ میں رونق افروز ہوتے تھے اور سب سے پہلے سیدھے اپنی مسجد مبارک میں تشریف لاتے تھے، گویا گھر والوں کی ملاقات سے بھی پہلے بارگاہ خداوندی میں حاضر ہو کر اس کے حضور میں یہ بدیہ عبودیت پیش کرتے تھے، پھر اسکے بعد بھی کچھ دیر تک مسجد ہی میں تشریف رکھتے تھے اور مشتاقان زیارت وہیں آکر آپ سے ملاقات کی سعادت حاصل کرتے تھے۔ یہ تھ مسجد کے تعلق کے بارہ میں آنحضرت ﷺ کا سوہ حسنہ، اللہ تعالیٰ ہم امتیوں کو اس کی روح کو سمجھنے اور اس کی پیروی کرنے کی توفیق دے۔

مسجد سے تعلق ایمان کی نشانی

۶۰ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِذَا رَأَيْتُمُ الرَّجُلَ يَتَعَاهدُ الْمَسْجِدَ فَاسْهَلُوا لَهُ بِالْإِيمَانِ فَإِنَّ اللَّهَ يَقُولُ إِنَّمَا يَنْعَمُ مَسَاجِدَ اللَّهِ مِنْ أَمَنِ بَالِهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ.

(رواہ ابوسعید خدری و ابن ماجہ و ابوداؤد)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تک کسی شخص کو دیکھو کہ وہ مسجد سے تعلق رکھتا ہے اور اس کی خدمت اور نگہداشت کرتا ہے تو اس کے لیے ایمان کی شہادت دو، کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اللہ کی مسجدوں کو آباد وہی لوگ کرتے ہیں جو ایمان رکھتے ہیں اللہ پر اور یوم آخرت پر۔

تشریح..... مطلب یہ ہے کہ مسجد اللہ تعالیٰ کی عبادت کا مرکز اور دین مقدس کا شعار و نشان ہے اس لیے اس کے ساتھ مخصوص تعلق اور اس کی خدمت و نگہداشت اور اس بات کی فکر و سعی کہ وہ اللہ کے ذکر و عبادت سے معمور اور آباد رہے، یہ سب سچے ایمان کی نشانی اور دلیل ہے۔

مسجد میں ایسے صفاتی امور خوشبو کا استعمال

۶۱ عَنْ عَائِشَةَ كَانَتْ أَمْرَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ بِنَاءِ الْمَسْجِدِ فِي الدُّورِ وَأَنْ يُنْظَفَ وَيَطْبَّبَ.

(رواہ ابو داؤد و الترمذی و ابن ماجہ)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا محلوں میں مسجدیں بنانے کا اور یہ بھی حکم دیا کہ ان کی صفاتی کا اور خوشبو کے استعمال کا اہتمام کیا جائے۔

(ابن ماجہ و ابوداؤد و الترمذی)

تشریح..... مطلب یہ ہے کہ جو محلے اور آبادیاں دور دور ہوں (جیسا کہ مدینہ کے قرب و جوار کی بستیوں کا حال تھا) تو ضرورت کے مطابق وہاں مسجدیں بنائی جائیں اور ہر قسم کے کوزے کرکٹ سے ان کی صفاتی کا اور ان میں خوشبو کے استعمال کا انتظام کیا جائے، مسجدوں کی دینی عظمت اور اللہ تعالیٰ سے ان کی نسبت کا یہ بھی خاص حق ہے۔

مسجد بنانے کا اجر

۶۲ عَنْ عُثْمَانَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مَنْ بَنَى لِلَّهِ مَسْجِدًا بَنَى اللَّهُ لَهُ بَيْتًا فِي

الْجَنَّةِ — (رواہ البخاری و مسلم)

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو کوئی اللہ کے لیے (یعنی صرف اس کی خوشنودی اور اس کا ثواب حاصل کرنے کی نیت سے) مسجد تعمیر کرائے تو اللہ تعالیٰ

اس کے لیے جنت میں ایک شاندار محل تعمیر فرمائیں گے۔^۱ (صحیح بخاری، صحیح مسلم)

تشریح..... حدیث و قرآن کے بہت سے ارشادات سے معلوم ہوتا ہے کہ آخرت میں ہر عمل کا صلہ اس کے مناسب عطا ہوگا۔ اس بنیاد پر مسجد بنانے والے کے لیے جنت میں ایک شاندار محل عطا ہونا یقیناً قرین حکت ہے۔

مسجدوں کی ظاہری شان و شوکت اور نیپ ناپ پسندیدہ نہیں

۶۳) عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مَا أُمِرْتُ بِتَشْيِيدِ الْمَسَاجِدِ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ لَتُزَخَّرَ لَهَا كَمَا زُخِرَتْ الْيَهُودُ وَالنَّصَارَى - (رواہ ابو داؤد)

ترجمہ..... حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا، مجھے خدا کی طرف سے حکم نہیں دیا گیا ہے مسجدوں کو بلند اور شاندار بنانے کا (یہ حدیث بیان فرمانے کے بعد حدیث کے راوی عبداللہ بن عباس نے بطور پیشین گوئی) فرمایا کہ یقیناً تم لوگ اپنی مسجدوں کی آرائش و زیبائش اسی طرح کرنے لگو گے جس طرح یہود و نصاریٰ نے اپنی عبادت گاہوں میں کی ہے۔ (صحیح بخاری، صحیح مسلم)

تشریح..... رسول اللہ کے اس ارشاد نامہ است تشبیہ و تمثیل کا مقصد اور اس کی روح یہ ہے کہ مسجدوں میں ظاہری شان و شوکت اور نیپ ناپ مطلوب اور محمود نہیں ہے بلکہ ان کے لیے سادگی ہی مناسب اور پسندیدہ ہے۔ آگے حضرت عبداللہ بن عباس نے مسجدوں کے متعلق امت کی بے راہروی کے بارہ میں جو پیشین گوئی فرمائی ظاہر یہی ہے کہ وہ بات بھی انہوں نے کسی موقع پر رسول اللہ ہی سے سنی ہوگی۔ سنن ابن ماجہ میں حضرت عبداللہ ابن عباس ہی کی روایت سے رسول اللہ کا یہ ارشاد نقل کیا گیا ہے۔

أَرَأَيْكُمْ مَتَشَرُّ لَوْ أَنَّ مَسَاجِدَ كُمْ بَعْدِي كَمَا خَرَّبَتْ الْيَهُودُ كَنَائِسُهُمْ وَ كَمَا خَرَّبَتْ النَّصَارَى بَيْتَهُمَا . (بخاری، مسلم، ترمذی، ابن ماجہ)

میں دیکھ رہا ہوں کہ تم لوگ بھی ایک وقت (جب میں تم میں نہ ہوں گا) اپنی مسجدوں کو اسی طرح شاندار بناؤ گے جس طرح یہود نے اپنے کنیسے بنائے ہیں اور نصاریٰ نے اپنے گرجے۔

اور یہ بھی ممکن ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس نے (جو رسول اللہ کے بعد قریباً ساٹھ سال تک اس دنیا میں رہے) مسلمانوں کے مزاج اور طرز زندگی میں تبدیلی کا رخ اور اس کی رفتار دیکھ کر یہ پیشین گوئی فرمائی ہو۔ بہر حال پیشین گوئی کی بنیاد جو بھی گجھو حرف بحرف پوری ہوئی، خود ہم نے اپنی آنکھوں سے ہندوستان ہی کے بعض علاقوں میں ایسی مسجدیں دیکھی ہیں جن کی آرائش و زیبائش کے مقابلے میں ہمارا خیال ہے کہ کوئی کنیسہ اور کوئی گرجہ پیش نہیں کیا جاسکتا۔

۱ ہمارے نزدیک حدیث کے لفظ "یہ" کی تئوین منتخبہ کے افادہ کے لئے ہے اسی بناء پر ہم نے اس لفظ کا ترجمہ "شاندار" کیا ہے۔ ۱۲۰ واللہ اعلم

۶۴ عَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِنَّ مِنْ أَضْرَاطِ السَّاعَةِ أَنْ يُتْبَاهَى النَّاسُ فِي الْمَسَاجِدِ .

ترجمہ: ... (یعنی اپنا تقوق اور اپنی بڑائی ظاہر کرنے کے لیے ایک کے مقابلہ میں ایک شاندار مسجد بنائے گا۔)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قیامت کی نشانیوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ مسجدوں کے بارے میں لوگ ایک دوسرے کے مقابلہ میں فخر و مہبات کرنے لگیں گے۔ (یعنی اپنا تقوق اور اپنی بڑائی ظاہر کرنے کے لیے ایک کے مقابلہ میں ایک شاندار مسجد بنائے گا۔)

ترجمہ: ... (یعنی اپنا تقوق اور اپنی بڑائی ظاہر کرنے کے لیے ایک کے مقابلہ میں ایک شاندار مسجد بنائے گا۔)

تشریح: قیامت کی نشانیوں میں سے بعض تو وہ ہیں جو اس کے بالکل قریب ظاہر ہوں گی، جیسے خروج و جال اور آفتاب کا مغرب کی سمت سے طلوع ہونا وغیرہ اور بعض وہ ہیں جو قیامت سے پہلے کسی نہ کسی وقت ظاہر ہوں گی۔ رسول اللہ ﷺ نے امت میں پیدا ہونے والی جن خرابیوں اور جن فتنوں کو قیامت کی نشانیوں میں سے بتایا ہے وہ اکثر اسی قسم کی ہیں۔ اور مسجدوں کے بارے میں فخر و مہبات بھی انہی میں سے ہے اور مسلمان اب سے بہت پہلے اس میں مبتلا ہو چکے ہیں۔

پہلا باب: مسجدوں کی حفاظت اور پیدائش

۶۵ عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مَنْ أَكَلَ مِنْ هَذِهِ الشَّجَرَةِ الْمُتَنَبِّئَةِ فَلَا يَفْرَبَنَّ مَسْجِدَنَا لِأَنَّ الْمَلَائِكَةَ تَأْذَى مِنْهَا تَأْذَى مِنْهُ الْإِنْسُ -

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص اس بدبودار درخت (پیاز یا لہسن) سے کھائے وہ ہماری مسجد میں نہ آئے کیونکہ جس چیز سے آدمیوں کو تکلیف ہوتی ہے اس سے فرشتوں کو بھی تکلیف ہوتی ہے۔

تشریح: مسجدوں کی دینی عظمت اور حق تعالیٰ کے ساتھ ان کی خاص نسبت کا ایک حق یہ بھی ہے کہ ہر قسم کی بدبو سے ان کی حفاظت کی جائے، چونکہ لہسن اور پیاز میں بھی ایک طرح کی بدبو ہوتی ہے اور بعض مخصوص علاقوں میں پیدا ہونے والی ان دونوں چیزوں کی بو بہت ہی تیز اور سخت ناگوار ہوتی ہے اور حضور کے زمانے میں لوگ ان کو کپھی بھی کھاتے تھے اس لیے آپ نے حکم دیا کہ ان کو کھانا کوئی آدمی مسجد میں نہ آئے اور اس کی وجہ بیان کرتے ہوئے آپ نے فرمایا کہ جس چیز سے سیمہ الطبع آدمیوں کو اذیت ہوتی ہے اس سے اللہ کے فرشتوں کو بھی اذیت ہوتی ہے اور مسجدوں میں چونکہ فرشتوں کی آمد و رفت بڑی کثرت سے ہوتی ہے اور خاص کر نماز میں وہ دینی آدمی کے ساتھ بڑی تعداد میں شریک رہتے ہیں اس لیے ضروری ہے کہ بدبو جیسی کسی بھی چیز سے ان مقدس اور محترم مہمانوں کو ایزانہ پہنچے۔

ایک دوسری حدیث میں صراحت کے ساتھ پیاز اور لہسن دونوں کا نام لے کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ان کو کھانا کوئی ہماری مسجد میں نہ آیا کرے۔ اس حدیث میں یہ بھی ہے کہ اگر کسی کو یہ چیزیں کھانی ہی

ہوں تو وہ پکارا کہ ان کی بدبو زائل کر لیا کرے۔^{۶۵}
ان حدیثوں میں اگرچہ صرف پیاز اور لہسن کا ذکر آیا ہے، لیکن ظاہر ہے کہ ہر بدبودار چیز بلکہ ہر اس چیز کا جس سے سلیم الفطرت انسانوں کو اذیت پہنچے یہی حکم ہے۔

مسجدوں میں شعر بازی اور خرید و فروخت کی ممانعت

۶۶. عَنْ عُمَرَ وَ بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ قَالَ نَهَى رَسُولُ اللَّهِ ﷺ عَنْ تَخَاُذِ الْأَخْعَارِ فِي الْمَسْجِدِ وَعَنِ الْبَيْعِ وَالْإِخْتِرَاءِ فِيهِ وَأَنْ يَتَحَلَّقَ النَّاسُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ قَبْلَ الصَّلَاةِ فِي الْمَسْجِدِ۔ (رواہ ابو داؤد و الترمذی)

عمر و بن شعیب روایت کرتے ہیں اپنے والد شعیب سے اور وہ روایت کرتے ہیں اپنے دادا عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے کہ رسول اللہ ﷺ نے مسجدوں میں شعر بازی کرنے سے اور خرید و فروخت کرنے سے منع فرمایا اور اس سے بھی منع فرمایا کہ جمعہ کے دن مسجد میں نماز سے پہلے لوگ اپنے حلقے بنانا کر بیٹھیں۔

..... مسجدوں کی دینی عظمت کا یہ بھی حق ہے کہ جو مشغلۃ اللہ کی عبادت سے اور دین سے قریبی تعلق نہ رکھتے ہوں وہ اگرچہ فی نفسہ جائز ہوں (خواہ کاروباری ہوں جیسے تجارت سوداگری یا تفریحی ہوں جیسے مشاعرے اور ادبی مجلسیں) مسجد میں ان کے لیے استعمال نہ کی جائیں۔ مسجد میں شعر بازی اور خرید و فروخت کی ممانعت کی بنیاد یہی ہے حدیث کا آخری جز جو جمعہ کے دن سے متعلق ہے اس کا منشاء اور مطلب بظاہر یہ ہے کہ جو لوگ جمعہ کے دن نماز کے لیے پہلے سے مسجد پہنچ جائیں (جس کی خود حدیثوں میں ترغیب دی گئی ہے) ان کو چاہیے کہ وہ نماز تک یکسوئی کے ساتھ ذکر و عبادت اور دعا جیسے اشغال میں مشغول رہیں اپنے الگ الگ حلقے اور مجلسیں قائم نہ کریں۔ واللہ اعلم۔

پہلو پہلو سے اور شور و شغب و غیہ و دہشت مسجدوں کی حفاظت

۶۷. عَنْ وَائِلَةَ لَالٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ جَبُّوا مَسَاجِدَكُمْ صَبَاتِكُمْ وَمَعَالِنَكُمْ وَهَيَاءَكُمْ وَبَيْعَكُمْ وَخُصُومَاتِكُمْ وَزَلَّعَ أَصْوَابَكُمْ وَأَلَامَةً حُدُودِكُمْ وَسَلَّ سُلُوكَكُمْ۔ (رواہ ابن ماجہ)

وائلہ بن الاسقع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم اپنی مسجدوں سے دور اور الگ رکھو اپنے چھوٹے بچوں کو اور دیوانوں کو (ان کو مسجدوں میں نہ آنے دو) اور اسی طرح مسجدوں سے الگ اور دور رکھو اپنی خرید و فروخت کو اور اپنے باہمی جھگڑوں مٹوں کو اور اپنے شور و شغب کو اور حدود کے قائم کرنے کو اور تمہاروں کو نیاموں سے نکالنے کو (یعنی ان میں سے کوئی بات بھی مسجدوں کی حدود میں نہ ہو، یہ سب باتیں مسجد کے تقدس اور احترام کے خلاف ہیں)۔

مسجدوں میں دنیا کی بات نہ کی جائے

(۶۸) عَنْ الْحَسَنِ مُرْسَلًا قَالَ لَئِنْ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ يَأْتِيْ عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ يَكُوْنُ حَبِيْثُهُمْ فِيْ

مَسَاجِدِهِمْ فِيْ اَمْرِ دُنْيَاهُمْ فَلَا تَجَالِسُوْهُمْ فَلَئِنْ لَمْ يَكُنْ لِّلّٰهِ فِيْهِمْ حَاجَةٌ (رواه البيهقي في شعب الایمان)

حضرت حسن بصریؒ سے مرسل روایت ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ مسجدوں میں لوگوں کی بات چیت اپنے دنیوی معاملات میں ہوا کرے گی، تمہیں چاہئے کہ ان لوگوں کے پاس بھی نہ بیٹھو، اللہ کو ان لوگوں سے کوئی سرکار نہیں۔ (شعب الایمان للبیہقی)

تشریح مسجد چونکہ خانہ خدا ہے اس لیے اس کے ادب کا یہ بھی تقاضا ہے کہ اس میں ایسی باتیں نہ کی جائیں جن کا اللہ کی رضا طلبی سے اور دین سے کوئی تعلق نہ ہو۔ ہاں مسلمانوں کے اجتماعی اور ملی مسائل کے بارے میں خواہ ان کا تعلق مسلمانوں کی زندگی کے کسی شعبہ سے ہو، مسجدوں میں مشورے کیے جاسکتے ہیں اور اس سلسلہ کے کاموں کے لیے مسجدوں کو استعمال کیا جاسکتا ہے لیکن اس میں بھی مسجدوں کے عام آداب کا لحاظ نہ ورنہ ہوگا، نیز یہ بھی شرط ہوگی کہ یہ جو چہ ہو اللہ کی ہدایت کے تحت ہو اس سے آزاد ہو کر نہ ہو۔

ف..... اس حدیث کے راوی حضرت حسن بصریؒ تابعی ہیں، ظاہر ہے کہ ان کو یہ حدیث کسی صحابی کے واسطے پہنچی ہوگی، لیکن انہوں نے ان صحابی کا حوالہ نہیں دیا۔ ایسی حدیث کو جسے کوئی تابعی صحابی کا حوالہ دیئے بغیر روایت کرے محدثین کی اصطلاح میں ”مursal“ کہا جاتا ہے یہ روایت بھی اسی قسم کی ہے۔

مسجد میں نماز کے لیے عورتوں کا آنا

(۶۹) عَنْ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ اِذَا اُسْتُدْتُكُمْ فَاَلْبَسُوْكُمْ بِالْبِلَالِ فَاَذْكُرُوْهُنَّ (رواه البخاری و مسلم)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا جب تمہاری بیویاں رات کو مسجد جانے کیلئے تم سے اجازت مانگیں تو ان کو اجازت دے دیا کرو۔ (بخاری و مسلم)

(۷۰) عَنْ ابْنِ عُمَرَ قَالَ لَئِنْ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ لَا تَمْنَعُوْا اِسَاءَةَ كُمْ الْمَسَاجِدَ وَ يَبُوْنَهُنَّ عَوْرَتُهُنَّ .

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا اپنی عورتوں کو مسجدوں میں جانے سے منع نہ کرو، اور ان کے لیے بہتر ان کے گھر ہی ہیں۔ (بخاری و مسلم)

تشریح رسول اللہؐ کی حیات طیبہ میں جبکہ مسجد نبویؐ میں پانچوں وقت کی نماز بہ نفس نفیس آپؐ خود پڑھاتے تھے تو آپؐ کی طرف سے بار بار اس کی وضاحت کے باوجود کہ عورتوں کے لیے اپنے گھروں ہی میں نماز پڑھنا افضل اور زیادہ ثواب کا باعث ہے، بہت سی نیک عورتوں کی یہ خواہش ہوتی تھی کہ وہ ہم از کم رات کی نمازوں میں (یعنی عشاء اور فجر میں) مسجد میں جا کر حضورؐ کے پیچھے نماز پڑھا کریں، لیکن بعض لوگ

اپنی خاص افتاد طبع کی وجہ سے اپنی بیویوں کو مسجد میں جانے سے منع کر دیتے تھے۔ لیکن جب عورتوں اور مردوں دونوں کے حالات میں تبدیلی آگئی اور فتنوں کے اندیشے پیدا ہو گئے تو خود حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے (جن سے زیادہ کوئی بھی عورتوں کے ظاہری و باطنی حال اور رسول اللہ کے مزاج و منشاء سے واقف نہیں ہو سکتا) وہ فرمایا جو آگے درج ہونے والی حدیث میں آپ پڑھیں گے۔

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ لَوْ أَذْرَكَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مَا أَحْدَثَ النِّسَاءُ لِمَنْعَهُنَّ الْمَسَاجِدَ كَمَا مُنِعَتْ نِسَاءُ بَنِي إِسْرَائِيلَ.

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا اگر رسول اللہ ان باتوں کو دیکھتے جو عورتوں نے اپنے (طرز زندگی میں) اب پیدا کر لی ہیں تو آپ خود ان کو مسجدوں میں جانے سے منع فرما دیتے، جس طرح کہ (اسی قسم کی باتوں کی وجہ سے) بنی اسرائیل کی عورتوں کو (ان کی عبادت گاہوں میں جانے سے اگلے پیغمبروں کے زمانہ میں) روک دیا گیا تھا۔

..... یہ بات حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا نے حضور کے وصال کے بعد اپنے زمانہ میں فرمائی تھی اور بقول حضرت شاہ ولی اللہ اسی بناء پر جمہور صحابہؓ کی یہ رائے ہو گئی تھی کہ اب عورتوں کو مسجدوں میں نہ جانا چاہئے، بعد کے زمانوں میں ان تبدیلیوں میں جو اور ترقی ہوئی اور ہمارے معاشرے کی خرابیوں میں جو بے حساب اضافہ ہوا اس کے بعد تو ظاہر ہے کہ اس کی کوئی گنجائش ہی نہیں رہی۔

.....

گزشتہ صفحات میں کتاب الصلوٰۃ کے بالکل شروع ہی میں یہ بات ذکر کی جا چکی ہے کہ نماز صرف ایک عبادتی فریضہ ہی نہیں ہے بلکہ وہ ایمان کی نشانی اور اسلام کا شعار بھی ہے اور اس کا ادا کرنا اسلامیت کا ثبوت اور اس کا ترک کر دینا دین سے بے اعتنائی اور اللہ و رسولؐ سے بے تعلقی کی علامت ہے، اس لئے ضروری تھا کہ نماز کی ادائیگی کا کوئی ایسا بندوبست ہو کہ ہر شخص اس فریضہ کو اخلاقی اور عبادتی لحاظ سے سب کے سامنے ادا کرے۔ اس کے لیے اللہ تعالیٰ کی ہدایت رسول اللہ نے نماز باجماعت کا نظام قائم فرمایا اور ہر مسلمان کے لیے جو بیمار یا کسی دوسری وجہ سے معذور نہ ہو جماعت سے نماز ادا کرنا لازمی قرار دیا۔ ہمارے نزدیک اس نظام جماعت کا خاص راز اور اس کی خاص الخاص حکمت یہی ہے کہ اس کے ذریعہ افراد امت کا روزانہ، بلکہ ہر روز پانچ مرتبہ احتساب ہو جاتا ہے۔ نیز تجربہ اور مشاہدہ ہے کہ اس جماعتی نظام کے طفیل بہت سے وہ لوگ بھی پانچوں وقت کی نماز پابندی سے ادا کرتے ہیں جو عزیمت کی کمی اور جذبے کی کمزوری کی وجہ سے ان حدیثوں کی تشریح میں اور اس مسئلہ پر یہاں ہم نے جو کچھ لکھا ہے وہ دراصل حضرت شاہ ولی اللہ کی دو سطروں کی توضیح و تفصیل ہے ”حجۃ اللہ الباقہ“ میں اس مسئلہ پر کلام کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

ولا اختلاف بین قوله "اذا استأذنت امرأة أحدكم الى المسجد فلا يمنعها" و بین ما حکمہ جمہور الصحابة من منعہا اذا المتنهی الغیرۃ التي تنبعت من الانفة دون خوف الفتنۃ و الجائز ما فیہ خوف الفتنۃ و

ذالک قوله الغیرۃ غیرتان و حدیث عائشۃ ان النساء احدثن الحدیث . حجة اللہ المبلغۃ ص ۲۶۔ ج ۲

سے انفرادی طور پر کبھی بھی ایسی پابندی نہ کر سکتے۔

علاوہ ازیں باجماعت نماز کا یہ نظام بجائے خود افراد امت کی دینی تعلیم و تربیت کا اور ایک دوسرے کے احوال سے باخبری کا ایسا غیر رسمی اور بے تکلف انتظام بھی ہے، جس کا بدل سوچا بھی نہیں جاسکتا۔

نیز نماز باجماعت کی وجہ سے مسجد میں عبادت و اتابیت اور توجہ الی اللہ و دعوات صالحہ کی جو فضا قائم ہوتی ہے اور زندہ قلوب پر اس کے جو اثرات پڑتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف اس کے مختلف الحال بندوں کے قلوب ایک ساتھ متوجہ ہونے کی وجہ سے آسانی رحمتوں کا جو نزول ہوتا ہے اور جماعت میں اللہ تعالیٰ کے مقرب فرشتوں کی شرکت کی وجہ سے (جس کی اطلاع رسول اللہ ﷺ نے بہت سی حدیثوں میں دی ہے) نماز جیسی عبادت میں ملائکہ اللہ کی جو معیت اور رفاقت نصیب ہوتی ہے یہ سب اسی نظام جماعت کے برکات ہیں۔

پھر اس سب کے علاوہ اس نظام جماعت کے ذریعہ امت میں جو اجتماعیت پیدا کی جاسکتی ہے اور محلہ کی مسجد کے روزانہ پنج وقتہ اجتماع اور پوری بستی کی جامع مسجد کے ہفتہ وار وسیع اجتماع اور سال میں دو دفعہ عید گاہ کے اس سے بھی وسیع تر اجتماع جو عظیم اجتماعی اور ملی فائدے اٹھائے جاسکتے ہیں ان کا سمجھنا تو آج کے ہر آدمی کے لئے بہت آسان ہے۔

بہر حال نظام جماعت کے انبی برکات اور اس کے اسی قسم کے مصالح اور منافع کی وجہ سے امت کے ہر شخص کو اس کا پابند کیا گیا ہے کہ جب تک کوئی واقعی مجبوری اور معذوری نہ ہو وہ نماز جماعت ہی سے ادا کرے اور جب تک امت میں رسول اللہ ﷺ کی ہدایت و تعلیمات پر اسی طرح عمل ہو تا تھا جیسا کہ ان کا حق ہے اس وقت سوائے منافقوں یا معذوروں کے ہر شخص جماعت ہی سے نماز ادا کرتا تھا اور اس میں کو تاہی کو نفاق کی علامت سمجھا جاتا تھا۔ اس تمہید کے بعد جماعت کے متعلق ذیل کی حدیثیں پڑھیے۔

جماعت کی اہمیت

(۷۳) عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ قَالَ لَقَدْ رَأَيْتَنَا وَمَا يَتَخَلَفُ عَنِ الصَّلَاةِ إِلَّا مُنَافِقٌ لَقَدْ عَلِمَ نِفَالَهُ أَوْ مَرِيضٌ إِنْ كَانَ الْمَرِيضُ لِمَشِيئَةِ بَيْنَ رَجُلَيْنِ حَتَّى يَأْتِيَ الصَّلَاةَ وَقَالَ إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ عَلَّمَنَا سُنَنَ الْهُدَى وَإِنَّ مِنْ سُنَنِ الْهُدَى الصَّلَاةَ فِي الْمَسْجِدِ الَّذِي يُؤْذُنُ فِيهِ وَلَهُ رِوَايَةٌ إِنَّ اللَّهَ فَرَعَ لِنَبِيِّكُمْ سُنَنَ الْهُدَى وَإِنَّهُنَّ (أَيِ الصَّلَاةِ) حَيْثُ يُنَادِي بِهِنَّ مِنْ سُنَنِ الْهُدَى وَلَوْ أَنَّكُمْ صَلَّيْتُمْ فِي بُيُوتِكُمْ كَمَا يُصَلِّي هَذَا الْمُتَخَلِفُ فِي بَيْتِهِ لَفَرَّقْتُكُمْ سُنَّةَ نَبِيِّكُمْ وَلَوْ تَرَكْتُمْ سُنَّةَ نَبِيِّكُمْ لَفُتِلْتُمْ - (بخاری)

ترجمہ۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا کہ ہم نے اپنے کو (یعنی مسلمانوں کو) اس حال میں دیکھا ہے کہ نماز باجماعت میں شریک نہ ہونے والا یا تو بس کوئی منافق ہوتا تھا جس کی منافقت ڈھکی چھپی نہیں ہوتی تھی، بلکہ عام طور سے لوگوں کو اس کی منافقت کا علم ہوتا تھا۔ یا

کوئی بیچارہ مریض ہو تا تھا (جو بیماری کی مجبوری سے مسجد تک نہیں آ سکتا تھا) اور بعضے مریض بھی دو آدمیوں کے سہارے چل کر آتے اور جماعت میں شریک ہوتے تھے۔ اسکے بعد حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے ہم کو اللہ کی تعلیم دی ہے (یعنی دین و شریعت کی ایسی باتیں بتائی ہیں جن سے ہماری ہدایت و سعادت وابستہ ہے) اور انہی باتوں میں سے ایسی مسجد میں جہاں اذان دی جاتی ہو جماعت سے نماز ادا کرنا بھی ہے۔ اور ایک دوسری روایت میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا یہ ارشاد اس طرح نقل کیا گیا ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ:-

”اے مسلمانو! اللہ نے تمہارے نبیؐ کے لیے اللہ مقرر فرمائی ہیں (یعنی ایسے اعمال کا حکم دیا ہے جو اللہ تعالیٰ کے مقام قرب و رضاء تک پہنچانے والے ہیں) اور یہ پانچوں نمازیں جماعت سے مسجد میں ادا کرنا انہی باتوں میں سے ہے اور اگر تم اپنے گھروں ہی میں نماز پڑھنے لگو گے جیسا کہ یہ ایک آدمی جماعت سے الگ اپنے گھر میں نماز پڑھتا ہے (یہ اس زمانے کے کسی خاص شخص کی طرف اشارہ تھا) تو تم اپنے پیغمبر کا طریقہ چھوڑ دو گے، اور جب تم اپنے پیغمبر کا طریقہ چھوڑ دو گے تو یقین جانو کہ تم راہ ہدایت سے ہٹ جاؤ گے اور گمراہی کے غار میں جاؤ گے۔“

رسول اللہ ﷺ کے جلیل القدر صحابی حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے اپنے اس ارشاد میں فرمایا ہے کہ پانچوں وقت کی نماز جماعت سے مسجد میں ادا کرنا رسول اللہ ﷺ کی تعلیم فرمودہ باتوں میں سے ہے، یعنی آپؐ کی ان اہم دینی تعلیمات میں سے ہے، جن سے امت کی ہدایت وابستہ ہے۔ آگے آپؐ نے یہ بھی فرمایا کہ جماعت کی پابندی ترک کر کے اپنے گھروں ہی پر نماز پڑھنے لگنا، رسول اللہ ﷺ کے طریقے کو چھوڑ کر گمراہی اختیار کر لینا ہے۔ اسی کے ساتھ آپؐ نے یہ بھی فرمایا کہ اس امت کے اس اولین دور میں جو مثالی اور معیاری دور تھا، منافقوں اور مجبور مریضوں کے علاوہ ہر مسلمان جماعت ہی سے نماز ادا کرتا تھا، اور اللہ کے بعض صاحب عزیت بندے تو بیماری کی حالت میں بھی دوسروں کے سہارے آکر جماعت میں شرکت کرتے تھے۔

حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے اس پورے بیان سے یہ بات بالکل واضح ہے کہ جماعت کی حیثیت ان کے اور عام صحابہؓ کے نزدیک دینی واجبات کی سی ہے۔ پس جن حضرات نے اس روایت کے لفظ ”انہی باتوں میں سے“ سے یہ سمجھا ہے کہ جماعت کا درجہ فقہی اصطلاح کے مطابق پس منہ کا ہے، غالباً انہوں نے غور کرتے وقت حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کے اس پورے ارشاد کو سامنے نہیں رکھا۔ آگے درج ہونے والی حدیثوں سے اس مسئلہ پر اور زیادہ روشنی پڑے گی۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ لَيْسَ صَلَوةُ الْفَقْرِ عَلَى الْمُنَافِقِينَ مِنَ الْفَجْرِ وَالْعِشَاءِ وَلَوْ يَعْلَمُونَ مَا فِيهِمَا لَاتَوَهُمَا وَلَوْ حَبَوَا لَقَدْ هَمَمْتُ اَنْ اَمُرَ الْمُؤَدِّنَ فَيَقِيمَ ثُمَّ اَمُرَ رَجُلًا يَوْمَ النَّاسِ ثُمَّ اخَذَ شَعْلًا مِنْ نَارٍ فَاحْرَقَ عَلَى مَنْ لَا يَخْرُجُ اِلَى الصَّلَوةِ بَعْدَ

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: منافقوں پر کوئی نماز بھی فجر وعشاء سے زیادہ بھاری نہیں ہے، اور اگر وہ جانتے کہ ان دونوں میں کیا اجر و ثواب ہے اور کیا برکتیں ہیں تو وہ ان نمازوں میں بھی حاضر ہوا کرتے اگرچہ ان کو گھنٹوں کے بل گھسٹ کر آتا پڑتا (یعنی اگر بالفرض کسی بیماری کی وجہ سے وہ چل کر نہ آ سکتے تو گھنٹوں کے بل گھسٹ کے آتے، اس کے بعد آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا) کہ میرے جی میں آتا ہے کہ (کسی دن) میں مؤذن کو حکم دوں کہ وہ جماعت کے لئے اقامت کہے، پھر میں کسی شخص کو حکم دوں کہ (میری جگہ) وہ لوگوں کی امانت کرے اور خود آگ کے فیتلے ہاتھ میں لوں اور ان لوگوں پر (یعنی ان کے موجود ہوتے ہوئے ان کے گھروں میں) آگ لگا دوں جو اس کے بعد بھی (یعنی ان سنے کے بعد بھی) نماز میں شرکت کرنے کے لئے گھروں سے نہیں نکلتے۔
(صحیح بخاری، صحیح مسلم)

تشریح:..... اللہ اکبر! کتنی سخت وعید ہے، اور کیسے جلال اور غصہ کا اظہار ہے، رسول اللہ ﷺ کی طرف سے ان لوگوں کے حق میں جو آپ کے زمانے میں جماعت میں غیر حاضر ہوتے تھے۔

اور اسی بارے میں رسول اللہ ﷺ کا اسی طرح کا ایک لرزہ خیز ارشاد حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے سنن ابن ماجہ میں مروی ہے، بلکہ وہ اس سے بھی زیادہ صاف و صریح ہے۔ اس کے الفاظ یہ ہیں۔
لَيَسْتَهَيِّنَنَّ رِجَالٌ عَنْ تَرْكِ الْجَمَاعَةِ أَوْ لَا حَرَكَنَ بَيُوتُهُمْ — (کنز العمال بحوالہ ابن ماجہ)
لوگوں کو چاہئے کہ وہ جماعت ترک کرنے سے باز آئیں، نہیں تو میں ان کے گھروں میں آگ لگوا دوں گا۔

یہ تارکین جماعت جن کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے اتنے سخت غصہ کا اظہار فرمایا، خواہ عقیدے کے منافق ہوں یا عمل کے منافق (یعنی دینی اعمال میں سستی اور کوتاہی کرنے والے) بہر حال اس وعید اور دھمکی کا تعلق ان کے عمل ”ترک جماعت“ سے ہے۔ اسی بناء پر بعض ائمہ سلف (جن میں سے ایک امام احمد ابن حنبلؒ بھی ہیں) اس طرف گئے ہیں کہ ہر غیر معذور شخص کے لئے جماعت سے نماز پڑھنا فرض ہے۔ یعنی ان کے نزدیک جس طرح نماز پڑھنا فرض ہے اسی طرح اس کو جماعت سے پڑھنا ایک مستقل فرض ہے اور جماعت کا تارک ایک فرض عین کا تارک ہے۔ لیکن محققین احناف نے ”جماعت“ سے متعلق تمام احادیث کو سامنے رکھ کر یہ رائے قائم کی ہے کہ اس کا درجہ واجب کا ہے اور اس کا تارک کتہگار ہے۔ اور مندرجہ بالا حدیث میں رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ایک طرح کی تہدید اور دھمکی ہے۔ واللہ اعلم

(۷۵) **عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مَنْ سَمِعَ الْمُنَادِيَ لَكُمْ مَنَعَةٌ مِنْ رَبِّكُمْ فَلَا تَزَالُوا وَمَا الْعُلُرُ قَالَ خَوْفٌ أَوْ مَرَضٌ لَمْ تُقْبَلْ مِنْهُ الصَّلَاةُ الَّتِي صَلَّى** . (رواہ ابوداؤد و الدارقطنی)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: جو شخص نماز جماعت کے لئے مؤذن کی پکار سنے اور اس کی تابعداری کرنے سے (یعنی جماعت میں شریک ہونے

سے) کوئی واقعی عذر اس کے لیے مانع نہ ہو (اور اس کے باوجود وہ جماعت میں نہ آئے بلکہ الگ ہی اپنی نماز پڑھ لے) تو اس کی وہ نماز اللہ کے ہاں قبول نہیں ہوگی۔ بعض صحابہؓ نے عرض کیا کہ: حضرت () واقعی عذر کیا ہو سکتا ہے؟ آپ () نے ارشاد فرمایا: جان و مال کا خوف یا مرض۔ (صحیح بخاری، ج ۱، ص ۱۰۱)

تشریح..... اس حدیث میں بھی تارکین جماعت کے لیے سخت و عید اور تہدید ہے۔ بعض ائمہ سلف کا مذہب اسی حدیث کی بناء پر یہ ہے کہ جماعت وضو وغیرہ کی طرح نماز کے شرائط میں سے ہے، اور غیر معذور آدمی کی نماز جماعت کے بغیر سرے سے ہوتی ہی نہیں ہے۔ لیکن جمہور ائمہ کا مذہب یہ نہیں ہے، ان کے نزدیک ایسی نماز ہو تو جاتی ہے لیکن بہت ناقص ادا ہوتی ہے، اور اس کا ثواب بھی کم ہوتا ہے، اور رضاء الہی جو خاص الخاص مقصد اور ثمرہ ہے اس سے محروم رہتی ہے، جمہور کے نزدیک مقبول نہ ہونے کا مطلب یہی ہے۔ اور دوسری ان حدیثوں سے جن میں نماز باجماعت اور نماز بے جماعت کے ثواب کی کمی بیشی بتائی گئی ہے۔ جمہور ہی کے مسلک کی تائید ہوتی ہے۔ تاہم یہ حقیقت ہے کہ بغیر عذر کے ترک جماعت بہت بڑی محرومی اور بد بختی ہے۔

۷۶) عَنْ أَبِي النَّزَّاءِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مَا مِنْ ثَلَاثَةٍ فِي قَرْيَةٍ وَلَا بَدْوٍ لَا تَقَامُ فِيهِمُ الصَّلَاةُ إِلَّا لَذِ اسْتِخْوَذَ عَلَيْهِمُ الشَّيْطَانُ لَمَلِكٍ بِالْجَمَاعَةِ فَإِنَّمَا يَأْكُلُ الدُّنْيَ الْقَاصِيَةَ .

(رواہ احمد و ابو داؤد و السنن)

تشریح..... حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ () نے فرمایا کہ: کسی بستی میں یا بادیه میں تین آدمی ہوں اور وہ نماز باجماعت نہ پڑھتے ہوں تو ان پر شیطان یقیناً قابو پالے گا، البتہ اتم جماعت کی پابندی کو اپنے پر لازم کر لو، کیونکہ بھیڑیاسی بھیڑ کو اپنا ائمہ بناتا ہے جو گلے سے الگ دور رہتی ہے۔

(صحیح بخاری، ج ۱، ص ۱۰۱)

تشریح..... مطلب یہ ہے کہ اگر کسی جگہ صرف تین آدمی بھی نماز پڑھنے والے ہوں تو انکو جماعت ہی سے نماز پڑھنا چاہئے، اگر وہ ایسا نہیں کریں گے تو شیطان آسانی سے ان کو شکار کر سکے گا۔

نماز باجماعت کی فضیلت اور برکت

۷۷) عَنْ أَبِي عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ صَلَاةُ الْجَمَاعَةِ تَفْضُلُ صَلَاةُ الْفَذِّ بِسَبْعٍ وَعِشْرِينَ فَرْجَةً .

(رواہ البخاری و مسلم)

تشریح..... حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ () نے فرمایا: باجماعت نماز پڑھنا اکیلے نماز پڑھنے کے مقابلے میں سترائیس درجہ زیادہ فضیلت رکھتا ہے۔ (صحیح بخاری، ج ۱، ص ۱۰۱)

تشریح..... جس طرح ہماری اس مادی دنیا میں چیزوں کے خواص اور اثرات میں درجوں اور نمبروں کا فرق

ہوتا ہے اور اس کی بناء پر ان چیزوں کی افادیت اور قدر و قیمت میں بھی فرق ہو جاتا ہے، اسی طرح ہمارے اعمال میں بھی درجوں اور نمبروں کا فرق ہوتا ہے، اور اس کا صحیح اور تفصیلی علم بس اللہ تعالیٰ ہی کو ہے۔ رسول اللہ ﷺ جب کسی عمل کے متعلق یہ فرماتے ہیں کہ یہ فلاں عمل کے مقابلے میں اتنے درجہ افضل ہے تو وہ اس انکشاف کی بناء پر فرماتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس سلسلہ میں آپ پر کیا جاتا ہے۔ پس رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد کہ نماز باجماعت کی فضیلت اکیلے نماز پڑھنے کے مقابلے میں ۷۲ درجہ زیادہ ہے اور اس کا ثواب ۷۲ گنا زیادہ ملنے والا ہے، وہ حقیقت ہے جو اللہ تعالیٰ نے آپ پر منکشف فرمائی اور آپ نے اہل ایمان کو بتلائی۔ اب صاحب ایمان کا مقام یہ ہے کہ وہ اس پر دل سے یقین کرتے ہوئے ہر وقت کی نماز جماعت ہی سے پڑھنے کا اہتمام کرے۔

اس حدیث سے ضمنیہ بھی معلوم ہوا کہ اکیلے پڑھنے والے کی نماز بھی بالکل کالعدم نہیں ہے وہ بھی ادا ہو جاتی ہے لیکن ثواب میں ۷۲ درجہ کمی رہتی ہے اور یہ بھی یقیناً بہت بڑا خسار اور بڑی محرومی ہے۔

(۷۸) عَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مَنْ صَلَّى لِلَّهِ أَرْبَعِينَ يَوْمًا فِي جَمَاعَةٍ يُنْزِلُكَ التَّكْوِينُ الْأَوَّلَىٰ مُجِيبٌ لَهُ بَرَاءَةٌ تَابَ بَرَاءَةٌ مِنَ النَّارِ وَ بَرَاءَةٌ مِنَ الْيَقَاقِ . (رواہ الترمذی)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص چالیس دن تک ہر نماز جماعت کے ساتھ پڑھے اس طرح کہ اس کی تکبیر اولیٰ بھی فوت نہ ہو تو اس کے لئے دو برائیاں لکھ دی جاتی ہیں ایک آتش دوزخ سے براءت اور دوسری نفاق سے براءت۔ (ابن تہیم)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ کامل ایک چلہ ایسی پابندی اور اہتمام سے جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا کہ تکبیر اولیٰ بھی فوت نہ ہو اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایسا مقبول و محبوب عمل ہے اور بندہ کے ایمان و اخلاص کی ایسی نشانی ہے کہ اس کے لیے فیصلہ کر دیا جاتا ہے کہ اس کا دل نفاق سے پاک ہے اور یہ ایسا جنتی ہے کہ دوزخ کی آج سے بھی وہ کبھی آشنا نہ ہو گا۔ اللہ کے بندے صدق دل سے ارادہ اور ہمت کریں تو اللہ تعالیٰ سے توفیق کی امید ہے، کوئی بہت بڑی بات نہیں ہے۔

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ کسی عمل خیر کی چالیس دن تک پابندی خاص تاثیر رکھتی ہے۔

جماعت کی نیت پر جماعت کا پورا ثواب

(۷۹) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مَنْ تَوَضَّأَ لِحَسَنٍ وَضُوءٍ ثُمَّ رَاحَ لَوْجَدَ النَّاسَ لَدَ صَلَوا أَعْطَاهُ اللَّهُ بِفَلْ أَجْرٍ مِنْ صَلَاهَا وَحَضَرَ هَا لَا يَنْقُصُ ذَلِكَ مِنْ أَجْزَائِهِمْ حَتَّى . (رواہ ابو داؤد و النسائی)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس شخص نے وضو کیا اور اچھی طرح (یعنی پورے آداب کے ساتھ) وضو کیا، پھر وہ (جماعت کے ارادے سے مسجد کی طرف)

گیا، وہاں پہنچ کر اس نے دیکھا کہ لوگ جماعت سے نماز پڑھ چکے اور جماعت ہو چکی، تو اللہ تعالیٰ اس بندے کو بھی ان لوگوں کے برابر ثواب دے گا جو جماعت میں شریک ہوئے اور جنہوں نے جماعت سے نماز ادا کی، اور یہ چیز ان لوگوں کے اجر و ثواب میں کمی کا باعث نہیں ہوگی۔ (سنن ابی داؤد، سنن ابن ماجہ)

ترجمہ..... مطلب یہ ہے کہ ایک شخص جو جماعت کی پابندی کرتا ہے اور اس کے لئے پورا اہتمام کرتا ہے اس کو اگر کبھی ایسا واقعہ پیش آجائے کہ وہ اپنی عادت کے مطابق اچھی طرح وضو کر کے جماعت کی نیت سے مسجد جائے اور وہاں جا کر اسے معلوم ہو کہ جماعت ہو چکی ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی نیت اور اس کے اہتمام کی وجہ سے اس کو جماعت والی نماز کا پورا ثواب عطا فرمائیں گے، کیونکہ ظاہر ہے کہ اس کی کسی نادانستہ کوتاہی یا غفلت و لاپرواہی کی وجہ سے اس کی جماعت فوت نہیں ہوئی ہے، بلکہ وقت کے اندازہ کی غلطی یا کسی ایسی ہی وجہ سے وہ بے چارہ جماعت سے رہ گیا ہے، جس میں اس کا قصور نہیں ہے۔

کئی حالات میں مسجد اور جماعت کی پابندی ضروری نہیں

۸۰. عَنْ ابْنِ عُمَرَ أَنَّهُ أَذَّنَ بِالصَّلَاةِ فِي لَيْلَةٍ ذَاتِ بَرْدٍ وَنَبِيحٌ ثُمَّ قَالَ لَا أَلَا صَلُّوا فِي الرَّحَالِ ثُمَّ قَالَ إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ كَانَ يَأْمُرُ الْمُؤَذِّنَ إِذَا كَانَتْ لَيْلَةٌ ذَاتُ بَرْدٍ وَمَطَرٍ يَقُولُ لَا صَلُّوا فِي الرَّحَالِ. (رواه البخاری و مسلم)

ترجمہ..... حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے ایک رات میں جو بہت سردی اور تیز ہوا والی رات تھی، اذان دی، پھر خود ہی اذان کے بعد پکار کے فرمایا: لوگو! اپنے گھروں پر نماز پڑھ لو۔ پھر آپ نے بتایا کہ رسول اللہ ﷺ کا دستور تھا کہ جب سردی اور بارش والی رات ہوتی تو آپ مؤذن کو حکم فرمادیتے کہ وہ یہ بھی اعلان کر دے کہ آپ لوگ اپنے گھروں ہی میں نماز پڑھ لیں۔ (سنن ابی داؤد، سنن ابن ماجہ)

ترجمہ..... اس حدیث میں سردی اور ہوا کا جو ذکر ہے ظاہر ہے کہ اس سے غیر معمولی اور خطرناک قسم کی سردی اور ہوا ہی مراد ہے اور ایسی صورت میں یہی حکم ہے۔ اسی طرح بارش اگر اتنی ہو کہ مسجد تک جانے میں بجیگ جانے کا اندیشہ ہو، یا راستہ میں پانی یا کچڑ یا پھسلن ہو تو بھی یہی حکم ہے یعنی اجازت ہے کہ نماز گھر ہی پر پڑھ لی جائے، ایسی سب صورتوں میں جماعت میں حاضری ضروری نہیں رہتی۔

۸۱. عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِذَا وُضِعَ عَشَاءُ أَحَدِكُمْ وَاقْبَمَتِ الصَّلَاةُ فَلَا تَبْنُوا بِالْعَشَاءِ وَلَا يُعْجَلُ حَتَّى يَفْرُغَ مِنْهُ. (رواه البخاری و مسلم)

ترجمہ..... حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے یہ بھی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب تم میں سے کسی کا رات کا کھانا (کھانے کے لئے) سامنے رکھ دیا جائے اور (دوسری طرف مسجد میں) جماعت کھڑی ہو جائے تو پہلے وہ کھانا کھالے اور جب تک اس سے فراغت نہ ہو جائے جلد بازی سے کام نہ لے۔

(سنن ابی داؤد، سنن ابن ماجہ)

تشریح..... شارحین نے لکھا ہے اور واقعہ بھی یہی ہے کہ یہ حکم اس صورت میں ہے جب کہ آدمی کو بھوک اور کھانے کا تقاضا ہو اور کھانا سامنے رکھ دیا گیا ہو، ایسی حالت میں اگر آدمی کو حکم دیا جائے گا کہ وہ کھانا چھوڑ کے نماز میں شریک ہو تو اس کا کافی امکان ہے کہ اس کا دل نماز پڑھتے ہوئے بھی کھانے میں لگا رہے، اس لئے ایسی صورت میں شریعت کا حکم اور حکمت کا تقاضا بھی یہی ہے کہ وہ پہلے کھانے سے فارغ ہو اس کے بعد نماز پڑھے۔

صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی اسی روایت میں حدیث کے راوی حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے متعلق نقل کیا گیا ہے کہ خود ان کو بھی ایسا اتفاق ہو جاتا تھا کہ ان کے سامنے کھانا رکھ دیا گیا اور مسجد میں جماعت کھڑی ہو گئی، تو ایسی صورت میں آپ کھانا چھوڑ کے نہیں بیٹھتے تھے بلکہ کھانا کھاتے رہتے تھے، حالانکہ (مکان مسجد کے بالکل قریب ہونے کی وجہ سے) امام کی قرأت کی آواز کانوں میں آتی رہتی تھی لیکن آپ کھانے سے فارغ ہو کر ہی نماز پڑھتے تھے۔ اس کے ساتھ یہ بھی ملحوظ رہنا چاہئے کہ حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ شریعت و سنت کے بے حد پابند بلکہ عاشق تھے، ان کا یہ طرز عمل خود ان کی روایت کردہ مندرجہ بالا حدیث ہی کی وجہ سے تھا۔

۸۲) عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا لَأَلَّتْ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ لَا صَلَاةَ بِحَضْرَةِ الطَّعَامِ وَلَا وَهُوَ يَذْأُلُهُ الْأَخْبَانِ . (رواہ مسلم)

ترجمہ۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا، آپ فرماتے تھے کہ نماز کا حکم نہیں ہے کھانے کے سامنے ہوتے ہوئے اور نہ ایسی حالت میں جب کہ آدمی کو پانچخانے یا پیشاب کا تقاضا ہو۔ (صحیح مسلم)

۸۳) عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ أَرْقَمٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ إِذَا أَلْبَسْتَ الصَّلَاةَ وَوَجَدَ أَحَدُكُمْ الْغَلَاءَ فَلْيَبْدَأْ بِالْغَلَاءِ . (رواہ الترمذی و روی مالک و ابو داؤد و السنائی نحوه)

ترجمہ۔ حضرت عبداللہ بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا آپ فرماتے تھے کہ جب جماعت کھڑی ہو جائے اور تم میں سے کسی کو استیجہ کا تقاضا ہو تو اس کو چاہئے کہ پہلے استیجہ سے فارغ ہو۔ (جامع ترمذی۔ نیز یہی حدیث مؤطا امام مالک سنن ابی داؤد و سنن نسائی میں الفاظ کے معمولی فرق کے ساتھ مروی ہے)

تشریح..... ان حدیثوں میں طوفانی ہو یا بارش یا سخت سردی کے اوقات میں یا کھانے پینے اور پیشاب پانچخانے کے تقاضے کی حالت میں جماعت سے غیر حاضری اور اکیلے ہی نماز پڑھنے کی جو اجازت دی گئی ہے یہ اس کی واضح مثال ہے کہ شریعت میں انسانوں کی حقیقی مشکلوں اور مجبوریوں کا کتنا لحاظ کیا گیا ہے۔

مَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ (الفتح ۲۲ ۷۸)

اللہ نے دین میں تمہارے لئے تنگی اور مشکل نہیں رکھی ہے۔

جماعت میں صف بندی

نماز کے لئے جو اجتماعی نظام "جماعت" کی شکل میں تجویز کیا گیا ہے، اس کے لئے رسول اللہ ﷺ نے یہ طریقہ تعلیم فرمایا ہے کہ: لوگ صفیں بنا کر برابر برابر کھڑے ہوں۔ ظاہر ہے کہ نماز جیسی اجتماعی عبادت کے لئے اس سے زیادہ حسین و سنجیدہ اور اس سے بہتر کوئی صورت نہیں ہو سکتی۔ پھر اس کی تکمیل کے لئے آپ ﷺ نے تاکید فرمائی کہ صفیں بالکل سیدھی ہوں، کوئی شخص ایک انچ نہ آگے ہو اور نہ پیچھے، پہلے انگلی صف پوری کر لی جائے اس کے بعد پیچھے کی صف شروع کی جائے۔ بڑے اور ذمہ دار اور اصحاب علم و فہم انگلی صفوں میں اور امام سے قریب جگہ حاصل کرنے کی کوشش کریں۔ چھوٹے بچے پیچھے کھڑے ہوں اور اگر خواتین جماعت میں شریک ہوں تو ان کی صف سب سے پیچھے ہو۔ امام سب سے آگے اور صفوں کے درمیان میں کھڑا ہو۔ ظاہر ہے کہ ان سب باتوں کا مقصد جماعت کی تکمیل اور اس کو زیادہ مفید اور مؤثر بنانا ہے۔ رسول اللہ ﷺ خود بھی ان باتوں کا عملاً اہتمام فرماتے اور وقتاً فوقتاً امت کو بھی ان کی ہدایت و تلقین فرماتے اور ان کا ثواب بیان فرما کر ترغیب دیتے، نیز ان امور میں بے پروائی کرنے والوں کو سخت تنبیہ فرماتے اور اللہ کے عذاب سے ڈراتے تھے۔

ان تمہیدی سطروں کے بعد اس سلسلہ کی مندرجہ ذیل چند حدیثیں پڑھئے۔

صفوں کو سیدھا اور برابر کرنے کی اہمیت اور تاکید

(۸۴) عَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ سَوِّوْا صُفُوفَكُمْ لِإِنَّ تَسْوِيَةَ الصُّفُوفِ مِنْ إِمَامَةِ

الصَّلَاةِ . (رواہ البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: لوگو! نماز میں صفوں کو برابر کیا کرو، کیونکہ صفوں کو سیدھا اور برابر کرنا نماز اچھی طرح ادا کرنے کا جزو ہے۔ (صحیح بخاری، صحیح مسلم)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ "اقامت سلاطین" جس کا قرآن مجید میں جا بجا حکم دیا گیا ہے اور جو مسلمانوں کا سب سے اہم فریضہ ہے، اس کی کامل ادائیگی کے لئے یہ بھی شرط ہے کہ جماعت کی صفیں بالکل سیدھی اور برابر ہوں۔

سنن ابی داؤد وغیرہ میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب نماز پڑھانے کے لئے کھڑے ہوتے تو پہلے داہنی جانب رخ کر کے لوگوں سے فرماتے کہ: برابر برابر ہو جاؤ اور صفوں کو سیدھا کرو۔ پھر اسی طرح بائیں جانب رخ کر کے ارشاد فرماتے کہ برابر برابر ہو جاؤ اور صفوں کو سیدھا کرو۔ اس حدیث سے اور اسکے علاوہ بھی بعض دوسری حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ خصوصاً نماز کے لئے کھڑے ہونے کے وقت اکثر و بیشتر یہ تاکید فرماتے تھے۔

(۸۵) عَنِ الثُّعْمَانِ بْنِ بَشِيرٍ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يُسَوِّي صُفُوفَنَا حَتَّى كَأَنَّمَا يُسَوِّي بَيْتًا

الْقِدَاحِ حَتَّى رَأَى أَنَّ لَدَّ عَقْلًا عَنْهُ ثُمَّ خَرَجَ يَوْمًا لِقَامِ حَتَّى كَادَ أَنْ يُكَبِّرَ لِرَأَى رَجُلًا بَادِيًا
صَلَاةً مِنَ الصُّفِّ لِقَامِ عِبَادِ اللَّهِ لَتَسُوُّ لَكُمْ أَوْ لِيُنَا لِقَنَ اللَّهُ بَيْنَ وَجْهِكُمْ .

(رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہماری صفوں کو اس قدر سیدھا اور برابر کراتے تھے گویا کہ ان کے ذریعہ آپ تیروں کو سیدھا کریں گے یہاں تک کہ آپ کو خیال ہو گیا کہ اب ہم لوگ سمجھ گئے (کہ ہم کو کس طرح برابر کھڑا ہونا چاہئے) اس کے بعد ایک دن ایسا ہوا کہ آپ باہر تشریف لائے اور نماز پڑھانے کے لئے اپنی جگہ پر کھڑے بھی ہو گئے، یہاں تک کہ قریب تھا کہ آپ تکبیر کہہ کے نماز شروع فرمادیں کہ آپ کی نگاہ ایک شخص پر پڑی جس کا سینہ صف سے کچھ آگے نکلا ہوا تھا تو آپ نے فرمایا کہ: اللہ کے بندو! اپنی صفوں کو سیدھا اور بالکل برابر کرو ورنہ اللہ تعالیٰ تمہارے رخ ایک دوسرے کے مخالف کر دے گا۔ (صحیح مسلم)

تشریح..... حدیث کے الفاظ:

حَتَّى كَانَمَا يُسَوِّي بَهَا الْقِدَاحِ

”گویا کہ آپ صفوں کے ذریعہ تیر سیدھے کریں گے“

کا مطلب سمجھنے کے لئے پہلے یہ جان لینا چاہئے کہ اہل عرب شکار یا جنگ میں استعمال کے لئے جو تیر تیار کرتے تھے ان کو بالکل سیدھا اور برابر کرنے کی بڑی کوشش کی جاتی تھی، اس لئے کسی چیز کی برابری اور سیدھے پن کی تعریف میں مبالغے کے طور پر وہاں کہا جاتا تھا کہ وہ چیز ایسی برابر اور استدر سیدھی ہے کہ اس کے ذریعہ تیروں کو سیدھا کیا جاسکتا ہے۔ یعنی وہ تیروں کو سیدھا اور برابر کرنے میں معیار اور پیمانہ کا کام دے سکتی ہے۔ الغرض اس حدیث کے راوی حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کا مطلب بس یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہماری صفوں کو اس قدر سیدھی اور برابر کرنے کی کوشش فرماتے تھے کہ ہم میں سے کوئی سوت برابر بھی آگے یا پیچھے نہ ہو، یہاں تک کہ طویل مدت کی اس مسلسل کوشش اور تربیت کے بعد آپ کو اطمینان ہو گیا کہ ہم کو یہ بات سمجھ آگئی، لیکن اس کے بعد جب ایک دن آپ نے اس معاملہ میں ایک آدمی کی کوتاہی دیکھی تو بڑے جلال کے انداز میں فرمایا کہ: اللہ کے بندو! میں تم کو آگاہی دیتا ہوں کہ اگر صفوں کو برابر اور سیدھا کرنے میں تم بے پروائی اور کوتاہی کرو گے تو اللہ تعالیٰ اس کی سزا میں تمہارے رخ ایک دوسرے سے مختلف کر دے گا، یعنی تمہاری وحدت اور اجتماعیت پارہ پارہ کر دی جائے گی اور تم میں پھوٹ پڑ جائے گی، جو امتوں اور قوموں کے لئے اس دنیا میں سوزناؤں کا ایک عذاب ہے۔ صفوں کو برابر اور سیدھا کرنے میں کوتاہی اور غفلت پر باہمی اختلاف اور پھوٹ کی وعید متعدد حدیثوں میں وارد ہوئی ہے اور بلاشبہ اس قصور اور اس کی اس سزا میں خاص مناسبت ہے۔ افسوس بہت سی دوسری چیزوں کی طرح اس معاملہ میں بھی کوتاہی خاص کر بعض علاقوں میں بہت عام ہو چکی ہے۔

(۸۶) عَنْ أَبِي مَسْعُودٍ الْأَنْصَارِيِّ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يُمْسَحُ مَنَاكِبَنَا فِي الصَّلَاةِ وَيَقُولُ اسْتَوُوا وَلَا تَخْتَلِفُوا لَتُؤْتِيَنَّكُمْ إِلَيْنِ مِنْكُمْ أُولُوا الْأَخْلَامِ وَالْهَيْئَةُ ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ . (رواه المسلم)

ترجمہ: حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نماز میں (یعنی نماز کے لئے جماعت کھڑے ہونے کے وقت) ہمیں برابر کرنے کے لئے ہمارے مونڈھوں پر ہاتھ پھیرتے تھے اور فرماتے تھے برابر برابر ہو جاؤ اور مختلف (یعنی آگے پیچھے) نہ ہو کہ خدا کو وہ اس کی سزا میں تمہارا قلوب باہم مختلف ہو جائیں (اور فرماتے تھے کہ) تم میں سے جو دانش مند اور سمجھدار ہیں وہ میرے قریب ہوں، ان کے بعد وہ لوگ ہوں جن کا نسب اس صفت میں ان کے قریب ہو، اور ان کے بعد وہ لوگ جن کا درجہ ان سے قریب ہو۔ (تفسیر ابن کثیر)

تشریح: اس حدیث میں صفوں کی برابری کے علاوہ صف بندی ہی کے متعلق رسول اللہ ﷺ کی ایک دوسری ہدایت یہ بھی بیان ہوئی ہے کہ میرے قریب وہ لوگ کھڑے ہوں جن کو اللہ تعالیٰ نے فہم و دانش میں امتیاز عطا فرمایا ہے، ان کے بعد اس لحاظ سے وہ درجہ والے اور ان کے بعد سوم درجہ والے۔ ظاہر ہے کہ یہ ترتیب بالکل فطری بھی ہے۔ اور تعلیم و تربیت کی مصالحت کا تقاضا بھی یہی ہے کہ اچھی اور ممتاز ساریوں والے درجہ بدرجہ آگے اور قریب ہیں۔

(۸۷) عَنِ الثُّعْمَانِ بْنِ بَشِيرٍ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يُسَوِّي صُفُوفَنَا إِذَا لَمَعْنَا إِلَى الصَّلَاةِ لَأَذَا اسْتَوَيْنَا كَهْرًا . (رواه ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت ثعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب ہم کو نماز پڑھانے کے لئے کھڑے ہوتے تو پہلے آپ ہماری صفوں کو برابر فرماتے، اور جب ہماری صفیں درست اور برابر ہو جاتیں، تو آپ ہمیں کہتے یعنی نماز شروع فرماتے۔ (تفسیر ابن کثیر)

یہ تہذیبی صفیں ہمیں دینی جہت میں

(۸۸) عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِذَا أَمَرَ الصَّفَّ الْمُقْبِلَ ثُمَّ الَّذِي يَلِيهِ لَمَّا كَانَ مِنْ نَفْصِ لَيْكُنْ فِي الصَّفِّ الْمُؤَخَّرِ . (رواه ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تو پہلے اگلی صف پوری کیا کرو، پھر اس کے قریب والی تاکہ جو کسی سر رہے وہ آخری ہی صف میں رہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

تشریح: ... مطلب یہ ہے کہ جماعت سے نماز پڑھی جائے تو لوگوں کو چاہئے کہ آگے والی صف پوری کر لینے کے بعد پیچھے والی صف میں کھڑے ہوں اور جب تک کسی اگلی صف میں جگہ باقی رہے پیچھے نہ کھڑے ہوں۔ اس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ اگلی صفیں سب مکمل ہوں گی اور جو کسی سر رہے گی وہ سب سے

آخری ہی صف میں رہے گی!

صف اول کی فضیلت

(۸۹) عَنْ أَبِي أُمَامَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِنَّ اللَّهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى الصَّفِّ الْأَوَّلِ لِقَوْلِهَا يَا رَسُولَ اللَّهِ وَعَلَى الثَّانِي قَالَ إِنَّ اللَّهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى الصَّفِّ الْأَوَّلِ لِقَوْلِهَا يَا رَسُولَ اللَّهِ وَعَلَى الثَّانِي قَالَ إِنَّ اللَّهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى الصَّفِّ الْأَوَّلِ لِقَوْلِهَا يَا رَسُولَ اللَّهِ وَعَلَى الثَّانِي قَالَ وَعَلَى الثَّانِي . (رواہ احمد)

ترجمہ: حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ رحمت فرماتا ہے اور اس کے فرشتے دعا رحمت کرتے ہیں، پہلی صف کے لئے۔ بعض صحابہؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ (ﷺ)! اور دوسری کے لئے بھی؟ آپ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ رحمت فرماتا ہے اور فرشتے دعاء رحمت کرتے ہیں پہلی صف کے لئے۔ پھر عرض کیا کیا۔ اور دوسری صف کے لئے بھی؟ آپ نے پھر پہلی ہی بات دہرائی۔ یعنی فرمایا کہ اللہ تعالیٰ رحمت فرماتا ہے اور اس کے فرشتے دعا خیر کرتے ہیں پہلی صف کے لئے۔ پھر آپ سے عرض کیا گیا کہ یا رسول اللہ (ﷺ)! اور دوسری صف کے لئے بھی؟ آپ نے تیسری مرتبہ بھی وہی پہلی بات دہرائی کہ اللہ تعالیٰ رحمت فرماتا ہے اور فرشتے دعاء رحمت کرتے ہیں پہلی صف والوں کے لئے۔ ان لوگوں نے پھر عرض کیا کہ یا رسول اللہ (ﷺ)! اور دوسری صف کیلئے بھی؟ تو اس چوتھی دفعہ آپ نے فرمایا اور دوسری صف والوں کے لئے بھی۔ (مسند احمد)

ترجمہ: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی خاص رحمت اور فرشتوں کی دعا رحمت کے خصوصی مستحق اہل صف والے ہی ہوتے ہیں، دوسری صف والے بھی اس سعادت میں اگرچہ شریک ہیں لیکن بہت پیچھے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ پہلی اور دوسری صف میں بظاہر اور باہری نکاتوں میں فاصلہ تو بہت ہی تھوڑا سا ہوتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ کے نزدیک ان میں بہت فاصلہ ہے، اس لئے اللہ کی رحمت کے طالب کو چاہئے کہ وہ حتیٰ الوسع پہلی ہی صف میں جگہ حاصل کرنے کی کوشش کرے، جس کا ذریعہ یہی ہو سکتا ہے کہ مسجد میں اول وقت پہنچ جائے۔ صحیحین کی ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ:-

”اگر لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ پہلی صف میں کھڑے ہونے کا کیا اجر و ثواب ہے، اور اس پر کیا صلہ ملے والا ہے تو لوگوں میں اس کے لئے ایسی مسابقت اور کشش ہو کہ قرآنہ اندازی سے فیض کرنا پڑے۔“

اللہ تعالیٰ ان حقیقتوں کا یقین نصیب فرمائے۔ آمین

عنوں کی ترتیب

(۹۰) عَنْ أَبِي مَالِكٍ الْأَخْضَرِيِّ قَالَ الْأَخَذْتُ لَكُمْ بِصَلَاةِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ قَالَ أَلَا تَأْمُرُ الصَّلَاةَ وَصَفَّ

الرِّجَالُ وَصَفَ خَلْفَهُمُ الْعِلْمَانُ ثُمَّ صَلَّى بِهِمْ فَلَا تَزِرُ صَوْلَتُهُ لِمَنْ كَانَ هَكَذَا صَلَوةً أَمْنِي .

(رواہ ابو داؤد)

ترجمہ... حضرت ابومالک اشعری سے روایت ہے کہ انہوں نے لوگوں سے کہا، میں تم سے رسول اللہ ﷺ کی نماز کا بیان کروں؟ پھر بیان کیا کہ آپ نے نماز قائم فرمائی، پہلے آپ نے مردوں کو صف بستہ کیا، ان کے پیچھے بچوں کی صف بنائی، پھر آپ نے ان کو نماز پڑھائی، اس کے بعد فرمایا کہ یہی طریقہ ہے میری امت کی نماز کا۔ (سنن ابی داؤد)

تشریح... اس سے معلوم ہوا کہ صحیح اور مسنون طریقہ یہ ہے کہ مردوں کی صفیں آگے ہوں، اور چھوٹے بچوں کی صفیں ان کے پیچھے الگ ہوں۔ اور آگے درج ہونے والی بعض حدیثوں سے معلوم ہوگا کہ اگر عورتیں بھی شریک جماعت ہوں تو وہ چھوٹے بچوں سے بھی پیچھے کھڑی ہوں۔

امام کو وسط میں کھڑا ہونا چاہئے

(۹۱) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ تَوَسَّطُوا الْإِمَامَ وَسُدُّ الْخَلَلِ . (رواہ ابو داؤد)

ترجمہ... حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: لوگو! امام کو اپنے وسط میں لو (یعنی اس طرح صف بناؤ کہ امام تمہارے درمیان میں ہو)۔ اور صفوں میں جو خلا ہو اس کو پر کرو۔ (سنن ابی داؤد)

جب ایک یا دو مقتدی ہوں تو کس طرح کھڑے ہوں

(۹۲) عَنْ جَابِرٍ قَامَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يُصَلِّي لَجَنَّتْ حَتَّى لَمَعَتْ عَنْ يَسَارِهِ لَأَخَذَ بِيَدِي فَأَذَانِي حَتَّى أَلَامَنِي عَنْ يَمِينِهِ ثُمَّ جَاءَ جَبَّارُ بْنُ صَخْرٍ لِقَامٍ عَنْ يَسَارِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ لَأَخَذَ بِيَدِنَا جَمِيعًا لَدَلَعْنَا حَتَّى أَلَامَنَا خَلْفَهُ — (رواہ مسلم)

ترجمہ... حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ (ایک دفعہ) رسول اللہ ﷺ نماز کے لئے کھڑے ہوئے۔ (یعنی آپ نے نماز شروع فرمائی) اتنے میں میں آگیا اور (نیت کر کے) آپ کے بائیں جانب کھڑا ہو گیا، آپ نے میرا ہاتھ پکڑا اور اپنے پیچھے کی جانب سے مجھے گھما کے اپنی دائیں جانب کھڑا کر لیا، پھر اتنے میں جبار بن صخر آگئے، وہ نیت کر کے آپ کی بائیں جانب کھڑے ہو گئے، تو آپ نے ہم دونوں کے ہاتھ پکڑ کر پیچھے کی جانب کر دیا اور پیچھے کھڑا کر لیا۔ (صحیح مسلم)

تشریح... اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جب امام کے ساتھ صرف ایک مقتدی ہو تو اس کو امام کی دائیں جانب کھڑا ہونا چاہئے، اور اگر وہ غلطی سے بائیں جانب کھڑا ہو جائے تو امام کو چاہئے کہ اس کو دائیں جانب کر لے، اور جب کوئی دوسرا مقتدی آکر شریک ہو جائے تو امام کو آگے اور ان دونوں کو صف بنا کر پیچھے کھڑا ہونا چاہئے۔

صف کے پیچھے اکیلے کھڑے ہونے کی ممانعت

۹۳ عَنْ وَابِصَةَ بِنْتِ مَعْبُدٍ لَّانَ رَأَى رَسُولَ اللَّهِ ﷺ وَرَجُلًا يُصَلِّي خَلْفَ الصَّفِّ وَخَذَهُ لَأَمْرَهُ أَنْ يُعِيدَ الصَّلَاةَ . (رواہ احمد و الترمذی و ابوداؤد)

ترجمہ..... حضرت وابصہ بنت معبد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ صف کے پیچھے اکیلا کھڑا نماز پڑھ رہا ہے تو آپ نے اس کو دوبارہ نماز ادا کرنے کا حکم دیا۔

(عند احمد، ابوداؤد، الترمذی، ابن ماجہ)

تشریح..... صف کے پیچھے اکیلے کھڑے ہو کر نماز پڑھنے میں چونکہ جماعت اور اجتماعیت کی شان بالکل نہیں پائی جاتی، اس لئے شریعت میں یہ اس قدر مکروہ اور ناپسندیدہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس شخص کو نماز دوبارہ ادا کرنے کا حکم دیا۔

فائدہ..... اگر کوئی شخص ایسے وقت جماعت میں شریک ہو کہ آگے کی صف بالکل بھر چکی ہو اور اس کے ساتھ کھڑا ہونے والا کوئی دوسرا نمازی موجود نہ ہو تو اس کو چاہئے کہ آگے کی صف میں سے کسی جاننے والے کو پیچھے ہٹا کے اپنے ساتھ کھڑا کر لے، بشرطیکہ یہ امید ہو کہ وہ آسانی سے پیچھے ہٹ آئے گا، اور اگر ایسا کوئی آدمی اگلی صف میں نہ ہو تو پھر مجبوراً پیچھے اکیلا ہی کھڑا ہو جائے، اور اس صورت میں عند اللہ یہ شخص معذور ہوگا۔

عورتوں کو مردوں سے حتیٰ کہ بچوں سے بھی الگ پیچھے کھڑا ہونا چاہئے

۹۴ عَنْ أَنَسٍ لَّانَ صَلَّيْتُ لَنَا وَابِصَةَ بِنْتِ مَعْبُدٍ خَلْفَ النَّبِيِّ ﷺ وَأُمِّ سَلِيمٍ خَلْفَنَا - (رواہ مسلم)

ترجمہ..... حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے نماز پڑھی رسول اللہ ﷺ کے پیچھے اپنے گھر میں اور میرے ساتھ (میرے بھائی) یتیم نے بھی (یعنی ہم دونوں صف بنا کر حضور ﷺ کے پیچھے کھڑے ہوئے) اور ہماری والدہ ام سلمہ ہم دونوں کے پیچھے کھڑی ہوئیں۔ (صحیح مسلم)

تشریح..... اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر جماعت میں صرف ایک عورت بھی شریک ہو تو اس کو بھی مردوں اور بچوں سے الگ سب سے پیچھے کھڑا ہونا چاہئے، حتیٰ کہ اگر بالفرض آگے صف میں اس کے سگے بیٹے ہی ہوں تب بھی وہ ان کے ساتھ کھڑی نہ ہو، بلکہ الگ پیچھے کھڑی ہو (صحیح مسلم ہی کی ایک دوسری روایت میں یہ بھی تصریح ہے کہ ام سلمہ کو رسول اللہ ﷺ ہی نے پیچھے کھڑا کیا تھا)۔

اوپر کی حدیث سے معلوم ہو چکا ہے کہ صف کے پیچھے اکیلے کھڑے ہو کر نماز پڑھنا کس قدر ناپسندیدہ ہے، لیکن عورتوں کا مردوں بلکہ کمسن لڑکوں کے ساتھ بھی کھڑا ہونا چونکہ شریعت کی نگاہ میں اس سے بھی زیادہ ناپسندیدہ اور خطرناک ہے، اس لئے عورت اگر اکیلی ہو تو اس کو نہ صرف اجازت بلکہ حکم ہے کہ وہ اکیلی ہی صف کے پیچھے کھڑی ہو کر نماز پڑھے۔

۵ یتیم سے مراد حضرت انسؓ کے ایک بھائی ہیں۔ بعض نے کہا ہے کہ یہ لقب تھا۔ ۱۲

امامت

جیسا کہ معلوم ہو چکا ہے، دین کے تمام اعمال میں سب سے اہم اور مقدم نماز ہے اور دین کے نظام میں اس کا درجہ اور مقام گویا وہی ہے، جو جسم انسانی میں قلب کا ہے، اس لئے اس کی امامت بہت بڑا دینی منصب اور بڑی بھاری ذمہ داری، اور رسول اللہ ﷺ کی ایک طرح کی نیابت ہے۔ اس واسطے ضروری ہے کہ امام ایسے شخص کو بنایا جائے جو موجودہ نمازیوں میں دوسروں کی بہ نسبت اس عظیم منصب کے لئے زیادہ اہل اور موزوں ہو، اور وہ وہی ہو سکتا ہے، جس کو رسول اللہ ﷺ سے نسبت زیادہ قرب و مناسبت حاصل ہو اور آپ کی دینی وراثت سے جس نے زیادہ حصہ لیا ہو، اور چونکہ آپ کی وراثت میں اول اور اعلیٰ درجہ قرآن مجید کا ہے، اس لئے جس شخص نے سچا ایمان نصیب ہونے کے بعد قرآن مجید سے خاص تعلق پیدا کیا، اس کو یاد کیا اور اپنے دل میں اتارا، اس کی دعوت، اس کی تذکیر اور اس کے احکام کو سمجھا، اس کو اپنے اندر جذب اور اپنے اوپر طاری کیا، وہ رسول اللہ ﷺ کی وراثت کے خاص حصہ داروں میں ہوگا، اور ان لوگوں کے مقابلے میں جو اس سعادت میں اس سے پیچھے ہوں گے آپ کی اس نیابت یعنی امامت کے لئے زیادہ اہل اور زیادہ موزوں ہوگا۔ اور اگر بالفرض سارے نمازی اس لحاظ سے برابر ہوں تو چونکہ قرآن مجید کے بعد سنت کا درجہ ہے اس لئے اس صورت میں ترجیح اس کو دی جائے گی جو سنت و شریعت کے علم میں دوسروں کے مقابلے میں امتیاز رکھتا ہوگا، اور اگر بالفرض اس لحاظ سے بھی سب برابر کے ہوں، تو پھر جو کوئی ان میں تقویٰ اور پرہیزگاری اور محاسن اخلاق جیسی دینی صفات کے لحاظ سے ممتاز ہوگا امامت کے لئے وہ لائق ترجیح ہوگا، اور اگر بالفرض اس طرح کی صفات میں بھی یکسانی ہی ہو تو پھر عمر کی بڑائی کے لحاظ سے ترجیح دی جائے گی، کیونکہ عمر کی بڑائی اور بزرگی بھی ایک مسلم فضیلت ہے۔

بہر حال امامت کے لئے یہ اصولی ترتیب عقل سلیم کے بالکل مطابق متفقہ حکمت ہے، اور یہی رسول اللہ ﷺ کی تعلیم و ہدایت ہے۔

امامت کی ترتیب

۹۵ عَنْ أَبِي سَعْدٍ الْاَنْصَارِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يَوْمَ الْقَوْمِ اَقْرَاهُمْ لِكِتَابِ اللَّهِ لَانْ كَانُوا فِي الْفِرَاءِ سَوَاءً فَاعْلَمَهُمْ بِالسُّنَّةِ لَانْ كَانُوا فِي السُّنَّةِ سَوَاءً فَالْتَمَهُمْ هِجْرَةَ لَانْ كَانُوا فِي الْهِجْرَةِ سَوَاءً فَالْتَمَهُمْ سِنًا وَلَا يُؤْمِنُ الرَّجُلُ الرَّجُلَ فِي سُلْطَانِهِ وَلَا يَقْعُدُ فِي بَيْتِهِ عَلَى تَكْرِيمِهِ إِلَّا بِأَذْنِهِ — (رواہ مسلم)

حضرت ابو سعید انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جماعت کی امامت وہ شخص کرے جو ان میں سب سے زیادہ کتاب اللہ کا پڑھنے والا ہو، اور اگر اس میں سب یکساں ہوں تو پھر وہ آدمی امامت کرے جو سنت و شریعت کا زیادہ علم رکھتا ہو، اور اگر اس میں بھی سب برابر ہوں تو وہ جس

نے پہلے ہجرت کی ہو، اور اگر ہجرت میں بھی سب برابر ہوں (یعنی سب کا زمانہ ہجرت ایک ہی ہو) تو پھر وہ شخص امامت کرے جو سن کے لحاظ سے مقدم ہو، اور کوئی آدمی دوسرے آدمی کے حلقہ سیادت و حکومت میں اس کا امام نہ بنے اور اس کے گھر میں اسکے بیٹھنے کی خاص جگہ پر اس کی اجازت کے بغیر نہ بیٹھے۔

تشریح: حدیث کے لفظ اقرأہم لکتاب اللہ کا لفظی ترجمہ وہی ہے جو یہاں کیا گیا ہے۔ یعنی کتاب اللہ پڑھانے کا مطلب اس کا مطلب نہ تو صرف حفظ قرآن ہے اور نہ مجرد کثرت تلاوت، بلکہ اس سے مراد ہے حفظ قرآن کے ساتھ اس کا خاص علم اور اس کے ساتھ خاص شغف۔ عبد نبوی میں جو لوگ قراءت کہلاتے تھے ان کا یہی امتیاز تھا۔ اس بناء پر حدیث کا مطلب یہ ہو گا کہ نماز کی امامت کے لئے زیادہ اہل اور موزوں وہ شخص ہے جو کتاب اللہ کے علم اور اس کے ساتھ شغف و تعلق میں دوسروں پر فائق ہو، اور ظاہر ہے کہ عبد نبوی میں یہی سب سے بڑا دینی امتیاز اور فضیلت کا معیار تھا، اور جس کا اس سعادت میں جس قدر زیادہ حصہ تھا وہی قدر رسول اللہ کی خاص وراثت و امامت کا حامل اور امین تھا۔ اس کے بعد سنت و شریعت کا علم فضیلت کا دوسرا معیار تھا (اور یہ دونوں علم یعنی علم قرآن اور علم سنت جس کے پاس بھی تھے، عمل کے ساتھ تھے۔ علم بالاعمال کا وہاں وجود ہی نہیں تھا)

فضیلت کا تیسرا معیار عہد نبوت کے اس خاص ماحول میں ہجرت میں سابقیت تھی، اس لئے اس حدیث میں تیسرے نمبر پر اسی کا ذکر فرمایا گیا ہے لیکن بعد میں یہ چیز باقی نہیں رہی، اس لئے فقہائے کرام نے اس کی جگہ صلاح و تقویٰ میں فضیلت و فوقیت کو ترجیح کا تیسرا معیار قرار دیا ہے جو بالکل بجا ہے۔

ترجیح کا چوتھا معیار اس حدیث میں عمر میں بزرگی کو قرار دیا گیا ہے اور فرمایا گیا ہے کہ اگر مذکورہ بالا تین معیاروں کے لحاظ سے کوئی فائق اور قابل ترجیح نہ ہو تو پھر جو کوئی عمر میں بڑا اور بزرگ ہو وہ امامت کرے۔

حدیث کے آخر میں دو ہدایتیں اور بھی دی گئی ہیں ایک یہ کہ جب کوئی آدمی کسی دوسرے شخص کی امامت و سیادت کے حلقہ میں جائے تو وہاں امامت نہ کرے بلکہ اس کے پیچھے مقتدی بن کر نماز پڑھے (ہاں اگر وہ شخص خود ہی اصرار کرے تو دوسری بات ہے)۔

اور دوسری یہ کہ جب کوئی آدمی کسی دوسرے کے گھر جائے تو اس کی خاص جگہ پر نہ بیٹھے، ہاں اگر وہ خود بٹھائے تو کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ ان دونوں ہدایتوں کی حکمت و مصلحت بالکل ظاہر ہے۔

اپنے میں سے بہت سے اہل علم بنایا جائے

(۹۶) عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ اجْعَلُوا أَيْمَنَكُمْ خِيَارَكُمْ فَإِنَّهُمْ وَلَدُكُمْ فِيمَا بَيْنَكُمْ وَبَيْنَ رَبِّكُمْ .
 (ابو داؤد، فضلی، البیہقی، کتب العمال)

تشریح: حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا تم میں جو اچھے اور بہتر ہوں ان کو اپنا امام بناؤ، کیونکہ تمہارے رب اور مالک کے حضور میں وہ تمہارے لئے بہتر ہے۔

ہوتے ہیں۔

..... یہ بات بالکل ظاہر ہے کہ امام اللہ تعالیٰ کے حضور میں پوری جماعت کی نمائندگی کرتا ہے، اس لئے خود جماعت کا فرض ہے کہ وہ اس اہم اور مقدس مقصد کے لئے اپنے میں سے بہترین آدمی کو منتخب کرے۔

رسول اللہ ﷺ جب تک اس دنیا میں رونق افروز رہے خود امامت فرماتے رہے اور مرض وفات میں جب معذور ہو گئے تو علم و عمل کے لحاظ سے امت کے افضل ترین فرد حضرت ابو بکر صدیق کو امامت کے لئے نامزد اور مامور فرمایا۔

حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ کی مندرجہ بالا حدیث میں حق امامت کی جو تفصیل ترتیب بیان فرمائی گئی ہے اس کا منشاء بھی دراصل یہی ہے کہ جماعت میں جو شخص سب سے بہتر اور افضل ہو اس کو امام بنایا جائے ﴿لِکتاب اللہ اور اعلم بحکمہ الناس﴾ یہ سب اسی بہتری اور افضلیت فی الدین کی تفصیل ہے۔

افسوس ہے کہ بعد کے دور میں اس اہم ہدایت سے بہت تغافل برتا گیا اور اس کی وجہ سے امت کا پورا نظام درہم برہم ہو گیا۔

امام ذمہ داری اور مسئولیت

(۹۷) عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مَنْ أَمَّ قَوْمًا فَلْيَتَّقِ اللَّهَ وَلْيَعْلَمْ أَنَّهُ ضَامِنٌ مَسْئُولٌ لِّمَا ضَمَّنَ وَإِنْ أَحْسَنَ كَانَ لَهُ مِنَ الْأَجْرِ مِثْلُ أُجْرِ مَنْ صَلَّى خَلْفَهُ مِنْ غَيْرِ أَنْ يُنْقِصَ مِنْ أَجُورِهِمْ شَيْئًا وَمَا كَانَ مِنْ نَقْصٍ لَهُوَ عَلَيْهِ . رواه الطبرانی فی الاوسط (کنز العمال)

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص جماعت کی امامت کرے اس کو چاہئے کہ خدا سے ڈرے اور یقین رکھے کہ وہ مقتدیوں کی نماز کا بھی ضامن یعنی ذمہ دار ہے اور اس سے اس ذمہ داری کے بارے میں بھی سوال ہو گا، اگر اس نے اچھی نماز پڑھائی تو پیچھے نماز پڑھنے والے سب مقتدیوں کے مجموعی ثواب کے برابر اس کو ثواب ملے گا بغیر اس کے کہ مقتدیوں کے ثواب میں کوئی کمی کی جائے، اور نماز میں جو نقص اور قصور رہا ہو گا اس کا بوجھ تھا امام پر ہو گا۔ (اللہ اعلم بالصواب)

مقتدیوں کی رعایت

(۹۸) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِذَا صَلَّى أَحَدُكُمْ لِلنَّاسِ فَلْيَخَفْ فَإِنَّ فِيهِمُ السُّلِيمَ وَالضُّعِيفَ وَالْكَبِيرَ وَإِذَا صَلَّى أَحَدُكُمْ لِنَفْسِهِ فَلْيَكُفِلْ مَا شَاءَ . (رواه البخاری و مسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تم میں سے کوئی لوگوں کا امام بن کر نماز پڑھائے تو چاہئے کہ ہلکی نماز پڑھائے (یعنی زیادہ طول نہ دے) کیونکہ مقتدیوں میں بیدار

بھی ہوتے ہیں اور کمزور بھی اور بوڑھے بھی (جن کے لئے طویل نماز باعث زحمت ہو سکتی ہے) اور جب تم میں سے کسی کو بس اپنی نماز اکیلے پڑھنی ہو تو جتنی چاہے لمبی پڑھے۔ (صحیح بخاری، ج ۱، ص ۱۰۷)

تشریح..... بعض صحابہ کرام جو اپنے قبیلہ یا حلقہ کی مسجدوں میں نماز پڑھاتے تھے اپنے عبادتی ذوق و شوق میں بہت لمبی نماز پڑھتے تھے جس کی وجہ سے بعض بیمار یا کمزور یا بوڑھے یا تنگے بارے مقتدیوں کو کبھی کبھی بڑی تکلیف پہنچ جاتی تھی، اس غلطی کی اصلاح کے لئے رسول اللہ ﷺ نے مختلف موقعوں پر اس طرح کی ہدایت فرمائی۔ آپ کا انشاء اس سے یہ تھا کہ امام کو چاہئے کہ وہ اس بات کا لحاظ رکھے کہ مقتدیوں میں کبھی کوئی بیمار یا کمزور یا بوڑھا بھی ہوتا ہے، اس لئے نماز زیادہ طویل نہ پڑھے۔ یہ مطلب نہیں کہ ہمیشہ اور ہر وقت کی نماز میں بس چھوٹی سے چھوٹی سورتیں ہی پڑھی جائیں اور رکوع سجدہ میں تین دفعہ سے زیادہ تسبیح بھی نہ پڑھی جائے خود رسول اللہ ﷺ جیسی معتدل نماز پڑھاتے تھے وہی امت کے لئے اس بارے میں اصل معیار اور نمونہ ہے اور اسی کی روشنی میں ان ہدایات کا مطلب سمجھنا چاہئے۔ انشاء اللہ وہ حد شیش آگے اپنے موقع پر آئیں گی جن سے رسول اللہ ﷺ کی نماز کی تفصیلی کیفیت اور قرأت وغیرہ کی مقدار معلوم ہوگی۔

(۹۹) عَنْ قَيْسِ بْنِ أَبِي حَازِمٍ قَالَ أَخْبَرَنِي أَبُو مَسْعُودٍ أَنَّ رَجُلًا قَالَ وَاللَّهِ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنِّي لَأَتَأَخَّرُ عَنْ صَلَاةِ الْفَلَاحَةِ مِنْ أَجْلِ فُلَانٍ مِمَّا يُطِيلُ بِنَا لَمَّا رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ فِي مَوْعِظَةٍ أَخَذَ غَضَبًا مِنْهُ يَوْمَئِذٍ ثُمَّ قَالَ إِنَّ مِنْكُمْ مُتَفَرِّقِينَ لَأَيُّكُمْ مَاصِلِي بِالنَّاسِ فَلْيَتَجَوَّزْ لَنَا فِيهِمُ الضَّعِيفُ وَالْكَبِيرُ وَذَوُ الْجَاهِلَةِ . (رواہ البخاری و مسلم)

ترجمہ..... قیس بن ابی حازم سے روایت ہے کہ مجھ سے ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا کہ یا رسول اللہ! بخدا میں فلاں شخص کی وجہ سے صبح کی نماز میں شریک نہیں ہوتا (مجبور اپنی نماز الگ پڑھتا ہوں) کیونکہ وہ بہت طویل نماز پڑھاتے ہیں (جو میرے بس کی نہیں) حدیث کے راوی ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ (رسول اللہ ﷺ نے پھر اس بارے میں خطبہ دیا) اور میں نے کبھی آپ کو وعظ اور خطبہ کی حالت میں اس دن سے زیادہ غضبناک نہیں دیکھا۔ پھر اس خطبے میں آپ نے فرمایا کہ: تم میں سے بعض وہ لوگ ہیں جو اپنے غلط طرز عمل سے اللہ کے بندوں کو دور بھگانے والے ہیں، جو کوئی تم میں سے لوگوں کا امام بنے اور ان کو نماز پڑھائے تو اس کے لئے لازم ہے کہ مختصر نماز پڑھائے (زیادہ طویل نہ پڑھائے) کیونکہ ان میں ضعیف بھی ہوتے ہیں اور بوڑھے بھی اور حاجت والے بھی۔ (صحیح بخاری، ج ۱، ص ۱۰۷)

تشریح..... یہ صحابی جن کے طویل نماز پڑھانے کی شکایت اس حدیث میں مذکور ہوئی ہے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ ہیں۔

اسی قسم کا ایک دوسرا واقعہ صحیح بخاری و صحیح مسلم ہی میں حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کا بھی مروی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ وہ عام طور سے نماز عشاء دیر کر کے پڑھتے تھے۔ ایک دن حسب معمول نماز دیر سے

شروع کی اور اس میں سورہ بقرہ پڑھنی شروع کر دی۔ مقتدیوں میں سے ایک صاحب نے (جو بیچارے دن بھر کے تھکے ہارے تھے) نیت توڑ کے اپنی الگ نماز پڑھی اور چلے گئے۔ آخر معاملہ حضور تک پہنچا۔ آپ نے حضرت معاذؓ کو ڈانٹا اور فرمایا: **فَدَعُوا** (اے معاذ! کیا تم لوگوں کے لئے باعث فتنہ بننا چاہتے ہو اور ان کو فتنہ میں مبتلا کرنا چاہتے ہو)۔ آگے اسی حدیث میں ہے کہ آپ نے ان سے فرمایا کہ:-

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ أَوْفُوا بِالْعَهْدِ إِنَّكُمْ أَوْفَاؤُا الْعَهْدِ وَالْعَهْدُ لَكُمْ وَبَيْنَ يَدَيْكُمْ وَإِنْ كُنْتُمْ لَمْ تَعْلَمُوا سُبُلَ الْعَهْدِ فَذَلِكُمْ يَكُونُ
یہ سورتیں پڑھا کرو۔ ۱

۱۰۰ عَنْ أَبِي كَثَادَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِنِّي لَا دُخْلَ لِي فِي الصَّلَاةِ وَأَنَا أُرِيدُ إِطْلَاقَهَا لَأَسْمَعَ بُكَاءَ الصَّبِيِّ لَأَتَمَّ رُزْ لِي صَلَاتِي مِمَّا أَعْلَمُ مِنْ حِلَّةٍ وَجِدَ أَبَتِهِ مِنْ بُكَائِهِ
(رواہ البخاری)

حضرت ابو قتادہ انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا کہ: (کبھی ایسا ہوتا ہے کہ) میں نماز شروع کرتا ہوں اور میرا ارادہ کچھ طویل پڑھنے کا ہوتا ہے، پھر میں کسی بچے کے رونے کی آواز سُن لیتا ہوں تو نماز میں اختصار کر دیتا ہوں۔ کیونکہ میں جانتا ہوں کہ اسکے رونے کی آواز سے اس کی ماں کا دل کتنا زیادہ پریشان ہوگا۔

تشریح..... رسول اللہ کے اس ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ نماز پڑھانے کی حالت میں جب کسی بچے کے رونے کی آواز میرے کان میں آجاتی ہے تو میں اس خیال سے کہ شاید اس بچے کی ماں جماعت میں شریک ہو اور اس کے رونے سے اس کا دل پریشان ہو رہا ہو، میں نماز مختصر پڑھ کے جلدی ختم کر دیتا ہوں۔

۱۰۱ عَنْ أَنَسٍ قَالَ مَا صَلَّيْتُ وَرَاءَ إِمَامٍ لَطَأَ أَخْفَ صَلَاةَ وَلَا أَتَمَّ صَلَاةَ مِنَ النَّبِيِّ ﷺ وَإِنْ كَانَ لَيَسْمَعُ بُكَاءَ الصَّبِيِّ لَيُخَفِّفُ مَخَالَفَةَ أَنْ تُفْتَنَ أُمُّهُ -
(رواہ البخاری و مسلمہ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں: میں نے کبھی کسی امام کے پیچھے ایسی نماز نہیں پڑھی جو رسول اللہ کی نماز سے ہلکی اور سادھ ہی مکمل ہو (یعنی آپ کی نماز ہلکی بھی ہوتی تھی اور بالکل مکمل بھی) اور ایسا ہوتا تھا کہ نماز پڑھانے کی حالت میں کسی بچے کے رونے کی آواز آپ سُن لیتے تو نماز کو مختصر اور ہلکا کر دیتے اس خطرے کی وجہ سے کہ اس کی ماں بے چین ہو (اور اس بیچارہ کی نماز خراب ہو)۔

تشریح..... امام کے لئے صحیح معیار اور رہنما اصول یہی ہے کہ اُس کی نماز ہلکی ٹھیک بھی ہو اور سادھ ہی مکمل اور تام بھی۔ یعنی ہر رکن اور ہر چیز ٹھیک ٹھیک اور سنت کے مطابق ادا ہو جس کی تفصیلات ان شاء اللہ آئندہ اپنے موقع پر آئیں گی۔

مفتدیوں و مدائیت

(١٠٢) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ لَا تَبَايَرُوا الْإِمَامَ إِذَا خُتِرَ لَكُمْبَرُوا وَإِذَا لَالٌ وَلَا الضَّالِّينَ لَقُولُوا آمِينَ وَإِذَا رَجَعَ فَارْعَمُوا وَإِذَا قَالَ سَمِعَ اللَّهُ بِعَمَلِكُمْ لَقُولُوا اللَّهُمَّ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ — (رواه البخاري)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا کہ: لوگو! امام پر سبقت نہ کرو (بلکہ اس کی اتباع اور پیروی کرو) جب وہ حد تک کہے تو تم حد تک کہو اور جب وہ رسد تک نہ کہے تو تم کہے تو تم میں کہو، اور جب وہ رکوع کرے تو تم رکوع کرو جب وہ سجۃ اللہ لیس حد تک کہے تو تم اللھم ربنا انت الحمد کہو۔ (صحیح مسلم)

تشہد..... مطلب یہ ہے کہ نماز کے تمام ارکان اور اجزاء میں مقتدیوں کو امام کے پیچھے رہنا چاہئے کسی چیز میں بھی اس پر سبقت نہیں کرنی چاہئے۔

مند بزار میں حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے ایک حدیث مروی ہے جس میں فرمایا گیا ہے کہ جو شخص امام سے پہلے رکوع یا سجدے سے سر اٹھاتا ہے اس کی پیشانی شیطان کے ہاتھ میں ہے اور وہ اُس سے ایسا کرتا ہے..... اور حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں رسول اللہ کا یہ ارشاد بھی مروی ہے کہ آپؐ نے فرمایا کہ جو شخص امام سے پہلے رکوع یا سجدے سے سر اٹھاتا ہے اُس کو زنا چاہئے کہ مبادا اس کا سر گدھے کا سانہ کر دیا جائے۔ عاذا اللہ عنہ ذللت

(۱۰۳) عَنْ عَلِيٍّ وَ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا لَا لَالَ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ إِذَا اتَى أَحَدَكُمْ الصَّلَاةُ وَالْإِمَامُ عَلَى حَالٍ لِلْبُضْعِ كَمَا يَبْضَعُ الْإِمَامُ - (رواه الترمذی)

حضرت علی اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی نماز کے لئے آئے اور امام کسی حال میں ہو (یعنی قیام یا رکوع یا سجدہ وغیرہ میں ہو) تو آنے والے کو جاننے کہ جو امام کمر رہا ہو وہی کمرے۔

(١٠٤) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِذَا جِئْتُمْ إِلَى الصَّلَاةِ وَنَحْنُ سُجُودٌ لَأَسْجُدُوا وَلَا تَعْلُوهُ خِيَا وَمَنْ أَذْرَكَ رَكْعَةً لَقَدْ أَذْرَكَ الصَّلَاةَ - (رواه ابو داود)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب تم نماز کو آؤ اور ہم سجدے میں ہوں تو تم سجدے میں شریک ہو جاؤ اور اس کو کچھ شارت نہ کرو اور جس نے امام کے ساتھ رکوع یا ایسا ئے نماز (یعنی نماز کی دور رکعت) پائی۔

شہادت..... مطلب یہ ہے کہ مقتدی اگر امام کے ساتھ رکوع میں شریک ہو جائے تو رکعت کی شرکت کے قائم مقام ہے۔ اور اگر صرف سجدے میں شرکت ہو سکے تو اگرچہ اللہ تعالیٰ اس سجدے کا بھی پورا ثواب یقیناً

عطا فرمائیں گے، لیکن یہ سجدہ رکعت کے قائم مقام نہ ہو گا بلکہ وہ شمار بھی نہ ہو گا۔

نماز کس طرح پڑھی جائے؟

(۱۰۰) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَجُلًا دَخَلَ الْمَسْجِدَ وَرَسُولُ اللَّهِ ﷺ جَالِسٌ فِي نَاحِيَةِ الْمَسْجِدِ لَصَلَّى ثُمَّ جَاءَ لَسَلَّمَ عَلَيْهِ لَقَالَ وَعَلَيْكَ السَّلَامُ إِرْجِعْ لَصَلِّ لَإِنَّكَ لَمْ تَصَلِّ لَرَجَعَ لَصَلَّى ثُمَّ جَاءَ لَسَلَّمَ لَقَالَ وَعَلَيْكَ السَّلَامُ إِرْجِعْ لَصَلِّ لَإِنَّكَ لَمْ تَصَلِّ لَقَالَ فِي الثَّالِثَةِ أَرَأَيْتَ النَّبِيَّ بَعْدَهَا عَلِمْنِي يَا رَسُولَ اللَّهِ لَقَالَ إِذَا لُمْتَ إِلَى الصَّلَاةِ فَاسْبِغِ الوُضُوءَ ثُمَّ اسْتَغْبِلِ الْقِبْلَةَ لَكَبِّرْ ثُمَّ اقْرَأْ بِمَا تَسْرِعُكَ مِنَ الْقُرْآنِ ثُمَّ ارْكَعْ حَتَّى تَطْمَئِنَّ رَأْسُكَ ثُمَّ ارْأِفْ حَتَّى تَسْتَوِيَ لَائِمًا ثُمَّ اسْجُدْ حَتَّى تَطْمَئِنَّ سَاجِدًا ثُمَّ ارْأِفْ حَتَّى تَطْمَئِنَّ جَالِسًا ثُمَّ اسْجُدْ حَتَّى تَطْمَئِنَّ لَائِمًا ثُمَّ ارْأِفْ حَتَّى تَسْتَوِيَ لَائِمًا ثُمَّ افْعَلْ ذَلِكَ فِي صَلَاتِكَ كُلِّهَا۔ (رواہ البخاری و مسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ مسجد میں ایک جانب تشریف فرما تھے کہ ایک شخص مسجد میں آیا اور اُس نے نماز پڑھی اُس کے بعد وہ رسول اللہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور سلام عرض کیا آپ نے سلام کا جواب دیا اور فرمایا کہ: پھر جا کر نماز پڑھو تم نے تحکیم نماز نہیں پڑھی۔ وہ واپس گیا اور اُس نے پھر سے نماز پڑھی اور پھر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا، سلام عرض کیا۔ آپ نے سلام کا جواب دیتے ہوئے پھر فرمایا کہ: تم جا کے پھر نماز پڑھو تم نے تحکیم نماز نہیں پڑھی۔ اُس آدمی نے تیسری دفعہ میں یا اس کے بعد والی دفعہ میں عرض کیا کہ: حضرت! مجھے بتا دیجئے اور سکھا دیجئے کہ میں کس طرح نماز پڑھوں؟ (جیسی مجھے پڑھنی آتی ہے وہ تو میں کئی دفعہ پڑھ چکا)..... آپ نے فرمایا کہ جب تم نماز پڑھنے کا ارادہ کرو تو پہلے نوب اچھی طرح وضو کرو پھر قبلہ کی طرف اپنا رخ کرو پھر تکبیر تحریمہ کہہ کے نماز شروع کرو اور اُس کے بعد (جب قرأت کا موقع آجائے تو) جو قرآن تمہیں یاد ہو اور تمہیں پڑھنا آسان ہو وہ پڑھو۔ (اسی حدیث کی بعض روایات میں ہے کہ اس موقع پر آپ نے فرمایا کہ: سورۃ فاتحہ پڑھو اور اس کے سوا جو چاہو پڑھو) پھر قرأت کے بعد رکوع کرو یہاں تک کہ مطمئن اور ساکن ہو جاؤ رکوع میں پھر رکوع سے اٹھو، یہاں تک کہ سیدھے کھڑے ہو جاؤ پھر سجدہ کرو یہاں تک کہ مطمئن اور ساکن ہو جاؤ سجدہ میں پھر اٹھو یہاں تک کہ مطمئن ہو کر بیٹھ جاؤ۔ (اور ایک راوی نے اس آخری خط کشیدہ جملے کے بجائے کہا ہے (پھر اٹھو یہاں تک کہ سیدھے کھڑے ہو جاؤ) پھر اپنی پوری نماز میں یہی کرو (یعنی ہر رکعت میں رکوع و سجود اور قنوت و جلسہ اور تمام ارکان اچھی طرح اطمینان و سکون سے اور ٹھہر ٹھہر کے ادا کرو)۔ (صحیح بخاری، صحیح مسلم)

..... یہ صاحب جن کا واقعہ اس حدیث میں مذکور ہوا ہے مشہور صحابی رافع بن رافع کے بھائی خالد

بن رافع تھے۔ اور سنن نسائی کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے مسجد نبوی ﷺ میں آکر دو رکعت نماز پڑھی تھی۔ بعض شارحین نے لکھا ہے کہ غالباً یہ تحیۃ المسجد کی دو رکعتیں تھیں لیکن انہوں نے ان رکعتوں میں بہت جلد بازی سے کام لیا اور رکوع و سجدہ وغیرہ جس طرح تعدیل و اطمینان کے ساتھ یعنی ٹھہر ٹھہر کر کرنا چاہئے نہیں کیا، اس لئے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: ”تم نے نماز ٹھیک نہیں پڑھی“ اور دوبارہ پڑھنے کا حکم دیا۔

آپ نے پہلی دفعہ میں صاف صاف ان کو یہ نہیں بتلادیا کہ تم سے نماز میں یہ غلطی ہوئی ہے اور تم کو نماز اس طرح پڑھنا چاہئے، بلکہ تیسری یا چوتھی دفعہ میں ان کے دریافت کرنے پر بتلایا جانے والے جانتے ہیں کہ تعلیم و تربیت کے نقطہ نظر سے یہی بہترین طریقہ ہو سکتا تھا آدمی کو جو سبق اس طرح دیا جائے جس طرح رسول اللہ ﷺ نے اُن صاحب کو اس موقع پر دیا، وہ کبھی زندگی بھی نہیں بھولتا اور دوسرے لوگوں میں بھی اس کا چرچا خوب ہوتا ہے۔

آپ نے اس موقع پر نماز کے متعلق تمام ضروری باتیں نہیں بتلائیں۔ مثلاً یہ نہیں بتلایا کہ رکوع میں قومہ میں سجدہ میں کیا پڑھا جائے یہاں تک کہ قعدہ اخیرہ اور تشہد اور سلام کا بھی ذکر نہیں فرمایا۔ ایسا آپ نے اسلئے کیا کہ ان سب باتوں سے وہ صاحب واقف تھے۔ اُن کی خاص غلطی جس کی اصلاح ضروری تھی یہ تھی کہ وہ رکوع سجدہ وغیرہ تعدیل کے ساتھ اور ٹھہر ٹھہر کر ادا نہیں کرتے تھے اس لئے رسول اللہ ﷺ نے ان کی اسی غلطی کی خصوصیت کے ساتھ نشاندہی فرمائی اور اس کی اصلاح فرمادی۔

حدیث کے آخری جملہ کے بارے میں راویوں کے بیان میں ذرا سا اختلاف ہے۔ بعض راویوں کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے دوسرے سجدے سے اُٹھنے کا حکم دیتے ہوئے فرمایا تھا: ”لَمْ يَرْفَعْ حَتَّى تَطْمَئِنَّ جَالِسًا“ (پھر تم اٹھو یہاں تک کہ مطمئن ہو کر بیٹھ جاؤ)۔ اور بعض دوسرے راویوں کا بیان ہے کہ آپ نے فرمایا تھا: ”لَمْ يَرْفَعْ حَتَّى تَسْتَوِيَ قَائِمًا“ (پھر تم اٹھو یہاں تک کہ سیدھے کھڑے ہو جاؤ)۔ یہ دونوں روایتیں امام بخاری نے بھی اپنی صحیح میں ذکر فرمائی ہیں۔ جن ائمہ علماء کی تحقیق یہ ہے کہ پہلی اور تیسری رکعت میں بھی دوسرے سجدے کے بعد کھڑے ہونے سے پہلے ذرا بیٹھ جانا چاہئے (جس کو جلسہ استراحت کہا جاتا ہے) اُن کے نزدیک پہلی روایت راجح ہے۔ اور دوسرے حضرات دوسری روایت کو قابل ترجیح سمجھتے ہیں۔

اس حدیث کی خاص ہدایت یہی ہے کہ پوری نماز ٹھہر ٹھہر کے اور اطمینان سے پڑھی جائے اور اگر کسی نے بہت جلدی جلدی اس طرح نماز پڑھی کہ اس کے ارکان پوری طرح ادا نہ ہو سکے مثلاً رکوع و سجدہ میں بس جانا آنا ہوا اور جتنا وقف ضروری ہے وہ بھی نہیں ہوا تو ایسی نماز ناقابل اعتبار اور واجب الاعادہ ہوگی۔

رسول اللہ ﷺ کس طرح نماز پڑھتے تھے؟

(۱۰۶) عَنْ عَائِشَةَ لَأَلَتْ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يَسْتَفِخُ الصَّلَاةَ بِالْكَبِيرِ وَالْقِرَاءَ بِالْحَمْدِ لِلَّهِ رَبِّ

الْعَالَمِينَ وَكَانَ إِذَا رَمَعَ لَمْ يُخْصِ رَأْسَهُ وَلَمْ يَصَوِّتْهُ وَلَكِنْ بَيْنَ ذَلِكَ وَكَانَ إِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ الرُّكُوعِ لَمْ يَسْجُدْ حَتَّى يَسْتَوِيَ قَائِمًا وَكَانَ إِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ السُّجُودِ لَمْ يَسْجُدْ حَتَّى يَسْتَوِيَ جَالِسًا وَكَانَ يَقُولُ لِي كُلُّ رُكْعَتَيْنِ السُّجُودِ وَكَانَ يَفْتَرِشُ رِجْلَهُ الْيُسْرَى وَيَنْصِبُ رِجْلَهُ الْيُمْنَى وَكَانَ يَنْهَى عَنْ غُفْبَةِ الشُّبَّانِ وَيَنْهَى أَنْ يَفْتَرِشَ الرَّجُلُ رِجْلَاهُ الْخَارِضَ السُّبُعَ وَكَانَ يُخَيِّمُ الصَّلَاةَ بِالنَّسْلِيمِ — (رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ تکبیر تحریر سے نماز شروع فرماتے تھے اور قرائت کا آغاز الحمد للہ رب العالمین سے کرتے تھے اور جب آپ رکوع میں جاتے تو سر مبارک کو نہ تو اوپر کی جانب اٹھاتے اور نہ نیچے کی جانب جھکاتے بلکہ درمیانی حالت میں رکھتے تھے (یعنی بالکل کمر کے متوازی) اور جب رکوع سے سر مبارک اٹھاتے تو سجدہ میں اُس وقت تک نہ جاتے جب تک کہ سیدھے کھڑے نہ ہو جاتے اور جب سجدے سے سر مبارک اٹھاتے تو جب تک بالکل سیدھے نہ بیٹھ جاتے دوسرا سجدہ نہیں فرماتے اور ہر دو رکعت پر التحیات پڑھتے تھے اور اُس وقت اپنے بائیں پاؤں کو نیچے بچھا لیتے اور داہنے پاؤں کو کھڑا کر لیتے تھے اور ”عقۃ الشیطان“ (یعنی شیطان کی طرح) بیٹھنے سے منع فرماتے تھے اور اس بات سے بھی منع فرماتے تھے کہ آدمی (سجدہ میں) اپنی بائیں (یعنی کالائیاں کہیں تک) زمین پر رکھے جس طرح کہ درندے اپنی کالائیاں زمین پر بچھا کے بیٹھتے ہیں اور آپ السلام علیکم ورحمۃ اللہ علیہ کے نماز ختم فرماتے تھے۔ (صحیح مسلم)

تشریح: نماز عبادت بلکہ اعلیٰ درجہ کی عبادت ہے اس لئے اس کے لئے قیام، قعود، رکوع و سجود کی وہ شکلیں اور بیٹھنے مقرر کی گئی ہیں جو عبادت اور بندگی کی بہترین اور مکمل ترین تصویر ہیں اور ان نامناسب بیٹھنےوں سے خصوصیت کے ساتھ منع فرمایا گیا ہے جن میں استکبار یا بے پروائی یا بد نظری کی شان ہو یا کسی بد فطرت حقوق کی بیعت سے مشابہت ہو۔ اس اصول کے تحت رسول اللہ ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے کہ سجدے میں آدمی کالائیاں زمین پر اس طرح بچھاوے جس طرح کہتے اور بھیڑیے وغیرہ درندے بچھا کر بیٹھتے ہیں اور اسی اصول کے تحت آپ ﷺ نے اس طرح بیٹھنے سے بھی منع فرمایا جس کو اس حدیث میں ”عقۃ الشیطان“ اور ایک دوسری حدیث میں ”افعاء الکلب“ فرمایا گیا ہے۔ شارحین اور فقہاء نے اس کی تشریح دو طرح سے کی ہے۔

اس عاجز کے نزدیک رائج یہ ہے کہ اس سے مراد دونوں پاؤں بیچوں کے بل کھڑے کر کے ان کی ایڑیوں پر بیٹھنا ہے^① اور چونکہ اس طریقے میں کچھ استکبار اور جلد بازی کی شان ہے اور اس شکل میں صرف گھٹنے اور نیچے ہی زمین سے لگتے ہیں۔ نیز کہتے ”بھیڑیے وغیرہ درندے بھی اس طرح ایڑیوں پر بیٹھا کرتے ہیں اس

① ”عقۃ الشیطان“ اور ”افعاء الکلب“ کا جو دوسرا مطلب بیان کیا گیا ہے امرچہ لغت کے لحاظ سے وہ بھی صحیح ہے لیکن چونکہ کسی جاہل سے ہمارے نمازی کے متعلق بھی یہ مان نہیں کیا جاسکتا۔ وہ اس طرح نماز میں بیٹھنے کا اسلئے ناچیز کے نزدیک اس کو مراد لینا بہت عجیب ہے۔ واللہ اعلم

لئے نماز میں اس طرح بیٹھنے سے بھی رسول اللہ ﷺ نے خصوصیت کے ساتھ منع فرمایا ہے۔

واضح رہے کہ یہ ممانعت صرف اس صورت میں ہے جبکہ بغیر کسی مجبوری کے آدمی ایسا کرے۔ اگر بالفرض کسی کو کوئی خاص مجبوری ہو تو وہ معذور ہے اور اس کے حق میں بلا کراہت جائز ہے۔

چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے متعلق مروی ہے کہ اُن کے پاؤں میں کچھ تکلیف رہتی تھی جس کی وجہ سے وہ بطریق مسنون قعدہ نہیں کر سکتے تھے اسلئے کبھی کبھی اس طرح بھی بیٹھ جاتے تھے۔

اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے صحیح مسلم وغیرہ میں جو مروی ہے کہ انہوں نے اس طرح بیٹھنے کو ”سنة نبکم“ فرمایا تو اس کا مطلب بھی بظاہر یہی ہے رسول اللہ ﷺ کبھی کسی معذوری کی وجہ سے اس طرح بھی بیٹھتے ہیں۔ واللہ اعلم۔ بہر حال اگر کوئی معذور ہو تو وہ اس طرح بھی بیٹھ سکتا ہے ورنہ عام حالات میں اور بلا عذر نماز میں اس طرح بیٹھنے کی ممانعت ہے۔

(۱۰۷) عَنْ أَبِي حُمَيْدٍ السَّاعِدِيِّ قَالَ لَمَّا لَفِيَ نَفَرٌ مِنْ أَصْحَابِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ أَلَّا أَحْفَظْكُمْ لِمَا رَأَى رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِذَا كَثُرَ جَعَلَ يَدِيهِ جَذَاءً مِنْكِبِيهِ وَإِذَا رَفَعَ أَمَكَنَ يَدَيْهِ مِنْ رُكْعَتَيْهِ ثُمَّ هَضَرَ ظَهْرَهُ لِأَدَاةِ رَأْسِهِ اسْتَوَى حَتَّى يَفُودَ كُلُّ لَفَّارٍ مَكَانَهُ لِأَدَاةِ سَجْدَةٍ وَضَعَ يَدَيْهِ غَيْرَ مُفْتَرِشٍ وَلَا لِأَبْضَمَهِمَا وَاسْتَقْبَلَ بِأَطْرَافِ رِجْلَيْهِ الْقِبْلَةَ لِأَدَاةِ جَلَسٍ لِي الرُّكْعَتَيْنِ جَلَسَ عَلَى رِجْلَيْهِ الْيُسْرَى وَنَصَبَ الْيُمْنَى لِأَدَاةِ جَلَسٍ لِي الرُّكْعَةِ الْآخِرَةِ فَلَمْ يَجْلِسْ رِجْلَيْهِ الْيُسْرَى وَنَصَبَ الْآخِرَى وَلَقَعَهُ عَلَى مَقْعَدِهِ -

((رواه البخاری))

ترجمہ: حضرت ابو حمید ساعدی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے صحابہ کرامؓ کی ایک جماعت کے سامنے فرمایا کہ: مجھے رسول اللہ ﷺ کی نماز یعنی اس کی تفصیلات آپ سب لوگوں سے زیادہ یاد ہیں (اس کے بعد فرمایا کہ) میں نے آپ کو دیکھا ہے کہ نماز شروع کرتے ہوئے جب آپ کعبہ کے تھمیر کھتے تو اپنے دونوں ہاتھ اٹھا کر مونڈھوں تک لے جاتے اور جب رکوع میں جاتے تو اپنے دونوں ہاتھوں سے گھٹنوں کو مضبوطی سے پکڑ لیتے پھر اپنی کمر کو پوری طرح موڑ دیتے (اور بالکل سیدھی زاہر کر دیتے) پھر جب رکوع سے سر مبارک اٹھاتے تو بالکل سیدھے اس طرح کھڑے ہو جاتے کہ ریزہ کی ہڈی کا ہر منہ (یعنی ہر جوڑ) ٹھیک اپنی جگہ پر آ جاتا (جہاں سیدھے کھڑے ہونے کی حالت میں دوہرتا ہے) پھر جب آپ سجدہ میں جاتے تو اپنے دونوں ہاتھ زمین پر اس طرح رکھ دیتے کہ نہ تو اُن کو زمین پر بچھا دیتے اور نہ اُن کو سکڑ لیتے (مطلب یہ ہے کہ آپ سجدہ کی حالت میں دونوں ہاتھوں کو سکڑ نہیں لیتے تھے بلکہ آگے بڑھا کر اپنے چہرے کے مقابلے میں دائیں بائیں رکھ لیتے تھے لیکن کلانیاں اور کھنیاں زمین سے الگ اور انھیں رہتی تھیں) اور پاؤں کی انگلیوں کا رخ سجدہ میں قبلہ کی جانب ہوتا تھا۔ پھر جب دو رکعت پڑھ کے آپ (التحیات کے لئے) بیٹھتے تو اپنے پاؤں کو کھڑا کر لیتے اور بائیں پاؤں پر بیٹھ جاتے۔ پھر جب آخری رکعت پڑھ کے آپ قعدہ اخیرہ کرتے تو اس طرح بیٹھتے کہ اپنے پاؤں کو کھڑا کر لیتے اور بائیں پاؤں کو (اگلے نیچے سے)

آگے کی جانب نکال دیتے اور اپنی سرینوں پر بیٹھ جاتے (جس کو تورک کہتے ہیں)۔ (صحیح بخاری)

تشریح..... ابو حمید ساعدی رضی اللہ عنہ کی اس حدیث میں تکبیر تحریرہ کے وقت مونڈھوں تک ہاتھ اٹھانے کا ذکر ہے۔ اور صحیح بخاری و صحیح مسلم میں دوسرے ایک صحابی مالک بن الحویرث کا بیان ہے کہ: ”حتیٰ لیحدائی بفسا اذنیہ“ جس کا مطلب یہ ہوا کہ آپ تکبیر تحریرہ کے وقت اپنے ہاتھ کانوں تک اٹھاتے تھے۔ لیکن ان دونوں باتوں میں کوئی منافات نہیں ہے جب ہاتھ اس طرح اٹھائے جائیں کہ انگلیاں کانوں تک پہنچ جائیں تو ہاتھوں کا نیچے والا حصہ مونڈھوں کے مقابل ہو گا اور اس صورت کو کانوں تک ہاتھ اٹھانے سے بھی تعبیر کیا جاسکتا ہے اور مونڈھوں تک اٹھانے سے بھی۔

ایک اور صحابی وائل بن حجر نے وضاحت کے ساتھ یہی بات کہی ہے۔ سنن ابی داؤد کی ایک روایت میں ان کے الفاظ یہ ہیں: ”رفع یدید حتیٰ کانتا بحال مسکبہ وحادیٰ اُنبامہ اذنیہ“ (آپ تکبیر تحریرہ کے وقت اپنے ہاتھوں کو اُٹھا اٹھاتے کہ وہ مونڈھوں کے برابر ہو جاتے اور دونوں ہاتھوں کے انگوٹھے کانوں کے محاذات میں آ جاتے)۔

حضرت ابو حمید ساعدی کی اس حدیث میں ایک خاص بات یہ بھی بیان فرمائی گئی ہے کہ رسول اللہ ﷺ قعدہ اخیرہ میں اس طریقے پر بیٹھتے تھے جس کو تورک کہتے ہیں لیکن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی جو حدیث انہی اوپر گزر چکی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قعدہ میں آپ کے بیٹھنے کا عام طریقہ وہی تھا جو حضرت ابو حمید ساعدی نے قعدہ اولیٰ کا بیان کیا ہے اور جس کو اصطلاح میں افتراش کہتے ہیں۔ بعض ائمہ اور شارحین حدیث کا خیال اس بارے میں یہ ہے کہ قعدہ میں رسول اللہ ﷺ کے بیٹھنے کا عام طریقہ تو وہی تھا جو حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث سے معلوم ہو چکا ہے، لیکن کبھی کبھی سہولت کے لئے یا یہ ظاہر کرنے اور بتانے کے واسطے کہ اس طرح بھی بیٹھا جاسکتا ہے آپ نے تورک بھی کیا۔ دوسری رائے اس کے بالکل برعکس بھی ہے اور یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ دونوں ہی طریقے مشروع ہیں۔

خاص اذکار اور دعائیں

رسول اللہ ﷺ نماز کے مختلف اجزاء یعنی قیام اور رکوع و سجود وغیرہ میں جن کلمات کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تہلیل اور حمد و ثناء کرتے تھے اور اس سے جو دعائیں اور التجائیں کرتے تھے (جن میں سے چند ان شاء اللہ آگے درج ہوں گی) ان اذکار و دعوات سے دل کی جس کیفیت کی ترجمانی ہوتی ہے وہی دراصل نماز کی حقیقت اور روح ہے۔ اسی نقطہ نظر سے ان حدیثوں کو پڑھیں اور ان کیفیات کو اپنے اندر پیدا کرنے کی کوشش کیجئے یہی دولت عظمیٰ رسول اللہ ﷺ کا خاص الخاص ورثہ ہے۔

(۱۰۸) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يَسْكُتُ بَيْنَ التَّكْبِيرِ وَبَيْنَ الْقِرَاءَةِ إِسْكَاتَةً قُلْتُ يَا بَنِي آدَمَ أَنْتَ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِسْكَاتُكَ بَيْنَ التَّكْبِيرِ وَبَيْنَ الْقِرَاءَةِ مَا تَقُولُ؟ قَالَ أَعُولُ أَلَهُمْ بَاعِذْ بَنِي وَبَيْنَ عَطَايَايَ كَمَا بَاعَدْتَ بَيْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ أَلَهُمْ لِقَائِي مِنَ الْعَطَايَا

كَمَا يُنْفِي الْقُرْبُ الْأَيْبُضُ مِنَ الذَّنْبِ اللَّهُمَّ اغْسِلْ خَطَايَايَ بِالْمَاءِ وَالْفُحِّ وَالْهَرْدِ

(رواہ البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ تکبیر تحریر اور قرأت کے درمیان کچھ دیر سکوت فرماتے تھے (یعنی آواز سے کچھ نہیں پڑھتے تھے) لیکن محسوس ہوتا تھا کہ آپ خاموشی سے کچھ پڑھتے ہیں) تو میں نے ایک دفعہ عرض کیا یا رسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان! مجھے بتا دیجئے کہ تکبیر تحریر اور قرأت کے درمیان کی خاموشی میں آپ کیا پڑھتے ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ میں اللہ سے دعا کرتا ہوں اللّٰهُمَّ بَاعِدْ بَيْنِي وَبَيْنَ ذَنْبِي كَمَا بَاعَدَ بَيْنَكَ وَبَيْنَ عَذَابِكَ اے اللہ! میرے اور میری خطاؤں کے درمیان اتنا طویل فاصلہ کر دے جتنا طویل فاصلہ تو نے مشرق و مغرب کے درمیان کر دیا ہے اور اے اللہ! مجھے خطاؤں سے ایسا پاک و صاف کر دے جیسا کہ سفید کپڑا میل چیل سے پاک صاف کر دیا جاتا ہے اور اے اللہ! میری خطاؤں کو پانی سے اور برف سے اور اولے سے (سودا) (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح: رسول اللہ ﷺ اگرچہ عام معاصی اور منکرات سے معصوم اور محفوظ تھے لیکن "تو یہاں رابض بود نہ انی" کے فطری اصول پر آپ ان اغزشوں سے سخت لرزاں و ترساں رہتے تھے جو برائے بشریت آپ سے سرزد ہو سکتی تھیں اور معصیت نہ ہونے کے باوجود آپ کی شان عالی اور مقام قرب کے لحاظ سے قابل گرفت ہو سکتی تھیں۔

جن کے رہتے ہیں سزا ان کو سوا مشکل ہے

بہر حال رسول اللہ ﷺ کی اس قسم کی دعاؤں میں "خطایا" یا "ذُنُوبٌ" جیسے الفاظ جہاں جہاں آتے ہیں وہاں اُن سے اسی قسم کی اغزشیں نہر او ہیں۔ واللہ اعلم۔ اس حدیث میں جو دعا مذکور ہوئی ہے اس کا حاصل بس یہ ہے کہ اے میرے اللہ! اے تو مجھے ہر قسم کی خطاؤں اور غلطیوں سے اس قدر دُور کر دے کہ جس قدر کہ تو نے مشرق کو مغرب سے اور مغرب کو مشرق سے دُور رکھا ہے اور برائے بشریت جب کوئی خطا مجھ سے سرزد ہو جائے تو اس کو معاف فرما کر اس کے داغ و جبہ سے بھی مجھے ایسا پاک و صاف کر دے جیسا کہ میل چیل اور کر کے سفید کپڑا بالکل پاک صاف کر دیا جاتا ہے اور اپنی رحمت کے نہایت غنڈے پانی سے میرے باطن کو غسل دے کر خطا قصور سے پیدا ہونے والی اپنے غضب کی آگ اور اس کی سوزش و جھن کو بالکل غنڈا کر دے اور اس کے بجائے اپنی رضا کی غنڈک اور سکینت میرے باطن کو نصیب فرما دے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ تکبیر کے بعد اور قرأت سے پہلے کبھی بھی یہ دعا جمی پڑھتے تھے۔

(۱۰۹) عَنْ عَائِشَةَ لَئِنْ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِذَا افْتَتَحَ الصَّلَاةَ لَأَلَّ سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ وَبِحَمْدِكَ

وَبَارَكَ اسْمُكَ وَتَعَالَى جَلَدُكَ وَلَا إِلَهَ غَيْرُكَ - (رواہ الترمذی و ابو داؤد)

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب نماز شروع فرماتے تو پہلے اللہ کی تسبیح اور حمد اس طرح کرتے: سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ وَبِحَمْدِكَ اے اللہ! تیری ذات پاک اور منزہ ہے اور میں تیری تقدیس بیان کرتا ہوں اور سارے کمالات اور خوبیاں تجھ میں ہیں میں

تیری حمد کرتا ہوں اور تیرا نام پاک بڑا با برکت ہے اور تیری شان بہت اعلیٰ ہے اور تو ہی معبود پر حق ہے تیرے سوا کوئی عبادت اور بندگی کے لائق نہیں ہے۔ (ابن ماجہ، سنن ابی داؤد)

تشریح..... حافظ مجد الدین ابن تیمیہؒ نے مفتیؒ میں سنن سعید بن منصور کے حوالے سے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے متعلق اور صحیح مسلم کے حوالے سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے متعلق، دار قطنی کے حوالے سے حضرت عثمان اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما کے متعلق یہ نقل کرنے کے بعد کہ یہ حضرات تکبیر تحریر کے بعد نماز کا افتتاح سبحانک اللہم وحسبک اللہ سے کرتے تھے۔ لکھا ہے کہ ان سب حضرات نے اس طرزِ عمل سے معذور ہوتا ہے کہ رسول اللہؐ تکبیر تحریر کے بعد عموماً اور اکثر و بیشتر میں سبحانک اللہم سے پڑھتا کرتے تھے۔ اس لئے احادیث میں وارد شدہ افتتاح نماز کی دوسری دعاؤں کے مقابلے میں یہی رائج و افضل ہے۔ اگرچہ دوسری دعائیں شدد دعاؤں کا پڑھنا بھی بالکل صحیح ہے۔ مثلاً دو دعا جو حضرت ابو ہریرہؓ کے منقول ہیں، ایک دعا جو حضرت عمرؓ کے منقول ہیں، ایک دعا جو حضرت عثمانؓ کے منقول ہیں اور اسی طرح دو دعا جو حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے منقول ہیں، اسے اگلی حدیث میں آ رہی ہے۔

عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ إِذَا قَامَ إِلَى الصَّلَاةِ كَثَّرْتُ لَكَ لَمْ وَجْهَتْ وَجْهِي لِلدُّنَى لَطَرُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ خَيْفًا وَمَا أَنَا مِنَ الْمُشْرِكِينَ إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ لَا شَرِيكَ لَهُ رَبِّي وَأَنَا عَبْدُكَ ظَلَمْتُ عَنِّي وَارْتُفِعْتُ بِذُنُوبِي جَمِيعًا إِنَّهُ لَا يَغْفِرُ الذُّنُوبَ إِلَّا أَنْتَ وَأَهْدِنِي لَإِحْسَنِ الْأَخْلَاقِ لَا يَهْدِينِي إِلَّا خَيْرُهَا إِلَّا أَنْتَ وَأَصْرِفْ عَنِّي سَيِّئَهَا لَا يَصْرِفْ عَنِّي سَيِّئَهَا إِلَّا أَنْتَ ، لَيْتَكَ وَسَمَاعِيكَ وَالْخَيْرُ كُلُّهُ لِي بِذِيكَ وَالشَّرُّ لَيْسَ إِلَيْكَ أَنَا بِكَ وَإِلَيْكَ تَبَارَكْتَ وَتَعَالَيْتَ أَسْتَغْفِرُكَ وَأَتُوبُ إِلَيْكَ وَإِذَا رَكَعَ قَالَ اللَّهُمَّ لَكَ رَكَعْتُ وَبِكَ أَمَنْتُ وَلَكَ أَسْلَمْتُ خَشَعَ لَكَ سَمْعِي وَبَصَرِي وَمَعْيِي وَعَظْمِي وَعَظْمِي ، لِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ قَالَ اللَّهُمَّ رَبَّنَا لَكَ الْعَمَلُ مِلَادُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَمِلَادُ مَا هُنْتُ مِنْ شَيْءٍ بَعْدَ وَإِذَا سَجَدَ قَالَ اللَّهُمَّ لَكَ سَجَدْتُ وَبِكَ أَمَنْتُ وَلَكَ أَسْلَمْتُ سَجَدَ وَجْهِي لِلدُّنَى خَلَقَهُ وَصَوَّرَهُ وَخَفِيَ سَمْعُهُ وَبَصَرُهُ تَبَارَكَ اللَّهُ أَحْسَنُ الْعَالَمِينَ ثُمَّ يَكُونُ مِنْ أَمْرِ مَا يَقُولُ بَيْنَ الشَّهَادَةِ وَالسَّلَامِ اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِي مَا قَلَمْتُ وَمَا أَهْوَيْتُ وَمَا أَسْرَوْتُ وَمَا أَعْلَنْتُ وَمَا أَسْرَفْتُ وَمَا أَنْتَ أَعْلَمُ بِهِ مِنِّي أَنْتَ الْمُقَدِّمُ وَأَنْتَ الْمُؤَخِّرُ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ - (رواه مسلم)

ترجمہ..... حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ سے روایت ہے کہ رسول اللہؐ جب نماز پڑھتے کیسے حرکت ہوتے تو تکبیر تحریر کے بعد یہ دعا پڑھتے۔ وَجْهَتْ وَجْهِي لِلدُّنَى اسْتَغْفِرُكَ وَأَتُوبُ إِلَيْكَ (یعنی میں نے اپنا رخ ہر طرف سے یکسو ہو کر اس اللہ کی طرف کر دیا جس نے زمین و آسمان کو پیدا کیا ہے اور میں ان

میں سے نہیں ہوں جو اس کے تعلق میں کسی کو شریک کرتے ہیں۔ میری عبادت اور میرا ہر دینی عمل اور میرا جینا اور میرا مرناسب اللہ ہی کے لئے ہے جو رب العالمین ہے۔ مجھے اسی کا حکم دیا گیا ہے، اور میں فرمانبرداری کرنے والوں میں سے ہوں۔ اے اللہ! تو ہی بادشاہ اور مالک ہے، تیرے سوا کوئی بندگی کے لائق نہیں ہے، تو میرا مالک و رب ہے اور میں تیرا بندہ ہوں، میں نے اپنے نفس پر ظلم کیا اور اپنے کو تباہ کیا ہے، اور مجھے اپنی خطاؤں کا اقرار ہے پس اے میرے مالک! میری ساری خطائیں معاف کر دے، گناہوں کا بخشنے والا تیرے سوا کوئی نہیں، اور برے اخلاق میری طرف سے بنادے اور دور کر دے، ایسا کرنے والا بھی تیرے سوا کوئی نہیں، تیرے حضور میں اور تیری خدمت و نصرت کے لئے حاضر ہوں، حاضر ہوں۔ مولانا! ہر قسم کی خیر اور بھلائی تیرے ہی ہاتھوں میں ہے، اور برائی کا تیری طرف گزر نہیں۔ مجھے تیرا ہی سہارا ہے اور تیری ہر طرف میرا رخ ہے، تو برکت والا اور رفعت والا ہے۔ میں تجھ سے مغفرت اور بخشش کا سائل ہوں اور تیرے حضور میں توبہ کرتا ہوں۔ (یہ دعا تو آپؐ تکبیر تحریر کے بعد قرأت شروع کرنے سے پہلے پڑھتے) پھر جب (قرأت سے فارغ ہو کر) آپؐ رکوع میں جاتے تو کہتے: ”اللّٰهُمَّ لَكَ رُكْعَتٌ وَعَظْمِي وَعَصْبِي“ (یعنی اے اللہ! میں تیرے حضور میں جھکا ہوا ہوں، اور میں تجھ پر ایمان لایا ہوں اور میں نے اپنے کو تیرے سپرد کر دیا ہے۔ میرے کان اور میری آنکھیں اور میرا مغزوہ استخوان اور میرے رگ پٹھے سب تیرے حضور میں جھکے ہوئے ہیں)۔ پھر جب آپؐ رکوع سے سر اٹھاتے تو (سیدھے کہتے ہو کر) اللہ کے حضور میں عرض کرتے:

”اللّٰهُمَّ اِنِّى اَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْاَلْبَاسِ مِنَ الْاَرْضِ وَمَا يَنْهَسُهَا“ (یعنی اے اللہ!

تیرے ہی لئے حمد ہے، ایسی وسیع اور بے انتہا حمد جس سے آسمان و زمین کی ساری وسعتیں بھر جائیں اور ان کے درمیان کا سارا اُخا پر ہو جائے) اور جب آپؐ سجدہ میں جاتے تو (اللہ کے حضور میں زمین پر اپنی پیشانی رکھ کے) عرض کرتے:

تیرے لئے اور تیرے حضور میں سجدہ کر رہا ہوں اور میں تجھ پر ایمان لایا ہوں اور میں نے اپنے کو تیرے حوالے کر دیا ہے۔ میرا چہرہ اپنے اس خالق کے سامنے سجدہ کر رہا ہے جس نے اس کی تخلیق کی اور اس کی یہ صورت بنائی اور اس کے کان اور اس کی آنکھیں بنائیں، مبارک ہے ہمارا بہترین خالق۔ پھر تشہد یعنی التَّحِيَّاتُ اور سلام کے درمیان (سب سے آخر میں) آپؐ اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کرتے: ”اللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِي مَا قَدْ ضَلْتُ وَمَا اخْرَأْتُ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ“ (یعنی اے اللہ! جو خطائیں میں نے پہلے کیں یا پیچھے کیں اور چھپا کر کیں یا علانیہ کیں اور جو بھی میں نے زیادتی کی اور جس کا تجھے مجھ سے زیادہ علم ہے اس سب کو معاف فرمادے اور مجھے بخش دے، تو ہی آگے کرنے والا اور توبہ پیچھے ڈال دینے والا ہے، یعنی تو جسے چاہے آگے بڑھائے اور جسے چاہے پیچھے بنائے۔ تیرے سوا کوئی معبود و مالک نہیں) (شیخ مسند)

تشریح..... حدیث کے دفا تر میں رسول اللہ ﷺ کی نماز سے متعلق روایات کا جو ذخیرہ ہے اس کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ کی نماز کی جو تفصیل اور رکوع و

ہجوم اور قوم وغیرہ کی جو دعائیں ذکر کی ہیں یہ روزِ مرہ کی فرض نمازوں میں رسول اللہ ﷺ کا عام اور دائمی معمول نہیں تھا، غالباً آپؐ کبھی کبھی ایسا بھی کرتے تھے اور یہ بھی ممکن ہے بلکہ اغلب ہے کہ آپؐ تہجد کی نماز اس طرح پڑھتے ہوں۔ امام مسلم نے اس حدیث کو تہجد ہی کی احادیث کے سلسلہ میں روایت کیا ہے۔

اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ کی جو دعائیں منقول ہوئی ہیں ان سے کچھ سمجھا جاسکتا ہے کہ نماز کی حالت میں حضورؐ کے قلبِ مبارک کی کیفیت کیا ہوتی تھی، اور آپؐ نماز کس ذوق سے ادا کرتے تھے، اللہ تعالیٰ اس کا کوئی ذرہ ہم کو نصیب فرمائے۔

نماز میں اور خاص کر تہجد میں رسول اللہ ﷺ سے اور بھی بہت سی دعاؤں کا پڑھنا ثابت ہے، جو انشاء اللہ آئندہ اپنے موقع پر ذکر کی جائیں گی، ان سب دعاؤں میں ایک خاص روح ہے، اُمر اس کا اطمینان ہو کہ مقتدیوں کو تکلیف اور رانی نہ ہوگی تو فرض نمازوں میں بھی امامان و عاہل میں سے پڑھ سکتا ہے، اور نوافل میں تو اس ۱۰۰ مرتبہ عظمیٰ سے حصہ لینا ہی چاہیے۔ وہی ذلک فلیس فی السلسلہ

نماز میں قرأت قرآن

قیام اور رکوع و ہجوم کی طرح قرآن مجید کی قرأت بھی نماز کا ایک لازمی جزو اور بنیادی رکن ہے اور اس کا محل و موقع قیام ہے۔ جیسا کہ معلوم اور معمول ہے قرأت کی ترتیب یہ ہے کہ تکبیر تحریمہ کہنے کے بعد اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء، تسبیح و تہلیل اور اپنی عبودیت کے اظہار پر مشتمل کوئی دعا اللہ تعالیٰ کے حضور میں عرض کی جاتی ہے (اس موقع کی تین، ماثور دعائیں سبحانک اللہم وبحمدک وغیرہ مختصر یہی مذکور ہو چکی ہیں) اس کے بعد قرآن مجید کی سب سے پہلی سورۃ جو گویا اس کا افتتاحیہ ہے، یعنی سورۃ فاتحہ پڑھی جاتی ہے، جس میں اللہ تعالیٰ کی حمد کے ساتھ اس کی صفات کا بڑا جامع اور مؤثر بیان بھی ہے، ہر قسم کے شرک کی لٹی کے ساتھ اس کی توحید کا اثبات و اقرار بھی ہے۔ صراطِ مستقیم یعنی دینِ حق اور شریعتِ الہیہ کے لئے اپنی ضرورت مندنی اور محتاجی کی بناء پر اس کی ہدایت کے لئے عاجزانہ اور فقیرانہ سوال اور دعا بھی ہے

بہر حال سب سے پہلے یہ سورۃ پڑھی جاتی ہے، اور اپنی جامعیت اور خاص عظمت و اہمیت کی وجہ سے یہ متعین طور سے اس درجہ میں لازمی اور ضروری ہے کہ اس کے بغیر کوئی نماز ہی نہیں ہوتی، اس کے بعد نماز کو اجازت بلکہ حکم ہے کہ وہ قرآن مجید کی کوئی بھی سورۃ یا کسی سورۃ کا کوئی بھی حصہ پڑھے۔ قرآن مجید کا جو حصہ بھی دو پڑھے گا اس میں اس کے لئے ہدایت کا کوئی نہ کوئی پیغام ضرور ہوگا، یا تو اللہ تعالیٰ کی توحید اور اس کی صفات کاملہ کا بیان ہوگا یا یومِ آخرت اور جنت و دوزخ اور نیک کرداری و بدکرداری کی جزائز و کاہر ہوگا یا عملی زندگی سے متعلق کوئی فرمان ہوگا، یا کسی سبق آموز اور عبرت انگیز واقعہ کا تذکرہ ہوگا۔ الغرض پڑھنے والے کے لئے کوئی نہ کوئی رہنمائی اس میں ضرور ہوگی، یہ گویا اس کی دعا، ہدایت (اهدنا الصراط المستقیم) کا اللہ تعالیٰ کی طرف سے نقد جواب ہوگا جو اسی کی زبان پر جاری ہوگا۔ پھر دوسری رکعت میں بھی اسی طرح سورۃ فاتحہ اور اس کے بعد کوئی اور سورۃ یا کسی سورۃ سے کچھ آیتیں پڑھی جائیں گی۔ اور اگر نماز تین یا

چار رکعت والی ہو تو تیسری اور چوتھی رکعت میں بھی سورۃ فاتحہ تو ضرور پڑھی جائے گی، لیکن اس کے ساتھ کچھ اور پڑھنا ضروری نہیں ہے۔

اس تمہید کے بعد مندرجہ ذیل حدیثیں پڑھئے جن میں سے بعض تو نماز کے اندر قرأت سے متعلق رسول اللہ ﷺ کے ارشادات ہیں، اور زیادہ تر وہ ہیں جن سے معلوم ہو گا کہ فی الواقعہ الصلوٰۃ کے بارے میں آپ کا طرز عمل کیا تھا اور کس نماز میں آپ کتنی قرأت کرتے تھے اور کون کون سی سورتیں زیادہ تر پڑھتے تھے۔

(۱۱۱) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ لَا صَلَوةَ إِلَّا بِقِرَاءَةٍ ، قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ لَمَّا أَخْلَنَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ أَعْيُنَهُ وَمَا أَخْفَاهُ أَخْفَيْنَاهُ لَكُمْ - (رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قرآن کی قرأت کے بغیر نماز ہوئی ہی نہیں۔ آگے حضرت ابو ہریرہ اپنی طرف سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جن نمازوں میں قرأت بالجہر فرماتے تھے ان میں ہم بھی جہر کرتے ہیں اور دوسروں کو سنا کے پڑھتے ہیں، اور جہاں آپ آہستہ خاموشی سے پڑھتے تھے وہاں ہم بھی ایسا ہی کرتے ہیں، اور تم کو سنا کے نہیں پڑھتے۔ (صحیح مسلم)

تشریح: اس حدیث میں نماز کے لئے قرآن کی کسی خاص سورۃ کا نہیں بلکہ مطلق قرأت قرآن کا ارکان ہونا بیان فرمایا گیا ہے۔ آگے حدیث کے راوی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا یہ بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ جن نمازوں اور جن رکعتوں میں بالجہر قرأت فرماتے تھے ان ہی میں ہم بھی بالجہر قرأت کرتے ہیں اور جہاں آپ خاموشی سے پڑھتے تھے وہاں ہم بھی خاموشی سے پڑھتے ہیں۔

(۱۱۲) عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ لَا صَلَوةَ لِمَنْ لَمْ يَقْرَأْ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ . (رواہ البخاری و مسلم و فی روایہ للمسلم لمن لم يقرأ ، بام القرآن لصاعدا)

ترجمہ: حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے نماز میں سورۃ فاتحہ نہیں پڑھی اس کی نماز ہی نہیں ہوئی۔ (صحیح مسلم و صحیح البخاری)

اور اسی حدیث کی صحیح مسلم کی ایک روایت میں اس طرح ہے کہ: جس نے سورۃ فاتحہ اور اس کے آگے کچھ اور نہیں پڑھا تو اس کی نماز ہی نہیں۔

تشریح: اس حدیث سے یہ تفصیل معلوم ہوئی کہ سورۃ فاتحہ تو متعین طور سے نماز کا لازمی جزو ہے، اور اس کے بعد قرآن مجید ہی میں سے کچھ اور بھی پڑھنا ضروری ہے۔ لیکن اس میں پوری وسعت ہے اور اجازت ہے کہ جہاں سے چاہے پڑھے۔

مسئلہ قرأت فاتحہ میں ائمہ مجتہدین کے مذاہب

ائمہ مجتہدین میں سے حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور بعض دوسرے حضرات نے اس حدیث سے

اور اسی طرح کی بعض اور احادیث سے یہ سمجھا ہے کہ نمازی خواہ اکیلے نماز پڑھ رہا ہو، خواہ امامت کر رہا ہو، خواہ مقتدی ہو اور نماز خواہ جبری ہو یا سری ہر حال میں اس کے لئے سورۃ فاتحہ پڑھنا ضروری ہے۔

اور حضرت امام مالکؒ، حضرت امام احمد بن حنبلؒ اور ان کے علاوہ دوسرے بھی بہت سے ائمہ نے اس حدیث کے ساتھ اسی مسئلہ سے متعلق دوسری بعض حدیثوں کو بھی سامنے رکھ کر یہ رائے قائم فرمائی ہے کہ اگر نمازی مقتدی ہو اور نماز جبری ہو تو امام کی قرأت مقتدیوں کی طرف سے بھی کافی ہے۔ لہذا اس صورت میں مقتدی کو خود قرأت نہیں کرنی چاہئے۔ اس کے علاوہ باقی تمام صورتوں میں نمازی کو سورۃ فاتحہ لازماً پڑھنا چاہئے۔

امام اعظم حضرت امام ابو حنیفہؒ بھی اسی کے قائل ہیں، بلکہ وہ سری نمازوں میں بھی امام کی قرأت کو مقتدی کی طرف سے کافی سمجھتے ہیں۔ ان حضرات کے اس نقطہ نظر کی بنیاد جن حدیثوں پر ہے ان میں سے ایک وہ بھی ہے جو اگلے ہی نمبر پر درج ہو رہی ہے۔

۱۰ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِنَّمَا جُعِلَ الْإِمَامُ لِیُؤْتَمَّ بِهِ لِذَا كَبَّرَ لَكَبْرُؤًا وَإِذَا قَرَأَ الْفَاتِحَةَ . (رواہ دار الدؤود والسیوطی وابن ماجہ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا امام اس لئے بتایا گیا ہے کہ مقتدی لوگ اس کی اقتداء اور اتباع کریں لہذا جب امام اللہ اکبر کہے تو تم بھی اللہ اکبر کہو اور جب وہ قرأت کرے تو تم تنہا موشی سے کان لگا کر سنو۔ (ابن ابی شیبہ، ابن ماجہ، دار الدؤود)

تشریح: امام کی قرأت کے وقت موشی سے سننے کی یہ ہدایت بالکل انہی الفاظ میں بعض اور صحابہ کرام نے بھی رسول اللہ ﷺ سے روایت کی ہے۔ چنانچہ صحیح مسلم میں حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے ایک طویل حدیث کے ضمن میں یہ ہدایت انہی الفاظ میں مروی ہے۔ اور وہیں ایک شاعر کے سواں سے جواب میں امام مسلم نے حضرت ابو ہریرہؓ کو اس حدیث کی بھی صحیح اور توثیق کی ہے اور اہل بیت پر رسول اللہ کی اس ہدایت کا مآخذ و منشا، قرآن مجید کا یہ واضح فرمان ہے۔

”وَإِذَا قُرِءَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنْصِتُوا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ“

اور جب قرآن پاک کی قرأت ہو تو تم اس کو متوجہ ہو کر سنو اور موش رہو، شاید کہ اس کی وجہ سے تم رحمت کے قابل ہو جاؤ۔

امام ابو حنیفہؒ جو سری نمازوں میں بھی امام کی قرأت کو مقتدی کے لئے کافی سمجھتے ہیں ان کا خاص استدلال حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی اس حدیث سے بھی ہے جس کو امام محمدؒ اور امام طحاویؒ اور امام دارقطنیؒ وغیرہ نے خود امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی سند سے اپنی مصنفات میں روایت کیا ہے۔ مؤطا امام محمدؒ کی روایت کے الفاظ یہ ہیں:

”عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ أَنَّهُ قَالَ مَنْ صَلَّى خَلْفَ الْإِمَامِ لِأَن لِرَأَةِ الْإِمَامِ

لَهُ قِرَاءَةٌ .

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا جو شخص امام کے پیچھے نماز پڑھے تو امام کی قرأت اس کی بھی قرأت ہے۔

فائدہ..... یہ مسئلہ کہ امام کے پیچھے مقتدی کو سورہ فاتحہ پڑھنی چاہیے یا نہیں؟ ان معرکتہ لاء اختلافی مسائل میں سے ہے جن پر ہماری اس صدی میں بلا مبالغہ سینکڑوں کتابیں دونوں طرف سے لکھی گئی ہیں، اور بلاشبہ ان میں بعض تو علم و تحقیق اور نکتہ آفرینی کے لحاظ سے شاہکار ہیں لیکن معارف الہدیث کا یہ سلسلہ امت کے جس طبقہ کے لئے اور جس مقصد کو سامنے رکھ کر لکھا جا رہا ہے، یہ مباحث اس کے لحاظ سے نہ صرف غیر ضروری ہیں بلکہ بعض پہلوؤں سے مضرت بھی ہو سکتے ہیں۔ اس قسم کے تمام اختلافی مسائل میں صحیح راویہ ہے کہ تمام ائمہ سلف کے ساتھ نیک گمان رکھا جائے، دل سے ان کا احترام کیا جائے اور سمجھا جائے کہ ان میں سے ہر ایک نے کتاب و سنت اور صحابہ کرامؓ کے طرز عمل کا مطالعہ اور اس میں غور و فکر کے بعد جو کچھ اپنے نزدیک زیادہ رائج سمجھا ہے نیک نیتی سے اس کو اختیار کر لیا ہے، ان میں سے کوئی بھی باطل پر نہیں ہے۔ اور یہ اس کے منافی نہیں ہے کہ امت کی مصلحت عامہ کی خاطر، جہالت و نفسانیت اور فتنوں کے اس دور میں کسی ایک مسلک سے اپنے کو وابستہ نہ رکھا جائے۔ بہر حال معارف الہدیث کے اس سلسلہ میں بحث و مناظرہ کی راہ سے بچتے ہوئے چلنے کا التزام کیا گیا ہے۔ الحمد للہ پوری بنسیرت و یقین کے ساتھ اس عاجز کی یہ رائے ہے کہ ہندوستان کے مایہ فخر اور استاذ الاساتذہ حضرت شاد ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے جتہ اللہ المبالغہ وغیرہ میں اصولی طور پر جو راہ عدل و اعتدال ان اختلافی مسائل کے بارے میں اختیار کی، اس دور میں امت محمدیہ کے لیے بس وہی راہ ہے جس کو اپن لینے کے بعد امت کا بھرا بھرا شیرازہ پیرتے جڑ سکتا ہے۔

نماز فجر میں رسول اللہ ﷺ کی قرأت

(۱۱۴) عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَقْرَأُ فِي الْفَجْرِ بَقِ وَالْقُرْآنِ الْمَجِيدِ وَ نَحْوَهَا وَكَانَتْ صَلَوَتُهُ بَعْدَ تَخْفِيفًا . (رواہ مسلم)

حضرت جابر بن سمور رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ فجر کی نماز میں سورہ بقرہ اور اس جیسی دوسری سورتیں پڑھا کرتے تھے اور بعد میں آپ کی نماز ملکی ہوتی تھی۔ (صحیح مسلم)

تشریح..... شارحین نے آخری خط کشیدہ فقرے کے دو مطلب بیان کئے ہیں، ایک یہ کہ فجر کے بعد آپ کی نماز میں یعنی ظہر، عصر، مغرب، عشاء، یہ سب بہ نسبت فجر کے ملکی ہوتی تھیں اور ان میں بہ نسبت فجر کے آپ قرأت کم فرماتے تھے۔ دوسرا مطلب اس فقرے کا یہ بیان کیا گیا ہے کہ ابتدائی دور میں جب صحابہ کرامؓ کی تعداد کم تھی، اور آپ کے پیچھے جماعت میں سب ساتین اولین ہی ہوتے تھے۔ آپ کی نمازیں عموماً

طویل ہوتی تھیں، اور بعد کے دور میں جب ساتھ میں نماز پڑھنے والوں کی تعداد زیادہ ہو گئی تھی، اور ان میں دوم سوم درجہ والے اہل ایمان بھی ہوتے تھے تو آپ نمازیں نسبتاً لمبی پڑھنے لگے تھے، کیونکہ جماعت میں نمازیوں کی تعداد زیادہ ہونے کی صورت میں اس کا امکان زیادہ ہوتا تھا کہ کچھ لوگ مریض یا کمزور یا کم ہمت یا زیادہ بوڑھے ہوں جن کے لئے طویل نماز باعث زحمت ہو جائے۔

اگرچہ واقعاتی لحاظ سے دونوں ہی باتیں صحیح ہیں لیکن اس عاجز کے خیال میں دوسری تشریح اقرب ہے۔ واللہ اعلم

(۱۱۵) عَنْ عُمَرُو بْنِ حُرَيْثٍ إِنَّهُ سَمِعَ النَّبِيَّ ﷺ يَقْرَأُ فِي الْفَجْرِ وَاللَّيْلِ إِذَا عَمَسَ . (رواہ مسلم)
ترجمہ: حضرت عمر بن حریث رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو فجر کی نماز میں "اللیل اذا عمس" (یعنی سورہ تکوین) پڑھتے ہوئے سنا۔ (صحیح مسلم)

(۱۱۶) عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ السَّائِبِ قَالَ صَلَّى لَنَا رَسُولُ اللَّهِ ﷺ الصُّبْحَ بِمَكَّةَ لَمْ يَسْتَفْتَحْ سُورَةَ الْمُؤْمِنِينَ حَتَّى جَاءَ ذِكْرُ مُوسَى وَهَارُونَ أَوْ ذِكْرُ عِيسَى أَخَذَتِ النَّبِيُّ ﷺ سَعْلَةً لَمْ يَكُفْ . (رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن سائب رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مکہ میں ہمیں صبح کی نماز پڑھائی اور سورہ مؤمنون پر حشر شروع فرمائی، ابھی آپ اس جگہ تک پہنچے تھے، جہاں حضرت موسیٰ و ہارون (علیہما السلام) کا یا حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کا ذکر ہے کہ آپ کو کھانسی آنے لگی اور آپ نے رکوع فرمادیا۔ (صحیح مسلم)
(۱۱۷) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ إِنْ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ لَقَرَأَ فِي رَكْعَتِي الْفَجْرِ قُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ وَقُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ - (رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فجر کی دو رکعتوں میں سورہ قل یا ایہا الکافرون اور سورہ قل هو اللہ احد پڑھیں۔ (صحیح مسلم)

(۱۱۸) عَنْ مَعَاذِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ الْجُهَنِيِّ قَالَ إِنْ رَجُلًا مِنْ جُهَيْنَةَ أَخْبَرَهُ اللَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَرَأَ فِي الصُّبْحِ إِذَا زُلْزِلَتْ فِي الرُّكْعَتَيْنِ كَلِمَتَيْمَا فَلَا أَفْرَى أَلَسَى أَمْ قَدْ أَدْلِكَ عَمَدًا (رواہ ابوداؤد)
ترجمہ: معاذ بن عبداللہ الجہنی سے روایت ہے کہ قبیلہ جہینہ کے ایک صاحب نے ان سے بیان کیا کہ انہوں نے ایک دفعہ صبح کی نماز کی دونوں رکعتوں میں رسول اللہ ﷺ کو اذا زلزلت پڑھتے ہوئے سنا۔ (آگے ان صاحب نے کہا کہ) مجھے معلوم نہیں کہ آپ نے بھول کر ایسا کیا یا عمد آپ نے دونوں رکعتوں میں ایک ہی سورت پڑھی۔ (سنن بیہقی)

تشریح: چونکہ رسول اللہ ﷺ کا عام دستور دو رکعتوں میں الگ الگ دو سورتیں پڑھنے کا تھا اس لئے جب ایک دفعہ آپ نے دونوں رکعتوں میں "اذا زلزلت" پڑھی تو ان صحابی کو یہ شبہ ہو گیا کہ آپ نے بھول کر ایسا کیا، یہ بتانے اور جھانسنے کے لئے کہ یہ بھی جائز ہے آپ نے تمنا لیا کیا۔

(۱۱۹) عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يَقْرَأُ فِي رَكْعَتَيْ الْفَجْرِ قَوْلُوا آمَنَّا بِاللَّهِ وَمَا أُنْزِلَ إِلَيْنَا وَالْحَمْدُ لِلَّهِ إِلَى عِمْرَانَ فَلْيَسَّ هَلْ الْكِتَابِ تَعَالَوْا إِلَى كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ - (رواه مسلم)

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ فجر کی دو رکعتوں میں سورہ بقرہ کی آیات اُقل: یَا هَلْ الْكِتَابِ تَعَالَوْا إِلَى كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ الخ پڑھا کرتے تھے۔ (صحیح مسلم)

(۱۲۰) عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ كُنْتُ أَلُوذُ لِرَسُولِ اللَّهِ ﷺ نَافِلَةً فِي السُّفْرِ لَقَالَ لِي يَا عُقْبَةُ لَا أَعْلَمُكَ خَيْرَ سُورَتَيْنِ لَوْ تَنَافَلْتُمَا لَعَلَّمَنِي لَوْلَا أَعُوذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ، وَلَوْلَا أَعُوذُ بِرَبِّ النَّاسِ. قَالَ فَلَمْ يَزَلْ يَسْرُثُ بِيَهُمَا جِدًّا لَمَّا نَزَلَ لِصَلَاةِ الصُّبْحِ صَلَّى بِهِمَا صَلَاةَ الصُّبْحِ لِلنَّاسِ لَمَّا لَرَعَ النَّفْثَ إِلَى قَالَ يَا عُقْبَةُ كَيْفَ رَأَيْتَ.

(رواه احمد و ابو داؤد و النسائی)

ترجمہ: حضرت عقبہ بن عامرؓ سے روایت ہے کہ میں ایک سفر میں رسول اللہ ﷺ کی نافرہ مبارکہ کی مہار پڑھ کر چل رہا تھا، اثناء سفر میں رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے فرمایا: عقبہ! میں تم کو قرآن کی دو بہترین سورتیں تعلیم کروں؟ اس کے بعد آپ نے سورہ قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس تعلیم فرمائیں۔ پھر آپ نے محسوس فرمایا کہ ان دونوں سورتوں کی تعلیم سے مجھے بہت زیادہ خوشی نہیں ہوئی، تو جب صبح کی نماز کیلئے آپ اترے تو آپ نے یہی دونوں سورتیں پڑھ کر فجر کی نماز پڑھائی، پھر نماز فارغ ہونے کے بعد آپ میری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا عقبہ! تم نے کیا دیکھا اور کیا محسوس کیا۔ (۱) (صحیح مسلم)

(۱۲۱) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَقْرَأُ فِي الْفَجْرِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ بِآلِمِ تَنْزِيلِ فِي الرَّكْعَةِ الْأُولَى وَلِي الثَّانِيَةِ هَلْ أَتَى عَلَى الْإِنْسَانِ.

(رواه البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جمعہ کے دن فجر کی پہلی رکعت میں الہ تنزیل (یعنی سورۃ السجدہ) اور دوسری رکعت میں ہل اتی علی الانسان (یعنی سورۃ الدھر) پڑھا کرتے تھے۔ (صحیح بخاری، صحیح مسلم)

تشریح: فجر کی نماز میں رسول اللہ ﷺ کی قرأت متعلق جو حدیثیں یہاں تک درج کی گئی اور کتب حدیث میں ان کے علاوہ جو اور روایات اس سلسلہ میں ملتی ہیں ان سب کو پیش نظر رکھنے سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کی قرأت فجر کی نماز میں بہ نسبت دوسری نمازوں کے اکثر و بیشتر کسی قدر طویل ہوتی تھی، لیکن کبھی کبھی (غالباً کسی خاص داعیہ سے) آپ فجر کی نماز بھی قل یا سب الکرہون اور قل هو اللہ احد اور قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس جتنی چھوٹی سورتوں سے پڑھا دیتے تھے۔ اسی طرح ان حدیثوں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ آپ کا عام معمول نماز کی رکعتوں میں مستقل سورتیں پڑھنے کا تھا، لیکن کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا تھا کہ کسی سورت میں سے کچھ آیات پڑھ دیتے تھے۔ اسی طرح کبھی ایسا بھی ہوا ہے کہ آپ نے دونوں رکعتوں میں ایک ہی سورت کی قرأت فرمائی۔

جمعہ کی فجر میں سورۃ "الہ تنزیل السجدہ" اور سورۃ "الدھر" پڑھنے کی حکمت حضرت شاذلی رحمۃ اللہ علیہ نے

یہ بیان فرمائی ہے کہ ان دونوں سورتوں میں قیامت اور جزا سزا کا بیان بہت مؤثر انداز میں کیا گیا ہے، اور قیامت جیسا کہ احادیث صحیحہ میں بتایا گیا ہے جمعہ ہی کے دن قائم ہونے والی ہے، اس لئے غالباً آپ اس کی تذکیر اور یاد دہانی کے لئے جمعہ کی فجر میں یہ دونوں سورتیں پڑھنا پسند فرماتے تھے۔ واللہ اعلم

نہم و عشر میں رسول اللہ ﷺ کی قرأت

۱۲۲ عَنْ أَبِي قَتَادَةَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَقْرَأُ فِي الظُّهْرِ فِي الْأَوَّلِينَ بِأَمِّ الْكِتَابِ وَسُورَتَيْنِ وَلِي الرُّكْعَتَيْنِ الْأُخْرَيَيْنِ بِأَمِّ الْكِتَابِ وَيُسْمِعُنَا آيَةَ أَحْيَا وَ يُطَوِّلُ فِي الرُّكْعَةِ الْأُولَى مَا لَا يُطِيلُ فِي الرُّكْعَةِ الثَّانِيَةِ وَهَكَذَا فِي الْعَصْرِ وَهَكَذَا فِي الصُّبْحِ . (رواه البخاری و مسلم)

حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نماز ظہر کی پہلی دو رکعتوں میں سورۃ فاتحہ اور اسکے علاوہ دو سورتیں پڑھتے تھے، اور آخر کی دو رکعتوں میں صرف سورۃ فاتحہ اور کبھی کبھی (سری نماز میں کبھی) ایک آدھ آیت آپ اتنی آواز سے پڑھتے تھے کہ ہم سن لیتے تھے، اور پہلی رکعت میں طویل قرأت فرماتے تھے، اور دوسری رکعت میں اتنی طویل نہیں فرماتے تھے، اور اسی طرح عصر میں، اور اسی طرح فجر میں آپ ﷺ کا معمول تھا۔ (صحیح مسلم و صحیح ابن ابی شیبہ)

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کبھی کبھی ظہر کی سری نماز میں ایک آدھ آیت آپ اتنی آواز سے پڑھ دیتے تھے کہ پیچھے والے اس کو سن لیتے تھے۔ بعض شارحین نے لکھا ہے کہ غالباً ایسا کبھی غلبۂ استفراق میں ہو جاتا تھا، اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آپ کبھی بقصد تعلیم ایسا کرتے ہوں۔ یعنی یہ بتانا چاہتے ہوں کہ میں فلاں سورۃ پڑھ رہا ہوں یا اپنے اس فعل سے یہ مسئلہ واضح فرمانا چاہتے ہوں کہ اگر سری نماز میں ایک آدھ آیت اتنی آواز سے پڑھ دی جائے کہ پیچھے والے مقتدی سن لیں تو اس کی گنجائش ہے اور اس کی وجہ سے نماز میں کوئی نقصان نہیں آئے گا۔

۱۲۳ عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَقْرَأُ فِي الظُّهْرِ بِاللَّيْلِ إِذَا بَغَضَى وَلِي رِوَايَةٍ بِسَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى وَلِي الْعَصْرِ نَحْوَ ذَلِكَ وَلِي الصُّبْحِ أَطْوَلَ مِنْ ذَلِكَ . (رواه مسلم)

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ظہر کی نماز میں سورۃ والنیل (اذا بغضی) پڑھتے تھے۔ اور ایک روایت میں ہے کہ سورۃ سبح اسم ربك الاعلیٰ پڑھتے تھے۔ اور عصر کی نماز میں بھی قریب قریب اتنی ہی بڑی سورت پڑھتے تھے، اور صبح کی نماز میں اس سے کچھ طویل۔ (صحیح مسلم)

نماز مغرب میں رسول اللہ ﷺ کی قرأت

۱۲۴ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُثْمَةَ قَالَ لَرَأَى رَسُولَ اللَّهِ ﷺ فِي صَلَاةِ الْمَغْرِبِ بِحَمِّ الدُّخَانِ . (رواه السنن)

ترجمہ... حضرت عبداللہ بن عتبہ بن مسعود سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مغرب کی نماز میں سورہ حم الدخان پڑھی۔ (سنن نسائی)

(۱۲۵) عَنْ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقْرَأُ فِي الْمَغْرِبِ بِالطُّورِ (رواہ البخاری و مسلم)
ترجمہ... حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو مغرب کی نماز میں سورہ طور پڑھتے ہوئے سنا ہے۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(۱۲۶) عَنْ أَمِّ الْفَضْلِ بِنْتِ الْحَارِثِ ثَلَاثَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقْرَأُ فِي الْمَغْرِبِ بِالْمُرْسَلَاتِ عُرْفًا. (رواہ البخاری و مسلم)

ترجمہ... حضرت ام الفضل بنت الحارث رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو مغرب کی نماز میں سورہ والمرسلات عرفاً پڑھتے ہوئے سنا ہے۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(۱۲۷) عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا ثَلَاثَ إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ صَلَّى الْمَغْرِبَ بِسُورَةِ الْأَعْرَافِ لِرُفُلِهَا فِي رُكْعَتَيْنِ. (رواہ السلی)

ترجمہ... حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے پوری سورہ اعراف مغرب کی دو رکعتوں میں تقسیم کر کے پڑھی۔ (سنن نسائی)

تشریح... ان چاروں حدیثوں میں نماز مغرب میں جن سورتوں کی قرأت کا ذکر ہے ان میں سے کوئی بھی ان چھوٹی سورتوں میں سے نہیں ہے جن کو "تقصار" کہا جاتا ہے، بلکہ سب ان بڑی سورتوں میں سے ہیں جن کو "طوال" کہا جاتا ہے۔ بلکہ حضرت صدیقہؓ والی آخری حدیث میں جس کی سورہ اعراف کی قرأت کا ذکر ہے وہ تو پورے سو اسی پارہ کی ہے۔ بہر حال ان چار حدیثوں میں تو نماز مغرب میں رسول اللہ ﷺ کا طویل طویل سورتیں پڑھنا ہی ذکر کیا گیا ہے لیکن آگے درج ہونے والی بعض دوسری روایتوں سے معلوم ہو گا کہ آپ کا اکثری معمول مغرب میں چھوٹی سورتیں پڑھنے کا تھا، اس لئے اکثر علمائے کرام کا خیال ہے کہ مندرجہ بالا حدیثوں میں نماز مغرب کے جن واقعات کا ذکر کیا گیا ہے (جن میں آپ نے طویل طویل سورتیں پڑھیں) یہ سب اتفاقی واقعات ہیں، اور آپ کا عمومی اور اکثری معمول مغرب میں چھوٹی ہی سورتوں کی قرأت کا تھا، جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس مکتوب سے بھی معلوم ہوتا ہے جو آپ نے حضرت ابو موسیٰ اشعرمیؓ کو لکھا تھا، انشاء اللہ عنقریب ہی حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا یہ مکتوب بھی درج کیا جائے گا۔ واللہ اعلم

نماز عشاء میں رسول اللہ ﷺ کی قرأت

(۱۲۸) عَنِ الْهَرَاءِ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقْرَأُ فِي الْعِشَاءِ وَالْيَتِيمِ وَالزَّيْتُونِ، وَمَا سَمِعْتُ أَحَدًا أَحْسَنَ صَوْتًا مِنْهُ — (رواہ البخاری و مسلم)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو عشاء کی نماز میں سورۃ النیس والہ یقیناً پڑھتے ہوئے سنا ہے، اور میں نے آپ سے زیادہ اچھی آواز والا کسی کو نہیں سنا۔ (صحیح بخاری، صحیح مسلم)

تشریح: صحیحین ہی کی بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ جس کا ذکر حضرت جابر بن عذاب نے اس حدیث میں کیا ہے سفر کا ہے، اور آپ نے اس نماز کی کسی ایک رکعت میں سورۃ النیس پڑھی تھی۔

(۱۶۶) عَنْ جَابِرٍ لَّانَ كَانَ مَعَاذُ بْنُ جَبَلٍ يَصَلِّي مَعَ النَّبِيِّ ﷺ ثُمَّ يَأْتِي قَوْمَ لَوْمَةَ، فَيُصَلِّي لَوْمَةَ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ الْعِشَاءَ ثُمَّ آتَى قَوْمَهُ فَانْفَتَحَ بِسُورَةِ الْبَقَرَةِ فَانْحَرَفَ رَجُلٌ فَلَمَّ ثُمَّ صَلَّى وَحْدَهُ وَانْصَرَفَ فَقَالُوا لَهُ أَمَا لَقْتَ يَا لَكَ لَان؟ قَالَ لَا وَاللَّهِ وَلَا يَبِينُ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ فَانْخَبَرَهُ لَأَنِّي رَسُولُ اللَّهِ ﷺ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّا أَصْحَابُ نَوَاصِحٍ نَعْمَلُ بِالنَّهَارِ وَإِنْ مَعَاذُ صَلَّى مَعَكَ الْعِشَاءَ ثُمَّ آتَى قَوْمَهُ فَانْفَتَحَ بِسُورَةِ الْبَقَرَةِ، فَانْقَلَبَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ عَلَى مَعَاذٍ فَقَالَ يَا مَعَاذُ أَتَأْتِ؟ إِبْرَأَ وَالشَّمْسُ وَضُطْحَهَا، وَالصُّلْحَى، وَاللَّيْلُ إِذَا بَغَى، وَسَبَّحَ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى. (رواہ البخاری و مسلم)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ معاذ بن جبل کا معمول تھا کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ آپ کی مسجد میں نماز پڑھتے، پھر آکر اپنے قبیلہ کی مسجد میں لا مت کرتے۔ ایک رات انہوں نے عشاء کی نماز رسول اللہ ﷺ کے ساتھ پڑھی، پھر اپنے قبیلہ میں آئے اور ان کی لا مت کی، اور (سورۃ فتح کے بعد) سورۃ بقرہ شروع کر دی۔ ایک شخص نماز توڑ کر چیخے بہت گیا، اور اس نے تنبیہی نماز پڑھی (چونکہ یہ بات بہت غیر معمولی تھی، اور اس دور میں نماز باجماعت کا اہتمام نہ کرنا منہ نقوس ہی کا طریقہ تھا، اس لئے) لوگوں نے اس کو بہت محسوس کیا، اور اس شخص سے کہا ”فذلے تو منافق تو نہیں ہو گیا ہے؟“ اس نے جواب دیا ”خدا کی قسم نہیں! بعد میں خود رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ کے سامنے یہ بات رکھوں گا۔“ چنانچہ وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، اور عرض کیا ”یا رسول اللہ! ہم راکام اونٹوں کے ذریعہ پانی پیٹنا ہے، ہم لوگ دن بھر محنت مشقت کرتے ہیں اور (گزشتہ رات ایسا ہوا کہ) معاذ مشہ کی نماز آپ کے ساتھ پڑھنے کے بعد اپنے قبیلہ کی مسجد میں آئے (اور یہاں انہوں نے نماز پڑھائی نہ ہوئی) تو سورۃ بقرہ شروع کر دی؟“ رسول اللہ ﷺ نے یہ سن کر حضرت معاذ کی طرف رخ فرمایا اور ارشاد فرمایا: معاذ! کیا لوگوں کو تم قہر میں مبتلا کرنا چاہتے ہو؟ سورۃ النیس وضحیا، سورۃ النیس سورۃ النیس سورۃ النیس اور سبح اسم رب الاعلیٰ پڑھا کرو۔ (صحیح بخاری و مسلم)

تشریح: اس حدیث سے اظہار ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ عشاء کی نماز دو دفعہ پڑھتے تھے، ایک دفعہ مسجد نبوی میں آنحضرت ﷺ کے مقعدہ بن کر، اور دوسری دفعہ اپنے قبیلہ کی مسجد میں امام بن کر، نین جمہور ائمہ و علماء اس پر متفق ہیں کہ ان میں سے ایک دفعہ کی نماز وہ نفل کی نیت سے پڑھتے تھے۔ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا خیال ہے کہ جو نماز وہ مسجد نبوی میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ اور آپ کی

اقتداء میں پڑھتے تھے وہ فرض کی نیت سے پڑھتے تھے اور اپنے قبیلہ والی مسجد میں امام بن کر نفل کی نیت سے پڑھتے تھے، اسی بناء پر حضرت امام شافعیؒ اس کے قائل ہیں کہ نفل پڑھنے والے امام کی اقتداء میں فرض نماز پڑھی جاسکتی ہے، ان کے نزدیک اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ لیکن حضرت امام ابو حنیفہؒ اور امام مالکؒ کی تحقیق یہ ہے کہ نفل پڑھنے والے امام کی اقتداء میں فرض نماز نہیں پڑھی جاسکتی۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کے زیر بحث واقعہ کے متعلق ان حضرات کا خیال یہ ہے کہ وہ فرض عشاء کی نیت سے اپنے قبیلہ کی مسجد ہی میں نماز پڑھاتے تھے، اور چونکہ مسجد نبویؐ کی جماعت کے وقت تک وہ رسول اللہؐ کی خدمت میں حاضر رہتے تھے اس لئے آپؐ کی نماز کی خاص برکات میں حصہ لینے کے لئے اور سیکھنے کی غرض سے وہ نفل کی نیت سے آپؐ کے ساتھ بھی شریک ہو جاتے تھے۔ اس مسئلہ پر بھی دونوں طرف بڑی فاضلانہ فقیہانہ اور محدثانہ بحثیں کی گئی ہیں۔ اہل علم شروع حدیث فتح النہج، عسکرة النہج اور فتح السبہ میں دیکھ سکتے ہیں۔

حدیث کی خاص ہدایت جو ہمارے موضوع اور عنوان سے متعلق ہے بس یہ ہے کہ ائمہ کو چاہئے کہ وہ نماز اتنی طویل نہ پڑھیں جو مقتدیوں کے لئے باعث مشقت ہو جائے، خاص کر ضعیفوں، کمزوروں اور محنت پیشہ لوگوں کا لحاظ رکھیں۔

مختلف اوقات کی نماز میں رسول اللہ ﷺ کی قرأت

(۱۳۰) عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ يَسَارٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ مَاصَلْتُ لَالاً مَاصِلْتُ وَرَاءَ أَحَدِ أَهْبَةِ صَلَوةٍ بِرَسُولِ اللَّهِ ﷺ مِنْ لَلَانِ لَالاً سُلَيْمَانُ صَلَّيْتُ خَلْفَهُ لَكَانَ يُطِيلُ الرُّكْعَتَيْنِ الْأُولَيَيْنِ مِنَ الظُّهْرِ وَيُخَفِّفُ الْآخِرَتَيْنِ وَيُخَفِّفُ الْعَصْرَ وَيَقْرَأُ فِي الْمَغْرِبِ بِقِصَارِ الْمُفْصَلِ وَيَقْرَأُ فِي الْعِشَاءِ بِوَسْطِ الْمُفْصَلِ وَيَقْرَأُ فِي الصُّبْحِ بِطَوَالِ الْمُفْصَلِ . (رواہ النہج)

سلیمان بن یسار تابعی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے (اپنے زمانہ کے ایک امام کی طرف اشارہ کرتے ہوئے) فرمایا کہ: میں نے کسی شخص کے پیچھے ایسی نماز نہیں پڑھی، جو رسول اللہ ﷺ کی نماز سے زیادہ مشابہ ہو فلاں امام کی یہ نسبت۔ سلیمان بن یسار کہتے ہیں کہ ان صاحب کے پیچھے میں نے بھی نماز پڑھی ہے۔ ان کا معمول یہ تھا کہ ظہر کی پہلی دونوں رکعتیں لمبی پڑھتے تھے اور آخری دو رکعتیں لمبی پڑھتے تھے، اور عصر لمبی ہی پڑھتے تھے، اور مغرب میں قصار مفصل اور عشاء میں اوسط مفصل پڑھتے تھے اور فجر کی نماز میں طوال مفصل پڑھا کرتے تھے۔

تفسیر: قرآن مجید کی آخری منزل کی سورتوں کو کہا جاتا ہے یعنی سورۃ حجرات سے آخر قرآن تک، پھر اس کے بھی تین حصے کئے گئے ہیں۔ حجرات سے لے کر سورۃ بروج تک کی سورتوں کو "فصل" کہا جاتا ہے، اور بروج سے لے کر سورۃ لم یکن تک کی سورتوں کو "فصل" اور سورۃ ناس سے لے کر آخر تک کی سورتوں کو "فصل" کہا جاتا ہے۔

اس حدیث میں ان صاحب کے نام کا ذکر نہیں کیا گیا ہے جسکے متعلق حضرت ابو ہریرہؓ کا یہ بیان ہے کہ:

”ان کی نماز رسول اللہ ﷺ کی نماز سے بہت زیادہ مشابہ تھی، اور کسی شخص کے پیچھے میں نے ایسی نماز نہیں پڑھی، جو بہ نسبت ان کی نماز کے حضور ﷺ کی نماز سے بہت زیادہ مشابہ ہو۔“

بہر حال ان صاحب کا نام نہ تو حضرت ابو ہریرہؓ نے ذکر کیا اور نہ سلیمان بن یسار تابعی نے، مگر شارحین حدیث نے محض قیاس اور اندازہ سے ان کو متعین کرنے کی کوشش کی ہے، مگر کوئی بات بھی اس بارے میں قابل اطمینان نہیں ہے، لیکن حدیث کا مضمون بالکل واضح ہے اور نام معلوم نہ ہونے سے اصل مقصد اور مسئلہ پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

سلیمان بن یسار تابعی نے ان صاحب کی نماز کے بارے میں جو تفصیل بیان کی ہے حضرت ابو ہریرہؓ کے مذکورہ بالا ارشاد کی روشنی میں اسی سے یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ مختلف اوقات کی نماز کی قرأت کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کا عام معمول بھی وہی تھا جو ان صاحب کا معمول سلیمان بن یسار نے بیان کیا ہے یعنی ظہر کی نماز میں تطویل، عصر میں تخفیف، مغرب میں قصار مفصل، عشاء میں اوسط مفصل، اور فجر میں طویل مفصل۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس بارے میں حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو جو خط لکھا تھا (جس کا پہلے بھی ذکر کیا جا چکا ہے) اس میں بھی مختلف اوقات کی نمازوں کی قرأت کے بارے میں یہی ہدایت کی گئی ہے۔ مصنف عبد الرزاق میں سند کے ساتھ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس خط کا ذکر ان الفاظ میں کیا گیا ہے:-

”كَتَبَ عُمَرُ إِلَى أَبِي مُوسَى أَنْ اقْرَأْ فِي الْمَغْرِبِ بِقِصَارِ الْمُفْصَلِ وَلِی الْعِشَاءِ بِوَسْطِ الْمُفْصَلِ وَلِی الصُّبْحِ بِطَوَالِ الْمُفْصَلِ“۔ (نصف، الروایہ)

(حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ابو موسیٰ اشعری کو لکھا تھا کہ مغرب کی نماز میں قصار مفصل، عشاء میں اوسط مفصل اور فجر میں طویل مفصل پڑھا کرو۔) (الب - ۱)

اور امام ترمذی نے اسی خط کا حوالہ دیتے ہوئے ظہر میں اوسط مفصل پڑھنے کی ہدایت کا بھی ذکر کیا ہے۔ (جامع ترمذی ماب ما جاء فی القراءة فی الطہر والعصر)

ظاہر ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ ہدایت جب ہی فرمائی ہوگی، جب کہ رسول اللہ ﷺ کی قوی اور عملی تعلیم سے انہوں نے ایسا ہی سمجھ ہو گا۔ اسی بناء پر اکثر ائمہ مجتہدین نے مختلف اوقات کی نمازوں میں قرأت کی مقدار کے بارے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس خط کو خاص رہنما مان کر اسی کے مطابق عمل کو اولیٰ اور مستحسن قرار دیا ہے۔

بعد اور مجددین کی نمازوں میں رسول اللہ ﷺ کی قرات

(۱۳۱) عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ أَبِي رَافِعٍ قَالَ اسْتَخْلَفَ مَرْوَانَ أَبَاهُ نَزَرَ عَلَى الْمَدِينَةِ وَخَرَجَ إِلَى مَكَّةَ فَصَلَّى لَنَا أَبُو هُرَيْرَةَ الْجُمُعَةَ لَقَرَأَ سُورَةَ الْجُمُعَةِ فِي السُّجْدَةِ الْأُولَى وَلِی الْأَمِيرَةِ إِذَا جَاءَكَ الْمُنَافِقُونَ فَقَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقْرَأُ بِهِمَا يَوْمَ الْجُمُعَةِ - (رواہ مسلم)

رسول اللہ ﷺ کے مشہور غلام اور خادم ابو رافع رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے عبید اللہ بن ابی رافع (جو اکابر تابعین میں ہیں) بیان کرتے ہیں کہ مروان (جس زمانہ میں کہ امیر معاویہ کی طرف سے مدینہ کا حاکم تھا) حج وغیرہ کسی ضرورت سے مکہ معظمہ گیا، اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو (ان دونوں کے لئے) اپنا قائم مقام بنا گیا تو حضرت ابو ہریرہ نے جمعہ کی نماز پڑھائی تو اس کی پہلی رکعت میں سورہ جمعہ اور دوسری میں سورہ منافقون پڑھی اور فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو جمعہ کے دن یہ دونوں سورتیں پڑھتے ہوئے سنا ہے۔ (صحیح)

(۱۳۲) عَنْ الثُّعْمَانِ بْنِ بَشِيرٍ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يَقْرَأُ فِي الْعِيدَيْنِ وَفِي الْجُمُعَةِ بِسَبْحِ اسْمِ رَبِّكَ الْأَعْلَى وَهَلْ أَتَاكَ حَدِيثُ الْعَاجِزَةِ، قَالَ وَإِذَا اجْتَمَعَ الْعِيدُ وَالْجُمُعَةُ فِي يَوْمٍ وَاحِدٍ قَرَأَ بِهِمَا فِي الصَّلَوَتَيْنِ۔ (رواہ مسلم)

حضرت ثعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ عیدین اور جمعہ کی نماز میں ”سبح اسم ربک الاعلیٰ“ اور ”ہل آتا حدیث العاجزہ“ پڑھا کرتے تھے اور عید اور جمعہ دونوں ایک دن میں جمع ہو جاتے تو آپ دونوں نمازوں میں یہی دو سورتیں پڑھتے۔ (صحیح)

(۱۳۳) عَنْ عَبْدِ اللَّهِ ابْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَطَاءِ قَالَ سَأَلَ أَبَا وَائِلٍ الْبُخَارِيَّ مَا كَانَ يَقْرَأُ بِهِ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ فِي الْأَضْحَى وَالْفِطْرِ فَقَالَ بِهِمَا بَقِيَ الْقُرْآنُ الْمَجِيدُ وَالْعَرَبُ السَّاعَةِ۔ (رواہ مسلم)

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے بیٹے (بخاری) عید اللہ بن مسعود (تابعی) سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو واہلہ لیثی سے پوچھا کہ ”عید الاضحیٰ اور عید الفطر کی نماز میں رسول اللہ ﷺ کیا پڑھتے تھے؟“

انہوں نے فرمایا کہ: ”آپ ﷺ ان دونوں میں ”بقی القرآن المجید“ اور ”العرۃ الساعۃ“ پڑھا کرتے تھے۔“ (صحیح)

ان حدیثوں سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ نماز جمعہ کی دونوں رکعتوں میں علی الترتیب اکثر و بیشتر سورہ جمعہ اور سورہ منافقون یا سورہ اعلیٰ و سورہ غاشیہ پڑھا کرتے تھے، اور عیدین کی نماز میں بھی یا تو یہی دونوں آخری سورتیں سورہ اعلیٰ و غاشیہ پڑھا کرتے تھے، یا ”بقی القرآن المجید“ اور ”العرۃ الساعۃ“۔ نماز ہجگانہ اور جمعہ و عیدین کی نمازوں میں قرأت سے متعلق اب تک جو حدیثیں درج کی گئی ہیں اور جو کچھ ان کی تشریح کے سلسلہ میں لکھا گیا ہے اس سے ناظرین نے یہ دو باتیں ضرور سمجھ لی ہوں گی۔

بعض شایعہ نے لکھا ہے کہ یہ بات ظاہر ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ سوال نہ تو ذوقِ حقیقت کی وجہ سے تھا اور نہ جوں کی وجہ سے۔ دونوں ہی باتیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بہت مستبعد ہیں اس لئے اس سوال کا مقصد یا تو ابو واہلہ لیثی سے محمد بن ابی ذرہ اشت کا حال معلوم کرنا تھا یا ان کی بات سے دوسروں کو سنوانا تھا یا خود اپنے علم کی توثیق مقصود تھی۔ اللہ اعلم

آپ کا اکثر معمول یہ تھا کہ فجر میں قرأت طویل فرماتے تھے اور زیادہ تر طویل مفصل پڑھتے تھے، ظہر میں بھی کسی قدر طویل قرأت فرماتے تھے، عصر مختصر اور ہلکی پڑھتے تھے، اور اسی طرح مغرب بھی عشاء میں اوساط مفصل پڑھنا پسند فرماتے تھے، لیکن کبھی کبھی اس کے خلاف بھی ہوتا تھا۔

کسی نماز میں ہمیشہ کسی خاص سورت کے پڑھنے کا نہ آپ نے حکم دیا، اور نہ عملاً ایسا کیا، ہاں بعض نمازوں میں اکثر و بیشتر بعض خاص سورتیں پڑھنا آپ سے ثابت ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ ... میں فرماتے ہیں:

وقد اختار رسول اللہ ﷺ بعض السور في بعض الصلوات لفوائد من غير حرم ولا

طلب مؤكدا فمن اتبع فقد احسن ومن لا فلا حرج ...

رسول اللہ نے بعض نمازوں میں کچھ مضامین اور فوائد کے پیش نظر بعض خاص سورتیں پڑھنی پسند فرمائیں، لیکن قطعی طور پر نہ ان کی تعین کی نہ دوسروں کو تاکید فرمائی کہ وہ ایسا ہی کریں۔ پس اس بارے میں اگر کوئی آپ کا اتباع کرے (اور ان نمازوں میں وہی سورتیں اکثر و بیشتر پڑھے) تو اچھا ہے، اور جو ایسا نہ کرے تو اس کے لئے بھی مضائقہ اور حرج نہیں ہے۔

... قرآن مجید ...

سورۃ فاتحہ جو متعین اور حتمی طور سے نماز کی ہر رکعت میں پڑھی جاتی ہے، جیسا کہ معلوم ہے اس کی ابتدائی تین آیتوں میں اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء ہے اور چوتھی آیت میں اس کی توحید کا اقرار و اظہار اور دعائی تمہید ہے، اور اس کے بعد کی تین آیتوں میں اللہ تعالیٰ سے بدایت کی دعا اور اس کا سوال ہے، اور اسی پر یہ سورۃ ختم ہو جاتی ہے۔ رسول اللہ نے اس کے ختم پر ... کہنے کی بدایت فرمائی ہے، اور جب نماز جماعت کے ساتھ کسی امام کے پیچھے پڑھی جا رہی ہو تو حکم ہے کہ جب امام سورۃ فاتحہ کی آیت ... دعائیہ آیتیں پڑھنے کے بعد اس حکم کے مطابق آمین کہے تو اس کے ساتھ مقتدی بھی آمین کہیں۔ رسول اللہ کی اطلاع ہے کہ اس وقت اللہ کے فرشتے بھی آمین کہتے ہیں۔

(۱۳۴) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِذَا أَمَّنَ الْإِمَامُ فَأَمَّنُوا فَإِنَّهُ مَنْ وَالَّقَ تَابَتْهُ تَابَتِ الْمَلَائِكَةُ غَيْرَ لَهُ مَا تَقَلَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ.

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا جب امام (سورۃ فاتحہ کے ختم پر) ... کہے تو تم مقتدی بھی آمین کہو، جس کی آمین ملائکہ کی آمین کے موافق ہوگی اس کے ساتھ گناہ معاف کر دیئے جائیں گے۔

کسی کی آمین ملائکہ کی آمین کے موافق ہونے کے شارحین نے کئی مطلب بیان کئے ہیں، ان میں سب سے زیادہ راجح یہ ہے کہ ملائکہ کی آمین کے ساتھ آمین کہی جائے نہ اس سے پہلے ہو نہ اس کے بعد میں اور ملائکہ کی آمین کا وقت وہی ہے جب کہ امام آمین کہے۔ اس بناء پر رسول اللہ کے اس ارشاد کا

مطلب یہ ہو گا کہ جب امام سورہ فاتحہ ختم کر کے آمین کہے تو مقتدیوں کو چاہئے کہ وہ بھی اسی وقت آمین کہیں کیونکہ اللہ کے فرشتے بھی اسی وقت آمین کہتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ کا یہ فیصلہ ہے کہ جو بندے فرشتوں کی آمین کے ساتھ آمین کہیں گے ان کے سابقہ گناہ معاف کر دیئے جائیں گے۔

۱۳۵ عَنْ أَبِي مُوسَى الْأَشْعَرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِذَا صَلَّيْتُمْ فَلَا تَقْلَمُوا صُفْرَ لَكُمْ ثُمَّ يَوْمُكُمْ أَحَدُكُمْ لَإِذَا كَثُرَ لَكُمْ يَوْمًا وَإِذَا قَالَ غَيْرَ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ فَقُولُوا آمِينَ يُجِبْكُمْ اللَّهُ. (روزِ مسد)

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب تم نماز پڑھنے لگو تو اپنی صفیں اچھی طرح درست اور سیدھی کرو، پھر تم میں سے کوئی امام بنے، پھر جب وہ امام تکبیر کہے تو تم تکبیر کہو، اور جب وہ سورہ فاتحہ کی آخری آیت "عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ" پڑھے تو تم کہو آمین (یعنی اے اللہ! قبول فرما جب تم ایسا کرو گے) تو اللہ تعالیٰ سورہ فاتحہ میں مانگی ہوئی ہدایت کی دعا قبول فرمالے گا۔

..... آمین دراصل قبولیت دعا کی درخواست ہے، اور بندے کی طرف سے اس بات کا اظہار ہے کہ میرا کوئی حق نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ میری دعا کو قبول ہی کر لے اس لئے سائلانہ دعا کرنے کے بعد وہ آمین کہہ کے پھر درخواست کرتا ہے کہ اے اللہ! محض اپنے کرم سے میری حاجت پوری فرما دے اور میری دعا قبول فرمالے۔ اس طرح یہ مختصر سالفظ رحمت خداوندی کو متوجہ کرنے والی ایک مستقل دعا ہے۔ سنن ابی داؤد میں ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ:

”ایک رات ہم لوگ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ چلے جا رہے تھے ایک شخص کے پاس سے گزرنا ہوا جو بڑے الحاج اور انہماک کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے دعا کر رہا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اے یہ شخص اپنی دعا پر مہر لگا دے تو یہ ضرور قبول کرالے گا۔ آپ کے ساتھیوں میں سے کسی نے عرض کیا کہ کس چیز کی مہر؟ آپ نے فرمایا کہ آمین کی مہر“

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ دعا کے ختم پر آمین کہنا ان چیزوں میں سے ہے جن سے دعا کی قبولیت کی خاص امید کی جاسکتی ہے۔

آمین بالآخر یا ہاں

نماز میں آمین بالجہر کہی جائے یا بالسر یہ مسئلہ بھی خواہ مخواہ معرکہ کا مسئلہ بن گیا ہے، حالانکہ کوئی بالانصاف صاحب علم اس سے انکار نہیں کر سکتا کہ حدیث کے مستند ذخیرے میں جہر کی روایت بھی موجود ہے اور ہر کی بھی، اسی طرح اس سے بھی کسی کو انکار کی گنجائش نہیں ہے کہ صحابہ اور تابعین دونوں میں آمین بالجہر کہنے والے بھی تھے اور بالسر کہنے والے بھی^۱، اور یہ بجائے خود اس بات کی واضح دلیل ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے

۱ ابن الترمذی نے طبری سے نقل کیا ہے: الوصواب ان الخبرين بالجهر وبها والمخافة صحيحان وعمل بكل من فعله جماعة من العلماء۔

دونوں طریقے ثابت ہیں اور آپ کے زمانہ میں دونوں طرح عمل ہوا ہے، یہ ناممکن ہے کہ آپ کے زمانہ میں کبھی آئین بالجہر نہ کہی گئی ہو اور آپ کے بعد بعض صحابہ جہر سے کہنے لگے ہوں۔ اسی طرح یہ بھی قطعاً ناممکن ہے کہ آپ کے دور میں اور آپ کے سامنے آئین بالسر پر کبھی عمل نہ ہوا ہو اور آپ کے بعد بعض صحابہ ایسا کرنے لگے ہوں۔ الغرض صحابہ اور تابعین میں دونوں طرح کا عمل پایا جاتا اس کی قطعی دلیل ہے کہ عہد نبوی میں دونوں طرح عمل ہوا ہے۔ بعد میں بعض ائمہ مجتہدین نے اپنے علم و تحقیق کی بناء پر یہ سمجھا کہ آئین میں اصل جہر ہے اور عہد نبوی میں زیادہ تر عمل اسی پر تھا اگرچہ کبھی کبھی اس کے خلاف بھی ہوتا تھا اس لئے ان حضرات نے آئین بالجہر کو افضل کہا اور بالسر کو بھی جائز کہا، اور اس کے برعکس دوسرے بعض ائمہ نے اپنے معلومات کی بناء پر یہ سمجھا کہ آئین جو قرآن کا لفظ بھی نہیں ہے دراصل وہ بالسر یعنی آہستہ سے کہنے کی چیز ہے اور رسول اللہ کے دور میں عام طور سے آہستہ ہی کہا جاتا تھا اگرچہ کبھی کبھی بالجہر بھی کہا جاتا تھا۔ الغرض جن ائمہ کی تحقیق اور غور و فکر نے ان کو اس نتیجہ پر پہنچایا ان کی رائے یہ ہوئی کہ اصل اور افضل بالسر کہنا ہی ہے لیکن جائز بالجہر بھی ہے۔ بہر حال ائمہ کے درمیان اختلاف صرف افضلیت میں ہے، جواز سے کسی کو بھی انکار نہیں ہے اور یقیناً ہمارے ائمہ سلف میں سے ہر ایک نے وہی رائے قائم کی ہے اور اسی کو اختیار کیا ہے جس کو انہوں نے دیا نہ ارادہ غور و فکر اور تحقیق کے بعد زیادہ صحیح سمجھا۔ اللہ تعالیٰ ان سب کو جزائے خیر دے اور ہم سب کو اتباع حق اور عدل کی توفیق دے۔

فہم

بالکل یہی حال مسئلہ رفع یدین کا بھی ہے، اس میں شک کرنے کی قطعاً گنجائش نہیں ہے کہ رسول اللہ نے تکبیر تحریرہ کے علاوہ رکوع میں جاتے وقت، رکوع سے اٹھتے وقت۔ بلکہ سجدے سے اٹھتے وقت، اور تیسری رکعت کے لئے کھڑے ہوتے وقت بھی۔ رفع یدین کیا ہے۔ (جیسا کہ حضرت عبد اللہ بن عمر، وائل بن حجر اور ابو حمید ساعدی رضی اللہ عنہم وغیرہ متعدد صحابہ کرام نے روایت کیا ہے)۔ اسی طرح اس میں بھی شک کی گنجائش نہیں ہے کہ آپ نماز اس طرح بھی پڑھتے تھے کہ صرف تکبیر تحریرہ کے وقت رفع یدین کرتے تھے اور اس کے بعد پوری نماز میں کسی موقع پر بھی رفع یدین نہیں کرتے تھے (جیسا کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود اور براء بن عازب وغیرہ نے روایت کیا ہے)۔ اسی طرح صحابہ کرام اور تابعین میں بھی دونوں طرح عمل کرنے والوں کی اچھی خاصی تعداد موجود ہے اس لئے ائمہ مجتہدین کے درمیان اس بارے میں بھی اختلاف صرف ترجیح اور افضلیت کا ہے، دونوں طریقوں کے جائز اور ثابت ہونے میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔

۱۳۶) عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ كَانَ يَرْفَعُ يَدَيْهِ حَذْوَ مَنْكِبَيْهِ إِذَا فَتَحَ الصَّلَاةَ وَإِذَا عَبَّرَ لِلرُّكُوعِ وَإِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ الرُّكُوعِ وَلَعَهْمَا مِثْلُ ذَلِكَ وَلَئِنْ سَمِعَ اللَّهُ لِمَنْ حَمِدَهُ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ وَمَا كَانَ لَنَا بِفَعْلٍ ذَلِكَ فِي السُّجُودِ .
(رواہ الحارثی و سلم)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب نماز شروع فرماتے تھے تو (تکبیر تحریر کہنے کے ساتھ) دونوں ہاتھ مونڈھوں تک اٹھاتے تھے اور جب رکوع میں جانے کے لئے تکبیر کہتے تھے اور اس طرح جب رکوع سے اٹھتے تھے تب بھی دونوں ہاتھ اسی طرح اٹھاتے تھے اور کہتے تھے "سمع اللہ لمن حمدہ ربنا للہ الحمد" اور سجدے میں ایسا نہیں کرتے تھے۔ (صحیح بی، صحیح مسلم)

تشریح..... حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی اس حدیث میں تکبیر تحریر کے علاوہ صرف رکوع میں جاتے اور رکوع سے اٹھتے وقت رفع یدین کا ذکر ہے اور اسی کے ساتھ سجدے میں رفع یدین نہ کرنے کی تصریح ہے۔ اور ان ہی کی بعض دوسری روایات میں تیسری رکعت کے لئے اٹھتے وقت بھی رفع یدین کا ذکر ہے، اور یہ روایت بھی صحیح بخاری ہی میں موجود ہے۔

اور مالک بن الحویرثؓ اور وائل بن حجرؓ کی حدیثوں میں (جن کو امام نسائی اور امام ابوداؤد نے روایت کیا ہے) سجدے کے وقت بھی رفع یدین کا ذکر ہے، جس کی حضرت ابن عمرؓ کی مندرجہ بالا حدیث میں صراحت نئی کی گئی ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ ان میں سے ہر روایت اور ہر بیان بجائے خود صحیح ہے اور مالک بن الحویرثؓ اور وائل بن حجرؓ کے اس بیان میں کہ رسول اللہ ﷺ سجدے میں جاتے وقت اور اس سے اٹھتے وقت بھی رفع یدین کرتے تھے۔ اور حضرت ابن عمرؓ کے اس بیان میں کہ آپ سجدے میں رفع یدین نہیں کرتے تھے تطبیق اس طرح دی جاسکتی ہے کہ ایسا آپ نے کبھی بھی کیا جس کو مالک بن الحویرثؓ اور وائل بن حجرؓ نے تو دیکھا اور حضرت ابن عمرؓ نے اتفاق سے نہیں دیکھا اس لئے اپنے علم کے مطابق انہوں نے اس کی نفی کی، اگر یہ آپ کا دائمی یا اکثری عمل ہوتا تو ناممکن تھا کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ جیسے صحابی کو اس کی خبر نہ ہوتی۔

(۱۳۷) عَنْ عَلْقَمَةَ لَالٍ لَنَا ابْنُ مَسْعُودٍ أَلَا أَصْلَى بِكُمْ صَلَوةُ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ لَصَلَّى لَلَمْ يَرْفَعْ يَدَيْهِ إِلَّا لِمَا أَوَّلَ مَرَّةٍ . (رواہ الترمذی و ابو داؤد و الدہلمی)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے خاص شاگرد علقمہ سے روایت ہے کہ حضرت ابن مسعودؓ نے ایک دفعہ ہم سے کہا کہ میں تمہیں رسول اللہ ﷺ والی نماز پڑھاؤں! یہ کہہ کر انہوں نے ہمیں نماز پڑھائی، اس نماز میں انہوں نے بس پہلی ہی دفعہ (تکبیر تحریر کے ساتھ) رفع یدین کیا، اس کے سوا رفع یدین بالکل نہیں کیا۔ (جامع ترمذی، سنن ابی داؤد، سنن نسائی)

تشریح..... حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے ان ممتاز اور جلیل القدر صحابہ میں سے ہیں جن کو رسول اللہ ﷺ کی ہدایت تھی کہ وہ نماز میں پہلی صف میں رسول اللہ ﷺ کے قریب کھڑے ہوں، انہوں نے اپنے شاگردوں کو دکھانے اور سکھانے کے لئے اہتمام کے ساتھ رسول اللہ ﷺ والی نماز پڑھائی، اور اس میں تکبیر تحریر کے علاوہ کسی موقع پر بھی رفع یدین نہیں کیا۔

حضرت ابن مسعودؓ کی اس حدیث کی بناء پر یہ ماننا پڑے گا کہ حضرت ابن عمرؓ وغیرہ نے رکوع میں جاتے

وقت اور رکوع سے اٹھتے وقت رفع یدین کا جو ذکر کیا ہے وہ بھی رسول اللہ کا، انہی یا اکثری معمول نہ تھا، اگر ایسا ہوتا تو حضرت ابن مسعود جو آپ کے قریب صف اول میں کھڑے ہونے والوں میں تھے اس سے یقیناً واقف ہوتے اور تعلیم کے اس موقع پر رفع یدین ہرگز ترک نہ کرتے۔

ان سب حدیثوں کو سامنے رکھ کر ہر منفعت صاحب علم اس نتیجہ پر پہنچے گا کہ رسول اللہ کا معمول نماز میں رفع یدین کا بھی رہا ہے اور ترک رفع یدین کا بھی۔ یعنی ایسا بھی ہوتا تھا کہ آپ پوری نماز میں سوائے تکبیر تحریر کے کسی موقع پر بھی رفع یدین نہیں کرتے تھے ایسا بھی ہوتا تھا کہ تحریر کے علاوہ صرف رکوع میں جاتے وقت اور اس سے اٹھتے وقت رفع یدین کرتے تھے، اور شاید نادر ایسا بھی ہوتا تھا کہ آپ سجدے میں جاتے وقت اور اس سے اٹھتے وقت بھی رفع یدین کرتے تھے۔ حضرت ابن مسعود جیسے صحابہ نے آپ کی نماز کے مسلسل مطالعہ اور مشاہدے سے یہ سمجھا کہ نماز میں اصل ترک رفع یدین ہے، اور حضرت ابن عمر جیسے بہت سے صحابہ نے یہ سمجھا کہ اصل رفع یدین ہے۔ پھر رائے اور فکر کا یہی اختلاف تابعین اور بعد کے اہل علم میں بھی رہا۔

امام ترمذی نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ والی مندرجہ بالا حدیث سند کے ساتھ نقل کرنے کے بعد اور حسب عادت یہ بتانے کے بعد کہ فلاں فلاں دیگر صحابہ کرام سے بھی رفع یدین کی احادیث روایت کی گئی ہیں لکھا ہے کہ:

”رسول اللہ کے بعض صحابہ مثلاً حضرت عبداللہ بن عمرؓ، حضرت جابرؓ، حضرت ابو ہریرہؓ اور حضرت انسؓ وغیرہ اسی کے قائل ہیں یعنی انہوں نے رفع یدین کو اختیار کیا ہے، اور اسی طرح تابعین اور بعد کے ائمہ میں سے فلاں اور فلاں حضرات اسی کے قائل ہیں۔“

اس کے بعد ترک رفع یدین کے بارے میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی مندرجہ بالا حدیث نقل کرنے کے بعد اور اسی مضمون کی براء بن عازبؓ کی ایک دوسری حدیث کا حوالہ دینے کے بعد امام ترمذی نے لکھا ہے کہ:-

”متعدد صحابہؓ اسی کے قائل ہیں اور انہوں نے ترک رفع یدین کو اختیار کیا ہے اور اسی طرح تابعین اور بعد کے ائمہ میں سے فلاں فلاں حضرات نے اس کو اختیار کیا ہے۔“

الغرض آئین بالجہر اور آئین بالسر کی طرح رفع یدین اور ترک رفع یدین بلاشبہ دونوں عمل رسول اللہ سے ثابت ہیں۔ اور صحابہ کرامؓ کے درمیان ترجیح و اختیار میں اختلاف اسی وجہ سے ہوا ہے کہ ان میں سے بعض نے اپنے غور و فکر، اپنے دینی وجدان اور اوراک اور رسول اللہ کے معمولات کے مطالعہ و تجزیہ کی بناء پر یہ سمجھا کہ نماز میں اصل ترک رفع یدین ہے، اور رفع یدین جب ہوا ہے وقتی اور عارضی طور پر ہوا ہے۔ حضرت ابن مسعود جیسے صحابہ کرام نے یہی سمجھا اور امام ابو حنیفہؒ اور سفیان ثوریؒ وغیرہ ائمہ نے اسی کو اختیار کیا۔ اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور حضرت جابرؓ وغیرہ دوسرے بہت سے صحابہ کرامؓ نے اس کے برعکس سمجھا، اور حضرت امام شافعیؒ اور امام احمدؒ وغیرہ نے اس کو اختیار کیا، اور رائے کا یہ اختلاف بھی صرف

فضیلت میں ہوا، رفع اور ترک رفع کا جو از سب کے نزدیک مسلم ہے۔
اللہ تعالیٰ غلو اور ناانصافی سے حفاظت فرمائے اور اجتماع حق کی توفیق دے۔

روح و تجوید

نماز کیا ہے؟..... اللہ تعالیٰ کے حضور میں قلب و قالب اور قول و عمل سے ایک خاص طریقے پر اپنی بندگی و نیاز مندی کا اظہار اور اس کی بے نہایت عظمت و جلالت کے سامنے اپنے انتہائی تذلل اور فروتنی کا مظاہرہ..... قیام و قعود اور رکوع و سجود اور جو کچھ ان میں پڑھا جاتا ہے اس سب کی روح یہی ہے، لیکن اس بندگی اور تذلل کا سب سے بڑا مظہر نماز کے اعمال و اجزاء میں رکوع و سجود ہیں۔..... سر او نچا رکھنا، تکبیر، یعنی برتری اور بالاتری کے احساس کی علامت ہے، اور اس کے برعکس اس کو نیچا کرنا اور جھکا کر تواضع اور خاکساری کی نشانی ہے۔ اور اپنے کو کسی کے سامنے رکوع کی شکل میں جھکا دینا اس تواضع اور تقسیم کی غیر معمولی شکل ہے جو صرف خالق و مالک ہی کا حق ہے اور مجدد اس کی بالکل ہی آخری اور انتہائی شکل ہے، اس میں بندہ اپنی پیشانی اور ناک کو جو انسانی اعضاء میں سب سے زیادہ محترم ہیں خاک پر رکھ دیتا ہے، اس لحاظ سے رکوع و سجود نماز کے ارکان میں سب سے زیادہ اہم ہیں، اسی لئے رسول اللہ ﷺ نے ان کو اچھی طرح اور صحیح طریقے پر ادا کرنے کی سخت ہدایت اور تاکید فرمائی ہے، اور بہترین کلمات کے ساتھ ان میں اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تہلیل یا اس کے حضور میں دعا کرنے کی اپنے ارشاد اور عمل سے تلقین فرمائی ہے۔

اس تمہید کے بعد اس سلسلہ کی حدیثیں ذیل میں پڑھئے۔

روح و تجوید، ص ۱۰۰، ۱۰۱، ۱۰۲، ۱۰۳، ۱۰۴، ۱۰۵، ۱۰۶، ۱۰۷، ۱۰۸، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۱، ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۱۴، ۱۱۵، ۱۱۶، ۱۱۷، ۱۱۸، ۱۱۹، ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۴۰، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۴۷، ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱۳۵۴، ۱۳۵۵، ۱۳۵۶، ۱۳۵۷، ۱۳۵۸، ۱۳۵۹، ۱۳۶۰، ۱۳۶۱، ۱۳۶۲، ۱۳۶۳، ۱۳۶۴، ۱۳۶۵، ۱۳۶۶، ۱۳۶۷، ۱۳۶۸، ۱۳۶۹، ۱۳۷۰، ۱۳۷۱، ۱۳۷۲، ۱۳۷۳، ۱۳۷۴، ۱۳۷۵، ۱۳۷۶، ۱۳۷۷، ۱۳۷۸، ۱۳۷۹، ۱۳۸۰، ۱۳۸۱، ۱۳۸۲، ۱۳۸۳، ۱۳۸۴، ۱۳۸۵، ۱۳۸۶، ۱۳۸۷، ۱۳۸۸، ۱۳۸۹، ۱۳۹۰، ۱۳۹۱، ۱۳۹۲، ۱۳۹۳، ۱۳۹۴، ۱۳۹۵، ۱۳۹۶، ۱۳۹۷، ۱۳۹۸، ۱۳۹۹، ۱۴۰۰، ۱۴۰۱، ۱۴۰۲، ۱۴۰۳، ۱۴۰۴، ۱۴۰۵، ۱۴۰۶، ۱۴۰۷، ۱۴۰۸، ۱۴۰۹، ۱۴۱۰، ۱۴۱۱، ۱۴۱۲، ۱۴۱۳، ۱۴۱۴، ۱۴۱۵، ۱۴۱۶، ۱۴۱۷، ۱۴۱۸، ۱۴۱۹، ۱۴۲۰، ۱۴۲۱، ۱۴۲۲، ۱۴۲۳، ۱۴۲۴، ۱۴۲۵، ۱۴۲۶، ۱۴۲۷، ۱۴۲۸، ۱۴۲۹، ۱۴۳۰، ۱۴۳۱، ۱۴۳۲، ۱۴۳۳، ۱۴۳۴، ۱۴۳۵، ۱۴۳۶، ۱۴۳۷، ۱۴۳۸، ۱۴۳۹، ۱۴۴۰، ۱۴۴۱، ۱۴۴۲، ۱۴۴۳، ۱۴۴۴، ۱۴۴۵، ۱۴۴۶، ۱۴۴

ورنہ ظاہر ہے کہ زمین و آسمان کی کوئی چیز بھی اللہ تعالیٰ سے مخفی اور اس کی نظر سے غائب نہیں ہے۔۔۔۔۔ ان دونوں حدیثوں میں رسول اللہ ﷺ نے تنبیہ فرمائی ہے کہ جو شخص رکوع و سجود کو قاعدے کے مطابق صحیح طور سے ادا نہیں کرے گا، اس کی نماز قبول نہیں ہوگی، یہی ان دونوں حدیثوں کی ہدایت ہے۔

۱۷۰. عَنْ أَنَسٍ لَّانَ لَّانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ (اعْتَدِلُوا فِي السُّجُودِ وَلَا يَنْسُطْ أَحَدُكُمْ ذِرَاعَهُ إِنْ سَاطَ الْكُفِّ)۔ (رواہ البخاری و مسلم)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ سجود اعتدال کیساتھ کرو اور کوئی اپنی بائیں سجدے میں اس طرح نہ بچھاوے جس طرح ستارہ زمین پر بائیں بچھا دیتا ہے۔

..... سجدے میں اعتدال کا مطلب بظاہر یہ ہے کہ سجدہ طہانیت کے ساتھ کیا جائے، ایسا نہ ہو کہ سر زمین پر رکھا اور فوراً اٹھ لیا۔ اور بعض شارحین نے اعتدال کے حکم کا مطلب یہ بھی سمجھا ہے کہ ہر عضو سجدے میں اس طرح رہے جس طرح کہ اس کو رہنا چاہئے۔ دوسری ہدایت اس حدیث میں یہ فرمائی گئی ہے کہ سجدے میں کھانیوں کو زمین سے اوپر اٹھا رہنا چاہئے۔ اس سلسلہ میں کتے کی مثال آپ نے اس واسطے دی کہ اس کی شاعت اور قباحۃ اچھی طرح سامعین کے ذہن نشین ہو جائے۔

۱۷۱. عَنِ النَّبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ لَّانَ لَّانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِذَا سَجَدْتَ لَصَعَ كَفِّكَ وَارْلَعْ مِنْ لَفِّكَ)۔ (رواہ مسلم)

حضرت براہ بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب تم سجدہ کرو تو اپنی ہتھیلیاں زمین پر رکھو اور کہنیاں اوپر اٹھو۔ (یعنی لاف سے)

۱۷۲. عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَالِكٍ بْنِ بَحْتَةَ لَّانَ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ إِذَا سَجَدَ لَرَجَّ بَيْنَ يَدَيْهِ حَتَّى يَنْتَوِيضَ بِطَعْنِهِ)۔ (رواہ البخاری و مسلم)

حضرت عبد اللہ بن مالک سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب سجدہ میں جاتے تو اپنے دونوں ہاتھوں کو اچھی طرح کھول دیتے تھے، یعنی پہلوؤں سے الگ رکھتے تھے (یہاں تک کہ بغل کی سفیدی نظر آسکتی تھی)۔

۱۷۳. عَنْ وَائِلِ بْنِ حُبَيْرٍ لَّانَ رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ إِذَا سَجَدَ وَضَعَ رُكْبَتَيْهِ لَبْلَ يَدَيْهِ وَإِذَا نَهَضَ رَفَعَ يَدَيْهِ لَبْلَ رُكْبَتَيْهِ)۔ (رواہ ابو داؤد و الترمذی و السنن و ابن ماجہ)

حضرت وائل بن حبرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو خود دیکھا ہے کہ جب آپ سجدے میں جاتے تھے تو ہاتھوں سے پہلے اپنے گھٹنے زمین پر رکھتے تھے، اور جب آپ سجدے سے اٹھتے تھے تو اس کے بعد کھس اپنے ہاتھ گھٹنوں سے پہلے اٹھاتے تھے۔

عون بن عبد اللہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ نے ارشاد فرمایا کہ: جب کوئی شخص اپنے رکوع میں ۳ بار سبحان اللہ کہے تو اس کا رکوع مکمل ہو گیا، اور یہ اس کا دینی درجہ ہو، اسی طرح جب اپنے سجدے میں ۳ بار کہے تو اس کا سجدہ پورا ہو گیا اور یہ اس کا دینی درجہ ہو۔

مطلب یہ ہے کہ رکوع اور سجدے میں اگر تسبیح ۳ دفعہ سے کم کہی گئی تو رکوع اور سجدہ تو ادا ہو جائے گا لیکن اس میں ایک گونہ نقصان رہے گا، کامل ادائیگی کے لئے کم سے کم ۳ دفعہ تسبیح کہنا ضروری ہے، اور اس سے زیادہ کہنا اور بہتر ہے۔ ہاں امام کے لئے ضروری ہے کہ وہ رکوع اور سجدہ اتنا زیادہ طویل نہ کرے جو مقتدیوں کے لئے زحمت اور گرانی کا باعث ہو۔ حضرت سعید بن جبیر تابعی سے ابوداؤد اور نسائی نے روایت کیا ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے عمر بن عبد العزیزؓ کے متعلق فرمایا کہ اس جوان کی نماز حضورؐ کی نماز کے ساتھ بہت ہی مشابہ ہے۔ ابن جبیر فرماتے ہیں کہ اس کے بعد ہم نے عمر بن عبد العزیزؓ کے رکوع و سجود کی تسبیحات کے بارے میں اندازہ کیا کہ وہ تقریباً دس دفعہ پڑھتے تھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ رسول اللہؐ بھی رکوع و سجود میں تقریباً دس دفعہ تسبیح کہتے تھے، اس لئے بہتر یہ ہے کہ جو شخص نماز پڑھائے وہ کم سے کم تین دفعہ اور زیادہ دس دفعہ تسبیح پڑھا کرے۔

مندرجہ بالا تین حدیثوں سے معلوم ہوا کہ رسول اللہؐ نے رکوع اور سجدے میں سبحان ربی العظیم اور سبحان ربی الاعلیٰ کہنے کی امت کو ہدایت و تلقین فرمائی اور یہی آپؐ کا معمول بھی تھا، لیکن دوسری بعض احادیث میں رکوع اور سجدہ ہی کی حالت میں تسبیح و تہلیل کے بعض دوسرے کلمات اور دعاؤں کا پڑھنا بھی آنحضرتؐ سے ثابت ہے۔ جیسا کہ آگے درج ہونے والی حدیثوں سے معلوم ہوگا۔

۱۷۸ عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يَقُولُ لِي رُكُوعِهِ وَ سُجُودِهِ سُبُّوحٌ لِلَّهِ رَبِّ الْمَلَائِكَةِ وَالرُّوحِ .

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہؐ رکوع اور سجود میں کہتے تھے: (نہایت پاک اور مقدس ومنزلہ ہے پروردگار ملکہ کا اور روح کا)۔

۱۷۹ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يُكَيِّرُ أَن يَقُولَ لِي رُكُوعِهِ وَ سُجُودِهِ سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ رَبَّنَا وَ بِحَمْدِكَ اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِي يَا أَوَّلَ الْفَرَانِ .

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہؐ اپنے رکوع و سجود میں بکثرت یہ کلمات کہا کرتے تھے: (اے اللہ! ہمارے رب ہم تیری حمد کے ساتھ تیری تسبیح کرتے ہیں، اے اللہ! میری مغفرت فرما)۔ آپؐ (یہ کلمات کہہ کے) قرآن مجید کے حکم کی تعمیل کرتے تھے۔

کا مطلب یہ ہے کہ سورہ

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے آخری لفظ

میں آپ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو یہ حکم دیا گیا تھا (یعنی اللہ تعالیٰ نے) (آپ اللہ کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کریں اور اس سے مغفرت طلب کریں) اس حکم کی تعمیل میں آپ ان کلمات کے ذریعہ رکوع اور جہدے میں بھی اللہ کی حمد و تسبیح اور اس سے استغفار کرتے تھے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ہی سے یہ بھی مروی ہے کہ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ کے نزول کے بعد نماز کے علاوہ بھی آپ کی زبان مبارک پر اللہ تعالیٰ کی حمد و تسبیح اور استغفار کے جامع کلمات بکثرت جاری رہتے تھے۔ اللہ تعالیٰ اس کی اقتدا اور پیروی ہم سب کو نصیب فرمائے۔

(۱۵۰) عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا قَالَتْ لَقَدْ نَزَلَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ لَيْلَةً مِنَ الْفَرَاشِ فَالْتَمَسَتْهُ فَوَلَعَتْ يَدِي عَلَى بَطْنِ لَدَمِيهِ وَهُوَ فِي الْمَسْجِدِ وَهُمَا مَنْصُوبَتَانِ وَهُوَ يَقُولُ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُ بِرِضَاكَ مِنْ مَخْطُوكَ وَمُعَالَاتِكَ مِنْ عُقُوبَتِكَ وَاعُوْذُ بِكَ مِنْكَ لَا اُحْصِيْ ثَنَاءَ عَلَيْكَ اَنْتَ كَمَا اَنْتَ عَلَيَّ نَفْسِكَ -

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ایک رات کو (میری آنکھ کھلی تو) میں نے رسول اللہ کو بستر پر پایا، پس میں (اندھیرے میں) آپ کو ٹٹولنے لگی تو میرا ہاتھ آپ کے پاؤں کے تلووں پر پڑا، اس وقت آپ جہدے میں تھے اور اللہ کے حضور میں عرض کر رہے تھے اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُ بِرِضَاكَ (اے اللہ! میں تیری ناراضی سے تیری رضامندی کی پناہ لیتا ہوں اور تیری سزا سے تیری معافی کی پناہ لیتا ہوں اور تیری پکڑ سے بس تیری ہی پناہ لیتا ہوں۔ میں تیری ثناء و صفت پوری طرح بیان نہیں کر سکتا (بس یہی کہہ سکتا ہوں) کہ تو ویسا ہے جیسا کہ تو نے خود اپنی ذات اقدس کے بارے میں بتلایا ہے)۔

(۱۵۱) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَقُولُ فِي سُجُودِهِ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِيْ ذَنْبِيْ كُلَّهُ دَلَّةً وَجَلَّةً وَاَوَّلَهُ وَاٰخِرَهُ وَعَلَانِيَةً وَسِرًّا -

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ اپنے جہدے میں (کبھی کبھی) یہ دعا بھی کرتے تھے اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِيْ ذَنْبِيْ كُلَّهُ (اے اللہ! میرے سارے گناہ بخش دے، اس میں سے چھوٹے بھی بڑے بھی، پہلے بھی اور پچھلے بھی، کھلے ہوئے بھی اور ڈھکے چھپے بھی)۔

..... بعض قرائن کی بناء پر بعض علمائے امت کا یہ خیال ہے کہ رکوع اور سجود میں یہ دعائیں آپ زیادہ تر تہجد وغیرہ نفل نمازوں میں پڑھتے تھے۔ لیکن کبھی فرض نمازوں میں بھی بعض دعاؤں کا پڑھنا آپ سے ثابت ہے۔

اللہ تعالیٰ اگر توفیق دے، اور ان مبارک دعاؤں کا مطلب آدمی سمجھتا ہو تو رکوع و سجود میں تسبیح کے ساتھ کبھی کبھی یہ دعائیں بھی پڑھنی چاہئیں۔ خاص کر نوافل میں جن میں آدمی کو اختیار ہے کہ جتنا لہجہ رکوع و سجود کرے۔ ہاں فرض نمازوں میں امام کو اس کا لحاظ ضرور رکھنا چاہئے کہ مقتدیوں کو تکلیف اور گرانی نہ ہو۔

عن ابن عباس قال قال رسول الله ﷺ ألا إني نهيت أن أقرأ القرآن راجعاً أو ساجداً لما

الرُّكُوعُ لَقَطِظُوا فِيهِ الرَّبُّ وَأَمَّا السُّجُودُ لاجتهدوا في الدعاءَ لَقَمِنَ أَنْ يُسْتَجَابَ لَكُمْ .

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: مجھے اس کی ممانعت ہے کہ رکوع اور سجدے کی حالت میں قرآن مجید کی تلاوت کروں۔ پس رکوع میں تو تم لوگ اپنے مالک اور پروردگار کی عظمت و کبریائی بیان کیا کرو، اور سجدے میں دعا کی خوب کوشش کیا کرو، سجدے کی دعا (خاص طور سے) اس کی مستحق ہے کہ قبول کی جائے۔

قرآن مجید کی قرأت جیسا کہ معلوم ہو چکا ہے نماز کا اہم رکن ہے۔ لیکن اس کا محل قیام ہے اور کلام الہی و فرمان خداوندی کے شایان یہی ہے کہ اس کی تلاوت و قرأت قیام کی حالت میں ہو (شای فرامین کے کھڑے ہو کر ہی پڑھے جانے کا دستور ہے) اور رکوع و سجود کے لئے یہی مناسب ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تقدیس، اپنی بندگی و سرافرازی کا اظہار اور اللہ تعالیٰ کے حضور میں دعا و استغفار ہو۔ رسول اللہ ﷺ کا عمل بھی مدت العریبیں رہا اور اس حدیث میں آپ نے زبانی بھی اسی کی ہدایت فرمائی۔

وہ حدیثیں اوپر گزر چکی ہیں جن میں رسول اللہ ﷺ نے سجدے میں دعا کرنے کی تلقین و ہدایت فرمائی ہے اور اسی کے مطابق خود آپ کا عمل بھی معلوم ہو چکا ہے۔ اور یہاں اس حدیث میں آپ نے سجدے میں دعا کرنے کی تاکید فرمائی۔ ان دونوں باتوں میں کوئی تضاد اور منافات نہیں ہے۔ بات یہ ہے کہ دعا اور سوال کی ایک سادہ اور کھلی ہوئی صورت تو یہ ہے کہ بندہ صاف صاف اپنی حاجت مانگے اور ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ جس سے مانگنا ہو فقیرانہ انداز میں بس اس کے محامد اور کمالات کے گیت گائے۔ ہماری اس دنیا میں بھی بہت سے مانگنے والے اس طرح مانگتے ہیں۔ بہر حال یہ بھی دعا کا ایک طریقہ ہے اور اسی بناء پر ایک حدیث میں ﷺ کو افضل الدعاء کہا گیا ہے۔ (جامع ترمذی) اس لحاظ سے دعا ہے۔

نہی ایک دعائیہ کلمہ ہے اور جو شخص سجدے میں صرف یہی کلمہ بار بار اللہ تعالیٰ کے حضور میں عرض کرتا ہے اس کا سجدہ بھی دعا سے خالی نہیں ہے لیکن سجدے کی جو دعائیں آنحضرت ﷺ سے منقول و ماثر ہیں (جو ابھی "پند و رہنما" میں) ظاہر ہے کہ اس لحاظ سے انکی شان اچھا رہی ہے۔

تذکرہ من فضیلت

(۱۵۲) عَنْ مَعْدَانَ بْنِ طَلْحَةَ قَالَ لَقِيتُ قُتَيْبَانَ مَوْلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ فَقُلْتُ أَخْبِرْنِي بِمَعْمَلٍ أَعْمَلُهُ يَدْخُلَنِي اللَّهُ بِهِ الْجَنَّةَ لَسَكْتُ ثُمَّ سَأَلْتُهُ لَسَكْتُ ثُمَّ سَأَلْتُهُ الثَّالِثَةَ فَقَالَ سَأَلْتُ عَنْ ذَلِكَ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ فَقَالَ عَلَيْكَ بِكُفْرَةِ السُّجُودِ لِلَّهِ فَإِنَّكَ لَا تَسْجُدُ لِلَّهِ سَجْدَةً إِلَّا رَفَعَكَ اللَّهُ

بِهَا فَرَجَ وَحَطَ بِهَا عَنْكَ خَطِيئَةٌ لَّانْ مَعْدَانُ لَمْ لَقِيَتْ اَبَا الْكَرْدَاءِ لَسَّالَتْهُ لَقَالْ لِي مِثْلَ مَا
لَّانْ قَوْلَانُ . (رواہ مسام)

معدان بن طلحہ تابعی کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے آزاد کردہ غلام اور خادم خاص حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے میری ملاقات ہوئی تو میں نے ان سے عرض کیا کہ مجھے کوئی ایسا عمل بتائیے جس کے کرنے سے اللہ تعالیٰ مجھے جنت عطا فرمادے! انھوں نے خاموشی اختیار فرمائی اور میری اس بات کا کوئی جواب نہیں دیا میں نے دوبارہ وہی سوال کیا انہوں نے اس مرتبہ بھی کوئی جواب نہیں دیا اور سکوت اختیار فرمایا۔ اس کے بعد تیسری مرتبہ میں نے پھر وہی سوال کیا تو انہوں نے فرمایا کہ یہی سوال میں نے رسول اللہ ﷺ سے کیا تھا تو آپ نے فرمایا تھا کہ تم اللہ کے حضور میں سجدے زیادہ کیا کرو، جو سجدہ بھی تم اللہ کے لئے کرو گے اس کے صلہ میں اللہ تعالیٰ تمہارا درجہ ضرور بلند کرے گا اور تمہارا کوئی نہ کوئی گناہ اس کی وجہ سے ضرور معاف ہو گا۔ معدان کہتے ہیں کہ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ کے دوسرے صحابی حضرت ابو الدرداءؓ کی خدمت میں حاضری کا مجھے موقع ملا تو ان سے بھی میں نے یہی سوال کیا، انہوں نے بالکل وہی بتایا جو حضرت ثوبانؓ نے فرمایا تھا۔ (صحیح مسلم)

(۱۵۴) عَنْ رَبِيعَةَ بْنِ كَعْبٍ قَالَ كُنْتُ ابْنْتُ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ لَتَائِبَتُهُ يَوْصُورُهُ وَحَاجِبُهُ لَقَالْ لِي
سَلْ لَقُلْتُ أَسْأَلُكَ مُرَافَقَتَكَ فِي الْجَنَّةِ ، قَالَ أَوْ غَيْرَ ذَلِكَ ؟ لَقُلْتُ هُوَ ذَلِكَ ، قَالَ لَأَعِيتِي
عَلَى نَفْسِكَ بِكُفْرَةِ السُّجُودِ . (رواہ مسلمہ)

ربیعہ بن کعب اسلمی (جو اصحاب صفہ میں سے تھے اور سفر و حضر میں اکثر رسول اللہ ﷺ کے خدام خاص کی حیثیت سے آپ کے ساتھ رہتے تھے) بیان فرماتے ہیں کہ: میں ایک رات کو حضور ﷺ کے ساتھ اور آپ کی خدمت میں تھا (جب آپ تہجد کے لئے رات کو اٹھے) تو میں وضو کا پانی اور دوسری ضروریات لے کر حاضر خدمت ہوا تو آپ نے (مرست اور انبساط کے خاص عالم میں) مجھ سے فرمایا: ”ربیعہ کچھ مانگو“ (آپ کا مطلب یہ تھا کہ تمہارے دل میں اگر کسی خاص چیز کی چاہت اور آرزو ہو تو اس وقت مانگ لو میں اللہ تعالیٰ سے اس کے لئے دعا کروں گا، اور امید ہے کہ وہ تمہاری مراد پوری کر دے گا)۔ ربیعہ کہتے ہیں۔ میں نے عرض کیا۔ میری مانگ یہ ہے کہ جنت میں آپ کی رفاقت نصیب ہو۔ آپ نے فرمایا: یہی یا اس کے سوا کچھ اور؟ میں نے عرض کیا: میں تو بس یہی مانگتا ہوں۔ آپ نے فرمایا: تو اپنے اس معاملہ میں سجدوں کی کثرت کے ذریعہ میری مدد کرو۔ (صحیح مسلم)

تشریح..... مقررین بارگاہ خداوندی پر کبھی کبھی ایسے احوال آتے ہیں کہ وہ محسوس کرتے ہیں کہ اس وقت رحمت حق متوجہ ہے، اور جو کچھ مانگا جائے امید ہے کہ انشاء اللہ مل ہی جائے گا۔ بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جس وقت آنحضرت ﷺ نے ربیعہ بن مالک کی خدمت سے متاثر ہو کر ان سے فرمایا کہ ”سَلْ“ (جس چیز کی تمہیں چاہت ہو وہ مانگو) غالباً وہ کوئی ایسی ہی گھڑی تھی، لیکن جب انہوں نے اس کے جواب میں ”لَأَعِيتِي“

رفاقت“ مانگی، اور مکرر دریافت کرنے پر بھی یہی کہا کہ: ”مجھے تو بس یہی چاہئے اس کے سوا کچھ نہیں“ تو آپ نے ان سے فرمایا کہ: (وَعَلَىٰ حَسْبِكَ جَنَّةُ الْجَنَّةِ) (پھر اپنے اس معاملہ میں میری مدد کرو سجدوں کی کثرت کے ذریعہ) گویا اس ارشاد کے ذریعہ آپ نے ان کو بتایا کہ تم جو جنت میں میری رفاقت چاہتے ہو یہ بہت بلند درجہ اور عظیم مرتبہ ہے، میں تمہارے واسطے اللہ تعالیٰ سے اس کے لئے دعا کرتا ہوں اور کروں گا لیکن اتنا بلند مقام حاصل ہونے کے لئے ضروری ہے کہ تم بھی اس کا استحقاق پیدا کرنے کے لئے عملی کوشش کرو، اور وہ خاص عمل جو اس منزل تک پہنچانے میں خصوصیت کے ساتھ مددگار ہو سکتا ہے اللہ کے حضور میں سجدوں کی کثرت ہے لہذا تم اس کا خاص اہتمام کر کے اپنے اس معاملہ میں میری مدد کرو، اور اپنے عمل سے میری دعا کو قوت پہنچاؤ۔

واضح رہے کہ حضرت ربیعہؓ کی اس حدیث اور اس سے اوپر والی حضرت ثوبانؓ کی حدیث میں کثرت سجود سے مراد نمازوں کی کثرت ہے، لیکن چونکہ جنت اور اس میں رسول اللہؐ کی رفاقت حاصل ہونے میں نماز کے دوسرے ارکان و اجزاء سے زیادہ سجدہ کو دخل ہے اس لئے بجائے کثرت صلوٰۃ کے کثرت سجود کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ واللہ اعلم۔

تومہ اور سجود

رکوع اور سجدے کے درمیان تومہ کا حکم ہے، اور اسی طرح ایک رکعت کے دو سجدوں کے درمیان جلسہ شروع ہے، ان دونوں کے بارے میں رسول اللہؐ کی ہدایت اور آپؐ کا معمول ذیل کی حدیثوں میں پڑھئے۔

(۱۵۵) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِذَا قَامَ الْإِمَامُ سَمِعَ اللَّهُ لِمَنْ حَمِدَهُ فَنُفُوًا اللَّهُمَّ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ فَإِنَّ مَنْ وَاَقَىٰ قَوْلَهُ قَوْلَ الْمَلَكَةِ عُفْرَةٌ مَا تَقْلَمُ مِنْ ذَنْبِهِ (بخاری و مسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا جب امام (رکوع سے اٹھتے ہوئے) کہے: سَمِعَ اللَّهُ لِمَنْ حَمِدَهُ (اللہ نے سنی اس بندہ کی جس نے اس کی حمد کی) تو تم (مقتدی لوگ) کہو: اللَّهُمَّ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ (اے اللہ! ہمارے پروردگار تیرے ہی لئے ساری حمد و ستائش ہے) تو جس کا کہنا ملائکہ کے کہنے کے موافق ہو گا اس کے پچھلے سارے گناہ معاف کر دیئے جائیں گے۔

نماز باجماعت میں جب امام رکوع سے اٹھتے ہوئے سَمِعَ اللَّهُ لِمَنْ حَمِدَهُ کہتا ہے تو اللہ کے فرشتے بھی سبحان اللہ کہتے ہیں۔ اس حدیث میں رسول اللہؐ نے امام کے پیچھے نماز پڑھنے والوں کو حکم دیا ہے کہ اس موقع پر وہ بھی یہی کلمہ کہیں اور فرمایا ہے کہ جن لوگوں کا یہ کلمہ فرشتوں کے کلمہ کے موافق اور مطابق ہو گا۔ اس کلمہ کی برکت سے ان کے پچھلے قصور معاف ہو جائیں گے۔ موافق اور مطابق ہونے کا مطلب بظاہر یہ ہے کہ بالکل ان کے ساتھ ہو آگئے پیچھے نہ ہو۔ واللہ اعلم۔

یہ بات اس معارف الہدیث ہی کے سلسلہ میں بار بار لکھی جا چکی ہے کہ جن حدیثوں میں کسی خاص عمل

کی برکت سے گناہوں کے معاف ہونے کی بشارت سنائی جاتی ہے اس سے مراد عموماً صغیرہ گناہ ہوتے ہیں۔ کبار کے متعلق قرآنی آیات اور احادیث سے کچھ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کے معافی اصولی طور پر توبہ سے وابستہ ہے، یوں اللہ تعالیٰ کو اختیار ہے کہ وہ بڑے بڑے گناہ جس کے چاہے محض اپنے کرم سے بخش دے۔

(۱۵۶) عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ أَوْفَى قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِذَا رَفَعَ كَهْرَهُ مِنَ الرُّكُوعِ قَالَ سَمِعَ اللَّهُ لِمَنْ حَمِدَهُ اللَّهُمَّ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ مِلَأَ السَّمَوَاتِ وَمِلَأَ الْأَرْضِ وَمِلَأَ مَا بَيْنَهُنَّ مِنْ شَيْءٍ بَعْدُ . (رواد مسلم)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن اوفی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب رکوع سے اٹھتے تو فرماتے:

سَمِعَ اللَّهُ لِمَنْ حَمِدَهُ اللَّهُمَّ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ مِلَأَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمِلَأَ مَا بَيْنَهُنَّ مِنْ شَيْءٍ بَعْدُ

اللہ نے سنی اس بندہ کی جس نے اس کی حمد کی اے اللہ ہمارے رب تیرے ہی لئے ساری حمد و ستائش ہے اتنی کہ جس سے زمین آسمان کی ساری وسعتیں بھر جائیں اور زمین و آسمان سے آگے جو سلسلہ وجود تیری مشیت میں ہے اس کی بھی ساری وسعتیں بھر جائیں۔ (فتح مبرا)

ترجمہ: اور صحیح مسلم ہی میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت سے قومہ میں یہی دعا کچھ اور اضافہ کے ساتھ مروی ہے۔ بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ سَمِعَ اللَّهُ لِمَنْ حَمِدَهُ کے بعد کبھی صرف اللہ رب العزت کے حمد کہتے تھے اور کبھی اس کے ساتھ وہ اضافہ بھی کرتے تھے جو عبداللہ بن اوفی رضی اللہ عنہ کی اس روایت سے معلوم ہوا اور کبھی اس پر مزید اضافہ وہ بھی فرماتے تھے جس کی روایت حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے کی ہے اور اسی واسطے کبھی کبھی آپ کا قومہ اتنا طویل ہو جاتا تھا کہ لوگوں کو سہو کا شبہ ہونے لگتا تھا جیسا کہ آگے درج ہونے والی حضرت انس رضی اللہ عنہ کی ایک حدیث سے معلوم ہو گا۔ واللہ اعلم

(۱۵۷) عَنْ دِلَاعَةَ بْنِ رَالِعٍ قَالَ كَانَ كُنَّا نُصَلِّي وَرَاءَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ الرُّكُوعِ قَالَ سَمِعَ اللَّهُ لِمَنْ حَمِدَهُ لَقَالَ رَجُلٌ وَرَاءَهُ رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ حَمْدًا كَثِيرًا عَظِيمًا طَبَا مُبَارَكًا فِيهِ لَمَّا انْصَرَفَ قَالَ مَنِ الْمُتَكَلِّمُ إِنَّمَا قَالَ آتَا قَالَ رَأَيْتُ بِضْعَةَ وَفَلَّيْنِ مُلْكًا يُعْبِدُونَ نَهَا إِلَهُمْ يُكَبِّتُهَا أَوْلَا . (رواد البخاری)

ترجمہ: حضرت رفاعہ بن رافع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم لوگ رسول اللہ ﷺ کے پیچھے نماز پڑھ رہے تھے جب آپ نے رکوع سے سر اٹھایا اور کہا سَمِعَ اللَّهُ لِمَنْ حَمِدَهُ تو آپ کے پیچھے مقتدیوں میں سے ایک شخص نے کہا:

رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ حَمْدًا كَثِيرًا عَظِيمًا مُبَارَكًا كَافٍ اے ہمارے رب آپ ہی کے لئے ہی ساری حمد، بہت زیادہ حمد، بہت پاکیزہ اور مبارک حمد۔

جب رسول اللہ ﷺ نماز سے فارغ ہوئے تو آپ ﷺ نے دریافت فرمایا اس وقت یہ کہنے والا کون تھا؟ اس شخص نے کہا کہ میں نے کہا تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا میں نے تم سے کچھ اوپر فرشتوں کو دیکھا کہ وہ باہم مسابقت کر رہے تھے کہ کون اس کو پہلے لکھے گا۔ (صحیح بخاری)

تشریح..... حدیث میں اس کلمہ ”وَلَا تُحْزِنُنِي“ کے لکھنے کے لئے تم سے زیادہ فرشتوں کی جس مسابقت کا ذکر ہے اس کا خاص سبب غالباً اس بندہ کے دل کی وہ خاص کیفیت تھی جس کیفیت سے اس نے اللہ کی حمد کا یہ مبارک کلمہ کہا تھا۔ واللہ اعلم

(۱۵۸) عَنْ حُلَيْفَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَقُولُ بَيْنَ السُّجُودِ رَبِّ اغْفِرْ لِي .

(رواہ النسائی، الدارمی)

ترجمہ..... حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ دونوں سجدوں کے درمیان جلسہ میں کہا کرتے تھے۔ ”رب اغفر لی“۔ ”اے اللہ! میری مغفرت فرما۔“ (صحیح ابوداؤد، صحیح بخاری)

(۱۵۹) عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ ۖ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَقُولُ بَيْنَ السُّجُودِ: اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِيْ وَارْحَمْنِيْ وَاهْدِنِيْ وَعَالِمِيْ وَارْزُقْنِيْ . (رواہ ابوداؤد و الترمذی)

ترجمہ..... حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ دونوں سجدوں کے درمیان یہ دعا کرتے تھے، ”اے اللہ! میری مغفرت فرما، مجھ پر رحم فرما، مجھے ہدایت کی نعت سے نواز، مجھے معاف فرما دے اور میری روزی کی کفالت فرما۔“ (صحیح ابوداؤد، صحیح بخاری)

(۱۶۰) عَنْ أَنَسٍ ۖ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا كَانَ مَسِيعَ اللَّهِ لِمَنْ حَمْدُهُ لَمْ يَحْتِثْ يَقُولْ لَدُّ أَوْهَمَ لَمْ يَسْجُدْ وَيَقْعُدْ بَيْنَ السُّجُودِ حَتَّى يَقُولَ لَدُّ أَوْهَمَ . (رواہ مسلم)

ترجمہ..... حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ (کبھی ایسا ہوتا) کہ رسول اللہ ﷺ جب رکوع سے اٹھ کر مسبح اللہ لمن حمدہ کہتے تو (اتنی دیر تک) کھڑے رہتے کہ ہم کو خیال ہو تا کہ شاید آپ کو سہو ہو گیا، پھر سجدہ میں جاتے اور اس سے اٹھنے کے بعد دونوں سجدوں کے درمیان (اتنی دیر) بیٹھتے کہ ہم خیال کرنے لگتے کہ شاید آپ کو سہو ہو گیا۔ (صحیح مسلم)

تشریح..... حضرت انس رضی اللہ عنہ کی اس حدیث سے جہاں یہ معلوم ہوا کہ کبھی کبھی آپ کا قومہ اور جلسہ اتنا طویل ہو جاتا تھا کہ صحابہ کرام کو سہو کا شبہ ہونے لگتا تھا وہیں اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ ایسا کبھی شاذ و نادر ہی ہوتا تھا، عام عادت شریفہ یہ نہیں تھی، ورنہ اگر روزمرہ کا معمول یہی ہوتا یا بکثرت ایسا ہوا کرتا تو کسی کو سہو کا شبہ کبھی نہ ہوتا۔

رکوع اور سجدہ کی طرح قومہ اور جلسہ میں بھی جو کلمات اور جو دعائیں رسول اللہ ﷺ سے منقول و ماثور ہیں۔ ظاہر ہے کہ وہ سب نہایت ہی مبارک اور مقبول دعائیں ہیں۔ البتہ اگر نماز پڑھنے والا امام ہو، تو حضور

ہی کی ہدایت کے مطابق اس کو اس کا لحاظ رکھنا چاہئے کہ اس کا طرز عمل مقتدیوں کے لئے زحمت و مشقت کا باعث نہ بن جائے۔

قعدہ، تشہد اور سلام

نماز کا خاتمہ قعدہ اور سلام پر ہوتا ہے، یعنی یہ دونوں اسکے آخری اجزاء ہیں، ہاں اگر نماز تین یا چار رکعت والی ہو تو پہلی دور رکعت پڑھنے کے بعد ایک دفعہ درمیان میں بھی بیٹھا جاتا ہے اس کو قعدہ اولی کہتے ہیں لیکن اس میں صرف تشہد پڑھ کر کھڑے ہو جاتے ہیں اور تیسری یا چوتھی رکعت پڑھنے کے بعد دوبارہ بیٹھتے ہیں اور اس میں تشہد کے بعد درود شریف بھی پڑھنے کے بعد سلام پر نماز ختم کر دی جاتی ہے۔

ذیل کی حدیثوں سے معلوم ہو گا کہ قعدہ کا صحیح طریقہ کیا ہے اور رسول اللہ ﷺ کس طرح قعدہ فرماتے تھے، اور انہیں کیا پڑھنے کی آپ ﷺ نے تعلیم دی ہے، اور سلام پر کس طرح نماز ختم کرنی چاہئے

قعدہ کا صحیح اور مستنون طریقہ

(۱۶۱) عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا جَلَسَ فِي الصَّلَاةِ وَضَعَ يَدَيْهِ عَلَى رُكْبَتَيْهِ وَزَلَّعَ إِبْصَعَهُ الْيُمْنَى الَّتِي تَلِي الْأَنْهَامَ لَدَعَا بِهَا وَيَذُءُ الْبُسرَى عَلَى رُكْبَتِهِ بِأَسْفَلِهَا عَلَيْهِمَا. (رواه مسلم)

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب نماز میں بیٹھتے تھے تو اپنے دونوں ہاتھ گھٹنوں پر رکھ لیتے تھے اور داہنے ہاتھ کے انگوٹھے کے برابر والی انگلی (انگشت شہادت) کو اٹھا کر اس سے اشارہ فرماتے تھے اور اس وقت بائیں ہاتھ آپ کا بائیں گھٹنے پر ہی دراز ہوتا تھا (یعنی اس سے آپ کوئی اشارہ نہیں فرماتے تھے)۔ (صحیح مسلم)

تشریح:..... قعدہ میں کلمہ شہادت کے وقت انگشت شہادت کا اٹھانا اور اشارہ کرنا حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کے علاوہ دوسرے صحابہ کرامؓ نے بھی روایت کیا ہے، اور بلاشبہ رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے۔ اور اس کا مقصد بظاہر یہی ہے کہ جس وقت نمازی استسجدات لا الہ الا اللہ کہہ کر اللہ تعالیٰ کے وحد لا شریک ہونے کی شہادت دے رہا ہو اس وقت اس کا دل بھی توحید کے تصور اور یقین سے لبریز ہو اور ہاتھ کی ایک انگلی اٹھا کر جسم سے بھی اس کی شہادت دی جا رہی ہو، بلکہ حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کی اسی حدیث کی بعض روایات میں یہ اضافہ بھی ہے کہ انگشت شہادت کے اس اشارے کے ساتھ آپ ﷺ آنکھ سے بھی اشارہ فرماتے تھے واستعبارا بصرفہ اور حضرت عبد اللہ بن عمرؓ نے اس اشارہ کے متعلق رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد بھی نقل فرمایا ہے:

لَيْسَ أَفْضَلُ عَلَى الشَّيْطَانِ مِنَ الْحَبِيدِ

انگشت شہادت کا یہ اشارہ شیطان کے لئے لوہے کی دھار دار چھری اور گھوڑے سے زیادہ

(مشقۃ نواریہ - مستند)

تکلیف دہ ہوتا ہے۔

۱۶۲) عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ أَنَّهُ كَانَ يَرَى عَبْدَ اللَّهِ بْنَ عُمَرَ يَتَرَنَّحُ فِي الصَّلَاةِ إِذَا جَلَسَ لِفَعْلَتِهِ وَأَنَّا يَوْمِيذٍ حَدِيثُ النَّبِيِّ لَعْنَتُ اللَّهِ عَلَيْهِ وَكَانَ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ عُمَرَ وَلَاحَظَ أَنَّهُ تَنَصَّبَ رَجُلُكَ الْهَمْنَى وَتَنَصَّبَ الْهَمْرَى لَفَلْتُ إِنَّكَ تَفْعَلُ ذَلِكَ لَقَالَ إِنَّ رَجُلًا لَا تَحْمِلَانِي - (رواد البحاری)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے فرزند عبداللہ سے روایت ہے کہ وہ اپنے والد ماجد (حضرت عبداللہ بن عمرؓ) کو دیکھتے تھے کہ وہ نماز میں چار زانو بیٹھتے تھے۔ (کہتے ہیں کہ والد ماجد کی پیروی میں) میں بھی اس طرح چار زانو بیٹھنے لگا۔ حالانکہ میں اس وقت بالکل نو عمر تھا، تو والد ماجد نے مجھے اس طرح بیٹھنے سے منع فرمایا اور مجھے بتایا کہ نماز میں بیٹھنے کا شرعی طریقہ یہ ہے کہ اپنا دایاں پاؤں کھڑا کر دو، اور بائیں پاؤں موڑ کر بچھاؤ۔ میں نے عرض کیا کہ: خود آپ جو چار زانو بیٹھتے ہیں؟ انہوں نے فرمایا کہ: (میں مجبوری اور معذوری کی وجہ سے اس طرح بیٹھتا ہوں) میرے پاؤں اب میرا بوجھ نہیں سہارتے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے ایک صاحبزادے کا نام بھی عبداللہ ہی تھا، یہ انہیں کا واقعہ ہے جو مذکور ہوا۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کو اللہ تعالیٰ نے طویل عمر عطا فرمائی ۸۴ سال اور ایک روایت کے مطابق ۸۶ سال کی عمر میں ان کی وفات ہوئی۔ اخیر عمر میں ضعف پیری کی وجہ سے وہ نماز میں سنت کے مطابق اپنے پاؤں پر نہیں بیٹھ سکتے تھے، اس وجہ سے مجبوراً چار زانو بیٹھنا پڑتا تھا (اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ان کے پاؤں میں کوئی خاص تکلیف تھی اس کی وجہ سے وہ قعدہ میں سنت کے مطابق بیٹھنے سے معذور تھے) بہر حال ان کے صاحبزادے عبداللہ نے بھی صرف ان کی تقلید اور پیروی میں ان ہی کی طرح چار زانو بیٹھنا شروع کر دیا (اگرچہ وہ اس وقت بقول خود بوڑھے نہیں بلکہ نو عمر اور نوجوان تھے) حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے ان کو ایسا کرتے دیکھا تو منع فرمایا اور بتایا کہ نماز میں بیٹھنے کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ دایاں پاؤں کھڑا کیا جائے اور بائیں پاؤں موڑ کر اس پر بیٹھا جائے اور اپنے متعلق فرمایا کہ میں معذوری کی وجہ سے چار زانو بیٹھتا ہوں، میرے پاؤں میرے جسم کا بوجھ سہارنے کے قابل نہیں ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے آخری الفاظ "ان رجلاً لا یحتملانی" (میری دونوں پاؤں میرا بوجھ نہیں سہار سکتے) سے یہ بات صاف سمجھ میں آتی ہے کہ ان کے نزدیک قعدہ کا مسنون طریقہ وہ تھا جس میں آدمی کے جسم کا بوجھ اس کے دونوں پاؤں پر رہتا ہے، اور وہ وہی ہے جس کو "تَنْصِبُ رَجُلُكَ الْهَمْنَى" کہتے ہیں اور جو ہم لوگوں کا معمول ہے۔

شرح حدیث کے اسی سلسلہ میں زیر عنوان "نماز کس طرح پڑھی جائے" حضرت ابو حمید ساعدیؓ کی وہ روایت مذکور ہو چکی ہے جس میں آخری قعدہ میں رسول اللہ ﷺ کا ایک دوسرے طریقے پر بیٹھنا بھی ذکر کیا گیا ہے جس کو "تَنْصِبُ رَجُلُكَ الْهَمْرَى" کہتے ہیں۔ اور اس بارے میں ائمہ اور شارحین حدیث کے مختلف نقطہ ہائے نظر کا بھی وہیں ذکر کیا جا چکا ہے۔

قعدہ اولیٰ میں اختصار اور ثبات

(۱۶۳) عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِذَا جَلَسَ فِي الرُّكْعَتَيْنِ كَأَنَّهُ عَلَى الرَّصْفِ حَتَّى يَقُومَ . (رواه الترمذی و النسائی)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب پہلی دو رکعتوں پر بیٹھے تھے (یعنی قعدہ اولیٰ فرماتے تھے تو آپ اتنی جلدی کرتے تھے) جیسے کہ آپ تپتے پتھروں پر بیٹھے ہیں، یہاں تک کہ تیسری رکعت کے لئے کھڑے ہو جاتے تھے۔ (ابن ماجہ، ترمذی، نسائی)

تشریح: حضور ﷺ کے اس دواوی طرز عمل سے یہ سمجھا گیا ہے کہ قعدہ اولیٰ میں صرف تشہد پڑھ کے جلدی سے کھڑا ہو جانا چاہئے۔

تشہد

(۱۶۴) عَنْ ابْنِ مَسْعُودٍ قَالَ عَلَّمَنِي رَسُولُ اللَّهِ ﷺ الشَّهْدَ كَقِي بَيْنَ كَلِمَةٍ كَمَا يُعَلِّمُنِي السُّورَةَ مِنَ الْقُرْآنِ التَّحِيَّاتُ لِلَّهِ وَالصَّلَوَاتُ وَالطَّيَّاتُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللَّهِ وَبَرَكَاتُهُ أَلَسَلَامٌ عَلَيْنَا وَعَلَى عِبَادِ اللَّهِ الصَّالِحِينَ أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ - (رواه البخاری و مسلمہ)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس حالت میں کہ میرا ہاتھ آپ کے دونوں ہاتھوں کے درمیان تھا مجھے تشہد تعلیم فرمایا جس طرح کہ آپ قرآن مجید کی سورتیں تعلیم فرماتے تھے (آپ نے مجھے تلقین فرمایا) التحیات للہ و الصلوات و الطیبات علیک (ترجمہ) ادب و تعظیم اور اظہار نیاز کے سارے کلمے اللہ ہی کے لئے ہیں اور تمام عبادات اور تمام صدقات اللہ ہی کے واسطے ہیں (اور میں ان سب کا نذرانہ اللہ کے حضور میں پیش کرتا ہوں) تم پر سلام ہو اے نبی اور اللہ کی رحمت اور اس کی برکتیں۔ سلام ہو ہم پر اور اللہ کے سب نیک بندوں پر۔ میں شہادت دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت اور بندگی کے لائق نہیں (صرف وہی معبود برحق ہے)۔ اور میں اس کی بھی شہادت دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اس کے بندے اور پیغمبر ہیں۔ (بخاری، مسلم، نسائی)

تشریح: رسول اللہ ﷺ صحابہ کرامؓ کو جو کچھ سکھاتے اور بتاتے تھے اس میں سب سے زیادہ اہتمام آپ قرآن مجید کی تعلیم کا فرماتے تھے، لیکن تشہد (التحیات) کی تعلیم و تلقین آپ نے اسی خاص الخاص اہتمام سے فرمائی جس اہتمام سے آپ قرآن مجید کی کسی سورت کی تعلیم دیتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود کا ہاتھ اس وقت اپنے دونوں ہاتھوں کے درمیان پکڑنا بھی اسی سلسلہ کی ایک چیز تھی، اور طحاوی کی ایک روایت میں ہے کہ آپ نے ابن مسعود کو یہ تشہد ایک ایک کلمہ کر کے تلقین فرمایا جس طرح کہ بچوں یا ان پڑھوں کو کوئی اہم چیز یاد کرائی جاتی ہے۔ اور مسند احمد کی ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ آپ نے عبداللہ بن مسعود کو یہ تشہد تعلیم فرمایا اور ان کو حکم دیا کہ وہ دوسروں کو اس کی تعلیم دیں۔ تشہد، حضرت عبداللہ بن مسعود کے علاوہ

حضرت عمرؓ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ، حضرت عائشہ صدیقہؓ اور بعض اور صحابہ کرامؓ سے بھی مروی ہے، اور ان روایات میں ایک دو لفظوں کا بہت معمولی سا فرق بھی ہے لیکن محدثین کا اس پر اتفاق ہے کہ سند اور روایت کے لحاظ سے حضرت ابن مسعودؓ کے اس تشہد ہی کو ترجیح ہے، اگرچہ دوسری روایت بھی صحیح ہیں اور ان میں وارد شدہ تشہد بھی پڑھا جاسکتا ہے۔

بعض شارحین حدیث نے ذکر کیا ہے کہ یہ تشہد شب معراج کا مکالمہ ہے۔ رسول اللہ ﷺ کو جب بارگاہ قدوسیت میں شرف حضوری نصیب ہوا تو آپؐ نے نذرانہ، عبودیت اس طرح پیش کیا، اور گویا اس طرح سلامی دی:

السَّلَامُ عَلَیْكَ يَا هَذَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللَّهِ وَبَرَكَاتُهُ

آپؐ نے جواباً عرض کیا:

اَسْأَلُكَ بَعْدَ (عبدالایمان کی تجدید کے طور پر) مزید عرض کیا: اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلَهَ اِلَّا اللَّهُ وَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ ان شارحین نے لکھا ہے کہ نماز میں اس مکالمہ کو شب معراج کی یادگار کے طور پر جوں کا توں لے لیا گیا ہے، اور اسی وجہ سے السَّلَامُ عَلَیْكَ يَا هَذَا النَّبِيُّ میں خطاب کی ضمیر کو برقرار رکھا گیا ہے۔

یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ صحیح بخاری وغیرہ میں خود حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے کہ تشہد میں السَّلَامُ عَلَیْكَ يَا هَذَا النَّبِيُّ ہم حضورؐ کی حیات طیبہ میں اس وقت کہا کرتے تھے جب آپؐ ہمارے ساتھ اور ہمارے درمیان ہوتے تھے، پھر جب آپؐ کا وصال ہو گیا تو ہم بجائے اس کے السَّلَامُ عَلَیْكَ يَا هَذَا النَّبِيُّ کہنے لگے۔

لیکن جمہور امت کے عمل سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جو لفظ تلقین فرمایا تھا (یا معراج کے مکالمہ والی مشہور عام روایت کی بنیاد پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو لفظ ارشاد ہوا تھا) یعنی السَّلَامُ عَلَیْكَ يَا هَذَا النَّبِيُّ حضورؐ کے وصال کے بعد بھی بطور یادگار اسی کو جوں کا توں برقرار رکھا گیا، اور بلاشبہ ارباب ذوق کے لئے اس میں ایک خاص لطف ہے۔ اب جو لوگ اس صیغہ خطاب سے حضورؐ کے حاضر ناظر ہونے کا عقیدہ پیدا کرنا چاہتے ہیں ان کے متعلق بس یہی کہا جاسکتا ہے کہ وہ شرک پسندی کے مریض، نہایت ہی کور ذوق اور عربی زبان و ادب کی لطافتوں سے بالکل ہی نا آشنا ہیں۔

دروود شریف

دروود شریف کی حکمت

انسانوں پر خاص کر ان ہندو پر جن کو کسی نبی کی ہدایت و تعلیم سے ایمان نصیب ہوا۔ اللہ تعالیٰ کے بعد سب سے بڑا احسان اس نبی و رسول کا ہوتا ہے، جس کے ذریعہ ان کو ایمان ملا ہو اور ظاہر ہے کہ امت محمدیہ ﷺ کو ایمان کی دولت اللہ کے آخری نبی حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے واسطے سے ملی ہے، اس لئے یہ امت

اللہ تعالیٰ کے بعد سب سے زیادہ ممنون احسان آنحضرت ﷺ کی ہے۔ پھر جس طرح اللہ تعالیٰ جو خالق و مالک اور پروردگار ہے اس کا حق یہ ہے کہ اس کی عبادت اور حمد و تسبیح کی جائے، اسی طرح اس کے پیغمبروں کا حق ہے کہ ان پر درود و سلام بھیجا جائے، یعنی اللہ تعالیٰ سے ان کے لئے مزید رحمت و رأفت اور رفع درجات کی دعا کی جائے۔ درود و سلام کا مطلب یہی ہوتا ہے۔ اور یہ دراصل ان محسنوں کی بارگاہ میں عقیدت و محبت کا ہدیہ، وفاداری و نیاز کیشی کا نذرانہ اور ممنونیت و سپاس گزاری کا اظہار ہوتا ہے، ورنہ ظاہر ہے کہ ان کو ہماری دعاؤں کی کیا احتیاج، بادشاہوں کو فقیروں اور مسکینوں کے ہدیوں اور تحفوں کی کیا ضرورت!

تاہم اس میں شبہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ ہمارے تحفہ بھی ان کی خدمت میں پہنچاتا ہے، اور ہماری اس دعا و التجا کے حساب میں بھی ان پر اللہ تعالیٰ کے الطاف و عنایات میں اضافہ ہوتا ہے، اور سب سے بڑا فائدہ اس دعا گوئی اور اظہار وفاداری کا خود ہم کو پہنچتا ہے، ہمارا ایمانی رابطہ مستحکم ہوتا ہے، اور ایک دفعہ کے مخلصانہ درود کے صلہ میں اللہ تعالیٰ کی کم از کم دس رحمتوں کے ہم مستحق ہو جاتے ہیں۔ یہ ہے درود و سلام کا راز اور اس کے فوائد و منافع۔

درود و سلام سے شرک کی جڑ کٹ جاتی ہے

اس کے علاوہ ایک خاص حکمت درود و سلام کی یہ بھی ہے کہ اس سے شرک کی جڑ کٹ جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے بعد سب سے زیادہ مقدس اور محترم ہستیاں انبیاء علیہم السلام کی ہیں، جب ان کے لئے بھی حکم یہ ہے کہ ان پر درود و سلام بھیجا جائے (یعنی ان کے واسطے اللہ سے رحمت و سلامتی کی دعا کی جائے) تو معلوم ہوا کہ وہ بھی سلامتی اور رحمت کے لئے خدا کے محتاج ہیں، اور ان کا حق اور مقام عالی بس یہی ہے کہ ان کے واسطے رحمت و سلامتی کی دعائیں کی جائیں۔ رحمت و سلامتی خود ان کے ہاتھ میں نہیں ہے، اور جب ان کے ہاتھ میں نہیں ہے تو پھر ظاہر ہے کہ کسی مخلوق کے بھی ہاتھ میں نہیں ہے، کیونکہ ساری مخلوق میں انہیں کا مقام سب سے بالا و برتر ہے۔ اور شرک کی جڑ بنیاد یہی ہے کہ خیر و رحمت اللہ کے سوا کسی اور کے قبضہ میں بھی سمجھی جائے۔

بہر حال درود و سلام کے اس حکم نے ہم کو نبیو اور رسولوں کا دعا گو بنادیا، اور جو بندہ پیغمبروں کا دعا گو ہو وہ کسی مخلوق کا پرستار کیسے ہو سکتا ہے۔

قرآن مجید میں درود و سلام کا حکم

اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ پر درود و سلام بھیجنے کا حکم سورۃ احزاب کی اس آیت میں دیا ہے اور بڑی شاندار تمہید کے ساتھ دیا ہے:

إِنَّ اللَّهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا (احزاب ۵۶: ۵۷)

اللہ تعالیٰ کا خاص لطف و کرم ہے اور اس کے فرشتے درود بھیجتے ہیں ان نبی پر، اے ایمان والو تم بھی درود

سلام بھیجا کرو ان پر۔

اس آیت میں نماز یا غیر نماز کا کوئی تذکرہ نہیں ہے، بالکل اسی طرح جس طرح کہ قرآن مجید میں جا بجا اللہ کی حمد و تسبیح کا حکم ہے اور نماز یا غیر نماز کا وہاں کوئی تذکرہ نہیں ہے، لیکن جس طرح نور نبوت کی روشنی میں انہی آیتوں سے رسول اللہ ﷺ نے سمجھا کہ اس حمد و تسبیح کا خاص محل نماز ہے (چنانچہ یہ حدیث اپنے موقع پر پہلے گزر چکی ہے، کہ جب فسح ناسم، بکث العظم اور فسح اسم بکث الاعلیٰ - آیات قرآنی نازل ہوئیں تو آپ ﷺ نے بتایا کہ اس حکم کی تعمیل اس طرح کی جائے کہ رکوع میں سبحان ربی العظیم اور مجدہ میں سبحان ربی الاعلیٰ پڑھا جائے۔)

اس عاجز کا خیال ہے کہ اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے سورہ احزاب کی اس آیت (حیدر اعظم و سلیم) کے نزول کے وقت بھی صحابہ کرام کو غالباً بتایا تھا کہ اس حکم کی تعمیل کا خاص محل و موقع نماز کا جزو اخیر قعدہ اخیرہ ہے۔

اس بارے میں کوئی صریح روایت تو اس عاجز کی نظر سے نہیں گزری، لیکن جس بنیاد پر میرا یہ خیال ہے آگے درج ہونے والی حدیث کے ضمن میں اسکو عرض کروں گا۔ اب حدیث پڑھئے!

(۱۶۵) عَنْ كَعْبِ بْنِ عُجْرَةَ لَإِن سَأَلْنَا رَسُولَ اللَّهِ ﷺ لَقُلْنَا يَا رَسُولَ اللَّهِ كَيْفَ الصَّلَاةُ عَلَيْكُمْ أَهْلَ الْبَيْتِ لِإِنَّ اللَّهَ لَفِي ذَلِكَ عَلِمْنَا كَيْفَ نُسَلِّمُ عَلَيْكَ فَقَالَ لَوْلَا أَلَلَهُمْ صَلَّى عَلَى مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلَى إِبْرَاهِيمَ وَعَلَى آلِ إِبْرَاهِيمَ إِنَّكَ حَبِيبَةٌ مُجِيدَةٌ. أَلَلَهُمْ بَارَكَ عَلَى مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلَى إِبْرَاهِيمَ وَعَلَى آلِ إِبْرَاهِيمَ إِنَّكَ حَبِيبَةٌ مُجِيدَةٌ.

(رواد البخاری و مسلم)

حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ (جو اصحاب بیعت رضوان میں سے ہیں) راوی ہیں کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کرتے ہوئے عرض کیا کہ: اللہ تعالیٰ نے یہ تو ہم کو بتا دیا کہ ہم آپ کی خدمت میں سلام کس طرح عرض کیا کریں (یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ نے ہم کو بتا دیا ہے کہ ہم تشہید میر السلام عليك ايها النبي ورحمة الله وبركاته کہہ کر آپ پر سلام بھیجا کریں) اب آپ ہمیں یہ بھی بتا دیجئے کہ ہم آپ پر صلوٰۃ (درو) کیسے بھیجا کریں؟ آپ نے فرمایا یوں کہنا کرو: اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ۔ "اے اللہ! اپنی خاص عنایت اور رحمت فرما حضرت محمد پر اور حضرت محمد کے گھروالوں پر جیسے کہ تو نے عنایت و رحمت فرمائی حضرت ابراہیم پر اور ان کے گھروالوں پر، تو حمد و ستائش کا سزاوار اور عظمت و بزرگی والا ہے۔ اے اللہ! خاص برکتیں نازل فرما حضرت محمد پر اور حضرت محمد کے گھروالوں پر جیسے کہ تو نے خاص برکتیں نازل فرمائیں حضرت ابراہیم اور حضرت ابراہیم کے گھروالوں پر، تو حمد و ستائش کا سزاوار اور عظمت و بزرگی والا ہے۔" (بخاری، مسلم، ترمذی)

تشریح..... جیسا کہ سورہ احزاب کی مندرجہ بالا آیت میں نماز یا غیر نماز کا کوئی ذکر نہیں ہے اسی طرح کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ کی اس روایت میں بھی اس کا کوئی ذکر نہیں ہے، لیکن ایک دوسرے صحابی حضرت ابو مسعود انصاری بدری رضی اللہ عنہ سے بھی قریب قریب اسی مضمون کی ایک حدیث مروی ہے۔ اس کی

بعض روایات میں سوال کے الفاظ یہ نقل کئے گئے ہیں:

كَيْفَ نُصَلِّيْ عَلَيْكَ اِذَا نَحْنُ صَلَّيْنَا عَلَيْكَ فِي صَلَاتِنَا ۝

حضرت (ؑ)! ہم جب نماز میں آپ (ﷺ) پر درود پڑھیں تو کس طرح پڑھا کریں؟

اس روایت سے صراحۃً معلوم ہوا کہ صحابہؓ کا یہ سوال نماز میں درود شریف پڑھنے کے بارے میں تھا اور گویا یہ بات ان کو معلوم ہو چکی تھی کہ درود کا خاص محل نماز ہے۔

اس کے علاوہ حاکم نے مستدرک میں بہ سند قوی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا یہ ارشاد روایت کیا ہے:

يَنْشَهُدُ الرَّجُلُ لَمْ يُصَلِّ عَلَى النَّبِيِّ لَمْ يَدْعُوا لِنَفْسِهِ ۝

آدمی نماز میں (یعنی قعدہ اخیرہ میں) تشہد پڑھے اس کے بعد رسول اللہ ﷺ پر درود بھیجے، اس کے بعد اپنے لئے دعا کرے۔

ظاہر ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے یہ بات حضور ﷺ سے سننے کے بعد ہی فرمائی ہوگی، وہ اپنی طرف سے کیسے کہہ سکتے تھے کہ تشہد کے بعد نمازی کو درود شریف پڑھنی چاہئے۔

بہر حال ان ساری چیزوں کو سامنے رکھتے کے بعد یہ بات صاف ہو جاتی ہے کہ سورۃ احزاب میں رسول اللہ ﷺ پر درود بھیجنے کا جو حکم دیا گیا تھا اس کے بارے میں صحابہؓ کرامؓ کو یہ بات تو معلوم ہو چکی تھی کہ اس کی تعمیل کا خاص محل نماز اور اس کا بھی جزو اخیر قعدہ اخیرہ ہے۔ اسکے بعد انہوں نے آپؐ سے دریافت کیا تھا کہ ہم نماز میں یہ درود کس طرح اور کن الفاظ میں بھیجا کریں، پس اسی کے جواب میں آپؐ نے یہ درود ابراہیمی تلقین فرمائی جو ہم اپنی نمازوں میں پڑھتے ہیں۔

درود شریف میں ’آل‘ کا مطالب

اس درود میں ’آل‘ کا لفظ جو چار دفعہ آیا ہے اس کا ترجمہ ہم نے ”گھروالوں“ کیا ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ عربی زبان خاص کر قرآن وحدیث کے محاورے میں کسی شخص کے ’آل‘ ان کو کہا جاتا ہے جو اس کے ساتھ خاص الخاص تعلق رکھتے ہوں، خواہ یہ تعلق نسب اور رشتہ کا ہو (جیسے اس شخص کے بیوی بچے) یا رفاقت و معیت اور عقیدت و محبت اور اتباع و اطاعت^① کا (جیسے کہ اس کے مشن کے خاص ساتھی اور محبین و متبعین)۔ اسلئے اصل لغت کے لحاظ سے یہاں ’آل‘ کے معنی دونوں ہو سکتے ہیں، لیکن آگے حضرت ابو حمید

① ابو مسعودؓ کی حدیث تو صحیح مسلم میں بھی مروی ہے لیکن اُس میں یہ الفاظ نہیں ہیں: اِنْ حَضَرَ صَبَا عَلَيْنَا فِي حَدَّثِنَا۔ ان الفاظ کے اضافہ کے ساتھ یہ حدیث ابن خزیمہ، ابن حبان اور حاکم وغیرہ نے روایت کی ہے۔ (نووی شرح مسلم ص ۱۷۵ - فتح الباری کتاب التفسیر سورۃ احزاب ص ۳۰۵ پ ۱۹)

② فتح الباری کتاب الدعوات باب الصلوۃ علی النبی - ص ۵۵ پ ۲۶

③ لَامِرًا رَاغِبًا اَصْفَهَانِي اِنِّي مُفْرَدَاتُ الْقُرْآنِ مِثْلَ مَا يَكْتُمُ فِيهِ وَيَسْتَعْمَلُ فِيمَنْ يَخْتَصُّ بِالْاِنْسَانِ اخْتِصَاصًا ذَاتِيًا اَمَّا بَقَرَابَةِ قَرِيْبَةٍ اَوْ بِمَوَالَاةٍ اَوْ بِعَزْوِجَلٍ (وَالْاِبْرَاهِيْمُ وَالْعِمْرَانُ) وَقَالَ (ادْخُلُوا اِلَى فِرْعَوْنَ اَشَدَّ الْعَذَابِ) ص ۳۰ پ ۱۲

ساعدی کی جو حدیث درج ہو رہی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں 'آل' سے مراد آپ ﷺ کے گھر والے یعنی ازواج مطہرات اور آپ کی نسل و اولاد ہی ہے۔ واللہ اعلم

عَنْ أَبِي حَمِيدٍ السَّاعِدِيِّ قَالَ قَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ كَيْفَ نَصَلِّي عَلَيْكَ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ لَوْلَا . اَللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَآزْوَاجِهِ وَذُرِّيَّتِهِ كَمَا صَلَّيْتَ عَلَى آلِ إِبْرَاهِيمَ وَبَارِكْ عَلَى مُحَمَّدٍ وَآزْوَاجِهِ وَذُرِّيَّتِهِ كَمَا بَارَكْتَ عَلَى آلِ إِبْرَاهِيمَ إِنَّكَ حَمِيدٌ مُجِيدٌ (رواہ البخاری و مسلمہ)

حضرت ابو حمید ساعدی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا گیا کہ حضرت ()! ہم آپ پر صلوٰۃ (درو) کس طرح پڑھا کریں؟ آپ نے ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ سے یوں عرض کیا کرو۔ (بسم اللہ علی محمد و ازواجہ و ذریئہ) اے اللہ! اپنی خاص عنایت و رحمت فرما حضرت محمد پر اور آپ کی (پاک) بیبیوں اور آپ کی نسل پر، جیسے کہ آپ نے عنایت و رحمت فرمائی آل ابراہیم پر، اور خاص برکت نازل فرما حضرت محمد پر اور آپ کی (پاک) بیبیوں اور آپ کی نسل پر، جیسے کہ آپ نے برکتیں نازل فرمائیں آل ابراہیم پر، اے اللہ! تو ساری حمد و ستائش کا سزاوار اور عظمت و بزرگی والا ہے۔

..... اس حدیث میں درود شریف کے جو الفاظ تعلقین فرمائے گئے ہیں وہ پہلی حدیث سے کچھ مختلف ہیں لیکن معنی مطلب میں کوئی خاص فرق نہیں ہے، علماء اور فقہاء نے تصریح کی ہے کہ ان دونوں میں سے ہر ایک درود نماز میں پڑھا جاسکتا ہے، لیکن معمول زیادہ تر پہلے ہی والا ہے۔

اس حدیث میں بجات آل کے (واحد و ذریئہ) کے الفاظ ہیں۔ اس سے یہ بات بظاہر متعین ہو جاتی ہے کہ پہلی والی حدیث میں جو آل کا لفظ آیا ہے اس سے آپ کے گھر والے یعنی ازواج مطہرات اور ذریئہ طیبہ ہی مراد ہیں، اور جس طرح آنحضرت سے قربت و جزئیت اور زندگی میں شرکت کا خاص شرف ان کو حاصل ہے (جو دوسروں کو اگرچہ وہ مرتبہ میں ان سے افضل ہوں حاصل نہیں) اسی طرح درود سلام میں شرکت کا یہ خاص شرف بھی اللہ تعالیٰ نے ان کو بخشا ہے، اور گویا یہ ان کی خاص سعادت ہے، اور اس سے ہر گز یہ لازم نہیں آتا کہ یہ ازواج مطہرات وغیرہ امت میں سب سے افضل ہوں۔ اس کو بالکل یوں سمجھنا چاہئے کہ اہل عقیدت و محبت جب اپنے کسی محبوب بزرگ کی خدمت میں کوئی خاص تحفہ بھیجتے ہیں، تو ان کے پیش نظر خود وہ بزرگ اور ان کے گھر والے ہی ہوتے ہیں، اور فطری طور پر وہ اس کے خواہش مند ہوتے ہیں کہ ہمارا یہ تحفہ خود وہ بزرگ اور ان کے گھر والے استعمال کریں۔ اگرچہ ان بزرگ کے دوستوں یا خادموں میں ایسے بھی لوگ ہوں جن کو یہ تحفہ پیش کرنے والے محبین و معتقدین بھی گھر والوں سے بدرجہا افضل سمجھتے ہوں۔ بس درود و سلام بھی جیسا کہ شروع میں عرض کیا گیا ہے عقیدت و محبت کا تحفہ اور نیاز کیشی کا نذرانہ ہے، اس کو محبت کے فطری قانون ہی کی روشنی میں سمجھنا چاہئے۔ اس کی بنیاد پر افضلیت اور مفضولیت کی خالص کلامی اور قانونی بحث اٹھانا کوئی خوش ذوق کی بات نہیں ہے۔

نماز میں درود شریف کا موقع اور اس کی حکمت

جیسا کہ معلوم ہے درود شریف نماز کے بالکل آخر میں یعنی آخری قعدہ میں تشہد کے بعد پڑھی جاتی ہے۔ ظاہر ہے کہ یہی اس کے لئے بہترین موقع ہو سکتا ہے، اللہ کے بندے کو رسول اللہ ﷺ کی ہدایت و تعلیم کے صدقے میں ایمان نصیب ہوا، اللہ تعالیٰ کو اس نے جانا پہچانا اور نماز کی شکل میں اس کے دربار عالی کی حاضری اور حمد و تسبیح اور ذکر و مناجات کی دولت گویا ایک طرح کی معراج اسے نصیب ہوئی اور آخری قعدہ کے تشہد پر یہ نعمت گویا مکمل ہو گئی۔ اب اس کو حکم ہے کہ اللہ کے دربار سے رخصت ہونے سے پہلے اور اپنے لئے کچھ مانگنے سے بھی پہلے وہ بندہ حضرت محمد ﷺ کے اس احسان کو محسوس کرتے ہوئے کہ انہی کی ہدایت کے صدقے میں اس دربار تک رسائی ہوئی اور یہ سب کچھ نصیب ہوا۔ اللہ تعالیٰ سے آپکے لئے اور آپ کی زندگی کی شریک ازواجِ مطہرات اور آپ کی ذریت طیبہ کے لئے بہتر دعا کرے۔ اس کے سوا اور اس سے بہتر کوئی چیز اس کے پاس ہے ہی نہیں جس کو پیش کر کے وہ اپنے جذبہ منونیت کا اظہار اور احسانِ مندی کا حق ادا کر سکے۔ اسی کیلئے درود شریف کے یہ بہترین کلمے صحابہ کرام کو رسول اللہ ﷺ نے تلقین فرمائے۔ یہاں درود شریف کا یہ بیان نماز کے سلسلے میں آیا تھا اس لئے صرف انہی دو حدیثوں پر یہاں اکتفا کیا جاتا ہے۔ ان کے علاوہ اس سلسلے میں قابل ذکر جو حدیثیں درود شریف کے فضائل وغیرہ سے متعلق کتب حدیث میں روایت کی گئی ہیں انشاء اللہ وہ کتاب اللہ عزوجل میں اپنے موقع پر درج ہوں گی اور مندرجہ بالا درود ابراہیمی کے علاوہ ”سَلَامٌ وَسَلَامٌ“ کے جو اور صیغے آنحضرت ﷺ سے قابل اعتماد سندوں کے ساتھ مروی ہیں وہ بھی انشاء اللہ وہیں درج ہوں گے۔

درود شریف کے بعد اور سلام سے پہلے دعا

ابھی مستدرک حاکم کے حوالہ سے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا یہ ارشاد ذکر کیا جا چکا ہے کہ نمازی تشہد کے بعد درود شریف پڑھے اور اس کے بعد دعا کرے۔ بلکہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ہی کی ایک حدیث سے تو معلوم ہوتا ہے کہ آخری قعدہ میں تشہد کے بعد اور سلام سے پہلے دعا کا یہ حکم غالباً اس وقت بھی تھا جب کہ تشہد کے بعد درود شریف پڑھنے کا حکم نہیں کیا گیا تھا۔ صحیح بخاری اور صحیح مسلم وغیرہ کی ایک روایت میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے تشہد کی تلقین والی حدیث ہی کے آخر میں رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد بھی مروی ہے:

ثُمَّ يَتَغَيَّرُ أَحَدُهُمْ مِنَ الدُّعَاءِ أَعْجَبَهُ إِلَيْهِ لِيَدْعُو بِهِ

یعنی۔ نمازی جب تشہد پڑھے چکے تو جو دعا اسے اچھی معلوم ہو اس کا انتخاب کر لے، اور اللہ سے وہی دعا کرے۔

اور یہی بات (کہ تشہد کے بعد دعا کی جائے) آگے درج ہونے والی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث

سے بھی معلوم ہوتی ہے۔

بہر حال سلام سے پہلے دعا کرنا آنحضرت ﷺ سے تعلیم بھی ثابت ہے اور عملاً بھی، اور اس موقع کے لئے آپ نے بعض خاص دعائیں بھی تعلیم فرمائیں ہیں۔ اس سلسلہ کی صرف تین حدیثیں یہاں درج کی جاتی ہیں:-

(۱۶۷) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِذَا فَرَغَ أَحَدُكُمْ مِنَ التَّشَهُّدِ الْأَخِيرِ فَلْيَتَوَدَّ بِاللَّهِ مِنْ أَرْبَعٍ مِنْ عَذَابِ جَهَنَّمَ وَمِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَمِنْ فِتْنَةِ الْمَحْيَا وَالْمَمَاتِ وَمِنْ فِتْنَةِ الْمَسِيحِ الدَّجَالِ . (رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی آخری تشہد پڑھ کر فارغ ہو جائے تو اسے چاہئے کہ چار چیزوں سے اللہ کی پناہ مانگے:- (۱) جہنم کے عذاب سے۔ (۲) قبر کے عذاب سے۔ (۳) زندگی اور موت کی آزمائش سے، اور (۴) دجال کے شر سے۔ (صحیح مسلم)

(۱۶۸) عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يُعَلِّمُهُمْ هَذَا الدُّعَاءَ كَمَا يَعْلَمُهُمُ السُّورَةَ مِنَ الْقُرْآنِ يَقُولُ لَوْلَا "اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنْ عَذَابِ جَهَنَّمَ وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ فِتْنَةِ الْمَسِيحِ الدَّجَالِ وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ فِتْنَةِ الْمَحْيَا وَالْمَمَاتِ" . (رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ صحابہ کرام کو یہ دعا اس طرح تعلیم فرماتے تھے جس طرح قرآن مجید کی کوئی سورت تعلیم فرمایا کرتے تھے۔ ارشاد فرماتے تھے کہ کہو:- اللہم انی اعوذ بک یعنی اے اللہ! میں تیری پناہ مانگتا ہوں جہنم کے عذاب سے اور پناہ مانگتا ہوں عذاب قبر سے اور پناہ مانگتا ہوں دجال کے فتنہ سے، اور پناہ مانگتا ہوں زندگی اور موت کی آزمائشوں سے۔ (صحیح مسلم)

تشریح: یہ دعا جسے ظاہر ہے دنیا و آخرت کے آفات و مصائب اور ہر قسم کی بد بختیوں سے حفاظت کے لئے بڑی جامع دعا ہے۔ اس میں سب سے پہلے جہنم اور قبر کے عذاب سے پناہ مانگی گئی ہے جو شدید ترین اور ناقابل تصور عذاب اور انسان کی سب سے بڑی بد بختی ہے۔ اس کے بعد دجال کے فتنہ عظیم سے جو اس دنیا میں برپا ہونے والے فتنوں میں سب سے بڑا فتنہ ہے، جس میں ایمان کا سلامت رہنا بے حد مشکل ہے۔ اس کے بعد علی الاطلاق زندگی اور موت کے سارے فتنوں اور ساری آزمائشوں سے جس میں ہر چھوٹی بڑی بلا اور ہر گناہ اور گمراہی داخل ہے۔ حضرت عبداللہ! بن عباس رضی اللہ عنہ کی اس حدیث میں اگرچہ اس کا ذکر نہیں ہے کہ رسول اللہ ﷺ کس موقع کے لئے یہ دعا تعلیم فرماتے تھے، لیکن حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی مندرجہ بالا حدیث سے معلوم ہو جاتا ہے کہ اس کا خاص موقع قعدہ اخیرہ میں تشہد کے بعد اور سلام سے پہلے ہے۔ اسی دعا کے بارے میں صحیح بخاری و صحیح مسلم میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ خود بھی نماز میں یہ دعا مانگا کرتے تھے، بلکہ اس میں مندرجہ بالا دعا کے بالکل آخر میں یہ

اضافہ بھی ہے۔

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْمَآْثِمِ وَمِنَ الْمَغْرَمِ

”اے اللہ! میں تیری پناہ چاہتا ہوں گناہ کی ہر بات سے اور قرض کے بارے“

بہتر ہے کہ یہ دعا سی اضافہ کے ساتھ نماز میں سلام سے پہلے پڑھی جائے۔

(۱۶۹) عَنْ اَبِیْ بَكْرِ الصِّدِّیْقِ رَضِیَ اللہُ عَنْہُ قَالَ لَقَدْ بَا رَسُوْلُ اللہِ ﷺ عَلَیْمِنِیْ دُعَاءَ اَدْعُوْہِ لَیْ صَلَوٰتِیْ قَالَ لَیْ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ عَلِمْتُ نَفْسِیْ عَلَیْمًا مَّخِیْرًا وَلَا یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اَنْتَ لَا غَیْرَ لَیْ

مَغْفِرَۃٌ مِنْ عِنْدِكَ وَارْحَمَیْنِ اِنَّكَ اَنْتَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ۔ (رواہ البخاری و مسلم)

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے حضور ﷺ سے عرض کیا یا رسول اللہ! مجھے کوئی ایسی دعا تعلیم فرمادیجئے جو میں اپنی نماز میں مانگا کروں؟ تو آپ نے ارشاد فرمایا یوں عرض کیا کرو اللّٰہمَّ اِنِّیْ عَلِمْتُ نَفْسِیْ..... (اے اللہ! میں نے خود اپنے اوپر بہت ہی ظلم کیا ہے) (یعنی گناہوں سے اپنے آپ کو بہت ہی تباہ و برباد کیا ہے) اور تیرے سوا کوئی نہیں ہے جو گناہوں کو بخش سکتا اور معافی دے سکتا ہو۔ پس اے میرے اللہ! تو محض اپنی طرف سے اور اپنے فضل و کرم سے مجھے بخش دے اور مجھ پر رحم فرما اور بس تو ہی بہت بخشنے والا اور بہت رحم فرمانے والا ہے اور بخشش و رحمت تیری ہی ذاتی صفت ہے)۔۔۔ (صحیح بخاری، صحیح مسلم)

تشریح..... اس حدیث میں تو صراحتاً مذکور ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی درخواست پر یہ دعا نماز میں پڑھنے کے لئے تعلیم فرمائی تھی، لیکن یہ بات لفظوں میں مذکور نہیں ہے کہ نماز کے آخر میں سلام سے پہلے پڑھنے کے لئے تعلیم فرمائی تھی، مگر شارحین حدیث نے لکھا ہے کہ چونکہ نماز میں دعا کا وہی خاص محل و موقع ہے اور رسول اللہ ﷺ نے اسی موقع کے لئے فرمایا تھا: ”تشہد کے بعد سلام سے پہلے اللہ تعالیٰ سے مانگنے کے لئے بندہ کوئی اچھی دعا منتخب کرے اور وہی اللہ تعالیٰ سے مانگے۔“ (جیسا کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی صحیح والی حدیث سے ابھی اوپر معلوم ہو چکا ہے) اس لئے ظاہر یہی ہے کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اسی موقع کی دعا کے لئے تعلیم کی درخواست کی تھی، اور رسول اللہ ﷺ نے یہ دعا ان کو اسی موقع کے لئے تعلیم فرمائی۔ غالباً اسی کو ملحوظ رکھتے ہوئے امام بخاریؒ نے صحیح بخاری میں یہ حدیث ”باب اللہ ما قبل السلام“ کے زیر عنوان روایت کی ہے۔

اس دعا میں غور کرنے اور سمجھنے کی خاص بات یہ ہے کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ جو بار بار جنت کی بشارت سے سرفراز ہو چکے ہیں اور جو یقیناً امت میں سب سے افضل ہیں اور ان کی نماز پوری امت میں سب سے بہتر اور کامل نماز ہے۔ یہاں تک کہ خود رسول اللہ ﷺ نے آخری مرض میں ان کو امام بنایا اور ان کے پیچھے خود نمازیں پڑھیں، وہ در خواست کرتے ہیں کہ مجھے کوئی خاص دعا تعلیم فرمادیجئے جو میں نماز میں (یعنی اس کے خاتمہ پر سلام سے پہلے) اللہ سے مانگا کروں!۔ رسول اللہ ﷺ اس کے جواب میں ان کو یہ دعا

تعلیم فرماتے ہیں۔ گویا آپ نے ان کو بتایا کہ اے ابو بکر! نماز پڑھ کر بھی دل میں یہ وسوسہ نہ آئے کہ اللہ کی عبادت کا حق ادا ہو گیا اور کچھ کر لیا، بلکہ نماز جیسی عبادت کے خاتمہ پر بھی اپنے کو سر سے پاؤں تک قصور وار اور خطا کار قرار دیتے ہوئے اس کے سامنے اپنی گناہگاری کا اقرار کرو اور اس سے معافی اور بخشش اور رحم کی بھیک مانگو، اور یہ کہہ کے مانگو کہ میرے اللہ! میرے پاس کوئی عمل اور کوئی چیز نہیں ہے جس کی وجہ سے بخشش اور معافی بھی میرا حق ہو، تو اپنی صفت مغفرت و رحمت کا بس صدقہ مجھ گناہگار کو عطا فرمادے اور میرے لئے مغفرت و رحمت کا فیصلہ فرمادے۔

اللہ تعالیٰ توفیق دے۔ تشہد اور درود شریف کے بعد اور سلام سے پہلے یہ دعائیں ضرور مانگنی چاہئیں۔ ان کا یاد کرنا اور ان کا مطلب بھی ذہن میں بٹھالینا کوئی بڑی اور مشکل بات نہیں ہے۔ معمولی توجہ سے تھوڑے سے وقت میں یہ کام ہو سکتا ہے۔ بڑی بے نصیبی اور ناقدری کی بات ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے عطا فرمائے ہوئے ان جواہرات سے ہم محروم رہیں۔ خدا کی قسم حضور ﷺ کی تعلیم فرمائی ہوئی ایک ایک دعا دنیا و مافیہا سے زیادہ قیمتی ہے۔

خاتمہ نماز کا سلام

رسول اللہ ﷺ نے جس طرح نماز کے افتتاح اور آغاز کے لئے کلمہ اللہ اکبر تعلیم فرمایا ہے جس سے بہتر کوئی دوسرا کلمہ افتتاح نماز کے لئے سوچا ہی نہیں جاسکتا۔ اسی طرح اس کے اختتام کے لئے ”السلام علیکم“ اللہ تبارک و تعالیٰ نے تلقین فرمایا ہے، اور بلاشبہ نماز کے خاتمہ کے لئے بھی اس سے بہتر کوئی لفظ نہیں سوچا جاسکتا۔ ہر شخص جانتا ہے کہ سلام اس وقت کیا جاتا ہے جب ایک دوسرے سے غائب اور الگ ہونے کے بعد پہلی ملاقات ہو، لہذا اختتام کیلئے السلام علیکم ورحمۃ اللہ کی تعلیم میں واضح اشارہ ہے بلکہ گویا ہدایت ہے کہ بندہ اللہ اکبر کہہ کے جب نماز میں داخل ہو اور بارگاہ خداوندی میں عرض معروض شروع کرے تو چاہئے کہ وہ اس وقت اس عالم شہود سے حتیٰ کہ اپنے ماحول اور اپنے دائیں بائیں والوں سے بھی غائب اور الگ ہو جائے، اور اللہ کے سوا کوئی بھی اس وقت اس کے دل کی نگاہ کے سامنے نہ رہے، پوری نماز میں اس کا حال یہی رہے۔ پھر جب قعدہ اخیرہ میں تشہد اور درود شریف اور آخری دعا اللہ تعالیٰ کے حضور میں عرض کر کے اپنی نماز پوری کر لے، تو اس کے باطن کا حال یہ ہو کہ گویا اب وہ کسی دوسرے عالم سے اس دنیا میں اور اپنے ماحول میں واپس آیا ہے اور دائیں بائیں والے انسانوں یا فرشتوں سے اب اس کی نئی ملاقات ہو رہی ہے اسلئے اب وہ ان کی طرف رج کر کے اور ان ہی سے مخاطب ہو کر کہے:

اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ

اس عاجز کے نزدیک اس حکم کا یہی راز اور یہی اس کی حکمت ہے۔ واللہ اعلم
اس کے بعد سلام سے متعلق رسول اللہ ﷺ کی چند حدیثیں ذیل میں پڑھیے

(۱۷۰) عَنْ عَلِيٍّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مِفْتَاحُ الصَّلَاةِ الطُّهُورُ وَ تَعَرُّفُهَا التَّكْبِيرُ وَ تَحْلِيلُهَا

(رواہ ابو داؤد و الترمذی و الدارمی و ابن ماجہ)

التَّسْلِيمُ .

ترجمہ: حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا طہارت (یعنی وضو) نماز کی کئی ہے، اور اس کی تحریمہ اللہ اکبر کہنا ہے اور اسکی بندشیں کھولنے کا ذریعہ اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ کہنا ہے۔ (ابن ابی الدنایہ، الترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ، ابن حبان، ابن کثیر)

تشریح:..... اس حدیث میں نماز سے متعلق تین باتیں فرمائی گئی ہیں:-

(۱) اول یہ کہ نماز جو بارگاہ خداوندی کی خاص حاضری ہے طہارت اور با وضو ہونا اس کی کئی یعنی اس کی مقدم شرط ہے، اس کے بغیر کسی کے لئے اس بارگاہ کا دروازہ نہیں کھل سکتا۔

(۲) دوسرے یہ کہ نماز کا افتتاحی کلمہ لفظ اللہ اکبر ہے، اس کے کہتے ہی نماز والی ساری پابندیاں عائد ہو جاتی ہیں، مثلاً کھانا پینا، کسی سے بات چیت کرنا جیسے کام، جن کی اجازت تھی، وہ بھی ختم نماز تک کے لئے حرام ہو جاتے ہیں، اسی لئے اس کو ”تخبیہ تحریمہ“ کہتے ہیں۔

(۳) تیسری بات یہ فرمائی گئی ہے کہ نماز کا اختتامی کلمہ جس کے کہنے کے بعد نماز والی ساری پابندیاں ختم ہو جاتی ہیں، اور جو جائز و مباح چیزیں ”تکبیر تحریمہ“ کہنے کے بعد اس کے لئے ناجائز اور حرام ہو گئی تھیں وہ سب حلال ہو جاتی ہیں، وہ کلمہ السلام علیکم ورحمۃ اللہ ہے۔

(۱۷۱) عَنْ سَعْدِ بْنِ أَبِي وَقَّاصٍ رَأَى رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يُسَلِّمُ عَنْ يَمِينِهِ وَعَنْ يَسَارِهِ حَتَّى أَرَى بَيَاضَ خَدَيْهِ . (رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو خود دیکھا تھا کہ آپ سلام پھیرتے وقت دائینی جانب اور بائیں جانب رخ فرماتے تھے اور چہرہ مبارک کو دائینی جانب اور بائیں جانب اتنا پھیرتے تھے کہ ہم رخسار مبارک کی سفیدی دیکھ لیتے تھے۔ (ابن ماجہ، ابن کثیر)

تشریح:..... یہی بات الفاظ کے تھوڑے سے فرق کے ساتھ سنن ابن ماجہ میں حضرت عمار بن یاسرؓ سے بھی مروی ہے۔

سلام کے بعد ذکر و دعا

نماز کے خاتمہ پر سلام سے پہلے رسول اللہ ﷺ جو دعائیں مانگتے تھے، یا جن دعاؤں کی آپ نے اس موقع کے لئے تلقین فرمائی ہے ان کا ذکر پہلے کیا جا چکا ہے اب ذیل میں وہ حدیثیں پڑھئے جن میں بتایا گیا ہے کہ سلام کے بعد ذکر و دعا کے بارے میں آپ نے امت کو کیا ہدایت فرمائی ہے اور خود آپ کا معمول اس باب میں کیا تھا۔

(۱۷۲) عَنْ أَبِي أُمَامَةَ لَالٍ لَيْلٍ يَارَسُولَ اللَّهِ أَيُّ الدُّعَاءِ أَسْمَعُ لَالٍ جَوْفَ اللَّيْلِ الْأَيَّامِ وَالصَّلَوَاتِ الْمَكْتُوبَاتِ . (رواہ الترمذی)

حضرت ابوالامام باہلی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا کہ: حضرت (ؑ) کون سی دعا زیادہ سنی جاتی ہے؟ (یعنی کس وقت کی دعا زیادہ قبول ہوتی ہے)؟ آپ ﷺ نے فرمایا آخری رات کے درمیان (یعنی رات کے آخری حصہ میں جو تہجد کا وقت ہے) اور فرض نمازوں کے بعد۔ (ابن ماجہ)

(۱۷۳) عَنْ مَعَاذِ بْنِ جَبَلٍ قَالَ أَخَذَ بِيَدِي رَسُولُ اللَّهِ ﷺ فَقَالَ إِنِّي لَأُحِبُّكَ يَا مُعَاذُ فَلَقُلْتُ وَآتَا أُحِبُّكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ قَالَ لِلدَّخْرِ أَنْ تَقُولَ لِي ذُبْرُ كُلِّ صَلَوةٍ "رَبِّ اعْنِي عَلَيَّ ذِكْرَكَ وَشُكْرَكَ وَحُسْنَ عِبَادَتِكَ"۔ (رواہ احمد و ابو داؤد و السنی)

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے میرا ہاتھ پکڑ کے مجھ سے فرمایا: اے معاذ! مجھے تجھ سے محبت ہے؟ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ (ؑ)! مجھے بھی آپ سے محبت ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا (تو اس محبت کی بناء پر میں تجھ سے کہتا ہوں کہ) ہر نماز کے بعد اللہ تعالیٰ سے یہ دعا ضرور کیا کرو، اور بھی اسے نہ چھوڑو "رب اعنی علی ذکرک و شکرک و حسن عبادتک" (اے پروردگار! میری مدد فرما، اور مجھے توفیق دے اپنے ذکر کی، اپنے شکر کی اور اپنی اچھی عبادت کی)۔ (مسند احمد، سنن ابی داؤد، سنن نسائی)

(۱۷۴) عَنْ ثَوْبَانَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِذَا انْصَرَفَ مِنْ صَلَوةٍ اسْتَغْفَرَ ثَلَاثًا وَلَقَالَ اللَّهُمَّ أَنْتَ السَّلَامُ وَمِنْكَ السَّلَامُ تَبَارَكْتَ يَا ذَا الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ۔ (رواہ مسلم)

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب نماز سے فارغ ہوتے تو تین دفعہ کلمہ استغفار پڑھتے اور اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کرتے اور اس کے بعد کہتے: اللہم انت السلام و منک السلام و منک السلام۔ (اے اللہ! تو ہی سالم ہے) (اور محفوظ و منزو ہے ہر عیب و نقص سے، حوادث و آفات سے، ہر قسم کے تغیر و زوال سے) اور تیری ہی طرف سے اور تیرے ہی ہاتھ میں ہے سلامتی (جس کے لئے چاہے اور جب چاہے سلامتی کا فیصلہ کرے، اور جس کے لئے نہ چاہے نہ کرے) تو برکت والا ہے۔ اے بزرگی و برتری والے تعظیم و اکرام والے۔ (مسند احمد)

تشریح..... حضرت ثوبانؓ کی اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کا معمول تھا کہ نماز سے فارغ ہونے یعنی سلام پھیرنے کے بعد مصلیٰ پہلے تین دفعہ استغفار کرتے تھے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے حضور میں عرض کرتے تھے استغفر اللہ، استغفر اللہ، استغفر اللہ یہ دراصل کمال عبدیت ہے کہ نماز جیسی عبادت کے بعد بھی اپنے کو قصور اور حق عبادت ادا کرنے سے قاصر و عاجز سمجھتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے معافی اور بخشش مانگی جائے۔

اس حدیث میں استغفار کے بعد جو چھوٹی سی دعا حضرت ثوبانؓ نے رسول اللہ ﷺ سے نقل کی ہے صحیح روایات میں وہ صرف اتنی ہی وارد ہوئی ہے یعنی: اللہم انت السلام و منک السلام و منک السلام۔

ذالجلال والاکرام۔ عوام میں اس دعا کے اندر رُحمتِ اسلام کے بعد جو یہ اضافہ مشہور ہے۔ والیلک یرجع السلام فحینا ربنا بالسلام وادخلنا الجنة دارالسلام محمد شین نے تصریح کی ہے کہ یہ بعد کا اضافہ ہے رسول اللہ ﷺ سے یہ ثابت نہیں ہے۔ واللہ اعلم۔

(۱۷۵) عَنْ الْمُغْبِرَةِ بْنِ خُصْبَةَ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يَقُولُ فِي ذُبُرِ كُلِّ صَلَاةٍ مَكْتُوبَةٍ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ . اَللّٰهُمَّ لَا مَانِعَ لِمَا اَعْطَيْتَ وَلَا مُعْطِيٍّ لِمَا مَنَعْتَ وَلَا تَنْفَعُكَ اِلَّا بِحَبْلِكَ الْفَجْدُ . (رواه البخاری و مسلم)

ترجمہ..... حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہر فرض نماز کے بعد کہا کرتے تھے۔ لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ..... (اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، وہ اکیلا اور یکتا ہے، اس کا کوئی شریک سا جہی نہیں، اسی کی حکومت اور فرمانروائی ہے اور وہی حمد و ستائش کا مستحق ہے اور ہر چیز پر اس کی قدرت ہے۔ اے اللہ! جو کچھ تو کسی کو دے دے کوئی اسے روک سکے والا نہیں اور جس چیز کے نہ دینے کا تو فیصلہ کرے کوئی اسے دے سکے والا نہیں، اور کسی سرمایہ والے کو اس کا سرمایہ تجھ سے مستثنیٰ نہیں کر سکتا (یعنی بڑے سے بڑا سرمایہ دار اور صاحب جاہ و عظمت بھی ہر آن تیرے کرم کا محتاج ہے)۔ (صحیح بخاری، مسلم)

(۱۷۶) عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ قَالَ سَمِعْتُ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ الزُّبَيْرِ يَخْطُبُ عَلَى هَذَا الْجَنَبِ وَهُوَ يَقُولُ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ إِذَا سَلَّمَ فِي ذُبُرِ الصَّلَاةِ أَوِ الصَّلَوَاتِ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ لَدَيْهِ لَاحَوْلُ وَلَا قُوَّةُ إِلَّا بِاللَّهِ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَلَا نَعُوذُ إِلَّا بِهِ لَهُ الْبَقَّةُ وَلَهُ الْفَضْلُ وَلَهُ الْقِسَاءُ الْحَسَنُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ . (رواه مسلم)

ترجمہ..... ابو الزبیر تابعی بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے سنا ہے وہ اس منبر پر خطبہ دیتے ہوئے بیان فرماتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ سلام پھیرنے کے بعد نماز کے ختم پر کہا کرتے تھے۔ لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ..... (اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، وہ اکیلا اور یکتا ہے، اس کا کوئی شریک اور سا جہی نہیں، اسی کی حکومت اور فرمانروائی ہے اور وہی حمد و ستائش کا مستحق ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے گناہوں سے بچنے کی توفیق اور نیکی کرنے کی قوت سب اللہ ہی کے ارادہ سے ہے۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں، ہم صرف اسی کی عبادت کرتے ہیں، سب نعمتیں اسی کی ہیں، فضل و احسان اسی کا ہے، اچھی تعریف بھی اسی کے لئے ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں ہم پورے اخلاص کے ساتھ اسی کی بندگی کرتے ہیں اگرچہ منکروں کو کتنا ہی ناگوار ہو۔ (صحیح مسلم)

تشریح..... مغیرہ بن شعبہ کی اوپر والی حدیث اور عبداللہ بن الزبیر کی اس حدیث میں کوئی منافات نہیں ہے۔ اصل حقیقت یہ ہے کہ کبھی آپ سے نماز کے بعد اس طرح سنا گیا اور کبھی اس طرح جس نے جو ستادہ

نقل کر دیا۔ اس قسم کے لڑکار اور دعاؤں میں تنگی اور پابندی نہیں ہے۔ وقت کی گنجائش اور اپنے ذوق کے مطابق جس کا جوتی چاہے پڑھ سکتا ہے۔

(۱۷۷) عَنْ سَعْدِ اللَّهِ كَانَ يَعْلَمُ بَيْنَهُ هَؤُلَاءِ الْكَلِمَاتِ وَيَقُولُ إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ كَانَ يَتَوَكَّدُ بِهِنَ ذُبُرَ الصَّلَاةِ . اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْجَبَنِ وَاعُوْذُ بِكَ مِنَ الْبُهْلِ وَاعُوْذُ بِكَ مِنْ اَرْدَلِ الْعُمْرِ وَاعُوْذُ بِكَ مِنْ فِتْنَةِ الدُّنْيَا وَعَذَابِ الْقَبْرِ . (رواہ البخاری)

ترجمہ: حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وہ اپنے بچوں کو تعویذ کے یہ کلمات سکھایا کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ نماز کے بعد ان کلمات کے ذریعہ اللہ کی پناہ مانگا کرتے تھے اللھم انی اعوذ بک من الجبن۔ اے اللہ! میں تیری پناہ چاہتا ہوں، بزدلی سے اور تیری پناہ چاہتا ہوں بخل و کنجوسی سے، اور تیری پناہ چاہتا ہوں نکمی عمر سے (یعنی ایسے بڑھاپے سے جس میں حواس اور قوی صحیح سلامت نہ رہیں اور آدمی بالکل نکما اور دوسروں کے لئے بوجھ بن جائے) اور تیری پناہ چاہتا ہوں دنیا کے فتنوں سے اور قبر کے عذاب سے۔ (تفحیح خدری)

(۱۷۸) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مَنْ سَبَّحَ اللَّهَ فِي ذُبُرِ كُلِّ صَلَاةٍ ثَلَاثًا وَثَلَاثِينَ وَحَمِدَ اللَّهَ ثَلَاثًا وَثَلَاثِينَ وَحَمَّرَ اللَّهُ ثَلَاثًا وَثَلَاثِينَ لِفُتْلِكَ بَسْعَةً وَبَسْعُونَ وَلَاقَ تَمَامَ الْمَاءِ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحَدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْعَمْدُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ غُفِرَتْ خَطَايَاهُ وَإِنْ كَانَتْ مِثْلَ زَبَدِ الْبَحْرِ . (رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو بندہ ہر نماز کے بعد ۳۳ دفعہ اللہ کی تسبیح کا کلمہ، سبحان اللہ کہے اور اسی طرح ۳۳ دفعہ اللہ کی حمد کا کلمہ الحمد للہ کہے اور ۳۳ ہی دفعہ اللہ اکبر کہے۔ یہ سب ۹۹ کلمے ہو گئے، اور اس کے بعد سو کی گنتی پوری کرنے کے لئے ایک دفعہ کہے لا الہ الا اللہ وخذہ لا شریک لہ لہ المُلک و لہ العمد و هو علی کل شئی قدير فدیہ تو اس کی سب خطائیں معاف کر دی جائیں گی، اگرچہ وہ اپنی کثرت میں سمندر کے کف کے برابر ہوں۔ (تفحیح خدری)

تشریح:..... نیک اعمال کی برکت سے گناہوں کی معافی اور مغفرت کی اس قسم کی بشارتوں کے بارے میں شرح حدیث کے اسی سلسلہ میں پہلے کئی جگہ ایک اصولی بات تفصیل سے لکھی جا چکی ہے وہ یہاں بھی ملحوظ رہنی چاہئے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی اس حدیث میں — سبحان اللہ . الحمد للہ اور اللہ اکبر ان تین کلموں کا عدد ۳۳، ۳۳ بتایا گیا ہے، اور سو کی گنتی پوری کرنے کے لئے ایک دفعہ کلمہ توحید لا الہ الا اللہ و حده لا شریک لہ پڑھنے کے لئے فرمایا گیا ہے۔ لیکن کعب بن عجرہ وغیرہ بعض دوسرے صحابہؓ کی روایت میں سبحان اللہ اور الحمد للہ ۳۳، ۳۳ دفعہ اور سو کی گنتی پوری کرنے کے لئے اللہ اکبر ۳۳ دفعہ پڑھنے کی ترغیب و تعلیم بھی وارد ہوئی ہے۔

اصل حقیقت یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کبھی اس طرح بتلایا ہے اور کبھی اس طرح دونوں ہی طریقے صحیح اور ثابت ہیں۔ اپنے ذوق کے مطابق بندہ جس کو چاہے اختیار کرے۔ یہی تین کلمے اسی تعداد میں سونے کے وقت پڑھنے کے لئے بھی رسول اللہ ﷺ نے تعلیم فرمائے ہیں عرف عام میں اسی کو ”تسبیح فاطمہ“ بھی کہتے ہیں۔ ان شاء اللہ اس کی مزید تفصیل اور تشریح ”کتاب الدعوات“ میں کی جائے گی۔

(۱۷۹) عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا لَإِلَّا تَكُنَّ مَعَهُ إِذَا سَلَّمَ لَمْ يَقْعُدْ إِلَّا بِقَدَارِ مَا يَقُولُ
اللَّهُمَّ أَنْتَ السَّلَامُ وَمِنْكَ السَّلَامُ تَبَارَكْتَ يَا ذَا الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ . (رواہ مسلم)

ترجمہ... حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سلام پھیرنے کے بعد نہیں بیٹھے تھے مگر بقدر اس کے کہتے: اللّٰهُمَّ أَنْتَ السَّلَامُ وَمِنْكَ السَّلَامُ تَبَارَكْتَ يَا ذَا الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ (اے اللہ! تو سلام ہے۔ یعنی محفوظ و منزه ہے ہر عیب و نقص سے، تمام آفات و حوادث سے، ہر قسم کے تغیر و زوال سے۔ اور سلامتی تیری ہی طرف سے اور تیرے ہی ہاتھ میں ہے۔ یعنی جب جس کے لئے تو چاہے سلامتی کا فیصلہ کرے اور نہ چاہے تو نہ کرے۔ تو برکت والا ہے، اے بزرگی اور برتری والے، تعظیم و اکرام والے۔ (صحیح مسلم)

تشریح... حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی اس روایت سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ سلام پھیرنے کے بعد صرف اس مختصر دعا اللّٰهُمَّ أَنْتَ السَّلَامُ وَمِنْكَ السَّلَامُ تَبَارَكْتَ يَا ذَا الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ کے بعد فوراً اُٹھ جاتے تھے لیکن جو حدیثیں اوپر مذکور ہوئیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ سلام کے بعد اس کے علاوہ بھی مختلف دعائیں اور ذکر کے مختلف کلمات پڑھتے تھے اور دوسروں کو بھی اسکی ترغیب اور تعلیم دیتے تھے۔ بعض حضرات نے اس اشکال کو اس طرح حل کیا ہے کہ مندرجہ بالا حدیثوں میں اللّٰهُمَّ أَنْتَ السَّلَامُ کے علاوہ اللہ تعالیٰ کی حمد، تسبیح اور توحید و تکبیر کے جن کلمات اور جن دعاؤں کا ذکر کیا گیا ہے ان کے بارے میں انہوں نے کہا کہ یہ آپ سلام پھیرنے کے بعد مصلّا نہیں پڑھتے تھے، بلکہ بعد کی سنتوں وغیرہ سے فارغ ہونے کے بعد پڑھا کرتے تھے، اور دوسروں کو ان کے پڑھنے کی جو ترغیب و تعلیم آپ نے دی ہے اس کا بھی یہی محل ہے۔

لیکن واقعہ یہ ہے کہ جو حدیثیں اوپر ذکر کی گئی ہیں (اور ان کے علاوہ بھی نماز کے بعد دعاؤں کے بارے میں جو بہت سی حدیثیں کتب حدیث میں محفوظ ہیں) ان میں سے اکثر کے ظاہری الفاظ سے یہی مفہوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ سلام پھیرنے کے بعد مصلّا یہ دعائیں اور ذکر کے یہ کلمات پڑھتے تھے اور دوسروں کو بھی اسی کی تعلیم دیتے تھے، اس لئے اس عاجز کے نزدیک صحیح طریق کار وہ معلوم ہوتا ہے جو حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے جِمَہ اللہ البالغہ میں اختیار فرمایا ہے۔ وہ سلام کے بعد کی ان تمام ماثور دعاؤں کا حوالہ دینے کے بعد جو حدیث کی متداول کتابوں میں مروی ہیں (اور جن میں سے اکثر ان صفحات میں بھی نقل ہو چکی ہیں) فرماتے ہیں:

پہلے ہی پڑھے جائیں، کیونکہ اس سلسلہ کی بعض مدیثوں میں تو اس کی بالکل تصریح ہے اور بعض کے الفاظ کا ظاہری تقاضا یہی ہے..... رہی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی یہ حدیث کہ: ”آنحضرت ﷺ سلام پھیرنے کے بعد صرف اللیۃ انت السلام..... کہنے کے بعد ہی بیٹھے تھے“ تو اس کی کئی توجہیں کی جاسکتی ہیں۔ مثلاً کہا جاسکتا ہے کہ حضرت صدیقہ کا مطلب یہ ہے کہ سلام پھیرنے کے بعد آپ نماز کی ہیئت پر صرف اسی قدر بیٹھے تھے، اس کے بعد نشست بدل دیجئے تھے اور دائیں جانب یا بائیں جانب یا مقتدیوں کی طرف رخ کر کے بیٹھ جاتے تھے۔ (جیسا کہ آپ کا یہ معمول بعض روایات سے بھی معلوم ہوتا ہے) اور یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کا مطلب یہ نہیں ہے کہ آپ ہمیشہ ایسا ہی کرتے تھے، بلکہ مطلب یہ ہے کہ گاہ بگاہ ایسا بھی ہوتا تھا کہ آپ سلام پھیرنے کے بعد صرف اللیۃ انت السلام..... پڑھ کے اٹھ جاتے تھے اور ایسا آپ غالباً اس لئے کرتے تھے کہ لوگوں کو آپ کے عمل سے ان معلوم ہو جائے کہ سلام کے بعد ان دعاؤں اور ذکر کے ان کلمات کا پڑھنا فرض یا واجب نہیں ہے، بلکہ اس کا درجہ ایک مستحب اور نفلی عبادت کا ہے۔ (تجۃ اللہ آبادی - بعد ثانی ص ۱۲)

فائدہ..... سلام کے بعد ذکر و دعا کے بارے میں جو حدیثیں اوپر مذکور ہوئیں ان سے یہ تو معلوم ہو چکا کہ نماز کے خاتمہ پر یعنی سلام کے بعد ذکر و دعا رسول اللہ ﷺ سے عملاً بھی ثابت ہے اور تعلیماً بھی، اور اس سے انکار کی گنجائش نہیں ہے۔ لیکن یہ جو رواج ہے کہ سلام پھیرنے کے بعد دعا میں بھی مقتدی نماز ہی کی طرح نام کے پابند رہتے ہیں۔ حتیٰ کہ اگر کسی کو جلدی جانے کی ضرورت ہو تب بھی امام سے پہلے اس کا اٹھ جانا برا سمجھا جاتا ہے، یہ بالکل بے اصل ہے بلکہ قابل اصلاح ہے، امامت اور اقتداء کا رابطہ سلام پھیرنے پر ختم ہو جاتا ہے، اس لئے سلام کے بعد دعا میں امام کی اقتداء اور پابندی ضروری نہیں، چاہے تو مختصر دعا کر کے امام سے پہلے اٹھ جائے اور چاہے تو اپنے ذوق اور کیف کے مطابق دیر تک دعا کرتا رہے۔

سنتیں اور نوافل

شب و روز میں پانچ نمازیں تو فرض کی گئی ہیں اور وہ گویا اسلام کا رکن رکن اور لازمہ ایمان ہیں۔ ان کے علاوہ ان ہی کے آگے پیچھے اور دوسرے اوقات میں بھی کچھ رکعتیں پڑھنے کی ترغیب و تعلیم رسول اللہ ﷺ نے دی ہے۔ پھر ان میں سے جن کے لئے آپ ﷺ نے تاکید کی الفاظ فرمائے یا دوسروں کو ترغیب دی ہے۔ یہ سب سنتیں ہیں جن کا آپ ﷺ نے عملاً بہت زیادہ اہتمام فرمایا ان کو عرف عام میں "سنت" کہا جاتا ہے اور ان کے ساتھ ساتھ (نوافل) کے اصل معنی زوائد کے ہیں اور حدیثوں میں فرض نمازوں کے علاوہ باقی سب نمازوں کو (نوافل) کہا گیا ہے۔

پھر جن سنتوں یا نفلوں کو فرضوں سے پہلے پڑھنے کی تعلیم دی گئی ہے، بظاہر ان کی خاص حکمت اور مصلحت یہ ہے کہ فرض نماز جو اللہ تعالیٰ کے دربار عالی کی خاص الخاص حضوری ہے (اور اسی وجہ سے وہ اجتماعی طور پر اور مسجد میں ادا کی جاتی ہے) اس میں مشغول ہونے سے پہلے انفرادی طور پر دو چار رکعتیں پڑھ کے دل کو اس دربار سے آشنا اور مانوس کر لیا جائے، اور علماء اعلیٰ سے ایک قرب و مناسبت پیدا کر لی جائے۔ اور جن سنتوں یا نفلوں کو فرضوں کے بعد پڑھنے کی تعلیم دی گئی ہے، ان کی حکمت اور مصلحت بظاہر یہ معلوم ہوتی ہے کہ فرض نماز کی ادائیگی میں جو قصور رہ گیا ہو اس کا کچھ تدارک بعد واپس ان سنتوں اور نفلوں سے ہو جائے۔ (بطور جملہ معترضہ کے یہیں یہ بھی سمجھ لینا چاہیے کہ جن نمازوں سے پہلے یا بعد میں سنتیں یا نفلیں پڑھنے کی ترغیب نہیں دی گئی ہے یا صراحتاً منع کیا گیا ہے، اس کی کوئی خاص حکمت اور مصلحت ہے جو انشاء اللہ اسے موقع پر ذکر کی جائے گی)۔

فرضوں کے آگے یا پیچھے والے سنن و نوافل کے علاوہ جن نوافل کی مستقل حیثیت ہے مثلاً دن میں اور رات میں یہ دراصل تقرب الی اللہ کے خاص طائیفین کے لیے ترقی اور تخصص کا مخصوص نصاب ہے۔

اس مختصر تمہید کے بعد سنن و نوافل سے متعلق حدیثیں پڑھئے۔

دن رات کی مؤکد سنتیں

عَنْ أُمِّ حَبِيبَةَ كَانَتْ لِرَسُولِ اللَّهِ ﷺ صَلَاتٌ فِي يَوْمٍ وَلَيْلَةٍ بِنِتْنِ عَشْرَةِ رَكْعَةٍ بَنَى لَهُ بَيْتٌ فِي الْجَنَّةِ أَرْبَعًا قَبْلَ الظُّهْرِ وَرَكْعَتَيْنِ بَعْدَهَا وَرَكْعَتَيْنِ بَعْدَ الْمَغْرِبِ وَرَكْعَتَيْنِ بَعْدَ الْعِشَاءِ وَرَكْعَتَيْنِ قَبْلَ صَلَاةِ الْفَجْرِ . (رواہ الترمذی)

ام المؤمنین حضرت ام حبیبہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص دن رات میں بارہ رکعتیں (علاوہ فرض نمازوں کے) پڑھے اس کے لئے جنت میں ایک گھر تیار کیا جائے گا (ان بارہ کی

تفصیل یہ ہے) ۴ ظہر سے پہلے اور ۲ ظہر کے بعد اور ۲ مغرب کے بعد اور ۲ عشاء کے بعد اور ۲ فجر سے پہلے۔ (بیان تہذیبی)

(حضرت ام حبیبہؓ کی یہ روایت صحیح مسلم میں بھی ہے، لیکن اس میں رکعات کی تفصیل مذکور نہیں ہے۔) تشریح..... اس حدیث میں ظہر سے پہلے چار رکعت سنت کا ذکر ہے۔ بالکل اسی مضمون کی ایک حدیث سنن نسائی وغیرہ میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے بھی مروی ہے اور صحیح مسلم میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ہی کی روایت سے رسول اللہ ﷺ کا عمل بھی یہی مروی ہے کہ: ”آپ ﷺ ظہر سے پہلے گھر میں چار رکعت سنت پڑھتے تھے، اس کے بعد جاکر مسجد میں ظہر کی نماز پڑھاتے تھے پھر گھر میں تشریف لا کر ۲ رکعتیں پڑھتے تھے، اسی طرح مغرب کی نماز پڑھانے کے بعد گھر میں تشریف لاتے تھے اور ۲ رکعتیں پڑھتے تھے، پھر عشاء کی نماز پڑھانے کے بعد بھی گھر میں تشریف لا کر ۲ رکعتیں پڑھتے تھے۔ آخر میں فرمائی ہیں پھر جب صبح صادق ہو جاتی تو فجر سے پہلے ۲ رکعتیں پڑھتے تھے۔“ لیکن بعض حدیثوں میں ظہر سے پہلے بجائے ۴ رکعت کے ۲ رکعت پڑھنے کا ذکر بھی ہے جیسا کہ آگے درج ہونے والی حدیث سے معلوم ہوگا۔

(۱۸۱) عَنْ ابْنِ عُمَرَ لَالٍ صَلَّيْتُ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ رَكَعَتَيْنِ قَبْلَ الظُّهْرِ وَ رَكَعَتَيْنِ بَعْدَهَا وَ رَكَعَتَيْنِ بَعْدَ الْمَغْرِبِ فِي نِيَّهِ وَ رَكَعَتَيْنِ بَعْدَ الْعِشَاءِ فِي نِيَّهِ لَالٍ وَ حَدَّثَنِي حَفْصَةُ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ كَانَ يُصَلِّي رَكَعَتَيْنِ خَفِيفَتَيْنِ حِينَ يَطْلُعُ الْفَجْرُ . (رواہ البخاری و مسلم)

تشریح..... حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ دو رکعتیں پڑھی ہیں، ظہر سے پہلے اور دو رکعتیں ظہر کے بعد، اور دو رکعتیں مغرب کے بعد آپ کے گھر میں، اور دو رکعتیں عشاء کے بعد آپ کے گھر میں، اور مجھ سے بیان کیا میری بہن ام المؤمنین حفصہؓ نے کہ رسول اللہ ﷺ دو ہلکی ہلکی رکعتیں پڑھتے تھے صبح صادق ہو جانے پر۔ (صحیح بخاری، صحیح مسلم)

تشریح..... اس حدیث میں ظہر سے پہلے دو رکعت پڑھنے کا ذکر ہے۔ اس سلسلہ کی تمام حدیثوں کو سامنے رکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ ظہر سے پہلے اکثر و بیشتر چار رکعت پڑھتے تھے، اور کبھی کبھی صرف دو بھی پڑھتے تھے۔ بہر حال دونوں ہی عمل آپ سے ثابت ہیں اور جس پر بھی عمل کیا جائے سنت ادا ہو جائے گی۔ اس ناچیز نے بعض اہل علم کو دیکھا ہے کہ وہ ظہر سے پہلے اکثر و بیشتر ۴ رکعت سنت پڑھتے ہیں۔ لیکن جب دیکھتے ہیں کہ جماعت کا وقت قریب ہے تو صرف ۲ رکعت پراکتفا کرتے ہیں۔

مندرجہ بالا ان حدیثوں میں جن ۱۲ رکعت یا ۱۰ رکعت سنتوں کا ذکر ہے، چونکہ رسول اللہ ﷺ عملان کا زیادہ اہتمام فرماتے تھے اور ان میں سے بعض کے متعلق آپ نے خاص تاکید بھی فرمائی ہے اس لئے ان کو سنت مؤکدہ سمجھا گیا ہے۔ ان میں سب سے زیادہ تاکید آپ نے فجر کی سنتوں کے بارے میں فرمائی ہے۔

فجر کی سنتوں کی خاص اہمیت اور فضیلت

(۱۸۲) عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا لَأَلَّ لَئَلُ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ رَكْعَتَا الْفَجْرِ خَيْرٌ مِنَ اللَّيْلِ وَمَا فِيهَا. (رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: فجر کی دو رکعت سنت دنیا و مافیہا سے بہتر ہیں۔ (صحیح مسلم)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ آخرت میں فجر کی دو رکعت سنت کا جو ثواب ملے والا ہے وہ ”دنیا اور جو کچھ دنیا میں ہے“ اس سب سے زیادہ قیمتی اور کارآمد ہے۔ دنیا و مافیہا سب فانی ہے اور ثواب آخرت باقی غیر فانی ہے۔ اس حقیقت کا پورا انکشاف بلکہ مشاہدہ انشاء اللہ ہم سب کو آخرت میں ہو جائے گا۔

(۱۸۳) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ لَأَلَّ لَئَلُ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ لَا تَدْعُوهُمَا وَإِنْ مَرَدَنْتُكُمُ الْخَبَلُ - (رواہ ابو داؤد)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ فجر کی دو رکعت سنت نہ چھوڑو اگرچہ حالت یہ ہو کہ گھوڑے تم کو دوڑا رہے ہوں۔ (مطلب یہ ہے کہ اگر تم سفر میں ہو اور گھوڑوں کی پشت پر تیزی سے منزلیں طے کر رہے ہو تب بھی فجر کی سنتیں نہ چھوڑو)۔ (سنن ابی داؤد)

(۱۸۴) عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا لَأَلَّ لَئَلُ لَمْ يَكُنِ النَّبِيُّ ﷺ عَلَى فَنِيٍّ مِنَ التَّوَابِلِ أَقَلَّ تَعَامُلًا مِنْهُ عَلَى رَكْعَتِي الْفَجْرِ. (رواہ البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سنتوں اور نفلوں میں سے کسی نماز کا بھی اتنا اہتمام نہیں فرماتے تھے جتنا کہ فجر سے پہلے کی دو رکعتوں کا فرماتے تھے۔ (صحیح بخاری، صحیح مسلم)

(۱۸۵) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ لَأَلَّ لَئَلُ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ مَنْ لَمْ يُصَلِّ رَكْعَتِي الْفَجْرِ لِلْيَصْلِيْهِمَا بَعْدَ مَا تَطْلُعُ الشَّمْسُ. (رواہ الترمذی)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے فجر کی سنتیں نہ پڑھی ہوں اس کو چاہئے کہ وہ سورج نکلنے کے بعد ان کو پڑھے۔ (جامع ترمذی)

فجر کے علاوہ دوسرے اوقات کے سنن و نوافل کی فضیلت

(۱۸۶) عَنْ أَبِي أَيُّوبَ الْأَنْصَارِيِّ لَأَلَّ لَئَلُ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ أَرْبَعٌ قَبْلَ الظُّهْرِ لَيْسَ فِيْهِنَّ تَسْلِيمٌ تُفْتَحُ لَهُنَّ أَبْوَابُ السَّمَاءِ. (رواہ ابو داؤد و ابن ماجہ)

ترجمہ: حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ظہر سے پہلے کی چار رکعتیں جن کے درمیان میں سلام نہ پھیرا جائے، یعنی چار مسلسل پڑھی جائیں۔ ان کے لئے آسمان کے دروازے کھل جاتے ہیں۔ (سنن ابی داؤد، سنن ابن ماجہ)

۱۸۸۷ عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ إِذَا لَمْ يُصَلِّ أَرْبَعًا لَبَّيْكَ الظُّهْرَ صَلَاةً بَعْدَهَا . . .

... حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا معمول تھا کہ ظہر سے پہلے کی چار رکعتیں جب آپ نے نہیں پڑھی ہوئی تھیں تو آپ ان کو ظہر سے فارغ ہونے کے بعد پڑھتے تھے۔

ترجمہ: ابن ماجہ کی روایت میں یہ تصریح ہے کہ ایسی صورت میں ظہر سے پہلے والی چار رکعتیں آپ بعد والی دو رکعتوں کے بعد پڑھتے تھے۔

۱۸۸۸ عَنْ أُمِّ حَبِيبَةَ لَأَلَّتْ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ مِنْ خَالِطٍ عَلَى أَرْبَعٍ رَكَعَاتٍ لَبَّيْكَ الظُّهْرَ وَأَرْبَعٍ

بَعْدَهَا حَرَمَهُ اللَّهُ عَلَى النَّاسِ . . .

... حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو کوئی ظہر سے پہلے چار رکعتیں اور ظہر کے بعد چار رکعتیں برابر پڑھا کرے اللہ تعالیٰ اس کو دوزخ کی آگ پر حرام کر دے گا۔

بعض شارحین نے لکھا ہے کہ ظہر کے بعد رسول اللہ ﷺ سے چونکہ دو ہی رکعت پڑھنا زیادہ ثابت ہے (جیسا کہ حضرت عائشہ صدیقہ، حضرت عبداللہ بن عمر اور خود حضرت ام حبیبہ (رضی اللہ عنہم) کی مندرجہ بالا حدیثوں سے معلوم ہو چکا ہے) اس لئے ظہر کے بعد مؤکدہ سنت تو صرف دو ہی رکعت ہے، البتہ چار رکعت پڑھنے کی صورت یہ ہوئی کہ ان مؤکدہ دو رکعت کے علاوہ مزید دو رکعتیں نفل پڑھی جائیں۔
فہم: ہمارے دیار میں ظہر کی دو سنتوں کے بعد مزید دو نفل پڑھنے کا کافی رواج ہے، لیکن اکثر عوام ان نفسوں کو (بلکہ عام طور سے ہر وقت کے نوافل کو) بیٹھ کے پڑھتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ نوافل بیٹھ کے ہی پڑھنے چاہئیں، حالانکہ یہ سراسر غلط ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی صریح حدیث ہے کہ بیٹھ کے نماز پڑھنے کا ثواب کھڑے ہو کر پڑھنے کے مقابلے میں آدھا ملے گا۔

۱۸۸۹ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو لَأَلَّ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ رَحِمَ اللَّهُ امْرَأً صَلَّى لَبَّيْكَ الْغُضْرِ أَرْبَعًا -

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ کی رحمت اس بندے پر جو پڑھے عصر سے پہلے چار رکعتیں۔

ترجمہ: عصر سے پہلے چار رکعت نفل کے بارے میں یہ آپ کا ترقیبی ارشاد ہے اور اسی کے مطابق آپ کا عمل بھی روایت کیا گیا ہے، اور کبھی کبھی عصر سے پہلے دو رکعت پڑھنا بھی آپ سے ثابت ہے۔

۱۹۰ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَمَّارٍ بْنِ يَاسِرٍ لَأَلَّ رَأَيْتُ عَمَّارَ بْنَ يَاسِرٍ يُصَلِّي بَعْدَ الْمَغْرِبِ سِتَّ رَكَعَاتٍ وَلَأَلَّ رَأَيْتُ حَبِيبِي ﷺ يُصَلِّي بَعْدَ الْمَغْرِبِ سِتَّ رَكَعَاتٍ وَلَأَلَّ مَنْ صَلَّى بَعْدَ الْغُضْرِ

سِتُّ رَكَعَاتٍ عُفِرَتْ لَهُ ذُنُوبُهُ وَإِنْ كَانَتْ مِقْلَ زَبْدِ الْبَحْرِ . (رواہ الطبرانی)

حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے محمد بن عمار سے روایت ہے کہ میں نے اپنے والد ماجد عمار بن یاسرؓ کو دیکھا کہ وہ مغرب کے بعد چھ رکعتیں پڑھتے تھے اور بیان فرماتے تھے کہ میں نے اپنے حبیبؐ کو دیکھا کہ آپؐ مغرب کے بعد چھ رکعتیں پڑھتے تھے اور فرماتے تھے کہ جو بندہ مغرب کے بعد چھ رکعت نماز پڑھے اس کے گناہ بخش دیئے جائیں گے، اگرچہ وہ کثرت میں سمندر کے نف کے برابر ہوں۔

مغرب کے بعد دو رکعت تو سنت مؤکدہ ہیں جن کا ذکر حضرت ام حبیبہؓ، حضرت عائشہ صدیقہؓ اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی مندرجہ بالا حدیثوں میں آپکا ہے۔ ان کے علاوہ ہر رکعت نفل اور پڑھی جائیں تو ہوا جائیں گی، اور بندہ گناہوں کی مغفرت کی اس بشارت کا مستحق ہو جائے گا جو اس حدیث میں دی گئی ہے۔

عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا لَأَلْتُ مَا صَلَّى رَسُولُ اللَّهِ ﷺ الْعِشَاءَ فَوَدُّ لِي أَنْ أَصَلِّيَ أَرْبَعَ رَكَعَاتٍ أَوْ سِتًّا . (رواہ ابوداؤد)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبیؐ ایسا نہیں ہوا کہ رسول اللہ ﷺ عشاء کی نماز پڑھ کے (آرام فرمانے کے لیے) میرے پاس تشریف لائے ہوں اور آپ نے ۴ رکعتیں یا ۶ رکعتیں پڑھی ہوں۔

عشاء کے بعد دو رکعت تو سنت مؤکدہ ہے جس کا ذکر حضرت ام حبیبہؓ، حضرت عائشہ صدیقہؓ اور حضرت ابن عمرؓ وغیرہ کی مندرجہ بالا حدیثوں میں بھی ذکر پڑتا ہے۔ البتہ ایسا معدوم حالت کے رسول اللہ ﷺ عشاء کے بعد آرام فرمانے سے پہلے اس دو رکعت سنت مؤکدہ کے علاوہ ۲ رکعت اور بھی ہر رکعت مزید نفل پڑھتے تھے۔ واللہ اعلم۔

وتر

۱۹۲ عَنْ خَارِجَةَ بِنِ خُذَامَةَ لَأَلَّ خَرَجَ عَلَيْنَا رَسُولُ اللَّهِ ﷺ وَلَقَالَ إِنَّ اللَّهَ أَمَدَّكُمْ بِصَلَاةٍ هِيَ خَيْرٌ لَكُمْ مِنْ خُمْرِ النِّعَمِ الْوَفَّرَ اللَّهُ لَكُمْ لِيَمَّا بَيْنَ صَلَاةِ الْعِشَاءِ إِلَى أَنْ يَطْلُعَ الْفَجْرُ .

(رواہ ابوداؤد)

حضرت خاریجہ بن خذافہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ (کاشانہ نبوت سے) باہر تشریف لائے اور ہم سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ایک اور نماز تمہیں مزید عطا فرمائی ہے، وہ تمہارے لیے سرخ اونٹنوں سے بھی بہتر ہے (جن کو تم دنیا کی عزیز تر چیز سمجھتے ہو) وہ نماز وتر ہے، اللہ تعالیٰ نے اس کو تمہارا واسطے نماز عشاء کے بعد سے طلوع صبح صادق تک مقرر کیا ہے (یعنی وہ اس وسیع وقت کے ہر حصے میں پڑھی جاسکتی ہے)۔

(۱۹۳) عَنْ بُرَيْدَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ الْوَيْتَرُ حَقٌّ لِمَنْ لَمْ يُؤَيِّرْ لِنَفْسِهِ مِمَّا الْوَيْتَرُ حَقٌّ لِمَنْ لَمْ يُؤَيِّرْ لِنَفْسِهِ مِمَّا . (رواه ابو داؤد)

ترجمہ: حضرت بریدہ سلمی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے خوشنہا، آپ نے فرمایا: ”نماز وتر حق ہے، جو وتر ادا نہ کرے وہ ہم میں سے نہیں ہے، وتر حق ہے جو وتر ادا نہ کرے وہ ہم میں سے نہیں ہے، وتر حق ہے جو وتر ادا نہ کرے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔“ (یہ بات آپ ﷺ نے تین دفعہ ارشاد فرمائی)۔ (سنن ابی داؤد)

تشریح:..... ظاہر ہے کہ وتر کے بارے میں تشدید اور تمہید کے یہ آخری الفاظ ہیں، اسی قسم کی حدیثوں سے حضرت امام ابو حنیفہؒ نے یہ سمجھا ہے کہ وتر صرف سنت نہیں ہے بلکہ واجب ہے، یعنی اس کا درجہ فرض سے کم اور مؤکدہ سنتوں سے زیادہ ہے۔

(۱۹۴) عَنْ أَبِي سَعِيدٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مَنْ نَامَ عَنِ الْوَيْتَرِ أَزْيَبَةً فَلْيَصِلْ إِذَا ذَكَرَ أَوْاسْتَقِظَ . (رواه الترمذی و ابو داؤد و ابن ماجہ)

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص وتر سے سوتا رہ جائے (یعنی نیند کی وجہ سے اس کی نماز وتر قضا ہو جائے) یا بھول جائے، تو جب یاد آئے یا جب وہ جاگے، تو اسی وقت پڑھ لے۔ (جامع ترمذی، سنن ابی داؤد، سنن ابن ماجہ)

(۱۹۵) عَنْ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ اجْعَلُوا الْآخِرَ صَلَوتِكُمْ بِاللَّيْلِ وَتَرًا . (رواه مسلم)

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا رات میں اپنی آخری نماز وتر کو بناؤ۔ یعنی رات کی نمازوں میں تمہاری آخری نماز وتر ہو۔ (صحیح مسلم)

(۱۹۶) عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مَنْ خَافَ أَنْ لَا يَقُومَ مِنَ الْآخِرِ اللَّيْلِ فَلْيُؤَيِّرْ أَوَّلَهُ وَمَنْ طَمَعَ أَنْ يَقُومَ الْآخِرَةَ فَلْيُؤَيِّرِ الْآخِرَ اللَّيْلِ لِأَنَّ صَلَاةَ الْآخِرِ اللَّيْلِ مَشْهُودَةٌ وَذَلِكَ أَفْضَلُ . (رواه مسلم)

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس کو یہ اندیشہ ہو کہ آخری رات میں وہ اٹھ نہ سکے گا (یعنی سوتا رہ جائے گا) تو اس کو چاہئے کہ رات کے شروع ہی میں (یعنی عشاء کے ساتھ ہی) وتر پڑھ لے، اور جس کو اس کی پوری امید ہو کہ وہ (تہجد کے لئے) آخر شب میں اٹھ جائے گا تو اس کو چاہئے کہ وہ آخر شب ہی میں (یعنی تہجد کے بعد) وتر پڑھے، اس لئے کہ اس وقت کی نماز میں ملانکہ رحمت حاضر ہوتے ہیں، اور وہ وقت بڑی فضیلت کا ہے۔ (صحیح مسلم)

تشریح:..... وتر کے بارے میں عام حکم یہی ہے کہ جو ان دو حدیثوں سے معلوم ہوا، یعنی یہ کہ نماز وتر رات کی سب نمازوں کے بعد میں اور آخر میں پڑھی جائے، یعنی نوافل کے بھی بعد اور یہ کہ جس کسی کو اخیر شب میں اٹھنے کے بارے میں اعتماد ہو وہ وتر شروع رات میں نہ پڑھے بلکہ آخر شب میں تہجد کے ساتھ پڑھے، اور

جس کو یہ اعتماد نہ ہو وہ شروع رات ہی پڑھ لیا کرے۔ لیکن بعض صحابہؓ کو رسول اللہ ﷺ نے ان کے خاص حالات کی بناء پر شروع رات ہی میں وتر پڑھ لینے کی ہدایت فرمائی تھی۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بھی انہی میں سے تھے۔ صحیح بخاری و صحیح مسلم میں ان کا یہ بیان موجود ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے وہ چند خاص وصیتیں فرمائی تھیں ان میں سے ایک یہ بھی تھی کہ: ”میں شروع رات ہی میں وتر پڑھ لیا کروں۔“

(۱۹۷) عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ أَبِي قَتَيْبٍ لَأَنَّ سَأَلْتُ عَائِشَةَ بِحُكْمِ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يُؤْتِرُ؟ لَأَنَّ كَانَ يُؤْتِرُ بِأَرْبَعٍ وَكَلْبٍ وَسَبْعَةٍ وَكَلْبٍ وَكَلْبَانٍ وَكَلْبٍ وَعَظْمٍ وَكَلْبٍ وَلَمْ يَكُنْ يُؤْتِرُ بِالْقَصْرِ مِنْ سَبْعٍ وَلَا بِأَكْثَرٍ مِنْ ثَلَاثِ عَشْرَةٍ۔

(رواہ ابو داؤد)

ترجمہ: عبداللہ بن ابی قتیس تابعی سے روایت ہے کہ میں نے ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے دریافت کیا کہ رسول اللہ ﷺ کتنی رکعت وتر پڑھتے تھے؟۔ انہوں نے فرمایا کہ: چار اور تین اور چھ اور تین اور آٹھ اور تین اور دس اور تین۔ اور سات رکعت سے کم اور تیرہ رکعت سے زیادہ وتر نہیں پڑھتے تھے۔ (سنن ابی داؤد)

تشریح:..... بعض صحابہ کرامؓ تہجد اور وتر کے مجموعے کو بھی وتر ہی کہا کرتے تھے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا طریقہ بھی یہی تھا، انہوں نے اس حدیث میں عبداللہ بن ابی قتیس کے سوال کا جواب بھی اسی اصول پر دیا ہے۔ ان کا مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ وتر کی تین رکعتوں سے پہلے تہجد کبھی صرف چار رکعت پڑھتے تھے، کبھی چھ رکعت کبھی آٹھ رکعت اور کبھی دس رکعت، لیکن چار رکعت سے کم اور دس رکعت سے زیادہ تہجد پڑھنے کا آپ کا معمول نہیں تھا اور تہجد کی ان رکعتوں کے بعد آپ ﷺ وتر کی تین رکعتیں پڑھتے تھے۔

وتر میں قرأت

(۱۹۸) عَنْ عَبْدِ الْعَزِيزِ بْنِ جَرَّاحٍ لَأَنَّ سَأَلْنَا عَائِشَةَ بِأَيِّ خُفْيَ كَانَ يُؤْتِرُ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ؟ لَأَنَّ كَانَ يَقْرَأُ فِي الْأَوَّلَى بِسَبْحِ اسْمِ رَبِّكَ الْأَعْلَى وَلِی الثَّانِيَةِ بِقُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ وَلِی الثَّالِثَةِ بِقُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ وَالْمُعَوِّذَتَيْنِ۔

(رواہ الترمذی و ابو داؤد)

ترجمہ: عبدالعزیز بن جرّاح تابعی بیان کرتے ہیں کہ ہم نے ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے دریافت کیا کہ:۔ رسول اللہ ﷺ وتر میں کون کون سی سورتیں پڑھتے تھے؟۔ انہوں نے فرمایا کہ پہلی رکعت میں آپ ﷺ ”سبح اسم ربك الاعلیٰ“ پڑھتے تھے اور دوسری میں قل یا ایہا الکفرون اور تیسری رکعت میں قل هو اللہ احد اور معوذتین (یعنی قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس)۔ (جامع ترمذی، سنن ابی داؤد)

تشریح:..... وتر کی پہلی رکعت میں سبح اسم ربك الاعلیٰ دوسری میں قل یا ایہا الکفرون اور تیسری رکعت

میں حضرت ابی بن کعب اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے بھی روایت کیا ہے، لیکن ان دونوں حضرات نے تیسری رکعت میں سے کچھ پڑھنے کا ذکر نہیں کیا معلوم ہوتا ہے کہ کبھی آپ ﷺ تیسری رکعت میں صرف سورۃ احلاس پڑھتے تھے اور کبھی اسی کے ساتھ معوذتین بھی۔ واللہ اعلم

ترجمہ

۱۹۹. عَنْ الْحَسَنِ بْنِ عَلِيٍّ قَالَ عَلَّمَنِي رَسُولُ اللَّهِ ﷺ كَلِمَاتٍ أَلْوَلَهُنَّ فِي قُنُوتِ الْوُتُو الرُّلَّهُمُ اهْدِنِي لِي مِنْ هَذِهِتْ وَعَالِيِي فِيمَنْ عَالِيَتْ وَتَوَلَّيْنِي فِي مَنْ تَوَلَّيْتُ وَبَارِكْ لِي فِيمَا عَطَيْتْ وَلِيْنِي خَيْرَ مَا لَصِقَتْ لِأَنْتَ تَقْضِي وَلَا يَقْضِي عَلَيْكَ إِنَّهُ لَا يَدُلُّ مَنْ وَالَيْتَ تَبَارَكْتَ رَبَّنَا وَتَعَالَيْتْ

حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ مجھے رسول اللہ ﷺ نے چند کلمے تعلیم فرمائے جن کو میں قنوت وتر میں پڑھتا ہوں۔ اے اللہ جن بندوں کو تو ہدایت عطا فرمائے ان کے ساتھ مجھے بھی ہدایت دے اور جن کو عافیت (یعنی دنیا اور آخرت کی تمام بلاؤں سے سبھامتی) عطا فرمائے ان کے ساتھ مجھے بھی عافیت دے، اور میرا متولی اور کارساز بن جاان بندوں کے ساتھ جن کا تو کارساز بنے، اور مجھے برکت دے ان تمام چیزوں میں جو تو مجھے عطا فرمائے اور اچھے فیصلوں کے اثرات بد سے میری حفاظت فرما، تو ہی سارے فیصلے کرتا اور احکام جاری کرتا اور تجھ پر کسی کا حکم نہیں چلتا، بلاشبہ جس سے تیری دوستی ہو وہ ذلیل و خوار نہیں (دوہرہ حال میں مقررہ ہے) تو درست والا ہے اور تیری تان بلند ہے اے میرے مالک اور پروردگار۔

(جامع ترمذی، سنن ابی اللہ، سنن ابی ماجہ، سنن دارمی)

ترجمہ: اس قنوت کی بعض روایات میں کے بعد بھی روایت کیا گیا ہے جس کا مطلب ہے کہ جس سے تیری دشمنی ہو وہ کسی حال میں باعزت نہیں۔ اور بعض روایات میں سے کہ بعد بھی روایت کیا گیا ہے۔ یعنی اے میرے رب میں تجھ سے گناہوں کی مغفرت اور بخشش مانگتا ہوں اور تیری طرف رجوع کرتا ہوں۔ اور بعض روایات میں توبہ اور استغفار کے اس کلمہ کے بعد اس درود کا بھی اضافہ ہے

(اللہ تعالیٰ رحمتیں نازل فرمائے، اپنے نبی پاک پر)۔ اکثر ائمہ اور علماء نے وتر میں پڑھنے کے لیے اسی قنوت کو اختیار فرمایا ہے۔ حنفیہ میں جو قنوت رائج ہے اس کو امام ابن ابی شیبہ

اور امام طحاوی وغیرہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ علامہ شامی نے بعض اکابر احناف سے نقل کیا ہے کہ بہتر یہ ہے کہ بعد اس کے ساتھ حضرت حسن بن علیؓ کی یہ قنوت بھی پڑھی جائے۔

(۲۰۰) عَنْ عَلِيٍّ ابْنِ النُّعْمَانِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَقُولُ فِي أَحَبِّ وَتَرِهِ . اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنْ سَخَطِكَ وَبِمَعَالِيقِكَ مِنْ عُقُوبَتِكَ وَأَعُوذُ بِكَ مِنْكَ لَا أَحْصِي ثَنَاءً عَلَيْكَ أَنْتَ كَمَا أَثَنْتَ عَلَى نَفْسِكَ . (رواہ ابو داؤد و الترمذی و السنن و ابن ماجہ)

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کہ رسول اللہ ﷺ اپنے وتر کے آخر میں یہ دعا کیا کرتے تھے اللہم! میں تجھ سے سب سے زیادہ ڈرتا ہوں اور تیری عتاب سے تیری عافیت بخشی کی پناہ لیتا ہوں اور تجھ سے تیری پناہ لیتا ہوں، مجھ سے تیری شرافت کا حق ادا نہیں ہو سکتا (بس یہی عرض کر سکتا ہوں کہ) تو ویسا ہی ہے جیسا کہ تو نے اپنی شان و شوکت کا بیان کیا ہے۔ (سنن ابی داؤد، جامع ترمذی، سنن نسائی، سنن ابن ماجہ)

ترجمہ..... سبحان اللہ! کیسا لطیف مضمون ہے اس دعا کا، حاصل پوری دعا کا یہ ہے کہ اللہ کی ناراضی، اللہ کی سزا، اللہ کی پکڑ اور اس کے جلال سے کوئی جائے پناہ نہیں، بس اسی کی رحمت و عنایت اور اسی کی کریم ذات پناہ دے سکتی ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اس حدیث میں صرف اتنا مذکور ہے کہ ”رسول اللہ ﷺ یہ دعا اپنے وتر کے آخر میں کرتے تھے“۔ اس کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آپ تیسری رکعت میں قنوت کے طور پر یہ دعا کرتے تھے، اور بعض ائمہ اور علماء نے یہی سمجھا ہے۔ اور یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ وتر کے آخری قعدہ میں سلام سے پہلے یا سلام کے بعد آپ یہ دعا کرتے تھے، اور یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ وتر کے آخری سجدوں میں آپ یہ دعا کرتے تھے۔ صحیح مسلم میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ ایک دفعہ انہوں نے رات کی نماز کے سجدے میں رسول اللہ ﷺ کو یہی دعا کرتے ہوئے سنا تھا۔ بہر حال ان سب ہی صورتوں کی گنجائش ہے، اللہ تعالیٰ عمل کی توفیق دے۔

(۲۰۱) عَنْ أَبِي بَكْرٍ كَعْبٍ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِذَا سَلَّمَ فِي الْوُتْرِ قَالَ سُبْحَانَ الْمَلِكِ الْقُدُّوسِ (رواہ ابو داؤد و السنن و زاد "ثلاث مرات بطل")

ترجمہ..... حضرت ابی بکر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب وتر کا سلام پھیرتے تھے تو کہتے تھے سبحان الملك القدوس۔ (سنن ابی داؤد، سنن نسائی)

نسائی کی روایت میں یہ اضافہ بھی ہے کہ آپ یہ کلمہ تین دفعہ کہتے تھے، اور اس کو طویل کرتے تھے (یعنی کھینچ کر پڑھتے تھے)۔ اور بعض روایات میں ہے کہ ”ویرفع صوته بالثناء“ یعنی آپ ﷺ یہ کلمہ تیسری دفعہ بلند آواز سے کہتے تھے۔

وتر کے بعد کی دو رکعت نفل

(۲۰۲) عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُصَلِّي بَعْدَ الْوُتْرِ رَكْعَتَيْنِ .

(رواہ الترمذی و زاد ابن ماجہ "حفيظين وهو حالس")

ترجمہ: حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ وتر کے بعد دو رکعتیں اور پڑھتے تھے۔

(جامع ترمذی)

اس حدیث کو ابن ماجہ نے بھی روایت کیا ہے اور اس میں یہ اضافہ کیا ہے کہ آپ ﷺ وتر کے بعد کی یہ دو رکعتیں ہلکی ہلکی اور بیٹھ کر پڑھتے تھے۔

ترجمہ:..... وتر کے بعد دو رکعتیں بیٹھ کر پڑھنا رسول اللہ ﷺ سے حضرت ام سلمہ کے علاوہ حضرت عائشہ صدیقہ اور حضرت ابومامہ نے بھی روایت کیا ہے۔ انہی احادیث کی بناء پر بعض علماء وتر کے بعد کی ان دو رکعتوں کا بیٹھ کر پڑھنا ہی افضل سمجھتے ہیں۔ لیکن دوسرے حضرات فرماتے ہیں کہ اس بارے میں عام امتیوں کو رسول اللہ ﷺ پر قیاس نہیں کیا جاسکتا۔ صحیح مسلم میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ کو بیٹھ کر نماز پڑھتے ہوئے دیکھا تو دریافت کیا کہ مجھے تو کسی نے آپ کے حوالے سے یہ بتایا کہ بیٹھ کر نماز پڑھنے والے کو کھڑے ہو کر پڑھنے والے سے آدھا ثواب ملتا ہے، اور آپ بیٹھ کر پڑھ رہے ہیں؟۔ آپ نے ارشاد فرمایا ہاں مسئلہ وہی ہے (یعنی بیٹھ کر نماز پڑھنے کا ثواب کھڑے ہو کر پڑھنے کے مقابلے میں آدھا ہوتا ہے) لیکن میں اس معاملہ میں تمہاری طرح نہیں ہوں، میرے ساتھ اللہ کا معاملہ استثنائی ہے، یعنی مجھے بیٹھ کر پڑھنے کا بھی پورا ثواب ملتا ہے۔

اس حدیث کی بناء پر اکثر علماء اس کے قائل ہیں کہ وتر کے بعد ان دو رکعتوں کے لئے کوئی الگ اصول نہیں ہے، بلکہ وہی عام اصول اور قاعدہ ہے کہ بیٹھ کر پڑھنے کا ثواب کھڑے ہو کر پڑھنے کے مقابلے میں آدھا ہوگا۔ واللہ اعلم۔

وتر کے بارے میں یہ حدیث اوپر گزر چکی ہے کہ ”وترات کی سب سے آخری نماز ہونی چاہئے، وتر کے بعد یہ دو رکعتیں پڑھنا اس حدیث کے خلاف نہیں ہوگا، کیونکہ یہ دو رکعتیں دراصل وتر ہی کی تابع ہیں، ان کی کوئی مستقل حیثیت نہیں ہے۔

قیام لیل یا تہجد۔ اس کی فضیلت اور اہمیت

عشاء اور فجر کے درمیان کوئی نماز فرض نہیں کی گئی ہے۔ اگر عشاء اول وقت ہی میں پڑھ لی جائے یا کچھ دیر کر کے بھی پڑھی جائے تو فجر تک بہت بڑا وقت خالی رہ جاتا ہے، حالانکہ یہ وقت اس لحاظ سے نہایت قیمتی ہوتا ہے کہ فضا میں جیسا سکون رات کے سناٹے میں ہوتا ہے ایسا دوسرے کسی وقت میں نہیں ہوتا، اور اگر عشاء کے بعد آدمی کچھ دیر کے لیے سو جائے اور آدھی رات گزرنے کے بعد کسی وقت اٹھ جائے (جو تہجد کا اصلی وقت ہے) تو پھر اس وقت جیسی یکسوئی اور دلجمعی کے ساتھ نماز نصیب ہو جاتی ہے وہ دوسرے وقت نصیب نہیں ہوتی، علاوہ ازیں اس وقت بستر چھوڑ کے نماز پڑھنا نفس کی ریاضت اور تربیت کا بھی خاص وسیلہ ہے۔ قرآن مجید میں بھی فرمایا گیا ہے:

”ان ناشئة الليل هي اشد وطأ و افوم قليلا رات میں نماز کے لیے کھڑا ہونا نفس کو بہت زیادہ

دبانے والا عمل ہے اور اس وقت (دعا یا قرأت میں) جو زبان سے نکلتا ہے وہ بالکل ٹھیک اور دل کے مطابق (یعنی دل سے نکلتا ہے)۔ دوسری جگہ قرآن مجید میں ایسے بندوں کی تعریف ان الفاظ میں کی گئی ہے

”تَتَجَاوَى جُنُوبَهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُونَ رَبَّهُمْ خَوْلاً وَطَمَعًا“

(ان کے پہلو (اس وقت میں جو لوگوں کے سونے کا خاص وقت ہے) خواب گاہوں سے الگ رہتے ہیں، وہ اس وقت اپنے پروردگار سے امید و بیم کے ساتھ دعائیں کرتے ہیں) آگے فرمایا گیا ہے کہ ان بندوں کے اس عمل کا جو انعام اور صلہ جنت میں ملنے والا ہے۔ جس میں ان کی آنکھوں کی ٹھنڈک کا پورا سامان ہے، اس کو اللہ کے سوا کوئی بھی نہیں جانتا۔ (اسنید)

اور قرآن مجید میں ایک موقع پر رسول اللہ ﷺ کو تہجد کا حکم دینے کے ساتھ آپ کو ”مقام محمود“ کی امید دلائی گئی ہے۔ فرمایا گیا ہے:

”وَمِنَ اللَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهِ نَافِلَةً لَّكَ عَسَىٰ أَنْ يَبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُودًا“

اور اے نبی (ﷺ) آپ اس قرآن کے ساتھ تہجد پڑھئے (یعنی تہجد میں خوب قرآن پڑھا کیجئے) یہ حکم آپ کے لئے زائد اور مخصوص ہے، امید رکھنا چاہئے کہ آپ کو آپ کا رب ”مقام محمود“ پر فائز کرے گا۔

”مقام محمود“ عالم آخرت میں اور جنت میں بلند ترین مقام ہو گا۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ ”مقام محمود“ اور نماز تہجد میں کوئی خاص نسبت اور تعلق ہے، اس لئے جو امتی نماز تہجد سے شغف رکھیں گے انشاء اللہ ”مقام محمود“ میں کسی درجہ کی حضور ﷺ کی رفاقت ان کو بھی نصیب ہو گی۔

احادیث صحیحہ سے معلوم ہوتا ہے کہ رات کے آخری حصے میں اللہ تعالیٰ اپنے پورے لطف و کرم اور اپنی خاص شان رحمت کے ساتھ اپنے بندوں کی طرف متوجہ ہوتا ہے، اور جن بندوں کو ان باتوں کا کچھ احساس و شعور بخشا گیا ہے وہ اس مبارک وقت کی خاص برکات کو محسوس بھی کرتے ہیں۔ اس تمہید کے بعد اب قیام لیل اور تہجد سے متعلق حدیثیں پڑھئے۔

۲۰۳ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يَنْزِلُ رَبُّنَا تَبَارَكَ وَتَعَالَى كُلَّ لَيْلَةٍ إِلَى السَّمَاءِ الدُّنْيَا حَتَّى يَبْغِيَ لَكَ اللَّيْلُ الْأَخِيرَ يُقُولُ مَنْ يَدْعُونِي لَأَسْتَجِيبَ لَهُ مَنْ يَسْأَلُنِي لَأُعْطِيَهُ مَنْ يَسْتَغْفِرُنِي لَأَغْفِرَ لَهُ . (رواہ البخاری و مسلم)

ترجمہ۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہمارا مالک اور رب تبارک و تعالیٰ ہر رات کو جس وقت آخری تہائی رات باقی رہ جاتی ہے سماء دنیا کی طرف نزول فرماتا ہے، اور ارشاد فرماتا ہے کون ہے جو مجھ سے دعا کرے اور میں اس کی دعا قبول کروں۔ کون ہے جو مجھ سے مانگے، میں اس کو عطا کروں۔ کون ہے جو مجھ سے مغفرت اور بخشش چاہے، میں اس کو بخش دوں۔ (صحیح بخاری و مسلم)

تشریح..... سماء دنیا کی طرف اللہ تعالیٰ کا نزول فرماتا جس کا اس حدیث میں ذکر ہے، اللہ تعالیٰ کی ایک صفت اور

اس کا ایک فعل ہے جس کی حقیقت ہم نہیں جانتے، جس طرح یہ اللہ، وجہ اللہ اور استوی علی العرش اور اس کے عام صفات و افعال کی حقیقت اور کیفیت بھی ہم نہیں جانتے، اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات و افعال کی حقیقت اور کیفیت کے علم سے اپنی عاجزی اور جہالت کا اقرار و اعتراف ہی علم ہے۔ ائمہ سلف کا طریقہ اور مسلک یہی رہا ہے کہ ان کے بارے میں اپنی نارسائی اور بے علمی کا اقرار کیا جائے اور ان کی حقیقت اور کیفیت کا علم دوسرے مشابہات کی طرح خدا کے سپرد کیا جائے اور مانا جائے کہ جو بھی حقیقت ہے وہ حق ہے۔ لیکن اس حدیث کا یہ پیغام بالکل واضح ہے کہ رات کے آخری تہائی حصے میں اللہ تعالیٰ اپنی خاص شان رحمت کے ساتھ بندوں کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور حو، ان کو، عا اور سوال اور استغفار کے لئے پکارتا ہے۔ جو بند اس حقیقت پر یقین رکھتے ہیں ان کے لیے اس وقت بسترے پر سوتے رہنا، اس سے زیادہ مشکل ہوتا ہے، جتنا دوسروں کے لیے اس وقت بستر چھوڑ کر کھڑا ہونا۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے اس حقیقت کا ایسا یقین نصیب فرمائے جو اس وقت یقین کر کے اللہ تعالیٰ کے دربار کی حاضری اور دعا و سوال و استغفار کے لئے کھڑا کر دیا کرے۔

(۲۰۴) عَنْ عَمْرِو بْنِ عَبَّادَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ أَقْرَبُ مَا يَكُونُ الرَّبُّ مِنَ الْعَبْدِ فِي جَوْفِ اللَّيْلِ الْأَوَّلِ لَإِنْ اسْتَطَعْتَ أَنْ تَكُونَ مَعَهُ يَدُكَ تُرَاةً فِي بِلَاقِ السَّاعَةِ فَكُنْ (رواہ الترمذی)

حضرت عمرو بن عبادہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ بندے سے سب سے زیادہ قریب رات کے آخری درمیانی حصے میں ہوتا ہے، پس اگر تم سے ہو سکے کہ تم ان بندوں میں سے ہو جاؤ جو اس مبارک وقت میں اللہ کا ذکر کرتے ہیں تو تم ان میں ہو جاؤ۔ (احسن التلخیص)

اس حدیث میں آخری شب میں اللہ تعالیٰ کے ذکر کی ترغیب دی گئی ہے اور ذکر اگرچہ عام ہے لیکن نماز ذکر کی احلیٰ اور مکمل ترین شکل ہے کیونکہ وہ دل، زبان، اعضاء سب کے ذکر کا مجموعہ ہے۔

(۲۰۵) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ الْفَضْلُ الصَّلَاةُ بَعْدَ الصَّلَاةِ الْمَكْتُوبَةِ الصَّلَاةُ فِي جَوْفِ اللَّيْلِ . (رواہ مسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا فرض نماز کے بعد سب سے افضل درمیان رات کی نماز ہے (یعنی تہجد)۔ (احسن التلخیص)

(۲۰۶) عَنْ أَبِي أُمَامَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ عَلَيْكُمْ بِقِيَامِ اللَّيْلِ فَإِنَّهُ ذَابُ الصَّالِحِينَ قُلُوبُكُمْ وَهُوَ لَوْزَةٌ لَكُمْ إِلَى رَبِّكُمْ وَمَكْفَرَةٌ لِلْسَّيِّئَاتِ وَمَنْهَاةٌ عَنِ الْإِثْمِ . (رواہ الترمذی)

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم ضرور پڑھا کرو تہجد، کیونکہ وہ تم سے پہلے صالحین کا طریقہ اور شعار رہا ہے اور قرب الہی کا خاص وسیلہ ہے اور وہ گناہوں کے برے اثرات کو مٹانے والی اور معاصی سے روکنے والی چیز ہے۔ (احسن التلخیص)

اس حدیث میں نماز تہجد کی چار خصوصیتیں ذکر فرمائی گئی ہیں اول یہ کہ وہ دور قدیم سے اللہ کے

نیک بندوں کا طریقہ اور شعار رہا ہے۔ دوسرے یہ کہ تقریب الہی کا خاص وسیلہ اور ذریعہ ہے۔ تیسرے اور چوتھے یہ کہ اس میں گناہوں کا کفارہ بن کر ان کے اثرات کو مٹانے اور معاصی سے روکنے کی خاصیت ہے۔

حق یہ ہے کہ نماز تہجد عظیم ترین دولت ہے۔ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں منقول ہے کہ ان کے وصال کے بعد حضرات نے ان کو خواب میں دیکھا تو پوچھا کہ کیا گزری اور آپ کے پروردگار نے آپ کے ساتھ کیا معاملہ کیا؟۔ جواب میں فرمایا: تاحت العارات و فیت الاشارات وما نفعنا الارکعات صلینا ہا فی جوف اللیل (یعنی حقائق و معارف کی جو اونچی اونچی باتیں ہم عبارات اور اشارات میں کیا کرتے تھے وہ سب وہاں ہوا ہو گئیں اور بس وہ رکعتیں کام آئیں جو رات میں ہم پڑھا کرتے تھے۔)

۲۰۷) عَنْ الْمُطْبِرَةِ بْنِ خُفَيْهٍ قَالَ لَمَّا نَبِيُّ ﷺ حَتَّى قَوَّزَتْ لَذِ مَاءٍ لَقِبْلٍ لَهُ لِمَ تَصْنَعُ هَذَا وَلَقَدْ خَفِرَ لَكَ مَا تَقْلَمُ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَعْرِى لَكَ اَلَّا اَلْحُوْنَ عِنْدًا حُكُوْرًا . (رواہ البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس قدر قیام فرمایا (یعنی رات کو نماز تہجد اتنی طویل پڑھی) کہ آپ کے قدم مبارک متورم ہو گئے، تو آپ سے عرض کیا گیا کہ آپ ایسا کیوں کرتے ہیں جب کہ آپ کی نگلی بچھلی ساری تفصیریں معاف ہو گئی ہیں (اور اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اس کا اعلان فرما کے آپ کو اس بارے میں مطمئن بھی کر دیا ہے)؟ آپ نے ارشاد فرمایا تو کیا میں (اس کے احسان عظیم کا) زیادہ شکر کرنے والا بندہ نہ ہوں (اور اس شکر گزاری میں اس کی اور زیادہ عبادت نہ کروں)۔ (صحیح بخاری، صحیح مسلم)

تشریح:..... رسول اللہ ﷺ یا آنکہ آپ کو ہم گنہگاروں کی طرح عبادت و ریاضت کی زیادہ ضرورت نہ تھی اور باوجود اس کے آپ کا چلنا پھرنا حتیٰ کہ سونا بھی کار ثواب تھا، لیکن پھر بھی آپ راتوں میں اتنی طویل نماز پڑھتے تھے کہ قدم مبارک متورم ہو جاتے تھے۔ اس میں آپ کے ہم جیسے راحت طلب نام لیواؤں اور نیا بت رسول کے مدعیوں کے لئے بڑا سبق ہے۔

عقیدہ عصمت اور رسول اللہ ﷺ کے ذنوب کی مغفرت

اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ کے ذنوب کی مغفرت کا ذکر ہے، اور ذنوب کے معنی عام طور سے گناہ کے لئے جاتے ہیں، اس لئے یہ سوال پیدا ہو جاتا ہے کہ جب عصمت انبیاء اہل حق کا مسلم عقیدہ ہے تو رسول اللہ ﷺ کے ذنوب کی مغفرت کا کیا مطلب ہے؟ اس کے جواب میں جو کچھ کہا گیا ہے اور کہا جاتا ہے اس میں سب سے زیادہ معقول اور دل لگتی بات اس عاجز کے نزدیک یہ ہے کہ آپ کے معصوم ہونے کا مطلب یہ ہے کہ آپ ان برائیوں سے محفوظ ہیں جو معصیات اور منکرات کے قبیلہ سے ہیں اور جو امت کے حق میں بھی گناہ ہیں، لیکن ایسی باتیں برائی سے اور آپ سے بھی صادر ہو سکتی ہیں جو اگرچہ معصیت اور گناہ نہ ہوں لیکن خلاف اولیٰ یا آپ کی شان عالی کے لحاظ سے نامناسب ہوں۔ جیسا کہ مثلاً شہد کی تحریم کا واقعہ یا عبد اللہ

بنام مکتوم سے ایک موقع پر بے اعتنائی برتنے کا واقعہ جن پر سورہ تحریم اور سورہ خمس میں آپ کو محبت کے خاص انداز میں تنبیہ فرمائی گئی۔ بہر حال اس قسم کی معمولی لغزشیں حضرات انبیاء علیہم السلام نے بھی سرزد ہو جاتی ہیں اور اگرچہ یہ چیزیں حصیت اور گناہ کی حد میں نہیں آتیں۔ لیکن

”قربالہ لا بیش بود حیرانی“

کے اصول پر یہ حضرات اپنی ان معمولی لغزشوں سے اتنے رنجیدہ اور فکر مند ہوتے تھے کہ ہم عوام اپنے موٹے موٹے گناہوں سے بھی اتنے فکر مند نہیں ہوتے۔ پس قرآن و حدیث میں جہاں کہیں رسول اللہ ﷺ یا کسی بھی پیغمبر کے ذنوب کی مغفرت کا ذکر آتا ہے وہاں اسی قسم کی لغزشوں اور کوتاہیوں کی معافی مراد ہوتی ہے۔ ذنب کے لغوی معنی میں اتنی وسعت ہے کہ اس سے اس قسم کی لغزشیں اور کوتاہیاں بھی مراد ہو سکتی ہیں۔

۲۰۸ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ رَجُلًا قَامَ مِنَ اللَّيْلِ فَصَلَّى وَانْقَضَ إِمْرَأَتُهُ فَصَلَّتْ لِأَنَّهُ تَصَحَّحَ فِي وَجْهِهَا الْمَاءُ رَجِمَ اللَّهُ إِمْرَأَةً لَأَمَتْ مِنَ اللَّيْلِ فَصَلَّتْ وَانْقَضَتْ زَوْجُهَا فَصَلَّى لِأَنَّهُ تَصَحَّحَ فِي وَجْهِهِ الْمَاءُ . (رواہ ابو داؤد و النسائی)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ کی رحمت اس بندے پر جو رات کو اٹھا اور اس نے نماز تہجد پڑھی، اور اپنی بیوی کو بھی جگایا اور اس نے بھی نماز پڑھی اور اگر نیند کے غلبہ کی وجہ سے وہ نہیں اٹھی تو اس کے منہ پر پانی کا ہلکا سا چھینٹا دے کر اس کو بیدار کر دیا۔ اور اسی طرح اللہ کی رحمت اس بندے پر جو رات کو نماز تہجد کے لیے اٹھی اور اس نے نماز ادا کی اور اپنے شوہر کو بھی جگایا، پھر اس نے بھی اٹھ کر نماز پڑھی، اور اگر وہ نہ اٹھا تو اس کے منہ پر پانی کا ہلکا سا چھینٹا دے کر اٹھا دیا۔ (مشکوٰۃ: ۱/۱۸۱)

ترشح..... اس حدیث کو سمجھنے کے لیے یہ بات ملحوظ رہنی چاہئے کہ رسول اللہ ﷺ نے جن صحابہ کرامؓ کے سامنے یہ بات فرمائی تھی وہ نماز تہجد کے بارے میں آپ کے ارشادات سن سن کر اور آپ کا حال دیکھ دیکھ کر یقین کے ساتھ جانتے تھے اس میں بندہ کیا پاتا ہے اور اس سے محروم رہ جانا کتنا بڑا خسارہ ہے۔ فرق مراتب کے باوجود عام صحابہ کرامؓ اور صحابہ کرامؓ کی حالت کا، اس لئے قدرتی طور پر ان میں سے ہر ایک اس دولت کا شائق اور حریص تھا، اس کے باوجود ایسا بھی ہو سکتا ہے بلکہ ضرور ہوتا ہو گا کہ کسی رات کو ایک شوہر کی آنکھ وقت پر کھل گئی اور بیوی سوئی رہ گئی، یا بیوی کی آنکھ کھل گئی اور شوہر سو تا رہ گیا اور پھر جاگنے والے نے سونے والے کو اٹھانا چاہا اور وہ اگر کسل اور نیند کے غلبہ کی وجہ سے اس وقت آمادہ نہ ہوا تو محبت و تعلق کے اعتماد پر منہ پر پانی کا ہلکا سا چھینٹا دے کر اٹھا دیا۔ ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں یہ طرز عمل کسی کشیدگی اور ناگواری کا باعث نہ ہو گا بلکہ انشاء اللہ باہمی محبت و مودت میں ترقی اور اضافہ کا سبب بنے گا۔ بہر حال اس حدیث کا تعلق ایسی ہی صورت حال سے ہے، اور حضور ﷺ کی ترغیب انہی خوش نصیب شوہروں اور بیویوں کے لئے ہے جو

اس کے اہل ہوں، اور وہ بذات خود بھی اس عظیم نعمت نماز تہجد کے قدر شناس اور شائق ہوں۔

نماز تہجد کی قضا اور اس کا بدلہ

(۲۰۹) عَنْ عُمَرَ لَإِنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ مَنْ نَامَ عَنْ جُزْأِهِ أَوْ عَنْ خُصِيٍّ مِنْهُ لَفَرَّاهُ لَيْلِمَا بَنَى صَلَوةَ الْفَجْرِ وَصَلَوةَ الظُّهْرِ حُجِبَ لَهُ كَمَا لَمَّا قَرَأَهُ مِنَ اللَّيْلِ . (رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص رات کو سوتا رہ گیا اپنے مقررہ وردے یا اس کے کسی جز سے پھر اس نے اس کو پڑھ لیا نماز فجر اور نماز ظہر کے درمیان تو لکھا جائے گا اس کے حق میں جیسے کہ اس نے پڑھا ہے رات ہی میں۔ (صحیح مسلم)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ جس شخص نے رات کے لئے اپنا کوئی ورد مقرر کر لیا ہو مثلاً یہ کہ میں اتنی رکعتیں پڑھا کروں گا اور اس میں قرآن مجید اتنا پڑھوں گا، اور وہ کسی رات سوتا رہ جائے اور اس کا پورا ورد یا کوئی جز فوت ہو جائے، تو اگر وہ اسی دن نماز ظہر سے پہلے پہلے اس کو پڑھ لے تو حق تعالیٰ اس کے لئے رات کے پڑھنے کے برابر ثواب عطا فرمائیں گے۔

(۲۱۰) عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا لَفَاتَهُ الصَّلَوةُ مِنَ اللَّيْلِ مِنْ وَجَعٍ أَوْ غَيْرِهِ صَلَّى مِنَ النَّهَارِ بِنَتْنِ عَشْرَةٍ رَكْعَةٍ . (رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ جب بیماری وغیرہ کسی عذر کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ کی نماز تہجد فوت ہو جاتی تو آپ دن کو اس کے بجائے بارہ رکعتیں پڑھتے تھے۔ (صحیح مسلم)

رسول اللہ ﷺ تہجد میں نیتیں پڑھتے تھے

(۲۱۱) عَنْ عَائِشَةَ لَأَنَّ كَانَ النَّبِيَّ ﷺ يُصَلِّي مِنَ اللَّيْلِ ثَلَاثَ عَشْرَةٍ رَكْعَةً مِنْهَا الْوُتْرُ وَرَكْعَتَا الْفَجْرِ . (رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ رات میں تیرہ رکعتیں پڑھتے تھے جن میں وتر اور سنت فجر کی دو رکعتیں بھی شامل ہوتی تھیں۔ (صحیح مسلم)

تشریح: اس حدیث میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے تہجد کی رکعات کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کا جو معمول بتلایا ہے وہ آپ کا اکثری معمول تھا ورنہ خود حضرت عائشہ ہی کی بعض دوسری روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ کبھی کبھی آپ اس سے بھی کم پڑھتے تھے۔

(۲۱۲) عَنْ مَسْرُوقٍ لَأَنَّ سَأَلَتْ عَائِشَةَ عَنْ صَلَوةِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ بِاللَّيْلِ لَفَالَتْ سَبْعَ وَسَبْعَ وَاحِدَيْ عَشْرَةٍ رَكْعَةً مِوَى وَكَتَعِي الْفَجْرِ . (رواہ البخاری)

ترجمہ: مسروق تابعی سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کی نماز تہجد کے بارے میں حضرت عائشہ

صدیقہ رضی اللہ عنہا سے دریافت کیا (کہ آپ کتنی رکعتیں پڑھتے تھے) تو انہوں نے فرمایا کہ:-
سات اور نو اور گیارہ، سنت فجر کی دو رکعتوں کے سوا۔ (صحیح بخاری)

تشریح..... حضرت عائشہ صدیقہ کے جواب کا مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ تہجد میں کبھی صرف سات رکعتیں پڑھتے تھے (یعنی چار رکعت تہجد اور تین رکعت وتر) اور کبھی صرف نو (یعنی چھ رکعت تہجد اور تین رکعت وتر) اور کبھی گیارہ (یعنی آٹھ رکعت تہجد اور تین رکعت وتر) یہ تفصیل خود حضرت صدیقہ کی اس حدیث مذکورہ پر جو وتر کے بیان میں سنن ابی داؤد کے حوالے سے نقل ہو چکی ہے۔

رسول اللہ ﷺ کے تہجد کی بعض تفصیلات

۲۱۳ عَنْ عَائِشَةَ لَأَنَّ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا قَامَ مِنَ اللَّيْلِ يُصَلِّيُ اِتَّعَ صَلَوتَهُ بِرُكْعَتَيْنِ خَفِيفَتَيْنِ . (رواہ مسلم)

ترجمہ..... حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب رات کو نماز تہجد کے لئے کھڑے ہوتے تھے تو پہلے ہلکی ہلکی دو رکعتیں پڑھتے تھے۔ (صحیح مسلم)

تشریح..... بعض شارحین نے لکھا ہے کہ ایسا غالباً اس لئے کرتے تھے کہ پہلے ہلکی دو رکعتیں پڑھ کے طبیعت میں نشاط پیدا ہو جائے تو اس کے بعد طویل قرأت کے ساتھ پڑھیں۔ واللہ اعلم۔ اور صحیح مسلم ہی میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد بھی مروی ہے کہ: "إِذَا قَامَ مِنَ اللَّيْلِ يُصَلِّيُ اِتَّعَ صَلَوتَهُ بِرُكْعَتَيْنِ خَفِيفَتَيْنِ" (جب تم میں سے کوئی رات کو نماز کے لئے اٹھے تو پہلے ہلکی ہلکی دو رکعتیں پڑھ کے نماز شروع کرے)۔

۲۱۴ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَبَّاسٍ أَنَّهُ زَلَّ عِنْدَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ لَمَّا سَقَطَ قَسْوُوكَ وَتَوَضَّأَ وَهُوَ يَقُولُ إِنَّ فِي غَلِي السُّمُوتِ وَالْأَرْهَى وَالْجَلَابِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَا يَأْتِي لَأُولَى الْأَلْبَابِ لِقَرَأَ هَؤُلَاءِ الْأَيَّاتِ حَتَّى خَعَمَ السُّورَةَ ثُمَّ لَامَ لَصَلَّى رَكْعَتَيْنِ لَأَطَالَ فِيهِمَا الْقِيَامُ وَالرُّكُوعُ وَالسُّجُودُ ثُمَّ انْصَرَفَ لَنَامَ حَتَّى لَفَّخَ ثُمَّ لَعَلَّ ذَلِكَ لَكَ مَرَّاتٍ سِتٍّ رَكْعَاتٍ كُلُّ ذَالِكَ بِسَنَّاكَ وَتَعَرَّضًا وَتَقَرَّأَ هَؤُلَاءِ الْأَيَّاتِ ثُمَّ أَوْفَرَ بِفَلَاحٍ لَأَذَنَ الْمُؤَذِّنُ لَمَعْرَجَ إِلَى الصَّلَاةِ وَهُوَ يَقُولُ ااَللَّهُمَّ اجْعَلْ فِي قَلْبِي نُورًا وَفِي لِسَانِي نُورًا وَاجْعَلْ فِي سَمْعِي نُورًا وَاجْعَلْ فِي بَصَرِي نُورًا وَاجْعَلْ مِنْ غُلْفِي نُورًا وَمِنْ أَمَامِي نُورًا وَاجْعَلْ مِنْ قَوْلِي نُورًا وَمِنْ تَحْيِي نُورًا ااَللَّهُمَّ اَعْطِنِي نُورًا . (رواہ مسلم)

ترجمہ..... حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ ایک رات کو رسول اللہ ﷺ کے پاس سوئے، پس (وقت آجانے پر تہجد کے لئے) رسول اللہ ﷺ اٹھے، اور آپ نے مسواک کی اور وضو فرمایا اور آپ اس وقت (سورۃ آل عمران کے آخر کی) یہ دعائیہ آیتیں تلاوت فرماتے تھے:- ااں فی

خلق السموات والارض۔ (ختم سورت تک) پھر آپ نماز کے لئے کھڑے ہوئے اور آپ نے دو رکعتیں پڑھیں جن میں قیام اور رکوع سجدہ بہت طویل کیا، پھر آپ بستر کی طرف واپس آئے اور (ذرا دیر کے لئے) سو گئے، یہاں تک کہ آپ کا سانس آواز کے ساتھ چلنے لگا، اس کے بعد آپ نے تین دفعہ ایسا ہی کیا (یعنی تین دفعہ ایسا کیا کہ ذرا دیر سونے کے بعد اٹھے مسواک کی، وضو فرمایا اور طویل قیام اور طویل رکوع و سجود کے ساتھ دو رکعتیں پڑھیں) اس طرح آپ نے (پہلی دو رکعتوں کے علاوہ) چھ رکعتیں پڑھیں اور ہر دفعہ اٹھ کر آپ مسواک کرتے اور وضو فرماتے اور آل عمران کے آخر کی وہ آیتیں پڑھتے تھے۔ پھر آپ نے تین رکعت نماز وتر پڑھی۔ پھر مؤذن نے فجر کی اذان دی تو آپ نماز فجر کے لئے تشریف لے گئے اور اس وقت آپ یہ دعا فرما رہے تھے۔ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ فِیْ قَلْبِیْ نُورًا وَفِیْ لِسَانِیْ نُورًا۔ (اے اللہ! میرے دل میں نور پیدا فرما، اور میری زبان میں نور پیدا فرما، اور میری سمع و بصر میں نور پیدا فرما اور میرے پیچھے اور میرے آگے نور کر دے اور میرے اوپر اور میرے نیچے نور کر دے، اے اللہ! مجھے نور عطا فرما۔) (صحیح مسلم)

تشریح..... حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی یہ حدیث صحیحین میں بھی اور دوسری کتابوں میں بھی کئی طریقوں سے روایت کی گئی ہے، اور بعض طرق میں اس سے زیادہ تفصیل ہے نیز بیان اور ترتیب میں بھی کچھ فرق ہے۔ مثلاً یہ کہ دوسری روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ سورۃ آل عمران کی آخری آیتیں آپ نے سوکے اٹھ کر وضو فرمانے سے پہلے پڑھیں۔ اسی طرح بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ دعائوری۔ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ فِیْ قَلْبِیْ نُورًا۔ آپ نے اس دن صبح کی نماز میں کی تھی۔ اسی طرح کا ایک فرق یہ ہے کہ دو دو رکعتیں پڑھ کے درمیان میں ذرا دیر کے لئے سوجانے کا ذکر جو اس روایت میں کیا گیا ہے دوسری روایات اس سے خالی ہیں۔ اور یہ تو معلوم ہے کہ اس طرح ہر دو رکعت کے بعد سونا حضور ﷺ کی عام عادت مبارکہ نہیں تھی، اس رات آپ نے اتفاقاً ایسا کیا ہو گا۔

اس روایت میں دو خفیف رکعتیں پڑھنے کا ذکر نہیں ہے، بظاہر ان کا ذکر راوی کے بیان سے رہ گیا، اور اس کا قرینہ یہ بھی ہے کہ اسی حدیث کی دوسری روایتوں میں صراحت تیرہ رکعت پڑھنے کا ذکر ہے، اور اس روایت کے مطابق کل رکعتیں صرف گیارہ ہوتی ہیں، ان دونوں بیانیوں میں تطبیق اسی طرح دی جاسکتی ہے کہ یہ مان لیا جائے کہ اس کے راوی نے پہلی دو خفیف رکعتوں کا ذکر نہیں کیا ہے اور غالباً ان کو نماز تہجد سے خارج تحیۃ الوضو سمجھا ہے۔ واللہ اعلم

دعاء نوری جو اس روایت میں ذکر کی گئی ہے اس میں نودعا یہ کلمے ہیں، بعض دوسری روایات میں ان سے زیادہ کلمات نقل کئے گئے ہیں۔ بڑی مبارک اور نورانی دعا ہے۔ حاصل اس دعا کا یہ ہے کہ اے اللہ میرے قلب اور میرے قالب اور میری روح اور میرے جسم میں اور جسم کے ہر حصے میں اور میری رگ رگ اور ریشہ ریشہ میں نور پیدا فرما دے اور مجھے از سر تا پا نور بنا دے، اور میرے گرد و پیش اور اوپر نیچے ہر طرف نور ہی نور کر۔۔۔ قرآن مجید کی آیت ”اللّٰهُ نُورُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ“ کو پیش نظر رکھتے ہوئے اس دعا کا مقصد یہ

ہو گا کہ میرا وجود اور گرد و پیش بس آپ کے نور سے منور ہو جائے اور میرا ظاہر و باطن اور پورا ماحول بھی بس آپ کے رنگ میں رنگ جائے۔ **سُجَّدَ اللَّهُ وَنَحْنُ أَحْسَنُ مِنْ اللَّهِ سُجَّدَ**۔

(۲۱۵) عَنْ حُلَيْفَةَ أُمِّ رَأْيِ النَّبِيِّ ﷺ يُصَلِّي مِنَ اللَّيْلِ لَكَانَ يَقُولُ اللَّهُ أَكْبَرُ لَكَ ذُو الْمَلَكُوتِ وَالْعَزَّوَاتِ وَالْكِبَرِيَاءِ وَالْعَظَمَةِ ثُمَّ اسْتَغْنَى فَقَرَأَ الْبَقْرَةَ ثُمَّ رَكَعَ لَكَانَ رُكُوعُهُ نَحْوًا مِنْ قِيَامِهِ لَكَانَ يَقُولُ فِي رُكُوعِهِ سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيمِ ثُمَّ رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ الرُّكُوعِ لَكَانَ قِيَامُهُ نَحْوًا مِنْ رُكُوعِهِ يَقُولُ لِزَيْنِ الْحَمْدِ ثُمَّ سَجَدَ لَكَانَ سُجُودُهُ نَحْوًا مِنْ قِيَامِهِ لَكَانَ يَقُولُ فِي سُجُودِهِ سُبْحَانَ رَبِّيَ الْأَعْلَى ثُمَّ رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ السُّجُودِ وَكَانَ يَقْعُدُ فِيمَا بَيْنَ السَّجْدِ تَبْنِ نَحْوًا مِنْ سُجُودِهِ وَكَانَ يَقُولُ رَبِّ اغْفِرْ لِي رَبِّ اغْفِرْ لِي فَصَلَّى أَرْبَعَ رَكَعَاتٍ لَرَأَ فِيهِنَّ الْبَقْرَةَ وَالْإِسَاءَ وَالْمَالِدَةَ أَوْ الْأَنْعَامَ حَكَ حُفَّةً۔ (رواہ ابوداؤد)

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو ایک رات تہجد کی نماز پڑھتے دیکھا، آپ نے نماز شروع کرتے ہوئے کہا۔ اللہ اکبر، اللہ اکبر، اللہ اکبر، ذُو الْمَلَكُوتِ وَالْعَزَّوَاتِ وَالْكِبَرِيَاءِ وَالْعَظَمَةِ۔ (اللہ سب سے بڑا، اللہ سب سے بڑا، اللہ سب سے بڑا، بڑی بادشاہت والا، بڑے دبدبے والا، کبریائی اور عظمت والا) اس کے بعد آپ نے نماز شروع کی، پھر (سورہ فاتحہ کے بعد) سورہ بقرہ پڑھی، پھر رکوع کیا، تو آپ کا رکوع قیام ہی کی طرح تھا (یعنی جس طرح قیام بہت طویل کیا کہ ایک رکعت میں پوری سورہ بقرہ پڑھی، اسی طرح اس نماز میں آپ نے رکوع بھی بہت طویل کیا) اور اس رکوع میں آپ کی زبان پر یہی کلمہ جاری تھا۔ سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيمِ۔ پھر آپ نے رکوع سے سر اٹھایا تو رکوع ہی کی طرح بہت دیر تک کھڑے رہے اور اس قومہ میں آپ کی زبان پر یہ کلمہ تھا۔ "لِزَيْنِ الْحَمْدِ" (ساری حمد و ستائش بس میرے رب کے لئے ہے) اس کے بعد آپ نے سجدہ کیا تو آپ کا سجدہ قیام ہی کی طرح طویل تھا اور آپ سجدے میں کہتے تھے۔ سُبْحَانَ رَبِّيَ الْأَعْلَى۔ پھر آپ نے سجدہ سے سر اٹھایا اور دونوں سجدوں کے درمیان آپ اپنے سجدے کی طرح یعنی قریباً اس کے بقدر ہی بیٹھتے تھے اور اس درمیانی جلسہ میں دعا کرتے تھے۔ رَبِّ اغْفِرْ لِي، رَبِّ اغْفِرْ لِي۔ (اے میرے رب میری مغفرت فرما! اے میرے مالک مجھے معاف کر دے) آپ نے اس وقت چار رکعتیں پڑھیں جن میں سورہ بقرہ، آل عمران، نساء اور مائدہ یا انعام پڑھیں۔ (امام ابوداؤد کے استاذ الاستاذ شعبۂ بن الحجاج کو اس میں شبہ ہو گیا ہے کہ ان کے استاذ عمرو بن مرہ نے جو تھی رکعت میں سورہ مائدہ پڑھنے کا ذکر کیا تھا سورہ انعام پڑھنے کا۔ (المنہاج، ص ۱۰۱))

تَشَدُّدٌ..... اس طرح طویل قرأت اور طویل رکوع و سجود کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کے تہجد پڑھنے کے واقعات حضرت حذیفہ کے علاوہ اور بھی متعدد صحابہ کرامؓ سے مروی ہیں۔ چنانچہ حضرت عوف بن مالک اشجعی نے ایک رات کی آپ کی نماز تہجد کا ذکر کیا ہے جس میں آپ نے پہلی دو رکعتوں میں سورہ بقرہ اور سورہ

اُل عمر ان پڑھیں۔ اور اس کے بعد کی دو رکعتوں میں بھی اسی طرح دو بڑی بڑی سورتیں (غالباً نساء اور مائدہ) پڑھیں۔ اور یہ ساری سورتیں اس طرح پڑھیں کہ جہاں رحمت کی کوئی آیت آجاتی تو اثناء قرأت ہی میں ٹھہر کر رُج۔ کی دعا کرتے اور جہاں عذاب کی آیت آجاتی وہاں اسی طرح اس سے پنہا جاتے۔ واضح رہے کہ نماز تہجد میں اور اسی طرح دوسری نفل نمازوں میں قرأت کے درمیان ٹھہر کے دعا کرنا بالاتفاق جائز ہے۔

(۲۱۶) عَنْ أَبِي كُرَيْبٍ لَأَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتَّى أَصْبَحَ بَاتِيَةً وَالْأَمَةُ إِنَّ تَعْلِيَتَهُمْ لَأَنَّهُمْ عِبَادُكَ وَإِنَّ تَغْيِرَ لَهُمْ فَلَا تَكُ الْغَزِيرَةُ الْحَكِيمَةُ (رواه السانئ و ابن ماجه)

ترجمہ: حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک رات کی نماز میں رسول اللہ ﷺ نے ایک ہی آیت پڑھتے پڑھتے صبح کر دی، اور وہ (سورہ مائدہ کے آخری رکوع کی) یہ آیت تھی اِنَّ تَعْلِيَتَهُمْ فَانْتَبِهْ عِبَادُكَ الْاَمَةُ۔ (ابن ماجہ، سنن ابی داؤد)

ترجمہ:..... مطلب یہ ہے کہ ایک رات کو آپ نماز تہجد پڑھنے کے لئے کھڑے ہوئے تو کسی خاص حالت اور کیفیت میں اسی ایک آیت کو بار بار پڑھتے رہے، یہاں تک کہ صبح ہو گئی۔ اِنَّ تَعْلِيَتَهُمْ فَانْتَبِهْ عِبَادُكَ وَالْاَمَةُ تَغْيِرَ لَهُمْ فَلَا تَكُ الْغَزِيرَةُ الْحَكِيمَةُ۔ یہ آیت اللہ تعالیٰ کے ایک پر جلال سوال کے جواب میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی معذرت اور عاجزانہ گزارش کا ایک جز ہے۔ سورہ مائدہ کے آخری رکوع میں بیان فرمایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن مسیحیوں پر جنت قائم کرنے کے لئے حضرت عیسیٰؑ سے سوال کریں گے کہ کیا تم نے اپنی امت سے کہا تھا کہ اللہ کے علاوہ مجھے اور میری ماں مریم کو بھی معبود اور خدا بنالینا؟ حضرت عیسیٰؑ اس کے جواب میں ایسی بات سے اپنی قطعی برأت ظاہر کریں گے، اور عرض کریں گے کہ خداوند! آپ سے کوئی بات چھپی ہوئی نہیں ہے آپ علام الغیوب ہیں آپ کو معلوم ہے کہ میں نے ان کو توحید ہی کی دعوت و تعلیم دی تھی، ان میں یہ شرک دنیا سے میرے جانے کے بعد آیا۔ اس کے بعد یہ آیت ہے اور یہی حضرت عیسیٰؑ کے جواب کا آخری جز ہے۔

اِنَّ تَعْلِيَتَهُمْ فَانْتَبِهْ عِبَادُكَ وَالْاَمَةُ تَغْيِرَ لَهُمْ فَلَا تَكُ الْغَزِيرَةُ الْحَكِيمَةُ (مائدہ) خداوند اگر تو ان (کو ان کے سنگین جرم کی وجہ سے) عذاب میں ڈالے تو یہ سب تیرے بندے ہیں (تجھے عذاب دینے کا پورا حق ہے) اور اگر تو ان کو معاف کر دے (تو یہ بھی تیرے بس میں ہے) بیشک تو غالب ہے حکمت والا ہے (تیرا جو فیصلہ بھی ہو گا وہ کسی کے دباؤ سے اور مجبوری سے نہیں ہو گا، بلکہ اپنے ذاتی ارادے سے اور حکمت کے تقاضے سے ہو گا)۔

رات کی نماز میں صبح تک اسی ایک آیت کو پڑھتے رہنے کی وجہ بیان کرتے ہو بعض شارحین نے لکھا ہے کہ اس آیت پر پہنچ کے غالباً آپ کو اپنی امت کا خیال آ گیا جس کے بارے میں آپ پر یہ بات منکشف ہو چکی تھی کہ اگلی امتوں کی طرح اس میں بھی عقیدہ اور عمل کا بہت کچھ فساد آئے گا، اور آپ اسی کی رائے

عسیٰ علیہ السلام کی یہ عاجزانہ اور درمندانہ گزارش اللہ تعالیٰ کے حضور دہراتے رہے۔ واللہ اعلم

(۲۱۷) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ كَانَتْ لِرَبِّهِ النَّبِيِّ ﷺ بِاللَّيْلِ يَرْفَعُ كَلِمَةً وَيُخَفِّضُ طَوْرًا. (رواہ ابو داؤد)
ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ رات کی نماز میں قرأت بھی بلند آواز سے کرتے تھے اور کبھی آہستہ پست آواز سے۔ (مشن ابی داؤد)

(۲۱۸) عَنْ أَبِي قَتَادَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَرَجَ لَيْلَةً لِإِذَا هُوَ بِأَبِي بَكْرٍ يُصَلِّي يَخْفِضُ مِنْ صَوْتِهِ وَمَرَّ بِعُمَرَ وَهُوَ يُصَلِّي رَافِعًا صَوْتَهُ قَالَ لَلَّامَا اجْتَمَعَا عِنْدَ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ يَا أَبَا بَكْرٍ مَرَرْتُ بِكَ وَأَنْتَ تُصَلِّي تَخْفِضُ صَوْتَكَ قَالَ لَقَدْ أَسْمَعْتُ مَنْ نَاجَيْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ وَقَالَ لِعُمَرَ مَرَرْتُ بِكَ وَأَنْتَ تُصَلِّي رَافِعًا صَوْتَكَ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَوْلَيْتَ الْوَسْطَانِ وَأَطْرَدَ الشَّيْطَانَ لَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ يَا أَبَا بَكْرٍ اذْهَبْ مِنْ صَوْتِكَ خَفَاً وَقَالَ لِعُمَرَ اخْفِضْ مِنْ صَوْتِكَ خَفَاً. (رواہ ابو داؤد)

ترجمہ: حضرت ابو قتادہ سے روایت ہے کہ ایک رات رسول اللہ ﷺ باہر نکلے تو ابو بکرؓ کو دیکھا کہ وہ بالکل آہستہ آہستہ نماز پڑھ رہے ہیں اور عمرؓ پر آپ کا گزر ہوا تو دیکھا کہ وہ خوب بلند آواز سے نماز پڑھ رہے ہیں جب یہ دونوں حضرات (دوسرے کسی وقت) آپ کی خدمت میں ایک ساتھ حاضر ہوئے تو آپ ﷺ نے ابو بکرؓ سے فرمایا کہ میں رات تمہارے پاس سے گزرا تو دیکھا کہ تم بالکل آہستہ نماز پڑھ رہے تھے؟ انہوں نے عرض کیا کہ میں جس کے حضور میں عرض معروض کر رہا تھا بس اس کو میں نے سنا دیا اور اس نے میری سن لی (یعنی اللہ تعالیٰ نے) پھر اسی طرح آپ نے عمرؓ سے فرمایا کہ تمہارے پاس سے میں گزرا تو تم خوب بلند آواز سے نماز پڑھ رہے تھے انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ (میں بلند آواز سے قرأت کر کے اونگھتے ہوؤں کو اٹھاتا اور شیطان کو بھگانا چاہتا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے ابو بکرؓ تم کسی قدر اونچی آواز سے پڑھا کرو اور عمرؓ سے فرمایا تم کسی قدر ملکی آواز سے پڑھا کرو۔ (مشن ابی داؤد)

تشریح:..... عام حالات میں یہی مناسب ہے کہ تہجد کی نماز میں قرأت معتدل آواز سے ہو، نہ بالکل خفی ہو نہ بہت زیادہ جبر سے، مندرجہ بالا حدیث کا منشاء یہی ہے، لیکن اگر کسی وقت خاص وجہ سے آہستہ پڑھنا زیادہ مناسب ہو تو وہی بہتر ہو گا اور اس کے برعکس کسی دوسرے وقت اگر بلند آواز سے پڑھنے میں کوئی مصلحت ہو تو اس وقت وہی افضل ہو گا۔

چاشت یا شراق کے نوافل

جس طرح عشاء کے بعد سے لے کر طلوع فجر تک کے طویل وقفہ میں کوئی نماز فرض نہیں کی گئی ہے لیکن اس درمیان میں تہجد کی کچھ رکعتیں پڑھنے کی ترغیب دی گئی ہے، اسی طرح فجر سے لے کر ظہر تک کے

طویل وقفہ میں بھی کوئی نماز فرض نہیں کی گئی ہے، مگر اس درمیان میں ”صلوٰۃ النخی“ کے عنوان سے کم سے کم دو اور زیادہ سے زیادہ جتنی ہو سکیں نفلی رکعتیں پڑھنے کی ترغیب دی گئی ہے، اگر یہ رکعتیں طلوع آفتاب کے تھوڑی سی دیر کے بعد پڑھی جائیں تو ان کو چاشت کہا جاتا ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ نے ان کی حکمت بیان کرتے ہوئے جو کچھ لکھا ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ:-

”دن (جو اہل عرب کے نزدیک صبح سے یعنی فجر کے وقت سے شروع ہو جاتا ہے اور جو چار چوتھائیوں میں تقسیم ہے جن کو چار پہر کہتے ہیں) حکمت الہی کا تقاضا ہوا کہ دن کے ان چار پہروں میں سے کوئی پہر بھی نماز سے خالی نہ رہے، اس لئے پہلے پہر کے شروع میں نماز فجر فرض کی گئی اور تیسرے اور چوتھے پہر میں ظہر و عصر اور دوسرا پہر جو عوام الناس کی معاشی مشغولیتوں کی رعایت سے فرض نماز سے خالی رکھا گیا تھا اس میں نفل اور مستحب کے طور پر یہ ”صلوٰۃ النخی“ (نماز چاشت) مقرر کر دی گئی ہے، اور اس کے فضائل و برکات بیان کر کے اس کی ترغیب دی گئی ہے کہ جو بندگان خدا اپنے مشاغل سے وقت نکال کر اس وقت میں چند رکعتیں پڑھ سکیں وہ یہ سعادت حاصل کریں..... پھر یہ ”صلوٰۃ النخی“ کم سے کم دو رکعت ہے اور اس سے زیادہ نفع بخش چار رکعت، اور اس سے بھی افضل آٹھ رکعت۔“ (تبیان البیان)

اس تمبید کے بعد صلوٰۃ الضحیٰ سے متعلق چند حدیثیں ذیل میں پڑھی جائیں:

(۲۱۹) عَنْ أَبِي ذَرٍّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصْبِحُ عَلَى كُلِّ سَلَامٍ مِنْ أَحَدٍ عُمْرُ صَدَقَةٍ لِكُلِّ تَسْبِيحَةٍ صَدَقَةٌ وَكُلِّ تَعْمِيدَةٍ صَدَقَةٌ وَكُلِّ تَهْلِيلَةٍ صَدَقَةٌ وَكُلِّ تَكْبِيرَةٍ صَدَقَةٌ وَأَمَرَ بِالْمَعْرُوفِ صَدَقَةٌ وَنَهَى عَنِ الْمُنْكَرِ صَدَقَةٌ وَيُجْزَى مِنْ ذَلِكَ رَكْعَتَانِ يَرْكَعُهُمَا مِنَ الضُّحَى - (رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم میں سے ہر شخص کے جوڑ جوڑ پر صبح کو صدقہ ہے (یعنی صبح کو جب آدمی اس حالت سے اٹھتا ہے کہ اس کے ہاتھ پاؤں وغیرہ اعضاء اور ان کا ہر جوڑ صحیح سلامت ہے تو اللہ کی اس نعمت کے شکر یہ میں ہر جوڑ کی طرف سے اس کو صدقہ یعنی کوئی نیکی اور ثواب کا کام کرنا چاہئے اور ایسے کاموں کی فہرست بہت وسیع ہے) پس ایک دفعہ سبحان اللہ کہنا بھی صدقہ ہے، اور الحمد للہ کہنا بھی صدقہ ہے اور لا الہ الا اللہ کہنا بھی صدقہ ہے اور اللہ اکبر کہنا بھی صدقہ ہے اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر بھی صدقہ ہے، اس شکر کی لواٹنگی کے لئے دو رکعتیں کافی ہیں جو آدمی چاشت کے وقت پڑھے۔ (صحیح مسلم)

تشریح:..... مطلب یہ ہے کہ آدمی کو اپنے ہر جوڑ کی طرف سے شکرانہ کا جو صدقہ ہر روز صبح کو ادا کرنا چاہئے چاشت کی دو رکعتیں پڑھنے سے وہ پوری طرح ادا ہو جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس مختصر شکرانہ کو اس کے ہر جوڑ کی طرف سے قبول فرما لیتا ہے، اور غالباً اس کی وجہ یہ بھی ہے کہ نماز ایسی عبادت ہے جس میں انسان کے سارے اعضاء اور اس کے تمام جوڑ اور اس کا ظاہر و باطن سب ہی شریک رہتے ہیں۔ واللہ اعلم۔

(۲۲۰) عَنْ أَبِي الْوَدَّاءِ وَأَبِي ذَرٍّ لَأَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ اللَّهِ تَبَارَكَ وَتَعَالَى إِنَّهُ لَأَنَّ مَا بَيْنَ أَذُنَيْهِ لِي أَرْبَعٌ رَكَعَاتٍ مِنْ أَوَّلِ النَّهَارِ أَكْبَلَكَ إِجْرَهُ . (رواه الترمذی)

حضرت ابوالدرداء اور حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے نقل کیا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ: اے فرزند آدم! تو دن کے ابتدائی حصے میں چار رکعتیں میرے لئے پڑھا کر میں دن کے آخری حصے تک تجھے کفایت کروں گا۔ (ابن ماجہ)

..... اللہ کا جو بندہ رب کریم کے اس وعدہ پر یقین رکھتے ہوئے صبح یا شراق یا چاشت کے وقت پورے اخلاص کے ساتھ چار رکعتیں اللہ تعالیٰ کے لئے پڑھے گا، انشاء اللہ اس حدیث قدسی کے مطابق وہ ضرور دیکھے گا کہ مالک الملک دن بھر کے اس کے مسائل کو کس طرح حل فرماتا ہے:-

(۲۲۱) عَنْ مُعَاذَةَ لَأَنَّ سَأَلَتْ عَائِشَةَ عَمَّ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي صَلَاةَ الضُّحَى ؟ لَأَنَّ أَرْبَعَ رَكَعَاتٍ وَيَزِيدُ مَا خَاءَ اللَّهِ . (رواه مسلم)

معاذہ عدویہ بیان کرتی ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے دریافت کیا کہ رسول اللہ ﷺ چاشت کی نماز کے (کتنی) رکعت پڑھا کرتے تھے؟ انہوں نے فرمایا کہ چار رکعتیں، اور اس سے زیادہ جتنی اللہ چاہتا۔ (بخاری)

..... حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب چاشت کی نماز پڑھتے تھے تو اکثر چار رکعت پڑھتے تھے، اور کبھی کبھی اس سے زیادہ بھی پڑھتے تھے، لیکن خود حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا معمول آٹھ رکعت پڑھنے کا تھا، اور ان کو یہ رکعتیں اتنی محبوب تھیں کہ فرماتی تھیں:- ”لو نشتر لی ابواي ماتر کتھا“ (اگر میرے والدین ماجدین پھر سے دنیا میں بھیج دیئے جائیں تو ان کی زیارت و ملاقات کی پرست مشغولیت میں بھی میں ان رکعتوں کو نہیں چھوڑوں گی)۔

(۲۲۲) عَنْ أُمِّ هَانِئَةَ لَأَنَّ إِنَّ النَّبِيَّ ﷺ دَعَلَ يَتَهَا يَوْمَ فَتَحَ مَكَّةَ لِأَخْصَلَ وَصَلَى لَمَالِي رَكَعَاتٍ لَلْمِ أَرْصَلَاةً لَأَنَّ أَخَفَّتْ مِنْهَا خَيْرَاتُ يَوْمِ الرُّكُوعِ وَالسُّجُودِ وَلَأَنَّ فِي رِوَايَةِ أُخْرَى وَذَلِكَ حُصِي . (رواه البخاری و مسلم)

..... حضرت ام ہانی بنت ابی طالب رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ فتح مکہ کے دن ان کے گھر تشریف لائے اور وہاں آپ نے غسل فرمایا اور آٹھ رکعتیں پڑھیں (اور ایسی ہلکی اور مختصر پڑھیں کہ) میں نے کوئی نماز اس سے زیادہ ہلکی نہیں دیکھی، لیکن آپ رکوع و سجدہ پوری طرح کرتے تھے۔ اور اسی حدیث کی ایک دوسری روایت میں ہے کہ یہ وقت چاشت کا تھا۔ (بخاری)

(۲۲۳) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ لَأَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ حَافَلَ عَلَى خَلْفَةِ الضُّحَى خَيْرَتْ لَهُ ذُنُوبُهُ وَإِنْ كَانَتْ مِغْلًا زَبَدًا نَحْرًا . (رواه احمد و الترمذی و ابن ماجہ)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: جس نے دو گناہ چاشت کا اہتمام کیا اس کے سارے گناہ بخش دیئے جائیں گے، اگرچہ وہ کثرت میں سمندر کے جھاگوں کے برابر ہوں۔ (مسند احمد، جامع ترمذی، سنن ابن ماجہ)

تشریح:..... عبادات یا دوسرے اعمال صالحہ کی برکت سے گناہوں کی بخشش کے بارے میں جو وضاحت پہلے کئی بار کی جا چکی ہے، وہ یہاں بھی ملحوظ رہنی چاہئے۔

(۲۲۴) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ أَوْصَانِي خَلِيلِي بِفَلَاحٍ بِصِيَامٍ فَلَقِيَ أَبَامَ مِنْ كُلِّ شَهْرٍ وَرَضِعَتِي الضُّحَى وَأَنَّ أَوْلَى لِقَاءٍ أَنْ أَرْفَعَهُ . (رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میرے محبوب نے مجھے تین باتوں کی خاص وصیت فرمائی ہے: ایک ہر مہینے تین دن کے روزے اور چاشت کی دو رکعتیں اور تیسرے یہ کہ میں سونے سے پہلے ہی وتر پڑھ لیا کروں۔ (صحیح مسلم)

(۲۲۵) عَنْ أَبِي سَعِيدٍ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يُصَلِّي الضُّحَى حَتَّى تَقُولَ لَا بَدْعَهَا وَتَدْعُهَا حَتَّى تَقُولَ لَا يُصَلِّيَهَا . (رواہ الترمذی)

ترجمہ: حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ (کبھی کبھی) چاشت کی نماز (اتنے اہتمام اور پابندی سے) پڑھتے تھے کہ ہم کہتے تھے کہ اب غالباً آپ کبھی نہیں چھوڑیں گے (اور برابر پڑھا ہی کریں گے) اور (کبھی کبھی) اس کو (اس طرح) چھوڑ دیتے تھے کہ ہم کہتے تھے کہ اب (غالباً) آپ اس کو نہیں پڑھیں گے۔ (جامع ترمذی)

تشریح:..... حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ کے نماز چاشت نہ پڑھنے کی وجہ ہی بیان کرتے ہوئے ایک موقع پر فرمایا تھا کہ:-

”رسول اللہ ﷺ بسا اوقات ایسے اعمال بھی ترک فرما دیتے تھے جن کا کرنا آپ کو بہت محبوب ہوتا تھا، اس خطرے کی وجہ سے کہ آپ کو پابندی سے کرنا دیکھ کر آپ کی تقلید اور پیروی میں عام مسلمان بھی اس کو پابندی سے کرنے لگیں تو اس کی فرضیت کا حکم نہ آجائے“

الغرض اشراق اور چاشت جیسے نوافل بسا اوقات آپ اس مصلحت سے ترک کر دیتے تھے، اور ایسے مقصد سے ترک کرنے والے کو ترک کرنے کے زمانہ میں بھی عمل کا ثواب برابر ملتا رہتا ہے، اور ظاہر ہے کہ یہ مصلحت صرف آپ سے مخصوص تھی، کسی دوسرے کا یہ مقام نہیں ہے۔

وہ نوافل جن کا تعلق خاص حالات سے ہے

فرض نمازوں سے پہلے یا بعد میں پڑھے جانے والے نوافل اور اسی طرح تہجد اور اشراق و چاشت یہ سب وہ ہیں جن کے اوقات متعین ہیں، لیکن کچھ نوافل وہ ہیں جن کا تعلق خاص اوقات سے نہیں بلکہ

خاص حالات سے ہے۔ جیسے: دو گنا وضو (جس کو عرف عام میں تحیہ الوضو کہتے ہیں) یا تحیہ المسجد، اسی طرح صلوٰۃ حاجت، صلوٰۃ توبہ اور نماز استخارہ وغیرہ۔ ظاہر ہے کہ ان میں سے کسی کا بھی کوئی وقت معین نہیں ہے، بلکہ جس وقت بھی وہ حالات یا ضروریات پیش آئیں جن سے ان نوافل کا تعلق ہے، یہ اسی وقت پڑھے جاتے ہیں۔ ان میں سے تحیہ الوضو سے متعلق حدیثیں وضو کے بیان میں ذکر کی جا چکی ہیں۔ اسی طرح تحیہ المسجد سے متعلق احادیث بھی ”مساجد کی اہمیت و فضیلت“ کے بیان میں مذکور ہو چکی ہیں۔ ان کے علاوہ اس نوع کے باقی نوافل سے متعلق حدیثیں ذیل میں پڑھئے۔

صلوة استغفار

٢٢٦) عَنْ عَلِيٍّ لَمَّا حَدَّثَنِي أَبُو بَكْرٍ وَصَدَقَ أَبُو بَكْرٍ لَمَّا سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ مَا مِنْ رَجُلٍ يَذِيبُ ذَنْبًا ثُمَّ يَقُومُ فَيُطَهِّرُ ثُمَّ يَصَلِّي ثُمَّ يَسْتَغْفِرُ اللَّهَ إِلَّا غَفَرَ اللَّهُ لَهُ ثُمَّ لَوْءَ "وَالِدِينَ إِذَا قُلُوا لِمَ حَسَنَةً أَوْ عَمِلُوا خَيْرًا فَأْتُوا بِهِمْ" (رواه الترمذی)

ترجمہ... حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ مجھ سے ابو بکرؓ نے بیان فرمایا (جو بلاشبہ صادق و صدیق ہیں) کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا، آپ فرماتے تھے:- جس شخص سے کوئی گناہ ہو جائے پھر وہ اٹھ کر وضو کرے، پھر نماز پڑھے، پھر اللہ سے مغفرت اور معافی طلب کرے تو اللہ تعالیٰ اس کو معاف فرمائی دیتا ہے۔ اس کے بعد آپ نے قرآن مجید کی یہ آیت تلاوت فرمائی:- وَالَّذِينَ إِذَا فَعَلُوا فَاحِشَةً أَوْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ... الآية۔ (جامع ترمذی)

تشریح..... یہ آیت جو رسول اللہ ﷺ نے گناہوں کی مغفرت کے سلسلہ میں اس موقع پر تلاوت فرمائی سورہ
آل عمران کی ہے، اوپر اللہ کے ان متقی بندوں کا ذکر ہے جن کے لئے جنت خاص طور سے تیار کی گئی ہے۔ اس
کے بعد یہ آیت ہے۔

وَالَّذِينَ إِذَا فَعَلُوا فَاحِشَةً أَوْ عَمَلُوا غُلُوبًا اتَّقَوْا اللَّهَ ذِكْرًا فَاسْتَغْفِرُوا لِلنُّبُهِهِ وَمَنْ يَغْفِرِ اللَّهُ لَهُ فَمَا لَهُ مِنْ دُونِ اللَّهِ أَنْ يَنْصُرَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَهُمْ عَلَى صُلَحٍ مُبِينَةٍ - أُولَئِكَ جَزَاءُ مَنْ تَغْفِرُ لَهُمْ رَبُّهُمْ وَجَعَلَتْ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا وَلَهُمْ فِيهَا أَجْرٌ عَظِيمٌ (١٣١)

(اور وہ بندے) (جن کا حال یہ ہے کہ) جب ان سے کوئی گندہ گناہ ہو جاتا ہے یا کوئی برا کام کر کے وہ اپنے اوپر ظلم کر بیٹھتے ہیں، تو جلد ہی انہیں اللہ یاد آ جاتا ہے اور وہ اس سے اپنے گناہوں کی مغفرت اور معافی کے طالب ہوتے ہیں۔ اور اللہ کے سوا کون سے گناہوں کا معاف کرنے والا۔ اور وہ دیدہ و دانستہ اپنے کیے پر اصرار نہیں کرتے، ایسے لوگوں کی جزا بخشش اور معافی ہے ان کے رب کی طرف سے اور بہشتی باغات جن کے نیچے نہرں جاری ہیں وہ ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے، کیا اچھا بدلہ ہے عمل کرنے والوں کا)

اس آیت میں ان گنہگار بندوں کے لئے مغفرت اور جنت کی بشارت ہے جنہوں نے معصیت کو عادت اور

پیشہ نہیں بتایا ہے، بلکہ ان کا حال یہ ہے کہ جب ان سے کوئی بڑا یا چھوٹا گناہ ہو جاتا ہے تو وہ اس پر تادم ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو کر اس سے مغفرت اور معافی کے طالب ہوتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے اس حدیث میں بتلایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مغفرت اور معافی حاصل کرنے کا بہترین اور پینٹ طریقہ یہ ہے کہ بندہ وضو کر کے پہلے دو رکعت نماز پڑھے اس کے بعد اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی بخشش اور معافی طلب کرے، اگر وہ ایسا کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کے گناہوں کی بخشش کا فیصلہ فرمادیے گا۔

صلوۃ الحاجۃ

۲۲۷ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ أَبِي أَوْفَى قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مَنْ كَانَتْ لَهُ حَاجَةٌ إِلَى اللَّهِ أَوْ إِلَى أَحَدٍ مِنْ بَنِي آدَمَ فَلْيَتَوَضَّأْ لِلْحَمْسِ الْوُضُوءَ ثُمَّ لِيُصَلِّ رَكَعَتَيْنِ ثُمَّ لِيُغْنِي عَلَى اللَّهِ تَعَالَى وَلِيُصَلِّ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ ثُمَّ لِيَقُلْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ الْحَلِيمُ الْكَرِيمُ . سُبْحَانَ اللَّهِ رَبِّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ أَسْأَلُكَ مُوجِبَاتِ رَحْمَتِكَ وَعَزَائِمَ مَغْفِرَتِكَ وَالْقَبِيضَةَ مِنْ كُلِّ بَرٍّ وَالسَّلَامَةَ مِنْ كُلِّ ظَلَمٍ لَمْ يَلِدْ لِي ذَنْبًا إِلَّا غُفِرَتْهُ وَلَا هَمًّا إِلَّا فُرِجَتْهُ وَلَا حَاجَةً مِنِّي لَكَ بِهَا إِلَّا قَضَيْتَهَا يَا أَرْحَمَ الرَّاحِمِينَ . (رواه الترمذی و ابن ماجہ)

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس شخص کو کوئی حاجت اور ضرورت ہو اللہ تعالیٰ سے متعلق یا کسی آدمی سے متعلق (یعنی خواہ وہ حاجت ایسی ہو جس کا تعلق براہ راست اللہ تعالیٰ ہی سے ہو کسی بندے سے اس کا واسطہ ہی نہ ہو یا ایسا معاملہ ہو کہ بظاہر اس کا تعلق کسی بندے سے ہو، بہر صورت) اس کو چاہئے کہ وہ وضو کرے اور خوب اچھا وضو کرے، اس کے بعد دو رکعت نماز پڑھے، اس کے بعد اللہ تعالیٰ کی کچھ حمد و ثناء کرے اور اس کے نبی (علیہ السلام) پر درود پڑھے، پھر اللہ کے حضور میں اس طرح عرض کرے:-

”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ الْحَلِيمُ الْكَرِيمُ..... (اللہ کے سوا کوئی مالک و معبود نہیں، وہ بڑے حلم والا اور بڑا کریم ہے پاک اور مقدس ہے وہ اللہ جو عرش عظیم کا بھی رب اور مالک ہے، ساری حمد و ستائش اس اللہ کے لئے ہے جو سارے جہانوں کا رب ہے۔ اے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں ان اعمال اور ان اخلاق و احوال کا جو تیری رحمت کا موجب اور وسیلہ اور تیری مغفرت اور بخشش کا پکازریعہ بنیں، اور تجھ سے طالب ہوں ہر نیکی سے فائدہ اٹھانے اور حصہ لینے کا اور ہر گناہ اور معصیت سے سلامتی اور حفاظت کا۔ خداوند! میرے سارے ہی گناہ بخش دے اور میری ہر فکر اور پریشانی دور کر دے اور میری ہر حاجت جس سے تو راضی ہو اس کو پورا فرما دے۔ اے ارحم الراحمین سب مہربانوں سے بڑے مہربان۔!!!۔ (جامع ترمذی، سنن ابن ماجہ)

تشریح: یہ ایک حقیقت ہے کہ جس میں کسی مؤمن کے لئے کوئی شک و شبہ کی گنجائش نہیں کہ مخلوقات کی ساری حاجتیں اور ضرورتیں اللہ کے اور صرف اللہ ہی کے ہاتھ میں ہیں، اور بظاہر جو کام بندوں کے

ہاتھوں سے ہوتے دکھائی دیتے ہیں دراصل وہ بھی اللہ ہی کے ہاتھ میں ہیں اور اسی کے حکم سے انجام پاتے ہیں۔ اور صلوٰۃ حاجۃ کا جو طریقہ رسول اللہ ﷺ نے اس حدیث میں تعلیم فرمایا ہے وہ اللہ تعالیٰ سے اپنی حاجتیں پوری کرانے کا بہترین اور معتمد ترین طریقہ ہے، اور جن بندوں کو ان ایمانی حقیقتوں پر یقین نصیب ہے، ان کا یہی تجربہ ہے اور انہوں نے ”صلوٰۃ حاجت“ کو خزائن البیہ کی کئی پایا ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے اس حدیث میں ان حاجتوں کے لئے بھی صلوٰۃ حاجت تعلیم فرمائی ہے جن کا تعلق بظاہر کسی بندے سے ہو۔ اس کا ایک خاص فائدہ یہ بھی ہے کہ جب بندہ اپنی ایسی حاجات کے لئے بھی صلوٰۃ حاجت پڑھ کر اللہ تعالیٰ سے اس طرح دعا کرے گا تو اس کا یہ عقیدہ اور یقین اور زیادہ مستحکم ہو جائے گا کہ کام کرنے اور بنانے والا دراصل وہ بندہ نہیں ہے، نہ اس کے کچھ اختیار میں ہے، بلکہ سب کچھ اللہ تعالیٰ ہی کے ہاتھ میں ہے اور وہ بندہ اللہ تعالیٰ کا صرف آلہ کار ہے، اس کے بعد جب وہ کسی بندے کے ہاتھ سے کام ہوتا ہو ابھی دیکھے گا تو اس کے توحیدی عقیدے میں کوئی فرق نہیں آئے گا۔

(۲۲۸) عَنْ حُلَيْفَةَ لَمَّا كَانَ النَّبِيُّ ﷺ إِذَا حَزَبَهُ أَمْرٌ صَلَّى . (رواہ ابو داؤد)

ترجمہ: حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا مستقل معمول اور دستور تھا کہ جب کوئی فکر آپ کو لاحق ہوتی اور کوئی اہم معاملہ پیش آتا تو آپ نماز میں مشغول ہو جاتے۔ (مشکلات اور مہمات میں تشویش..... قرآن مجید میں بھی فرمایا گیا ہے: ”اسْتَعِذُوا بِالضُّرِّ وَالضَّلَاطَةِ“ (مشکلات اور مہمات میں ہمت و برداشت اور نماز کے ذریعہ اللہ کی مدد حاصل کرو) اس خداوندی تعلیم و ہدایت کے مطابق رسول اللہ ﷺ کا یہ معمول تھا کہ ہر مشکل اور مہم میں اللہ تعالیٰ کی مدد حاصل کرنے کے لئے آپ ﷺ نماز میں مشغول ہو جاتے تھے اور امت کو اس کا تفصیلی طریقہ آپ ﷺ نے وہ تعلیم فرمایا جو حضرت عبد اللہ بن ابی اوفیؓ والی اوپر کی حدیث میں مذکور ہوا۔

صلوٰۃ استسجاریہ

بندوں کا علم ناقص ہے بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ کوئی بندہ ایک کام کرنا چاہتا ہے اور اس کا انجام اس کے حق میں اچھا نہیں ہوتا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کے لئے ”استسجاریہ“ تعلیم فرمائی اور بتایا کہ جب کوئی خاص اور اہم کام درپیش ہو تو دو رکعت نماز پڑھ کے اللہ تعالیٰ سے رہنمائی اور توفیق خیر کی دعا کر لیا کرو۔

(۲۲۹) عَنْ جَابِرٍ لَمَّا كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يُعَلِّمُنَا الْإِسْتِخَارَةَ فِي الْأُمُورِ كَمَا يُعَلِّمُنَا السُّورَةَ مِنَ الْقُرْآنِ يَقُولُ إِذَا هُمْ أَحَدُكُمْ بِالْأَمْرِ فَلْيَرْجِعْ رَكَعَتَيْنِ مِنْ غَيْرِ الْقِرْآنِ ثُمَّ يَقُلْ . اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَسْتَخِيرُكَ بِعِلْمِكَ وَأَسْتَعِيزُكَ بِقُدْرَتِكَ وَأَسْتَعِيزُكَ بِكَرَمِكَ مِنَ الْخَيْرِ لَكَ الْعَلِيمُ لِأَنَّكَ تَقْبِلُ وَلَا تَقْبِلُ وَتَعْلَمُ وَلَا أَعْلَمُ وَأَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوبِ . اَللّٰهُمَّ إِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ أَنَّ هَذَا الْأَمْرَ خَيْرٌ لِّىْ دِينِيْ وَمَعَاشِيْ وَعَاقِبَتِيْ أَوْ لَأَمْرٍ (أَوْ لَالِىْ حَاجِلٍ أَمْرِىْ وَاجِلِهِ) فَالْفَبْرَةِ لِيْ وَبَسْرَةٍ لِيْ ثُمَّ

بَارِكْ لِي فِيهِ وَإِنْ كُنْتُ تَعْلَمُ أَنَّ هَذَا لَا مَوْخِرَ لِي فِي دِينِي وَمَعَاشِي وَعَاقِبَةِ أُمُورِي (أَوَّلًا
فِي عَاجِلِي أُمُورِي وَآخِرِهِ) لَا ضَرَفَةَ عَنِّي وَاصْرِفْهُ عَنِّي وَالْفِرْ لِي الْخَيْرَ حَيْثُ كَانَ ثُمَّ
أَرْضِنِي بِهِ قَالَ وَنُصِيَ حَاجَتَهُ .
(رواه البخاری)

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہم کو اپنے معاملات میں استخارہ کرنے کا طریقہ اسی اہتمام سے سکھاتے تھے جس اہتمام سے قرآن مجید کی سورتوں کی تعلیم فرماتے تھے۔ آپ ﷺ ہم کو بتاتے تھے کہ جب تم میں سے کوئی شخص کسی کام کا ارادہ کرے (اور اس کے انجام کے بارے میں فکر مند ہو تو اس کو اس طرح استخارہ کرنا چاہئے) پہلے وہ دو رکعت نفل پڑھے اس کے بعد اللہ کے حضور میں اس طرح عرض کرے: اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْتَخِیْرُكَ بِعِلْمِكَ وَ اَسْتَعِیْزُكَ بِقُدْرَتِكَ۔ (اے میرے اللہ! میں تجھ سے تیری صفت علم کے وسیلہ سے خیر اور بھلائی کی رہنمائی چاہتا ہوں، اور تیری صفت قدرت کے ذریعہ تجھ سے قدرت کا طالب ہوں، اور تیرے عظیم فضل کی بھیک مانگتا ہوں، کیونکہ تو قادر مطلق ہے اور میں بالکل عاجز ہوں اور تو علیم کل ہے اور میں حقائق سے بالکل ناواقف ہوں، اور تو سارے غیوب سے بھی باخبر ہے، پس اے میرے اللہ! اگر تیرے علم میں یہ کام میرے لئے بہتر ہو، میرے دین، میری دنیا اور میری آخرت کے لحاظ سے تو اس کو میرے لئے مقدر کر دے اور آسان بھی فرمادے اور پھر اس میں میرے لئے برکت بھی دے۔ اور اگر تیرے علم میں یہ کام میرے لئے برا ہے (اور اس کا نتیجہ خراب نکلنے والا ہے) میرے دین، میری دنیا اور میری آخرت کے لحاظ سے تو اس کام کو مجھ سے الگ رکھ اور مجھے اس سے روک دے اور میرے لئے خیر و بھلائی کو مقدر فرمادے، وہ جہاں اور جس کام میں ہو، پھر مجھے اس خیر والے کام کے ساتھ راضی اور مطمئن کر دے۔ راوی کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ:-

جس کام کے بارے میں استخارہ کرنے کی ضرورت ہو استخارہ کی دعا کرتے ہوئے صراحتہً اس کا نام لے۔ (بخاری)

تشریح:..... جیسا کہ اس دعا کے مضمون سے ظاہر ہے استخارہ کی حقیقت اور اس کی روح یہ ہے کہ بندہ اپنی عاجزی اور بے علمی کا احساس و اعتراف کرتے ہوئے اپنے علیم کل اور قادر مطلق مالک سے رہنمائی اور مدد چاہتا ہے اور اپنے معاملہ کو اس کے حوالے کر دیتا ہے کہ جو اس کے نزدیک بہتر ہو بس وہی کر دے، اس طرح گویا وہ اپنے مقصد کو اللہ کی مرضی میں فنا کر دیتا ہے، اور جب اس کی یہ دعا دل سے ہو جیسے کہ ہونا چاہئے تو ہو نہیں سکتا کہ اللہ تعالیٰ اپنے اس بندے کی رہنمائی اور مدد نہ فرمائے۔ حدیث میں اس کا کوئی اشارہ نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رہنمائی بندے کو کس طرح حاصل ہوگی، لیکن اللہ تعالیٰ کے بندوں کا تجربہ ہے کہ یہ رہنمائی بسا اوقات خواب وغیرہ میں کسی نبی اشارہ کے ذریعہ بھی ہوتی ہے، اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ آپ سے آپ اس کام کے کرنے کا جذبہ اور داعیہ دل میں بڑھ جاتا ہے، یا اس کے برعکس اس کی طرف سے دل بالکل ہٹ جاتا ہے، ایسی صورت میں ان دونوں کیفیتوں کو منجانب اللہ اور دعا کا نتیجہ سمجھنا چاہئے، اور اگر استخارہ

کے بعد تذبذب کی کیفیت رہے تو استخارہ بار بار کیا جائے اور جب تک کسی طرف رجحان نہ ہو جائے اقدام نہ کیا جائے۔

بہر حال یہ صلوٰۃ استغفار، صلوٰۃ حاجت اور صلوٰۃ استخارہ عظیم نعمتیں ہیں جو اس امت کو رسول اللہ ﷺ کے ذریعہ ملی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم کو ان سے فائدہ اٹھانے کی توفیق دے۔

صلوٰۃ التسبیح

(۲۳۰) عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ لِلْعَبَّاسِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ يَا عَبَّاسُ يَا عَبَّاسُ أَلَا أُعْطِيكَ أَلَا أَمْنُحُكَ أَلَا أُغْنِيكَ أَلَا أَفْعَلَ بِكَ عَشْرَ خِصَالٍ إِذَا أَنْتَ فَعَلْتَ ذَلِكَ غَفَرَ اللَّهُ لَكَ ذُنُوبَكَ أَوَّلَهُ وَآخِرَهُ لِيُذِمَّهُ وَحَدِيثَهُ عَطَاةً وَعَمَدَةً صَغِيرَةً وَكَبِيرَةً سِرَةً وَعَلَانِيَةً أَنْ تَصَلِّيَ أَرْبَعَ رَكَعَاتٍ تَقْرَأُ فِي كُلِّ رَكَعَةٍ لَبَّيْكَ الْكِتَابِ وَسُورَةَ إِذَا فَرَعْتَ مِنَ الْقِرَاءَةِ فِي أَوَّلِ رَكَعَةٍ وَأَنْتَ لَابِمُ لَكَ سُبْحَانَ اللَّهِ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ وَلَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَاللَّهُ أَكْبَرُ خَمْسَ عَشْرَةَ مَرَّةً ثُمَّ تَرْكَعُ لَقَوْلِهَا وَأَنْتَ رَاكِعٌ عَشْرًا ثُمَّ تَرْفَعُ رَأْسَكَ مِنَ الرُّكُوعِ لَقَوْلِهَا عَشْرًا ثُمَّ تَهْوِي سَاجِدًا لَقَوْلِهَا وَأَنْتَ سَاجِدٌ عَشْرًا ثُمَّ تَرْفَعُ رَأْسَكَ مِنَ السُّجُودِ لَقَوْلِهَا عَشْرًا ثُمَّ تَسْجُدُ لَقَوْلِهَا عَشْرًا ثُمَّ تَرْفَعُ رَأْسَكَ مِنَ السُّجُودِ لَقَوْلِهَا عَشْرًا

لَذَلِكَ خَمْسُ وَسَبْعُونَ فِي كُلِّ رَكَعَةٍ تَفْعَلُ ذَلِكَ فِي أَرْبَعَ رَكَعَاتٍ إِنْ اسْتَطَعْتَ أَنْ تَصَلِّيَهَا فِي كُلِّ يَوْمٍ مَرَّةً لَفَعَلَ لَكَ لَمْ تَفْعَلْ لِيَكُنْ فِي كُلِّ جُمُعَةٍ مَرَّةً لَكَ لَمْ تَفْعَلْ لِيَكُنْ فِي كُلِّ سَنَةٍ مَرَّةً لَكَ لَمْ تَفْعَلْ لِيَكُنْ عُمْرُكَ مَرَّةً .

(رواہ ابو داؤد و ابن ماجہ و البیہقی . فی الدعوات الکبیر . وروی الترمذی عن ابی الراح نحوہ)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک دن اپنے چچا حضرت عباس بن عبدالمطلب سے فرمایا: اے عباس، اے میرے محترم چچا! کیا میں آپ کی خدمت میں ایک گران قدر عطیہ اور ایک قیمتی تحفہ پیش کروں؟ کیا میں آپ کو ایک خاص بات بتاؤں؟ کیا میں آپ کے دس کام اور آپ کی دس خدمتیں کروں (یعنی آپ کو ایک ایسا عمل بتاؤں جس سے آپ کو دس عظیم الشان منفعتیں حاصل ہوں، وہ ایسا عمل ہے کہ) جب آپ اسکو کریں گے تو اللہ تعالیٰ آپ کے سارے گناہ معاف فرمادے گا اگلے بھی اور پچھلے بھی، صغیرہ بھی اور کبیرہ بھی، ڈھکے چھپے بھی اور علانیہ ہونے والے بھی (وہ عمل صلوٰۃ التسبیح ہے، اور اس کا طریقہ یہ ہے) آپ چار رکعت نماز پڑھیں اور ہر رکعت میں سورۃ فاتحہ اور دوسری کوئی سورت پڑھیں، پھر جب آپ پہلی رکعت میں قرأت سے فارغ ہو جائیں تو قیام ہی کی حالت میں پندرہ دفعہ کہیں سُبْحَانَ اللَّهِ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ وَلَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَاللَّهُ أَكْبَرُ پھر اس کے بعد رکوع کریں اور رکوع میں بھی یہی کلمہ دس دفعہ پڑھیں، پھر رکوع سے اٹھ کر قومہ میں بھی یہی کلمہ دس دفعہ کہیں، پھر سجدہ میں چلے جائیں اور اس میں یہ کلمہ دس دفعہ کہیں،

پھر جب سے اٹھ کر جلسہ میں یہی کلمہ دس دفعہ کہیں، پھر دوسرے سجدہ میں بھی یہی کلمہ دس دفعہ کہیں، پھر دوسرے سجدے کے بعد بھی (کھڑے ہونے سے پہلے) یہ کلمہ دس دفعہ کہیں، چاروں رکعتیں اسی طرح پڑھیں اور اس ترتیب سے ہر رکعت میں یہ کلمہ پچھتر دفعہ کہیں۔ (میرے چچا) اگر آپ سے ہو سکے تو روزانہ یہ نماز پڑھا کریں اور اگر روزانہ نہ پڑھ سکیں تو ہر جمعہ کے دن پڑھ لیا کریں اور اگر آپ یہ بھی نہ کر سکیں تو سال میں ایک دفعہ پڑھ لیا کریں اور اگر یہ بھی نہ ہو سکے تو کم از کم زندگی میں ایک دفعہ پڑھ ہی لیں۔ (سنن ابی داؤد، سنن ابن ماجہ، سنن ابی یوسف)

تشریح..... کتب حدیث میں صلوٰۃ التبیح کی تعلیم و تلقین رسول اللہ ﷺ سے متعدد صحابہ کرامؓ سے روایت کی گئی ہے۔ امام ترمذی نے رسول اللہ ﷺ کے خادم اور آزاد کردہ غلام حضرت ابو رافع کی روایت اپنی سند سے نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ ان کے علاوہ حضرت عبداللہ بن عباس اور عبداللہ بن عمرؓ اور فضل بن عباس نے بھی اس کو روایت کیا ہے۔ حافظ ابن حجر نے اپنی کتاب "الحصائل السکونۃ" میں ابن الجوزی کا رد کرتے ہوئے ① "صلوٰۃ التبیح" کی روایات اور ان کی سند کی حیثیت پر تفصیل سے کلام کیا ہے اور ان کی بحث کا حاصل یہ ہے کہ یہ حدیث کم از کم "حسن" یعنی صحت کے لحاظ سے دوم درجہ کی ضرور ہے، اور بعض تابعین اور تبع تابعین حضرات سے (جن میں عبداللہ بن مبارک جیسے جلیل القدر امام بھی شامل ہیں) صلوٰۃ التبیح کا پڑھنا اور اس کی فضیلت بیان کر کے لوگوں کو اس کی ترغیب دینا بھی ثابت ہے اور یہ اس کا واضح ثبوت ہے کہ ان حضرات کے نزدیک بھی "صلوٰۃ التبیح" کی تلقین اور ترغیب کی حدیث رسول اللہ ﷺ سے ثابت تھی، اور زمانہ مابعد میں تو یہ صلوٰۃ التبیح اکثر صالحین امت کا معمول رہا ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہؒ نے اس نماز کے بارے میں ایک خاص نکتہ لکھا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے نمازوں میں (خاص کر نفلی نمازوں میں) بہت سے اذکار اور دعائیں ثابت ہیں۔ اللہ کے جو بندے ان اذکار اور دعائوں پر ایسے قابو یافتہ نہیں ہیں کہ اپنی نمازوں میں ان کو پوری طرح شامل کر سکیں اور اس وجہ سے ان اذکار و دعوات والی کامل ترین نماز سے وہ بے نصیب رہتے ہیں ان کے لئے یہی صلوٰۃ التبیح اس کامل ترین نماز کے قائم مقام ہو جاتی ہے، کیونکہ اس میں اللہ کے ذکر اور تسبیح و تحمید کی بہت بڑی مقدار شامل کر دی گئی ہے، اور چونکہ ایک ہی کلمہ بار بار پڑھا جاتا ہے اس لئے عوام کے لئے بھی اس نماز کا پڑھنا مشکل نہیں ہے۔ صلوٰۃ التبیح کا جو طریقہ اور اس کی جو ترتیب امام ترمذی وغیرہ نے حضرت عبداللہ بن مبارک سے روایت کی ہے اس میں دوسری عام نمازوں کی طرح قرأت سے پہلے ثناء یعنی سبحانک اللہم وبحمدک اور رکوع میں سبحان ربی العظیم اور سجدہ میں سبحان ربی الاعلیٰ پڑھنے کا بھی ذکر ہے اور ہر رکعت کے قیام میں قرأت سے پہلے کلمہ سبحان اللہ والحمد للہ ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر پندرہ دفعہ، اور

① علامہ ابن الجوزی جن کا تشہد احادیث کے بارے میں مشہور و معروف ہے اور جو بہت سی ایسی حدیثوں کو بھی موضوع کبر دیتے ہیں جو دوسرے محدثین کے نزدیک ثابت ہیں۔ انہوں نے "صلوٰۃ التبیح" کی ترغیب اور تلقین والی اس حدیث کو موضوع کہا ہے۔ حافظ ابن حجر نے اپنی کتاب "مختر المسائل" میں خاصی تفصیل سے اس کا رد کیا ہے۔ ۱۲

قرأت کے بعد رکوع میں جانے سے پہلے یہی کلمہ دس دفعہ پڑھنے کا ذکر بھی ہے، اسی طرح ہر رکعت کے قیام میں یہ کلمہ پچیس دفعہ ہو جائے گا اور اس طریقہ میں دوسرے جہدے کے بعد یہ کلمہ کسی رکعت میں بھی نہیں پڑھا جائے گا، اس طرح اس طریقے کی ہر رکعت میں بھی اس کلمہ کی مجموعی تعداد پچھتر اور چار رکعتوں کی مجموعی تعداد تین سو بیس ہوگی۔ بہر حال صلوٰۃ التسبیح کے یہ دونوں ہی طریقے منقول اور معمول ہیں۔ پڑھنے والے کے لئے گنجائش ہے جس طرح چاہے پڑھے۔

”صلوٰۃ التسبیح“ کی تاثیر اور برکت

نماز کے ذریعہ گناہوں کے معاف ہونے اور معصیات کے گندے اثرات کے زائل ہونے کا ذکر تو اصولی طور پر قرآن مجید میں بھی فرمایا گیا ہے۔

اقِمِ الصَّلَاةَ طَرَفِي النَّهَارِ وَزُلْفَا مِنْ اللَّيْلِ اِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ (سورہ ہود ۱۱: ۱۸)

لیکن اس تاثیر میں ”صلوٰۃ التسبیح“ کا جو خاص مقام اور درجہ ہے وہ حضرت عبداللہ بن عباس کی مندرجہ بالا حدیث میں پوری صراحت کے ساتھ ذکر کر دیا گیا ہے، یعنی یہ اس کی برکت سے بندہ کے اگے، پیچھے، پرانے، نئے، دانستہ، نادانستہ، صغیرہ، کبیرہ، پوشیدہ، علانیہ، سارے ہی گناہ اللہ تعالیٰ معاف فرمادیتا ہے۔ اور سنن ابی داؤد کی ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے ایک صحابی (عبداللہ بن عمرؓ) کو ”صلوٰۃ التسبیح“ کی تلقین کرنے کے بعد ان سے فرمایا:

”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ لَوْ كُنْتَ أَهْلَ الْأَرْضِ لَهَبَّكَ بِذَلِكَ“

”تم اگر بالفرض دنیا کے سب سے بڑے گناہگار ہو گے تو بھی اسکی برکت سے اللہ تعالیٰ تمہاری مغفرت فرمادے گا“

اللہ تعالیٰ محرومی سے حفاظت فرمائے اور اپنے ان خوش نصیب بندوں میں سے کردے جو رحمت و مغفرت کے ایسے اعلانات کو سن کر ان سے فائدہ اٹھاتے اور ان کا حق ادا کرتے ہیں۔

نوافل کا ایک خاص فائدہ

صلوٰۃ التسبیح پر نفل نمازوں کا بیان ختم ہو چکا، اس خاتمہ پر ذیل کی ایک حدیث اور پڑھ لی جائے:

(۲۳۱) عَنْ حُرَيْثِ بْنِ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ لَبِثْتُ الْمَدِينَةَ فَلَقْتُ اَللّٰهُمَّ بِسَرِّیْ جَلِیْسًا صَالِحًا فَجَلَسْتُ اِلٰی اَبِیْ هُرَیْرَةَ فَلَقْتُ اِلَیْ سَأَلْتُ اللّٰهَ اَنْ یُّرْزُقَنِیْ جَلِیْسًا صَالِحًا فَجَلَسَنِیْ بِحَدِیْثِ سَمِیْعَةٍ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ لَعَلَّ اللّٰهَ اَنْ یَنْفَعَنِیْ بِهٖ فَقَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ یَقُوْلُ اِنَّ اَوَّلَ مَا یَحَاسِبُ بِهٖ الْعَبْدُ یَوْمَ الْقِیَمَةِ مِنْ عَمَلِهٖ صَلَوٰتُهٗ لِاَنَّ صَلَاحَ اَلْفَلَاحِ وَاَلْوَجْهَ وَاَنْ لَسَدَتْ لَقَدْ خَابَ وَخَسِرَ لِاِنَّ النِّقَصَ مِنْ لَرِیْضَتِهٖ فَبِتَا لَالِ الرَّبُّ تَعَالٰی اَنْظُرُوْا هَلْ لِعَبْدِیْ مِنْ تَطَوُّعٍ ؟ لِیُكْمَلَ بِهٖ مَا النِّقَصُ مِنَ الْفَرِیْضَةِ ثُمَّ یَكُوْنُ سَائِرُ اَعْمَالِهٖ عَلٰی ذٰلِكَ (رواہ الترمذی و السی)

ترجمہ: حریت بن قبیصہ تابعی بیان کرتے ہیں کہ میں مدینہ طیبہ آیا تو میں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ: اے اللہ! مجھے اپنے کسی صالح بندے کی صحبت میسر فرما؟ پھر میں حضرت ابو ہریرہؓ کی خدمت میں حاضر ہوا تو میں نے ان سے کہا کہ میں نے اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کی تھی کہ مجھے کسی صالح بندے کی صحبت نصیب فرما (اور میں اب آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں) آپ مجھے کوئی ایسی حدیث سنائیں جو آپ نے خود رسول اللہ ﷺ سے سنی ہو، مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو میرے لئے نفع مند بنائے گا، تو حضرت ابو ہریرہؓ نے یہ حدیث سنائی۔ فرمایا کہ: میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا: آپؐ فرماتے تھے کہ قیامت کے دن بندے کے اعمال میں سے سب سے پہلے نماز کا حساب ہو گا اور اس کی نماز جانچی جائے گی، پس اگر وہ ٹھیک نکلی تو بندہ فلاح یاب اور کامیاب ہو جائیگا اور اگر وہ خراب نکلی تو بندہ ناکام اور نامراد ہو جائے گا پھر اگر اس کے فرائض میں کمی کسر ہوئی تو رب کریم فرمائے گا کہ دیکھو کیا میرے بندے کے ذخیرہ اعمال میں فرائض کے علاوہ کچھ نیکیاں (سنتیں یا نوافل) ہیں؟ تاکہ ان سے اس کے فرائض کی کمی پوری ہو سکے۔ پھر نماز کے علاوہ باقی اعمال کا حساب بھی اسی طرح ہو گا۔ (ابن تیمیہ، سنن نسائی)

ترجمہ:..... سنن و نوافل کی افادیت اور اہمیت کے لئے تمہاری حدیث کافی ہے۔

خاص اجتماعی نمازیں جو امت مسلمہ کا شعار ہیں

جمعہ و عیدین

دن رات کی پانچوں فرض نمازیں جن کے باجماعت پڑھنے کا حکم ہے، اور ان کے علاوہ دو سنن و نوافل جو انفرادی طور پر ہی پڑھے جاتے ہیں ان سب کے متعلق رسول اللہ ﷺ کے ارشادات اور معمولات سابق میں ذکر کئے جا چکے۔ ان کے علاوہ چند نمازیں اور ہیں جو صرف اجتماعی طور پر ہی ادا کی جاتی ہیں اور وہ اپنی مخصوص نوعیت اور امتیازی شان کی وجہ سے اس امت کا گویا شعار ہیں، ان میں سے ایک نماز جمعہ ہے جو ہفتہ وار ہے اور عید الفطر و عید الاضحیٰ کی نمازیں ہیں جو سال میں ایک دفعہ ادا کی جاتی ہیں۔ فرائض پنجگانہ کے جماعت سے ادا کرنے میں جو مصالح اور منافع ہیں (جن کا ذکر اپنے موقع پر کیا جا چکا ہے) وہ سب کے سب وسیع تر پیمانے پر جمعہ اور عیدین کی نمازوں سے بھی حاصل ہوتے ہیں اور ان کے علاوہ کچھ اور حکمتیں اور مصلحتیں بھی ہیں، جو صرف ان ہفتہ وار اور سالانہ اجتماعی نمازوں ہی سے وابستہ ہیں، پہلے جمعہ کے بارے میں چند اشارات ذکر کئے جاتے ہیں، امید ہے کہ اس باب کی احادیث کا مقصد و منشاء سمجھنے میں انشاء اللہ ان اشارات سے ناظرین کو خاص رہنمائی حاصل ہوگی۔

روزانہ پانچوں وقت کی جماعت میں ایک محدود حلقہ یعنی ایک محلہ ہی کے مسلمان جمع ہو سکتے ہیں اس لئے ہفتہ میں ایک دن ایسا رکھ دیا گیا۔ جس میں پورے شہر اور مختلف محلوں کے مسلمان ایک خاص نماز کے

لئے شہر کی ایک بڑی مسجد میں جمع ہو جایا کریں اور ایسے اجتماع کے لئے ظہر ہی کا وقت زیادہ موزوں ہو سکتا تھا اس لئے وہی وقت رکھا گیا اور ظہر کی چار رکعت کے بجائے جمعہ کی نماز صرف دو رکعت رکھی گئی، اور اس اجتماع کو تعلیمی و تربیتی لحاظ سے زیادہ مفید اور مؤثر بنانے کے لئے تخفیف شدہ دو رکعتوں کے بجائے خطبہ لازمی کر دیا گیا۔ اور اس کیلئے جمعہ ہی کا دن اس واسطے مقرر کیا گیا کہ ہفتہ کے سات دنوں میں سے وہی دن زیادہ با عظمت اور بابرکت ہے۔ جس طرح روزانہ اخیر شب کی گھڑیوں میں اللہ تعالیٰ کی رحمت و عنایت بندوں کی طرف زیادہ متوجہ ہوتی ہے اور جس طرح سال کی راتوں میں سے ایک رات (شب قدر) خاص الخاص درجہ میں برکتوں اور رحمتوں والی ہے اسی طرح ہفتہ کے سات دنوں میں سے جمعہ کا دن اللہ تعالیٰ کے خاص الطاف و عنایات کا دن ہے اور اسی لئے اس میں بڑے بڑے اہم واقعات اللہ تعالیٰ کی طرف سے واقع ہوئے ہیں اور واقع ہونے والے ہیں (جیسا کہ آگے درج ہونے والی حدیثوں سے معلوم ہو گا) بہر حال جمعہ کی انہی خصوصیات کی وجہ سے اس اہم اور شاندار ہفتہ اور اجتماعی نماز کے لئے جمعہ کا دن مقرر کیا گیا۔ اور اس میں شرکت و حاضری کی سخت تاکید کی گئی، اور نماز سے پہلے غسل کرنے، اچھے صاف ستھرے پہرے پہننے اور میسر ہو تو خوشبو بھی لگانے کی ترغیب بلکہ ایک درجے میں تاکید کی گئی، تاکہ مسلمانوں کا یہ مقدس ہفتہ واری اجتماعی توجہ الی اللہ اور ذکر و دعا کی باطنی و روحانی برکات کے علاوہ ظاہری حیثیت سے بھی پاکیزہ، خوش منظر، بارونق اور پر بہار ہو، اور مجمع کو ملائکہ کے پاک و صاف مجمع کے ساتھ زیادہ سے زیادہ مشابہت اور مناسبت ہو۔ اس تمہید کے بعد جمعہ اور نماز جمعہ کے متعلق احادیث ذیل میں پڑھئے۔

جمعہ کے دن کی عظمت و فضیلت

(۲۳۲) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ غَيْرُ يَوْمٍ طَلَعَتْ عَلَيْهِ الشَّمْسُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ فِيهِ خُلِقَ آدَمُ وَفِيهِ أُدْخِلَ الْجَنَّةَ وَفِيهِ أُخْرِجَ مِنْهَا وَلَا تَقُومُ السَّاعَةُ إِلَّا فِي يَوْمِ الْجُمُعَةِ . (رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ان سارے دنوں میں جن میں کہ آفتاب نکلتا ہے (یعنی ہفتہ کے ساتوں دنوں میں) سب سے بہتر اور برتر جمعہ کا دن ہے۔ جمعہ ہی کے دن آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا اور جمعہ ہی کے دن وہ جنت میں داخل کئے گئے، اور جمعہ ہی کے دن وہ جنت سے باہر کر کے اس دنیا میں بھیجے گئے (جہاں ان سے نسل انسانی کا سلسلہ شروع ہوا) اور قیامت بھی خاص جمعہ ہی کے دن قائم ہوگی۔ (صحیح مسلم)

① شریعت میں جمعہ کی جو خاص نوعیت رکھی گئی ہے اور عبد نبوی ﷺ اور دور صحابہؓ و تابعینؓ تک اس کے بھی کافی بعد تک امت کا جو طرز عمل جمعہ کے بارے میں تھا اس سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ ایک شہر اور ایک ہستی میں جمعہ حتیٰ الوسع ایک ہی جگہ ہونا چاہئے۔ ہاں اگر ایسی کوئی مسجد موجود نہ ہو جس میں شہر اور ہستی کے سارے نمازی آئیں تو پھر حسب ضرورت شہر کی اور بھی مناسب مسجدوں کو نماز جمعہ کے لئے تجویز کیا جاسکتا ہے۔ لیکن اس میں بھی اسکا لحاظ رکھنا ضروری ہے کہ شہر کے ایک حلقہ میں جمعہ ایک ہی مسجد میں ہو یہ طریقہ کہ محلہ کی تمام مسجدوں میں الگ الگ جمعہ ہو یقیناً شریعت کے مقصد و منشا کے خلاف ہے۔

جمعہ کے دن کا خصوصی وظیفہ درود شریف

٢٣٣) عَنْ أَوْسِ بْنِ أَوْسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِنَّ مِنَ الْفَضْلِ أَيَّامَكُمْ يَوْمَ الْجُمُعَةِ فِيهِ خُلِقَ آدَمُ وَ فِيهِ لَبِثَ وَ فِيهِ النِّفَاحُ وَ فِيهِ الصُّغُفَةُ فَاسْكَبُوا عَلَى مِنَ الصَّلَاةِ فِيهِ لِأَنَّ صَلَاتَكُمْ مَفْرُوضَةٌ عَلَى الْبَالِغِ يَا رَسُولَ اللَّهِ وَ كَيْفَ تَعْرِضُ صَلَاتُنَا عَلَيْكَ وَ لَدَا أَرَمْتُ ؟ قَالَ يَقْرَأُونَ بِبَيْتٍ قَالَ إِنَّ اللَّهَ حَرَّمَ عَلَى الْأَرْضِ أَجْسَادَ الْأَنْبِيَاءِ .

(رواه ابن داؤد و النسائي و ابن ماجة و اندارمى و البيهقى فى الدعوات الكبير)

حضرت اوس بن اوس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: جمعہ کا دن افضل ترین دنوں میں سے ہے، اسی میں آدم علیہ السلام کی تخلیق ہوئی، اسی میں ان کی وفات ہوئی۔ اسی میں قیامت کا سورپہ نکاجائے گا، اور اسی میں موت اور فنا کی جیوشی اور بے حسی ساری مخلوقات پر طاری ہوگی۔ لہذا تم لوگ جمعہ کے دن مجھ پر درود کی کثرت کیا کرو، کیونکہ تمہارا درود مجھ پر پیش ہوتا ہے اور پیش ہوتا رہے گا۔ صی پڑنے عرض کیا یا رسول اللہ! (آپ کے وفات فرما جانے کے بعد) ہمارا درود آپ پر کیسے پیش ہوگا، آپ کا جسد اطہر تو قبر میں ریزہ ریزہ ہو چکا ہوگا؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: اللہ تعالیٰ نے پیغمبروں کے جسموں کو زمین پر حرام کر دیا ہے (یعنی موت کے بعد بھی ان کے اجسام قبروں میں بالکل صحیح سالم رہتے ہیں، زمین ان میں کوئی تغیر پیدا نہیں کر سکتی۔)

(سفین ایمن، بحر، سفین نامی، سفین بن ماری، مری، نوات یہ تحقیق)

تشریح..... اوپر والی حضرت ابوہریرہؓ کی حدیث کی طرح حضرت اوس بن اوس ثقفیؓ کی اس حدیث میں بھی جمعہ کے دن میں واقع ہونے والے اہم اور غیر معمولی واقعات کا ذکر کر کے جمعہ کی اہمیت و فضیلت بیان کی گئی ہے اور مزید یہ فرمایا گیا ہے کہ اس مبارک اور محترم دن میں درودِ نیا دینا بہت چاہئے، گویا جس طرح رمضان المبارک کا خاص وظیفہ تلاوت قرآن پاک ہے اور اس کو رمضان المبارک سے خاص مناسبت ہے اور جس طرح سفر حج کا خاص وظیفہ تلعبہ لبیک اللہ لبیک ہے، اسی طرح جمعہ کے مبارک دن کا خاص وظیفہ اس حدیث کی رو سے درود شریف ہے، جمعہ کے دن خصوصیت سے اس کی کثرت کرنی چاہئے۔

وفات کے بعد آپ ﷺ پر درود کی پیشی اور مسئلہ حیات انبیاء

درود شریف کی کثرت کا حکم دیتے ہوئے اس حدیث میں آنحضرت ﷺ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کا انتظام ہے کہ امت کا درود میرے پاس پہنچایا جاتا ہے اور میرے سامنے پیش کیا جاتا ہے اور یہ انتظام اس دنیا میں میرے جانے کے بعد بھی اسی طرح قائم رہے گا (بعض دوسری حدیثوں میں یہ بھی ذکر ہے کہ درود آپ ﷺ کے پاس فرشتے پہنچاتے ہیں)۔ اس پر بعض صحابہ کرامؓ کے دل میں یہ سوال پیدا ہوا کہ اس وقت تک جب کہ آپ ﷺ اس دنیا میں رونق افروز ہیں آپ ﷺ کے پاس ملائکہ کا آنا اور درود وغیرہ پہنچانا اور پیش کرنا معلوم ہے اور سمجھ میں آتا ہے، لیکن آپ کی وفات کے بعد جب آپ قبر میں دفن

کر دیئے جائیں گے اور عام طبعی قانون کے مطابق آپ ﷺ کا جسم مبارک زمین کے اثر سے ریزہ ریزہ ہو جائے گا تو پھر درود شریف آپ ﷺ کی خدمت میں کیسے پیش کیا جاسکے گا؟۔ انہوں نے یہ سوال آپ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ: اللہ تعالیٰ کے خاص حکم سے پیغمبروں کے اجسام ان کی وفات کے بعد قبروں میں جوں کے توں محفوظ رہتے ہیں، زمین ان پر اپنا عام طبعی عمل نہیں کر سکتی، یعنی جس طرح دنیا میں خاص تدبیروں اور دواؤں سے موت کے بعد بھی اجسام کو محفوظ رکھا جاسکتا ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اپنی خاص قدرت اور خاص حکم سے پیغمبروں کی وفات کے بعد ان کے جسموں کو ہمیشہ کے لئے قبروں میں محفوظ کر دیا ہے اور وہاں ان کو ایک خاص قسم کی حیات حاصل رہے گی (جو اس عالم کے قوانین کے مطابق ہوگی) اس لئے درود کے پہنچنے اور پیش کئے جانے کا سلسلہ اسی طرح جاری رہے گا۔

(۲۳۴) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِنَّ فِي الْجُمُعَةِ لَسَاعَةً لَا يُوَافِقُهَا عَبْدٌ مُسْلِمٌ يَسْأَلُ اللَّهَ فِيهَا خَيْرًا إِلَّا أَغْنَاهُ إِيَّاهُ. (رواہ البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: جمعہ کے دن میں ایک گھڑی ایسی ہوتی ہے کہ اگر کسی مسلمان بندے کو حسن اتفاق سے خاص اس گھڑی میں خیر اور بھلائی کی کوئی چیز اللہ تعالیٰ سے مانگنے کی توفیق مل جائے تو اللہ تعالیٰ اسکو عطا ہی فرما دیتا ہے۔ (ترمذی، ابن ماجہ، نسائی)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ جس طرح پورے سال میں رحمت و قبولیت کی ایک خاص رات (شب قدر) رکھی گئی ہے جس میں کسی بندے کو اگر توبہ و استغفار اور دعا نصیب ہو جائے تو اس کی بڑی خوش نصیبی ہے اور اللہ تعالیٰ سے قبولیت کی خاص توقع ہے۔ اسی طرح ہر ہفتے میں بھی جمعہ کے دن رحمت و قبولیت کی ایک خاص گھڑی ہوتی ہے اگر اس میں بندے کو اللہ تعالیٰ سے دعا کرنا اور مانگنا نصیب ہو جائے تو اللہ تعالیٰ کے کرم سے قبولیت ہی کی امید ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عبداللہ بن سلامؓ اور کعب احبارؓ دونوں نے نقل کیا ہے کہ: جمعہ کے دن کی اس ساعت اجابت کا ذکر تورات میں بھی ہے۔ اور معلوم ہے کہ یہ دونوں حضرات تورات اور کتب سابقہ کے بہت بڑے عالم تھے۔

جمعہ کے دن کی اس ساعت اجابت کے وقت کی تعین و تخصیص میں شارحین حدیث نے بہت سے اقوال نقل کئے ہیں، ان میں سے دو ایسے ہیں جن کا صراحت یا اشارۃ بعض احادیث میں بھی ذکر ہے، صرف وہی یہاں ذکر کئے جاتے ہیں:

(۱) ایک یہ کہ جس وقت امام خطبہ کے لئے ممبر پر جائے اس وقت سے لے کر نماز کے ختم ہونے تک جو وقت ہوتا ہے بس یہی وہ ساعت اجابت ہے۔ اس کا حاصل یہ ہوا کہ خطبہ اور نماز کا وقت ہی قبولیت کی دعا کا خاص وقت ہے۔

(۲) دوسرا قول یہ ہے کہ وہ ساعت عصر کے بعد سے لے کر غروب آفتاب تک کا وقفہ ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے ”تذکرۃ الابرار“ میں یہ دونوں قول ذکر فرما کر اپنا خیال یہ ظاہر فرمایا

ہے کہ:-

”ان دونوں باتوں کا مقصد بھی حتمی تعین نہیں ہے، بلکہ منشاء صرف یہ ہے کہ خطبہ اور نماز کا وقت چونکہ ہند گان خدا کی توجہ الی اللہ اور عبادت و دعا کا خاص وقت ہے اس لئے اس کی امید کی جاسکتی ہے کہ وہ ساعت اسی وقت میں ہو۔ اور اسی طرح چونکہ عصر کے بعد سے غروب تک کا وقت نزول قضا کا وقت ہے اور وہ پورے دن کا گویا نچوڑ ہے اس لئے اس وقت بھی توقع کی جاسکتی ہے کہ وہ ساعت غالباً اس مبارک وقفہ میں ہو۔“

بعض حضرات نے لکھا ہے کہ:- ”جمعہ کے دن کی اس خاص ساعت کو اسی طرح اور اسی مصلحت سے مبہم رکھا گیا ہے جس طرح اور جس مصلحت سے شب قدر کو مبہم رکھا گیا ہے، پھر جس طرح رمضان مبارک کے عشرہ اخیر کی طاق راتوں اور خاص کر ستائیسویں شب کی طرف شب قدر کے بارے میں کچھ اشارات بعض حدیثوں میں کئے گئے ہیں اسی طرح جمعہ کے دن کی اس ساعت اجابت کے لئے نماز و خطبہ کے وقت اور عصر سے مغرب تک کے وقفہ کے لئے بھی احادیث میں اشارات کئے گئے ہیں تاکہ اللہ کے بندے کم از کم ان دو وقتوں میں توجہ الی اللہ اور دعا کا خصوصیت سے اہتمام کریں۔“

اس ناچیز نے اپنے بعض اکابر کو دیکھا ہے کہ وہ جمعہ کے دن ان دونوں وقتوں میں لوگوں سے ملنا جلنا اور بات چیت کرنا پسند نہیں کرتے، بلکہ نماز پڑھ کر دو عا اور توجہ الی اللہ ہی میں مصروف رہنا چاہتے ہیں۔

نماز جمعہ کی فرخیت اور خاص اہمیت

(۲۳۵) عَنْ طَارِقِ بْنِ شِهَابٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ الْجُمُعَةُ حَقٌّ وَاجِبٌ عَلَى كُلِّ مُسْلِمٍ فِي جَمَاعَةٍ إِلَّا عَلَى الزَّيْغَةِ عَبْدٍ مَمْلُوكٍ أَوْ امْرَأَةٍ أَوْ صَبِيٍّ أَوْ مَرِيضٍ . (رواہ ابوداؤد)

ترجمہ: طارق بن شہاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جمعہ کی نماز جماعت کے ساتھ ادا کرنا ہر مسلمان پر لازم اور واجب ہے۔ اس وجہ سے چار قسم کے آدمی مستثنیٰ ہیں: ایک غلام جو بیچارہ کسی کا مملوک ہو، دوسرے عورت، تیسرے لڑکا جو ابھی بالغ نہ ہوا ہو، چوتھے بیمار۔ (سنن ابی داؤد)

(۲۳۶) عَنْ ابْنِ عُمَرَ وَ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّهُمَا قَالَ سَمِعْنَا رَسُولَ اللَّهِ ﷺ عَلَى أَغْوَادٍ مِنْهُمْ لِيَنْتَهِيَنَّ الْقَوْمُ عَنْ وَدْعِهِمُ الْجُمُعَاتِ أَوْ لِيَخْتَمَنَّ اللَّهُ عَلَى لُزْبِهِمْ ثُمَّ لِيَكُونَنَّ مِنَ الْعَافِينَ . (رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عمرؓ اور حضرت ابو ہریرہؓ دونوں سے روایت ہے کہ ہم نے خود رسول اللہ ﷺ سے سنا، آپؐ ہر سر منبر فرما رہے تھے کہ:- جمعہ چھوڑنے والے لوگ یا تو اپنی اس حرکت سے باز آئیں یا یہ ہوگا کہ ان کے اس گناہ کی سزا میں اللہ تعالیٰ ان کے دلوں پر مہر لگا دے گا، پھر وہ غافلوں ہی میں سے ہو جائیں گے (اور اصلاح کی توفیق سے محروم کر دیئے جائیں گے)۔ (صحیح مسلم)

(۲۳۷) عَنْ أَبِي الْجَعْدِ الضَّمْرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مَنْ تَرَكَ ذَلِكَ جُمُعَ تَهَاوَنَّا بِهَا طَبَعَ اللَّهُ

صَلَّى مَا حَبَّبَ اللَّهُ لَهُ لَمْ أَنْصَتْ إِذَا خَرَجَ إِمَامُهُ حَتَّى يَفْرُغَ مِنْ صَلَاتِهِ كَأَنَّهُ كَفَّارَةٌ لِمَا بَيْنَهَا وَبَيْنَ الْجُمُعَةِ الَّتِي قَبْلَهَا . (رواہ ابو داؤد)

ترجمہ: حضرت ابو سعید خدری اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما دونوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس نے جمعہ کے دن غسل کیا اور اچھے کپڑے اسے میسر تھے وہ پہنے خوشبو اگراس کے پاس تھی تو وہ بھی لگائی پھر وہ نماز جمعہ کے لئے حاضر ہوا اور اس کی احتیاط کی کہ پہلے سے بیٹھے ہوئے لوگوں کی گردنوں کے اوپر سے بھلا نکلتا ہوا نہیں گیا پھر سنتوں اور نفلوں کی جتنی رکعتوں کی اللہ تعالیٰ نے توفیق دی وہ پڑھیں، پھر جب امام خطبہ دینے کے لئے آیا تو ادب اور خاموشی سے اس کی طرف متوجہ ہو کر خطبہ سنا، یہاں تک کہ نماز پڑھ کر فارغ ہوا تو اس بندے کی نماز اس جمعہ اور اس سے پہلے والے جمعہ کے درمیان کے گناہوں خطاؤں کے لئے کفارہ ہو جائے گی۔ (مشن ابن ماجہ)

تشریح: شریعت میں غسل جمعہ کا جو درجہ ہے اور اس کا جو خاص مقصد و منشاء ہے اس کا بیان تفصیل کے ساتھ ”مسنون یا مستحب غسل“ کے عنوان سے پہلے کیا جا چکا ہے۔ مندرجہ بالا دونوں حدیثوں میں غسل کے علاوہ چند اور اعمال کا بھی ذکر ہے۔ بقدر امکان ہر قسم کی پاکیزگی اور صفائی کا اہتمام، اچھے لباس کا اہتمام، خوشبو کا استعمال، مسجد میں ہر اس چیز سے احتیاط اور اجتناب جس سے لوگوں کو ایذا پہنچنے اور باہمی تعلقات خراب ہونے کا اندیشہ ہو، جیسے پہلے سے ساتھ بیٹھے ہوئے آدمیوں کے بیچ میں گھس کے بیٹھنا یا لوگوں کے اوپر سے بھلا لگ کے جانا وغیرہ، پھر وہاں حسب توفیق نوافل پڑھنا اور خطبہ کے وقت ادب اور توجہ کے ساتھ اس کو سننا، پھر نماز پڑھنا۔ جمعہ کی جو نماز اس اہتمام اور آداب کے ساتھ پڑھی جائے اس کو ان دونوں حدیثوں میں پورے ہفتہ کے گناہوں کا کفارہ اور بخشش و معافی کا وسیلہ فرمایا گیا ہے۔ یوں بھی غور کر کے سمجھا جاسکتا ہے کہ یہ سب اعمال جب صحیح ذہن کے ساتھ کئے جائیں گے تو ان بندوں کے دلوں اور ان کی روحوں کی کیا کیفیات ہوں گی اور ان کی زندگی پر اس نماز کے کیا اثرات پڑیں گے اور پھر اللہ تعالیٰ کی رحمت اور شان مغفرت کا ان کے ساتھ کیا معاملہ ہوگا۔

(۲۶۱) عَنْ عَبْدِ بْنِ السَّبَّاقِ مُرْسَلًا قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ لِي جُمُعَةٍ مِنَ الْجَمْعِ يَا مَعْشَرَ الْمُسْلِمِينَ إِنَّ هَذَا يَوْمٌ جَعَلَهُ اللَّهُ عِيدًا فَاغْتَسِلُوا وَمَنْ كَانَ عِنْدَهُ طَيْبٌ فَلَا يَضُرُّهُ أَنْ يَمَسَّ مِنْهُ وَعَلَيْكُمْ بِالسَّوَالِكِ . (رواہ مالک ورواہ ابن ماجہ وھو عن ابن عباس متصلاً)

ترجمہ: عبید بن السباق تابعی سے مرسل روایت ہے کہ ایک جمعہ کو خطاب فرماتے ہوئے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مسلمانو! اللہ تعالیٰ نے جمعہ کے اس دن کو عید بنایا ہے لہذا اس دن غسل کیا کرو اور جس کے پاس خوشبو ہو اس کے لئے کوئی حرج نہیں ہے کہ وہ خوشبو لگائے، اور مسواک اس دن ضرور کیا کرو۔

(موجودہ ماہنامہ مشن ابن ماجہ اور مشن ابن ماجہ نے اس حدیث کو روایت کیا ہے ان میں اختلاف روایت ہے)

جمعہ کے دن خط بنوانا اور ناخن تراشنا

(۲۴۲) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يَقْلِمُ أَظْفَارَهُ وَيَقْصُصُ شَارِبَهُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ قَبْلَ أَنْ يَخْرُجَ إِلَى الصَّلَاةِ . (رواہ البزار والطبرانی فی الاوسط)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جمعہ کے دن نماز کو جانے سے پہلے اپنے ناخن اور اپنی کھوپڑی تراش کرتے تھے۔^۱ (مسند ابی ہریرہ، ص ۱۸۰، باب فی الجُمُعہ)

جمعہ کے لئے اتنے کپڑوں کا اہتمام

(۲۴۳) عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ السَّلَامِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مَا عَلَى أَحَدِكُمْ إِنْ وَجَدَ أَنْ يَتَّخِذَ قَوْبَيْنِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ سِوَى قَوْبِي مَهْنَتِهِ . (رواہ ابن ماجہ ورواہ مالک عن یحییٰ بن سعید)

حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم میں سے کسی کے لئے اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے کہ اگر اس کو وسعت ہو تو روزمرہ کے کام کاج کے وقت پہنے جانے والے کپڑوں کے علاوہ جمعہ کے دن کے لئے کپڑوں کا ایک خاص جوڑا بنا کر رکھ لے۔

(سنن ابن ماجہ)

تشریح..... روزمرہ پہنے جانے والے کپڑوں کے ماسوا کوئی خاص جوڑا بنا کر رکھنے میں شبہ ہو سکتا تھا کہ شاید یہ شان فقر و زہد کے خلاف اور ناپسندیدہ ہو، اس حدیث میں دراصل اسی شبہ کو زائل کیا گیا ہے، اور آپ کا مطلب یہ ہے کہ جمعہ جیسے دینی اجتماع کے لئے جو مسلمانوں کی ہفتہ وار عید ہے چونکہ حسب استطاعت اچھا کپڑا پہننا اللہ تعالیٰ کو پسند ہے اس لئے اس کے واسطے خاص جوڑا بنا کر رکھنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ طبرانی نے مخم صغیر اور اوسط میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ:-

”رسول اللہ ﷺ کا ایک خاص جوڑا تھا جو آپ جمعہ کے دن پہنا کرتے تھے، اور جب آپ نماز سے فارغ ہو کر تشریف لاتے تھے تو ہم اس کو تہہ کر کے رکھ دیتے تھے اور پھر وہ اگلے جمعہ ہی کو نکلتا تھا۔“

لیکن محدثین کے اصول پر اس روایت کی سند میں کچھ ضعف ہے۔^۲

جمعہ کے لئے اول وقت جانے کی فضیلت

(۲۴۴) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِذَا كَانَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَلَقِيَ الْمَلَائِكَةَ عَلَى بَابِ

وضوح رہے کہ محدثین کو اس روایت کی صحت میں شک ہے، لیکن حضرت سلمان فارسیؓ کی جو روایت ابھی اوپر صحیح بخاری کے حوالہ سے گزری ہے اس میں رسول اللہ ﷺ نے جمعہ کے دن کیسے طہارت اور پاکیزگی کی جس طرح ترغیب دی ہے اس کی وسعت میں یہ چیزیں بھی آسکتی ہیں۔^{۱۲}

۱۲۔ مجمع الفوائد مع تعلیقات ائدب البوارق، ص ۲۶۰ جلد ۱۔

الْمَسْجِدَ يَخْبُرُونَ الْأَوَّلَ لَا الْأَوَّلَ وَمَقْلُ الْمُهْجِرِ كَمَقْلِ الَّذِي يُهْدَى بُنْدَةً ثُمَّ كَالَّذِي يُهْدَى
بِقَرَّةٍ ثُمَّ كُفِّتَا ثُمَّ بَيْضَةً لِإِذَا عَرَّجَ الْإِمَامُ طَوْرًا وَاصْطَفَهُمْ وَاسْتَجْمَعُونَ الذِّكْرَ -

(رواہ البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب جمعہ کا دن ہوتا ہے تو فرشتے مسجد کے دروازے پر کھڑے ہو جاتے ہیں اور شروع میں آنے والوں کے نام یکے بعد دیگرے لکھتے ہیں، اور اول وقت دوپہر میں آنے والے کی مثال اس شخص کی سی ہے، جو اللہ کے حضور میں اونٹ کی قربانی پیش کرتا ہے، پھر اس کے بعد دوم نمبر پر آنے والے کی مثال اس شخص کی سی ہے جو گائے پیش کرتا ہے، پھر اس کے بعد آنے والے کی مثال مینڈھا پیش کرنے والے کی، اور اس کے بعد مرغی پیش کرنے والے کی، اس کے بعد اندھ پیش کرنے والے کی، پھر جب امام خطبہ کے لئے منبر کی طرف جاتا ہے تو یہ فرشتے اپنے لکھنے کے دفتر پر لیٹ لیتے ہیں اور خطبہ سننے میں شریک ہو جاتے ہیں۔ (صحیح بخاری، صحیح مسلم)

تشریح:..... حدیث کا اصل مقصد وہ عا جمہ کے لئے اول وقت جانے کی ترغیب ہے اور آگے پیچھے آنے والوں کے ثواب اور درجات کے فرق کو آپ نے مختلف درجہ کی قربانیوں کی مثال دے کر سمجھانا چاہا ہے۔
نماز جمعہ اور خطبہ کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کا معمول

(۲۴۵) عَنْ أَنَسٍ لَّانَ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ إِذَا اخْتَلَفَ الْبُرْدُ يُبَكِّرُ بِالصَّلَاةِ وَإِذَا اخْتَلَفَ الْحَرُّ أَتَرَدُّ بِالصَّلَاةِ
بَعْنَى الْجُمُعَةِ. (رواہ البخاری)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا کہ جب سردی زیادہ ہوتی تو نماز جمعہ شروع وقت ہی میں پڑھ لیتے اور جب موسم زیادہ گرم ہوتا تو ٹھنڈے وقت یعنی گرمی کی شدت کم ہونے پر پڑھتے۔ (صحیح بخاری)

(۲۴۶) عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ لَّانَ كَانَتْ لِلنَّبِيِّ ﷺ خُطْبَتَانِ يَخْلِسُ بَيْنَهُمَا يَفْرَأُ الْقُرْآنَ
وَلَمْ يَكْرِ النَّاسُ لَكَانَتْ صَلَوتُهُ لَصْدًا وَخُطْبَتُهُ لَصْدًا - (رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ دو خطبے دیا کرتے تھے اور دونوں کے درمیان (تھوڑی دیر کے لئے) بیٹھتے تھے۔ آپ ان خطبوں میں قرآن مجید کی آیات بھی پڑھتے تھے اور لوگوں کو نصیحت بھی فرماتے تھے، آپ کی نماز بھی درمیانی ہوتی تھی اور اسی طرح آپ کا خطبہ بھی۔ (صحیح مسلم)

تشریح:..... مطلب یہ ہے کہ آپ کے خطبہ اور نماز میں نہ بہت طول ہوتا تھا اور نہ بہت زیادہ اختصار، بلکہ دونوں کی مقدار معتدل اور متوسط ہوتی تھی۔ قرأت کے بیان میں وہ حدِ شیش پہلے گزر چکی ہیں جن میں بتلایا

گیا ہے کہ جمعہ کی نماز میں آپ کون کون سی سورتیں پڑھتے تھے۔

(۲۴۷) عَنْ جَابِرٍ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِذَا خَطَبَ إِحْمَرَتْ عَيْنَاهُ وَعَلَا صَوْتُهُ وَاقْتَضَى غَضَبُهُ حَتَّى كَانَتْهُ مُنِيرٌ جَنَاحُ يَقُولُ صَبَحَكُمْ وَمَسَاءَكُمْ وَيَقُولُ إِنَّا وَالسَّاعَةُ كَهَاتَيْنِ وَيَقْرَأُ بَيْنَ إِصْبَعَيْهِ السَّبَّابَةَ وَالْوُسْطَى . (رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب خطبہ دیتے تھے تو آپ کی آنکھیں سرخ ہو جاتی تھیں، آواز بلند ہو جاتی تھی اور سخت غصہ اور جلال کی کیفیت پیدا ہو جاتی تھی، یہاں تک کہ آپ کی حالت اس شخص کی سی ہو جاتی تھی جو دشمن کے لشکر کو خود دیکھ کر آیا ہو اور اپنی قوم کو بچاؤ پر آمادہ کرنے کے لئے اس سے کہتا ہو کہ دشمن کا لشکر قریب ہی آپہنچا ہے (اپنی پوری تلوکارہوں کے ساتھ) پس صبح شام تم پر آپڑنے والا ہے۔ آپ یہ بھی فرماتے تھے کہ میری بعثت اور قیامت کی آمد ان دو انگلیوں کی طرح (قریب ہی قریب) ہیں، اور آپ (تفہیم اور تمثیل کے لئے) اپنی دو انگلیوں یعنی کلمہ والی اور اس کے برابر کی بیچ والی انگلی کو ملا دیتے تھے۔ (صحیح مسلم)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ آپ کا خطبہ پر جوش اور پر جلال خطبہ ہوتا تھا، اور آپ کا حال قال کے بالکل مطابق ہوتا تھا خصوصیت کے ساتھ آپ خطبہ میں قیامت کے قرب اور اس کی ہولناکیوں کا ذکر بکثرت فرماتے تھے اور کلمہ والی انگلی اور اس کے بیچ والی انگلی کو باہم ملا کر فرمایا کرتے تھے کہ جس طرح یہ دونوں قریب قریب ہیں اسی طرح سمجھو کہ میری بعثت کے بعد قیامت بھی قریب ہی ہے، اب درمیان میں کوئی اور نبی بھی آیا والا نہیں ہے، میرے ہی دور میں قیامت آنے والی ہے اس لئے اس کی تیاری کرو۔

نماز جمعہ سے پہلے اور بعد کی سنتیں

(۲۴۸) عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يَرْغَعُ قَبْلَ الْجُمُعَةِ أَزْبَعًا وَبَعْدَهَا أَزْبَعًا .

(رواہ الطبرانی فی الکبیر)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جمعہ سے پہلے چار رکعت پڑھتے تھے اور جمعہ کے بعد چار رکعت۔ (ترمذی: ضعیف)

(۲۴۹) عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ جَاءَ سَلِيكَ الْغَطَفَانِيُّ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَرَسُولُ اللَّهِ ﷺ لَاعِدٌ عَلَى الْيَنْبَرِ فَقَعَدَ سَلِيكَ قَبْلَ أَنْ يُصَلِّيَ لَقَالَ لَهُ النَّبِيُّ ﷺ أَرَكُنْتَ وَرَكْعَتَيْنِ قَالَ لَا قَالَ لَمْ تَلَا رَكْعَتَهُمَا . (رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سلیک غطفانی ایک دفعہ جمعہ کے دن ایسے

① حضرت ابن عباس کی یہ حدیث ”جمع الغوافم“ میں سیر طبرانی ہی کے حوالہ سے نقل کی گئی ہے اور اس کا اظہار کر دیا گیا ہے کہ اس کی سند میں ضعف ہے۔ لیکن اس کے ذیل ”الغلاب الموار“ میں ہے کہ یہ حدیث ایک دوسرے طریق سے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے اور اس کے اسناد میں یہ ضعف نہیں ہے بلکہ عراقی نے اس کی سند کو جید کہا ہے۔ ۱۳

وقت مسجد میں آئے کہ رسول اللہ ﷺ منبر پر بیٹھ گئے تھے (یعنی خطبہ شروع کرنے کے لئے منبر پر تشریف لے جا چکے تھے اور ابھی بیٹھے ہوئے تھے) تو سلیمک اسی حالت میں آکر بیٹھ گئے قبل اس کے کہ نماز پڑھتے (یعنی انہوں نے مسجد میں داخل ہو کر نماز نہیں پڑھی بلکہ یہ دیکھ کر کہ حضور ﷺ خطبہ کے لئے منبر پر جا چکے ہیں خود بھی بیٹھ گئے) رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا: کیا تم نے دو رکعتیں پڑھی ہیں؟ انہوں نے عرض کیا کہ نہیں! آپ نے فرمایا: اٹھو اور پہلے دو رکعتیں پڑھو! (صحیح مسلم)

تشریح..... اس حدیث کی بناء پر امام شافعیؒ اور امام احمدؒ اور بعض دوسرے ائمہ کا مسلک ہے کہ نماز جمعہ کے لئے جو شخص مسجد میں آئے اس کے لئے اس دن تحیۃ المسجد واجب ہے اور اگر بالترخص امام خطبہ شروع کر چکا ہو جب بھی یہ آنے والا دو رکعت تحیۃ المسجد پڑھے۔ لیکن امام ابو حنیفہؒ اور امام مالکؒ اور سفیان ثوریؒ وغیرہ اکثر ائمہ ان احادیث کی بناء پر جن میں خطبہ کے وقت خاموش رہنے اور توجہ کے ساتھ اس کو سننے کی تاکید کی گئی ہے اور ترغیب دی گئی ہے، اور اسی کے مطابق اکثر صحابہؓ و اکابر تابعین کے عمل اور فتوے کی بناء پر خطبہ کے وقت نماز پڑھنے کی اجازت نہیں دیتے، اور سلیمک غطفانی کے اس واقعہ کی مختلف توجیہات فرماتے ہیں۔ اس مسئلہ میں دونوں طرف کے دلائل بہت وزنی ہیں^①، اس لئے احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ جمعہ دن مسجد میں ایسے وقت پہنچ جائے کہ خطبہ سے پہلے کم از کم دو رکعتیں ضرور پڑھ لے۔

(۲۵۰) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ لَمَّا رَسُوهُ لَلَّهِ ﷺ إِذَا صَلَّى أَخَذَ كُمْ الْجُمُعَةَ فَلْيَصِلْ بَعْدَهَا أَوْ بَعَا .

(رواہ مسلم)

ترجمہ..... حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تم میں سے کوئی جمعہ کی نماز پڑھے تو چاہئے کہ اس کے بعد چار رکعت اور پڑھے۔ (صحیح مسلم)

(۲۵۱) عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ لَمَّا كَانَ النَّبِيُّ ﷺ لَا يُصَلِّي بَعْدَ الْجُمُعَةِ حَتَّى يَنْصَرِفَ لِيُصَلِّيَ رَكْعَتَيْنِ لِيْنِ بَيْتِهِ . (رواہ البخاری و مسلم)

ترجمہ..... حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نماز جمعہ کے بعد کوئی نماز نہیں پڑھتے یہاں تک کہ مسجد سے گھر تشریف لے جاتے تھے پھر گھری میں دو رکعتیں پڑھتے تھے۔ (صحیح بخاری، مسلم)

تشریح..... کتب حدیث میں نماز جمعہ کے بعد کی سنتوں کے بارے میں جو روایات ہیں ان میں دو رکعت کا بھی ذکر ہے، چار کا بھی اور چھ کا بھی۔ امام ترمذی نے خود حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے بارے میں نقل کیا ہے کہ وہ جمعہ کے بعد دو رکعت اور اس کے بعد چار رکعت، گویا کل چھ رکعت بھی پڑھتے تھے۔ اس لئے ائمہ

① حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے ”فتح الملبہم“ شرح صحیح مسلم میں اس مسئلہ سے متعلق فریقین کا نقطہ نظر اور ان کے دلائل پوری تفصیل سے ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے: ”والاصح ان الصلوة بسننہ نروح احد الحائس الى الان واللعنہ للہ بحدت بعد ذلك امر“

مجتہدین کے رجحانات بھی اس بارے میں مختلف ہیں۔ بعض حضرات دو کو ترجیح دیتے ہیں بعض چار رکعت کو اور بعض چھ رکعت کو۔

عید الفطر وعید الاضحیٰ

ہر قوم کے کچھ خاص تہوار اور جشن کے دن ہوتے ہیں جن میں اس قوم کے لوگ اپنی اپنی حیثیت اور سطح کے مطابق اچھا لباس پہنتے اور عمدہ کھانے پکاتے کھاتے ہیں، اور دوسرے طریقوں سے بھی اپنی اندرونی مسرت و خوشی کا اظہار کرتے ہیں، یہ گویا انسانی فطرت کا تقاضا ہے۔ اسی لئے انسانوں کا کوئی طبقہ اور فرقہ ایسا نہیں ہے جس کے ہاں تہوار اور جشن کے کچھ خاص دن نہ ہوں۔

اسلام میں بھی ایسے دو دن رکھے گئے ہیں ایک عید الفطر اور دوسرے عید الاضحیٰ بس یہی مسلمانوں کے اصلی مذہبی و ملی تہوار ہیں۔ ان کے علاوہ مسلمان جو تہوار مناتے ہیں ان کی کوئی مذہبی حیثیت اور بنیاد نہیں ہے، بلکہ اسلامی نقطہ نظر سے ان میں سے اکثر خرافات ہیں۔

مسلمانوں کی اجتماعی زندگی اس وقت سے شروع ہوتی ہے جب کہ رسول اللہ ﷺ ہجرت فرما کر مدینہ طیبہ آئے۔ عید الفطر اور عید الاضحیٰ ان دونوں تہواروں کا سلسلہ بھی اسی وقت سے شروع ہوا ہے۔

جیسا کہ معلوم ہے عید الفطر رمضان المبارک کے ختم ہونے پر یکم شوال کو منائی جاتی ہے اور عید الاضحیٰ ۱۰ ذی الحجہ کو۔ رمضان المبارک دینی و روحانی حیثیت سے سال کے بارہ مہینوں میں سب سے مبارک مہینہ ہے۔ اسی مہینہ میں قرآن مجید نازل ہونا شروع ہوا، اسی پورے مہینے کے روزے امت مسلمہ پر فرض کئے گئے، اس کی راتوں میں ایک مستقل باجماعت نماز کا اضافہ کیا گیا ہے اور ہر طرح کی نیکیوں میں اضافہ کی ترغیب دی گئی۔ الغرض یہ پورا مہینہ خواہشات کی قربانی اور مجاہدہ کا اور ہر طرح کی طاعات و عبادات کی کثرت کا مہینہ قرار دیا گیا۔ ظاہر ہے کہ اس مہینہ کے خاتمہ پر جو دن آئے ایمانی اور روحانی برکتوں کے لحاظ سے وہی سب سے زیادہ اس کا مستحق ہے کہ اس کو اس امت کے جشن و مسرت کا دن اور تہوار بنایا جائے، چنانچہ اسی دن کو عید الفطر قرار دیا گیا۔ اور ۱۰ ذی الحجہ وہ مبارک تاریخی دن ہے جس میں امت مسلمہ کے موسس و مورث اعلیٰ سیدنا حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی دانت میں اللہ تعالیٰ کا حکم و اشارہ پا کر اپنے لخت جگر سیدنا اسماعیل علیہ السلام کو ان کی رضامندی سے قربانی کے لئے اللہ کے حضور میں پیش کر کے اور ان کے گلے پہ چھری رکھ کر اپنی چچی و فاداری اور کامل تسلیم و رضا کا ثبوت دیا تھا اور اللہ تعالیٰ نے عشق و محبت اور قربانی کے اس امتحان میں ان کو کامیاب قرار دے کر حضرت اسماعیل کو زندہ و سلامت رکھ کر ان کی جگہ ایک جانور کی قربانی قبول فرمائی تھی، اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے سر پر ”انی جا علیک للناس احاضاً“ کا تاج رکھ دیا تھا، اور ان کی اس ادا کی نقل کو قیامت تک کے لئے ”سہ شتی“ قرار دے دیا تھا، پس اگر کوئی دن کسی عظیم تاریخی واقعہ کی یادگار کی حیثیت سے تہوار قرار دیا جاسکتا ہے تو اس امت مسلمہ کے

لئے جو ملت ابراہیمی کی وارث اور اسوۂ خلیلی کی نمائندہ ہے۔ اذی الحجہ کے دن کے مقابلے میں کوئی دوسرا دن اس کا مستحق نہیں ہو سکتا، اس لئے دوسری عید ۱۰ اذی الحجہ کو قرار دیا گیا۔ جس وادی غیر ذی زرع میں حضرت اسماعیل علیہ السلام کی قربانی کا یہ واقعہ پیش آیا تھا اسی وادی میں پورے عالم اسلامی کا حج کا سالانہ اجتماع اور اس کے مناسک قربانی وغیرہ اس واقعہ کی گویا اصل اور اول درجے کی یادگار ہے اور ہر اسلامی شہر اور بستی میں عید الاضحیٰ کی تقریبات نماز اور قربانی وغیرہ بھی اسی کی گویا نقل اور دوم درجہ کی یادگار ہے۔ بہر حال ان دونوں (یکم شوال اور ۱۰ اذی الحجہ) کی ان خصوصیات کی وجہ سے ان کو یوم العید اور امت مسلمہ کا تہوار قرار دیا گیا۔

اس تمہید کے بعد ان دونوں عیدوں کے متعلق رسول اللہ ﷺ کی حدیثیں ذیل میں پڑھئے۔ اصل مقصد تو یہاں کتاب السنۃ میں عیدین کی نماز کا بیان ہے، لیکن ضمناً اور تبعاً ان دونوں عیدوں سے متعلق دوسرے اعمال و احکام کی حدیثیں بھی یہیں درج کی جائیں گی، جیسا کہ حضرات محدثین کا عام طریقہ ہے۔

عیدین کا آغاز

۲۵۲ عَنْ أَنَسٍ قَالَ لَدِمَ النَّبِيُّ ﷺ الْمَدِينَةَ وَلَهُمْ يَوْمَانِ يَلْعَبُونَ فِيهِمَا فَقَالَ مَا هَذَانِ الْيَوْمَانِ؟ قَالُوا مَنَّا لَعَبٌ فِيهِمَا فِي الْجَاهِلِيَّةِ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ لَذَ أَبَدَ لَكُمْ اللَّهُ بِهِمَا غَيْرًا مِنْهُمَا يَوْمَ الْأَضْحَى وَيَوْمَ الْفِطْرِ . (رواہ ابو داؤد)

ترجمہ... حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ مکہ سے ہجرت فرما کر مدینہ تشریف لائے تو اہل مدینہ (جن کی کافی تعداد پہلے ہی سے اسلام قبول کر چکی تھی) کو تہوار منایا کرتے تھے، اور ان میں کھیل تماشے کیا کرتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان سے پوچھا کہ: یہ دو دن جو تم مناتے ہو ان کی کیا حقیقت اور حیثیت ہے؟ (یعنی تمہارے ان تہواروں کی کیا اصلیت اور تاریخ ہے؟) انہوں نے عرض کیا کہ: ہم جاہلیت میں (یعنی اسلام سے پہلے یہ تہوار اسی طرح منایا کرتے تھے) بس وہی رواج ہے جو اب تک چل رہا ہے (رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: اللہ تعالیٰ نے تمہارے ان دو تہواروں کے بدلہ میں ان سے بہتر دو دن تمہارے لئے مقرر کر دیئے ہیں) اب وہی تمہارے قومی اور مذہبی تہوار ہیں (یوم عید الاضحیٰ اور یوم عید الفطر)۔ (سنن ابن ماجہ)

تشریح..... قوموں کے تہوار دراصل ان کے عقائد و تصورات اور ان کی تاریخ و روایات کے ترجمان اور ان کے قومی مزاج کے آئینہ دار ہوتے ہیں، اس لئے ظاہر ہے کہ اسلام سے پہلے اپنی جاہلیت کے دور میں اہل مدینہ جو دو تہوار مناتے تھے وہ جاہلی مزاج و تصورات اور جاہلی روایات ہی کے آئینہ دار ہوں گے۔ رسول اللہ ﷺ نے بلکہ حدیث کے صریح الفاظ کے مطابق خود اللہ تعالیٰ نے ان قدیمی تہواروں کو ختم کرا کے ان کی جگہ عید الفطر اور عید الاضحیٰ دو تہوار اس امت کے لئے مقرر فرمادیئے جو اس کے توحیدی مزاج اور اصول حیات کے عین مطابق اور اس کی تاریخ و روایات اور عقائد و تصورات کے پوری طرح آئینہ دار ہیں۔ کاش اگر

مسلمان اپنے ان تہواروں ہی کو صحیح طور پر اور رسول اللہ ﷺ کی ہدایت و تعلیم کے مطابق منائیں تو اسلام کی روح اور اس کے پیغام کو سمجھنے سمجھانے کے لئے صرف یہ دو تہوار ہی کافی ہو سکتے ہیں۔

عیدین کی نماز اور خطبہ وغیرہ

(۲۵۳) عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَخْرُجُ يَوْمَ الْفِطْرِ وَالْأَضْحَى إِلَى الْمُصَلَّى فَأَوَّلُ شَيْءٍ يَنْدُو بِهِ الصَّلَاةَ ثُمَّ يَنْصَرِفُ مُقَابِلَ النَّاسِ وَالنَّاسُ جُلُوسٌ عَلَى صُفُوفِهِمْ لِيَحِطُّهُمْ وَيُؤَمِّنُهُمْ وَيَأْمُرُهُمْ وَإِنْ كَانَ يُرِيدُ أَنْ يَقْطَعَ بَيْنَهُمَا لَقَطَعَهُ أَوْ يَأْمُرَ بِشَيْءٍ أَمَرَ بِهِ ثُمَّ يَنْصَرِفُ . (رواه البخاری و مسلم)

ترجمہ... حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ عید الفطر اور عید الاضحی کے دن عید گاہ تشریف لے جاتے تھے۔ سب سے پہلے آپ نماز پڑھاتے تھے، پھر نماز سے فارغ ہو کر لوگوں کی طرف رخ کر کے خطبہ کے لئے کھڑے ہوتے تھے اور لوگ بدستور صفوں میں بیٹھے رہتے تھے، پھر آپ ان کو خطبہ اور وعظ و نصیحت فرماتے تھے اور احکام دیتے تھے اور اگر آپ کا ارادہ کوئی لشکر یا دوست تیار کر کے کسی طرف روانہ کرنے کا ہوتا تو آپ (عیدین کی نماز و خطبہ کے بعد) اس کو بھی روانہ فرماتے تھے یا کسی خاص چیز کے بارے میں آپ کو کوئی حکم دینا ہوتا تو اسی موقع پر وہ بھی دیتے تھے، پھر (ان سارے مہمات سے فارغ ہو کر) آپ عید گاہ سے واپس ہوتے تھے۔ (صحیح بخاری، صحیح مسلم)

تشریح..... جیسا کہ اس حدیث سے معلوم ہوا رسول اللہ ﷺ کا عام معمول یہی تھا کہ عیدین کی نماز آپ مدینہ طیبہ کی آبادی سے باہر اس میدان میں پڑھتے تھے جس کو آپ نے اس کام کے لئے منتخب فرمایا تھا اور گویا (عید گاہ) قرار دے دیا تھا اس وقت اس کے گرد کوئی چہار دیواری بھی نہیں تھی، بس صحرائی میدان تھا۔ لوگوں نے لکھا ہے کہ مسجد نبوی ﷺ سے قریب ایک ہزار قدم کے فاصلے پر تھا۔ آپ نے عید کی نماز ایک مرتبہ بارش کی مجبوری سے مسجد شریف میں بھی پڑھی ہے، جیسا کہ آگے ایک حدیث میں اس کا ذکر آئے گا۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ عید کے دن نماز و خطبہ کے بعد عید گاہ ہی میں اعلاء کلمۃ الحق کے لئے مجاہدین کے لشکر اور دستے بھی منظم کئے جاتے تھے اور وہیں سے ان کو روانہ اور رخصت کیا جاتا تھا۔

عیدین کی نماز بغیر اذان و اقامت ہی سنت ہے

(۲۵۴) عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ صَلَّيْتُ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ الْعِيدَيْنِ غَيْرَ مَرَّةٍ وَلَا مَرَّتَيْنِ بغيرِ أَذَانٍ وَلَا اِقامَةٍ . (رواه مسلم)

ترجمہ... حضرت جابر بن سمیرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ عیدین کی

نماز ایک یا دو دفعہ ہی نہیں بلکہ بہت دفعہ پڑھی ہے۔ ہمیشہ بغیر اذان اور بغیر اقامت کے۔ (صحیح مسلم)

(۲۵۵) عَنْ جَابِرِ ابْنِ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ خَبَرْتُ الصَّلَاةَ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ فِي يَوْمٍ عِيدٍ لَقَدْ بَاءَ الصَّلَاةَ قَبْلَ الْخُطْبَةِ بِغَيْرِ أَذَانٍ وَلَا إِيمَانٍ لِّلْمَا لَصَّى الصَّلَاةَ لَامَ مُتَكِنًا عَلَى بِلَالٍ لِّحَمْدِ اللَّهِ وَآلِنِي عَلَيْهِ وَوَعِظَ النَّاسَ وَذَكَّرَهُمْ وَحَفَّظَهُمْ عَلَى طَاعَتِهِ وَمَضَى إِلَى النِّسَاءِ وَمَعَهُ بِلَالٌ لَّامَرَهُنَّ بِطَوَى اللَّهِ وَوَعظَهُنَّ وَذَكَّرَهُنَّ . (رواه النسائي)

ترجمہ... حضرت جابر بن عبد اللہ انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہتے ہیں کہ میں عید کے دن نماز کے لئے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ عید گاہ حاضر ہوا تو آپ نے پہلے نماز پڑھی بغیر اذان اور اقامت کے، پھر جب آپ نماز پڑھ چکے تو بلالؓ پر سہارا لگا کر آپ خطبہ کے لئے کھڑے ہوئے، پہلے اللہ کی حمد و ثناء کی، اور لوگوں کو چند نصیحت فرمائی اور اللہ کی فرمانبرداری کی ان کو ترغیب دی۔ پھر آپ خواتین کے مجمع کی طرف گئے اور بلالؓ آپ کے ساتھ ہی تھے وہاں پہنچ کر آپ نے ان کو اللہ سے ڈرنے اور تقوے والی زندگی گزارنے کے لئے فرمایا اور ان کو چند نصیحت فرمائی۔ (سنن نسائی)

تشریح..... حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ کی اس حدیث میں عید کے خطبہ میں مردوں کو خطاب فرمانے کے بعد عورتوں کو مستقل خطاب فرمانے کا ذکر ہے۔ حضرت عبد اللہ بن عباسؓ کی ایک حدیث جو صحیح مسلم میں ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ آپ نے اس لئے کیا تھا کہ آپ کے خیال میں خواتین آپ کا خطبہ سن نہیں سکی تھیں۔ واللہ اعلم

فائدہ..... رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں عیدین کی نماز میں خواتین بھی عام طور شریک ہوتی تھیں بلکہ ان کے لئے یہ آپ کا حکم تھا، لیکن زمانہ مابعد میں مسلم معاشرے میں فساد آ گیا تو جس طرح امت کے فقہاء اور علماء نے جمعہ اور ہجگانہ نماز کے لئے خواتین کا مسجدوں میں آنا مناسب نہیں سمجھا، اسی طرح نماز عید کے لئے ان کا عید گاہ جانا بھی مناسب نہیں سمجھا۔

عیدین کی نماز سے پہلے اور بعد میں کوئی نفل نماز نہیں ہے

(۲۵۶) عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ صَلَّى يَوْمَ الْفِطْرِ رَكَعَتَيْنِ لَمْ يُصَلِّ لِقَبْلَهُمَا وَلَا بَعْدَهُمَا

(رواه البخاری و مسلم)

ترجمہ... حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے عید الفطر کے دن دو رکعت نماز پڑھی، اور اس سے پہلے یا بعد آپ نے کوئی نفل نماز نہیں پڑھی۔ (صحیح بخاری و مسلم)

عیدین کی نماز کا وقت

(۲۵۷) عَنْ يَزِيدَ بْنِ عُمَيْرِ الرُّحْبِيِّ قَالَ خَرَجَ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ بُسْرِ صَاحِبُ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ مَعَ النَّاسِ

فِي يَوْمٍ عِيدٍ لِّفِطْرٍ أَوْ أَضْحَىٰ لَمَّا نَكَّرَ ابْطَاءَ الْإِمَامِ لَقَالُوا إِنَّا كُنَّا لَنَدْرُغُنَا سَاعَتًا هَذِهِ وَذَلِكَ حِينَ التَّسْبِيحِ . (رواہ ابو داؤد)

ترجمہ: یزید بن خمیر رحمتی تابعی سے روایت ہے کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے صحابی حضرت عبداللہ بن بسر رضی اللہ عنہ عید الفطر یا عید الاضحیٰ کے دن نماز عید پڑھنے کے لئے لوگوں کے ساتھ عید گاہ تشریف لائے (امام کے آنے میں دیر ہوئی) تو آپ نے امام کی اس تاخیر کو منکر بتایا (اور اس کی مذمت کی) اور فرمایا کہ اس وقت تو ہم (رسول اللہ ﷺ کے ساتھ) نماز پڑھ کر فارغ ہو جایا کرتے تھے (راوی کہتے ہیں) اور یہ نوافل کا وقت تھا (نوافل سے مراد غالباً پشت کے نوافل ہیں)۔ (سنن ابی داؤد)

تشریح: عبداللہ بن بسر صحابی رضی اللہ عنہ نے شام میں سکونت اختیار کر لی تھی اور وہیں ۸۸ھ میں "مس" میں ان کا انتقال ہوا۔ غالباً وہیں کا یہ واقعہ ہے کہ نماز عید میں امام کی تاخیر پر آپ نے تکبیر فرمائی اور بتایا کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں ہم لوگ نماز عید سویرا پڑھ کر فارغ ہو جایا کرتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ کی عید الفطر اور عید الاضحیٰ کی نماز کے وقت کے بارے میں سب سے زیادہ واضح حدیث وہ ہے جو حافظ بن حجر نے "کنز الدقائق" میں احمد بن حسن البیہاق کی کتاب الاضحیٰ کے حوالے سے رسول اللہ ﷺ کے صحابی جناب رضی اللہ عنہ کی روایت سے ان الفاظ کے ساتھ نقل کی ہے۔

”كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَصَلِّي بِنَا يَوْمَ الْفِطْرِ وَالْأَضْحَىٰ عَلَىٰ قَيْدٍ وَمُحْنٍ وَالْأَضْحَىٰ عَلَىٰ قَيْدٍ مُّحْنٍ“ .

”رسول اللہ ﷺ عید الفطر کی نماز ہم لوگوں کو ایسے وقت پڑھاتے تھے کہ آفتاب بتدریج دو نیزے کے بلند ہوتا تھا اور عید الاضحیٰ کی نماز ایسے وقت پڑھاتے تھے کہ آفتاب بتدریج ایک نیزہ کے ہوتا تھا۔“

ہمارے زمانے میں بہت سے مقامات پر عیدین کی نماز بہت تاخیر سے پڑھی جاتی ہے، یہ بلاشبہ خلاف سنت ہے۔

(۲۵۸) عَنْ أَبِي عُمَرَ بْنِ أَبِي النَّاسِ عَنْ عُمُوْمَةٍ لَّهُ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ ﷺ أَنَّ رَكْبًا جَاءُوا إِلَى النَّبِيِّ ﷺ يَسْأَلُونَهُمْ رَأَوْا الْهَلَالَ بِالْأَمْسِ فَأَمَرَهُمْ أَنْ يَفْطِرُوا وَإِذَا أَضْحَعُوا أَنْ يَغْلُدُوا إِلَى مَصْلَاهُمْ . (رواہ ابو داؤد و النسائی)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے ابو عمیر سے روایت ہے وہ اپنے متعدد چچوں سے نقل کرتے ہیں جو رسول اللہ ﷺ کے اصحاب کرام میں سے تھے کہ ایک دفعہ ایک قافلہ (تیس باہر سے) رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور انہوں نے شہادت دی کہ کل (راستہ میں) انہوں نے چاند دیکھا ہے تو رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کو حکم دیا کہ دو روزے کھول دیں اور کل جب صبح ہو تو نماز عید ادا کرنے کیلئے عید گاہ پہنچیں۔ (سنن ابی داؤد و سنن نسائی)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں ایک دفعہ رمضان کی ۲۹ تاریخ کو چاند نظر نہیں

آیا تو قاعدے کے مطابق اگلے دن سب لوگوں نے روزہ رکھا لیکن دن ہی میں سے کسی وقت باہر کا کوئی قافلہ مدینہ طیبہ پہنچا اور ان لوگوں نے گواہی دی کہ ہم نے کل شام چاند دیکھا تھا تو آپ نے ان لوگوں کی گواہی قبول فرما کر لوگوں کو روزے کھولنے کا حکم دے دیا اور نماز عید کے لئے فرمایا کہ کل صبح پڑھی جائے گی۔

بظاہر یہ قافلہ دن کو دیر سے مدینہ پہنچا تھا اور نماز کا وقت نکل چکا تھا۔ شرعی مسئلہ بھی یہی ہے کہ اگر چاند کی رویت ایسے وقت معلوم ہو کہ نماز عید اپنے وقت پر نہ پڑھی جاسکتی ہو تو پھر اگلے دن صبح ہی کو پڑھی جائے گی۔

عیدین کی نماز میں قرات

(۲۵۹) عَنْ عُبَيْدِ اللَّهِ أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ سَأَلَ أَبَا وَائِلٍ الْلَيْثِيَّ مَا كَانَ يَقْرَأُ بِهِ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ فِي الْأَضْحَى وَالْفِطْرِ فَقَالَ يَهْمَا بِقُرْآنِ الْفَرَّانِ الْمَجِيدِ وَالْفَرَبَتِ السَّاعَةِ۔ (رواہ مسلم)

ترجمہ۔ عید اللہ بن عبد اللہ بن عتبہ بن مسعود تابعی سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے ابو واقد لیثی رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ رسول اللہ ﷺ عید الاضحیٰ اور عید الفطر کی نماز میں کون سی سورتیں پڑھا کرتے تھے، انہوں نے فرمایا کہ: ”فی القرآن المجید“ اور ”الفرب الساعۃ“۔ (صحیح مسلم)

تشریح۔۔۔۔۔ یہ بات عید از قیاس ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو عیدین میں رسول اللہ ﷺ کی قرات کے بارے میں خود یاد نہ رہا ہو اور اس وجہ سے انہوں نے ابو واقد لیثی سے پوچھا۔ بظاہر حضرت عمر کا یہ سوال یا تو ابو واقد لیثی کے علم و حافظہ کا اندازہ کرنے کے لئے تھا یا اپنے مزید اطمینان کے لئے۔ واللہ اعلم

(۲۶۰) عَنِ الثُّعْمَانِ بْنِ بَشِيرٍ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يَقْرَأُ فِي الْعِيدَيْنِ وَفِي الْجُمُعَةِ ”بِسَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى“ وَ”هَلْ أَتَاكَ حَدِيثُ الْعَاشِيَةِ“ قَالَ وَإِذَا اجْتَمَعَ الْعِيدُ وَالْجُمُعَةُ فِي يَوْمٍ وَاحِدٍ قَرَأَ بِهِمَا فِي الصَّلَوَتَيْنِ۔ (رواہ مسلم)

ترجمہ۔ حضرت ثعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ عیدین اور جمعہ کی نماز میں ”سبح اسم ربك الاعلى“ اور ”هل اتيك حديث العاشية“ پڑھا کرتے تھے، اور جب (اتفاق سے) عید اور جمعہ ایک ہی دن پڑجاتا تو بھی دونوں نمازوں میں یہی دونوں سورتیں پڑھتے تھے۔ (صحیح مسلم)

تشریح۔۔۔۔۔ ابو واقد لیثی اور ثعمان بن بشیر رضی اللہ عنہما کے ان دونوں بیانات میں کوئی منافات نہیں ہے۔ عیدین کی نماز میں رسول اللہ ﷺ کبھی سورۃ قمر پڑھتے تھے، اور کبھی سورۃ اعلیٰ و سورۃ عاشیہ۔

بارش کی وجہ سے عید کی نماز مسجد میں

(۲۶۱) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّهُ أَصَابَهُمْ مَطَرٌ فِي يَوْمِ عِيدٍ فَصَلَّى بِهِمُ النَّبِيُّ ﷺ صَلَوةَ الْعِيدِ فِي الْمَسْجِدِ۔ (رواہ ابو داؤد و ابن ماجہ)

ترجمہ۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ عید کے دن بارش ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے ہم کو عید کی نماز مسجد نبوی ﷺ ہی میں پڑھائی۔ (ابن ابی شیبہ، ابن ماجہ، ترمذی)

تشریح..... عیدین میں "امت مسلمہ کا سبوار" اور "دینی نشن" ہونے کی جو شان ہے اس کا تقاضا یہی ہے کہ دنیا کی قوموں کے جشنوں اور میلوں کی طرح ہمارا عیدین کی نماز والا اجتماع بھی کہیں کھلے میدان میں ہو، اور جیسا کہ اوپر معلوم ہو چکا رسول اللہ ﷺ کا عام معمول و دستور بھی یہی تھا اور اس لئے عام حالات میں یہی سنت ہے۔ لیکن حضرت ابو ہریرہؓ کی اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر بارش کی حالت ہو (یا ایسا ہی کوئی اور سبب ہو) تو عید کی نماز بھی مسجد میں پڑھی جاسکتی ہے۔

عیدین کے دن کھانا نماز سے پہلے یا نماز کے بعد؟

(۲۶۲) عَنْ بُرَيْدَةَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ لَا يَخْرُجُ يَوْمَ الْفِطْرِ حَتَّى يَطْعَمَ وَلَا يَطْعَمُ يَوْمَ الْأَضْحَى حَتَّى يُصَلِّيَ . (رواه الترمذی وابن ماجہ والدارمی)

ترجمہ..... حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا معمول یہ تھا کہ آپ عید الفطر کی نماز کے لئے کچھ کھا لے جاتے تھے اور عید الاضحیٰ کے دن نماز پڑھنے تک کچھ نہیں کھاتے تھے۔ (جامع ترمذی، سنن ابن ماجہ، سنن دارمی)

تشریح..... صحیح بخاری میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت سے یہ بھی مروی ہے کہ عید الفطر کے دن نماز کو تشریف لے جانے سے پہلے آپ چند کھجوریں تناول فرماتے تھے اور طاق عدد میں تناول فرماتے تھے۔ عید الاضحیٰ کے دن نماز کے بعد کھانے کی وجہ غالباً یہ ہو گی کہ اس دن سب سے پہلے قربانی ہی کا گوشت منہ میں جائے، جو ایک طرح سے اللہ تعالیٰ کی ضیافت ہے۔ اور عید الفطر میں علی الصبح نماز سے پہلے ہی کچھ کھالینا غالباً اس لئے ہوتا تھا کہ جس اللہ کے حکم سے رمضان پورے مہینہ دن میں کھانا پینا بالکل بند رہا، آج جب اس کی طرف سے دن میں کھانے پینے کا اذن ملا، اور اسی میں اس کی رضا اور خوشنودی معلوم ہوئی تو طالب و محتاج بندہ کی طرح صبح ہی اس کی ان نعمتوں سے لذت اندوز ہونے لگے۔ بندگی کا مقام یہی ہے۔

گر طمع خواہد ز من سلطان دیں خاک بر فرق قناعت بعد ازیں

عید گاہ کی آمد و رفت میں راستہ کی تبدیلی

(۲۶۳) عَنْ جَابِرٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ إِذَا كَانَ يَوْمٌ عِيدٍ خَالَفَ الطَّرِيقَ . (رواه البخاری)

ترجمہ..... حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ عید کے دن راستہ بدل دیتے تھے۔ (صحیح بخاری)

تشریح..... مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ عید کی نماز کے لئے جس راستہ سے عید گاہ تشریف لے جاتے تھے، واپسی میں اس کو چھوڑ کر دوسرے راستہ سے تشریف لاتے تھے۔ علماء نے اس کی مختلف حکمتیں بیان کی ہیں۔ اس عاجز کے نزدیک ان میں سے زیادہ قرین قیاس یہ ہے کہ آپ یہ اس لئے کرتے تھے کہ اس طرح شعائر اسلام اور مسلمانوں کی اجتماعیت و شوکت کا زیادہ سے زیادہ اظہار و اعلان ہو۔ نیز عید میں جشن اور تفریح

کا جو پہلو ہے اس کے لئے بھی یہی زیادہ مناسب ہے، کہ مختلف راستوں اور بستی کے مختلف حصوں سے گزرا جائے۔ واللہ اعلم۔

صدقہ فطر — اس کا وقت اور اسکی حکمت

(۲۶۴) عَنْ ابْنِ عُمَرَ قَالَ لَرَضِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ زَكَاةُ الْفِطْرِ صَاعًا مِنْ تَمْرٍ أَوْ صَاعًا مِنْ شَعِيرٍ عَلَى الْعَبْدِ وَالْحُرِّ وَالْأَنْفَى وَالصَّغِيرِ وَالْكَبِيرِ مِنَ الْمُسْلِمِينَ وَأَمْرُهَا أَنْ تُؤَدَّى قَبْلَ خُرُوجِ النَّاسِ إِلَى الصَّلَاةِ . (رواہ البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں میں سے ہر غلام اور آزاد پر اور ہر مرد و عورت پر اور ہر چھوٹے اور بڑے پر صدقہ فطر لازم کیا ہے، ایک صاع کھجور یا ایک صاع جو۔ اور حکم دیا ہے کہ یہ صدقہ فطر نماز عید کے لئے جانے سے پہلے ادا کر دیا جائے۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح:..... زکوٰۃ کی طرح صدقہ فطر بھی اغنیاء (دولتمندوں) ہی پر واجب ہے، چونکہ یہ بات مخاطبین خود سمجھ سکتے تھے اس لئے اس حدیث میں اس کی وضاحت نہیں کی گئی، رہی بات یہ کہ اغنیاء کون ہیں اور اسلام میں دولت مندی کا معیار کیا ہے؟ اس کی وضاحت اور تفصیل انشاء اللہ زکوٰۃ کے بیان میں کی جاسکے گی۔ اس حدیث میں ہر نفر کی طرف سے ایک صاع کھجور یا ایک صاع جو صدقہ فطر ادا کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ یہی دو چیزیں اس زمانہ میں مدینہ اور اس کے گرد و نواح میں عام طور سے بطور غذا کے استعمال ہوتی تھیں اس لئے اس حدیث میں انہی دو کا ذکر کیا گیا ہے۔ بعض حضرات نے لکھا ہے کہ اس زمانہ میں ایک چھوٹے گھرانے کی غذا کے لئے ایک صاع کھجوریں یا ایک صاع جو کافی ہوتے تھے، اس حساب سے ہر دولتمند گھرانے کے ہر چھوٹے بڑے فرد کی جانب سے عید الفطر کے دن اتنا صدقہ ادا کرنا ضروری قرار دیا گیا، جس سے ایک معمولی گھرانے کے ایک دن کے کھانے کا خرچ چل سکے۔ ہندوستان کے اکثر علماء کی تحقیق کے مطابق رائج الوقت سیر کے حساب سے ایک صاع قریب ساڑھے تین سیر کا ہوتا تھا۔

(۲۶۵) عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ لَرَضِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ زَكَاةُ الْفِطْرِ طَهُرًا لِلصَّامِ مِنَ الْفَقْرِ وَالزَّلَّةِ وَطَعْمَةً لِلْمَسْكِينِ . (رواہ ابو داؤد)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے روزوں کو فضول و لالچ اور فحش باتوں کے اثرات سے پاک صاف کرنے کے لئے اور مسکینوں محتاجوں کے کھانے کا بندوبست کرنے کے لئے صدقہ فطر واجب قرار دیا۔ (سنن ابی داؤد)

تشریح:..... اس حدیث میں صدقہ فطر کی دو حکمتوں اور اس کے دو خاص فائدوں کی طرف اشارہ فرمایا گیا ہے۔ ایک یہ کہ مسلمانوں کے جشن و مسرت کے اس دن میں صدقہ فطر کے ذریعہ محتاجوں مسکینوں کی بھی

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے (ہجرت کے بعد) مدینہ طیبہ میں دس سال قیام فرمایا، اور آپ برابر (بر سال) قربانی کرتے تھے۔ (پانچ تہذیبی)

(۲۶۹) عَنْ حَنْسِ لَالٍ رَأَيْتُ عَلِيًّا يُضَجِّي بِكَشْمَيْنِ لَقُلْتُ لَهُ مَا هَذَا؟ فَقَالَ إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ أَوْصَانِي أَنْ أُضَجِّي عَنْهُ لَأَنَّا أُضَجِّي عَنْهُ . (رواہ ابو داؤد و روی الترمذی نحوہ)

ترجمہ: حنسل بن عبداللہ سے روایت ہے کہ میں نے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو دو مینڈھوں کی قربانی کرتے دیکھا تو میں نے ان سے عرض کیا کہ یہ کیا ہے (یعنی آپ ایک کی بجائے دو مینڈھوں کی قربانی کیوں کرتے ہیں۔؟) انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے وصیت فرمائی تھی کہ میں آپ کی طرف سے بھی قربانی کیا کروں، تو ایک قربانی میں آپ کی جانب سے کرتا ہوں۔ (پانچ تہذیبی)

تشریح: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی مندرجہ بالا حدیث سے معلوم ہوا تھا کہ مدینہ طیبہ میں قیام فرمانے کے بعد سے رسول اللہ ﷺ پابندی کے ساتھ ہر سال قربانی فرماتے رہے اور حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کی اس حدیث سے معلوم ہوا ہے کہ بعد کے لئے آپ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو وصیت فرما گئے تھے کہ آپ کی طرف سے قربانی کیا کریں، چنانچہ اس وصیت کے مطابق حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ رسول اللہ ﷺ کی طرف سے برابر قربانی کرتے تھے۔

قربانی کا طریقہ

(۲۷۰) عَنْ أَنَسِ لَالٍ صَحِّي رَسُولُ اللَّهِ ﷺ بِكَشْمَيْنِ أَمْلَحَيْنِ الْفَرْتَيْنِ ذَبَحَهُمَا بِيَدِهِ وَسَمَّى وَكَبَّرَ لَالٌ رَأَيْتُهُ وَاحِدًا لَعْنَةً عَلَى صَفَاحِهَا وَيَقُولُ بِسْمِ اللَّهِ وَاللَّهُ أَكْبَرُ . (رواہ البخاری و مسلمہ)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے سیاہی و سفیدی مائل رنگ کے سینگوں والے دو مینڈھوں کی قربانی کی، اپنے دست مبارک سے ان کو ذبح کیا اور ذبح کرتے وقت ... بسم اللہ واللہ اکبر پڑھا۔ میں نے دیکھا کہ اس وقت آپ اپنا پاؤں اٹکے پہلو پر رکھے ہوئے تھے اور زبان سے ”بسم اللہ واللہ اکبر“ کہتے جاتے تھے۔ (پانچ تہذیبی)

(۲۷۱) عَنْ جَابِرٍ لَالٍ ذَبَحَ النَّبِيُّ ﷺ يَوْمَ الذَّبْحِ كَبَشَيْنِ الْفَرْتَيْنِ أَمْلَحَيْنِ مَوْجُوتَيْنِ لِلْمَوَجَّهَتَيْنِ لَالٌ "إِنِّي وَجَّهْتُ وَجْهِي لِلدِّينِ فَطَرِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ عَلَى مِلَّةِ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا وَمَا أَنَا مِنَ الْمُفْرِكِينَ إِنَّ صَلَواتِي وَتُسْبِيحِي وَمَحَافِي وَمَعَانِي لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ لَا خَيْرَ لَكَ وَبِذَلِكَ أُمِرْتُ وَأَنَا مِنَ الْمُسْلِمِينَ اللَّهُمَّ مِنْكَ وَلَكَ عَنْ مُحَمَّدٍ وَأَمِّيهِ بِسْمِ اللَّهِ وَاللَّهُ أَكْبَرُ ثُمَّ ذَبَحَ - (رواہ احمد و ابو داؤد و ابن ماجہ و الدارمی)

وفی روایتہ لا حمد و ابی داؤد و الترمذی ذَبَحَ بِيَدِهِ وَلَالٌ بِسْمِ اللَّهِ وَاللَّهُ أَكْبَرُ اللَّهُمَّ هَذَا عَنِّي وَعَمَّنْ لَمْ يُضَحْ مِنْ أُمَّتِي -

ترجمہ... حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ قربانی کے دن یعنی عید قربان کے دن رسول اللہ ﷺ نے سیاہی و سفیدی مائل سیٹگوں والے دو نفیسی مینڈھوں کی قربانی کی۔ جب آپ نے ان کا رخ صحیح قبلہ کی طرف کر لیا تو یہ دعا پڑھی: ”اِنِّیْ وَجْهَتْ وَجْهَیْ لِلذِّیِّ... اللّٰهُمَّ مِنْکَ وَلَکَ عَنِّ مُحَمَّدٌ وَاحِدٌ بِسْمِ اللّٰهِ وَاللّٰهِ اَکْبَرُ“ (میں نے اپنا رخ اس اللہ کی طرف کر لیا جس نے زمین و آسمان کو پیدا کیا ہے طریقے پر ابراہیم کے ہر طرف سے یکسو ہو کر اور میں شرک والوں میں سے نہیں ہوں، میری نماز و عبادت اور میری قربانی اور میرا جینا اور مرنا اللہ رب العالمین کے لئے ہے۔ اس کا کوئی شریک ساتھی نہیں اور مجھے اسی کا حکم ہے اور میں حکم ماننے والوں میں ہوں۔ اے اللہ! یہ قربانی تیری ہی طرف سے اور تیری ہی توفیق سے ہے اور تیرے ہی واسطے ہے، تیرے بندے محمد کی اس کی امت کی جانب سے بسم اللہ واللہ اکبر) یہ دعا پڑھ کر آپ نے مینڈھے پر چھری چلائی اور اس کو ذبح کیا۔ (مسند احمد، سنن ابی داؤد، سنن ابن ماجہ، سنن دارمی)

اور مسند احمد و سنن ابی داؤد اور جامع ترمذی کی اسی حدیث کی ایک دوسری روایت میں آخری حصہ اس طرح ہے کہ آپ نے ”اللّٰهُمَّ مِنْکَ وَلَکَ“ کہنے کے بعد اپنے ہاتھ سے ذبح کیا اور زبان سے کہا: ”بِسْمِ اللّٰهِ وَاللّٰهِ اَکْبَرُ“ (اے اللہ! یہ میری جانب سے اور میرے ان امتیوں کی جانب سے جنہوں نے قربانی نہ کی ہو)۔

تشریح... قربانی کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اللہ تعالیٰ سے یہ عرض کرنا کہ: ”میری جانب سے اور میری امت کی جانب سے، یا میرے ان امتیوں کی جانب سے جنہوں نے قربانی نہیں کی“ ظاہر ہے کہ یہ امت کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی انتہائی شفقت و رأفت ہے۔ لیکن ملحوظ رہے کہ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ آپ نے ساری امت کی طرف سے یا قربانی نہ کرنے والے امتیوں کی طرف سے قربانی کر دی اور سب کی طرف سے ادا ہو گئی بلکہ اس کا مطلب صرف یہ ہے کہ اے اللہ! اس کے ثواب میں میرے ساتھ میرے امتیوں کو بھی شریک فرما! ثواب میں شرکت اور چیز ہے اور قربانی کا ادوا ہو جانہ دوسری چیز ہے۔

قربانی کے جانور کے بارے میں ہدایات

۲۷۲ عَنْ اَبِیْہٖ بَنِی عَازِبٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ سَئِلَ مَاذَا یَنْتَقِی مِنَ الصَّخَا یَا لَکَا شَرِبَیْدَہٗ لَقَالَ اَرْبَعًا اَلْعُرْجَاءُ النَّبِیْنَ ظُلْفُمَہَا وَالْعُزْرَاءُ النَّبِیْنَ عَوْرَتُہَا وَالْمَرْبُوعَةُ النَّبِیْنَ مَرْضَہَا وَالْعَجْفَاءُ النَّبِیْنَ لَا تَنْتَقِیْ — (رواہ مالک و احمد و الترمذی و ابو داؤد و النسائی و ابن ماجہ و الدارمی)

ترجمہ... حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ قربانی میں کیسے جانوروں سے پرہیز کیا جائے (یعنی وہ کیا عیوب اور خرابیاں ہیں جن کی وجہ سے جانور قربانی کے قابل نہیں رہتا)۔ آپ ﷺ نے ہاتھ سے اشارہ فرمایا اور بتایا کہ چار (یعنی چار عیوب اور نقائص ایسے ہیں کہ ان میں سے کوئی عیب و نقص جانور میں پایا جائے تو قربانی کے قابل نہیں رہتا)۔ ایک ایسا

لنگڑا جانور جس کا لنگڑا پن بہت کھلا ہوا ہو (کہ اس کی وجہ سے اس کو چلنا بھی مشکل ہو)۔ دوسرے وہ جس کی ایک آنکھ خراب ہو گئی ہو، اور وہ خرابی بالکل نمایاں ہو۔ تیسرے وہ جو بہت بیمار ہو۔ چوتھے وہ جو ایسا کمزور اور لاغر ہو کہ اس کی ہڈیوں میں گودا بھی نہ رہا ہو۔

(موطائا مالک، مسند امام جامع ترمذی، سنن ابی داؤد، سنن نسائی، سنن ابن ماجہ، سنن دارمی)

(۲۷۳) عَنْ عَلِيٍّ قَالَ نَهَى رَسُولُ اللَّهِ ﷺ أَنْ تُضَجَّيَ بِأَعْصَبِ الْقَرْنِ وَالْأُذُنِ . (رواہ ابن ماجہ)
ترجمہ... حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہم کو ایسے جانور کی قربانی سے منع فرمایا جس کا سینک ٹوٹا ہو یا کان کٹا ہوا ہو۔ (سنن ابن ماجہ)

تشریح..... قربانی دراصل بندہ کی طرف سے اللہ تعالیٰ کے حضور میں نذر ہے، اس لئے ضروری ہے کہ اپنی استطاعت کی حد تک اچھے جانور کا انتخاب کیا جائے۔ یہ بات بہت غلط ہے کہ لولا، لنگڑا، اندھا، کانا، بیمار، مرل، سینک ٹوٹا، کان کٹا جانور اللہ تعالیٰ کے حضور میں پیش کیا جائے۔ قرآن مجید میں اصول کے طور پر فرمایا گیا ہے کہ:

”لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتَّى تُنْفِقُوا مِمَّا تُحِبُّونَ“

تم کو نیکی کا مقام اس وقت تک ہرگز حاصل نہیں ہو سکتا، جب تک کہ وہ چیزیں اللہ کی راہ میں خرچ نہ کرو جو تمہیں مرغوب و محبوب ہوں۔

بہر حال قربانی کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کی ان ہدایات کی روح اور ان کا خاص مقصد یہی ہے۔

بڑے جانور میں کتنے حصے

(۲۷۴) عَنْ جَابِرٍ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ الْبَقْرَةُ عَنْ سَبْعَةٍ وَالْجَزُورُ عَنْ سَبْعَةٍ (رواہ مسلم و ابوداؤد و النسخ لہ)
ترجمہ... حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ گائے یا تیل کی قربانی سات آدمیوں کی طرف سے اور اسی طرح اونٹ کی قربانی سات آدمیوں کی طرف سے ہو سکتی ہے۔

(صحیح مسلم، سنن ابی داؤد)

تشریح..... بھینس اہل عرب کے نزدیک گویا گائے ہی کی ایک قسم ہے جو عرب میں نہیں ہوتی اس لئے اس کا اس حدیث میں الگ ذکر نہیں کیا گیا، اس کی قربانی بھی سات آدمیوں کی طرف سے ہو سکتی ہے۔

قربانی کا وقت عید کی نماز کے بعد

(۲۷۵) عَنْ الْبَرَاءِ قَالَ عَطَبَنَا النَّبِيُّ ﷺ يَوْمَ النُّحْرِ فَقَالَ إِنَّ أَوَّلَ مَا تَبَدُّءُ بِهِ فِي يَوْمِنَا هَذَا أَنْ تُصَلِّيَ لَمْ تَرْجِعْ لِلنُّحْرِ لَمَنْ لَعَلَّ ذَلِكَ لَقَدْ أَصَابَ سُتَاتٌ وَمَنْ ذَبَحَ قَبْلَ أَنْ تُصَلِّيَ فَإِنَّمَا هُوَ خَاةٌ لَحْمٍ عَجَلَةٍ لَا فِيهِ لَحَسٌ مِنَ النُّسُكِ فِي حَقِّهِ . (رواہ البخاری و مسلم)

ترجمہ... حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے عید قربان کے دن خطبہ

دیا اس میں ارشاد فرمایا: آج کے دن کے خاص کاموں میں سب سے پہلا کام یہ ہے کہ ہم اللہ کے حضور میں نماز عید اور آئیں، پھر وہاں سے لوٹ کر ہم قربانی کریں، جو اس طرح کرے گا وہ ہمارے طریقے کے مطابق ٹھیک کرے گا (اور اس کی قربانی ٹھیک ادا ہوگی) اور جس نے نماز سے پہلے قربانی کر دئی اس کی قربانی بالکل نہیں ہوئی، بلکہ اس نے اپنے گھر والوں کے گوشت کھانے کے لئے کبریٰ ذبح کر لی ہے (اس سے زیادہ اس کی کوئی اہمیت نہیں ہے)۔ (صحیح بخاری، صحیح مسلم)

(۲۷۶) عَنْ جُنْدُبِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ شَهِدْتُ الْأَضْحَى يَوْمَ النُّحْرِ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ فَلَمْ يَغْزِ أَنْ صَلَّى وَلَفَّحَ مِنْ صَلَواتِهِ وَسَلَّمَ لِإِذَا هُوَ يَزِي لَحْمَ أَضَاحِي لَذِ ذَبَحَتْ قَبْلَ أَنْ يَفْرُغَ مِنْ صَلَواتِهِ لَقَالَ مَنْ كَانَ ذَبَحَ قَبْلَ أَنْ يُصَلِّيَ أَوْ نَصَلِّيَ فَلْيَذْبَحْ مَكَانَهَا أُخْرَى .

(رواہ البخاری و مسلم)

حضرت جندب بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ میں عید قربان کے دن رسول اللہ کی خدمت میں حاضر تھے، آپ جیسے ہی عید کی نماز سے فارغ ہوئے آپ کی نگاہ قربانیوں کے گوشت پر پڑی، یہ قربانیاں نماز سے فارغ ہونے کے قبل ہی ذبح کی جا چکی تھیں، تو آپ نے فرمایا کہ جن لوگوں نے نماز سے پہلے قربانی کر دی ہے وہ اس کی جگہ دوسری قربانی کریں (کیونکہ ان کی قربانی قبل از وقت ہونے کی وجہ سے صحیح نہیں ہوئی)۔ (صحیح بخاری، صحیح مسلم)

عشر ذی الحجہ کی فضیلت و حرمت

جس طرح اللہ تعالیٰ نے ہفتہ کے سات دنوں میں جمعہ کو، اور سال کے بارہ مہینوں میں سے رمضان المبارک کو، اور پھر رمضان المبارک کے تین عشروں میں سے عشرہ اخیرہ کو خاص فضیلت بخشی ہے، اسی طرح ذی الحجہ کے پہلے عشرہ کو بھی فضل و رحمت کا خاص عشرہ قرار دیا ہے، اور اسی لئے حج بھی انہی ایام میں رکھا گیا ہے۔ بہر حال یہ رحمت خداوندی کا خاص عشرہ ہے۔ ان دنوں میں بندے کا ہر نیک عمل اللہ تعالیٰ کو بہت محبوب ہے، اور اس کی بڑی قیمت ہے۔

(۲۷۷) عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مَا مِنْ أَيَّامٍ الْعَمَلُ الصَّالِحُ فِيْهِمْ أَحَبُّ إِلَى اللَّهِ مِنْ هَذِهِ الْأَيَّامِ الْعَشْرِ . (رواہ البخاری)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کو عمل صالح جتنا ان دس دنوں میں محبوب ہے اتنا کسی دوسرے دن میں نہیں۔ (صحیح بخاری، صحیح مسلم)

(۲۷۸) عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ لَالِ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِذَا دَخَلَ الْعَشْرُ وَأَرَادَ بَعْضُكُمْ أَنْ يُصَلِّيَ فَلَا يَأْخُذْ شَعْرًا وَلَا يَقْلَمَنَّ ظَفْرًا . (رواہ مسلم)

ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب ذی الحجہ

کا پہلا عشرہ شروع ہو جائے (یعنی ذی الحجہ کا چاند دیکھ لیا جائے) اور تم میں سے کسی کا ارادہ قربانی کا ہو تو اس کو چاہئے کہ اب قربانی کرنے تک اپنے بال یا ناخن بالکل نہ تراشے۔ (صحیح مسلم)

تشریح... دراصل یہ عشرہ حج کا ہے، اور ان ایام کا خاص الخاص عمل حج ہے، لیکن حج مکہ معظمہ جا کر ہی ہو سکتا ہے، اس لئے وہ عمر میں صرف ایک دفعہ اور دو بھی اہل استطاعت پر فرض کیا گیا ہے، اس کی خاص برکات وہی بندے حاصل کر سکتے ہیں جو وہاں حاضر ہو کر حج کریں۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے سارے اہل ایمان کو اس کا موقع دیا ہے کہ جب حج کے یہ ایام آئیں تو وہ اپنی اپنی جگہ رہتے ہوئے بھی حج اور حج سے ایک نسبت پیدا کر لیں اور ان کے کچھ اعمال میں شریک ہو جائیں، عید الاضحیٰ کی قربانی کا خاص راز یہی ہے۔

حجائے دو سو ذی الحجہ کو منیٰ میں اللہ کے حضور میں اپنی قربانیاں پیش کرتے ہیں، دنیا بھر کے دوسرے مسلمان جو حج میں شریک نہیں ہو سکے ان کو حکم ہے کہ وہ اپنی اپنی جگہ ٹھیک اسی ان اللہ کے حضور میں اپنی قربانیاں نذر کریں، اور جس طرح حاجی احرام باندھنے کے بعد بال یا ناخن نہیں تراشتا، اسی طرح یہ مسلمان جو قربانی کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں ذی الحجہ کا چاند نظر آنے کے بعد بال یا ناخن نہ تراشائیں اور اس طریقے سے بھی حجاج سے ایک مناسبت اور مشابہت پیدا کریں۔

کس قدر مبارک ہدایت ہے جس پر چل کر مشرق و مغرب کے مسلمان حج کے انوار و برکات میں حصہ لے سکتے ہیں۔

تنبیہ واضح رہے کہ یہاں قربانی اور اس سے پہلے صدقہ فطر سے متعلق احادیث، نماز عید بن کی احادیث کے ساتھ جعلا کر کر دی گئی ہیں، ورنہ یہ ”کتاب السنۃ“ ہے۔ لیکن اکثر محدثین نے ایسا ہی کیا ہے کہ صدقہ فطر اور قربانی سے متعلق احادیث بھی انہوں نے صلوٰۃ عیدین کے ساتھ ہی درج کی ہیں۔ انہی کی پیروی میں اس کتاب میں بھی یہی طریقہ اختیار کیا گیا ہے۔

صلوٰۃ کسوف اور صلوٰۃ استسقا

جمعہ اور عیدین کی نمازیں (جن سے متعلق احادیث صفحات مابقی میں درج کی گئی ہیں) وہ اجتماعی نمازیں ہیں، جن کا دن یا تاریخ مقرر اور معلوم ہے، ان کے علاوہ دو نمازیں اور بھی ہیں جو اجتماعی طور پر ادا کی جاتی ہیں، لیکن نہ ان کا دن مقرر ہے نہ تاریخ۔ ان میں ایک ”صلوٰۃ کسوف“ ہے، جو سورج کے گھٹن میں آ جانے کے وقت پڑھی جاتی ہے، اور دوسرے ”صلوٰۃ استسقا“ جو کسی علاقہ میں سوکھاپڑنے یعنی بارش نہ ہونے کی صورت میں بارش کی دعا کے لئے پڑھی جاتی ہے۔

نماز کسوف

سورج یا چاند گاہن میں آ جانا اللہ تعالیٰ کی قدرتِ قادرہ اور اس کے جلال و جبروت کی ایک نشانیوں میں سے ہے جن کا کبھی کبھی ظہور ہوتا ہے اور جن کا حق ہے کہ جب ان کا ظہور ہو تو اللہ کے بندے عاجزی کے

ساتھ اس قادر و قہار کی عظمت و جلال کے سامنے جھک جائیں اور اس سے رحم و کرم کی بھیک مانگیں۔ رسول اللہ ﷺ کی حیات طیبہ میں ٹھیک اس دن جس دن آپ کے شیر خوار صاحبزادے ابراہیم (علیہ السلام) کا قریباً بیڑھ سال کی عمر میں انتقال ہوا تھا سورج کو گہن لگا۔ عربوں میں زمانہ جاہلیت کے توہمات میں سے ایک یہ خیال بھی تھا کہ بڑے آدمیوں کی موت پر سورج کو گہن لگتا ہے، اور گویا وہ اس کے ماتم میں سیاہ چادر اوڑھ لیتا ہے۔ حضرت ابراہیم کی وفات کے دن سورج کے گہن میں آ جانے سے اس توہم پرستی اور غلط عقیدہ کو تقویت پہنچ سکتی تھی، بلکہ بعض روایات میں ہے کہ کچھ لوگوں کی زبانوں پر یہی بات آئی۔ رسول اللہ ﷺ نے اس وقت غیر معمولی خشیت اور انتہائی فکر مندی کے ساتھ اللہ کے حضور میں جماعت سے دو رکعت نماز پڑھی، یہ نماز بھی غیر معمولی قسم کی تھی، آپ نے اس میں بہت طویل قرأت کی اور قرأت کے دوران آپ بار بار اللہ کے حضور جھک جاتے تھے (گویا رکوع میں چلے جاتے تھے) اور پھر کھڑے ہو کر قرأت کرنے لگتے تھے۔ اسی طرح اس نماز میں آپ نے رکوع اور سجدے بھی بہت طویل کئے اور اثناء نماز میں دعا بھی بہت اہتمام اور اجتنال کے ساتھ کی، اس کے بعد آپ نے خطبہ دیا اور اس میں خاص طور سے اس غلط خیال کی تردید کی کہ سورج یا چاند کو گہن کسی بڑے آدمی کی موت کی وجہ سے لگتا ہے، آپ نے فرمایا کہ یہ محض جاہلانہ توہم پرستی ہے جس کی اصل بنیاد کوئی نہیں، یہ تو دراصل اللہ کی قدرت و سطوت اور اس کے جلال و جبروت کی نشانی ہے، جب ایسی کسی نشانی کا ظہور ہو تو عاجزی کے ساتھ اس کی طرف متوجہ ہونا چاہئے۔ اس کی عبادت اور اس سے دعا کرنی چاہئے۔ اس تمہید کے بعد ”سورة سافات“ سے متعلق چند احادیث ذیل میں پڑھئے:

۲۷۹ عَنْ الْمُہَيَّرَةِ بْنِ ضَعْبَةَ قَالَ كَسَفَتِ الشَّمْسُ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ يَوْمَ مَاتَ إِبْرَاهِيمُ فَقَالَ النَّاسُ كَسَفَتِ الشَّمْسُ لِمَوْتِ إِبْرَاهِيمَ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِنَّ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ لَا يَنْكَسِفَانِ لِمَوْتِ أَحَدٍ وَلَا لِحَيَاتِهِ إِذَا رَأَيْتُمْ لَفْصُلًا وَادْعُوا اللَّهَ . (رواہ البخاری و مسلم)

ترجمہ... حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں خاص اس دن جس دن آپ کے صاحبزادے ابراہیم کا انتقال ہوا سورج کو گہن لگا تو بعض لوگوں نے کہا کہ سورج کو یہ گہن ابراہیم کے انتقال فرما جانے کی وجہ سے لگا ہے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ سورج اور چاند کو گہن کسی کی موت و حیات کی وجہ سے نہیں لگتا (بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت قاہرہ کی نشانیوں میں سے ہے) پس جب تم ایسا دیکھو تو اللہ تعالیٰ کے حضور میں نماز پڑھو اور اس سے خوب دعا کرو۔

محدثین اس پر قریباً متفق ہیں کہ صاحبزادہ ابراہیم کا انتقال ۱۱ھ میں ہوا۔ بعض حضرات نے ربیع الاول کا مہینہ بھی لکھا ہے۔ لیکن گزشتہ صدی کے ماہر فلکیات محمود پشاور حرم نے اپنے ایک مقالہ میں جو انہوں نے فرانسیسی زبان میں مساققا اور جبکا عربی ترجمہ بعد ۵۱۳ھ میں (مسر) سے شائع ہوا تھا اپنے فی حساب سے اس کسوف کی تاریخ ۲۹ شوال ۱۰ھ مبین کی ہے اور دن و شب کا اور وقت صبح ساڑھے آٹھ بجے کا لکھا ہے۔ واللہ اعلم

تشریح..... حضرت مغیرہ بن شعبہ کی ایک حدیث میں بہت اختصار ہے، یہاں تک کہ آپ کی نماز پڑھنے کا بھی ذکر نہیں ہے۔ دوسری روایات میں آپ کی نماز اور اس کی خاص کیفیت کا ذکر تفصیل سے کیا گیا ہے۔

(۲۸۰) عَنْ أَبِي مُوسَى قَالَ عَسَفَتِ الشَّمْسُ لَقَامَ النَّبِيِّ ﷺ فَرَعَا يَخْشَى أَنْ تَكُونَ السَّاعَةُ لَأَتَى الْمَسْجِدَ لَصَلَّى بِأُطُولِ قِيَامٍ وَرُكُوعٍ وَسُجُودٍ مَا رَأَيْتَهُ لَطُ يَفْعَلُهُ وَلَئِنْ هَذِهِ الْآيَاتُ الَّتِي يُرْسِلُ اللَّهُ لَا تَكُونُ لِمَوْتِ أَحَدٍ وَلَا لِحَيَوَاتِهِ وَلَكِنْ يُخَوِّفُ اللَّهُ بِهَا عِبَادَهُ لِأَذَارِائِهِمْ حِينَ مِنْ ذَلِكَ لَفَرُّوْا إِلَى ذِكْرِهِ وَدُعَائِهِ وَاسْتِغْفَارِهِ . (رواہ البخاری و مسلم)

ترجمہ..... حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ (ایک دن) سورج گہن میں آگیا تو رسول اللہ ﷺ ایسے خوفزدہ اور گھبرائے ہوئے اٹھے جیسے کہ آپ کو ذرہ ہو کہ اب قیامت ہو جائے گی، پھر آپ مسجد آئے اور آپ نے نہایت طویل قیام اور ایسے ہی طویل رکوع و سجود کے ساتھ نماز پڑھائی۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ (اللہ کی قدرت قاہرہ کی) یہ نشانیاں جن کو اللہ تعالیٰ ظاہر کرتا ہے یہ کسی کی موت و حیات کی وجہ سے واقع نہیں ہوتیں بلکہ بندوں کے دلوں میں یہ اللہ کا خوف پیدا کرنے کے لئے ظاہر ہوتی ہیں۔ جب تم ایسی کوئی چیز دیکھو تو خوف اور فکر کے ساتھ اس کی طرف متوجہ ہو جاؤ، اس کو یاد کرو اور اس سے دعا و استغفار کرو۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(۲۸۱) عَنْ قَبِيصَةَ الْهَلَالِيِّ قَالَ كَسَفَتِ الشَّمْسُ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ فَخَرَجَ لِرَعَا يَجُزُّ قُوْبَهُ وَأَنَا مَعَهُ يَوْمَئِذٍ بِالْمَدِينَةِ لَصَلَّى رَكَعَتَيْنِ لَأَطَالَ فِيهِمَا الْقِيَامُ ثُمَّ انْصَرَفَ وَانْجَلَتْ لَقَالَ إِنَّمَا هَذِهِ الْآيَاتُ يُخَوِّفُ اللَّهُ عَزَّوَجَلَّ بِهَا لِأَذَارِائَهُمْ لَصَلُّوا كَأَحَدٍ صَلَوةً صَلَّيْتُمُوهَا مِنَ الْمَكُتُوبَةِ . (رواہ ابو داؤد و الترمذی)

ترجمہ..... حضرت قبیصۃ ہلالی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں سورج کو گرہن لگا تو رسول اللہ ﷺ گھبرائے ہوئے باہر تشریف لائے (اور اس گھبراہٹ کی وجہ سے آپ کا حال یہ تھا کہ اپنی چادر مبارک اچھی طرح اوڑھ بھی نہیں سکے تھے بلکہ) آپ کی چادر زمین پر گھس رہی تھی، میں اس دن مدینہ میں آپ کے ساتھ تھا، آپ ﷺ نے دو رکعت نماز پڑھی اور اس میں بہت طویل قیام کیا، پھر آپ نماز سے فارغ ہوئے اور آفتاب اس اثناء میں معمول کے مطابق روشن ہو گیا تھا تو آپ نے (لوگوں کو خطاب کرتے ہوئے) فرمایا ان نشانوں کا مقصد یہ ہے کہ لوگوں کے دلوں میں اللہ کا خوف پیدا ہو (اور وہ معاصی سے بچیں) لہذا جب تم ایسی نشانیاں دیکھو تو اس طرح نماز پڑھو جیسی فرض نماز تم نے ابھی تھوڑی دیر پہلے پڑھی تھی (یعنی فجر کی نماز کی طرح دو رکعت نماز کسوف کے وقت بھی پڑھو۔) (سنن ابی داؤد و سنن النسائی)

(۲۸۲) عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ كُنْتُ أَرْتَمِي بِأَسْهُمٍ لِي بِالْمَدِينَةِ فِي حَيَاةِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ

اِذَا خَسَفَتِ الشَّمْسُ لَبَدَتْهَا فُلُكٌ وَاللَّهُ لَا يَنْظُرُ إِلَى مَا حَدَّثَ لِرَسُولِ اللَّهِ ﷺ فِي كُسُوفِ الشَّمْسِ قَالَ لَا تَبْتَغُوا فِي الصَّلَاةِ زَلْعَ يَدَيْهِ لِجَعَلِ يَسْبَحُ وَيَهْلِلُ وَيَكْبِّرُ وَيُحَمِّدُ وَيَذْعُو حَتَّى خُسِرَ عَنْهَا لَمَّا خُسِرَ عَنْهَا لِرَأْسُورَتَيْنِ وَصَلَّى رَكَعَتَيْنِ - (رواه مسلم)

حضرت عبدالرحمن بن سہرقت روایت ہے کہ وہ بیان کرتے ہیں کہ میں ایک دن رسول اللہ ﷺ کی حیات طیبہ میں اپنے تیروں سے تیر اندازی اور نشانہ بازی کر رہا تھا کہ اچانک آفتاب گہن میں آگیا، میں نے اپنے تیروں میں جھوڑ دیئے اور اپنے جی میں کہا کہ میں ابھی چل کر دو کیچوں کا کہ سورج گہن کے اس وقت رسول اللہ ﷺ پر کیا نئی واردات ہوئی اور آپ نے کیا نیا عمل کیا۔ میں آپ کے پاس آیا آپ اس وقت کھڑے نماز پڑھ رہے (یعنی نماز شروع ہو چکی تھی) اسی حال میں آپ نے دونوں ہاتھ اٹھائے (جس طرح دعا میں اٹھائے جاتے ہیں) اور دیر تک اللہ کی تسبیح و تہلیل اور تکبیر و حمد کے ساتھ اس سے دعا کرتے رہے، یہاں تک کہ آفتاب گہن سے نکل گیا (یعنی آپ کی نماز اور دعا کا سلسلہ اس وقت تک جاری رہا جب تک کہ آفتاب کا گہن ختم ہوا، اور وہ معمول کے مطابق روشن ہو گیا۔) آپ نے اس نماز میں دو سو تیر اور دو رکعتیں پڑھیں۔ (صحیح مسلم)

۲۸۳) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ خَسَفَتِ الشَّمْسُ فِي عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ فَصَلَّى رَسُولُ اللَّهِ ﷺ بِالنَّاسِ لِقَامَ لَأَطَالَ الْقِيَامَ ثُمَّ رَكَعَ لَأَطَالَ الرُّكُوعَ ثُمَّ قَامَ لَأَطَالَ الْقِيَامَ وَهُوَ ذُوْنُ الْقِيَامِ الْأَوَّلِ ثُمَّ رَكَعَ لَأَطَالَ الرُّكُوعَ وَهُوَ ذُوْنُ الرُّكُوعِ الْأَوَّلِ ثُمَّ سَجَدَ لَأَطَالَ السُّجُودَ ثُمَّ قَامَ فِي الرُّكْعَةِ الْأُخْرَى بِقُلِّ مَا قَلَّ فِي الرُّكْعَةِ الْأُولَى ثُمَّ انْصَرَفَ وَلَكَ تَجَلَّتِ الشَّمْسُ لَخَطْبِ النَّاسِ لِحَمْدِ اللَّهِ وَأَنَّى عَلَيْهِ ثُمَّ قَالَ إِنَّ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ آيَتَانِ مِنَ آيَاتِ اللَّهِ لَا يَنْخَسِفَانِ لِمَوْتٍ أَحَدٍ وَلَا لِحَيَاتِهِ لِأَذَارِ آيَتِهِ ذَلِكَ فَادْعُوا اللَّهَ وَكَبِّرُوا وَصَلُّوا وَتَصَلُّوا ثُمَّ قَالَ يَا أُمَّةَ مُحَمَّدٍ إِنْ مِنْ أَحَدٍ أَخْبَرَ مِنَ اللَّهِ أَنَّ يَزِلَّ عَبْدُهُ أَوْ تَزِلَّ أَمَّتُهُ يَا أُمَّةَ مُحَمَّدٍ وَاللَّهِ لَوْ تَعْلَمُونَ مَا عَظُمَ لَصِجَتُكُمْ لِبَلَاءٍ وَلِكَيْتُمْ كَبِيرًا الْأَهْلُ بَلَفَتْ - (رواه البخاری و مسلم)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں آفتاب کو گہن لگا تو رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کو نماز پڑھائی، اس نماز میں آپ نے بہت طویل قیام فرمایا، پھر آپ رکوع میں گئے اور بہت طویل رکوع فرمایا، پھر آپ کھڑے ہو گئے اور پھر بہت طویل قیام فرمایا، لیکن قیام پہلے قیام کی بہ نسبت کچھ کم طویل تھا، اس کے بعد پھر آپ رکوع میں گئے اور آپ نے طویل رکوع کیا، لیکن پہلے رکوع کی بہ نسبت یہ رکوع کچھ کم طویل تھا، پھر آپ سجدہ میں گئے اور سجدہ بھی آپ نے بہت طویل کیا، پھر آپ نے دوسری رکعت میں بھی بالکل اسی طرح کیا جس طرح پہلی رکعت میں کیا تھا۔ اس کے بعد (قاعدہ کے مطابق قعدہ اخیرہ اور سلام کے بعد) آپ نے نماز ختم کر دی اور آفتاب گہن سے نکل گیا اور (معمول کے مطابق) روشن ہو گیا، پھر آپ نے خطبہ دیا اور اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کے بعد اس میں فرمایا

کہ: سورج اور چاند اللہ تعالیٰ کی قدرت و صنعت کی نشانیوں میں سے دو نشانیاں ہیں، کسی کی موت و حیات سے ان کو گہن نہیں لگتا (بلکہ زمین و آسمان کی دوسری مخلوقات کی طرح ان پر بھی اللہ کا حکم چلتا ہے اور ان کی روشنی اور تاریکی اسی مالک الملک اور قادر مطلق کے ہاتھ میں ہے) لہذا جب تم ان کو گہن لگتے دیکھو تو اللہ سے دعا کرو اور اس کی کبریائی بیان کرو اور اس کے حضور میں نماز پڑھو اور صدقہ کرو۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا: اے امت محمد (ﷺ)! کسی غلام یا باندی کی بدکاری سے کسی کو اتنی ناگواری نہیں ہوتی جتنی ناگواری اللہ تعالیٰ کو اپنے کسی بندے یا باندی کی بدکاری سے ہوتی ہے (اس لئے اس کے قبر و جلال سے ڈرو اور ہر قسم کی بدکاری اور معصیت سے بچو) اے امت محمد (ﷺ)! قسم ہے اللہ کی اگر (اللہ کے قبر و جلال کے بارے میں) تم وہ جانتے جو میں جانتا ہوں تو تم بہت کم ہنتے اور بہت زیادہ روتے۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا: خبردار! میں نے بات پوری طرح پہنچا دی (اور اپنا فرض ادا کر دیا)۔ (صحیح بخاری، صحیح مسلم)

تشریح..... نماز کسوف کا واقعہ چونکہ غیر معمولی قسم کا واقعہ تھا اور آپ نے یہ نماز بھی غیر معمولی طرح پڑھی اس لئے بہت سے صحابہؓ نے اس کو روایت کیا ہے، یہاں صرف پانچ صحابیوں کی روایتیں نقل کی گئی ہیں کتب حدیث میں بیس سے زیادہ صحابیوں کے جمل یا مفصل بیانات اس واقعہ کے بارے میں ملتے ہیں۔ امام بخاریؒ نے صحیح بخاری کے کسوف کے متعلق ابواب میں اس واقعہ سے متعلق نو صحابیوں کی حدیثیں روایت کی ہیں، ان سب حدیثوں سے واقعہ کی پوری تفصیلات معلوم ہو جاتی ہیں۔

ایک بات جو ان میں سے اکثر حدیثوں سے مشترک طور پر معلوم ہوتی ہے یہ ہے کہ صحابہؓ کے لئے یہ نماز نئی سی بات تھی اور انہوں نے اس سے پہلے کبھی صلوٰۃ کسوف نہیں پڑھی تھی، اور یہ بات بھی روایات میں صراحۃً موجود ہے کہ یہ کسوف اسی دن ہوا جس دن آپ کے شیر خوار صاحبزادہ ابراہیمؑ کا انتقال ہوا تھا، اور محدثین کا اس پر قریب قریب اتفاق ہے کہ ان کا انتقال ۱۰ھ میں ہوا یعنی رسول اللہ ﷺ کی وفات سے چند ہی مہینے پہلے، اس طرح یہ بات متعین ہو جاتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کسوف کی نماز بس ایک ہی دفعہ پڑھی ہے جس کا ان احادیث میں ذکر ہے۔ چاند گرہن کے وقت بھی نماز پڑھنے کا حکم ان احادیث میں صاف موجود ہے لیکن کسی صحیح حدیث سے یہ نہیں معلوم ہوتا کہ رسول اللہ ﷺ نے کبھی چاند گرہن کے وقت بھی نماز پڑھی، غالباً اسکی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس نماز کا حکم آپ کو اس کسوف ہی کے موقع پر ملا، اور اسکے بعد جو چند مہینے آپ اس دنیا میں رونق افروز رہے ان میں چاند گرہن کی نوبت ہی نہیں آئی۔ واللہ اعلم یہ نماز آپ نے بہت غیر معمولی کیفیات کے ساتھ پڑھی (حالانکہ جماعت کے ساتھ اتنی طویل نماز پڑھنا آپ کی عادت مبارکہ نہ تھی بلکہ آپ نے اس سے منع فرمایا ہے)۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ کی ایک روایت میں ہے کہ میرا اندازہ ہے کہ آپ نے اس نماز کی ایک رکعت میں سورۃ بقرہ پڑھی، اور دوسری میں آل عمران۔ اور حضرت جابرؓ کا بیان ہے کہ بخش لوگ اس نماز میں کھڑے

نہیں رہ سکے بلکہ گر پڑے۔ اور بعض روایات میں ہے کہ اس نماز میں بہت سے لوگ بیہوش ہو گئے اور ان کے سروں پر پانی ڈالا گیا۔

اسی طرح کی ایک نئی بات اس نماز میں یہ تھی کہ آپؐ نے قیام کے دوران ہاتھ اٹھا کے اللہ کی تسبیح و تہلیل اور تحمید و تکبیر کے ساتھ دیر تک دعا بھی کی۔ اسی طرح ایک دوسری نئی اور عجیب بات یہ بھی ہوئی کہ آپؐ قیام کے دوران اللہ تعالیٰ کے حضور میں جھک گئے اور دیر تک رکوع میں رہنے کے بعد پھر کھڑے ہو کر آپؐ نے قرأت کی اور اس کے بعد رکوع اور سجدہ کیا اور بعض روایات کے مطابق قیام کے دوران میں صرف ایک دفعہ نہیں بلکہ آپؐ کئی دفعہ اسی طرح رکوع میں گئے۔ بعض روایات میں یہ بھی ہے کہ آپؐ اس نماز کے دوران ایک دفعہ پیچھے کی جانب بنے اور پھر آگے بڑھے، اور آپؐ نے ایک دفعہ ہاتھ آگے بڑھایا جس طرح کسی چیز کو لینے اور پکڑنے کیلئے ہاتھ بڑھاتے ہیں۔ اور پھر خطبہ میں آپؐ نے بتایا کہ اس وقت آپؐ کے سامنے عالم غیب کے بہت سے حقائق منکشف کئے گئے آپؐ نے جنت اور دوزخ کو اپنے سامنے دیکھا، اور دوزخ میں عذاب کے نہایت ہیبت ناک اور لرزہ خیز مناظر دیکھے اور وہ دیکھا جو کبھی پہلے نہیں دیکھا تھا۔

یہ بات بہت قریب قیاس ہے کہ اس نماز میں جو غیر معمولی باتیں آپؐ سے ظہور میں آئیں۔ مثلاً آپؐ کا دوران نماز ہاتھ اٹھا کر دیر تک دعا کرنا، دوران قیام و قرأت میں بار بار اللہ کے حضور میں جھک جانا کبھی پیچھے ہٹنا کبھی آگے بڑھنا اور کبھی اپنا ہاتھ آگے بڑھانا، یہ سب ان نبی مشاہدات کی وجہ سے ہوا۔

فائدہ..... ٹھیک آپؐ کے صاحبزادے کی وفات کے دن سورج کو گہن لگنا اور آپؐ کا خطبہ میں پورے زور و قوت کے ساتھ یہ اعلان فرمانا کہ اس گہن کا میرے گھر کے اس حادثہ سے کوئی تعلق نہیں اور ایسا سمجھنا غلط فہمی اور توہم پرستی ہے، رسول اللہؐ کی صداقت اور بے لوثی کی ایسی دلیل ہے جو بڑے سے بڑے منکر کو متاثر کرتی ہے بشرطیکہ اس کا دل بالکل ہی مردہ نہ ہو۔

نماز استسقا

بارش عام انسانوں کی بلکہ اکثر حیوانات کی بھی ان ضروریات میں سے ہے جن پر زندگی کا گویا انحصار ہے، اس لئے کسی علاقہ میں قحط اور سوکھا پڑ جانا وہاں کی عمومی مصیبت بلکہ ایک گونہ عذاب عام ہے رسول اللہؐ نے جس طرح شخصی اور انفرادی حاجتوں اور پریشانیوں کے لئے ”صلوٰۃ حاجت“ تعلیم فرمائی جس کا بیان پچھلے صفحات میں اپنے موقع پر گزر چکا ہے۔ اسی طرح اس عمومی مصیبت اور پریشانی کے دفعہ کے لئے بھی آپؐ نے ایک اجتماعی نماز اور دعا کی تعلیم فرمائی جس کی منظم اور مکمل شکل ”صلوٰۃ استسقا“ ہے۔ استسقا کے لغوی معنی ہی پانی مانگنے اور سیرابی طلب کرنے کے ہیں۔

رسول اللہؐ کے زمانہ میں ایک دفعہ قحط پڑا تو آپؐ نے صلوٰۃ استسقا پڑھی اور اللہ کے حکم سے اسی وقت بارش ہوئی۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی مندرجہ ذیل حدیث میں اس واقعہ کی تفصیل پڑھئے۔

۲۸۴ عَنْ عَائِشَةَ كَانَتْ تَحْكُمُ النَّاسَ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ لَعَوَاتِ الْمَطَرِ فَأَمَرَ بِجَنَّتِهِ فَوُضِعَ لَهُ فِي الْمَصَلِيِّ وَوَعَدَ النَّاسَ يَوْمًا يَخْرُجُونَ فِيهِ ، كَانَتْ عَائِشَةُ تَخْرُجُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ جِئْنَا بِهَا حَاجِبُ الشَّمْسِ لَقَعَتْ عَلَى الْجَنَّتِ لَكَبْرٌ وَحَمِدَ اللَّهُ ثُمَّ قَالَ إِنَّكُمْ خَكُوتُمْ جَذَبَ وَبَارَكُمْ وَاسْتَغَارَ الْمَطَرُ عَنْ إِيَّانَ وَمَا بِهِ عَنْكُمْ وَلَدَ أَمَرَ اللَّهُ أَنْ تَذْعُوهُ وَوَعَدَكُمْ أَنْ يُسْتَجِيبَ لَكُمْ ثُمَّ قَالَ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ . مَا لَيْكَ يَوْمَ الْيَتِيمِ . لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ يَفْعَلُ مَا يُرِيدُ اللَّهُمَّ أَنْتَ اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ الْغَنِيُّ وَنَحْنُ الْفُقَرَاءُ أَنْزِلْ عَلَيْنَا الْغَيْثَ وَاجْعَلْ مَا أَنْزَلْتَ لَنَا قُوَّةً وَبَلَاغًا إِلَى جَنَّتِ ، ثُمَّ رَفَعَ يَدَيْهِ لِلَّهِ يَتَوَكَّلُ الرَّفْعَ حَتَّى بَدَأَ يَبَاضُ إِنْطَبَاهُ ثُمَّ حَوَّلَ إِلَى النَّاسِ ظَهْرَهُ وَلَلَّبَ أَوْحَوْلَ رِذَاءَهُ وَهُوَ رَالِغٌ يَدَيْهِ ثُمَّ أَقْبَلَ عَلَى النَّاسِ وَنَزَلَ لِمَصَلَى رَكْعَتَيْنِ لَأَنشَأَ اللَّهُ سَحَابَةً لَرَعَدَتْ وَبَرَكَتْ ثُمَّ امْطَرَتْ بِأَذْنِ اللَّهِ فَلَمْ يَأْتِ مَسْجِدَهُ حَتَّى سَأَلَ الشُّيُوكَ لِلْمَاءِ رَأَى سُرْعَتَهُمْ إِلَى الْكِبَرِ ضَحِكَ حَتَّى بَدَتْ نَوَاجِلُهُ فَقَالَ أَخْهَدْ أَنَّ اللَّهَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ وَلَقَدْ عَلِمْتُ أَنَّ رَسُولَهُ ﷺ . (رواه ابو داود)

ترجمہ... حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ لوگوں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر بارش نہ ہونے اور سوکھا پڑ جانے کی تکلیف بیان کی، آپ نے (مدینہ کی آبادی سے باہر) اس جگہ جہاں عیدین کی نماز پڑھی جاتی تھی نماز استسقاء پڑھنے کا فیصلہ فرمایا، اور لوگوں کو ایک دن متعین کر کے بتلایا کہ اس دن سب لوگ آپ کے ساتھ چل کر نماز استسقاء پڑھیں، اور حکم دیا کہ آپ کا منبر اس دن وہاں لے جا کر رکھا جائے، چنانچہ منبر وہاں پہنچا دیا گیا۔ آگے حضرت عائشہ بیان فرماتی ہیں کہ جب وہ دن آیا تو رسول اللہ ﷺ علی الصبح آفتاب طلوع ہوئے ہی وہاں تشریف لے گئے، آپ منبر پر تشریف فرما ہوئے، پھر اللہ کی کبریائی اور حمد و ثناء بیان کی۔ پھر فرمایا کہ تم لوگوں نے اپنے علاقہ میں وقت پر بارش نہ ہونے اور سوکھا پڑ جانے کی شکایت کی ہے، اور اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ اپنی حاجات میں تم اس سے دعا کرو اور اس کا وعدہ ہے کہ وہ قبول فرمائے گا۔ اس کے بعد آپ نے اللہ تعالیٰ کے حضور میں عرض کیا:-

الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ . مَا لَيْكَ يَوْمَ الْيَتِيمِ . لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ يَفْعَلُ مَا يُرِيدُ اللَّهُمَّ أَنْتَ اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ الْغَنِيُّ وَنَحْنُ الْفُقَرَاءُ أَنْزِلْ عَلَيْنَا الْغَيْثَ وَاجْعَلْ مَا أَنْزَلْتَ لَنَا قُوَّةً وَبَلَاغًا إِلَى جَنَّتِ

ساری حمد و ستائش اللہ رب العالمین کے لئے ہے وہ نہایت رحمت والا اور بڑا مہربان ہے، یوم جزاکا مالک و فرمانروا ہے، اللہ کے سوا کوئی الٰہ و معبود نہیں، اس کی یہ شان ہے کہ جو چاہے کر ڈالے۔ خداوند تعالیٰ اللہ ہے، تیرے سوا کوئی الٰہ نہیں، تو غنی ہے اور ہم سب تیرے محتاج بندے ہیں، ہم پر بارش نازل فرما اور جو بارش تو بھیجے اس کو ہمارے لئے تقویت کا ذریعہ اور ایک مدت تک کفایت کا وسیلہ بنا۔

پھر آپ نے دونوں ہاتھ اوپر اٹھائے (غالباً مطلب یہ ہے کہ اس دعا میں آپ نے ہاتھ جتنے اٹھائے

ہوئے تھے اس سے اور اوپر اٹھائے) اور بہت دیر تک اسی طرح ہاتھ اٹھائے دعا کرتے رہے اور ہاتھ اتارے اور اٹھائے کہ (باوجودیکہ آپ چادر مبارک اوڑھے ہوئے تھے لیکن) آپ کی بغل کے اندرونی حصے کی سپیدی بھی نظر آنے لگی۔ پھر آپ نے اپنا رخ قبلہ کی طرف کیا اور پشت لوگوں کی طرف کر لی، اور جو چادر آپ اوڑھے ہوئے تھے اس کو آپ نے پلٹا اور دعائیں آپ کے ہاتھ اب تک اٹھے ہوئے رہے۔ پھر آپ نے اپنا رخ لوگوں کی طرف کر لیا اور منبر سے نیچے آ کر دو رکعت نماز پڑھائی۔ اللہ تعالیٰ کے حکم سے اسی وقت ایک بدلی انھی جس میں گرج اور چمک بھی تھی، پھر وہ اللہ کے حکم سے خوب برسی (اور ایسی بھرپور بارش ہوئی کہ ابھی آپ اپنی مسجد تک واپس نہیں پہنچے تھے کہ پانی سے راستے اور نالے بھر کے بننے لگے، پھر جب آپ نے یہ منظر دیکھا کہ لوگ (جو خطہ اور سوکھا کی شکایت کر رہے تھے) بارش سے پناہ لینے کے لئے سائبان یا چھپر کی طرف دوڑ رہے ہیں تو آپ کو فہمی آگئی یہاں تک کہ آپ کے دندان مبارک ظاہر ہو گئے، اور آپ نے فرمایا: میں شہادت دیتا ہوں کہ اللہ کو ہر چیز پر قدرت ہے، اور میں اس کا بندہ اور رسول (ﷺ) ہوں۔ (سنن ابی داؤد)

(۲۸۵) عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ زَيْدٍ قَالَ خَرَجَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ بِالنَّاسِ إِلَى الْمُصَلَّى يَسْتَعْفِفُ فَمَضَى بِهِمْ رَكَعَتَيْنِ جَهَرَ لِيَهُمَا بِالْقِرَاءَةِ وَاسْتَقْبَلَ الْقِبْلَةَ يَدْعُو وَيَدْعُو وَحَوْلَ رِجَالِهِ اسْتَقْبَلَ الْقِبْلَةَ . (رواه البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن زید سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نماز استسقاء کے لئے لوگوں کو ساتھ لے کر عید گاہ تشریف لے گئے۔ آپ نے اس نماز میں دو رکعتیں پڑھیں اور قرأت بالجہر کی اور قبلہ رو ہو کر اور ہاتھ اٹھا کر دعا کی اور جس وقت آپ نے قبلہ کی طرف اپنا رخ کیا، اس وقت اپنی چادر کو پلٹ کر اوڑھ لیا۔ (صحیح بخاری، صحیح مسلم)

(۲۸۶) عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ خَرَجَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يَتَعَفَّفُ فِي الْإِسْتِسْقَاءِ مُتَبَعًا لَا مُتَوَاضِعًا مُتَعَفِّيًا مُتَضَرِّعًا . (رواه الترمذی و ابو داؤد و النسائی و ابن ماجہ)

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نماز استسقاء کے لئے چلے تو آپ بہت معمولی اور کم حیثیت لباس پہنے ہوئے تھے، اور آپ کا انداز خاساری اور مسکینی اور عاجزی کا تھا۔ (جامع ترمذی، سنن ابی داؤد، سنن نسائی، سنن ابن ماجہ)

تشریح:..... جیسا کہ ابھی عرض کیا گیا صلوٰۃ استسقاء کی عمومی اور اجتماعی مصیبت کے دفعہ کیلئے اجتماعی نماز اور دعا ہے۔ مندرجہ بالا حدیثوں سے اس نماز کے بارے میں چند باتیں معلوم ہوتی ہیں۔

اول:..... یہ کہ یہ نماز آبادی اور بستی سے باہر صحرا اور جنگل میں برابر راست زمین پر ہوئی چاہئے، بارش طلبی کے لئے صحرا اور جنگل ہی بہتاز یادہ موزوں جگہ ہے اور اس میں اپنی بے مانگئی کا اظہار بھی زیادہ ہوتا ہے۔

دوسرے:..... یہ جمعیۃ عید کی نماز کی طرح اس نماز کے لئے نہانے دھونے اور اچھے کپڑے پہننے کا اہتمام نہ کیا

جائے بلکہ اس کے برعکس بالکل معمولی اور کم حیثیت لباس ہو، مسکینوں اور فقیروں کی صورت میں اللہ تعالیٰ کے حضور میں حاضری ہو، سائل کے لئے فقیرانہ صورت اور پچھٹے حال مسکینوں کی سی حالت ہی زیادہ مناسب ہے۔

تیسرے..... یہ کہ دعا بہت اہتال اور الحاح کے ساتھ کی جائے، اور اس غرض سے ہاتھ آسمان کی طرف زیادہ اونچے اٹھائے جائیں۔

پہلی دونوں حدیثوں میں ”تحویل رداء“ کا بھی ذکر ہے یعنی یہ کہ آپؐ نے قبلہ رو ہو کر اپنی چادر مبارک پلٹ کر اوڑھی۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ اے اللہ! جس طرح میں نے اس چادر کو الٹ دیا اسی طرح تو بارش نازل فرما کر صورت حال بالکل پلٹ دے، گویا ہاتھ اٹھانے کی طرح یہ عمل بھی دعائی کا ایک جز تھا۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی پہلی حدیث میں گزر رہا کہ جس وقت آپؐ نے نماز استسقاء پڑھی اسی وقت ایک بدلی اٹھی اور بھرپور بارش ہوئی۔ دوسرے بعض صحابہ کرامؓ کی روایت میں بھی اس کا ذکر ہے۔ الحمد للہ یہ امت کا بھی عام تجربہ ہے۔ اس عاجز و عاصی کو بھی اپنی عمر میں تین دفعہ نماز استسقاء پڑھنے کا اتفاق ہوا ہے۔ پہلی دفعہ اپنے بالکل بچپن میں اپنے اصل وطن سنجل میں، دوسری دفعہ اب سے قریب پندرہ سال پہلے لکھنؤ میں اور تیسری دفعہ ۱۹۵۱ میں مدینہ طیبہ میں اور یہ تینوں دفعہ کی نماز کے ساتھ ہی اللہ تعالیٰ نے بارش نازل فرمائی۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں ہے کہ: جب نماز اور دعا کے نتیجہ میں بارش ہوئی اور بھرپور ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:-

أَشْهَدُ أَنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ وَإِنِّي عَبْدُ اللَّهِ وَرَسُولُهُ

میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کی قدرت رکھتا ہے اور میں تو اس کا بندہ اور رسول ہوں۔

یہ کمال عبدیت ہے کہ آپؐ کی نماز اور دعا کے نتیجہ میں جب معجزانہ طور پر بارش نازل ہوئی تو آپؐ نے اس حقیقت کا اعتراف و اعلان ضروری سمجھا کہ یہ جو کچھ ہو اللہ تعالیٰ کی قدرت و مشیت سے ہو اللہ اوہی حمد و شکر کا مستحق ہے اور میں تو بس اس اللہ کا ایک بندہ اور پیغمبر ہوں۔ اللہم صلی علی سیدنا محمد و علیٰ آلہ و رسولک ۔

نماز جنازہ، اور اسکے قبل و بعد

محدثین کا عام دستور ہے کہ وہ کتاب الصلوٰۃ کے آخر میں کتاب الجنائز کے تحت موت، مرض الموت بلکہ مطلق مرض و دیگر مصائب و ملیات اور ان حوادث کے وقت کے طرز عمل، پھر غسل میت، تجہیز و تکفین، نماز جنازہ، دفن، تعزیت، یہاں تک کہ زیارت قبور ان سب ہی امور کے متعلق حدیثیں درج کرتے ہیں۔ اس دستور کی پیروی میں یہاں بھی ان تمام امور سے متعلق رسول اللہ ﷺ کے ارشادات اور معمولات

اسی طرح ذکر کئے جائیں گے۔ ان حدیثوں سے جو کچھ معلوم ہو گا ان کا حاصل اور خلاصہ یہ ہے کہ موت چونکہ یقیناً آنے والی ہے، اور اس کا کوئی وقت معلوم نہیں ہے، اس لئے مسلمان کو چاہئے کہ کسی وقت بھی اس سے غافل نہ ہو، ہمیشہ اس کو یاد رکھے اور آخرت کے اس سفر کی تیاری کرتا رہے۔ خصوصاً جب بیمار ہو تو اپنی دینی و ایمانی حالت کو درست کرنے اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ اپنے تعلق کو صحیح کرنے کی زیادہ فکر کرے، دوسرے بھائی اس کی خدمت و ہمدردی اور اس کا غم ہلکا کرنے اور جی بہلانے کی کوشش کریں، اور اس کے سامنے اجر و ثواب کی باتیں اور اللہ تعالیٰ کی شان رحمت کے خوش آئند تذکرے کریں۔ خصوصاً جب محسوس ہو کہ مریض بظاہر اچھا ہونے والا نہیں اور سفر آخرت کے قریب ہے تو اس کے دل کو اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ کرنے کی اور کلمہ ایمان کی یاد دہانی کی مناسب طریقے پر کوشش کریں۔ پھر جب موت وارد ہو جائے تو اس کے اقارب صبر سے کام لیں، طبی اور فطری رنج و غم کے باوجود موت کو اللہ تعالیٰ کا فیصلہ سمجھ کر وفادار بندے کی طرح اس کے سامنے سر تسلیم خم کر دیں، اور اس کے کرم سے اس صدمہ پر اجر و ثواب کی امید رکھیں اور اس کی دعائیں کریں۔ پھر میت کو غسل دیا جائے، پھر اس کو اچھے صاف ستھرے کپڑوں میں کفنایا جائے، اور خوشبو کا استعمال کیا جائے۔ پھر اس کی نماز جنازہ پڑھی جائے جس میں اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء اور تسبیح و تقدیس ہو، اس کی عظمت و کبریائی کا اعتراف و اقرار ہو، اللہ کے نبی و رسول حضرت محمد ﷺ کے لئے دعائے رحمت ہو جن سے اس میت کو اور نماز پڑھنے والوں کو ہدایت ملی، اس سب کے بعد مرنے والے بھائی کے لئے اللہ تعالیٰ سے بخشش اور رحم و کرم کی دعا اور التجا ہو، پھر پورے اعزاز و احترام کے ساتھ اس کو اس زمین کے سپرد کر دیا جائے اور اس کی گود میں دے دیا جائے جس کے اجزاء سے اس کا جسم بنا اور پلا تھا، اور جو ایک طرح سے گویا اس کی ماں تھی۔ پھر لوگ زبانی اور عملی طور پر میت کے اقارب اور گھر والوں کی غمخواری اور ہمدردی کریں اور ان کی تسلی و تشفی اور غم ہلکا کرنے کی کوشش کریں۔

ان میں سے ہر بات کی حکمت اور مصلحت بالکل ظاہر ہے اور یہ واقعہ اور تجربہ ہے کہ مرض و موت اور دوسری مصیبتوں میں رسول اللہ ﷺ کی ان ہدایات پر عمل کرنے سے قلب و روح کو بڑا سکون نصیب ہوتا ہے، اور اس سلسلہ کی آپ کی ہر تعلیم و ہدایت دل کے زخم کا مرہم اور صدمہ کی دوا بن جاتی ہے، اور موت تو لقاء الہی کا وسیلہ ہونے کی حیثیت سے محبوب و مطلوب ہو جاتی ہے۔

یہ تو ان ہدیت کے دینی اور نقد برکات ہیں، اور آخرت میں انشاء اللہ وہ سب سامنے آنے والا ہے۔ جس کا وعدہ آگے آنے والی حدیثوں میں کیا گیا ہے۔ اس تمہید کے بعد اس سلسلہ کی حدیثیں پڑھئے۔

موت کی یاد اور اس کا شوق

(۲۸۷) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ اخْبِرُوا ذُرِّيَّتَكُمْ بِمِثْلِ الْمَوْتِ -

(رواہ الترمذی والسنی و ابن ماجہ)

ترجمہ... حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: لوگو! موت کو یاد کرو اور یاد رکھو جو دنیا کی لذتوں کو ختم کر دینے والی ہے۔ (جامع ترمذی، سنن ابی یوسف، ابن ماجہ)

(۲۸۸) عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ أَخَذَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ بِمَنْكِبِي فَقَالَ مَخْنٌ لِي الدُّنْيَا كَأَنَّكَ غَرِيبٌ أَوْ غَابِرٌ سَبِيلٍ وَكَانَ ابْنُ عَمْرٍو يَقُولُ إِذَا أَمْسَيْتَ فَلَا تَنْتَظِرِ الصَّبَاحَ وَإِذَا أَصْبَحْتَ فَلَا تَنْتَظِرِ الْمَسَاءَ وَخُذْ مِنْ صُحُوبِكَ لِمَرْحَلِكِ وَمِنْ حَبْلِكَ لِمَوْتِكَ. (رواه البخاری)

ترجمہ... حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک مرتبہ میرا مونڈھا پکڑا اور مجھ سے فرمایا: دنیا میں اس طرح رہ جیسے کہ تو پردہ کی اور راست چلتا مسافر ہے، اور (رسول اللہ ﷺ) کی اس ہدایت و تعلیم کا اثر تھا کہ اپنے نفس کو یاد دوسروں کو بھی مخاطب کر کے (ابن عمرؓ نصیحت فرمایا کرتے تھے کہ جب شام آئے تو صبح کا انتظار نہ کر (معلوم نہیں کہ صبح تک تو رہے گا یا نہیں) اور جب صبح ہو تو شام کا انتظار نہ کر (نہیں معلوم کہ شام تک تو زندہ رہے گا یا نہیں) اور تندرستی کی حالت میں بیماری کے لئے اور زندگی میں موت کے لئے کچھ کمائی کر لے۔ (صحیح بخاری)

(۲۸۹) عَنْ عَبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مَنْ أَحَبَّ لِقَاءَ اللَّهِ أَحَبَّ اللَّهُ لِقَاءَهُ وَمَنْ حَمَرَهُ لِقَاءُ اللَّهِ حَمَرَهُ اللَّهُ لِقَاءَهُ. (رواه البخاری و مسلم)

ترجمہ... حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس کو اللہ سے ملنا اور اس کے حضور میں حاضر ہونا محبوب ہو اللہ کو اس سے ملنا محبوب ہے، اور جس کو اللہ سے ملنا ناگوار ہو، اللہ کو اس سے ملنا ناگوار ہے۔ (صحیح مسلم، صحیح بخاری)

تشریح... حضرت عبادہ بن صامت کی اسی روایت میں آگے یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جب یہ بات ارشاد فرمائی تو ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا، یا الزواج مطہرات میں سے کسی اور نے عرض کیا: حضرت (ﷺ)! ہمارا حال تو یہ ہے کہ:

إِنَّا نَكْرَهُ الْمَوْتَ ”ہم موت سے گھبراتے ہیں اور موت ہم کو محبوب اور گوارا نہیں ہے“

آپ ﷺ نے اس کے جواب میں جو کچھ فرمایا اس کا حاصل یہ ہے کہ میرا مطلب یہ نہیں کہ آدمی کو خود موت محبوب ہونی چاہئے، موت کا محبوب نہ ہونا تو ایک طبعی اور فطری سی بات ہے، بلکہ میرا مطلب یہ ہے کہ موت کے بعد اللہ تعالیٰ کی جو رضا اور اس کا جو فضل و کرم مؤمن پر ہونے والا ہے جو موت کے وقت اس پر منکشف کر دیا جاتا ہے وہ آدمی کو محبوب اور اس کا شوق ہونا چاہئے اور جس بندے کا یہ حال ہو اللہ تعالیٰ اس سے محبت کرتا ہے اور اس سے ملنا اللہ تعالیٰ کو محبوب ہوتا ہے، اور اس کے برعکس جو بندہ اپنی بد اعمالی اور بد بختی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے غضب اور عذاب کا مستحق ہوتا ہے، موت کے وقت اس کے اس برے انجام پر اس کو مطلع کر دیا جاتا ہے اس لئے وہ اللہ کے حضور میں جانا نہیں چاہتا اور اس کو اپنے حق میں سخت

مصیبت سمجھتا ہے تو ایسے شخص سے اللہ تعالیٰ بھی ملنا نہیں چاہتا اور اس سے نفرت کرتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کی اس تصریح کی بناء پر لقاء اللہ سے مراد یہاں موت نہیں ہے بلکہ موت کے بعد اللہ تعالیٰ کا جو معاملہ بندے کے ساتھ ہونے والا ہے وہ مراد ہے، چنانچہ اسی مضمون کی جو حدیث خود حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے اس کے آخر میں رسول اللہ ﷺ کی یہ تصریح ہے کہ: واللہ فیہ لقاء اللہ (یعنی موت لقاء اللہ سے پہلے ہے۔)

حضرت شاہ ولی اللہ نے اس حدیث کی شرح میں فرمایا ہے کہ جب اس دنیا سے دوسرے عالم کی طرف منتقل ہونے کا وقت بالکل قریب آتا ہے تو بمبیت اور مادیت کے غیظ پر دے چاک ہونے لگتے ہیں، اور روح کے لئے عالم ملکوت کا ظہور ہونے لگتا ہے، اس وقت عالم غیب اور عالم آخرت کی وہ حقیقتیں گویا مشاہدے میں آنے لگتی ہیں جن کی اطلاع انبیاء علیہم السلام نے دی ہے، اس وقت اس صاحب ایمان بندے کی روح جس نے ہمیشہ بیکہ تقاضوں کو دیا اور ملکی صفات کو غالب کرنے کی کوشش کی، اللہ تعالیٰ کی عنایات اور اس کے لطف و کرم کے نقوش کا مشاہدہ کر کے اس کی مشتاق ہو جاتی ہے اور اس کا داعیہ اور شوق یہ ہوتا ہے کہ جلد سے جلد وہ اسی عالم میں اور اللہ تعالیٰ کے آغوش رحمت میں پہنچ جائے اور اس کے برعکس جو منکریا خدا فراموش اور نفس پرست بندہ ہمیشہ اپنے بیکہ تقاضوں میں غرق اور دنیوی لذتوں میں مست رہا، اس کی روح موت کے وقت جب اپنے مستقبل کے مہیب نقشے دیکھتی ہے تو کسی طرح دنیا سے نکلنا نہیں چاہتی۔ شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ انہیں دونوں حالتوں کو ”احب لقاء اللہ“ اور ”کرد لقاء اللہ“ سے تعبیر کیا گیا ہے، اور آگے احب اللہ لقاءہ اور کرد اللہ لقاءہ کا مطلب بس اللہ تعالیٰ کی رضا اور ناراضی اور انعام اور غضب اور ثواب و عذاب ہے۔

(۶۹۰) عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ نُحْفَةُ الْمُؤْمِنِ الْمَوْتُ.....

(رواہ البیہقی فی شعب الایمان)

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مؤمن کا تحفہ موت ہے۔ (شعب الایمان)

تشریح:..... جیسا کہ اوپر ذکر کیا جا چکا ہے موت طبعی طور پر کسی کے لئے بھی خوشگوار نہیں ہوتی، لیکن اللہ کے جن بندوں کو ایمان و یقین کی دولت نصیب ہے وہ موت کے بعد کے اللہ تعالیٰ کے انعامات اور قرب خصوصی اور لذت دیدار پر نظر رکھتے ہوئے عقلی طور پر موت کے مشتاق ہوتے ہیں، بالکل اس طرح جس طرح کہ آنکھ میں نشتر لگوانا طبعی طور پر کسی کو بھی مرغوب اور گوارا نہیں ہو سکتا لیکن اس امید پر کہ آپریشن سے آنکھ میں روشنی آجائے گی، عقلی طور پر وہ محبوب و مطلوب ہوتا ہے اور ڈاکٹر کو فیس دے کر آنکھ میں نشتر لگوایا جاتا ہے۔ بس فرق اتنا ہے کہ آپریشن کے نتیجہ میں آنکھ کا روشن ہو جانا قطعی اور یقینی نہیں ہے، آپریشن ناکامیاب بھی ہو جاتا ہے، لیکن صاحب ایمان و یقین بندے کے لئے اللہ تعالیٰ کے انعامات اور اس کا

قرب اور لذت ویدار بالکل یقینی ہے، اسی لحاظ سے اصحاب ایمان و یقین کے لئے موت محبوب ترین تحفہ ہے۔ کبھنے کے لئے بلا تشبیہ اس کی دوسری ایک مثال یہ ہے کہ ہر لڑکی کے لئے شادی اور ماں باپ کے گھر سے رخصت ہو کر شوہر کے ہاں جانا اس حیثیت سے بڑے رنج اور صدمہ کی بات ہوتی ہے کہ ماں باپ کی شفقت اور گھر کا ماحول اس سے چھوٹ جائے گا اور اس کی آئندہ زندگی ایک نئے گھر اور نئے خاندان میں گزرے گی، لیکن شادی سے مستقبل کے بارے میں جو خاص توقعات ہوتی ہیں جن کے لئے شادی کی جاتی ہے ان کی وجہ سے بلاشبہ شادی کا شوق اور ارمان بھی ہوتا ہے۔ بس اسی طرح اللہ تعالیٰ کے ساتھ صحیح ایمانی تعلق رکھنے والے بندوں کا معاملہ ہے۔ موت کے بعد اللہ تعالیٰ کی جن الطاف و عنایات اور جس طرح قرب خصوصی کی ان کو توقع ہوتی ہے اسی کی وجہ سے ان کو موت کا اشتیاق اور ارمان ہوتا ہے!

موت کی تمنا اور دعا کرنے کی ممانعت

بہت سے لوگ دنیا کی تنگیوں اور پریشانیوں سے گھبرا کر موت کی آرزو اور دعا کرنے لگتے ہیں، یہ بڑی بے دانستی، کم ہمتی اور بے صبری کی بات اور ایمان کی کمزوری کی علامت ہے، رسول اللہ ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے۔

(۲۹۱) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ لَا يَتَمَنَّي أَحَدُكُمُ الْمَوْتَ أَمَّا مُحِبِّنَا لِلْعَلَّةِ أَنْ يَزْدَادَ خَيْرًا وَأَمَّا مُبِغِّنَا لِلْعَلَّةِ أَنْ يَنْصَبَ . (رواہ البخاری)

ترجمہ... حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: تم میں سے کوئی موت کی تمنا نہ کرے، اگر وہ نیکو کار ہے تو امید ہے کہ جب تک وہ زندہ رہے گانگیوں کے اس کے ذخیرے میں اضافہ ہوتا رہے گا اور اگر اس کے اعمال خراب ہیں تو ہو سکتا ہے آئندہ زندگی میں وہ توبہ وغیرہ کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کو راضی کر لے۔ (صحیح بخاری)

تشریح... صحیح بخاری میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی اس حدیث کے الفاظ یہی ہیں جو اوپر درج کئے گئے ہیں لیکن صحیح مسلم کی روایت میں خفیف سا نقلی فرق ہے اور اس میں موت کی تمنا کے ساتھ اس کی دعا کرنے سے بھی منع فرمایا گیا ہے۔

(۲۹۲) عَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ لَا يَتَمَنَّي أَحَدُكُمُ الْمَوْتَ مِنْ ضَرِّ أَصَابَةٍ لِأَنَّ مَكَانَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ لِلْقَلِّ اللَّهُمَّ أَخِي مَا كَانَتِ الْحَيَوَةُ خَيْرًا لِي وَتَوَفَّيْ إِذَا كَانَتِ الْوَلَاءَةُ خَيْرًا لِي .

(رواہ البخاری و مسلم)

ترجمہ... حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے کوئی کسی دکھ اور تکلیف کی وجہ سے موت کی تمنا (اور دعا) نہ کرے اگر (اندر کے داعیہ سے) بالکل ہی لاچار ہو، تو یوں دعا کرے کہ اے اللہ! میرے لئے جب تک زندگی بہتر ہو اس وقت تک مجھے زندہ

رکھ اور جب میرے لئے موت بجا ہو اس وقت تو مجھے دنیا سے اٹھالے۔ (صحیح بخاری، صحیح مسلم)

بیاری بھی مومن کے لئے رحمت اور گناہوں کا کفارہ

جس طرح رسول اللہ ﷺ نے موت کے متعلق بتلایا کہ وہ فنا اور نیست ہو جانا نہیں ہے بلکہ ایک دوسری زندگی کا آغاز اور ایک دوسرے عالم کی طرف منتقل ہو جانا ہے جو اللہ کے ایمان والے بندوں کے لئے نہایت ہی خوشگوار ہوگا، اور اس لحاظ سے وہ موت مومن کا تختہ ہے۔ اسی طرح آپ نے بتلایا کہ بیماری بھی صرف دکھ اور مصیبت نہیں ہے بلکہ ایک پہلو سے دور رحمت ہے اور اس سے گناہوں کی صفائی ہوتی ہے، اور اللہ کے سعادت مند بندوں کو چاہئے کہ بیماری اور دوسری تکلیفوں اور مصیبتوں کو خدا کی تسبیح سمجھتے ہوئے اپنی اصلاح کی فکر اور کوشش میں لگ جائیں۔ ذیل کی حدیثوں میں یہی تعلیم اور ہدایت دی گئی ہے۔

(۲۹۳) عَنْ أَبِي سَعِيدٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ مَا يُصِيبُ الْمُسْلِمَ مِنْ نَصَبٍ وَلَا وَصَبٍ وَلَا هَمٍّ وَلَا حُزْنٍ وَلَا أَذًى وَلَا غَمٍّ حَتَّى الشُّوْكَةِ يُشَاكِّهَا إِلَّا كَفَّرَ اللَّهُ بِهَا مِنْ خَطَايَاهُ . (رواہ البخاری و مسلم)
ترجمہ: حضرت ابو سعید ہذری رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ:۔
مرد مومن کو جو بھی دکھ اور جو بھی بیماری اور جو بھی پریشانی اور جو بھی رنج و غم اور جو بھی اذیت پہنچتی ہے، یہاں تک کہ کانٹا بھی اُس کے لگتا ہے تو اللہ تعالیٰ ان چیزوں کے ذریعہ اس کے گناہوں کی صفائی کر دیتا ہے۔ (صحیح بخاری، صحیح مسلم)

(۲۹۴) عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مَا مِنْ مُسْلِمٍ يُصِيبُهُ أَذًى مِنْ مَرَضٍ لَمْ يَأْكُلْ سِوَاهُ إِلَّا حَطَّ اللَّهُ تَعَالَى بِهِ سَيِّئَاتِهِ كَمَا تَحُطُّ الشَّجَرَةُ وَرَقُهَا . (رواہ البخاری و مسلم)
ترجمہ: حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:۔ کسی مرد مومن کو جو بھی تکلیف پہنچتی ہے مرض سے یا اس کے علاوہ، اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ اس کے گناہوں کو اس طرح جھاڑ دیتا ہے جس طرح خزاں رسیدہ درخت اپنے پتے جھاڑ دیتا ہے۔ (صحیح بخاری، صحیح مسلم)

(۲۹۵) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ لَا يَزَالُ الْبَلَاءُ بِالْمُؤْمِنِ أَوْ الْمُؤْمِنَةِ فِي نَفْسِهِ وَمَا لَهُ وَوَلَدِهِ حَتَّى يُلْقَى اللَّهَ تَعَالَى وَمَا عَلَيْهِ مِنْ خَطِيئَةٍ . (رواہ الترمذی)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: اللہ تعالیٰ کے بعض ایمان والے بندوں یا ایمان والی بندویوں پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے مصائب اور حوادث آتے رہتے ہیں۔ کبھی اس کی جان پر کبھی اس کے مال پر، کبھی اس کی اولاد پر (اور اس کے نتیجہ میں اس کے گناہ جھڑتے رہتے ہیں) یہاں تک کہ مرنے کے بعد وہ اللہ کے حضور میں اس حال میں پہنچتا ہے کہ اس کا ایک گناہ بھی باقی نہیں رہتا۔ (جامع ترمذی)

(۲۹۶) عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ خَالِدٍ السُّلَمِيِّ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِنَّ الْعَبْدَ إِذَا سَبَقَتْ لَهُ مِنَ اللَّهِ مَنَزَلَةٌ لَمْ يَنْفَلِكْ بِعَمَلِهِ إِبْرَاءَهُ اللَّهِ فِي جَسَدِهِ أَوْفَى مَا لَهُ أَوْفَى وَلَدِهِ ثُمَّ صَبَرَهُ عَلَى ذَلِكَ حَتَّى يُلْقِيَهُ الْمَنَزَلَةُ الَّتِي سَبَقَتْ لَهُ مِنَ اللَّهِ . (رواه احمد و ابو داؤد)

ترجمہ: محمد بن خالد سلمیٰ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں اور وہ ان کے دادا سے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ کسی بندہ مؤمن کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایسا بلند مقام طے ہو جاتا ہے جس کو وہ اپنے عمل سے نہیں پاسکتا، تو اللہ تعالیٰ اس کو کسی جسمانی یا مالی تکلیف میں یا اولاد کی طرف سے کسی صدمہ اور پریشانی میں مبتلا کر دیتا ہے، پھر اس کو صبر کی توفیق دے دیتا ہے، یہاں تک کہ (ان مصائب و تکالیف اور ان پر صبر کرنے کی وجہ سے) اس بلند مقام پر پہنچا دیتا ہے جو اسکے لئے پہلے سے طے ہو چکا تھا۔

تشریح:..... اللہ تعالیٰ مالک الملک اور احکم الحاکمین ہے، وہ اگر چاہے تو بغیر کسی عمل اور استحقاق کے بھی اپنے کسی بندے کو بلند سے بلند درجہ عطا فرما سکتا ہے، لیکن اس کی حکمت اور صفت عدالت کا تقاضا یہ ہے کہ جو بندے اپنے اعمال اور احوال کی وجہ سے جس درجہ کے مستحق ہوں ان کو اسی درجہ پر رکھا جائے، اس لئے اللہ تعالیٰ کا یہ دستور اور معاملہ ہے کہ جب وہ کسی بندے کے لئے اس کی کوئی ادائیگی کرے یا خود اس کی یا اسکے حق میں کسی دوسرے بندے کی دعا قبول کر کے اسکو ایسا بلند درجہ عطا فرمانے کا فیصلہ کرتا ہے جس کا وہ اپنے اعمال کی وجہ سے مستحق نہیں ہوتا تو اعمال کی اس کی کو مصائب حوادث اور صبر کی توفیق سے پورا کر دیتا ہے۔ واللہ اعلم

(۲۹۷) عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يَوْمَ الْقِيَامَةِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ جَمْعُ يُعْطَى أَهْلُ الْبَلَاءِ الْقَوَابِ لَوْ أَنَّ جُلُوفَهُمْ كَانَتْ لِرِصَتْ فِي اللَّيْلِ بِالْمَقَارِبِ . (رواه الترمذی)

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قیامت کے دن جب ان بندوں کو جو دنیا میں مبتلائے مصائب رہے، ان مصائب کے عوض اجر و ثواب دیا جائے گا تو وہ لوگ جو دنیا میں ہمیشہ آرام و چین سے رہے حسرت کریں گے کہ کاش دنیا میں ہماری کھالیں قیچیوں سے کاٹی گئی ہوتیں۔ (تابع ترمذی)

(۲۹۸) عَنْ عَامِرِ الرُّامِ قَالَ ذَكَرَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ الْأَسْقَامَ فَقَالَ إِنَّ الْمُؤْمِنَ إِذَا أَصَابَهُ السُّقْمُ ثُمَّ عَلَاهُ اللَّهُ عَزَّوَجَلَّ مِنْهُ كَانَ كَلَامَةً لِمَا مَضَى مِنْ ذُنُوبِهِ وَمَوْعِظَةً لَهُ لِمَا يَسْتَقْبِلُ وَإِنَّ الْخَلْقَ إِذَا مَرَضَ ثُمَّ أَغْفِيَ كَانَ كَالْبَعِيرِ عَقْلَهُ أَهْلُهُ ثُمَّ أُرْسِلُوا لِلَّهِ يَنْدِرِلَمْ عَقْلُوهُ وَلَمْ أُرْسِلُوا . (رواه ابو داؤد)

ترجمہ: عامر رومی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک دفعہ بیماریوں کے سلسلہ میں کچھ ارشاد فرمایا (یعنی بیماری کی حکمتیں اور اس میں جو خیر کا پہلو ہے اس کا تذکرہ فرمایا) اس سلسلہ میں آپ نے فرمایا کہ: جب مرد مؤمن بیماری میں مبتلا ہوتا ہے پھر اللہ تعالیٰ اس کو صحت و عافیت دیتا ہے تو یہ بیماری اس کے پچھلے گناہوں کا کفارہ ہو جاتی ہے اور مستقبل کیلئے نصیحت و تنبیہ کا کام کرتی ہے اور (خدا و آخرت سے

غافل رہے پر (لو) منافق آدمی جب بیمار پڑتا ہے اور اس کے بعد اچھا ہو جاتا ہے (تو وہ اس سے کوئی سبق نہیں لیتا اور کوئی نفع نہیں اٹھاتا) اس کی مثال اس اونٹ کی سی ہے جس کو اس کے مالک نے باندھ دیا، پھر کھول دیا، لیکن اس کو کوئی احساس نہیں کیوں اس کو باندھا اور کیوں کھولا۔ (سنن ابی داؤد)

تشریح..... رسول اللہ ﷺ کے ان سب ارشادات کا خاص سبق اور پیغام یہی ہے کہ بیماریوں اور دوسری تکلیفوں اور پریشانیوں کو (جو اس دنیوی زندگی کا گویا لازمہ ہیں) صرف مصیبت اور اللہ تعالیٰ کے غضب اور قہر کا ظہور ہی نہ سمجھنا چاہئے۔ اللہ سے صحیح تعلق رکھنے والے بندوں کے لئے ان میں بھی بڑا خیر اور رحمت کا بڑا سامان ہے، ان کے ذریعہ گناہوں کی صفائی اور تطہیر ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ کی خاص عنایات اور بلند درجات کا استحقاق حاصل ہوتا ہے اعمال کی کئی کسر پوری ہوتی ہے۔ اور ان کے ذریعہ سعادت مند بندوں کی تربیت ہو جاتی ہے۔

رسول اللہ ﷺ کی اس تعلیم کی یہ کتنی عظیم برکت ہے کہ جن بندوں کو ان حقیقتوں کا یقین ہے وہ بڑی سے بڑی بیماری اور مصیبت کو بھی اللہ تعالیٰ کی عنایت و رحمت کی ایک صورت سمجھتے ہیں۔ اپنے جن بندوں کو اللہ تعالیٰ نے یہ دولت نصیب فرمائی ہے بس وہی جانتے ہیں کہ یہ کتنی عظیم نعمت ہے اور اس سے بیماری اور مصیبت کے حال میں بھی دل اور روح کو کتنی تقویت حاصل ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق اور محبت میں کتنی ترقی اور کس قدر اضافہ ہوتا ہے۔

بیماری میں زمانہ تندرستی کے اعمال کا ثواب

(۲۹۹) عَنْ أَبِي مُوسَى قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِذَا مَرِضَ الْعَبْدُ أَوْ سَافَرَ مَحَبَّ لَهُ بِفِعْلٍ مَا كَانَ يَفْعَلُ مُقِيمًا صَحِيحًا . (رواہ البخاری)

ترجمہ..... حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب کوئی بندہ بیمار ہو یا سفر میں جائے (اور اس بیماری یا سفر کی وجہ سے اپنی عبادت وغیرہ کے معمولات پورا کرنے سے مجبور ہو جائے) تو اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کے اعمال اسی طرح کئے جاتے ہیں جس طرح وہ صحت و تندرستی کی حالت میں اور زمانہ اقامت میں کیا کرتا تھا۔ (صحیح بخاری)

تشریح..... یہ بھی اللہ تعالیٰ کا خاص لطف و کرم اور فضل و احسان ہے کہ اگر آدمی بیماری یا سفر جیسی کسی مجبوری سے اپنے ذکر و عبادت وغیرہ کے معمولات پورے نہ کر سکے تو اللہ تعالیٰ اس کے اعمال نامہ میں اپنے حکم سے وہ معمولات لکھواتا ہے، جو یہ بندہ تندرستی اور اقامت کی حالت میں کیا کرتا تھا۔ اللہمَّ لَكَ الْحَمْدُ وَ لَكَ الشُّكْرُ لَا نُحْصِي ثَنَاءَ عَلَيْكَ ۔

مریض کی عیادت اور تسلی و ہمدردی

مریض کی عیادت تو سب اور اس کی خدمت و ہمدردی کو رسول اللہ ﷺ نے اونچے درجہ کا نیک عمل اور ایک

طرح کی مقبول ترین عبادت بتلایا ہے اور مختلف طریقوں سے اس کی ترغیب دی ہے، خود آپ کا دستور اور معمول بھی تھا کہ مریضوں کی عیادت کے لئے تشریف لے جاتے، ان سے ایسی باتیں کرتے جن سے ان کو تسلی ہوتی اور ان کا غم ہلکا ہوتا، اللہ کا نام اور اس کا کلام پڑھ کر ان پر دم بھی فرماتے اور دوسروں کو بھی اس کی تلقین فرماتے:

(۳۰۰) عَنْ أَبِي مُوسَى قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ أَطْعِمُوا الْجَائِعَ وَعَوِّذُوا الْمَرِيضَ وَكُلُوا الْعَالِي .

(رواہ البخاری)

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بھوکوں کو کھانا کھلاؤ، بیماروں کی عیادت کرو اور جو لوگ ناحق قید کر دیئے گئے ہوں ان کی رہائی کی کوشش کرو۔ (صحیح بخاری)

(۳۰۱) عَنْ ثَوْبَانَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِنَّ الْمُسْلِمَ إِذَا عَادَ أَخَاهُ الْمُسْلِمَ لَمْ يَزَلْ فِي خُرْقَةٍ الْجَنَّةِ حَتَّى يَرْجِعَ . (رواہ مسلم)

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: بندہ مومن جب اپنے صاحب ایمان بندے کی عیادت کرتا ہے تو واپس آنے تک وہ گویا جنت کے باغ میں ہوتا ہے۔ (صحیح مسلم)

(۳۰۲) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مَنْ عَادَى مَرِيضًا نَادَى مُنَادٍ مِّنَ السَّمَاءِ طِبْتُ وَكَأَنَّ مَمْسَاكَ وَكَوَأَتْ مِّنَ الْجَنَّةِ مَنَزِلًا - (رواہ ابن ماجہ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس بندے نے کسی مریض کی عیادت کی تو اللہ کا منادی آسمان سے پکارتا ہے کہ تو مبارک، اور عیادت کے لئے تیرا چلنا مبارک اور تو نے یہ عمل کر کے جنت میں اپنا گھر بنالیا۔ (ابن ماجہ)

(۳۰۳) عَنْ أَبِي سَعِيدٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِذَا دَخَلْتُمْ عَلَى الْمَرِيضِ فَتَقَسُّوْا لَهُ فِي أَجَلِهِ فَإِنَّ ذَلِكَ لَا يَرُدُّ شَيْئًا وَيُطِيبُ بِنَفْسِهِ . (رواہ الترمذی و ابن ماجہ)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب تم کسی مریض کے پاس جاؤ تو اس کی عمر کے بارے میں اس کے دل کو خوش کرو (یعنی اس کی عمر اور زندگی کے بارے میں خوش کن اور اطمینان بخش باتیں کرو۔ مثلاً یہ تمہاری حالت بہتر ہے، انشاء اللہ تم جلد ہی تندرست ہو جاؤ گے) اس طرح کی باتیں کسی ہونے والی چیز کو روک تو نہ سکیں گی (جو ہونے والا ہے وہی ہوگا) لیکن اس سے اس کا دل خوش ہوگا (اور یہی عیادت کا مقصد ہے)۔ (ابن ماجہ)

(۳۰۴) عَنْ أَنَسٍ قَالَ كَانَ عَلَامَ يَهُودِيٍّ يَخْدِمُ النَّبِيَّ ﷺ لَمَرَضٍ لَّاتَاهُ النَّبِيُّ ﷺ يَعُوذُ لَقَعَهُ عِنْدَ رَأْسِهِ فَقَالَ لَهُ أَسْلِمَ فَنَظَرَ إِلَى أَبِيهِ وَهُوَ عِنْدَهُ فَقَالَ أَطْعِمْ أَبَا الْقَاسِمِ لَأَسْلَمَ لَمَخْرَجِ النَّبِيُّ ﷺ

وَهُوَ يَقُولُ الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي أَنْقَذَهُ مِنَ النَّارِ . (رواہ البخاری)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک یہودی لڑکا رسول اللہ ﷺ کی خدمت کیا کرتا تھا، وہ مریض ہو گیا تو آپ اس کی عیادت کے لئے اس کے پاس تشریف لے گئے اور اس کے سر ہانے بیٹھ گئے اور اس سے فرمایا تو اللہ کا دین اسلام قبول کر لے اس نے اپنے والد کی طرف دیکھا جو وہیں موجود تھے، اس نے لڑکے سے کہا تو ابو القاسم (ﷺ) کی بات مان لے، اس لڑکے نے اسلام قبول کر لیا، رسول اللہ ﷺ باہر تشریف لائے اور فرماتے تھے: ”حمد اس اللہ کی جس نے اس لڑکے کو جہنم سے نکال لیا۔“ (صحیح بخاری)

ترجمہ..... اس حدیث سے ایک بات یہ معلوم ہوئی کہ بعض غیر مسلم بھی رسول اللہ ﷺ کے ساتھ خادمانہ تعلق رکھتے تھے۔ دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ آپ ﷺ غیر مسلموں کی بھی عیادت فرماتے تھے۔ تیسری بات یہ بھی معلوم ہوئی کہ جن غیر مسلموں کو آپ ﷺ سے کچھ قریب ہونے کا موقع ملتا تھا وہ آپ ﷺ سے اتنے متاثر ہوتے تھے کہ اپنی اولاد کے لئے اسلام قبول کرنا بہتر اور بھلائی کا وسیلہ سمجھتے تھے۔

مریض پر دم اور اس کے لئے دعا سخت

۳۰۵ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا لَأَلْتُ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِذَا اخْتَكَى مِنَّا إِنْسَانٌ مَسَحَهُ بِوَجْهِهِ ثُمَّ لَالٍ أَذْهَبَ النَّاسَ رَبَّ النَّاسِ وَأَخْبَأَ أَنْتَ الشَّامِي لَا جَفَاءَ إِلَّا جَفَاءَ لَا جَفَاءَ إِلَّا جَفَاءَ سَفَمَا . (رواہ البخاری و مسلم)

ترجمہ..... حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ جب ہم میں سے کوئی آدمی بیمار ہوتا تو رسول اللہ ﷺ اپنا دایا ہاتھ اس کے جسم پر پھیرتے اور یہ دعا پڑھتے: اذهب الباس رب الناس۔ (اے سب آدمیوں کے پروردگار! اس بندے کی تکلیف دور فرما دے، تو ہی شفا دینے والا ہے، بس تیری ہی شفا شفا ہے، ایسی کامل شفا عطا فرما جو بیماری بالکل نہ چھوڑے)۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

۳۰۶ عَنْ عُثْمَانَ بْنِ أَبِي الْعَاصِ أَنَّهُ خَكِيَ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ وَجَعًا يَجْعُهُ فِي جَسَدِهِ فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ ضَعْ يَدَكَ عَلَى الذِّبْيِ يَا لَمْ مِنْ جَسَدِكَ وَلَقَدْ بَسَمَ اللَّهُ لَكَ وَلَقَدْ سَبَّحَ مَرَاتٍ أَعُوذُ بِعِزَّةِ اللَّهِ وَلِقُرْبِهِ مِنْ خَيْرٍ مَا أُجِدُّ وَأَحَادِرُ لَالٍ لَفَعَلْتُ لَا أَذْهَبَ اللَّهُ مَا كَانَ بِي . (رواہ مسلم)

ترجمہ..... حضرت عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے درد کی شکایت کی جو ان کے جسم کے کسی حصے میں تھا، تو رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا: تم اس جگہ پر اپنا ہاتھ رکھو جہاں تکلیف ہے اور تین دفعہ کہو: بسم اللہ اور سات مرتبہ کہو: اَعُوذُ بِعِزَّةِ اللَّهِ وَقُدْرَتِهِ مِنْ سَرِّ أَحَدٍ وَحَادِرٍ (میں پناہ لیتا ہوں اللہ تعالیٰ کی عظمت اور اس کی قدرت کی اس تکلیف کے شر سے جو میں پاربا ہوں اور جس کا مجھے خطرہ ہے) کہتے ہیں کہ میں نے ایسا ہی کیا تو اللہ تعالیٰ نے

میری وہ تکلیف دور فرمادی۔ (صحیح مسلم)

۳۰۷) عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يُعَوِّذُ الْحَسَنَ وَالْحُسَيْنَ أَعِيْذُكُمْ بِكَلِمَاتِ اللَّهِ الثَّامَةِ مِنْ كُلِّ شَيْطَانٍ وَهَامَّةٍ وَمِنْ كُلِّ غَيْبٍ لَّامَةٍ وَيَقُولُ إِنَّ أَبَاهُمَا كَانَ يُعَوِّذُ بِهَا إِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ . (رواه البخاری)

ترجمہ... حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ یہ دعا پڑھ کے حسن و حسین (رضی اللہ عنہما) کو اللہ کی پناہ میں دیتے تھے:

أَعِيْذُكُمْ بِكَلِمَاتِ اللَّهِ الثَّامَةِ مِنْ كُلِّ شَيْطَانٍ وَهَامَّةٍ وَمِنْ كُلِّ غَيْبٍ لَّامَةٍ

میں تمہیں پناہ میں دیتا ہوں اللہ کے کلمات تامہ کی ہر شیطان کے شر سے اور ہر زہریلے جانور سے اور اثر ڈالنے والی آنکھ سے۔

اور فرماتے تھے کہ: تمہارے جد امجد ابراہیم اپنے دونوں صاحبزادوں اسماعیل اور اسحاق پر ان کلمات سے دم کرتے تھے۔

تشریح..... ”کلمات تامہ“ سے مراد یا تو اللہ کے احکام ہیں یا اس کی نازل کی ہوئی کتابیں ہیں بہر حال آپ ﷺ حضرت حسن و حسین (رضی اللہ عنہما) پر بطور تعویذ اور دم کے یہ دعا پڑھا کرتے تھے اور اس طرح ان کے لئے اللہ سے پناہ اور حفاظت مانگتے تھے۔

۳۰۸) عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ إِذَا خُتِيَ نَفْثٌ عَلَى نَفْسِهِ بِالْمُعَوِّذَاتِ وَمَسَحَ عَنْهُ بِيَدِهِ لَمَّا افْعَكَ وَجَعَهُ الَّذِي تَوَلَّى لَهُ مَكَثُ أَنْفُ عَلَيْهِ بِالْمُعَوِّذَاتِ الَّتِي كَانَ يَنْفُثُ وَأَمْسَحَ بِيَدِ النَّبِيِّ ﷺ . (رواه البخاری و مسلم)

ترجمہ... حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب خود بیمار ہوتے تو معوذات پڑھ کر اپنے اوپر دم فرمایا کرتے تھے اور خود اپنا دست مبارک اپنے جسم پر پھیرتے۔ پھر جب آپ کو وہ بیماری لاحق ہوئی جس میں آپ ﷺ نے وفات پائی تو میں وہی معوذات پڑھ کر آپ پر دم کرتی جن کو پڑھ کر آپ ﷺ دم کیا کرتے تھے اور آپ کا دست مبارک آپ کے جسم پر پھیرتی۔

(صحیح بخاری، صحیح مسلم)

تشریح..... اس حدیث میں ”معوذات“ سے مراد بظاہر سورہ ”قل اعوذ برب الفلق“ اور ”قل اعوذ برب الناس“ ہیں۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ وہ دعائیں مراد ہوں جن میں اللہ سے پناہ طلب کی جاتی ہے، اور جو آپ بیماروں پر پڑھ کر اکثر دم کیا کرتے تھے۔ اس طرح کی بعض دعائیں اوپر بعض حدیثوں میں بھی آچکی ہیں اور باقی انشاء اللہ اپنے موقع پر ”کتاب الدعوات“ میں مذکور ہوں گی۔

جب موت کے آثار ظاہر ہوتے نہیں تو کیا کریں؟

۳۰۹. عَنْ أَبِي سَعِيدٍ وَأَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ لَقِنُوا مَوْتَكُمْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ -

(رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدری اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: مرنے والوں کو کلمہ لا الہ الا اللہ کی تلقین کرو۔ (صحیح مسلم)

تشریح:..... اس حدیث میں مرنے والوں سے مراد وہ لوگ ہیں جن پر موت کے آثار ظاہر ہونے لگیں اس وقت ان کے سامنے کلمہ لا الہ الا اللہ پڑھا جائے، یہی تلقین کا مطلب ہے، تاکہ اس وقت ان کا ذہن اللہ تعالیٰ کی توحید کی طرف متوجہ ہو جائے، اور اگر زبان ساتھ دے سکے تو اس وقت اس کلمہ کو پڑھ کر اپنا ایمان تازہ کر لیں اور اسی حال میں دنیا سے رخصت ہو جائیں، علماء کرام نے تصریح کی ہے کہ اس وقت اس مریض سے کلمہ پڑھنے کو نہ کہا جائے، نہ معلوم اس وقت اس بیمارے کے منہ سے کیا نکل جائے، بلکہ اس کے سامنے بس کلمہ پڑھا جائے۔

۳۱۰. عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مَنْ كَانَ آخِرَ كَلَامِهِ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ دَخَلَ الْجَنَّةَ.

(رواہ ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس شخص کا آخری کلام لا الہ الا اللہ ہو وہ جنت میں جائے گا۔ (مشن ابوداؤد)

۳۱۱. عَنْ مَعْقِلِ بْنِ يَسَارٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ اِقْرُوا سُورَةَ يَسٍ عَلَى مَوْتَاكُمْ.

(رواہ احمد و ابوداؤد و ابن ماجہ)

ترجمہ: حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم اپنے مرنے والوں پر سورہ یس پڑھا کرو۔ (مسند احمد، مشن ابوداؤد، مشن ابن ماجہ)

تشریح:..... یہاں بھی مرنے والوں سے مراد وہی لوگ ہیں جن پر موت کے آثار ظاہر ہو گئے ہوں۔ اللہ ہی جانتا ہے کہ اس حکم کی خاص حکمت اور مصلحت کیا ہے، البتہ اتنی بات ظاہر ہے کہ یہ سورت دین و ایمان سے متعلق بڑے اہم مضامین پر مشتمل ہے اور موت کے بعد جو کچھ ہونے والا ہے اس میں اس کا بڑا مؤثر اور تفصیلی بیان ہے، اور خاص کر اس کی آخری آیت: فَلْيُحْيِ الَّذِي بَدَدَ مَلَكُوتَ نَحْلٍ شَيْئٍ وَاللَّهُ يَرْجِعُونَ۔ موت کے وقت کے لئے بہت ہی موزوں اور مناسب ہے۔

۳۱۲. عَنْ جَابِرٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَبْلَ مَوْتِهِ بِعَلَقَةٍ يَقُولُ لَا يَمُوتَنَّ أَحَدُكُمْ إِلَّا

(رواہ مسلم)

وَهُوَ يُحْيِي الْكَلْبَ بِاللَّهِ.

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے آپ کی وفات کے تین ہی دن پہلے سنا، تم میں سے ہر ایک کو چاہئے کہ اس کو ایسی حالت میں موت آئے کہ اس کو اللہ کے ساتھ اچھا لگان ہو۔ (صحیح مسلم)

تشریح: اللہ پر ایمان اور اس کی معرفت کا تقاضا یہ ہے کہ بندے کو اللہ کا خوف بھی ہو اور اس سے رحمت کی امید بھی، لیکن خاص کر اخیر وقت میں رحمت کی امید غالب ہونی چاہئے۔ مریض اس کی خود بھی کوشش کرے اور اس کے بیمار دار، عیادت کرنے والے بھی اس وقت ایسی ہی باتیں کریں جس سے اس کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ اچھا لگان اور رحم و کرم کی امید پیدا ہو۔

مرنے کے بعد کیا کیا جائے؟

۳۱۳ عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ لَأَلَّتْ دَعَلَ النَّبِيِّ ﷺ عَلَى أَبِي سَلَمَةَ وَلَدَ حَقٍّ بَصْرَةَ فَأَغْمَضَتْهُ ثُمَّ لَالَتْ إِنْ الرُّوحَ إِذَا لَبِضَ تَبِعَهُ الْبَصْرُ لَضَجَّ نَاسٌ مِنْ أَهْلِهِ لَقَالَ لَا تَدْعُوا عَلَيَّ أَنْفُسِكُمْ إِلَّا بِغَيْرِ لَالٍ الْمَلَائِكَةُ يَوْمُئِذٍ عَلَى مَا تَقُولُونَ ثُمَّ لَالَتْ أَلَلَهُمَّ اغْفِرْ لِأَبِي سَلَمَةَ وَأَرْفَعْ دَرَجَتَهُ فِي السَّمَوَاتِ وَأَخْلَفْهُ فِي عَقِبِهِ فِي الْقَابِرِينَ وَاغْفِرْ لَنَا وَلَهُ يَا رَبِّ الْعَالَمِينَ وَالْمَسْحَ لَهُ فِي لَبْرِهِ وَلَوْزَلَهُ فِيهِ — (رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ (ان کے شوہر ابو سلمہ کی وفات کے وقت) رسول اللہ ﷺ تشریف لائے، ان کی آنکھیں کھلی رہ گئی تھیں، آپ نے ان کو بند کر دیا اور فرمایا: جب روح جسم سے نکال لی جاتی ہے، تو بینائی بھی اس کے ساتھ چلی جاتی ہے (اس لئے موت کے بعد آنکھوں کو بند ہی کر دینا چاہئے۔ آپ ﷺ کی یہ بات سن کر ان کے گھر کے آدمی چلا چلا کر رہنے لگے (اور اس رنج اور صدمہ کی حالت میں ان کی زبان سے ایسی باتیں نکلنے لگیں جو خود ان لوگوں کے حق میں بد دعا تھیں) تو آپ ﷺ نے فرمایا: لوگو! اپنے حق میں خیر اور بھلائی کی دعا کرو، اس لئے کہ تم جو کچھ کہہ رہے ہو ملائکہ اس پر آمین کہتے ہیں۔ پھر آپ ﷺ نے خود اس طرح دعا فرمائی: اے اللہ! ابو سلمہ کی مغفرت فرما، اور اپنے ہدایت یاب بندوں میں ان کا درجہ بلند فرما، اور اس کے بجائے توبی سر پرستی اور گمراہی فرما اس کے پس ماندگان کی، اور رب العالمین بخش دے ہم اور اس کو اور اس کی قبر کو وسیع اور منور فرما۔ (صحیح مسلم)

۳۱۴ عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ لَأَلَّتْ لَالٌ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مَا مِنْ مُسْلِمٍ تُصِيبُهُ مُصِيبَةٌ مُصِيبَةٌ لِقَوْلٍ مَا أَمَرَهُ اللَّهُ بِهِ إِلَّا لِلَّهِ وَإِلَى اللَّهِ رَاجِعُونَ أَلَلَهُمَّ اجْعَلْنِي فِي مُصِيبَتِي وَأَخْلَفْ لِي خَيْرًا مِنْهَا إِلَّا أَخْلَفَ اللَّهُ لَهُ خَيْرًا مِنْهَا لَلْمَا مَاتَ أَبُو سَلَمَةَ لَلْتُ أَيْ الْمُسْلِمِينَ خَيْرٌ مِنْ أَبِي سَلَمَةَ أَوَّلَ بَيْتٍ هَاجَرَ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ ثُمَّ إِنِّي لَلْتُهَا لِأَخْلَفَ اللَّهُ لِي رَسُولُ اللَّهِ ﷺ . (رواہ مسلم)

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: جس صاحب ایمان پر کوئی مصیبت آئے اور کوئی چیز فوت ہو جائے اور وہ اس وقت اللہ تعالیٰ سے وہ عرض کرے جو عرض کرنے کا حکم ہے یعنی: "اللہ وانا اللہ وانا عبدہ وانا لہ راجعون اللہم انعم علی فی مصیبتی واخلف لی خیرا" (ہم اللہ ہی کے ہیں اور اللہ ہی کی طرف ہم سب لوٹ کر جانے والے ہیں۔ اے اللہ! مجھے میری اس مصیبت میں اجر عطا فرما، اور (جو چیز مجھ سے لے لی گئی ہے) اس کے بجائے اس سے بہتر مجھے عطا فرما، تو اللہ تعالیٰ اس چیز کے بجائے اس سے بہتر ضرور عطا فرمائے گا۔ (ام سلمہ کہتی ہیں کہ) جب میرے پہلے شوہر ابو سلمہ کا انتقال ہوا تو میں نے اپنے جی میں سوچا کہ میرے شوہر مرحوم ابو سلمہ سے اچھا کون ہو سکتا ہے، وہ سب سے پہلے مسلمان تھے جنہوں نے گھریا کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی طرف ہجرت کی (لیکن رسول اللہ ﷺ کی تعلیم کے مطابق) میں نے ان کی وفات کے بعد ان اللہ وانا اللہ وانا عبدہ وانا لہ راجعون کہا اور دعا کی: اللہم انعم علی فی مصیبتی واخلف لی خیرا منہا" تو اللہ تعالیٰ نے ابو سلمہ کی جگہ رسول اللہ ﷺ مجھے نصیب فرمائے۔ (صحیح مسلم)

(۳۱۵) عَنْ حَصِينِ بْنِ وَحُوحٍ أَنَّ كَلْعَةَ ابْنَ الْبَرَاءِ مَرَضَ لَلنَّبِيِّ ﷺ يَفُودُهُ فَقَالَ إِنِّي لَا أُرَى كَلْعَةَ إِلَّا لَدُنْ حَدَّثَ بِهِ الْمَوْتُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ لَا يَنْجِي لِبَنِيهِمْ مُسْلِمٌ أَنْ تَحْبَسَ بَيْنَ كَهْرَاقِي أَهْلِيهِ . (رواه ابو داؤد)

حصین ابن وحوح رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ طلحہ بن براۓ بیمار ہوئے تو رسول اللہ ﷺ آپ کی عیادت کے لئے تشریف لائے (ان کی نازک حالت دیکھ کر) آپ نے دوسرے آدمیوں سے فرمایا: میں محسوس کرتا ہوں کہ ان کی موت کا وقت آ ہی گیا ہے (اگر ایسا وقت ہو جائے) تو مجھے خبر کی جائے اور (ان کی تجبیز و تکفین میں) جلدی کی جائے، کیونکہ کسی مسلمان کی میت کے لئے مناسب نہیں ہے کہ وہ گھر والوں کے بیچ میں دیر تک رہے۔ (صحیح ابی داؤد)

تفسیر..... اس حدیث سے معلوم ہوا کہ موت کے بعد میت کی تجبیز و تکفین اور دفن وغیرہ میں جلدی کی جائے۔

میت پر گریہ و بکا اور نوحہ و ماتم

کسی کی موت پر اس کے اقارب اور اعز و متعلقین کا رنجیدہ و غمگین ہونا اور اس کے نتیجہ میں آنکھوں سے آنسو بہنا اور اسی طرح بے اختیار گریہ کے دوسرے آثار کا ظاہر ہو جانا بالکل فطری بات ہے اور اس بات کی علامت ہے کہ اس آدمی کے دل میں محبت اور درد مندی کا جذبہ موجود ہے، جو انسانیت کا ایک قیمتی اور پسندیدہ عنصر ہے، اس لئے شریعت نے اس پر پابندی نہیں عائد کی، بلکہ ایک درجہ میں اس کی تحسین اور قدر افزائی کی ہے، لیکن نوحہ و ماتم اور اراوی و اختیاری طور پر رونے پینے کی سخت ممانعت فرمائی گئی ہے، اولاً تو اس لئے کہ یہ مقام عبدیت اور رضا بالقضا کے بالکل خلاف ہے، دوسرے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو عقل

و فہم کی جو بیش بہا نعمت عطا فرمائی ہے اور حوادث کو انگیز کرنے کی جو خاص صلاحیت بخشی ہے، نوحہ و ماتم اور رونا پینا اس نعمت خداوندی کا گویا کفران ہے۔ نیز اس سے اپنے اور دوسروں کے رنج و غم میں اضافہ ہوتا ہے اور فکر و عمل کی قوت کم از کم اس وقت مفلوج اور معطل ہو جاتی ہے علاوہ ازیں نوحہ و ماتم اور رونا پینا میت کے لئے بھی باعث تکلیف ہوتا ہے۔

۳۱۶ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ إِنْصَحِي سَعْدُ بْنُ عُبَادَةَ حَكْوَى لَهُ لَمَاتَهُ النَّبِيُّ ﷺ يَبْعُوهُ مَعَ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ عَوْفٍ وَسَعْدُ بْنُ أَبِي وَقَّاصٍ وَعَبْدُ اللَّهِ بْنُ مَسْعُودٍ لَمَّا دَخَلَ عَلَيْهِ وَجَدَهُ فِي غَاجِيَةٍ فَقَالَ لَقَدْ لَطَمْتُ؟ قَالُوا لَا يَا رَسُولَ اللَّهِ لَبَّيْكَ النَّبِيُّ ﷺ لَمَّا رَأَى الْقَوْمَ بُكَاءَ النَّبِيِّ ﷺ بُكَوًا لَقَالَ أَلَا تَسْمَعُونَ إِنَّ اللَّهَ لَا يَعْذِبُ بِذَمْعِ الْعَيْنِ وَلَا بِحُزْنِ الْقَلْبِ وَلَكِنْ يَعْذِبُ بِهَذَا وَأَشَارَ إِلَى لِسَانِهِ أَوْ رُحْمِهِ وَإِنَّ الْمَيِّتَ لَيُعَذَّبُ بِبُكَاءِ أَهْلِهِ عَلَيْهِ -

(رواہ البخاری و مسلم)

ترجمہ... حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سعد بن عبادہ ایک دفعہ مر لیض ہوئے، تو رسول اللہ ﷺ عبدالرحمن بن عوف، سعد بن ابی وقاص اور عبداللہ بن مسعود کو ساتھ لئے ہوئے ان کی عیادت کے لئے آئے۔ آپ جب اندر تشریف لائے تو ان کو آپ نے "خاشیہ" میں یعنی بڑی سخت حالت میں دیکھا (یابہ کہ آپ نے ان کو اس حال میں دیکھا کہ ان کے گرد آدمیوں کی بھیڑ لگی ہوئی ہے) تو آپ نے فرمایا: "ختم ہو چکے" (یہ بات آپ نے یا تو ان کی حالت سے مایوس ہو کر اپنے اندازہ سے فرمائی یا بطور استفہام کے ان لوگوں سے آپ نے دریافت کیا جو پہلے سے وہاں موجود تھے۔ ان لوگوں نے عرض کیا: نہیں حضرت! ابھی ختم تو نہیں ہوئے ہیں۔ تو رسول اللہ ﷺ کو (ان کی وہ حالت دیکھ کر) رونا آگیا، جب اور لوگوں نے آپ پر گریہ کے آثار دیکھے تو وہ بھی رونے لگے، آپ نے ارشاد فرمایا: "لوگو! اچھی طرح سن لو اور سمجھ لو! اللہ تعالیٰ آنکھ کے آنسو اور دل کے رنج و غم پر تو سزا نہیں دیتا (کیونکہ اس پر بندہ کا اختیار اور قابو نہیں ہے اور زبان کی طرف اشارہ کر کے آپ نے فرمایا) لیکن اس زبان کی (غلط روی پر، یعنی زبان سے نوحہ و ماتم کرنے پر) سزا بھی دیتا ہے اور (اللہ پڑھنے پر اور دعا و استغفار کرنے پر) رحمت بھی فرماتا ہے اور یہ بھی حقیقت ہے کہ میت کے گھروالوں کے رونے پینے کی وجہ سے اسکو عذاب ہوتا ہے۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح... اس حدیث کا اصل پیغام تو یہی ہے کہ کسی کے مرنے پر نوحہ و ماتم نہ کیا جائے، یہ چیز اللہ کے غضب اور عذاب کا باعث ہے، بلکہ اللہ اور دعا و استغفار کے ایسے کلمے پڑھے جائیں اور ایسی باتیں کی جائیں جو اللہ کی رحمت اور اس کے فضل و کرم کا وسیلہ بنیں۔ اس حدیث میں گھروالوں کے رونے پینے کی وجہ سے میت کو عذاب ہونے کا بھی ذکر ہے۔ یہ مضمون رسول اللہ ﷺ سے حضرت ابن عمرؓ کے علاوہ ان کے والد ماجد حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ اور بعض دوسرے صحابہ کرامؓ نے بھی روایت کیا ہے، لیکن حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور ان کے ساتھ حضرت عبداللہ بن عباسؓ بھی اس سے انکار فرماتے ہیں۔

صحیح بخاری و صحیح مسلم ہی میں حضرت عائشہ صدیقہ کا یہ بیان مروی ہے کہ جب ان کے سامنے حضرت عمرؓ اور ان کے صاحبزادے حضرت ابن عمرؓ کی حدیث اس سلسلہ میں نقل کی گئی تو انہوں نے فرمایا کہ: یہ دونوں حضرات بلاشبہ صادق ہیں۔ لیکن اس معاملہ میں یا تو ان کو سبھو ہوا یا رسول اللہؐ کی بات سننے یا سمجھنے میں ان کو غلطی ہوئی، رسول اللہؐ نے یہ بات نہیں فرمائی تھی۔ حضرت عائشہؓ نے اس بارے میں قرآن مجید کی آیت "لَا تَزِدُوا ذِكْرًا وَلَا تَنْقُصُوا" سے بھی استدلال کیا ہے، وہ فرماتی ہیں کہ نہ اس آیت میں یہ قاعدہ اور اصول بیان کیا گیا ہے کہ کسی آدمی کے گناہ کی سزا دوسرے کو نہیں دی جائے گی، پھر یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ روئیں گھر والے اور اس کی سزا دی جائے پھر اسے مرنے والے کو۔ لیکن حضرت عمرؓ اور عبداللہ بن عمرؓ نے جس طرح یہ مضمون رسول اللہؐ سے نقل فرمایا ہے اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ نہ انہیں بحول چوک ہوئی ہے اور نہ غلط فہمی، دوسری طرف حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کا استدلال بھی وزنی ہے، اس لئے شارحین حدیث نے دونوں باتوں میں تطبیق کرنے کی کوشش کی ہے اور اس کیلئے توجہ کے مختلف طریقے اختیار کئے ہیں، ان میں سے ایک جو زیادہ معروف اور سہل الفہم بھی ہے یہ ہے کہ حضرت عمرو بن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیثوں کا تعلق اس صورت سے ہے جب کہ گھر والوں کے رونے میں مرنے والے کے قصور اور غفلت کو بھی کچھ دخل ہو، مثلاً یہ کہ وہ خود رونے اور نوحہ و ماتم کرنے کی وصیت کر گیا ہو جیسا کہ عربوں میں اس کا رواج تھا، یا کم سے کم یہ کہ گھر والوں کو رونے پینے سے اس نے کبھی منع نہ کیا ہو۔ خود امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح بخاری میں یہی توجہ کر کے تطبیق کی کوشش کی ہے۔

ایک دوسری توجہ یہ بھی کی گئی ہے کہ جب میت کے گھر والے اس پر نوحہ و ماتم کرتے ہیں اور جابلانہ رواج کے مطابق اس مرنے والے کے "نہ" بیان کر کے اس کو آسمان پر چڑھاتے ہیں تو فرشتے میت سے کہتے ہیں "کیوں جناب آپ ایسے ہی تھے؟" یہ بات بعض حدیثوں میں بھی وارد ہوئی ہے۔ یہاں اس سلسلہ میں بس اتنا ہی لکھنا مناسب سمجھا گیا۔ جو حضرات اہل علم اس سے زیادہ تفصیل چاہیں وہ فتح المسیمہ شرح صحیح مسلم کی طرف رجوع فرمائیں، اس میں اس مسئلہ پر بہت سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔

ملاحظہ رہے کہ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ جن کی سخت بیماری کا اس حدیث میں ذکر ہے، اس بیماری سے صحت یاب ہو گئے تھے، ان کی وفات رسول اللہؐ کے بعد ایک روایت کے مطابق عبداللہ بن عمرؓ میں اور دوسری روایت کے مطابق عبداللہ بن عمرؓ میں ہوئی۔

۳۱۷ عَنْ أَبِي بُرْدَةَ قَالَ أَسْمَى عَلَى أَبِي مُوسَى لَأَقْلَبْتُ امْرَأَتَهُ أُمَّ عَبْدِ اللَّهِ تَصْنِيعَ بَرٍّ ثُمَّ لَقَاكَ لَقَاءَ أَلَمْ تَعْلَمِي وَكَانَ يُحِبُّهَا أَنْ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ أَنَا بَرٌّ مِمَّنْ خَلَقَ وَصَلَّى وَعَزَرَ .

(رواء البخاری و مسلم و اللفظ لمسلم)

ترجمہ: حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے ابو بردہ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ ابو موسیٰ (بیمار پڑے اور ان) غشی کی کیفیت طاری ہو گئی تو انکی بیوی ام عبداللہ بلند آواز سے اور نے کے ساتھ رونے لگیں۔ پھر ابو موسیٰ کو افادہ ہو گیا اور ہوش آ گیا تو انہوں نے (اپنی ان بیوی سے) فرمایا: کیا

تمہیں یہ معلوم نہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو کوئی (موت اور غمی کے موقع پر) سرمنڈائے یا چلائے یا کپڑے پھاڑے (اور جاہلیت کے ان طریقوں سے اظہار غم و ماتم کرے تو میں اس سبکی اور بے تعلق ہوں۔ ابو بردہ کہتے ہیں کہ ابو موسیٰؓ یہ حدیث اپنی بیوی کو سنایا بھی کرتے تھے۔ (صحیح بخاری، صحیح مسلم)

(۳۱۸) عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ لَيْسَ مِنَّا مَنْ ضَرَبَ الْخُذُودَ وَحَقَّ الْحَبُوبَ وَدَعَى الْجَاهِلِيَّةَ . (رواہ البخاری)

ترجمہ... حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: جو کوئی (غمی اور موت کے موقع پر) اپنے رخساروں پر تھاپے مارے اور منہ پیٹے اور گریبان پھاڑے اور اہل جاہلیت کے طریقے پر وادیا کرے وہ ہم میں سے نہیں (یعنی وہ ہمارے طریقے پر نہیں ہے)۔ (صحیح بخاری، صحیح مسلم)

آنکھ کے آنسو اور دل کا صدمہ

(۳۱۹) عَنْ أَنَسٍ قَالَ دَخَلْنَا مَعَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ عَلَى أَبِي سَيِّفِ الْقَيْنِ وَكَانَ ظَنَرًا لَا بُرَاهِيمَ فَأَخَذَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ قَبْلَهُ وَحَمَّهُ ثُمَّ دَخَلْنَا عَلَيْهِ بَعْدَ ذَلِكَ وَإِبْرَاهِيمُ يَجُودُ بِنَفْسِهِ لَجَعَلَتْ عَيْنَا رَسُولِ اللَّهِ ﷺ تَلْرُ لَانِ فَقَالَ لَهُ عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ عَوْفٍ وَأَنْتَ يَا رَسُولَ اللَّهِ؟ فَقَالَ يَا بَنَ عَوْفٍ إِنِّهَا رَحِمَةٌ لَمْ أَتَّبِعْهَا بِأُخْرَى فَقَالَ إِنَّ الْعَيْنَ تَذْمَعُ وَالْقَلْبَ يَحْزَنُ وَلَا نَقُولُ إِلَّا مَا يُرْضَى رَبُّنَا وَإِنَّا بِفِرَاقِكَ يَا إِبْرَاهِيمَ لَمَحْزُونُونَ . (رواہ البخاری و مسلم)

ترجمہ... حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کی معیت میں ابوسیف اہمگر کے گھر گئے۔ یہ ابوسیف رسول اللہ ﷺ کے فرزند ابراہیم (علیہ و علیہ السلام) کی دایہ اور مرضعہ (خولہ بنت الممذر) کے شوہر تھے (اور ابراہیم اس وقت کے روان کے مطابق اپنی دایہ کے گھر ہی رہتے تھے) رسول اللہ ﷺ نے اپنے صاحبزادے ابراہیم کو اٹھالیا اور چوما اور (ان کے رخسار) پر ناک رکھی (جیسا کہ بچوں کو پیار کرتے وقت کیا جاتا ہے) اس کے بعد پھر ایک دفعہ (ان صاحبزادے ابراہیم کی آخری بیماری میں) ہم وہاں گئے اس وقت ابراہیم جان دے رہے تھے (یعنی ان کا بالکل آخری وقت تھا) ان کی اس حالت کو دیکھ کر رسول اللہ ﷺ کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ عبد الرحمن بن عوف! جو ناواقفی سے سمجھتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ اس قسم کی چیزوں سے متاثر نہیں ہو سکتے، تعجب سے (انہوں نے کہا: یا رسول اللہ ﷺ!) آپ کی بھی یہ حالت؟ آپ نے فرمایا: اے ابن عوف یہ (کوئی بری بات اور بری حالت نہیں بلکہ یہ) شفقت اور دردمندی ہے، پھر دوبارہ آپ کی آنکھوں سے آنسو بہے، تو آپ نے فرمایا: آنکھ آنسو بہاتی ہے اور دل مغموم ہے، اور زبان سے ہم وہی کہیں گے جو اللہ کو پسند ہو (یعنی انا للہ وانا الیہ راجعون) اور اے ابراہیم تمہاری جدائی کا ہمیں صدمہ ہے۔ (صحیح بخاری، صحیح مسلم)

تشریح..... اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کا قلب مبارک رنج و غم والے حوادث سے رنجیدہ و

غمگین ہوتا تھا اور اس حالت میں آپ کی آنکھوں سے آنسو بھی بہتے تھے، اور بلاشبہ یہی انسانیت کا کمال ہے کہ خوشی اور مسرت والی باتوں سے مسرت ہو اور رنج و غم کے موجبات سے رنج و غم ہو، اگر کسی کا یہ حال نہ ہو تو یہ اس کا نقص ہے، کمال نہیں ہے۔

امام ربانی شیخ احمد فاروقی مجدد الف ثانی نے اپنے ایک مکتوب میں لکھا ہے کہ: ”ایک زمانہ میں میرے دل کی یہ حالت ہو گئی تھی کہ اسباب مسرت سے مجھے مسرت نہیں ہوتی تھی، اور موجبات غم سے غم نہیں ہوتا تھا۔ میں اس زمانہ میں سنت نبویؐ کے اتباع کی نیت سے ایسے مواقع پر مسرت اور رنج و غم کو بہ تکلف اپنے پر خاری کیا کرتا تھا، اس کے بعد خدا کے فضل سے وہ کیفیت زائل ہو گئی، اور اب میرا یہ حال ہے کہ رنج و غم پہنچنے والے حوادث سے مجھے طبعی رنج و غم ہوتا ہے اور اسی طرح خوشی اور مسرت والی باتوں سے مجھے طبعی خوشی اور مسرت ہوتی ہے۔“

مصیبت زدوں کی تعزیت اور تہنیتی

موت یا ایسے ہی کسی اور شدید حادثہ کے وقت مصیبت زدہ کو تسلی دینا اور اس کے ساتھ اظہار ہمدردی اور اس کا غم ہلکا کرنے کی کوشش کرنا بلاشبہ مکارم اخلاق میں سے ہے رسول اللہؐ خود بھی اس کا اہتمام فرماتے تھے اور دوسروں کو اس کی ہدایت اور ترغیب بھی دیتے تھے۔

۳۲۰ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ قَالَ لَمَّا رَأَى رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مِنْ عَزَى مُصَابًا لِلَّهِ مِثْلَ أُخْرِيهِ .

(رواہ الترمذی و ابن ماجہ)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا: جس نے کسی مصیبت زدہ کی تعزیت کی تو اس کے لئے مصیبت زدہ کا سہا یا اجر ہے۔ (ابن ماجہ، ترمذی، ابوداؤد)

اہل میت کے لئے اسی کا اہتمام

میت کے گھر والے تازہ صدمہ کی وجہ سے ایسے حال میں نہیں ہوتے کہ کھانے وغیرہ کا اہتمام کر سکیں، اس لئے ان کے ساتھ ہمدردی کا ایک تقاضا یہ بھی ہے کہ اس دن ان کے کھانے کا اہتمام دوسرے اعزہ اور تعلق والے کریں۔

۳۲۱ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ جَعْفَرٍ قَالَ لَمَّا جَاءَ نَعْيُ جَعْفَرٍ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ اِصْنَعُوا لِي لِجَعْفَرٍ طَعَامًا

لَقَدْ آتَاهُمْ مَا يَشْفُلُهُمْ . (رواہ الترمذی و ابوداؤد و ابن ماجہ)

حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب انکے والد ماجد حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خبر آئی، تو رسول اللہؐ نے فرمایا کہ: جعفر کے گھر والوں کے لئے کھانا تیار کیا جائے، وہ اس اطلاع کی وجہ سے ایسے حال میں ہیں کہ کھانے وغیرہ کی طرف توجہ نہ کر سکیں گے۔ (ابن ماجہ، ترمذی، ابوداؤد)

۴۰ سات پر اسم اور اس کا اثر

(۳۲۲) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ اللَّهُ مَالِ عَبْدِي الْمُؤْمِنِ جَزَاءً إِذَا لَبِثْتُ صَفِيَّةً مِنْ أَهْلِ الدُّنْيَا لَمْ يَخْتَصِبْهُ إِلَّا الْجَنَّةُ. (رواہ البخاری)

..... حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ اپنے ایمان والے بندے (یا بندے) کے کسی پیارے کو جب میں آسمانوں پر چروہ ثواب کی امید میں صبر کرے تو میرے پاس اس کے لئے جنت کے سوا کوئی معاوضہ نہیں ہے۔ (صحیح بخاری)

(۳۲۳) عَنْ أَبِي مُوسَى الْأَشْعَرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِذَا مَاتَ وَلَدُ الْعَبْدِ قَالَ اللَّهُ تَعَالَى لِمَلَاحِكِهِ لَبِثْتُمْ وَلَدَ عَبْدِي لَيَقُولُنَّ نَعَمْ لَيَقُولُنَّ لَبِثْتُمْ لَمَرَّةً فَوَادِهِ لَيَقُولُنَّ نَعَمْ لَيَقُولُنَّ مَاذَا قَالَ عَبْدِي لَيَقُولُنَّ حَمْدُكَ وَاسْتَزَجَعَ لَيَقُولُنَّ اللَّهُ إِنَّا بَعْدِي بَنَّا لِي الْجَنَّةِ وَسَمُوهُ بَيْتَ الْحَمْدِ - (رواہ احمد و ترمذی)

..... حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ جب اللہ کے کسی بندے کا بچہ انتقال کر جاتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ روح قبض کرنے والے فرشتے سے فرماتا ہے تم نے میرے بندے کے بچے کی روح قبض کی؟ وہ عرض کرتے ہیں۔ جی ہاں! پھر فرماتا ہے، تم نے اس کے دل کا پھل اس سے لے لیا؟ وہ عرض کرتے ہیں جی ہاں! پھر فرماتا ہے کہ اس بندے اس حادثہ پر کیا کہا (اور اپنا کیا تاثر ظاہر کیا؟) فرشتے عرض کرتے ہیں کہ اس بندے نے آپ کی حمد آپ کا شکر کیا اور اللہ و رسول اللہ پر حنا۔ (یعنی ہم سب اللہ ہی کے ہیں اور اللہ ہی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ (اس کے صابرانہ رویہ پر) اس کے لئے جنت میں ایک عالی شان گھر بناؤ اور اس کا نام بیت الحمد رکھو۔ (صحیح بخاری و ترمذی)

۴۱ - فضائل سے پہلے ایک تعزیت نامہ اور تعزیتی تہنیتیں

(۳۲۴) عَنْ مُعَاذِ اللَّهِ مَاتَ لَهُ ابْنٌ لَكَتَبَ إِلَيْهِ النَّبِيُّ ﷺ التَّعْزِيَةَ بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

مِنْ مُحَمَّدٍ رَسُولِ اللَّهِ إِلَى مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ سَلَامٌ عَلَيْكَ لَأَنِّي أَخْبَدُ إِلَيْكَ اللَّهُ الَّذِي لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ أَمَا بَعْدُ لَأَعْظِمَ اللَّهُ لَكَ الْأَجَرَ وَالْهَمَكَ الصَّبْرَ وَرَزَقَنَا وَإِلَيْكَ الشُّكْرُ لَأَنَّا أَنْفَسْنَا وَأَمَوْنَا وَأَهْلَنَّا مِنْ مَوَاجِبِ اللَّهِ الْهَيْفَتِغَوَارِيهِ الْمُسَوَّدَةِ مَتَّعَكَ اللَّهُ بِهِ لِي غِبْطَةً وَسُرُورًا وَلَبِثْتُ مِنْكَ بِأَجْرِ كَهْمِ الصَّلَاةِ وَالرَّحْمَةِ وَالْهُدَى إِنْ إِيَّاهُ لَأَصْبِرُ وَلَا يَجْهِطُ جَزَعُكَ أَجْرَكَ فَتَنَّمْ وَأَعْلَمْ أَنَّ الْجَزَعَ لَا يَرُدُّ مِتًّا وَلَا يَذْلُقُ حُزْنَ وَمَا هُوَ نَازِلٌ لَكَانَ لَكَ

وَالسَّلَامُ۔ (رواہ الطبرانی فی الکبیر والاوسط)

ترجمہ... حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ان کے ایک لڑکے کا انتقال ہو گیا، تو رسول اللہ ﷺ نے ان کو یہ تعزیت نامہ لکھا:

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اللہ کے رسول محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف سے معاذ بن جبل کے نام۔ سلام علیک! میں پہلے تم سے اللہ کی حمد بیان کرتا ہوں جس کے سوا کوئی معبود نہیں (بعد ازاں) اوعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ تم کو اس صدمہ پر اجر عظیم دے، اور تمہارے دل کو صبر عطا فرمائے، اور ہم کو اور تم کو نعمتوں پر شکر کی توفیق دے حقیقت یہ ہے کہ ہماری جانیں اور ہمارے مال اور ہمارے نفل و عیال یہ سب اللہ تعالیٰ کے مبارک عطیے ہیں اور اس کی سپرد کی ہوئی امانتیں ہیں (اس اصول کے مطابق تمہارا لڑکا بھی تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کی امانت تھا) اللہ تعالیٰ نے جب تک چاہا خوشی اور نیش کے ساتھ تم کو اس سے نفع اٹھانے اور جی بہلانے کا موقع دیا اور جب اس کی مشیت ہوئی اپنی اس امانت کو تم سے واپس لے لیا وہ تم کو اس کا بڑا اجر دینے والا ہے، اللہ کی خاص نوازش اور اس کی رحمت اور اس کی طرف سے ہدایت (کی تم کو بشارت ہے) اگر تم نے ثواب اور رضا الہی کی نیت سے صبر کیا۔ پس اے معاذ! صبر کرو اور ایسا نہ ہو کہ جزع و فزع تمہارے قیمتی اجر کو غارت کر دے اور پھر تمہیں ندامت ہو (کہ صدمہ بھی پہنچا اور اجر سے بھی محرومی رہی) اور یقین رکھو کہ جزع و فزع سے کوئی مرنے والا واپس نہیں آتا اور نہ اس سے رنج و غم دور ہوتا ہے، اور اللہ کی طرف سے جو حکم اترتا ہے وہ ہو کر رہنے والا ہے، بلکہ یقیناً ہو چکا ہے۔ والسلام (اللہ ہیہ، اللہ ہیہ، یا معاذ بنی)

تشریح..... قرآن مجید میں مصائب پر صبر کرنے والے بندوں کو تین چیزوں کی بشارت دی گئی ہے:

أُولَٰئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَٰوٰتٌ مِّن رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ

ان پر اللہ تعالیٰ کی خاص نوازش اور عنایت ہوگی اور وہ رحمت سے نوازے جائیں گے اور ہدایت یاب ہوں گے۔

رسول اللہ ﷺ نے اس تعزیت نامہ میں اسی قرآنی بشارت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے کہ:-
”اے معاذ! اگر تم نے ثواب اور رضا الہی کی نیت سے اس صدمہ پر صبر کیا تو تمہارے لئے اللہ کی خاص نوازش اور اس کی رحمت اور ہدایت کی بشارت ہے۔“

رسول اللہ ﷺ کے اس مبارک تعزیت نامہ میں ہر اس صاحب ایمان بندہ کے لئے تعزیت و نصیحت اور تسلی و تشفی کا پورا سامان ہے جس کو کوئی صدمہ پہنچے۔ کاش اپنی مصیبتوں میں ہم رسول اللہ ﷺ کی اس ایمان افروز اور سکون بخش تعزیت سے سکون حاصل کریں اور صبر و شکر کو اپنا شعار بنا کر دنیا و آخرت میں اللہ تعالیٰ کی خاص عنایت اور رحمت و ہدایت سے بہرہ اندوز ہوں۔

میت کا غسل و کفن

اللہ کا جو بندہ اس دنیا سے رخصت ہو کر موت کے راستے سے دار آخرت کی طرف جاتا ہے اسلامی شریعت نے اس کو اعزاز و اکرام کے ساتھ رخصت کرنے کا ایک خاص طریقہ مقرر کیا ہے، جو نہایت ہی پاکیزہ، انتہائی خدا پرستانہ اور نہایت ہمدردانہ اور شریفانہ طریقہ ہے۔ حکم ہے کہ پہلے میت کو ٹھیک اس طرح غسل دیا جائے جس طرح کوئی زندہ آدمی پاکی اور پاکیزگی حاصل کرنے کے لئے نہاتا ہے۔ اس غسل میں پاکی اور صفائی کے علاوہ غسل کے آداب کا بھی پورا لحاظ رکھا جائے۔ غسل کے پانی میں وہ چیزیں شامل کی جائیں جو میل کچیل صاف کرنے کے لئے لوگ زندگی میں بھی نہانے میں استعمال کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ آخر میں کافور جیسی خوشبو بھی پانی میں شامل کی جائے تاکہ میت کا جسم پاک صاف ہونے کے علاوہ معطر بھی ہو جائے پھر اچھے صاف ستھرے کپڑوں میں دفنایا جائے، لیکن اس سلسلہ میں اسراف سے بھی کام نہ لیا جائے اس کے بعد جماعت کے ساتھ نماز جنازہ پڑھی جائے جس میں میت کے لئے مغفرت اور رحمت کی دعا اہتمام اور خلوص سے کی جائے۔ پھر رخصت کرنے کے لئے قبرستان تک جایا جائے، پھر اکرام و احترام کے ساتھ بظاہر قبر کے حوالے اور فی الحقیقت اللہ کی رحمت کے سپرد کر دیا جائے اس سلسلہ میں رسول اللہ ﷺ کے ارشادات اور آپ ﷺ کی ہدایات ذیل میں پڑھئے۔

(۳۲۵) عَنْ أُمِّ عَطِيَّةٍ ثَلَاثٌ دَخَلَ عَلَيْنَا رَسُولُ اللَّهِ ﷺ وَنَحْنُ نَغْسِلُ ابْنَتَهُ فَقَالَ اغْسِلْنَهَا ثَلَاثًا أَوْ خَمْسًا أَوْ سَبْعًا مِنْ ذَلِكَ إِنْ رَأَيْتُنَّ ذَلِكَ بِمَاءٍ وَسِدْرٍ وَاجْعَلْنَ لَهَا الْآخِرَةَ كَالْأُولَى أَوْ خَمْسًا مِنْ كَالْأُولَى فَإِذَا الْفَرْغُ فَلَا تَنْتَبِهِنَّ لِمَا فَرَعْنَا أَذْنَاهُ فَإِنَّهُ لَيَلْقَى الْبَنَاتِ جَفْوَةً فَقَالَ اشْعُرْنَهَا بِإِيَّاهُ وَلَهُنَّ رَوَايَةٌ اغْسِلْنَهَا وَثَرَا ثَلَاثًا أَوْ خَمْسًا أَوْ سَبْعًا وَابْدَأِي بِمِائِيهَا وَمَوَاصِعِ الْوُضُوءِ مِنْهَا

(زوائد البحاری و مسلم)

ترجمہ۔ حضرت ام عطیہ انصاریہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی ایک فوت شدہ صاحبزادی کو ہم غسل دے رہے تھے، اس وقت رسول اللہ ﷺ گھر میں تشریف لائے اور ہم سے فرمایا کہ: تم اس کو میری کے پتوں کے ساتھ جوش دیئے ہوئے پانی سے تین دفعہ یا پانچ دفعہ اور اگر تم مناسب سمجھو تو اس سے بھی زیادہ غسل دیجو، اور آخری دفعہ کافور بھی شامل کیجو، پھر جب تم غسل دے چکو تو مجھے خبر کر دیجو۔ (ام عطیہ کہتی ہیں کہ) جب ہم غسل دے کر فارغ ہو گئے تو ہم نے آپ کو اطلاع دے دی تو آپ نے اپنا تہبند ہماری طرف پھینک دیا اور فرمایا کہ: ”سب سے پہلے یہ اسے پہنا دو“ اور اس حدیث کی ایک دوسری روایت میں اس طرح ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: تم اس کو طاق دفعہ غسل دیجو تین دفعہ یا پانچ دفعہ یا سات دفعہ اور اپنے اعضاء سے اور وضو کے مقامات سے شروع کیجو۔

(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح۔۔۔۔۔ اس حدیث کی صحیح مسلم کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ جن صاحبزادی کو غسل دینے کا

اس حدیث میں ذکر ہے وہ آپ کی سب سے بڑی صاحبزادی حضرت زینب تھیں، جو ابوالعاص بن اریق کے نکاح میں تھیں، ان کی وفات ۸ھ کے اوائل میں ہوئی تھی، اور ام عطیہ انصاریہ رضی اللہ عنہ جو اس حدیث کی راوی ہیں اور جو اس موقع پر غسل دینے والیوں میں تھیں ممتاز صحابیات میں سے ہیں، اس قسم کی خدمتوں میں یہ پیش پیش رہتی تھیں، خاص کر مرنے والی خواتین کو غسل دینا ان کو خوب آتا تھا۔ ابن سیرین تابعی جیسے جلیل القدر امام کا بیان ہے کہ میں نے غسل میت انہی سے سیکھا۔

اس حدیث میں پیری کے پتوں کے ساتھ بالے ہونے پانی سے غسل دینے کا ذکر ہے ایسا پانی جسم سے میل وغیرہ کو خوب صاف کرتا ہے۔ ہمارے زمانہ میں جس مقصد کے لئے نہانے میں طرح طرح کے صابون استعمال کئے جاتے ہیں اس زمانہ میں اس مقصد کے لئے پیری کے پتوں کے ساتھ جوش دیا ہو پانی استعمال کیا جاتا تھا۔ مقصد صرف یہ ہے کہ میت کے جسم سے ہر قسم کے میل پچیل کی صفائی کا پورا اہتمام کیا جائے۔ اسی لئے حکم فرمایا کہ غسل تم سے تمہیں دفعہ دیا جائے، اور اگر اس سے زیادہ مناسب سمجھا جائے تو چونکہ حلقہ عد اللہ کو محبوب ہے، اس لئے اس کا لحاظ بہر حال رکھا جائے۔ یعنی تین دفعہ یا پانچ دفعہ اور اگر ضرورت محسوس ہو تو اس سے بھی زیادہ سرت دفعہ غسل دیا جائے اور آخری دفعہ کافور بھی پانی میں ملا لیا جائے جو نہایت مہذب و درویش و خوشبو ہے۔ یہ سب میت کا اعزاز و اکرام ہے۔

رسول اللہ نے اس موقع پر صاحبزادی کے لئے جس اہتمام سے اپنا تہنید مبارک دیا (اور بعض روایات میں تصریح ہے کہ جب آپ کو غسل مکمل ہو جانے کی اطلاع دی گئی اس وقت آپ نے اپنے جسم اقدس سے نکال کر وہ تہنید دیا) اور تاکید فرمائی کہ اس کو شعاع (یعنی سب سے اندر کا لباس) بنا دو، اس سے عدا کرام نے سمجھا ہے کہ اللہ کے نیک اور مقبول بندوں کے لباس وغیرہ کا تبرک کے طور پر اس طرح کا استعمال درست ہے اور اس سے نفع کی امید ہے۔ ہاں ان چیزوں میں خلواور ان کے بھروسہ پر عمل سے غافل ہو جانا یقیناً گمراہی ہے۔

اس روایت سے یہ پتہ نہیں چمکا کہ ان صاحبزادیوں کو کیسے پیروں میں کھنیا دینا۔ لیکن حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں جو زنی کی تخریج سے حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا کی اس حدیث کے سلسلہ میں یہ اضافہ بھی نقل کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا۔

لَكُنَّهَا فِيْ خُمْسَةِ اَثْوَابٍ وَخَمَرْنَاَهَا حَمًا يُخْمَرُ الْحَيُّ

ہم نے ان صاحبزادی کو پانچ پیروں میں کھنیا اور شمار (اور خمر) بھی دیا، جس طرح زندوں کو اور حیات جاتی ہے۔ (اسی بناء پر جو روایتوں کے لئے کھنیں میں پانچ پیروں کی مسنون کئے گئے ہیں)۔

کھن میں کیا گیا اور کیسے کیا ہے۔ دیکھنے چاہئیں!

(۳۲۶) عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ كَفَّنَ فِي ثَلَاثَةِ اَثْوَابٍ بِمَائِيَّةٍ بَعْضُ سُوْلِيَّةٍ لَسَ فِيْهَا قَبِيضٌ

(رواہ البخاری و مسلم)

وَلَا عَمَامَةٌ.

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ (وصال کے بعد) تین سفید یمنی کپڑوں میں کفنائے گئے جو حولی تھے، ان تین کپڑوں میں نہ آکر تاتھا اور نہ عماد۔

(تین یمنی، تین اعراس)

تشریح: اکثر شارحین نے حولی کی تشریح میں کہا ہے کہ یمن کے علاقہ میں حولی ایک ہفتی تھی جہاں کے کپڑے مشہور تھے۔ بعض حضرات نے اس کے دوسرے معنی بھی بیان کئے ہیں، یمن، راجہ یمنی ہیں۔ رسول اللہ ﷺ وفات سے پہلے بھی یمنی چادریں استعمال فرماتے تھے، وصال کے بعد آپ کے غن میں بھی وہی استعمال کی گئیں اور آپ کو تین کپڑوں میں کفنایا گیا جس میں نہ کرت تھ اور نہ عماد۔ اور مردوں کے لئے کفن کے تین ہی کپڑے مسنون ہیں۔

(۳۲۷) عَنْ جَابِرٍ لَّانَ لَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِذَا كَفَّنَ أَخَذَكُمْ أَحَاهُ لِلْحَبِشِ كَفَنَهُ. (رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ارشاد فرمایا: جب تم میں کوئی اپنے کسی مرنے والے بھائی کو کفن دے تو اچھا کفن دے۔ (صحیح مسلم)

تشریح: اس حدیث کا اصل منشاء نجی میت کا اعزاز و اہرامت اور مطلب یہ ہے کہ کوئی شخص استطاعت کے باوجود اپنی میت کو اس خیال سے کہ اب تو اس کو قبر میں دفن ہونا اور میتی میں منہا ہے پتے پر لے کر اور وہی کپڑے میں نہ کفنائے بلکہ اچھا اور مناسب کفن دے یہ میت کے اعزاز اور مہمانداری کا حق ہے۔

(۳۲۸) عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ لَّانَ لَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ اِبْسُوا مِنْ يَابِكُمْ الْيَاسَ لِأَنَّهُ مِنْ خَيْرِ يَابِكُمْ وَكَفِّنُوا فِيهَا مَوْتَكُمْ (رواہ ابوداؤد و الترمذی و ابن ماجہ)

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم لوگ سفید کپڑے پہنا کر وہو تمہارے لئے اچھے کپڑے ہیں اور انہی میں اپنے مرنے والوں کو کفنایا کرو۔

(ابن ابی، ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ)

(۳۲۹) عَنْ عَلِيٍّ لَّانَ لَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ لَا تَعْلَمُوا فِي الْكَفَنِ لِأَنَّهُ يُسَلَبُ سَرِيْعًا۔ (رواہ ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: زیادہ عیش قیمت کفن نہ استعمال کرو کیونکہ وہ جلد ہی ختم ہو جاتا ہے۔ (ابن ابی، ابوداؤد)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ جس طرح یہ بات عجیب نہیں ہے کہ استطاعت کے باوجود میت کو کفن رومی پٹے کا دیا جائے، اسی طرح یہ بھی درست نہیں ہے کہ بیش قیمت کپڑے کفن میں استعمال کیا جائے۔

واضح رہے کہ مردوں کو تین اور عورتوں کو پانچ کپڑوں میں کفنائے اور درمیانی حیثیت کے اچھے سفید کپڑے کا کفن دینے کے مذکورہ بالا احکام کا تعلق اس صورت سے ہے جب کہ میت کے گھر والے سہولت سے اس کا انتظام کر سکتے ہوں اور اس کی استطاعت رکھتے ہوں، ورنہ مجبوری کی حالت میں صرف ایک اور

پرانے کچھ۔۔۔ میں بھی کفن دیا جاسکتا ہے اور اس میں کوئی ممانعت نہیں ہونی چاہئے۔

غزوہ اہل میں حضور ﷺ کے حقیقی چچا سیّدنا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ اور حضرت مصعب بن عمیرؓ کو لایا۔ پائی اور اتنی چھوٹی سی چادر میں کنٹھایا گیا تھا کہ جب اس سے آپ کا سر ڈھکتے تو پاؤں کھل جاتے تھے اور آپ پاؤں ڈھکتے تھے تو سر کھل جاتا تھا، پھر رسول اللہ ﷺ کے حکم سے اس چادر سے سر ڈھک دیا گیا، اور پاؤں نواذ خرگھاس سے چھپا دیا گیا اور اسی کفن کے ساتھ دفن کر دیا گیا۔

جنازہ سے ساتھ چلنے اور نماز جنازہ پڑھنے کا ثواب

۳۳۰ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مَنْ اتَّبَعَ جَنَازَةَ مُسْلِمٍ إِيْمَانًا وَاحْتِسَابًا وَكَانَ مَعَهُ حَتَّى يُصَلِّيَ عَلَيْهَا وَيُفْرَغَ مِنْ دَفْنِهَا لِأَنَّهُ يَرْجِعُ مِنَ الْأَجْرِ بِقِيرَاطٍ طَيْنِ كُلُّ قِيرَاطٍ مِثْلُ أُحَدٍ وَمَنْ صَلَّى عَلَيْهَا ثُمَّ رَجَعَ قَبْلَ أَنْ تُدْفَنَ لِأَنَّهُ يَرْجِعُ بِقِيرَاطٍ - (رواہ البیہاوی و مسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو آدمی ایمان کی صفت کے ساتھ اور ثواب کی نیت سے کسی مسلمان کے جنازے کے ساتھ جائے اور اس وقت تک جنازے کے ساتھ رہے جب تک کہ اس پر نماز پڑھی جائے اور اس کے دفن سے فراغت ہو تو وہ ثواب کے دو قیراط لے کر واپس ہوگا، جن میں سے ہر قیراط ویسا ہی ہے جتنا ایک پہاڑ کے برابر ہوگا، اور جو آدمی صرف نماز جنازہ پڑھ کے واپس آجائے (دفن ہونے تک ساتھ نہ رہے) تو وہ ثواب کا (ایسا ہی) ایک قیراط لے کر واپس ہوگا (صحیح بخاری، صحیح مسلم)

تشریح: جیسا کہ ظاہر ہے حدیث کا مقصد جنازہ کے ساتھ جانے، اس پر نماز پڑھنے اور دفن میں شرکت کرنے کی ترغیب، بناو، فضیلت بیان کرنا ہے۔ حاصل یہ ہے کہ جو شخص جنازہ کے ساتھ چلا اور صرف نماز میں شرکت کر کے واپس آ گیا، وہ بقدر ایک قیراط کے اجر کا مستحق ہوگا، اور جو شخص دفن تک شریک رہا وہ دو قیراط کا مستحق ہوگا۔ قیراط رائج قول کے مطابق درہم کا بار ہواں حصہ ہوتا ہے۔ قریباً دو پیسہ چونکہ اس زمانہ میں مزدوروں کو ان کے کام کی اجرت قیراط کے حساب سے دی جاتی تھی، اس لئے رسول اللہ ﷺ نے بھی اس موقع پر قیراط کا لفظ بولا، اور یہ بھی واضح فرمایا کہ اس کو دنیا کا قیراط (درہم کا بار ہواں حصہ) نہ آجائے، بلکہ یہ ثواب آخرت کا قیراط ہوگا جو دنیا کے قیراط کے مقابلہ میں اتنا بڑا ہوگا جتنا ایک پہاڑ اس کے مقابلہ میں بڑا اور عظیم الشان ہے۔ اسی کے ساتھ رسول اللہ ﷺ نے یہ بھی واضح کر دیا کہ اس عمل پر یہ عظیم ثواب تب ہی ملے گا جب کہ یہ عمل ایمان و یقین کی بنیاد پر اور ثواب ہی کی نیت سے کیا گیا ہو، یعنی اس عمل کا اصل محرک اللہ و رسول کی باتوں پر ایمان و یقین اور آخرت کے ثواب کی امید ہو۔ پس اگر کوئی شخص صرف تعلق اور رشتہ داری کے خیال سے یا میت کے گھر والوں کا جی خوش کرنے ہی کی نیت سے یا ایسے ہی کسی دوسرے مقصد سے جنازہ کے ساتھ گیا اور نماز جنازہ اور دفن میں شریک ہوا، اللہ اور رسول کے حکم اور آخرت کا ثواب اس کے پیش نظر نہ تھا تو نہیں، تو وہ اس ثواب عظیم کا مستحق نہیں ہوگا۔ حدیث کے الفاظ ”إِيْمَانًا“

و احتساباً کا مطلب یہ ہے۔ اور سمجھنا چاہئے کہ اعمال کے اجر اخروی کے لئے ایک عام شرط ہے۔ اس سلسلہ ”معارف الہدیث“ کی پہلی جلد کے بالکل شروع میں حدیث ”انسا الاعمال بالنیات“ کی تشریح میں اور دوسری جلد میں ”انحیاس“ کے زیر عنوان اس پر تفصیلی روشنی ڈالی جا چکی ہے۔

جنائزہ کے ساتھ تیز رفتاری اور جلدی کا حکم

(۳۳۱) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ لَانَ لَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِسْرَعُوا بِالْجَنَازَةِ لِأَنَّ تِلْكَ صَالِحَةٌ لِّغَيْرٍ تَقْدِمُونَهَا إِلَيْهِ وَإِنَّ تِلْكَ سِوَى ذَٰلِكَ لَفَرٌّ تَضَعُونَهُ عَنْ رِءَالِكُمْ۔ (رواہ البخاری و مسلم)

ترجمہ..... حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جنائزہ کو تیز لے جایا کرو، اگر وہ نیک ہے تو (قبر اس کے لئے) خیر ہے (یعنی اچھی منزل ہے) جہاں تم (تیز چل کے) اس کو جلدی پہنچا دو گے، اور اگر اس کے سوا دوسری صورت ہے (یعنی جنائزہ نیک کا نہیں ہے) تو ایک برا (بوجھ تمہارے کندھوں پر) ہے (تم تیز چل کے جلدی) اس کو اپنے کندھوں سے اتار دو گے۔

(فتح مبین، ج ۱، ص ۱۸۷)

تشریح..... حدیث کا مقصد یہ ہے کہ جنائزہ کو جلدی اپنے ٹھکانے پہ پہنچانے کی کوشش کی جائے۔ تجبیز و تکفین کے انتظام میں بھی بے ضرورت تاخیر نہ کی جائے اور جب دفن کے لئے جنائزہ لے جایا جائے تو خواہ مخواہ آہستہ آہستہ نہ چلا جائے بلکہ مناسب حد تک تیز چلا جائے، اگر میت نیک اور اللہ کی رحمت کی مستحق ہے تو پھر جلدی اس کو اس کے اچھے ٹھکانے پہ پہنچا دیا جائے، اور اگر خدا نخواستہ اس کے برعکس معاملہ ہے تو پھر جلدی اس کے بارے سے سبکدوشی حاصل کی جائے۔

نماز جنائزہ اور اس میں میت کیلئے دعا

(۳۳۲) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ لَانَ لَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِذَا صَلَّيْتُمْ عَلَى الْمَيِّتِ لَا غِلْصُوا لَهُ الدُّعَاءَ۔

(رواہ ابوداؤد و ابن ماجہ)

ترجمہ..... حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب تم کسی میت کی نماز جنائزہ پڑھو تو پورے خلوص سے اس کیلئے دعا کرو۔ (سنن ابی داؤد، سنن ابن ماجہ)

تشریح..... نماز جنائزہ کا اصل مقصد میت کے لئے دعا ہی ہے۔ پہلی تکبیر کے بعد اللہ کی حمد و تسبیح اور دوسری تکبیر کے بعد رود و شریف گویا دعا ہی کی تمہید ہے۔ رسول اللہ ﷺ نماز جنائزہ میں جو دعائیں پڑھتے تھے۔ (جو آگے درج کی جا رہی ہیں) وہ سب اس موقع کے لئے بہترین دعائیں ہیں۔

(۳۳۳) عَنْ عَوْبِ بْنِ مَالِكٍ لَانَ لَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ عَلَى جَنَازَةٍ لَحِظْتُ مِنْ دُعَائِهِ وَهُوَ يَقُولُ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لَهُ وَاَرْحَمْهُ وَعَافِهِ وَاعْفُ عَنْهُ وَاَحْرِمْ نَزْلَهُ وَوَسِّعْ مَدْخَلَهُ وَاغْسِلْهُ بِالْمَاءِ وَالْقَلْجِ وَالنَّوْدِ وَقَبِّهِ مِنَ الْعَطَايَا كَمَا نَقَيْتَ الْقُرْبَ الْاَبْيَضَ مِنَ الدَّنَسِ وَاَبْدِلْهُ دَارًا خَيْرًا مِنْ دَارِهِ

وَأَهْلًا خَيْرًا مِنْ أَهْلِهِ وَزَوْجًا خَيْرًا مِنْ زَوْجِهِ وَأَذِلَّةَ الْجَنَّةِ وَاعِلُهُ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَمِنْ عَذَابِ النَّارِ لَال حَتَّى تَمُتْ أَنْ أَكُونَ أَنَا ذِيكَ الْمَمَتِّ.

ترجمہ

حضرت عوف بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک میت کے جنازہ کی نماز پڑھی (اس میں آپ نے میت کے لئے جو دعا کی) اس دعا کے یہ الفاظ مجھے یاد ہیں، آپ اللہ کے حضور میں عرض کر رہے تھے اے اللہ! تو اس بندہ کی مغفرت فرما، اس پر رحمت فرما، اس کو عافیت دے، اس کو معاف کر دے، اس کی باعزت مہمانی فرما، اس کی قبر کو اس کے لئے وسیع فرما دے (جہنم کی آگ اور اس کی سوزش و جلن کی بجائے) پانی سے، برف سے اور اولوں سے اس کو نہلا دے (اور ٹھنڈا اور پاک فرما دے) اور گناہوں کی کندگی سے اس کو صاف فرما دے جس طرح اچھے پیرے کو تو نے میل سے صاف فرما دیا ہے، اور اس کو دنیا کے کھر کے بدلے میں آخرت کا اچھا کھر اور کھر والوں کے بدلے میں جتنے کھر والے اور رفیق حیات کے بدلے میں اچھا رفیق حیات عطا فرما دے، اور اس کو جنت میں پہنچا دے اور عذاب قبر اور عذاب دوزخ سے اس کو بچا دے (حدیث کے راوی عوف بن مالک صحابی) جتنے ہیں کہ حضور ﷺ کی یہ دعا سن کر میرے دل میں آرزو پیدا ہوئی کہ کاش یہ میت میں ہوتا۔

(۳۳۴) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِذَا صَلَّى عَلَى الْجَنَازَةِ لَالَ اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِحَيَاتِهِ وَمَيِّتًا وَحَاضِلًا وَعَاقِبًا وَصَغِيرًا وَكَبِيرًا وَذَكَرْنَا وَأَنْتَانَا اللَّهُمَّ مَنْ أَحْيَيْتَهُ مِنَّا لَأَحْيِهِ عَلَى الْإِسْلَامِ وَمَنْ تَوَلَّيْتَهُ مِنَّا فَتَوَلَّهُ عَلَى الْإِيمَانِ اللَّهُمَّ لَا تَحْرِمْنَا أَجْرَهُ وَلَا تَفْضِنَا بَعْدَهُ.

رواہ احمد و ابوداؤد و الترمذی و ابن ماجہ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب کسی جنازہ پر نماز پڑھتے تھے تو اس میں جس دعا کرتے تھے۔ اے اللہ! ہم سے زندہوں کی اور مردہوں کی، حاضرین کی اور غائبوں کی، چھوٹوں کی اور بڑوں کی، مردہوں کی اور غور قوں کی، سب کی مغفرت فرما۔ اے اللہ! جس کو تو ہم میں سے زندہ رکھے اس کو اسلام پر قائم رکھتے ہوئے زندہ رکھ، اور جس کو اس عام سے الگ کرے اس کو ایمان کی حالت میں اٹھا۔ اے اللہ! اس میت کی موت سے اجر سے ہمیں آخرت میں محروم نہ رکھ، اور اس دنیا میں اس کے بعد تو ہمیں کسی فتنہ اور آزمائش میں نہ ڈال۔

(۳۳۵) عَنْ وَالِدِ بْنِ الْأَسَدِ قَالَ صَلَّى بِرَسُولِ اللَّهِ ﷺ عَلَى رَجُلٍ مِنَ الْمُسْلِمِينَ لَسِمَعْتُهُ يَقُولُ اللَّهُمَّ إِنْ فُلَانٌ بَنَ فُلَانًا فِي ذِمَّتِكَ وَحَبْلٍ جَوَارِكَ لِقِهِ مِنْ فَتْنَةِ الْقَبْرِ وَعَذَابِ النَّارِ وَأَنْتَ أَهْلُ الْوَلَاءِ وَالْحَقِّ اللَّهُمَّ اغْفِرْ لَهُ وَأَرْحَمْهُ إِنَّكَ أَنْتَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ.

ترجمہ

حضرت والید بن الاسد سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں میں سے ایک شخص کی نماز جنازہ پڑھائی، میں نے سنا اس میں آپ نے یہ دعا کر رہے تھے۔ اے اللہ! تیرا یہ بندہ فلال بن فلال تیرے

امان میں اور تیری پناہ میں ہے، تو اس کو عذاب قبر اور عذاب نار سے بچا، تو وعدوں کا وفا کرنے والا اور خداوند حق ہے۔ اے اللہ! تو اس بندے کی مغفرت فرما دے، اس پر رحمت فرما تو بڑا بخشنے والا اور مہربان ہے۔ (متن ابن ماجہ، متن ابن ماجہ)

جنازہ کی نماز میں رسول اللہ ﷺ سے بعض اور دعائیں بھی ثابت ہیں، لیکن زیادہ مشہور یہی تین ہیں، جو مندرجہ بالا حدیثوں میں مذکور ہوئیں، پڑھنے والے کو اختیار ہے جو چاہے دعا پڑھے، اور چاہے تو ان میں سے متعدد دعائیں پڑھے۔

مندرجہ بالا حدیثوں سے خاص کر واثلہ ابن اسحق اور ابو ہریرہؓ کی حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے جنازہ کی نماز میں یہ دعائیں اتنی آواز سے پڑھیں کہ ان صحابہ کرامؓ نے سن کر ان کو محفوظ کر لیا۔ رسول اللہ ﷺ بعض اوقات نماز میں بعض دعائیں وغیرہ اس لئے بالجبر اور آواز سے پڑھتے تھے کہ دوسرے لوگ سن کر سیکھ لیں۔ جنازہ کی ان نمازوں میں دعاؤں کا بآواز پڑھنا بھی غالباً اسی مقصد سے تھا، ورنہ عام قانون دعا کے بارے میں یہ ہے کہ اس کا آہستہ کرنا افضل ہے۔ قرآن مجید میں بھی فرمایا گیا ہے:

”ادْعُوا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَخُفْيَةً“ ”اپنے رب سے دعا کر عاجزی و مسکینی کے ساتھ اور چپکے چپکے“

نماز جنازہ میں کثرت تعداد کی برکت اور اہمیت

۳۳۶ عَنْ عَائِشَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا مِنْ مَيِّتٍ تُصَلَّى عَلَيْهِ أُمَّةٌ مِنَ الْمُسْلِمِينَ يَلْفُؤْنَ مِائَةَ كُلِّهُمْ يَخْفَعُونَ لَهُ إِلَّا خَفِيَ فِيهِ . (رواہ مسلم)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس میت پر مسلمانوں کی ایک بڑی جماعت نماز پڑھے۔ جن کی تعداد سو تک پہنچ جائے، اور وہ سب اللہ کے حضور میں اس میت کے لئے سفارش کریں (یعنی مغفرت و رحمت کی دعا کریں) تو ان کی یہ سفارش اور دعا ضروری قبول ہوگی۔ (صحیح مسلم)

۳۳۷ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ أَبِي عُبَّاسٍ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ اللَّهَ مَاتَ لَهُ ابْنٌ بِقُنْدِيدٍ أَوْ بِصُفَّانٍ فَقَالَ يَا مُحَمَّدُ أَنْظِرْ مَا اجْتَمَعَ لَهُ مِنَ النَّاسِ قَالَ خَرَجْتُ لِذَا نَاسٍ لَدَى اجْتِمَعُوا لَهُ لِأَخْبَرْتَهُ فَقَالَ تَقُولُ هُمْ أَزْبَعُونَ قَالَ نَعَمْ قَالَ أَخْبَرْتَهُ فَإِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ مَا مِنْ رَجُلٍ مُسْلِمٍ يَمُوتُ لِيَقُومَ عَلَى جَنَازَتِهِ أَزْبَعُونَ رَجُلًا لَا يُشْرِكُونَ بِاللَّهِ حِينَئِذٍ إِلَّا خَفَعَهُمُ اللَّهُ فِيهِ . (رواہ مسلم)

حضرت عبد اللہ بن عباسؓ کے آزاد کردہ غلام اور خادم خاص کر یب تابعی بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباسؓ کے ایک صاحبزادے کا انتقال مقام قدید میں یا مقام عسفان میں ہو گیا (جب کچھ لوگ جمع ہو گئے) تو حضرت ابن عباسؓ نے مجھ سے فرمایا کہ جو لوگ جمع ہو گئے ہیں ذرا تم ان پر نظر دلو، کریم

کہتے ہیں کہ میں باہر نکلا تو دیکھا کہ کافی لوگ جمع ہو چکے ہیں، میں نے ان کو اس کی اطلاع دی۔ انہوں نے فرمایا: تمہارا خیال ہے کہ وہ چالیس ہوں گے؟۔ کریم نے کہا ہاں ۴۰ ضرور ہوں گے) ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ: اب جنازہ باہر لے چلو، میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے آپ فرماتے تھے کہ جس مسلمان کا انتقال ہو جائے اور اس کے جنازے کی نماز چالیس ایسے آدمی پڑھیں جن کی زندگی شرک سے بالکل پاک ہو اور وہ نماز میں اس میت کے لئے مغفرت اور رحمت کی دعا اور سفارش کریں) تو اللہ تعالیٰ ان کی سفارش اس میت کے حق میں ضرور قبول فرماتا ہے۔ (صحیح مسلم)

تشریح..... قدیمہ مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کے راستہ میں رابغ کے قریب ایک قصبہ تھا، اور عسغان مکہ معظمہ اور رابغ کے درمیان مکہ معظمہ سے قریب ۳۶،۳۵ میل کے فاصلہ پر ایک بستی تھی۔ راوی کو شک ہو گیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے صاحبزادے کے انتقال کا یہ واقعہ ان دونوں مقامات میں سے کس مقام پر پیش آیا تھا۔

(۲۳۸) عَنْ مَالِكِ بْنِ حَبِيبَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ مَا مِنْ مُسْلِمٍ يَمُوتُ فَيُصَلِّيَ عَلَيْهِ كَلْفَةَ صُفُوفٍ مِنَ الْمُسْلِمِينَ إِلَّا أَوْحَبَ لِمَالِكٍ لَكَ إِذَا اسْتَقْبَلَ أَهْلَ الْجَنَازَةِ جَزَاءُ أُمَّ كَلْفَةَ صُفُوفٍ لِهَذَا الْحَدِيثِ . (رواه ابوداؤد)

تشریح..... حضرت مالک بن حبیبر رضی اللہ عنہ سے روایع ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے آپ کا یہ ارشاد سنا کہ جس مسلمان بندے کا انتقال ہو جائے اور مسلمانوں کی تین صفیں اس کی نماز جنازہ پڑھیں (اور اس کے لئے مغفرت و جنت کی دعا کریں) تو ضرور ہی اللہ تعالیٰ اس بندے کے واسطے (مغفرت اور جنت) کو واجب کر دیتا ہے۔ (مالک بن حبیبرؓ سے اس حدیث کی روایت کرنے والے مرعہ زنی کہتے ہیں کہ) مالک بن حبیبرؓ کا یہ دستور تھا کہ جب وہ جنازہ پڑھنے والوں کی تعداد کم محسوس کرتے تو اسی حدیث کی وجہ سے ان لوگوں کو تین صفوں میں تقسیم کر دیتے تھے۔ (ابن ابی شیبہ)

تشریح..... یہ تین حدیثیں ہیں۔ سب سے پہلی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں سو مسلمانوں کے لئے نماز جنازہ پڑھنے پر اور اس کے بعد والی حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی حدیث میں چالیس مسلمانوں کے نماز پڑھنے پر اور آخری مالک بن حبیبرؓ والی حدیث میں مسلمانوں کی تین صفوں کے نماز پڑھنے پر مغفرت و جنت کی سفارش اور دعا کے قبول ہونے کا اطمینان ظاہر فرمایا گیا ہے۔ بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مختلف اوقات میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسول اللہ ﷺ پر یہ تین باتیں مشکف ہوئیں۔ غالباً پہلے آپ کو بتایا گیا کہ اگر کسی بندے کی نماز جنازہ سو مسلمان بندے پڑھیں اور اس نماز میں اس بندے کے لئے مغفرت و رحمت کی دعا کریں تو اللہ تعالیٰ اس بندے کے حق میں ضرور ہی ان کی یہ دعا قبول فرمالے گا۔ اس کے بعد اور تخفیف کر دی گئی اور صرف ۴۰ مسلمانوں کے نماز پڑھنے پر یہی بشارت سنادی گئی۔ اس کے بعد اور مزید تخفیف کر دی گئی اور تین صفوں کے نماز پڑھنے پر بھی آپ کو یہی اطمینان دلادیا گیا اگرچہ تعداد ۴۰ سے بھی

کم ہو۔ واللہ اعلم۔

بہر حال ان حدیثوں سے صاف ظاہر ہے کہ نماز جنازہ میں کثرت مطلوب اور باعث برکت و رحمت ہے، اس لئے مناسب حد تک اس کا اہتمام اور اس کی کوشش ضرور کرنی چاہئے۔

دفن کا طریقہ اور اس کے آداب

(۳۳۹) عَنْ عَامِرِ بْنِ سَعْدِ بْنِ أَبِي وَهَابٍ أَنَّ سَعْدَ بْنَ أَبِي وَهَابٍ قَالَ لِي مَرَجِبُهُ الْبَدِيُّ هَلَكَ فِيهِ الْجَنُوزِيُّ لِحَدَاثِهِ وَانْصَبُوا عَلَيَّ اللَّيْلَ نَضْبًا كَمَا صَنَعَ بِرَسُولِ اللَّهِ ﷺ. (رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے عامر بیان کرتے ہیں کہ (۱۰) (الدمامی) سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے اپنے مرض وفات میں وصیت فرمائی تھی کہ میرے واسطے بظلی قبر بنائی جائے اور اس کو بند کرنے کے لئے چکی اینٹیں کھڑی کر دی جائیں، جس طرح رسول اللہ ﷺ کے لئے کیا گیا تھا۔ (صحیح مسلم)

تشریح:..... اس سے معلوم ہوا کہ قبر کا افضل اور بہتر طریقہ یہی ہے کہ وہ بظلی بنائی جائے اور چکی اینٹوں سے اس کو بند کیا جائے۔ رسول اللہ ﷺ کی قبر مبارک بھی اسی طرح بنائی گئی تھی۔ لیکن اگر زمین ایسی کچی ہو کہ بظلی قبر نہ بن سکتی ہو تو پھر دوسرے طریقہ کی قبر بنائی جائے جس کو شق کہتے ہیں۔ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں حسب موقع دونوں طرح کی قبریں بنائی جاتی تھیں، لیکن افضل لحد یعنی بظلی قبر ہی کا طریقہ ہے۔

(۳۴۰) عَنْ هِشَامِ بْنِ عَامِرٍ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ يَوْمَ أُحُدٍ إِحْفِرُوا وَأَوْسِعُوا وَأَعْمِقُوا وَأَحْسِنُوا وَادْلُغُوا الْإِثْمِينَ وَالْقُلَّةَ فِي قَبْرِ وَاحِدٍ وَلْيَتَوَّأْ أَكْثَرَهُمْ لِرَأَا - (رواہ احمد والترمذی و ابو داؤد والنسبی)

ترجمہ: ہشام بن عامر انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے احد کے دن فرمایا کہ (شہداء کے لئے) قبریں کھودو اور ان کو وسیع اور گہرا کرو، اور انھیں طرح بناؤ اور دو دو تین تین کو ایک ایک قبر میں دفن کرو، اور ان میں سے جس کے پاس قرآن زیادہ ہو اس کو آگے کرو اور مقدم رکھو۔

(۱۰) (الدمامی) سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ

تشریح:..... غزوہ احد میں قریب ستر کے صحابہ کرامؓ شہید ہوئے تھے ان سب کے لئے اس وقت الگ الگ قبریں کھودنا بہت مشکل بھی تھا، اور ایسے خاص موقعوں کے لئے رسول اللہ کو ایک نظیر بھی قائم کرنی تھی، اس لئے آپ نے حکم دیا کہ ایک ایک قبر میں دو دو تین تین دفن کئے جائیں، لیکن اس کی تاکید فرمائی کہ قبریں باقاعدہ کھودی جائیں، گہری ہوں اور وسیع بھی ہوں۔ اور ایک ہدایت یہ بھی دی کہ ایک قبر میں جب متعدد شہید دفن کئے جائیں تو ترتیب میں مقدم یعنی پہلے اور قبلہ کی جانب اس کو رکھا جائے جس کے پاس قرآن زیادہ ہو، گویا امام ہے اور اس کے ساتھ والے مقتدی اس حدیث کی بناء پر۔ جنگ کے جیسے غیر

معمولی حالات میں جائز ہے کہ ایک ایک قبر میں کئی کئی مردوں کو دفن کیا جائے۔

(۳۴۱) عَنْ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ إِذَا أَذْخَلَ الْمَيِّتَ الْقَبْرَ وَلَكَلَ بِسْمِ اللَّهِ وَبِاللَّهِ وَعَلَىٰ مِلَّةِ رَسُولِ اللَّهِ . وَلَفِي رَوَايَةٍ وَعَلَىٰ سُنَّةِ رَسُولِ اللَّهِ . (رواہ احمد و الترمذی و ابن ماحہ و ابو داؤد)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب کسی میت کو قبر میں اتارتے (یا کوئی میت اتاری جاتی) تو فرماتے تھے: "بسم اللہ و باللہ و علی مِلَّةِ رَسُولِ اللہ" (ہم اس بندے کو اللہ کے نام پاک کے ساتھ اور اس کی مدد سے اور اس کے نبی کے طریقے پر سپرد خاک کرتے ہیں) اور اسی حدیث کی بعض روایتوں میں "علی مِلَّةِ رَسُولِ اللہ" کے بجائے "علی سُنَّةِ رَسُولِ اللہ" کا لفظ بھی روایت کیا گیا ہے۔ (مسند احمد، جامع ترمذی، مسند ابن ماجہ، مسند ابی داؤد)

(۳۴۲) عَنْ جَعْفَرِ بْنِ مُحَمَّدٍ عَنْ أَبِيهِ مُسْلِمًا عَنِ النَّبِيِّ ﷺ أَنَّهُ قَالَ حَتَّىٰ عَلَى الْمَيِّتِ ثَلَاثَ حَقَائِبَ يَتَذَكَّرُ بِهَا جَمِيعًا وَاللَّهُ رَاضٍ عَلَى قَبْرِ ابْنِ إِبْرَاهِيمَ وَوَضَعَ عَلَيْهِ حَصْبَاءَ .

(رواہ البیہقی فی شرح السنہ)

امام جعفر صادق اپنے والد ماجد امام محمد باقر سے بطریق ارسال روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک میت پر (یعنی دفن کے وقت اس کی قبر پر) دونوں ہاتھ ایک ساتھ بھر کے مٹی دفن مٹی ڈالی۔ اور اپنے صاحبزادے ابراہیم کی قبر پر پانی چھڑکایا چھڑکایا اور اس کے اوپر سنگ ریزے ڈلوائے۔ (شرح السنہ)

(۳۴۳) عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقُولُ إِذَا مَاتَ أَحَدُكُمْ فَلَا تَحْبِسُوهُ وَأَسْرِغُوا بِهِ إِلَى قَبْرِهِ وَاقْرَءُوا عِنْدَ رَأْسِهِ لَلْبَقَرَةِ وَعِنْدَ رِجْلَيْهِ بِحَالِمَةِ الْبَقَرَةِ .

(رواہ البیہقی فی شعب الایمان و قال و الصحیح انه موقوف علیہ)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا، آپ فرماتے تھے کہ جب تمہارا کوئی آدمی انتقال کر جائے تو اس کو دیر تک گھر میں مت روکو اور قبر تک پہنچانے اور دفن کرنے میں سرعت سے کام لو اور (دفن کے بعد) سر کی جانب سورۃ بقرہ کی ابتدائی آیات (تاجفلحدون) اور پاؤں کی جانب اس کی اختتامی آیات (س الرسول سے ختم سورۃ تک) پڑھی جائیں۔ (یہ حدیث امام تہجدی نے شعب الایمان میں روایت کی ہے اور ساتھ ہی کہا ہے کہ صحیح یہ ہے کہ یہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کا قول ہے۔ روایت میں جس طرح رسول اللہ ﷺ کی طرف اس کی نسبت کی گئی ہے سند کے لحاظ سے یہ ثابت نہیں ہے۔)

تشریح میت کو دیر تک گھر میں نہ رکھنے اور کفن و دفن میں جلدی کرنے کی ہدایت تو رسول اللہ ﷺ سے متعدد حدیثوں میں وارد ہوئی ہے، اور سورۃ بقرہ کی ابتدائی اور اختتامی آیات کی قبر پر پڑھنے کا حکم ظاہر ہے کہ حضرت ابن عمر اپنی طرف سے نہیں دے سکتے تھے، یقیناً یہ بات بھی انہوں نے رسول اللہ ﷺ ہی سے سیکھی ہوگی اس لئے سند کے لحاظ سے اگرچہ یہ حدیث مرفوعاً ثابت نہ ہو، لیکن محدثین اور فقہاء اصول پر یہ حکم

میں مرفوع ہی کے ہے۔

قبر سے تعلق بدایات

(۳۴۴) عَنْ جَابِرٍ قَالَ لَمْ يَرِ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ أَنْ يُعْصَصَ الْقَبْرُ وَأَنْ يُنَى عَلَيْهِ وَأَنْ يُقَعَدَ عَلَيْهِ -

(رواہ مسلم)

ترجمہ... حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس کی ممانعت فرمائی ہے کہ قبر کو گچھ سے پختہ کیا جائے یا اس پر عمارت بنائی جائے یا اس پر بیٹھا جائے۔ (صحیح مسلم)

تشریح... قبر کے بارے میں شریعت کا اصولی نقطہ نظر یہ ہے کہ ایک طرف تو میت کے تعلق سے اس کا احترام کیا جائے کسی قسم کی بے حرمتی نہ کی جائے۔ اسی بناء پر اس حدیث میں فرمایا گیا ہے، کہ کوئی اس پر بیٹھے نہیں، یہ اس کے احترام کے خلاف ہو گا۔ اور دوسری طرف یہ کہ وہ دیکھنے میں ایسی سادہ ہو کہ اس کو دیکھ کر دنیا کی بے ثباتی کا احساس اور آخرت کی یاد اور فکر دل میں پیدا ہو، اسی واسطے اس کو گچھ وغیرہ سے پختہ اور شاندار بنانے کی اور اس کے اوپر بطور یادگار وغیرہ کے عمارت کھڑی کرنے کی بھی ممانعت فرمائی گئی ہے۔

دوسری حکمت اس حکم میں یہ بھی ہے کہ قبر جب بالکل سادہ اور چمکی ہوگی اور اس پر کوئی شاندار عمارت بھی نہ کھڑی ہوگی تو شرک پسند طبیعتیں اس کو پرستش گاہ بھی نہ بنائیں گی۔ جن صحابہؓ یا تابعینؓ یا اولیاء امت کی قبریں شریعت کے اس حکم کے مطابق بالکل سادہ اور چمکی ہیں وہاں کوئی خرافات نہیں ہوتی، اور جن بزرگوں کے مزارات پر شاندار مقبرے بنے ہوئے ہیں۔ وہاں جو کچھ ہو رہا ہے آنکھوں کے سامنے ہے، اور اس کی وجہ سے سب سے زیادہ تکلیف ان بزرگوں کی پاک روحوں کو ہی ہو رہی ہے۔

(۳۴۵) عَنْ أَبِي مَرْثَدَةَ الْغَنَوِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ لَا تَجْلِسُوا عَلَى الْقُبُورِ وَلَا تُصَلُّوا إِلَيْهَا .

(رواہ مسلم)

ترجمہ... حضرت ابو مرثدہ غنوی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: نہ تو قبروں کے اوپر بیٹھو اور نہ ان کی طرف رخ کر کے نماز پڑھو۔ (صحیح مسلم)

تشریح... جیسا کہ ابھی اوپر کہا گیا قبر پر بیٹھنے میں اس کی بے حرمتی ہے، اور آگے درج ہونے والی حدیث سے معلوم ہو گا کہ اس سے صاحب قبر کو اذیت بھی ہوتی ہے، اور قبر کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنے کی ممانعت کا خاص مقصد امت کو شرک کے شبہ اور شائبہ سے بھی بچانا ہے۔

(۳۴۶) عَنْ عَمْرِو بْنِ حَزَمٍ قَالَ رَأَى النَّبِيَّ ﷺ مُتَكِنًا عَلَى قَبْرِ لَقَانَ لَا تُؤَدِّ صَاحِبَ هَذَا الْقَبْرِ وَلَا تُؤَدِّهِ . (رواہ احمد)

ترجمہ... حضرت عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے دیکھا کہ میں ایک قبر سے تکیہ لگائے بیٹھا ہوں تو آپ نے مجھ سے فرمایا: ”اس قبر والے کو تکلیف نہ دو۔“ (مسند احمد)

زیارت قبور

۳۴۷ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ كُنْتُ نَهَيْتُكُمْ عَنْ زِيَارَةِ الْقُبُورِ لَفُزُوزُهَا لَإِنِّي نَزَيْتُهَا لِي الدُّنْيَا وَلَذِكْرُ الْآخِرَةِ. (رواہ ابن ماجہ)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں نے تم کو زیارت قبور سے منع کر دیا تھا، اب (اجازت دیتا ہوں کہ) تم قبور کی زیارت کر لیا کرو، کیونکہ (اس کا یہ فائدہ ہے کہ) اس سے دنیا کی بے رغبتی اور آخرت کی یاد اور فکر پیدا ہوتی ہے۔ (سنن ابن ماجہ)

تشریح:..... شروع شروع میں جب تک کہ توحید پوری طرح عام مسلمانوں کے دلوں میں رائج نہیں ہوئی تھی اور انہیں شرک اور جاہلیت سے نکلے ہوئے تھوڑا ہی زمانہ ہوا تھا، رسول اللہ ﷺ نے قبور پر جانے سے منع فرما دیا تھا، کیونکہ اس سے ان لوگوں کے شرک اور قبر پرستی میں ملوث ہو جانے کا خطرہ تھا۔ پھر جب امت کا توحیدی مزاج پختہ ہو گیا، اور ہر قسم کے جلی اور خفی شرک سے دلوں میں نفرت بھر گئی اور قبور پر جانے کی اجازت دے دی اور یہ بھی واضح فرما دیا کہ یہ اجازت اس لئے دی جا رہی ہے کہ وہ دنیا سے بے رغبتی اور آخرت کی یاد اور فکر دلوں میں پیدا ہونے کا ذریعہ ہے۔ اس حدیث سے شریعت کا یہ بنیادی اصول معلوم ہوا کہ اگر کسی کام میں خیر اور نفع کا کوئی پہلو ہے اور اسی کے ساتھ کسی بڑے ضرر کا بھی اندیشہ ہے تو اس اندیشہ کی وجہ سے خیر کے پہلو سے صرف نظر کر کے اس کی ممانعت کر دی جائے گی، لیکن اگر کسی وقت حالات میں ایسی تبدیلی ہو کہ ضرر کا وہ اندیشہ باقی نہ رہے تو پھر اس کی اجازت دے دی جائے گی۔

۳۴۸ عَنْ بُرَيْدَةَ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يُعَلِّمُهُمْ إِذَا خَرَجُوا إِلَى الْمَقَابِرِ "السَّلَامُ عَلَيْكُمْ أَهْلَ الدِّيَارِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُسْلِمِينَ وَإِنَّا إِنشَاءُ اللَّهُ بِكُمْ لَلْجَفْوَنَ نَسْفِلُ اللَّهُ لَنَا وَلَكُمْ الْعَاقِبَةَ". (رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ صحابہ کرام کو تعلیم فرماتے تھے کہ جب وہ قبرستان جائیں تو اہل قبور پر اس طرح سلام پڑھیں، اور ان کے لئے دعا کریں: "السَّلَامُ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الدِّيَارِ (سلام ہو تم پر ان گھروں والوں! مومنوں میں سے اور مسلمانوں میں سے، اور انشاء اللہ ہم تم سے آٹنے والے ہیں۔ ہم اللہ سے دعا اور سوال کرتے ہیں اپنے لئے اور تمہارے لئے عاقبت کا (یعنی چین اور سکون کا)۔ (صحیح مسلم)

۳۴۹ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ مَرَّ النَّبِيُّ ﷺ بِقُبُورٍ بِالْمَدِينَةِ فَالْقَبْرُ عَلَيْهِمْ بَوَّاهُ فَقَالَ السَّلَامُ عَلَيْكُمْ يَا أَهْلَ الْقُبُورِ بَغِيرُ اللَّهِ لَنَا وَلَكُمْ أَتَمُّ سَلَفْنَا وَنَحْنُ بِالْآخِرِ. (رواہ الترمذی)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا گزر مدینہ ہی میں چند قبور پر ہوا، آپ نے ان کی طرف رخ کیا اور فرمایا: "السَّلَامُ عَلَيْكُمْ يَا أَهْلَ الْقُبُورِ (سلام ہو تم

پر اے قبر والو! اللہ تعالیٰ ہماری اور تمہاری مغفرت فرمائے، تم ہم سے آگے جانے والے ہو اور ہم پیچھے پیچھے آرہے ہیں۔ (بخاری ترمذی)

تشریح..... ان دونوں حدیثوں میں قبر والوں پر سلام و دعا کے جو کلمات وارد ہوئے ہیں، جن میں صرف الفاظ کا معمولی سا فرق ہے۔ ان میں ان کے واسطے بس سلام اور دعائے مغفرت ہے، اور ساتھ ہی اپنی موت کی یاد ہے۔ معلوم ہوا کہ یہی دو چیزیں کسی کی قبر پر جانے کا اصل مقصد ہونی چاہئیں، اور صحابہ کرام اور ان کے تابعین بالا حسان کا طریقہ یہی تھا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں انہی کے طریقے پر قائم رکھے اور اسی پر اٹھائے۔

اموات کے لئے ایصالِ ثواب

کسی کی موت کے بعد اس کی خدمت اور اس کے ساتھ حسن سلوک کا ایک طریقہ تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے اس کے لئے مغفرت اور رحمت کی دعا کی جائے اور رحم و کرم کی بھیک مانگی جائے۔ جیسا کہ ذکر کیا جا چکا ہے، نماز جنازہ کی خاص غرض و غایت بھی یہی ہے، اور زیارت قبور کے سلسلہ میں ابھی اوپر جو حدیثیں مذکور ہوئی ہیں ان میں بھی اصحاب قبور کو سلام کے ساتھ ان کے لئے دعائے مغفرت بھی کی گئی ہے۔ دعائے خیر کے اس طریقہ کے علاوہ اموات کی خدمت اور نفع رسانی کی ایک دوسری صورت رسول اللہ ﷺ نے یہ بھی بتائی ہے کہ ان کی طرف سے صدقہ یا اسی طرح کا کوئی دوسرا عمل خیر کر کے اس کا ثواب ان کو ہدیہ کیا جائے "ایصالِ ثواب اسی کا عنوان ہے۔ اس کے بارے میں ذیل کی حدیثیں پڑھئے!

۳۵۰. عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ سَعْدَ بْنَ عُبَادَةَ تَوَلَّيْتُ أُمَّهُ وَهُوَ غَالِبٌ عَنْهَا فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّ أُمِّي تَوَلَّيْتُ وَأَنَا غَالِبٌ عَنْهَا أَنْفَعُهَا حَيًّا إِنْ تَصَلَّيْتُ بِهِ عَنْهَا لَأَلْ تَعْمَ لَأَلْ لِيْئِيْ أَضْهِدُكَ أَنْ حَاطِيْ الْمَخْرَافَ صَدَقَ عَلَيْهَا . (رواہ البخاری)

ترجمہ..... حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سعد بن عبادہ کی والدہ کا انتقال ایسے وقت ہوا کہ خود سعد موجود نہیں تھے (رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ایک غزوہ میں گئے ہوئے تھے، جب واپس آئے) تو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں انہوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ میری عدم موجودگی میں میری والدہ کا انتقال ہو گیا تو اگر میں ان کی طرف سے صدقہ کروں تو ان کے لئے نفع مند ہو گا؟ (اور ان کو اس کا ثواب پہنچے گا) آپ نے فرمایا: ہاں پہنچے گا۔ انہوں نے عرض کیا: تو میں آپ کو گواہ بناتا ہوں کہ اپنا باغ (خراف) میں نے اپنی مرحوم والدہ کیلئے صدقہ کر دیا۔ (صحیح بخاری)

تشریح..... یہ حدیث جیسا کہ ظاہر ہے کہ ایصالِ ثواب کے مسئلہ میں بالکل واضح ہے۔ قریب قریب اسی مضمون کی ایک حدیث صحیح بخاری و صحیح مسلم دونوں میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت سے بھی مروی ہے، اس میں حضرت سعد کا نام نہیں ہے، لیکن شارحین نے لکھا ہے کہ اس کا تعلق بھی اسی واقعہ سے ہے۔

۳۵۱. عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو بْنِ الْعَاصِ أَنَّ الْعَاصِ بْنَ وَائِلٍ أَوْصَى أَنْ يُنْفَقَ عَنْهُ مِائَةُ رَقَبَةٍ لِّأَعْقَقِ

إِنَّهُ هَشَامٌ عَمْسِيْنٌ رَّكِبَةٌ لَّأَزَادِئِهِ عَمَّرُوا أَنْ يُعَيِّقَ عَنْهُ الْعَمْسِيْنَ النَّبَالِيَّةَ لَقَالَ حَتَّى أَسْأَلَ
رَسُولَ اللَّهِ ﷺ لَأَتَى النَّبِيَّ ﷺ لَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنْ أَبِي أَوْضَى بِعَنِّي مِائَةَ رَكْبَةٍ وَإِنْ
هَشَامًا أَعْتَقَ عَنْهُ عَمْسِيْنَ وَبَقِيَتْ عَلَيْهِ عَمْسُونَ رَكْبَةً فَأَعْتَقَ عَنْهُ لَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِنَّهُ
لَوْ كَانَ مُسْلِمًا لَأَعْتَقْتُمْ عَنْهُ أَوْ تَصَلَّيْتُمْ عَنْهُ أَوْ حَبَسْتُمْ عَنْهُ بَلَقَهُ ذَلِكُ . (رواه ابو داؤد)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ان کے دادا عاص بن وائل نے
(جن کو اسلام نصیب نہیں ہوا، اپنے بیٹوں کو) وصیت کی تھی کہ ان کی طرف سے سو غلام آزاد کئے
جائیں۔ (اس وصیت کے مطابق ان کے ایک بیٹے) ہشام بن العاص نے اپنے حصے کے پچاس غلام
آزاد کر دیئے۔ (دوسرے بیٹے) عمرو بن العاص نے بھی ارادہ کیا کہ وہ بھی اپنے حصے کے باقی پچاس
آزاد کر دیں، لیکن انہوں نے طے کیا کہ میں رسول اللہ ﷺ سے دریافت کر کے ایسا کروں گا۔ چنانچہ وہ
آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ: میرے والد نے سو غلام آزاد کرنے کی وصیت کی
تھی اور میرے بھائی ہشام نے پچاس اپنی طرف سے آزاد کر دیئے اور پچاس باقی ہیں تو کیا میں اپنے
والد کی طرف سے وہ پچاس غلام آزاد کر دوں؟ آپ نے فرمایا کہ: اگر تمہارے والد اسلام و ایمان
کے ساتھ دنیا سے گئے ہوتے پھر تم ان کی طرف سے غلام آزاد کرتے، یا صدقہ کرتے یا حج کرتے، تو
ان اعمال کا ثواب ان کو پہنچ جاتا۔ (سنن ابی داؤد)

تشریح:..... یہ حدیث بھی مسئلہ ایصالِ ثواب کے بارے میں بالکل واضح ہے۔ اس میں صدقے کے ذریعے ایصالِ
ثواب کے علاوہ حج کا بھی ذکر ہے اور اسی حدیث کی مسند احمد کی روایت میں بجائے حج کے روزہ کا ذکر ہے۔
بہر حال اس حدیث سے یہ بات اصول اور قاعدے کے طور پر معلوم ہوئی کہ اموات کو ان سب
اعمال خیر کا ثواب پہنچایا جاسکتا ہے لیکن ایمان و اسلام شرط ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس سے فائدہ اٹھانے
کی توفیق دے۔

”کتاب الصلوٰۃ“ ختم ہوئی

بِإِلَّهِ الْحَمْدُ وَالْمُنَّةُ وَعَلَى رَسُولِهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ

محمد منظور نعمانی مدظلہ العالی

معارفِ الحديث

یعنی

احادیثِ نبوی کا ایک جدید اور جامع انتخاب
اُردو ترجمہ اور تشریحات کے ساتھ

جلد چہارم

کتابت المدینۃ، کتابت المدینۃ، کتابت المدینۃ

تالیف

مولانا محمد منظور نعمانی

ڈیوہ بازار، ممبئی، بھارت
02-2213768 کوئی پاکستان

دارالاشاعت

جملہ حقوق ملکیت برائے پاکستان بحق ”خلیل اشرف عثمانی“ دارالاشاعت کراچی محفوظ ہیں

معصفت سے جو دواوی حقوق اشاعت پہلے حاصل تھے اب انکے ورثا سے پاکستان کے لئے ”جملہ حقوق ملکیت“ مع اپنے تمام حقوق سے خلیل اشرف عثمانی کے حق میں دستبرداری کا معاہدہ مکمل میں آجائے۔ اس کی اطلاع درج ذیل رجسٹر اے کاپی رائٹ رجسٹر اے کے پاس مکمل میں آچکی ہے۔ لہذا کوئی شخص یا ادارہ اس کی غیر قانونی اشاعت و فروخت میں ملوث پایا گیا تو بغیر ہیشی اطلاع کے قانونی کارروائی مکمل میں لائی جائے گی۔ تاثر

طباعت کپیوٹرائزیشن : اپریل ۲۰۰۷ء

باہتمام خلیل اشرف عثمانی دارالاشاعت کراچی
پریس علمی ٹرانس کراچی

قارئین سے گزارش

اپنی حق الامتیاز کو پیش کی جاتی ہے کہ پروف ریڈنگ معیاری ہو۔ الحمد للہ اس بات کی نگرانی کے لئے ادارہ میں مستقل ایک عام موجود ہے جس پر بھی کوئی غلطی نظر آئے تو ازراہ مرمع مطلع فرما کر ممنون فرمائیں تاکہ وہ اشاعت میں درست ہو سکے۔ جزاک اللہ

ملنے کے لئے

ادارۃ المدرف جامعہ دارالعلوم کراچی بیت القرآن اردو بازار کراچی
بیت انعمین اشرف احمد ارس کشن اقبال بازار کراچی
بیت احباب المدرف اشرف احمد ارس کشن اقبال کراچی
کتب اسلامیا بین پور بازار فیصل آباد
کتب المدرف محمد بخش - پشاور
ادارہ اسلامیات - ۱۹۰۰ لاہور بیت العلوم 20۰۰ لاہور
کتب سید احمد شہید اردو بازار لاہور
پونڈرشی کتب انجمنی خیر بازار پشاور
کتب اسلامیا میاں گلی اقبال سیت آباد
کتب ندر شیدہ - حدیث ماریت رجب بازار راولپنڈی

انٹرنیٹ میں ملنے کے لئے

ISLAMIC BOOKS CENTRE
100-101, 102-103, 104-105
GATEWAY CENTRE

AZHAR ACADEMY LTD.
100-101, 102-103, 104-105
GATEWAY CENTRE, KARACHI

امامیہ میں ملنے کے لئے

DARUL-ULOOM AL-MADANIA
S. S. P. S. STREET
GATEWAY CENTRE, KARACHI

MADRASAH ISLAMIAH BOOK STORE
100-101, 102-103, 104-105
GATEWAY CENTRE, KARACHI

دیباچہ از مؤلف

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِهِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی

رسول اللہ ﷺ کا یہ نہایت عظیم اور روشن ترین معجزہ ہے کہ باوجودیکہ آپ اُمی تھے، اپنا نام تک نہیں لکھ سکتے تھے، لیکن آپ کی ہدایت و تعلیم نے دنیا کا عظیم ترین کتب خانہ پیدا کر دیا۔ اس کتب خانہ کو دو حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ ایک وہ جس کا تعلق آپ ﷺ کے لائے ہوئے قرآن مجید سے ہے، جو دراصل کلام اللہ ہے، جس کے الفاظ بھی آسمانی اور الہامی ہیں۔ اور دوسرا وہ جس کا تعلق آپ ﷺ کے ارشادات و ہدایات اور آپ ﷺ کی پیغمبرانہ زندگی سے ہے، جس کو حدیث کہا جاتا ہے۔

قرآن مجید میں غور و خوض سے جو سینکڑوں علوم پیدا ہوئے، ان میں جو لاکھوں کتابیں لکھی گئیں اور جو وسیع و مستقل کتب خانہ صرف اسی سے متعلق وجود میں آیا جس میں برابر اضافہ ہو رہا ہے اس وقت اس کے بارے میں کچھ عرض کرنا نہیں ہے۔ صرف حدیث سے متعلق جو علوم مدون ہوئے اور ان میں جو کتابیں لکھی گئیں یقیناً ان کا شمار بھی لاکھوں سے کم نہیں ہے۔ احادیث کے جو ہزاروں مجموعی مسانید، معاجم، جوامع اور سنن وغیرہ کی شکلوں میں عہد نبوی ﷺ سے اس وقت تیار ہوئے، پھر ان کے راویوں کو سوانح و تراجم، ان کی تنقید اور جرح و تعدیل پر جو بے شمار کتابیں لکھی گئیں، پھر احادیث کی تشریح، حل لغات ان سے احکام کے استخراج و استنباط اور حکم و اسرار پر جو کتابیں مختلف زمانوں اور مختلف زبانوں میں امت کے اہل علم نے لکھیں، جن میں اضافہ کا سلسلہ برابر جاری ہے، اگر ان سب کا صرف ایک ایک نسخہ جمع کیا جائے تو اس میں ذرا بھی مبالغہ نہیں کہ کوئی وسیع سے وسیع عمارت بھی صرف حدیث سے متعلق اس ذخیرے کے لئے کافی نہیں ہوگی۔

واقعہ یہ ہے کہ حدیث نبوی ﷺ کی خدمت کے سلسلہ میں ہر دور اور ہر علاقے کے مخصوص تقاضوں

① احادیث کا جو مجموعہ اس طرح تیار کیا جانے کہ ہر صحابی کی مرویات اس میں یکجا اور الگ الگ ہوں، اس کو محدثین کی اصطلاح میں مسند کہتے ہیں، جیسے مسند احمد، مسند حمیدی وغیرہ۔ اور اگر بجائے صحابی کے مؤلف نے اسی طرح اپنے ہر استاد کی مرویات الگ الگ جمع کی ہوں تو ایسے مجموعہ کو مجمع کہتے ہیں، جیسے طبرانی کی معجم کبیر، معجم اوسط، معجم صغیر اور اگر احادیث کو مضامین اور ابواب کے لحاظ سے مرتب کیا گیا ہو تو دین و شریعت کے تمام ابواب پر حاوی ہونے کی صورت میں اس کو جامع کہا جاتا ہے، جیسے صحیح بخاری، صحیح مسلم اور صحیح ترمذی وغیرہ۔ اور اگر اس میں فقہی ابواب ہی کو زیادہ اہمیت سے جمع کیا گیا ہو تو اس کو سنن کہا جاتا ہے۔ جیسے سنن ابی داؤد اور سنن نسائی وغیرہ۔ ۱۲

کے مطابق اسلام کی مژشتہ تیرہ صدیوں میں اللہ تعالیٰ نے اس امت کے خادمان حدیث سے جو کام لیا ہے اور جس طرح لیا ہے وہ اہل بصیرت کے لئے اللہ تعالیٰ کی حکمت بالغہ اور قدرت کاملہ کی خاص نشانی اور رسول اللہ ﷺ کے خاتم النبیین ہونے کی روشنی دلیل ہے۔

یہ سلسلہ ”معارف الہدیث“ بھی (جس کی یہ چوتھی جلد آپ کے سامنے ہے) مصنف کی علمی تہی مائیگی اور بے حیثیتی سے قطع نظر اپنے مبارک موضوع کے لحاظ سے اسی سلسلہ کی ایک سڑی ہے۔

اس رب کریم کا شکر ادا کرنے سے زبان قاصر ہے جس نے اپنے ایک نابل اور گناہ گار بندے کو یہ توفیق بخشی کہ وہ بھی خادمان حدیث کے زمرے میں شامل ہو۔۔۔ سبحان اللہ! ایک غریب مسکین بڑھیا کو بھی توفیق ملی کہ وہ اپنی کل مایہ باتھ کا کا تا ہوا چند تولے سوت لے کر خریداران یوسف کی قطار میں کھڑی ہو جائے۔ **سَلِّمُ الْوَسْطَى الْحَمْدُ**۔

من آں خاتم کہ ابر نو بہاری کند از اطف بر من قطرہ باری
اگر روید از تن صد زبانم چو س من شکر لطفش کے توانم

❦ ❦ ❦

حدیث نبوی ﷺ کا مستند ذخیرہ رسول اللہ ﷺ کی پیغمبرانہ زندگی کا ریکارڈ ہے جو آپ ﷺ کی زندہ شخصیت کے قائم مقام ہے، جن اہل ایمان نے اس حیا و دنیا میں آپ کو نہیں پایا وہ اس حدیثی ذخیرے کے ذریعہ بڑی حد تک آپ کو پا سکتے ہیں، اور قریب قریب ویسے ہی قطعی اطمینان کے ساتھ آپ کے ارشادات کی تعمیل اور آپ کے اسوۂ حسنہ کی پیروی کر سکتے ہیں جس اطمینان کے ساتھ قرن اول کے وہ خوش نصیب مؤمنین کرتے تھے جنہوں نے ایمان کے ساتھ آپ ﷺ کو اس زندگی میں ہی پایا تھا۔

اس سلسلہ میں ”معارف الہدیث“ کی تالیف کا اصل مقصد یہی ہے کہ ہمارے جو بھائی اصل کتاب حدیث کا مطالعہ کر کے آنحضرت ﷺ کی حیا و طیبہ اور آپ کی تعلیم و ہدایت کے بارے میں وہ واقفیت حاصل نہیں کر سکتے جو تب حدیث ہی سے حاصل ہو سکتی ہے، اور اس راستے سے دربار نبوی ﷺ تک نہیں پہنچ سکتے ان کے لئے بھی یہ راستہ کھل جائے اور وہ بھی اس بارگاہ عالی تک رسائی حاصل کر سکیں۔

امید ہے کہ جو صاحب ایمان بندے رسول اللہ ﷺ کی محبت اور عظمت قلب میں بیدار کر کے چنی طلب اور اب کے ساتھ اس سلسلہ کا مطالعہ کریں گے انشاء اللہ انہیں یہ دولت نصیب ہوگی اور ان حدیث نبوی کے خاص انوار و برکات سے ان کو حصہ ملے گا، اور حضور انور ﷺ کے ساتھ وہ ایک خاص قرب و نسبت محسوس کریں گے۔

❦ ❦ ❦

جیسا کہ اس سلسلہ ”معارف الہدیث“ کے ناظرین کو معلوم ہے اس کی نوعیت یہ نہیں ہے کہ حدیث کی کوئی کتاب سامنے رکھ لی گئی ہو اور تشریحات کے ساتھ اس کا ترجمہ کیا جا رہا ہو، بلکہ اس کی تالیف میں

طریقہ کار یہ اختیار کیا گیا ہے کہ پہلے موضوع اور باب سے متعلق وسیع ذخیرہ حدیث کا مطالعہ کر کے ان احادیث کا انتخاب کیا جاتا ہے جس کو مذکورہ بالا مقصد کے لحاظ سے اس میں شامل کرنا ہوتا ہے۔ اسی نقطہ نظر سے انہیں ترتیب دیا جاتا ہے اور ان کا ترجمہ اور حسب ضرورت تشریح میں کچھ لکھا جاتا ہے۔ اکثر و بیشتر ہر باب کے شروع میں دور حاضر کے خاص فکری رجحانات کو پیش نظر رکھتے ہوئے حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے طریقے پر اس باب سے متعلق حضور ﷺ کی تعلیم و ہدایت کے حکم و مصالح پر بھی کلام کیا جاتا ہے..... اس پورے کام میں بنیادی نقطہ نظر یہی رہتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کی ہدایت و تعلیم اور آپ ﷺ کی پیغمبرانہ زندگی کی تصویر اس طرح سامنے آجائے کہ اس کا مطابق فطرت، سراسر مبنی بر حکمت اور انسانیت کے لئے باعث صلاح و فلاح ہونا بھی کھلتا چلا جائے اور ناظرین کے قلوب میں نور یقین و اطمینان اور جذبہ عمل بھی پیدا ہو۔

❦ ❦ ❦

اس سلسلہ کی تین جلدیں پہلے شائع ہو چکی ہیں۔ جلد اول میں ابواب ایمان و آخرت کی، اور جلد دوم میں اخلاق اور رفاق کی حدیثیں جمع کر کے پیش کی گئی تھیں۔ جلد سوم میں ابواب طہارت اور عبادات اربعہ (نماز، زکوٰۃ، روزہ اور حج) کی حدیثیں جمع کر کے نذر ناظرین کرنے کا ارادہ تھا، لیکن ضخامت کے بہت زیادہ بڑھ جانے کی وجہ سے اس جلد کو کتاب الصلوٰۃ ہی پر ختم کر دیا گیا تھا، باقی حصہ (یعنی کتاب الزکوٰۃ، کتاب الصوم، کتاب الحج) اس چوتھی جلد میں پیش کیا جا رہا ہے۔

❦ ❦ ❦

انبیاء علیہم السلام کی بعثت کا خاص مقصد یہ ہے کہ وہ بندوں کو ان کے ماکہ پروردگار سے وابستہ کریں اور اس کا عبادت گزار بنائیں جو کہ ان کی تخلیق کا مقصد ہے (وما خلقت الجن والانس الا لنعبدنہ) اسی لئے وہ ایمان باللہ اور توحید کی دعوت دینے کے بعد سب سے پہلے ان کو اللہ کی عبادت کی طرف بلا رہے ہیں..... انسانی اعمال میں عبادات ہی کی یہ خصوصیت ہے کہ ان کے ذریعہ بند اللہ تعالیٰ کے حضور میں اپنی عہدیت اور فدیہ کا اظہار کرتا ہے اور ان کی تاثیر سے اس کی زندگی عہدیت کے رنگ میں رنگتی ہے۔ نیز عبادات ہی کے ذریعہ علماء اعلیٰ سے خاص رابطہ اور حق تعالیٰ کا تقرب حاصل ہوتا ہے، اور اس میں مسلسل ترقی ہوتی ہے..... اسی لئے آسمانی شریعتوں میں ایمان کے بعد سب سے اہم اور مقدم ختم اور مطالبہ عبادات کا رہا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے بھی شہادت توحید و رسالت کے بعد نماز، زکوٰۃ، روزہ اور حج کو اسلام کے بنیادی ارکان قرار دیا ہے دراصل یہی چار بنیادی عبادات ہیں اور انسانی سعادت و شقاوت کا بہت کچھ دار و مدار انہیں پر ہے۔

ان میں سے نماز کے متعلق رسول اللہ ﷺ کے ہدایات و تعلیمات اور آپ کے معمولات کی حدیثیں جلد سوم میں ذکر کی جا چکی ہیں..... باقی ارکان ثلاثہ (زکوٰۃ، روزہ اور حج) سے متعلق احادیث اس جلد میں پیش کی جا رہی ہیں..... پہلے خیال تھا کہ ”انوار ہدایت“ کی احادیث بھی اسی جلد میں آجائیں گی، لیکن جب ان کو

جمع کیا گیا تو اندازہ ہوا کہ وہ ایک مستقل جلد ہی میں آسکیں گی۔ انشاء اللہ اب اگلی پانچویں جلد "کتاب الاذکار والدعوات" ہی کی ہوگی..... اللہ تعالیٰ توفیق دے کہ اس کی تیاری اور اشاعت میں زیادہ تاخیر نہ ہو۔



اس چوتھی جلد کی احادیث بھی پہلی تینوں جلدوں کی طرح زیادہ تر مشکوٰۃ المصابیح یا جمع الفوائد سے لی گئی ہیں اور تخریج کے بارے میں انہی پر اعتماد کیا گیا ہے۔ اور اس بارے میں صاحب مشکوٰۃ کے طریقے کی پیروی کی گئی ہے کہ تخریج میں صحیح بخاری و صحیح مسلم یا ان میں سے کسی ایک کے حوالہ کے بعد دوسری کسی کتاب کا حوالہ نہیں دیا گیا ہے، کیونکہ ان کا حوالہ دوسری کتابوں کے حوالہ سے مستغنی کر دیتا ہے۔ بعض حدیثیں کنز العمال سے بھی لی گئی ہیں اور کچھ حدیثیں براہ راست کتب صحاح صحیح بخاری، صحیح مسلم، جامع ترمذی اور سنن ابی داؤد وغیرہ سے بھی لی گئی ہیں۔ یہ وہ احادیث ہیں جو ان الفاظ کے ساتھ مشکوٰۃ اور جمع الفوائد میں مذکور نہیں ہیں۔



ناظرین سے آخری گزارش یا وصیت

پہلی تینوں جلدوں کے دیباچہ میں بھی یہی کی گئی تھی اور اب بھی یہی ہے کہ حدیث نبوی ﷺ کا مطالعہ صرف اضافہ معلومات کے لئے اور علمی سیر کے طور پر ہرگز نہ کیا جائے بلکہ آنحضرت ﷺ کے ساتھ اپنے ایمانی تعلق کو تازہ کرنے کے لئے اور رشد و ہدایت حاصل کرنے اور عمل کرنے کی نیت سے کیا جائے۔ نیز درس و مطالعہ کے وقت رسول اللہ ﷺ کی عظمت و محبت کو دل میں بیدار کر کے اس طرح ادب اور توجہ سے پڑھایا سنا جائے کہ گویا حضور ﷺ کی مجلس مبارک میں ہم حاضر ہیں اور آپ ﷺ فرما رہے ہیں اور ہم سن رہے ہیں..... اگر ایسا کیا گیا تو قلب و روح کو ان انوار و برکات اور ایمانی کیفیات کا کچھ نہ کچھ حصہ انشاء اللہ ضرور نصیب ہو گا جو عہد نبوی ﷺ کے ان خوش نصیبوں کو حاصل ہوتی تھیں جن کو اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ سے براہ راست روحانی و ایمانی استفادہ کی توفیق بخشی تھی۔

آخری کلمہ اللہ کی حمد ہے، اور اس سلسلہ کے اتمام کے لئے حسن توفیق کی استدعا اور غلطیوں اور گناہوں کی معافی کی التجا۔

اللہ کی رحمت اور اس کے بندوں کی دعاؤں کا محتاج و طلب گار

عاجز و گنہگار بندہ

محمد منظور نعمانی عفا اللہ عنہ

۲ ذوالحجہ ۱۳۸۶ھ ۱۵ مارچ ۱۹۶۷ء

معارف الحديث

حصہ چہارم

کتاب الزکوٰۃ

قال الله تعالى

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا إِمَّا رَزَقْنَاكُمْ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَأْتِيَ يَوْمٌ
لَا بِنَعِ فِيهِ وَلَا خُلَّةٌ وَلَا خَفَافَةٌ وَالْكَافِرُونَ هُمُ الظَّالِمُونَ ۝

(سورہ ابراہیم: ۲۴)

اے ایمان والو! جو مال و متاع ہم نے تم کو بخشا ہے تم اس میں سے
(ہماری راہ میں ہمارے حکم کے مطابق) خرچ کرو، قبل اس کے کہ
(قیامت کا) وہ دن آجائے جس میں نہ کوئی خرید و فروخت ہو سکے گی نہ
کسی کی دنیوی دوستی کام آئے گی، اور نہ کوئی سفارش (کسی قابلِ سزا
مجرم کو بچا سکے گی) اور نہ ماننے والے اسلی خاتم ہیں (جن کو قیامت میں
اپنے ظلم کا خمیازہ جہنمنا پڑے گا)۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دین میں زکوٰۃ کی اہمیت اور اس کا مقام

یہ ایک معلوم و معروف حقیقت ہے کہ شہادت توحید و رسالت اور اقامت صلوٰۃ کے بعد زکوٰۃ اسلام کا تیسرا رکن ہے۔ قرآن مجید میں ستر سے زیادہ مقامات پر اقامت صلوٰۃ اور اداء زکوٰۃ کا ذکر اس طرح ساتھ ساتھ کیا گیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ دین میں ان دونوں کا مقام اور درجہ قریب قریب ایک ہی ہے۔ اسی لئے جب رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد بعض علاقوں کے ایسے لوگوں نے جو بظاہر اسلام قبول کر چکے تھے اور توحید و رسالت کا اقرار کرتے اور نمازیں پڑھتے تھے زکوٰۃ سے انکار کیا تو صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے ان کے خلاف جہاد کا اسی بنیاد پر فیصلہ کیا تھا کہ یہ نماز اور زکوٰۃ کے حکم میں تفریق کرتے ہیں جو اللہ اور رسول کے دین سے انحراف اور ارتداد ہے..... صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی مشہور روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو جواب دیتے ہوئے انہوں نے فرمایا:

وَاللَّيْلُ مَنْ لَرَى بَيْنَ الصَّلَاةِ وَالزَّكَاةِ

خدا کی قسم نماز اور زکوٰۃ کے درمیان جو لوگ تفریق کریں گے، میں ضرور ان کے خلاف جہاد کروں گا۔

پھر تمام صحابہ کرام نے ان کے اس نقطہ نظر کو قبول کر لیا اور اس پر سب کا اجماع ہو گیا۔

اسی سلسلہ ”معارف المحدث“ کی پہلی جلد کے بالکل شروع میں رسول اللہ ﷺ کی وہ حدیثیں ذکر کی جا چکی ہیں جن میں آپ ﷺ نے اسلام کے ارکان اور بنیادی احکام و مطالبات کا ذکر کرتے ہوئے توحید و رسالت کی شہادت کے بعد اقامت صلوٰۃ اور ایتاء زکوٰۃ ہی کا ذکر کیا ہے۔ بہر حال قرآن پاک اور رسول اللہ ﷺ کے ارشادات و خطبات میں اقامت صلوٰۃ اور ایتاء زکوٰۃ کا ذکر عموماً اس طرح ساتھ ساتھ کیا گیا ہے جس سے مفہوم ہوتا ہے کہ ان دونوں کا درجہ قریب قریب ایک ہی ہے اور ان دونوں کے درمیان کوئی خاص رابطہ ہے۔

زکوٰۃ کے تین پہلو

زکوٰۃ میں نیکی اور افادیت کے تین پہلو ہیں: ایک یہ کہ مؤمن بندہ جس طرح نماز کے قیام اور رکوع و سجود کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کے حضور میں اپنی بندگی اور تذلل و نیاز مندی کا مظاہر جسم و جان و زبان سے کرتا ہے تاکہ اللہ تعالیٰ کی رضا و رحمت اور اس کا قرب اس کو حاصل ہو اسی طرح زکوٰۃ ادا کر کے وہ اس کی بارگاہ میں اپنی مالی نذر اسی غرض سے پیش کرتا ہے اور اس بات کا عملی ثبوت دیتا ہے کہ اس کے پاس جو کچھ ہے وہ اسے اپنا نہیں بلکہ خدا کا سمجھتا اور یقین کرتا ہے، اور اس کی رضا اور اس کا قرب حاصل کرنے کے لئے وہ اس کو قربان کرتا اور نذرانہ چڑھاتا ہے..... زکوٰۃ کا شمار ”عبادات“ میں اسی پہلو سے ہے۔ دین و شریعت کی خاص اصطلاح میں ”عبادت“ (جیسے کہ پہلے بھی اپنے موقع پر ذکر کیا جا چکا ہے) بندے کے انہی اعمال کو کہا جاتا

ہے جن کا خاص مقصد و موضوع اللہ تعالیٰ کے حضور میں اپنی عبادت اور بندگی کے تعلق کو ظاہر کرنا اور اس کے ذریعہ اس کا رحم و کرم اور اس کا قرب و صوفندہنا ہو۔

دوسرا پہلو زکوٰۃ میں یہ ہے کہ اس کے ذریعہ اللہ کے ضرورت مند اور پریشان حال بندوں کی خدمت و اعانت ہوتی ہے۔ اس پہلو سے زکوٰۃ اخلاقیات کا نہایت ہی اہم باب ہے۔

تیسرا پہلو اس میں افادیت کا یہ ہے کہ حب مال اور دولت پرستی جو ایک ایمان کش اور نہایت مہلک روحانی بیماری ہے، زکوٰۃ اس کا علاج اور اس کے گندے اور زہریلے اثرات سے نفس کی تطہیر اور تزکیہ کا ذریعہ ہے۔ اسی بناء پر قرآن مجید میں ایک جگہ فرمایا گیا ہے:

خُذْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيهِمْ بِهَا . (سورہ توبہ، ۱۰۳)

اے نبی! ()! آپ مسلمانوں کے اموال میں سے صدقہ (زکوٰۃ) وصول کیجئے جس کے ذریعہ ان کے قلوب کی تطہیر اور ان کے نفوس کا تزکیہ ہو۔

دوسری جگہ فرمایا گیا ہے:

وَسَيُجَنَّبُهَا الَّذِينَ الٰلَّذِي يُؤْتِي مَالَهُ يَتَزَكَّىٰ . (سورہ اہل)

اور اس آتش دوزخ سے نہایت متقی بندہ دور رکھا جائے گا جو اپنا مال راہ خدا میں اس لئے دیتا ہو کہ اس کی روح اور اس کے دل کو پاکیزگی حاصل ہو۔

بلکہ زکوٰۃ کا نام غالباً اسی پہلو سے زکوٰۃ رکھا گیا ہے، کیونکہ زکوٰۃ کے اصل معنی ہی پاکیزگی کے ہیں۔

زکوٰۃ کا حکم انکی شریعت میں

زکوٰۃ کی اس غیر معمولی اہمیت اور افادیت کی وجہ سے اس کا حکم اگلے پیغمبروں کی شریعتوں میں بھی نماز کے ساتھ ہی ساتھ برابر رہا ہے۔

سورہ انبیاء میں حضرت ابراہیم اور ان کے صاحبزادے حضرت احق اور پھر ان کے صاحبزادے حضرت یعقوب علیہم السلام کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا گیا ہے:

وَأَوْحَيْنَا إِلَيْهِمْ فِعْلَ الْخَيْرَاتِ وَالْإِسْلَامَ وَالصَّلَاةَ وَإِيتَاءَ الزُّكُوةِ وَكَانُوا لَنَا عَابِدِينَ . (سورہ انبیاء، ۷۳)

اور ہم نے ان کو حکم بھیجا نیکیوں کے کرنے کا (خاص کر) نماز قائم کرنے اور زکوٰۃ دینے کا، اور وہ ہمارے عبادت گزار بندے تھے۔

اور سورہ مریم میں حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بارے میں فرمایا گیا ہے:

وَكَانَ يَأْمُرُ أَهْلَهُ بِالصَّلَاةِ وَالزُّكُوةِ . (مریم، ۵۵)

اور وہ اپنے گھروالوں کو نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیتے ہیں۔

اور اسرائیلی سلسلے کے آخری پیغمبر حضرت عیسیٰ بن مریم کے متعلق ہے کہ انہوں نے اپنی قوم کے

لوگوں سے فرمایا:

إِنِّي عَنِدُ اللَّهِ الْكَتَابَ وَجَعَلَنِي نَبِيًّا - وَجَعَلَنِي مُبَارَكًا أَيْنَمَا كُنْتُ وَ أَوْصَانِي
بِالصَّلَاةِ وَالزَّكَاةِ مَا ذُكِّرْتُ حَيًّا - (سورہ مریم ۱۹: ۳۱)

میں اللہ کا ایک بندہ ہوں، اس نے مجھے کتاب عطا فرمائی ہے اور نبی بنایا ہے، اور جہاں کہیں میں ہوں مجھے اس نے بابرکت بنایا ہے اور جب تک میں زندہ رہوں گا مجھے نماز اور زکوۃ کی وصیت فرمائی ہے۔
اور سورہ بقرہ میں جہاں بنی اسرائیل کے ایمانی مشاق اور بنیادی احکام کا ذکر کیا گیا ہے جن کی ادائیگی اور ان سے عہد لیا گیا تھا ان میں ایک حکم یہ بھی بیان کیا گیا ہے:

وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ (بقرہ ۲: ۸۳)

اور نماز قائم کرتے رہنا اور زکوۃ ادا کیا کرنا۔

اسی طرح جہاں سورہ باندہ میں بنی اسرائیل کے اس عہد و میثاق کا ذکر کیا گیا ہے، وہاں یہ بھی فرمایا گیا ہے:

وَقَالَ اللَّهُ إِنِّي مَعَكُمْ لَئِنْ أَقَمْتُمُ الصَّلَاةَ وَآتَيْتُمُ الزَّكَاةَ وَآمَنْتُمْ بِرُسُلِي - (مائتہ ۵: ۱۶)

اور اللہ نے فرمایا، میں (اپنی مدد کے ساتھ) تمہارے ساتھ ہوں اگر تم قائم کرتے رہے نماز، اور ادا کرتے رہے زکوۃ، اور ایمان لاتے رہے میرے رسولوں پر۔

قرآن مجید کی ان آیات سے ظاہر ہے کہ نماز اور زکوۃ ہمیشہ سے آسمانی شریعتوں کے خاص ارکان اور شعائر رہے ہیں، ہاں ان کے حدود اور تفصیلی احکام و تعینات میں فرق رہا، اور یہ فرق تو خود ہماری شریعت کے بھی ابتدائی اور آخری تکمیلی دور میں رہا ہے۔ مثلاً یہ کہ پہلے نماز تین وقت کی تھی پھر پانچ وقت کی ہو گئی اور مثلاً یہ کہ پہلے ہر فرض نماز صرف دو رکعت پڑھی جاتی تھی پھر فجر کے علاوہ باقی چار وقتوں میں رکعتیں بڑھ گئیں، اور مثلاً یہ کہ ابتدائی دور میں نماز پڑھتے ہوئے سلام کلام کی اجازت تھی اس کے بعد اس کی ممانعت ہو گئی۔ اسی طرح ہجرت سے پہلے مکہ کے زمانہ قیام میں زکوۃ کا حکم تھا۔ (چنانچہ سورہ مؤمنون، سورہ نمل، اور سورہ لقمان) کی بالکل ابتدائی آیتوں میں اہل ایمان کی لازمی صفات کے طور پر اقامت صلوٰۃ اور ایتاء زکوۃ کا ذکر موجود ہے۔ حالانکہ یہ تینوں سورتیں مکی دور کی ہیں) لیکن اس دور میں زکوۃ کا مطلب صرف یہ تھا کہ اللہ کے حاجت مند بندوں پر اور خیر کی دوسری راہوں میں اپنی کمائی صرف کی جائے۔ نظام زکوۃ کے تفصیلی احکام اس وقت نہیں آئے تھے وہ ہجرت کے بعد مدینہ طیبہ میں آئے۔ پس جن مؤرخین اور مصنفین نے یہ لکھا ہے کہ زکوۃ کا حکم ہجرت کے بعد دوسرے سال میں یا اس کے بھی بعد میں آیا، اس کا مطلب غالباً یہی ہے کہ اس کی حدود و تعینات اور تفصیلی احکام اس وقت آئے، ورنہ زکوۃ کا مطلق حکم تو یقیناً اسلام کے ابتدائی دور میں ہجرت سے کافی پہلے آپ کا تھا۔ یہ بات قرآن مجید کی محولہ بالا لکی سورتوں کی ان آیات کے علاوہ جن کی طرف ابھی اشارہ کیا گیا ہے ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی اس روایت سے بھی ثابت ہوتی ہے جس میں انہوں نے حبشہ کی ہجرت کا واقعہ بیان کرتے ہوئے حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ کی اس گفتگو کا

ذکر کیا ہے جو انہوں نے حبشہ کے بادشاہ نجاشی کے سوال کے جواب میں اسلام اور رسول اللہ ﷺ کے تعارف میں کی تھی۔ اس میں رسول اللہ ﷺ کی دعوت و تعلیم کے بارے میں ان کے یہ الفاظ بھی ہیں:

وَيَأْمُرُنَا بِالصَّلَاةِ وَالزَّكَاةِ الخ ”اور وہ ہمیں نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیتے ہیں۔“

اور یہ معلوم ہے کہ حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ اور ان کے رفقاء رسول اللہ ﷺ کی ہجرت مدینہ سے بہت پہلے اسلام کے ابتدائی دور میں حبشہ جا چکے تھے۔

اسی طرح صحیح بخاری وغیرہ کی روایت کے مطابق شاہ روم کے سوال کے جواب میں رسول اللہ ﷺ کے متعلق (اس وقت کے آپ ﷺ کے شدید دشمن) ابوسفیان کا یہ بیان کہ:

يَأْمُرُنَا بِالصَّلَاةِ وَالزَّكَاةِ وَالْعَقَابِ الخ

وہ نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیتے ہیں، اور صلہ رحمی اور پاکدامنی کی ہدایت کرتے ہیں۔

اس کا واضح ثبوت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہجرت سے پہلے مکہ معظمہ کے زمانہ قیام میں بھی نماز اور زکوٰۃ کی دعوت دیتے تھے ہاں نظام زکوٰۃ کے تفصیلی مسائل اور حدود و تعینات ہجرت کے بعد آئے، اور مرکزی طور پر اس کی تکمیل وصول کا نظام تو ۸ھ کے بعد قائم ہوا اس تمہید کے بعد زکوٰۃ کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کے ارشادات پڑھئے۔

ایمان اور نماز کے بعد زکوٰۃ کی دعوت

(۱) عَنْ أَبِي عُبَايَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ بَعَثَ مُعَاذًا إِلَى الْيَمَنِ لَقَالَ إِنَّكَ تَأْتِي قَوْمًا أَهْلَ كِتَابٍ لَدَعُوهُمْ إِلَى شَهَادَةِ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ ﷺ لِأَنَّ هُمْ أَطَاعُوا لِلَّهِ لَدَعُوهُمْ أَنْ اللَّهَ لَمْ يَرْضَ عَلَيْهِمْ خَمْسَ صَلَوَاتٍ فِي الْيَوْمِ وَاللَّيْلَةِ لِأَنَّ هُمْ أَطَاعُوا لِلَّهِ لَدَعُوهُمْ أَنْ اللَّهَ لَمْ يَرْضَ عَلَيْهِمْ صَدَقَةً تُؤْخَذُ مِنْ أَغْنِيَائِهِمْ لِقُرْبَائِهِمْ لِقُرْبَائِهِمْ لِأَنَّ هُمْ أَطَاعُوا لِلَّهِ لَدَعُوهُمْ لَأَنَّكَ وَكُرَائِمُ أَمْوَالِهِمْ وَاتَّقِ دَعْوَةَ الْمَظْلُومِ لِأَنَّهُ لَيْسَ بَيْنَهَا وَبَيْنَ اللَّهِ حِجَابٌ (رواہ البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن کی طرف بھیجا تو (رخصت کرتے ہوئے ان سے) فرمایا کہ تم وہاں ایک صاحب کتاب قوم کے پاس پہنچو گے (جب تم ان کے پاس پہنچو) تو (سب سے پہلے) ان کو اس کی دعوت دینا کہ وہ (اس حقیقت کو مانیں اور) اس کی شہادت ادا کریں کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت اور بندگی کے لائق نہیں، اور محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔ پھر اگر وہ تمہاری یہ بات مان لیں تو تم ان کو بتلانا کہ اس اللہ نے تم پر دن رات میں پانچ نمازیں فرض کی ہیں۔ پھر اگر وہ اس کو بھی مان لیں تو ان کو بتلانا کہ اللہ نے ان پر صدقہ (زکوٰۃ) فرض کی ہے جو ان میں کے مالداروں سے وصول کی جائے گی اور انہی میں کے فقاء اور غرباء کو دے دی جائے گی۔ پھر اگر وہ اس کو بھی مان لیں تو (زکوٰۃ کی اس وصولیابی کے سلسلے میں چھانٹ چھانٹ کے) ان کے

اچھے نفیس اموال لینے سے پرہیز کرنا (بلکہ اوسط کے حساب سے وصول کرنا، اور اس بارے میں کوئی ظلم و زیادتی کسی پر نہ کرنا) اور مظلوم کی بددعا سے بچنا، کیونکہ اس کے اور اللہ کے درمیان کوئی روک نہیں ہے (وہ بلا روک ٹوک سیدھی بارگاہِ خداوندی میں پہنچتی ہے اور قبول ہوتی ہے۔) (تفسیر ابن کثیر، ج ۱، ص ۱۰۱)

تشریح..... یہ حدیث اگرچہ اس سلسلہ معارف الہدیہ کی پہلی جلد کتاب الایمان میں گزر چکی ہے اور وہاں اس کی تشریح بھی کافی تفصیل سے کی جا چکی ہے لیکن امام بخاریؒ وغیرہ کے طریقے پر یہی مناسب معلوم ہوا کہ کتاب الزکوٰۃ کا آغاز بھی اسی حدیث سے کیا جائے۔

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن کا والی اور قاضی بنا کر بھیجے کا یہ واقعہ جس کا ذکر اس حدیث میں ہے اکثر علماء اور اہل سیر کی تحقیق کے مطابق ۹ھ کا ہے اور امام بخاریؒ اور بعض دوسرے اہل علم کی رائے یہ ہے کہ ۱۰ھ کا واقعہ ہے۔ یمن میں اگرچہ اہل کتاب کے علاوہ بت پرست مشرکین بھی تھے، لیکن اہل کتاب کی خاص اہمیت کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ نے ان کا ذکر کیا اور اسلام کی دعوت و تبلیغ کا یہ حکیمانہ اصول تعلیم فرمایا کہ اسلام کے سارے احکام و مطالبات ایک ساتھ مخاطبین کے سامنے نہ رکھے جائیں، اس صورت میں اسلام انہیں بہت کنھن اور ناقابلِ برداشت بوجھ محسوس ہوگا، اس لئے پہلے ان کے سامنے اسلام کی اعتقادی بنیاد صرف توحید و رسالت کی شہادت رکھی جائے جس کو ہر معقولیت پسند اور ہر سلیم الفطرت اور نیک دل انسان آسانی سے ماننے پر آمادہ ہو سکتا ہے، خصوصاً اہل کتاب کے لئے وہ جانی بوجھی بات ہے..... پھر جب مخاطب کا ذہن اور دل اس کو قبول کر لے اور وہ اس فطری اور بنیادی بات کو مان لے تو اس کے سامنے فریضہ نماز رکھا جائے جو جانی، جسمانی اور زبانی عبادت کا نہایت حسین اور بہترین مرقع ہے اور جب وہ اس کو قبول کر لے تو اس کے سامنے فریضہ زکوٰۃ رکھا جائے اور اس کے بارے میں خصوصیت سے یہ وضاحت کر دی جائے کہ یہ زکوٰۃ اور صدقہ اسلام کا داعی اور مبلغ تم سے اپنے لئے نہیں مانگتا بلکہ ایک مقررہ حساب اور قاعدے کے مطابق جس قوم اور علاقہ کے دولت مندوں سے یہ لی جائے گی اسی قوم اور علاقہ کے پریشان حال ضرورت مندوں میں خرچ کر دی جائے گی۔ دعوت اسلام کے بارے میں اس ہدایت کے ساتھ رسول اللہ ﷺ نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو یہ تاکید بھی فرمائی کہ زکوٰۃ کی وصولی میں پورے انصاف سے کام لیا جائے، ان کے مویشی اور ان کی پید اور ان میں بھی چھانٹ چھانٹ کے بہتر مال نہ لیا جائے۔

سب سے آخر میں نصیحت فرمائی کہ تم ایک علاقے کے حاکم اور والی بن کر جا رہے ہو، ظلم و زیادتی سے بہت بچنا، اللہ کا مظلوم بندہ جب ظالم کے حق میں بددعا کرتا ہے تو وہ سیدھی عرش پر پہنچتی ہے۔

بہ ترس از آہ مظلوماں کہ ہنگام دعا کردن

اجابت از در حق بہر استقبال می آید

اس حدیث میں دعوت اسلام کے سلسلے میں صرف شہادت توحید و رسالت، نماز اور زکوٰۃ کا ذکر کیا گیا ہے، اسلام کے دوسرے احکام حتیٰ کہ روزہ اور حج کا بھی ذکر نہیں فرمایا گیا ہے، جو نماز اور زکوٰۃ ہی کی طرح

اسلام کی ارکان خمسہ میں سے ہیں، حالانکہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ جس زمانہ میں یمن بھیجے گئے تھے روزہ اور حج دونوں کی فرضیت کا حکم اچکا تھا۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے اس ارشاد کا مقصد دعوت اسلام کے اصول اور حکیمانہ طریقے کی تعلیم دینا تھا اس لئے آپ ﷺ نے صرف ان تین ارکان کا ذکر فرمایا، اگر ارکان اسلام کی تعلیم دینا مقصود ہوتا تو آپ ﷺ سب ارکان کا ذکر فرماتے، لیکن حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو اس کی تعلیم کی ضرورت نہیں تھی، وہ ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے تھے جو علم دین میں خاص امتیاز رکھتے تھے۔

زکوٰۃ ادا نہ کرنے کا عذاب

(۲) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مَنْ آتَاهُ اللَّهُ مَالًا فَلَمْ يُؤَدِّ زَكَوَتَهُ مُثِّلَ لَهُ يَوْمَ الْقِيَمَةِ حُجَابًا أَلْفَرَعُ لَهُ زَبَبَاتَانِ يَطْوِلُهُ يَوْمَ الْقِيَمَةِ ثُمَّ يَأْخُذُ بِلَهْوَيْ مَتْنِهِ (بَعْضُ حُدُودِهِ) ثُمَّ يَقُولُ أَنَا مَالِكٌ أَنَا حُكْمُكَ ثُمَّ تَكَلَّاهُ وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِينَ يَبْخُلُونَ آيَاتِهِ (رواہ البخاری)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس آدمی کو اللہ تعالیٰ نے دولت عطا فرمائی پھر اس نے اس کی زکوٰۃ نہیں ادا کی تو وہ دولت قیامت کے دن اس آدمی کے سامنے ایسے زبریلے ناگ کی شکل میں آئے گی جس کے انتہائی زبریلے پن سے اس کے سر کے بال جھڑ گئے ہوں اور اس کی آنکھوں کے اوپر دو سفید نقطے ہوں (جس سانپ میں یہ دو باتیں پائی جائیں، وہ انتہائی زبریلہ سمجھا جاتا ہے) پھر وہ سانپ اس (زکوٰۃ ادا نہ کرنے والے بخیل) کے گلے کا طوق بنا دیا جائے گا (یعنی اس کے گلے میں لپٹ جائے گا) پھر اس کی دونوں ہاتھیں پکڑے گا (اور کانے گا) اور کہے گا کہ میں تیری دولت ہوں، میں تیرا خزانہ ہوں..... یہ فرمانے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے قرآن مجید کی یہ آیت تلاوت فرمائی:

وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِينَ يَبْخُلُونَ بِمَا أَنَا لَهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ هُوَ غَيْرًا لَّهُمْ بَلْ هُوَ خَيْرٌ لَّهُمْ سَيُكْفَرُونَ مَا يَبْخُلُونَ بِهِ يَوْمَ الْقِيَمَةِ (آل عمران ۷۵: ۱۸۰)

اور نہ گمان کریں وہ لوگ جو بخل کرتے ہیں اس مال و دولت میں جو اللہ نے اپنے فضل و کرم سے ان کو دیا ہے (اور اس کی زکوٰۃ نہیں نکالتے) کہ وہ مال و دولت ان کے حق میں بہتر ہے، بلکہ انجام کے لحاظ سے وہ ان کے لئے بدتر ہے اور شر ہے۔ قیامت کے دن ان کے گلوں میں طوق بنا کے ڈالی جائے گی وہ دولت جس میں انہوں نے بخل کیا (اور جس کی زکوٰۃ ادا نہیں کی)۔ (صحیح بخاری)

(اور جامع ترمذی، سنن نسائی اور سنن ابن ماجہ میں قریب قریب یہی مضمون لفظوں کے معمولی فرق کیساتھ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت سے بھی مروی ہے۔)

تشریح..... قرآن و حدیث میں خاص خاص اعمال کی جو مخصوص جزائیں یا سزائیں بیان کی گئی ہیں ان اعمال اور ان کی ان جزاؤں اور سزاؤں میں ہمیشہ کوئی خاص مناسبت ہوتی ہے۔ بعض اوقات وہ ایسی واضح ہوتی ہے جس

کا سمجھنا ہم جیسے عوام کے لئے بھی زیادہ مشکل نہیں ہوتا اور کبھی کبھی وہ ایسی دقیق اور خفی مناسبت ہوتی ہے جس کو صرف خواص عرفاء اور امت کے اذکیاء ہی سمجھ سکتے ہیں..... اس حدیث میں زکوٰۃ نہ دینے کے گناہ کی جو خاص سزا بیان ہوئی ہے یعنی اس دولت کا ایک زبریلے ناگ کی شکل میں اس کے گلے میں لپٹ جانا اور اس کی دونوں ہاتھوں کو کانٹا پھینکا اس گناہ اور اس کی اس سزا میں بھی ایک خاص مناسبت ہے..... یہ وہی لطیف مناسبت ہے جس کی وجہ سے اس بخیل آدمی کی جو حب مال کی وجہ سے اپنی دولت سے چٹارے اور خرچ کرنے کے موقعوں پر خرچ نہ کرے، کہتے ہیں کہ وہ اپنی دولت اور اپنے خزانے پہ سانپ بنا بیٹھا رہتا ہے، اور اسی مناسبت کی وجہ سے بخیل و خسیس آدمی کبھی کبھی اس طرح کے خواب بھی دیکھتے ہیں۔

اس حدیث میں نیز آل عمران کی مندرجہ بالا آیت میں يوم القیمة کا جو لفظ ہے، اس سے مفہوم ہوتا ہے کہ یہ عذاب دوزخ یا جنت کے فیصلے سے پہلے محشر میں ہوگا۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ہی کی ایک دوسری حدیث میں (جس کو امام مسلم نے روایت کیا ہے) زکوٰۃ ادا نہ کرنے والے ایک خاص طبقہ کے اسی طرح کے ایک خاص عذاب کے بیان کے ساتھ آخر میں یہ الفاظ بھی ہیں:

حَتَّى يَقْضَىٰ بَيْنَ الْعِبَادِ فَيُرَىٰ سَبِيلُهُ إِمَّا إِلَى الْجَنَّةِ وَإِمَّا إِلَى النَّارِ

اس عذاب کا سلسلہ اس وقت تک جاری رہے گا جب تک کہ حساب کتاب کے بعد بندوں کے بارے میں فیصلہ کیا جائے گا۔ اس فیصلے کے بعد یہ آدمی یا جنت کی طرف چلا جائے گا یا دوزخ کی طرح (جیسا بھی اس کے حق میں فیصلہ ہوگا۔)

یعنی جتنا عذاب و حساب وہ آخری فیصلے سے پہلے اٹھا چکے گا اگر اس کی بد اعمالی کی سزا کے لئے "نہ" کے نزدیک وہی کافی ہوگا تو اس کے بعد اس کو چھٹی اور نجات مل جائے گی اور وہ جنت میں بھیج دیا جائے گا، اور اگر محشر کے اس عذاب سے اس کا حساب بے باق نہ ہو ہوگا تو مزید سزا اور عذاب پانے کے لئے وہ دوزخ میں بھی بھیجا جائے گا۔ اللّٰهُمَّ احْفَظْنَا وَ اغْفِرْ لَنَا وَ لَا تُعَذِّبْنَا۔

قیامت اور جنت دوزخ کے عذاب و ثواب کے بارے میں جو اصولی باتیں معارف الہدیث جلد اول میں لکھی جا چکی ہیں جن حضرات کی نظر سے نہ گزری ہوں وہ ان کا ضرور مطالعہ کریں، ان چیزوں کے بارے میں جو ذہنی الجھنیں بہت سوں کے لئے خلبان کا باعث بنتی ہیں، انشاء اللہ اس کے مطالعہ سے دور ہو جائیں گی۔

(۳) عَنْ عَائِشَةَ لَأَلَّتْ سَمْعُ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ مَا خَالَطَ الصَّدَقَةُ مَالًا لَطًا إِلَّا أَهْلَكَهُ

(رواہ الشافعی و البخاری فی تاریخہ و الحمیدی فی مسندہ)

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا، آپ ﷺ فرماتے تھے کہ مال زکوٰۃ جب دوسرے مال میں مخلوط ہوگا تو ضرور اس کو تباہ کر دے۔

(مسند شافعی، تاریخ بخاری، مسند ترمذی)

تشریح:..... امام حمیدؒ جو امام بخاریؒ کے استاد ہیں انہوں نے اپنی مسند میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی یہ

روایت نقل کر کے اس کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ اگر کسی آدمی پر زکوٰۃ واجب ہو اور وہ اس کو ادا نہ کرے تو بے برکتی سے اس کا باقی مال بھی تباہ ہو جائے گا۔^۵

اور امام بیہقی نے شعب الایمان میں امام احمد بن حنبل کی سند سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی یہی روایت نقل کر کے لکھا ہے کہ امام احمد فرماتے ہیں کہ اس حدیث کا مطلب اور مصداق یہ ہے کہ اگر ایک غنی آدمی (جو زکوٰۃ کا مستحق نہیں ہے) غلط طریقے پر زکوٰۃ وصول کر لے تو یہ زکوٰۃ اس کے باقی مال میں شامل ہو کر اس کو بھی تباہ کر دے گی..... راقم بطور عرض کرتا ہے کہ حدیث کے الفاظ میں ان دونوں تشریحوں کی گنجائش ہے، اور ان دونوں میں کوئی تناقض اور منافات بھی نہیں ہے۔

زکوٰۃ مال کی تفسیر اور تزکیہ کا ذریعہ ہے

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ لَمَّا نَزَلَتْ هَذِهِ الْآيَةُ وَالَّذِينَ يَمْكُزُونَ اللَّعَبَ وَالْفِضَّةَ الْآيَةَ كَبُرَ ذَلِكَ عَلَى الْمُسْلِمِينَ فَقَالَ عُمَرُ أَنَا أَلْفَرَجُ عَنْكُمْ لَأَنْطَلِقَ لِقَالَ يَأْتِيَنِي اللَّهُ إِنَّهُ كَبُرَ عَلَى أَصْحَابِكَ هَذِهِ الْآيَةُ فَقَالَ إِنَّ اللَّهَ لَمْ يَهْرِضِ الزُّكُوةَ إِلَّا لِيُطِيبَ مَا بَقِيَ مِنْ أَمْوَالِكُمْ وَإِنَّمَا لَفَرَضَ الْمَوَائِدَ..... وَذَكَرَ حِكْمَةً..... لِيَكُونَ لِمَنْ بَعْدَكُمْ لِقَالَ لَكَبُرَ عُمَرُ..... ثُمَّ قَالَ آلا تُخْبِرُونَ بَعْضَ مَا يَمْكُزُ الْمَرْءُ الْمَرْأَةَ الصَّالِحَةَ إِذَا نَظَرَ إِلَيْهَا سَرَّتَهُ وَإِذَا أَمَرَهَا أَطَاعَتْهُ وَإِذَا حَاطَ بِهَا جَفَّتْهُ..... (رواد ابو داؤد)

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ جب (سورہ توبہ) کی یہ آیت نازل ہوئی:

وَالَّذِينَ يَمْكُزُونَ اللَّعَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يَنْفِقُونَهَا فِي سَبِيلِ اللَّهِ لَبِئْسَ لَهُمْ بَعْدَ آبِئِم - يَوْمَ يُعْمَىٰ عَلَيْهَا فِي نَارٍ جَهَنَّمَ تَتَكْوَىٰ بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوبُهُمْ وَأُخْفُهُمْ ۖ هَٰذَا مَا كُنْتُمْ لَا تُقْبِلُكُمْ لَلْوَلُو الْعَذَابِ بِمَا كُنْتُمْ تَمْكُزُونَ..... (توبہ ۳۴، ۳۵)

اور جو لوگ سونا چاندی (وغیرہ مال و دولت) بطور ذخیرے کے جمع کرتے اور جوڑتے رہتے ہیں اور اس کو خدا کی راہ میں خرچ نہیں کرتے، تو اے پیغمبر ()! آپ ان (پرستار ان دولت کو آخرت کے دردناک عذاب کی خوشخبری سنا دیجئے) یہ عذاب انہیں اس دن ہوگا) جس دن کہ ان کی جمع کردہ دولت کو آگ میں تپلا جائے گا، پھر اس سے ان کے ماتھے، ان کے پہلو اور ان کی پٹنیں داغی جائیں گی (اور ان سے) کہا جائے گا کہ یہ ہے (تمہاری وہ دولت) جس کو تم نے اپنے لئے جوڑا تھا اور ذخیرہ کیا تھا، پس مزہ چکھو تم اپنی دولت اندوزی کا۔

(تو جب یہ آیت نازل ہوئی جس میں ذخیرے کے طور پر مال و دولت جمع کرنے والوں کے لئے آخرت کے سخت دردناک عذاب کی وعید ہے) تو صحابہ رضی اللہ عنہم پر اس کا بہت بوجھ پڑا (اور وہ بڑی فکر میں پڑ گئے) حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے کہا میں تمہاری اس فکر اور پریشانی کو دور کرنے کی کوشش کروں

گا۔ چنانچہ وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس گئے اور عرض کیا کہ: حضرت (ﷺ)! آپ کے اصحاب پر اس آیت کا بڑا بوجھ ہے..... رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: اللہ پاک نے زکوٰۃ تو اسی لئے فرض کی ہے کہ اس کی ادائیگی کے بعد جو مال باقی رہ جائے وہ پاک ہو جائے..... اور (اسی طرح) میراث کا قانون اس لئے مقرر کیا ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ یہاں ایک کلمہ آپ نے کہا تھا جو مجھے یاد نہیں رہا (لیکن میراث کے بارے میں آپ... نے فرمایا تھا کہ میراث کا قانون اسی لئے مقرر کیا گیا ہے کہ تمہارے پسماندگان کے لئے سہارا ہو۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے (رسول اللہ ﷺ کا یہ جواب سن کر خوشی میں) کہا اللہ اکبر۔ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا: میں تم کو وہ بہترین دولت بتاؤں جو اس کی مستحق ہے کہ اس کو حاصل کیا جائے، اور قدر کے ساتھ رکھا جائے۔ دو نیک خصلت اور صالح زندگی والی ریفقہ حیات ہے، جس کو آدمی دیکھے تو روح اور دل خوش ہو اور اس سے کسی کام کو کہے تو وہ اطاعت کرے اور اس کو انجام دے، اور جب شوہر کہیں باہر جائے تو اس کی عدم موجودگی میں اس کے گھریلو اور ہر امانت کی حفاظت کرے۔ (سنن بیہقی)

تشریح..... سورۃ توبہ کی جس آیت کا حدیث میں ذکر ہے جب وہ نازل ہوئی تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس کے ظاہری الفاظ اور انداز سے یہ سمجھا کہ اس کا مطلب اور مطالبہ یہ ہے کہ اپنی کمائی میں سے کچھ بھی پس انداز نہ کیا جائے اور دولت بالکل ہی جمع نہ کی جائے، جو ہو سب خدا کی راہ میں خرچ کر دیا جائے اور ظاہر ہے کہ یہ بات انسانوں کے لئے بہت ہی بھاری اور بڑی دشوار ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ہمت کی اور رسول اللہ ﷺ سے اس بارے میں استفسار کیا، آپ ﷺ نے فرمایا: اس آیت کا تعلق ان لوگوں سے ہے جو مال و دولت جمع کریں اور اس کی زکوٰۃ ادا نہ کریں، لیکن اگر زکوٰۃ ادا کی جائے تو پھر باقی مال حلال اور طیب ہو جاتا ہے..... آپ ﷺ نے اس موقع پر فرمایا کہ: اللہ تعالیٰ نے زکوٰۃ اسی لئے فرض کی ہے کہ اس کے نکالنے سے باقی مال پاک ہو جائے۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے مزید فرمایا: اسی طرح اللہ تعالیٰ نے قانون میراث اس لئے رکھا ہے کہ آدمی کے اٹھ جانے کے بعد اس کے پسماندگان کے لئے ایک سہارا ہو..... اس جواب میں رسول اللہ ﷺ نے یہ بھی اشارہ فرمایا ہے کہ اگر پس انداز کرنا اور مال و دولت کا جمع کرنا مطلقاً منع ہو تا تو شریعت میں زکوٰۃ کا حکم اور میراث کا حکم ہی نہ ہوتا، کیونکہ شریعت کے ان دونوں حکموں کا تعلق جمع شدہ مال ہی سے ہے، اگر مال و دولت رکھنے کی بالکل اجازت نہ ہو تو زکوٰۃ اور میراث کا سوال ہی پیدا نہ ہو گا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اصل سوال کے جواب کے بعد رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ذہنی تربیت کے لئے ایک مزید بات یہ بھی فرمائی کہ مال و زر سے زیادہ کام آنے والی چیز جو اس دنیا میں دل کے سکون اور روح کی راحت کا سب سے بڑا سرمایہ ہے، اچھی صاحب صلاح، نیک سیرت اور اطاعت شعار ریفقہ حیات ہے، اس کی قدر مال و دولت سے بھی زیادہ کرو، اور اس کو اللہ تعالیٰ کی خاص نعمت سمجھو..... یہ بات آپ ﷺ نے اس موقع پر اس لئے فرمائی کہ اس دور میں عورتوں کی بڑی ناقدری اور ان کے ساتھ بڑی بے

انصافی کی جاتی تھی۔

زکوٰۃ کے تفصیلی احکام اور ضوابط

زکوٰۃ کی اجمالی اور بنیادی حقیقت تو یہی ہے کہ اپنی دولت اور اپنی کمائی میں سے اللہ کی رضا کے لئے اس کی راہ میں خرچ کیا جائے..... (وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنفِقُونَ) اور جیسا کہ عنقریب میں ہی ذکر کیا جا چکا ہے، اسلام کے بالکل ابتدائی دور میں یہی مجمل حکم تھا۔ بعد میں اس کے تفصیلی احکام آئے اور ضوابط مقرر ہوئے۔ مثلاً یہ کہ مال کی کن اقسام پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔ کم از کم کتنے پر زکوٰۃ واجب ہوگی، کتنی مدت گزر جانے کے بعد واجب ہوگی، کن کن راہوں میں وہ خرچ ہو سکے گی۔

اب وہ حدیثیں پڑھی جائیں جن میں زکوٰۃ کے یہ تفصیلی احکام اور ضوابط بیان فرمائے گئے ہیں۔

کم سے کم کتنے مال پر زکوٰۃ فرض ہے؟

۵ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ لَيْسَ فِيمَا دُونَ خَمْسَةِ أَوْسُقٍ مِنَ التَّمْرِ صَدَقَةٌ وَلَيْسَ فِيمَا دُونَ خَمْسِ أَوْاقٍ مِنَ الْوَرِقِ صَدَقَةٌ وَلَيْسَ فِيمَا دُونَ خَمْسِ دُرُدِمٍ صَدَقَةٌ (رواه البخاری ومسلم)

ترجمہ: حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ پانچ وسق سے کم کھجوروں پر زکوٰۃ نہیں ہے اور پانچ اوقیہ سے کم چاندی میں زکوٰۃ نہیں ہے، اور پانچ راس اونٹوں سے کم میں زکوٰۃ نہیں ہے..... (صحیح بخاری، مسلم)

تشریح..... عبد نبوی ؓ میں خاص کر مدینہ طیبہ کے قرب و جوار میں جو لوگ خوش حال اور دولت مند ہوتے تھے ان کے پاس دولت زیادہ تر تین جنسوں میں سے کسی جنس کی صورت میں ہوتی تھی۔ یا تو ان کے باغوں کی پیداوار اور کھجوروں کی شکل میں، یا چاندی کی شکل میں، یا اونٹوں کی شکل میں..... رسول اللہ ﷺ نے اس حدیث میں ان تینوں جنسوں کا نصاب زکوٰۃ بیان فرمایا ہے۔ یعنی ان چیزوں کی کم سے کم کتنی مقدار پر زکوٰۃ واجب ہوگی کھجوروں کے بارے میں آپ ﷺ نے بتایا کہ پانچ وسق سے کم پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی، ایک وسق قریبا چھ من ہوتا ہے، اس حسب سے پانچ وسق کھجوریں تیس من کے قریب ہوں گی اور چاندی کے بارے میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ پانچ اوقیہ سے کم میں زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی، ایک اوقیہ چاندی چالیس درہم کے برابر ہوتی ہے، اس بناء پر پانچ اوقیہ دو سو درہم کے برابر ہوگی۔ جس کا وزن مشہور قول کی بناء پر ساڑھے ہاون تولے ہوتا ہے۔ اور اونٹوں کے بارے میں آپ ﷺ نے بتایا کہ پانچ راسوں سے کم میں زکوٰۃ واجب نہ ہوگی۔

اس حدیث میں صرف ان ہی تین جنسوں میں زکوٰۃ واجب ہونے کا کم سے کم نصاب بیان فرمایا گیا ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہؒ نے لکھا ہے کہ پانچ وسق (۳۰ من) کھجوریں ایک مختصر گھرانے کے سال بھر کے گزارے کے لئے کافی ہو جاتی ہیں، اسی طرح دو سو درہم میں سال بھر کا خرچ چل سکتا ہے اور مالیت کے لحاظ سے قریب قریب یہی حیثیت پانچ اونٹوں کی ہوتی ہے، اس لئے مقدار کے مالک کو خوش حال اور صاحب مال قرار دے کر زکوٰۃ واجب کر دی گئی ہے۔ ۵

۶ عَنْ عَلِيٍّ لَمَّا لَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ لَذَّ عَقْوَتُ عَنِ الْخَيْلِ وَالرِّبَاقِ لَهَا تَزَا صَلَافَةُ الرِّكْلَةِ مِنْ كَلْبٍ أَرْبَعِينَ دِرْهَمًا وَلَيْسَ لِي بِنَعْمَةٍ وَتَسْعِينَ وَمِائَةٍ حَتَّىٰ لَإِذَا بَلَغْتَ مَا يَتَنَبَّهُ لَهَا خَمْسَةَ دَرَاهِمَ (رواہ الترمذی و ابو داؤد)

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ گھوڑوں میں اور غلاموں میں زکوٰۃ واجب نہیں کی گئی ہے۔ پس ادا کرو زکوٰۃ چاندی کی ہر چالیس درہم میں سے ایک درہم، اور ۱۹۹ درہم تک میں کچھ واجب نہیں ہے اور جب دو سو پورے ہو جائیں تو ان میں سے پانچ درہم واجب ہوں گے۔

(جامع ترمذی، سنن ابن ماجہ)

تشریح: گھوڑے اور غلام اگر کسی کے پاس تجارت کے لئے ہوں تو حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ کی آگے درج ہونے والی حدیث کے مطابق ان پر بھی زکوٰۃ واجب ہوگی۔ لیکن اگر تجارت کے لئے نہ ہوں بلکہ سواری کے لئے اور خدمت کے لئے ہوں تو خواہ ان کی قیمت کتنی ہی ہو ان پر زکوٰۃ واجب نہ ہوگی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اس حدیث میں غلاموں اور گھوڑوں پر زکوٰۃ واجب نہ ہونے کا جو بیان ہے اس کا تعلق اسی صورت میں سے ہے۔ آگے چاندی کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ جب تک کسی کے پاس پورے دو سو درہم برابر چاندی نہ ہو اس پر زکوٰۃ واجب نہ ہوگی اور دو سو درہم کے بقدر ہو جانے پر (۱۰۰) کے حساب سے پانچ درہم ادا کرنے ہوں گے۔

اموال تجارت پر زکوٰۃ

۷ عَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ كَانَ يَأْمُرُنَا أَنْ نَخْرِجَ الصَّدَقَةَ مِنَ الْبَيْتِ لِنُعَدَّ لِلْبَيْعِ..... (رواہ ابو داؤد)

ترجمہ: حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا ہم کو حکم تھا کہ ہم ہر اس چیز میں زکوٰۃ نکالیں جو ہم نے بیع و فروخت (یعنی تجارت) کیلئے مہیا کی ہو (سنن ابن ماجہ)

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آدمی جس مال کی بھی تجارت اور سوداگری کرے اس پر زکوٰۃ واجب

۵ حضرات علماء کرام کے لئے یہ مسئلہ قابل غور ہے کہ اب جب کہ ان تینوں نصابوں کی مالیت میں بہت بڑا فرق ہو گیا ہے اور سونے اور چاندی کی قیمت میں بھی بہت بڑا فرق ہے اور قریباً دنیا کے سب ملکوں میں سکہ کا غندی نوٹوں کی شکل میں ہے اور ملکوں میں اپنے ملکوں کی قیمت میں مختلف عوامل کے تحت کمی بیشی کرتی رہتی ہیں، تو ان حالات میں وجوب زکوٰۃ کا کم سے کم نصاب کس اصول پر متعین کیا جائے۔

سال گزرنے پر زکوٰۃ واجب ہوگی

(۸) عَنْ ابْنِ عَمْرِو قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مَنْ اسْتَغَادَ مَالًا فَلَا زَكَاةَ فِيهِ حَتَّى يَحُولَ عَلَيْهِ الْحَوْلُ... (رواہ الترمذی)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس کسی کو کسی راہ سے مال حاصل ہو تو اس پر اس کی زکوٰۃ اس وقت تک واجب نہیں ہوگی جب تک اس مال پر سال نہ گزر جائے۔ (بیابغ ترمذی)

زیورات پر زکوٰۃ کا حکم

(۹) عَنْ عُمَرَ وَ بَنِي حُصَيْنٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ أَنَّ امْرَأَةً آتَتْ النَّبِيَّ ﷺ بِإِبْنَةٍ لَهَا فِي يَدِ ابْنَتِهَا مُسَكَّنًا عَلَيْهِمَا مِنْ ذَهَبٍ فَقَالَ اتَّعِطِينَ زَكَاةَ هَذَا؟ قَالَتِ لَا، قَالَ أَسْرُكَ أَنْ يُسَوِّرَكَ اللَّهُ يَوْمَ الْقِيَمَةِ سَوَائِرَ مِنَ النَّارِ لَخَلَعْتُهُمَا لَأَلْقِيَهُمَا إِلَى النَّبِيِّ ﷺ وَقَالَتْ هُمَا إِلَيْهِ وَلَوْ سُورِلَا — (رواہ ابو داؤد وغیرہ من اصحاب السنن)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک خاتون اپنی ایک لڑکی کو لے کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور اس لڑکی کے ہاتھوں میں سونے کے مونے اور بھاری کنگن تھے۔ آپ ﷺ نے اس سے فرمایا کہ: تم ان کنگنوں کی زکوٰۃ ادا کرتی ہو؟ اس نے عرض کیا کہ: میں اس کی زکوٰۃ تو نہیں دیتی، آپ ﷺ نے فرمایا: تو کیا تمہارے لئے یہ بات خوشی کی ہوگی کہ اللہ تعالیٰ تمہیں کنگنوں کی (زکوٰۃ نہ دینے کی) وجہ سے قیامت کے دن آگ کے کنگن پہنائے؟ اللہ کی اس بندی نے وہ دونوں کنگن ہاتھوں سے اتار کر رسول اللہ ﷺ کے سامنے ڈال دیئے اور عرض کیا کہ: اب یہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے لئے ہیں۔ (بیابغ ترمذی سنن ابی داؤد سنن ابی یوسف)

(۱۰) عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ كُنْتُ أَلْبَسُ أَوْصَاخًا مِنْ ذَهَبٍ فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَكْتَنُوهَا؟ فَقَالَ مَا بَلَغَ أَنْ تُؤَدَّيَا زَكَاةَ فَرْجِي لِلنِّسَاءِ بِكَنْزٍ — (رواہ مالک و ابو داؤد)

ترجمہ: حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں سونے کے "کنز" (ایک خاص زیور کا نام ہے) پہنتی تھی۔ میں نے ان کے بارے میں رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ: یا رسول اللہ ﷺ! کیا یہ بھی اس "کنز" میں داخل ہے (جس پر سورۃ توبہ کی آیت وَالذِّينَ يَكْسِبُونَ الْذَهَبَ وَالْفِضَّةَ) انہی میں دوزخ کی وعید آئی ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ: جو مال اتنا ہو جائے کہ اس کی زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم ہو، پھر حکم کے مطابق اس کی زکوٰۃ ادا کی جائے تو "کنز" نہیں ہے۔ (بیابغ ترمذی سنن ابی داؤد)

ترجمہ: ان حدیثوں ہی کی بنیاد پر امام ابو حنیفہؒ نے چاندی کے زیورات پر (اگر وہ بقدر نصاب ہوں) زکوٰۃ

فرض ہونے کے قائل ہیں۔ لیکن دوسرے ائمہ امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک زیورات پر زکوٰۃ صرف اس صورت میں فرض ہے جب وہ تجارت کے لئے ہوں، یا مال کو محفوظ کرنے کے لئے بنوائے گئے ہوں، لیکن جو زیورات صرف استعمال اور آرائش کے لئے ہوں، ان ائمہ کے نزدیک ان پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔ اس مسئلہ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی رائے بھی مختلف رہی ہے۔ لیکن احادیث سے زیادہ تائید امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ہی کے مسلک کی ہوتی ہے۔ اسی لئے بعض شافعی المسالک علماء محققین نے بھی اس مسئلہ میں حنفی مسلک کو ترجیح دی ہے۔ چنانچہ تفسیر کبیر میں امام رازیؒ نے یہی رویہ اختیار کیا ہے اور لکھا ہے کہ ظاہر نصوص اسی کی تائید کرتے ہیں۔ واللہ اعلم

زَكَاةٌ يُؤْتِيَنِي بَنِي إِدْرِيسَ جَابِلِيٌّ

(۱۱) عَنْ عَلِيٍّ أَنَّ الْقَبَّاسَ سَأَلَ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ لِي تَعْجِلَ صَدَقَتَهُ قَبْلَ أَنْ يَجْلُ فَرُخَصَ لَهُ فِي ذَلِكَ - (رواه ابو داؤد والترمذی و ابن ماجہ والدارمی)

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے بیٹی اپنی زکوٰۃ ادا کرنے کے بارے میں رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا تو آپ ﷺ نے ان کو اس کی اجازت دے دی۔

(مشن بنی، مشن بنی، مشن بنی، مشن بنی)

زکوٰۃ اور صدقات کے مستحقین

(۱۲) عَنْ زَيْدِ بْنِ حَارِثٍ الصَّدَاقِيُّ قَالَ أَتَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ لَهَا بَعَثَهُ فَلَا عَمْرَ حَبِيبًا طَوِيلًا. فَلَمَّا هُوَ رَجُلٌ فَقَالَ أَغْلِيظِي مِنَ الصَّدَقَةِ فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِنَّ اللَّهَ لَمْ يَرْضَ بِحُكْمِ نَبِيِّ وَلَا غَيْرِهِ فِي الصَّدَقَاتِ حَتَّى حَكَمَ هُوَ لِحُجُوزِهَا لِمَا يَبَى أَجْزَاءُ فَإِنْ حُكِمَتْ مِنْ بَلَدٍ الْأَجْزَاءُ أَغْلِيظِيكَ. (رواه ابو داؤد)

ترجمہ: زید بن حارثہ صدیقی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور میں نے آپ ﷺ سے بیعت کی..... زیاد نے اس موقع پر ایک طویل حدیث ذکر کی اور اسی سلسلہ میں یہ واقعہ نقل کیا کہ آپ ﷺ کی خدمت میں اس وقت ایک شخص حاضر ہوا اور عرض کیا کہ: زکوٰۃ کے مال میں سے کچھ مجھے عیناً فرمائیے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس سے فرمایا کہ: اللہ تعالیٰ نے زکوٰۃ کے مصارف کو نہ تو کسی نبی کی مرضی پر چھوڑا ہے اور نہ کسی غیر نبی کی مرضی پر، بلکہ خودی فیصلہ فرمادیا ہے اور ان کے آٹھ حصے (یعنی آٹھ قسمیں) کر دی ہیں تو اگر تم ان قسموں میں سے کسی قسم کے آدمی ہو تو میں زکوٰۃ میں سے تم کو دے دوں گا۔ (مشن بنی، مشن بنی، مشن بنی، مشن بنی)

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے اس حدیث میں مصارف زکوٰۃ کے بارے میں اللہ تعالیٰ کے جس حکم کا حوالہ دیا ہے وہ سورہ توبہ کی اس آیت میں مذکور ہے:

إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسْكِينِ وَالْعَمِلِينَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ لِقَوْلِهِمْ وَلِی الرِّكَابِ
وَالْفَارِضِينَ وَلِی سَبِيلِ اللَّهِ وَابْنِ السَّبِيلِ. (سورۃ توبہ ۹: ۷۰)

زکوٰۃ بس حق ہے مفلسوں اور محتاجوں کا اور اس کی تحصیل وصول کا کام کرنے والوں کا اور مؤلفۃ القلوب کا، نیز وہ صرف کی جاسکتی ہے غلاموں کو آزادی دلانے اور ان کی گلو خلاصی کرانے میں اور ان لوگوں کی مدد میں جو قرض وغیرہ کی مصیبت میں مبتلا ہوں، اور (اسی طرح) مجاہدوں اور مسافروں کی مدد میں۔

فقیر عام غریب اور مفلس لوگ..... فقیر عربی زبان میں غنی کے مقابلے میں بولا جاتا ہے، اس لحاظ سے وہ تمام غریب لوگ اس میں آجاتے ہیں جو غنی نہیں ہیں (یعنی جن کے پاس اتنا سرمایہ نہیں ہے جس پر زکوٰۃ واجب ہو جاتی ہے)۔ شریعت میں غناء کا معیار یہی ہے۔ کتاب الزکوٰۃ کے بالکل شروع میں حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی حدیث گزر چکی ہے جس میں زکوٰۃ کے بارے میں ارشاد ہوا ہے تَوَلَّحُوا مِنْ اَعْيَاءِ هُمْ وَتَوَلَّوْا اِلَى فُقَرَاءِ هُمْ۔
مساکین وہ حاجت مند جن کے پاس اپنی ضروریات پوری کرنے کے لئے کچھ نہ ہو اور بالکل خالی ہاتھ ہوں۔

عالمین یعنی زکوٰۃ کی تحصیل وصول کرنے والا عملہ..... یہ لوگ اگر بالفرض غنی بھی ہوں جب بھی ان کی محنت اور ان کے وقت کا معاوضہ زکوٰۃ سے دیا جاسکتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں یہی دستور تھا۔

مؤلفۃ القلوب ایسے لوگ جنکی تالیف قلب اور دلجوئی اہم دینی و ملی مصالح کے لئے ضروری ہو، وہ اگر دولت مند بھی ہوں تب بھی اس مقصد کے لئے زکوٰۃ کی مدد سے ان پر خرچ کیا جاسکتا ہے۔
رقب یعنی غلاموں اور باندیوں کی آزادی اور گلو خلاصی..... اس مد میں بھی زکوٰۃ خرچ کی جاسکتی ہے۔

فاریضین جن لوگوں پر کوئی ایسا مالی بار آپڑا ہو، جس کے اٹھانے کی ان میں طاقت و قوت نہ ہو، جیسے اپنی مالی حیثیت سے زیادہ قرض کا بوجھ یا کوئی دوسرا مالی تاوان..... ان لوگوں کی مدد بھی زکوٰۃ سے کی جاسکتی ہے۔

فی سبیل اللہ علماء اور ائمہ کے نزدیک اس سے مراد دین کی نصرت و حفاظت اور اعلاء کلمۃ اللہ کے سلسلے کی ضروریات ہیں۔

ابن السبیل اس سے مراد وہ مسافر ہیں جنہیں مسافرت میں ہونے کی وجہ سے مدد کی ضرورت ہو۔
زیاد بن حارث صدیقی کی اس حدیث میں جن صاحب کے متعلق یہ ذکر کیا گیا ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے درخواست کی کہ آپ زکوٰۃ کے مال میں سے مجھے کچھ عنایت فرمادیجئے! انہیں جواب دیتے ہوئے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ نے زکوٰۃ کے یہ آٹھ مصارف خود ہی مقرر فرمادیئے ہیں، اگر تم ان میں سے

کسی طبقہ میں داخل ہو تو میں دے سکتا ہوں، اور اگر ایسا نہیں ہے تو پھر مجھے یہ حق اور اختیار نہیں ہے کہ اس مد میں سے تم کو کچھ دے سکوں..... (یہاں صرف حدیث کی تشریح اور تقسیم کے لئے مصارف کا مختصر بیان کر دیا گیا ہے۔ تفصیلی مسائل فقہ کی کتابوں میں دیکھے جائیں، یا علماء و اصحاب فتویٰ سے دریافت کئے جائیں۔)

(۱۳) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ لَيْسَ الْمُسْكِينُ الَّذِي يَطْوِفُ عَلَى النَّاسِ تَرَدُّهُ اللَّفْمَةُ وَاللَّفْمَتَانِ وَالْفُتْرَةُ وَالْفُتْرَتَانِ وَلَكِنَّ الْمُسْكِينَ الَّذِي لَا يَجِدُ غِنًى بَيْنَهُ وَلَا يَفْطِنُ بِهِ لِيَتَصَدَّقَ عَلَيْهِ وَلَا يَقْرُمَ لِيَسْأَلَ النَّاسَ. (رواه البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اصلی مسکین (جس کی صدقہ سے مدد کرنی چاہئے) وہ آدمی نہیں ہے جو (مانگنے کے لئے) لوگوں کے پاس آتا جاتا ہے (در در پھر رہتا ہے اور سامان نہ چکر لگاتا ہے) اور ایک دو لقمے یا ایک دو کھجوریں (جب اس کے ہاتھ میں رکھ دی جاتی ہیں تو) لے کر واپس لوٹ جاتا ہے۔ بلکہ اصل مسکین وہ بندہ ہے جس کے پاس اپنی ضرورتیں پوری کرنے کا سامان بھی نہیں ہے، اور (چونکہ وہ اپنے اس حال کو لوگوں سے چھپاتا ہے اس لئے) کسی کو اس کی حاجت مندی کا احساس بھی نہیں ہوتا کہ صدقہ سے اس کی مدد کی جائے، اور نہ وہ چل پھر کر لوگوں سے سوال کرتا ہے۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح:..... حدیث کا مدعا یہ ہے کہ وہ پیشہ ور سائل اور گداگر جو در در پھر کر لوگوں سے مانگتے ہیں، اصلی مسکین اور صدقہ کے اصلی مستحق نہیں ہیں، بلکہ صدقہ کے لئے ایسے باعفت ضرورت مندوں کو تلاش کرنا چاہئے جو شرم و حیا اور عفت نفس کی وجہ سے لوگوں پر اپنی حاجت مندی ظاہر نہیں کرتے اور کسی سے سوال نہیں کرتے..... یہی لوگ اصل مسکین ہیں۔ جن کی خدمت اور مدد نہایت مقبول اور پسندیدہ عمل ہے۔

(۱۴) عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ لَا تَجْعَلِ الصَّدَقَةَ لِعَفْيٍ وَلَا لِلدِّي مِرَّةٍ سَوِيًّا. (رواه الترمذی و ابو داؤد و الدارمی)

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: زکوٰۃ حلال نہیں ہے غنی (مالدار) کو اور توانا و تندرست کو۔ (جامع ترمذی، سنن ابی داؤد، سنن ابن ماجہ)

(۱۵) عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَدِيٍّ بْنِ الْخَيْارِ قَالَ أَخْبَرَنِي رَجُلَانِ أَمَّا النَّبِيُّ ﷺ وَهُوَ فِي حَبْجَةِ الْوُدَاعِ وَهُوَ يَقْسِمُ الصَّدَقَةَ لَسَأَلَهُ مِنْهَا فَرَفَعَ لَنَا النَّظَرَ وَخَفَضَهُ لَنَا قَالَ إِنَّا جِئْنَاكَمَا أَعْطَيْتُكُمَا وَلَا حَظَّ فِيهَا لِعَفْيٍ وَلَا لِقَوِيٍّ مُكْتَئِبٍ. (رواه ابو داؤد و النسائی)

ترجمہ: عبد اللہ بن عدی بن الخیار تابعی نقل کرتے ہیں کہ مجھے دو آدمیوں نے بتایا کہ وہ دونوں حجۃ الوداع میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور آپ ﷺ اس وقت زکوٰۃ کے اموال تقسیم فرما رہے تھے، تو ہم دونوں نے بھی اس میں سے کچھ مانگا، آپ ﷺ نے نظر اٹھا کر ہمیں اوپر سے نیچے تک دیکھا، تو آپ ﷺ نے ہم کو تندرست و توانا محسوس کیا، پھر فرمایا کہ اگر تم چاہو تو میں تمہیں دے دوں (مگر یہ سمجھ لو کہ ان

اموال میں مالداروں کا اور ایسے تندرست و توانا لوگوں کا حصہ نہیں ہے جو اپنی معاش کمانے کے قابل ہوں۔ (ابن ماجہ، سنن نسائی)

تشریح..... ان دونوں حدیثوں میں غنی سے مراد غالباً وہ آدمی ہے جس کے پاس اسے کھانے، پینے جیسی ضروریات کے لئے کچھ سامان موجود ہو اور اسے فی الحال ضرورت نہ ہو، ایسے آدمی کو اگر وہ مالک نصاب نہیں ہے زکوٰۃ دی جائے، تو اگرچہ اوہا ہو جائے گی، لیکن خود اس آدمی کو زکوٰۃ لینے سے پرہیز کرنا چاہئے۔ اسی طرح جو آدمی تندرست و توانا ہو اور محنت کر کے روزی کما سکتا ہو اس کو بھی زکوٰۃ لینے سے بچنا چاہئے..... عام ضابطہ یہی ہے، اور ان دونوں حدیثوں میں اسی عام ضابطہ کی ہدایت فرمائی گئی ہے۔ لیکن خاص حالات میں ایسے لوگوں کو بھی زکوٰۃ لینے کی گنجائش ہے۔ اسی لئے عبید اللہ بن عدی والی دوسری حدیث میں آپ ﷺ نے ان دونوں صاحبوں سے یہ بھی فرمایا کہ: ”اگر تم لینا چاہو تو میں دے دوں گا۔“ ”اِنْ شِئْتُمْ اَعْطٰیْکُمْ“

زکوٰۃ و صدقات اور خاندان نبوت

(۱۶) عَنْ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ بْنِ رَبِيعَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ اِنْ هَلِوَالِ الصَّدَقَاتِ اِنَّمَا هِيَ اَوْسَاخُ النَّاسِ وَاَنْهَا لَا تَجْعَلُ لِمُحَمَّدٍ وَلَا لِآلِ مُحَمَّدٍ. (رواہ مسلم)

ترجمہ..... عبدالمطلب بن ربیعہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ یہ صدقات لوگوں کے مال و دولت کا میل کچیل ہیں، اور وہ محمد ﷺ اور آل محمد ﷺ کے لئے حلال نہیں ہیں۔ (صحیح مسلم)

تشریح..... اس حدیث میں زکوٰۃ و صدقات کو میل کچیل اس لحاظ سے کہا گیا ہے کہ جس طرح میل کچیل نکل جانے کے بعد کپڑا ظاہری نظر میں صاف ہو جاتا ہے اسی طرح زکوٰۃ نکلنے کے بعد باقی مال عند اللہ اور باطنی نظر میں پاک ہو جاتا ہے۔ اس میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ جہاں تک ہو سکے مال زکوٰۃ کے استعمال سے پرہیز ہی کیا جائے۔ اسی بناء پر رسول اللہ ﷺ نے خود اپنے لئے اور قیامت تک کے واسطے اپنے اہل خاندان بنی ہاشم کے لئے زکوٰۃ کو ناجائز قرار دے دیا۔

(۱۷) عَنْ اَبِي مَرْثَدَةَ النَّخَعِيِّ بِمَعْرُوفٍ الْعَرَبِيِّ فَقَالَ لَوْلَا اَنِّي اَخَافُ اَنْ تَكُوْنَ مِنَ الصَّدَقَةِ لَا كُنْتُهَا. (رواہ البخاری و مسلم)

ترجمہ..... حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ گزر رہے تھے، راستے میں پڑی ہوئی ایک کھجور آپ ﷺ نے دیکھی تو فرمایا کہ اگر مجھے یہ اندیشہ نہ ہو تا کہ شاید یہ زکوٰۃ کی ہو تو میں اس کو اٹھا کے کھا لیتا۔ (صحیح بخاری، صحیح مسلم)

تشریح..... اس موقع پر آپ ﷺ کا یہ فرمانادراصل لوگوں کو یہ سبق دینے کے لئے تھا کہ اگر اللہ کا رزق اور اس کی کوئی نعمت (اگرچہ کیسی ہی کم حیثیت اور کم قیمت ہو) کہیں گری پڑی نظر آئے تو اس کا احترام اور اس کی قدر کی جائے اور اس سے وہ کام لیا جائے جس کے لئے اللہ نے وہ بنائی ہے۔ اسی کے ساتھ آپ ﷺ نے یہ بتا

کے کہ: ”میں اس کو اس لئے نہیں کھا سکتا کہ شاید یہ زکوٰۃ کی کھجوروں میں سے گر گئی ہو۔“ مشکوک اور مشتبہ چیزوں کے استعمال کرنے سے پرہیز اور احتیاط کا سبق بھی اہل تقویٰ کو دے دیا ہے۔

(۱۸) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ أَخَذَ الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ تَمْرَةً مِنْ تَمْرِ الصَّدَقَةِ لَجَعَلَهَا لِي فِيهِ لَقَاقِ النَّبِيِّ ﷺ كَخَفْ كَخَفَ لِيَطْرَحَهَا ثُمَّ قَالَ أَمَا خَفَرْتُ أَنَا لَا نَأْكُلُ الصَّدَقَةَ. (رواه البخاری ومسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ کے نواسے حسن بن علی رضی اللہ عنہ نے (اپنے بچپن میں) زکوٰۃ کی کھجوروں میں سے ایک کھجوراٹھا کر اپنے منہ میں رکھ لی۔ رسول اللہ ﷺ نے دیکھ لیا اور فرمایا: کج کج (اخ/خ) تاکہ وہ اس کو منہ سے نکال دیں اور تھوک دیں۔ پھر آپ نے فرمایا: بیٹا! کیا تمہیں معلوم نہیں ہے کہ ہم لوگ (بنی ہاشم) زکوٰۃ نہیں کھاتے ہیں۔ (صحیح بخاری، صحیح مسلم)

(۱۹) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِذَا أُتِيَ بِطَعَامٍ سَأَلَ عَنْهُ أَهَذَبَهُ أَمْ صَدَقَةٌ؟ لِأَنِّ قَبِلَ صَدَقَةً لَأَنَّ لِأَصْحَابِهِ كُلُّوْا وَلَمْ يَأْكُلْ وَإِنَّ قَبِلَ هَذَبَهُ ضَرْبٌ بِيَدِهِ لَأَكُلَ مَعَهُمْ - (رواه البخاری ومسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا معمول اور دستور تھا کہ جب کوئی کھانے کی چیز آپ ﷺ کے پاس لاتا تو آپ ﷺ اس کے بارے میں دریافت فرماتے کہ: یہ ہدیہ ہے یا صدقہ؟ اگر آپ ﷺ کو بتایا جاتا کہ یہ صدقہ ہے، تو آپ ﷺ اپنے اصحاب رضی اللہ عنہم سے (یعنی ان اصحاب رضی اللہ عنہم سے جن کے لئے صدقہ کھانے میں کوئی مضائقہ نہ ہوتا، جیسے کہ اصحاب صفہ رضی اللہ عنہم) فرمادیتے کہ تم لوگ کھاؤ، اور خود اس میں سے نہ کھاتے۔ اور اگر آپ ﷺ کو بتایا جاتا کہ یہ کھانا ہدیہ تو آپ ﷺ بھی اس کی طرف ہاتھ بڑھاتے اور ان اصحاب رضی اللہ عنہم کیساتھ اس کے کھانے میں شرکت فرماتے۔ (صحیح بخاری، صحیح مسلم)

ترجمہ..... کسی شخص کو غریب اور ضرورت مند سمجھ کر اعانت و امداد کے طور پر ثواب کی نیت سے جو کچھ دیا جائے وہ شریعت کی اصطلاح میں صدقہ کہلاتا ہے، خواہ وہ فرض و واجب ہو، جیسے زکوٰۃ یا صدقہ فطر، یا نقلی ہو (جس کو ہماری زبان میں امداد اور خیرات کہا جاتا ہے)..... (اور اگر عقیدت اور تعلق و محبت کی وجہ سے اور اس کے تقاضے سے کسی اپنے محترم اور محبوب کی خدمت میں کچھ پیش کیا جائے تو وہ ہدیہ کہلاتا ہے..... صدقہ میں دینے والے کی پوزیشن اونچی اور بلند ہوتی ہے اور بے چارے لینے والی کی نیچی اور پست، اس لئے رسول اللہ ﷺ کسی قسم کا صدقہ استعمال نہیں فرماتے تھے..... اور ہدیہ دینے والا اس کے ذریعے احترام و عقیدت اور تعلق و محبت کا اظہار کرتا ہے اور اس کو اپنی ذاتی ضرورت سمجھتا ہے اس لئے رسول اللہ ﷺ اس کو خوشی سے قبول فرماتے تھے، پیش کرنے والے کو دعائیں دیتے تھے، اور بسا اوقات اپنی طرف سے اس کو ہدیہ دے کر اس کی مکافات بھی کرتے تھے^۱..... اور جب کوئی صدقہ کے طور پر کچھ لاتا تو وہ اپنے اصحاب

۱ صحیح بخاری میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے: كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يَأْتِيهِ الْيَتِيمُ عَنِيَّ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہدیہ قبول فرماتے تھے، اور ہدیہ پیش کرنے والے کو خود بھی ہدیہ دیتے تھے۔)

مستحقین کو دے دیتے تھے۔

(۲۰) عَنْ أَبِي رَافِعٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ بَعَثَ رَجُلًا مِنْ بَنِي مَخْزُومٍ عَلَى الصَّدَقَةِ لَقَالَ لِأَبِي رَافِعٍ إِصْحَبْنِي مَعَهُمَا نَصِيبٌ مِنْهَا لَقَالَ لَا حَتَّىٰ آتِيَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ لَأَسْأَلَهُ لَأَنْطَلِقَ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ لَسَأَلُهُ لَقَالَ إِنَّ الصَّدَقَةَ لَا تَجِلُّ لَنَا وَإِنَّ مَوَالِيَ الْقَوْمِ مِنْ أَنْفُسِهِمْ.

(رواہ الترمذی و ابوداؤد والنسائی)

ترجمہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام ابورافع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بنی مخزوم کے ایک آدمی کو زکوٰۃ وصول کرنے کے لئے مقرر فرمایا۔ اس مخزومی نے ابورافع سے کہا: تم بھی میرے ساتھ چلو، تاکہ تمہیں بھی (حق الحجت کے طور پر) اس میں سے کچھ مل جائے جس طرح مجھے ملے گا۔ ابورافع نے ان سے کہا کہ: جب تک میں رسول اللہ ﷺ سے اس بارے میں دریافت نہ کر لوں تمہارے ساتھ نہیں چل سکتا۔ اس کے بعد ابورافع حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ ﷺ سے اس بارے میں دریافت کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ: ہمارے گھر اور ہمارے خاندان کے لئے زکوٰۃ میں سے کچھ لینا جائز نہیں ہے، اور کسی گھرانے کے غلام بھی انہی میں سے ہیں (اس لئے ہماری طرح تمہارے لئے بھی یہ جائز نہیں ہے۔) (ابن ترمذی، سنن ابی، سنن نسائی)

ترجمہ..... اس حدیث سے ایک بات تو یہ معلوم ہوئی کہ جس طرح رسول اللہ ﷺ اور آپ کے اہل خاندان کے لئے زکوٰۃ حلال نہیں ہے، اسی طرح آپ ﷺ کے اور آپ ﷺ کے خاندان والوں کے غلاموں کے لئے بھی حلال نہیں ہے۔ حتیٰ کہ آزاد ہونے کے بعد بھی وہ زکوٰۃ فتنہ سے کچھ نہیں لے سکتے..... دوسری بات اس حدیث سے یہ معلوم ہوئی کہ زکوٰۃ کی تحصیل وصول کی اجرت اور حق الحجت کے طور پر اسی زکوٰۃ میں سے ہر عامل کو دیا جاسکتا ہے (حتیٰ کہ عامل اگر اپنے گھر کا دولت مند ہو اور خود اس پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہو، تب بھی اس کو بطور اجرت زکوٰۃ سے دیا جاتا ہے) لیکن رسول اللہ ﷺ کے خاندان والوں اور ان کے غلاموں کے لئے اس کی بھی گنجائش نہیں ہے..... ایک تیسری بات اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہو گئی کہ رسول اللہ ﷺ نے اور اسلامی قانون نے غلاموں کو اس زمانہ میں جب دنیا میں ان کی کوئی بھی حیثیت نہیں تھی کتنا بلند درجہ دیا تھا، اور قانونی مالکوں کی خاندانی خصوصیات تک میں ان کو کس حد تک شریک کر دیا تھا۔

کن حالات میں سوال کرنے کی اجازت ہے اور کن حالات میں ممانعت

حضرات محدثین کتاب الزکوٰۃ میں بھی وہ حدیثیں بھی درج کرتے ہیں جن میں بتایا گیا ہے کہ کن حالات میں سوال کرنے کی ممانعت ہے اور کن حالات میں اجازت ہے۔ ان کے اس طریقے کی پیروی میں اس سلسلہ ”معارف الحدیث“ میں بھی وہ حدیثیں یہیں درج کی جاتی ہیں:

(۲۱) عَنْ حَنْبَلِ بْنِ جُنَادَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِنَّ الْمَسْئَلَةَ لَا تَجِلُّ لِيَنْفِي وَلَا لِإِلَهِ مِرَّةٍ سَوِيٍّ إِلَّا لِإِلَهِ فُفْرِ مُذْطَعٍ أَوْ غَرْمٍ مُفْطَعٍ وَمَنْ سَأَلَ النَّاسَ؟ لِيَنْفِي بِهِ مَالَهُ كَانَ غُمُوْهُ فِي

وَجِهَهُ يَوْمَ الْقِيَمَةِ وَرَضًا بِأُكْلِهِ مِنْ جَهَنَّمَ لَمَنْ شَاءَ فَلْيُكَلِّمْ وَمَنْ شَاءَ فَلْيُكْثِرْ (رواہ الترمذی)

ترجمہ: جسٹھ بن جنادہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: سوال کرنا جائز نہیں ہے غمی آدمی کو اور نہ توانا تندرست آدمی کو۔ البتہ ایسے آدمی کو جائز ہے جس کو ناداری و افلاس نے زمین پر گر ادا یا ہو، یا جس پر قرض یا کسی تادان وغیرہ کا کوئی بھاری بوجھ پڑ گیا ہو، اور جو آدمی (محتاج کی وجہ سے نہیں بلکہ) اپنے مال میں اضافہ کے لئے لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلائے اور سوال کرے تو قیامت کے دن اس کا یہ سوال اس کے چہرے پر ایک زخم اور گھاؤ کی شکل میں نمایاں ہوگا، اور جہنم کا گرم جلتا ہوا پتھر ہوگا جس کو وہاں وہ کھائے گا..... اس کے بعد جس کا جی چاہے سوال کم کرے اور جس کا جی چاہے زیادہ کرے (اور آخرت میں اس کا یہ نتیجہ بھیگے)..... (جامع ترمذی)

تشریح: اس حدیث میں بھی عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی حدیث (نمبر ۱۳) کی طرح غمی سے مراد وہ آدمی ہے جو فی الحال محتاج اور ضرورت مند نہ ہو (اگرچہ وہ صاحب نصاب اور سرمایہ دار بھی نہ ہو) ایسے آدمی کو اور اس تندرست و توانا آدمی کو جو محنت کر کے اپنی روزی کما سکتا ہو، اس حدیث میں سوال کرنے کی ممانعت کی گئی ہے۔ عام ضابطہ اور مسئلہ یہی ہے کہ ایسے آدمی کو کسی کے سامنے دست سوال دراز نہیں کرنا چاہئے۔ ہاں اگر افلاس و ناداری نے کسی کو بالکل ہی گر ادا یا ہو اور سوال کے سوا اس کے سامنے کوئی راہ نہ ہو، یا کسی کو کوئی جرم یا تادان یا قرض ادا کرنا ہو اور وہ دوسروں سے امداد لئے بغیر اس کو ادا نہ کر سکتا ہو تو ان صورتوں میں اس کو سوال کرنے کی اجازت ہے..... آخر میں فرمایا گیا ہے کہ جو شخص ضرورت مندی اور محتاجی کی مجبوری سے نہیں بلکہ اپنی مالی حالت بہتر بنانے کے لئے دوسروں کے سامنے ہاتھ پھیلائے گا اس کو قیامت میں اس کی سزا یہ دی جائے گی کہ اس کے چہرے پر ایک بدنما گھاؤ ہوگا..... اور جو کچھ اسے سوال کر کے لوگوں سے لیا تھا وہ وہاں جہنم کا گرم پتھر بنادیا جائے اور وہ اسے کھانے پر مجبور ہوگا۔

(۲۲) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ مَنْ سَأَلَ النَّاسَ أَمْوَالَهُمْ تَكْفُرًا لَانَّمَا يَسْأَلُ جَمْرًا فَلْيَسْئَلْ أَوْ لْيَسْئَلْ (رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو کوئی (حاجت سے مجبور ہو کر نہیں بلکہ) زیادہ مال حاصل کرنے کے لئے لوگوں سے مانگتا ہے تو وہ درحقیقت اپنے لئے جہنم کا انگارہ مانگتا ہے (یعنی جو کچھ اس طرح سوال کر کے وہ حاصل کرے گا وہ آخرت میں اس کے لئے دوزخ کا انگارہ بن جائے گا)..... اب خواہ اس میں کمی کرے، یا زیادتی کرے۔ (صحیح مسلم)

(۲۳) عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مَنْ سَأَلَ النَّاسَ وَلَهُ مَا يُغْنِيهِ جَاءَ يَوْمَ الْقِيَمَةِ وَمَسْئَلُهُ لِي وَجْهٌ خُمُوشٌ أَوْ خُدُوشٌ أَوْ خُدُوحٌ قَبْلَ بَا رَسُولِ اللَّهِ ﷺ مَا يُغْنِيهِ؟ قَالَ خُمُوشٌ دِرْهَمًا أَوْ لِيْمَتْهَا مِنَ اللَّحَبِ. (رواہ ابو داؤد، والترمذی، والنسائی وابن ماجہ والدارمی)

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص ایسی حالت

میں لوگوں سے سوال کرے کہ اس کے پاس "سبعہ" (یعنی اتنا موجود ہو جو اس کے لئے کافی ہو، اور جس کے بعد وہ دوسروں کا محتاج اور دست نگر نہ رہے) تو وہ قیامت کے دن محشر میں اس حال میں آئے گا کہ اس کا سوال اس کے چہرے میں ایک گھاؤ کی صورت میں ہو گا (خوش) خداوش، کدو خ۔ یہ تینوں لفظ قریب المعنی ہیں، ان کے معنی زخم کے ہیں۔ غالباً راوی کو شک ہو گیا ہے کہ اصل حدیث میں ان تینوں میں سے کون سا لفظ تھا..... آگے حدیث میں ہے کہ رسول اللہ (ﷺ) (کا یہ ارشاد سن کر آپ سے پوچھا گیا کہ یا رسول اللہ! وہ کتنی مقدار ہے جس کو آپ نے "سبعہ" فرمایا ہے) اور جس کے بعد وہ دوسروں کا محتاج اور دست نگر نہیں رہتا) آپ نے فرمایا کہ: پچاس درہم، یا ان کی قیمت کا سونا۔

۱۔ ۲۔ ۳۔ ۴۔ ۵۔ ۶۔ ۷۔ ۸۔ ۹۔ ۱۰۔ ۱۱۔ ۱۲۔ ۱۳۔ ۱۴۔ ۱۵۔ ۱۶۔ ۱۷۔ ۱۸۔ ۱۹۔ ۲۰۔ ۲۱۔ ۲۲۔ ۲۳۔ ۲۴۔ ۲۵۔ ۲۶۔ ۲۷۔ ۲۸۔ ۲۹۔ ۳۰۔ ۳۱۔ ۳۲۔ ۳۳۔ ۳۴۔ ۳۵۔ ۳۶۔ ۳۷۔ ۳۸۔ ۳۹۔ ۴۰۔ ۴۱۔ ۴۲۔ ۴۳۔ ۴۴۔ ۴۵۔ ۴۶۔ ۴۷۔ ۴۸۔ ۴۹۔ ۵۰۔ ۵۱۔ ۵۲۔ ۵۳۔ ۵۴۔ ۵۵۔ ۵۶۔ ۵۷۔ ۵۸۔ ۵۹۔ ۶۰۔ ۶۱۔ ۶۲۔ ۶۳۔ ۶۴۔ ۶۵۔ ۶۶۔ ۶۷۔ ۶۸۔ ۶۹۔ ۷۰۔ ۷۱۔ ۷۲۔ ۷۳۔ ۷۴۔ ۷۵۔ ۷۶۔ ۷۷۔ ۷۸۔ ۷۹۔ ۸۰۔ ۸۱۔ ۸۲۔ ۸۳۔ ۸۴۔ ۸۵۔ ۸۶۔ ۸۷۔ ۸۸۔ ۸۹۔ ۹۰۔ ۹۱۔ ۹۲۔ ۹۳۔ ۹۴۔ ۹۵۔ ۹۶۔ ۹۷۔ ۹۸۔ ۹۹۔ ۱۰۰۔

..... مطلب یہ ہے کہ جس کے پاس پچاس درہم یا اس کے قریب مالیت موجود ہو، جسے وہ اپنی ضروریات میں استعمال کر سکتا ہو اور کسی کاروبار میں لگا سکتا ہو اس کے لئے سوال کرنا گناہ ہے، اور ایسا شخص قیامت میں اس حالت میں آئے گا کہ اس کے چہرے پر اس ناجائز سوال کی وجہ سے بد نما داغ ہو گا۔

اس حدیث میں اس غنا کا معیار جس کے ہوتے ہوئے سوال جائز نہیں، پچاس درہم کی مالیت کو قرار دیا گیا ہے۔ ایک دوسری حدیث میں ایک اوقیہ یعنی چالیس درہم کی مالیت کا بھی ذکر ہے..... اور ظاہر ہے کہ ان دونوں میں کوئی بڑا فرق نہیں ہے لیکن سنن ابی داؤد کی ایک اور حدیث میں جو سہل بن الحظلیہ سے مروی ہے مذکور ہے کہ رسول اللہ (ﷺ) سے سوال کیا گیا: "ما لعی لک من سعی بعد السبعہ" (غنا کی وہ کیا مقدار ہے جس کے ہوتے ہوئے سوال نہیں کرنا چاہئے؟) تو آپ نے فرمایا: "قدر بعد السبعہ" (اتنا کہ اس سے دن کا کھانا کھا سکے اور رات کا کھانا کھا سکے)۔ اس سے معلوم ہوا کہ اگر کسی کے پاس ایک دن کے کھانے بھر بھی ہے تو اس کو سوال کرنا درست نہیں۔

وہ غنا جس پر زکوٰۃ فرض ہوتی ہے اس کا معیار تو متعین ہے اور اس کے متعلق حدیثیں پہلے گزر چکی ہیں، لیکن وہ غنا جس کے حاصل ہوتے ہوئے سوال نہیں کرنا چاہئے، رسول اللہ (ﷺ) نے مختلف اوقات میں اس کے معیار مختلف بیان فرمائے ہیں۔ شارحین حدیث نے اس اختلاف کی توجیہ کئی طرح سے کی ہے۔ اس عاجز کے نزدیک سب سے اقرب بات یہ ہے کہ یہ اختلاف اشخاص اور احوال کے لحاظ سے ہے۔ یعنی بعض حالات اور اشخاص ایسے ہو سکتے ہیں کہ تھوڑا بہت اثاثہ ہونے کی صورت میں بھی ان کے لئے سوال کی گنجائش ہو سکتی ہے، لیکن اگر یہ اثاثہ (۴۰، ۵۰) درہم کے قریب ہو تو پھر بالکل گنجائش نہیں..... اور بعض حالات اور اشخاص ایسے بھی ہو سکتے ہیں کہ ان کے پاس اگر ایک دن کے کھانے کے لئے بھی کچھ ہو تو ان کے لئے سوال کی گنجائش نہیں۔ اسی طرح اس اختلاف کو رخصت و عزیمت کے فرق پر بھی محمول کیا جاسکتا ہے، یعنی یہ کہ جن احادیث میں (۴۰، ۵۰) درہم کی مالیت کو معیار بتایا گیا ہے ان میں رخصت اور فتوے کا بیان ہے، اور جن میں ایک دن کے کھانے بھر ہونے کی صورت میں بھی سوال سے منع کیا گیا ہے وہ عزیمت اور فتوے کا مقام ہے۔

سوال میں بہر حال ذلت ہے

(۲۴) عَنْ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ وَلَمْ يَلِدْ عَلَى الْجَنَّةِ وَهُوَ يَذْكُرُ الصَّلَاةَ وَالْعَقْلَ عَنْ الْمَنَفَةِ الْيَدِ الْعَلِيَّ عَمْرٍ مِنَ الْيَدِ الشُّفَى وَالْيَدِ الْعَلِيَّ مِنَ الْمَنَفَةِ وَالشُّفَى مِنَ السَّائِلَةِ.

(رواہ البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے صدقہ کا اور مانگنے سے پرہیز کرنے کا ذکر کرتے ہوئے برسر منبر ایک دن فرمایا: اوپر والا ہاتھ نیچے والے ہاتھ سے بہتر ہے، اوپر والا ہاتھ دینے والا ہو تا ہے اور نیچے والا ہاتھ لینے والا ہو تا ہے۔ (صحیح ابن ماجہ)

تشریح:..... مطلب یہ ہے کہ دینے والے کا مقام اونچا اور عزت کا ہے، اور مانگنے والے کا نیچا اور ذلت کا۔ اس لئے مؤمن کو دینے والا بننا چاہئے اور سوال کی ذلت سے اپنے کو حتی الامکان بچانا ہی چاہئے۔

اگر سوال کرنا ناگزیر ہو تو اللہ کے نیک بندوں سے کیا جائے

(۲۵) عَنْ ابْنِ الْقَرَّاسِيِّ أَنَّ الْقَرَّاسِيَّ قَالَ لَقُلْتُ لِرَسُولِ اللَّهِ ﷺ أَسْأَلُ يَا رَسُولَ اللَّهِ؟ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ لَا وَإِنْ كُنْتَ لَا يَدُ لَكَ الصَّالِحِينَ .

(رواہ ابوداؤد والنسائی)

ترجمہ: ابن القریسی تابعی اپنے والد قریسی سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ: میں اپنی ضرورت کے لئے لوگوں سے سوال کر سکتا ہوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: (جہاں تک ہو سکے) سوال نہ کرو، اور اگر تم سوال کے لئے مجبور ہی ہو جاؤ تو اللہ کے نیک بندوں سے سوال کرو۔

(سنن ابی داؤد، سنن نسائی)

اپنی حاجت بندوں کے سامنے نہ رکھو، اللہ کے سامنے رکھو

(۲۶) عَنْ ابْنِ مَسْعُودٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مَنْ أَصَابَتْهُ لَالَةٌ لَأَنزَلَهَا بِالنَّاسِ لَمْ تَسَلْ لَالَةً وَمَنْ أُنْزِلَتْهَا بِاللَّهِ أَوْحَكَ لَهُ بِالْعِلْمِ إِمَامٌ مَوْتٌ عَاجِلٌ أَوْ عَمَى إِبْجَلٌ .

(رواہ ابوداؤد والنسائی)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس آدمی کو کوئی سخت حاجت پیش آئی اور اسے اس نے بندوں کے سامنے رکھا (اور ان سے مدد چاہی) تو اسے اس مصیبت سے مستقل نجات نہیں ملے گی، اور جس آدمی نے اسے اللہ کے سامنے رکھا اور اس سے دعا کی، تو پوری امید ہے کہ اللہ تعالیٰ جلد ہی اس کی یہ حاجت ختم کر دے گا، یا تو جلد ہی موت دے کر (اور اگر اس کی موت کا مقرر وقت آگیا ہو) یا کچھ تاخیر سے خوشحالی دے کر۔ (سنن ابی داؤد، سنن ترمذی)

بندوں سے سوال نہ کرنے پر جنت کی ضمانت

(۲۷) عَنْ قُتَيْبَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مَنْ يَكْفُلُ لِي أَنْ لَا يَسْأَلَ النَّاسَ حَتَّى لَا تَكْفُلَ لَهُ بِالْجَنَّةِ

لَقَالَ ثَوْبَانُ أَنَا لَكَأَنْ لَا يُسْأَلَ أَحَدًا حَقًّا۔ (رواہ ابو داؤد و السنائی)

ترجمہ: حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک دن فرمایا: جو مجھ سے اس بات کا عہد کرے کہ وہ اللہ کے بندوں سے اپنی کوئی حاجت نہ مانگے گا تو میں اس کے لئے جنت کی ضمانت دیتا ہوں۔ ثوبان کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: حضرت (ؑ) میں یہ عہد کرتا ہوں..... راوی کا بیان ہے کہ اس وجہ سے حضرت ثوبان کا یہ دستور تھا کہ کوئی آدمی سے کوئی چیز نہیں مانگتے تھے۔ (صحیح بخاری)

اگر بغیر سوال اور طمع نفس کے کچھ ملے تو اس کو لے لینا چاہئے

(۲۸) عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يُعْطِي الْمَنَاءَ قَالَ لَوْلَیْ أَغْطِيهِ أَفْقَرُ إِلَيْهِ مِنِّي لَقَالَ خُذْهُ فَخُذْهُ وَتَصَدَّقْ بِهِ لَمَّا جَاءَكَ مِنْ هَذَا الْمَالِ وَأَنْتَ غَيْرُ مُشْرِبٍ وَلَا سَائِلٍ لَخُذْهُ وَمَا لَا فَلا تَبْغِ نَفْسَكَ۔ (رواہ البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ (ﷺ) کبھی مجھے کچھ عطا فرماتے تھے تو میں عرض کرتا تھا کہ: حضرت (ؑ)! کسی ایسے آدمی کو دے دیجئے جس کو مجھ سے زیادہ اس کی ضرورت ہو؟ تو آپ (ؐ) فرماتے کہ عمر اس کو لے لو اور اپنی ملکیت بنا لو (پھر چاہو تو) صدق کے طور پر کسی حاجت مند کو دے دو (اور اپنا یہ اصول بنا لو کہ) جب کوئی مال تمہیں اس طرح ملے کہ نہ تو تم نے اس کے لئے سوال کیا اور نہ تمہارے دل میں اس کی چاہت اور طمع ہو (تو اس کو اللہ کا عطیہ سمجھ کر) لے لیا کرو، اور جو مال اس طرح تمہارے پاس نہ آئے تو اس کی طرف توجہ بھی نہ کرو۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

جب تک محنت سے کمائے ہو سوال نہ کرو

(۲۹) عَنْ الزُّبَيْرِ بْنِ الْعَوَّامِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ لَأَنْ يَأْخُذَ أَحَدُكُمْ حَبْلَهُ لِيَأْتِيَ بِعِزْمَةِ خَطْبٍ عَلَى كَهْرِهِ لِيَبْعَهَا كَيْفَ اللَّهُ بِهَا وَجْهَهُ غَيْرَ لَهُ مِنْ أَنْ يُسْأَلَ النَّاسَ أَعْطَوْهُ أَوْ مَنَعُوهُ۔

(رواہ البخاری)

ترجمہ: حضرت زبیر بن العوام سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم میں سے کسی ضرورت مند (آدمی) کا یہ رویہ کہ وہ سی لے کر جنگل جائے اور لکڑیوں کا ایک گٹھا اپنی کمر پر لاد کے لائے اور بیچے، اور اس طرح اللہ کی توفیق سے وہ سوال کی ذلت سے اپنے کو بچالے، اس سے بہت بہتر ہے کہ وہ لوگوں کے سامنے سوال کا ہاتھ پھیلائے پھر خود وہ اس کو دیں یا نہ دیں۔ (صحیح بخاری)

(۳۰) عَنْ أَنَسٍ أَنَّ رَجُلًا مِنَ الْأَنْصَارِ أَتَى النَّبِيَّ ﷺ يَسْأَلُهُ لَقَالَ أَمَا لِي بِنَيْكَ ضَيْقٌ لَقَالَ بَلَى جَلَسَ ثَلَاثَ نَفَثَةٍ وَتَبَسَّطَ بَعْضُهُ وَلَقَبَ نَفْرَبَ إِلَيْهِ مِنَ الْمَاءِ قَالَ إِنِّي بِهِمَا لَأَتَاهُ بِهِمَا فَأَخَذَهُمَا رَسُولُ اللَّهِ ﷺ بِيَدِهِ وَلَمَّا مَنِ يَسْأَلُ هَذَا؟ قَالَ رَجُلٌ أَنَا أَخَذَهُمَا بِدِرْهَمٍ قَالَ مَنْ يُؤْذِي عَلَى دِرْهَمٍ مَرَّتَيْنِ أَوْ ثَلَاثًا قَالَ رَجُلٌ أَنَا أَخَذَهُمَا بِدِرْهَمَيْنِ فَأَعْطَاهُمَا إِيَّاهُ فَأَخَذَ

الْيَوْمَ مَن لَّا عَصَا لَهُ الْإِنصَارِيُّ وَلَئِنِ اشْتَرَىٰ بِأَحَدِهِمَا طَعَامًا لَّأَنذَرَهُ إِلَىٰ أَهْلِكَ وَاشْتَرَىٰ
بِالْآخَرِ لَذَةً وَمَا لَّيْنِي بِهِ لَأَنذَرَهُ بِهِ لَشِدَّةُ فِيهِ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ غَوْدًا بِيَدِهِ ثُمَّ قَالَ انْصَبْ
لَا خَطِيبَ وَبَعْ وَلَا أَرْثُكَ عَشْرَةَ عَشَرَ يَوْمًا فَلَلَّعَبَ الرَّجُلُ يَخْتَلِبُ وَيَبْنِعُ لَجَاءَهُ وَلَدٌ
أَصَابَ عَشْرَةَ ذَرَاهِمَ لَاشْتَرَىٰ بِبَعْضِهَا ثَوْبًا وَبِبَعْضِهَا طَعَامًا فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ هَذَا غَيْرُ
لَكَ مِنْ أَنْ تَجِيءَ الْمَسْئَلَةَ لَنُكْتَفَىٰ فِي وَجْهِكَ يَوْمَ الْقِيَمَةِ إِنَّ الْمَسْئَلَةَ لَا تَصْلُحُ إِلَّا لِقَلِيلٍ لِّدُنَى
فَقَرِيضٍ مِّنْكَ أَوْ لِدُنَىٰ غَرَمٍ مُّطْفِئٍ أَوْ لِدُنَىٰ دَمٍ مُّوجِعٍ - (رواه ابو داؤد)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک (مفلس اور غریب شخص) انصار میں سے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور (اپنی حاجت مندی ظاہر کر کے) آپ ﷺ سے کچھ مانگا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ: کیا تمہارے گھر میں کوئی چیز بھی نہیں ہے؟ انہوں نے عرض کیا: بس ایک کبیل ہے جس میں سے کچھ ہم اوزھ لیتے ہیں اور کچھ بچھالیتے ہیں، اور ایک پیالہ ہے جس سے ہم پانی پیتے ہیں۔ (باقی بس اللہ کا نام ہے)۔ آپ ﷺ نے فرمایا: یہی دو دنوں چیزیں میرے پاس لے آؤ۔ انہوں نے وہ دونوں لا کر آپ ﷺ کو دے دیں۔ آپ ﷺ نے وہ کبیل اور پیالہ ہاتھ میں لیا، اور (نیلام کے طریقے پر) حاضرین سے فرمایا: کون ان دونوں چیزوں کو خریدنے پر تیار ہے؟ ایک صاحب نے عرض کیا: حضرت! میں ایک درہم میں ان کو لے سکتا ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: کون ایک درہم سے زیادہ لگاتا ہے؟ (یہ بات آپ ﷺ نے دو دفعہ یا تین دفعہ فرمائی) ایک دوسرے صاحب نے عرض کیا کہ: حضرت! میں یہ دو درہم میں لے سکتا ہوں۔ آپ ﷺ نے دونوں چیزیں ان صاحب کو دے دیں اور ان سے دو درہم لے لئے اور ان انصاری کے حوالے کئے اور ان سے فرمایا کہ: ان میں سے ایک کا تو تم کھانے کا کچھ سامان (غلو وغیرہ) لے کر اپنی بیوی بچوں کو دے دو، اور دوسرے درہم سے ایک کلباڑی خریدو اور اس کو میرے پاس لے کر آؤ۔ انہوں نے ایسا ہی کیا اور کلباڑی لے کر آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ ﷺ نے اپنے دست مبارک سے اس کلباڑی میں لکڑی کا ایک دستہ خوب مضبوط لگادیا، اور ان سے فرمایا: جاؤ اور جنگل کی لکڑیاں لا کر بیچو، اور اب میں پندرہ دن تک تم کو نہ دیکھوں (یعنی دو ہفتہ تک یہی کام کرو اور میرے پاس آنے کی بھی کوشش نہ کرو) چنانچہ وہ صاحب چلے گئے اور آپ ﷺ کی ہدایت کے مطابق جنگل کی لکڑیاں لا کر بیچتے رہے۔ پھر ایک دن آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انہوں نے اپنی محنت اور لکڑی کے اس کاروبار میں دس بارہ درہم کمائے تھے جن میں کچھ کانہوں نے کپڑا خریدا اور کچھ کاغذ وغیرہ۔ رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا: اپنی محنت سے یہ کماتا تمہارے لئے اس سے بہت ہی بہتر ہے کہ قیامت کے دن لوگوں سے مانگنے کا داغ تمہارے چہرے پر ہو۔ (پھر آپ ﷺ نے فرمایا) سوال کرنا صرف تین قسم کے آدمیوں کے لئے درست ہے: ایک وہ آدمی جسے فقر و فاقہ نے زمین سے لگادیا ہو اور بالکل لاچار کر دیا ہو۔ دوسرے وہ جس پر قرض یا کسی ذمہ کا بھاری بوجھ ہو (جس کی ادائیگی اس کے امکان میں نہ ہو) تیسرے وہ جس کو کوئی خون بہاؤا کرنا ہو اور وہ اسے ادا نہ کر سکتا ہو۔ (مسلم ابن احمد)

تشریح..... یہ حدیث کسی تشریح کی محتاج نہیں۔ افسوس! جس پیغمبر کی یہ ہدایت اور یہ طرز عمل تھا، اس کی امت میں پیشہ ور سالنوں اور گداگروں کا ایک طبقہ موجود ہے، اور کچھ لوگ وہ بھی ہیں جو عالم یا پیر بن کر معزز قسم کی گداگری کرتے ہیں۔ یہ لوگ سوال اور گداگری کے علاوہ فریب دہی اور دین فروشی کے بھی مجرم ہیں۔

زکوٰۃ کے علاوہ مالی صدقات

(۳۱) عَنْ فَاطِمَةَ بِنْتِ قَيْسٍ لَأَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ إِذَا لَى الْمَالَ لَحَقًا مَوَى الزُّكُوةَ ثُمَّ تَلَا لَيْسَ الْبِرُّ أَنْ تُولُوا جُوهَكُمْ قَبْلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ. الْإِمَامَةُ..... (رواہ الترمذی وابن ماجہ والبیہقی)

فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ (ﷺ) نے فرمایا: ”مال میں زکوٰۃ کے علاوہ بھی (اللہ کا) حق ہے۔“ پھر آپ ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی:

لَيْسَ الْبِرُّ أَنْ تُولُوا جُوهَكُمْ قَبْلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلَكِنَّ الْبِرَّ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ
الْآخِرِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالْكِتَابِ وَالنَّبِيِّنَ وَآتَى الْمَالَ عَلَى حُبِّهِ ذَوِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسْكِينِ
وَأَنَّى السَّبِيلِ وَالسَّائِلِينَ وَفِي الرِّكَابِ وَأَلَامَ الصَّلَاةِ وَآتَى الزُّكُوةَ..... الْإِمَامَةُ (القرن ۲: ۱۷۷)

اصل نیکی اور بھلائی (کا معیار) یہ نہیں ہے کہ (عبادت میں) تم مشرق کی طرف اپنا رخ کرو، یا مغرب کی طرف، بلکہ اصل نیکی کی راہ بس ان لوگوں کی ہے جو ایمان لائے اللہ پر اور آخرت کے دن پر اور ملائکہ پر اور اللہ کی کتابوں اور اس کے نبیوں پر اور جنہوں نے مال کی محبت کے باوجود اس کو خرچ کیا قربت داروں پر اور یتیموں، مسکینوں پر اور مسافروں اور سالنوں پر اور غلاموں کو آزادی دلانے میں اور اچھی طرح قائم کی انہوں نے نماز اور ادا کی زکوٰۃ..... الخ (جامع ترمذی، سنن ابن ماجہ، ترمذی)

تشریح..... حدیث کا مقصد و منشاء یہ ہے کہ کسی کو یہ غلط فہمی نہ ہونی چاہئے کہ مقررہ زکوٰۃ (یعنی فاضل سرمایہ کا چالیسواں حصہ) ادا کر دینے کے بعد آدمی پر اللہ کا کوئی مالی حق اور مطالبہ باقی نہیں رہتا اور وہ اس سلسلہ کی ہر قسم کی ذمہ داریوں سے بالکل سبکدوش ہو جاتا ہے۔ ایسا نہیں ہے، بلکہ خاص حالات میں زکوٰۃ ادا کرنے کے بعد بھی اللہ کے ضرورت مند بندوں کی مدد کی ذمہ داری دولت مندوں پر باقی رہتی ہے۔ مثلاً ایک صاحب ثروت آدمی حساب سے پوری زکوٰۃ ادا کر چکا ہو، اس کے بعد اسے معلوم ہو کہ اس کے پڑوس میں فاقہ یا اس کا فلاں قریبی رشتہ دار سخت محتاج کی حالت میں ہے، یا کوئی شریف مصیبت زدہ مسافر ایسی حالت میں اس کے پاس پہنچے جس کو فوری امداد کی ضرورت ہو تو ایسی صورتوں میں ان ضرورت مندوں، محتاجوں کی امداد اس پر واجب ہوگی۔

رسول اللہ ﷺ نے یہ بات بیان فرمائی اور بطور استشہاد سورہ بقرہ کی مندرجہ بالا آیات تلاوت فرمائی۔ اس آیت میں اعمال بر (نیکی کے کاموں) کے ذیل میں ایمان کے بعد یتیموں، مسکینوں، مسافروں، سالنوں وغیرہ حاجت مند طبقوں کی مالی مدد کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس کے بعد اقامت صلوٰۃ اور ادا زکوٰۃ کا بھی ذکر کیا گیا

ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ان کمزور اور ضرورت مند طبقوں کی مالی مدد کا جو ذکر یہاں کیا گیا ہے وہ زکوٰۃ کے علاوہ ہے، کیونکہ زکوٰۃ کا مستقلاً ذکر اس آیت میں آگے موجود ہے۔

امیر غریب ہر مسلمان کے لئے صدقہ لازم ہے

(۳۲) عَنْ أَبِي مُوسَى الْأَخْضَرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ عَلَى كُلِّ مُسْلِمٍ صَدَقَةٌ لِّأَنْ لَا يَأْكُلَ لَحْمُ الْفَقِيرِ وَلَا يَلْعَنَ نَفْسَهُ وَيَتَصَدَّقَ لَأَنْ لَا يَسْتَطِيعَ لَأَنْ لَا يَجْعَلَ ذَا الْحَاجَةِ الْمَلْهُوفَ لَأَنْ لَا يَفْعَلَ لَأَنْ لَا يَأْمُرَ بِالْغَيْرِ لَأَنْ لَا يَفْعَلَ لَأَنْ لَا يَمْسِكَ عَنِ الْمَرْءِ لَأَنَّهُ لَهُ صَدَقَةٌ — (رواه البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہر مسلمان پر صدقہ لازم ہے۔ لوگوں نے عرض کیا کہ: اگر کسی آدمی کے پاس صدقہ کرنے کے لئے کچھ نہ ہو تو وہ کیا کرے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ: اپنے دست و بازو سے محنت کرے اور کمائے۔ پھر اس سے خود بھی فائدہ اٹھائے اور صدقہ بھی کرے۔ عرض کیا گیا کہ: اگر وہ یہ نہ کر سکتا ہو تو کیا کرے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: کسی پریشان حال محتاج کا کوئی کام کر کے اس کی مدد ہی کر دے (یہ بھی ایک طرح کا صدقہ ہے)۔ عرض کیا گیا کہ: اگر وہ یہ بھی نہ کر سکے تو کیا کرے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: تو اپنی زبان ہی سے لوگوں کو بھلائی اور نیکی کے لئے کہے۔ لوگوں نے عرض کیا: اگر وہ یہ بھی نہ کر سکے تو کیا کرے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ: (کم از کم) شر سے اپنے کو روکے (یعنی اس کا اہتمام کرے کہ اس سے کسی کو تکلیف اور ایذا نہ پہنچے) یہ بھی اس کے لئے ایک طرح کا صدقہ ہے۔ (صحیح بخاری، صحیح مسلم)

تشریح:..... اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جن لوگوں پر دولت اور سرمایہ نہ ہونے کی وجہ سے زکوٰۃ فرض نہیں ہوتی ان کو بھی صدقہ کرنا چاہئے۔ اگر وہ پیسہ جیسے سے ہاتھ بالکل خالی ہو تو محنت مزدوری کر کے اور اپنا پیٹ کاٹ کر صدقہ کی سعادت حاصل کرنی چاہئے۔ اگر اپنے خاص حالات کی وجہ سے کوئی اس سے بھی مجبور ہو تو کسی پریشان حال کی خدمت ہی کر دے، اور ہاتھ پاؤں سے کسی کا کام نہ کر سکے تو زبان ہی سے خدمت کرے..... حدیث کی روح اور اس کا خاص پیغام یہی ہے کہ ہر مسلمان خواہ امیر ہو یا غریب، طاقتور اور توانا ہو یا ضعیف اس کے لئے لازم ہے کہ دامے، درمے، قدے، منجے جس طرح اور جس قسم کی بھی مدد اللہ کے حاجت مند بندوں کی کر سکے ضرور کرے، اور اس سے دریغ نہ کرے۔

صدقہ کی ترغیب اور اس کی برکات

(۳۲) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ لَأَنَّ اللَّهَ تَعَالَى أَنْفِقَ بِأَنْ يَأْكُلَ أَدَمُ الْفَقِيرَ عَلَيْكَ.

(رواه البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا کہ: ہر بندے کو اللہ کا پیغام ہے کہ اے

آدمؑ کے فرزند! تو! میرے ضرورت مند بندوں پر اپنی کمائی خرچ کر، میں اپنے خزانہ سے تجھ کو دیتا رہوں گا۔ (صحیح بخاری، صحیح مسلم)

تشریح..... گویا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ضمانت ہے کہ جو بندہ اس کے ضرورت مند بندوں کی ضرورتوں پر خرچ کرتا رہے گا اس کو اللہ تعالیٰ کے خزانہ غیب سے ملتا رہے گا..... اللہ تعالیٰ نے اپنے جن بندوں کو یقین کی دولت سے نوازا ہے ہم نے دیکھا کہ ان کا یہی معلوم ہے اور ان کے ساتھ ان کے رب کریم کا یہی معاملہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم کو بھی اس یقین کا کوئی حصہ نصیب فرمائے۔

فائدہ..... پہلے بھی ذکر کیا جا چکا ہے کہ جس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے حوالہ سے کوئی بات بیان فرمائیں اور وہ قرآن مجید کی آیت نہ ہو، اس حدیث کو ”حدیث قدسی“ کہا جاتا ہے، یہ حدیث بھی اسی قسم کی ہے۔

۳۴) عَنْ أَسْمَاءَ لَأَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ أَتَيْتُنِي وَلَا تُخْصِمِي لِيُخْصِمِيَ اللَّهُ عَلَيْكَ وَلَا تُؤْجِي لِيُؤْجِيَ اللَّهُ عَلَيْكَ إِنْ ضَعِيتُ مَا سَطَعْتِ. (رواه البخاری و مسلم)

ترجمہ..... حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا: تم اللہ کے بھروسہ پر اس کی راہ میں کشادہ سستی سے خرچ کرتی رہو اور گنومت (یعنی اس فکر میں نہ پڑو کہ میرے پاس کتنا ہے اور اس میں کتنا راہ خدا میں دوں) اگر تم اس کی راہ میں اس طرح حساب کر کے دو گ تو وہ بھی تمہیں حساب ہی سے دے گا (اور اگر بے حساب دو گ تو وہ بھی تم پر اپنی نعمتیں پر بے حساب انڈیلے گا) اور دولت جوڑ جوڑ کر اور بند کر کے نہ رکھو ورنہ اللہ تعالیٰ بھی تمہارے ساتھ یہی معاملہ کرے گا (کہ رحمت اور برکت کے دروازے تم پر خدا خواستہ بند ہو جائیں گے) لہذا اتھوڑا بہت کچھ ہو سکے اور جس کی توفیق ملے راہ خدا میں کشادہ سستی سے دیتی رہو۔ (صحیح بخاری، صحیح مسلم)

۳۵) عَنْ أَبِي أَسْمَاءَ لَأَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَا ابْنَ آدَمَ أَنْ تَبْلُلَ الْخَيْرَ غَيْرَ لِكَ وَأَنْ تُنْسِكَ خَيْرَ لِكَ وَلَا تَلَامُ عَلَى غَفَابٍ وَأَنْتَ بَيْنَ تَعُولُ. (رواه مسلم)

ترجمہ..... حضرت ابو اسامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے آدمؑ کے فرزند! اللہ کی دی ہوئی دولت جو اپنی ضرورت سے فاضل ہو اس کا راہ خدا میں صرف کر دینا تمہارے لئے بہتر ہے اور اس کا روکنا تمہارے لئے برا ہے، اور ہاں گزارے کے بقدر رکھنے پر کوئی ملامت نہیں۔ اور سب سے پہلے ان پر خرچ کرو جن کی تم پر ذمہ داری ہے۔ (صحیح مسلم)

تشریح..... اس حدیث کا پیغام یہ ہے کہ آدمی کے لئے بہتر یہ ہے کہ جو دولت وہ کمائے یا کسی ذریعہ سے اس کے پاس آئے اس میں سے اپنی زندگی کی ضرورت کے بقدر تو اپنے پاس رکھے باقی راہ خدا میں اس کے بندوں پر خرچ کرتا رہے، اور اس پر پہلا حق ان لوگوں کا ہے جن کا اللہ نے اس کو ذمہ دار بنایا ہے اور جن کی کفالت اس کے ذمہ ہے۔ مثلاً اس کے اہل و عیال اور حاجت مند قریبی اعزہ وغیرہ۔

جو راہ خدا میں خرچ کر دیا جائے وہی باقی اور کام آنے والا ہے۔

(۳۶) عَنْ عَائِشَةَ اَلْهَمْ ذَبْعَا ضَاةً لَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ مَا بَقِيَ مِنْهَا؟ ثَلَاثٌ مَا بَقِيَ مِنْهَا اِلَّا حُطِّفَهَا لَانَ بَقِيَ مِنْهَا غَيْرُ حُطِّفَهَا (رواہ الترمذی)

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ایک بکری ذبح کی گئی (اور اس کا گوشت اللہ تقسیم کر دیا گیا۔ رسول اللہ ﷺ تشریف لائے اور) آپ ﷺ نے دریافت فرمایا کہ: بکری میں سے کیا باقی رہا؟ حضرت عائشہ ﷺ نے عرض کیا کہ: صرف ایک دست اس کی باقی رہی ہے (باقی سب ختم ہو گیا) آپ ﷺ نے فرمایا کہ: اس دست کے علاوہ جو اللہ تقسیم کر دیا گیا اور اصل وہی سب باقی ہے اور کام آنے والا ہے (یعنی آخرت میں انشاء اللہ اس کا اجر ملے گا۔) (پنج تہذیبی)

اتفاق کے بارے میں احباب یقین و توکل کی راہ

(۳۷) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ لَوْ كَانَ لِي مِثْلُ أُحُدٍ ذَهَبًا لَسَرَّيْنِ اَنْ لَا يَمُرَّ عَلَيَّ ثَلَاثُ لَيَالٍ وَعِنْدِي مِنْهُ خَبْنِي اِلَّا خَبْنِي اَرْصُدُهُ لِدَيْنِي. (رواہ البخاری)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اگر میرے پاس اُحد پہاڑ کے برابر سونا ہو تو میرے لئے بڑی خوشی کی بات یہ ہوگی کہ تین راتیں گزرنے سے پہلے اس کو راہ خدا میں خرچ کر دوں اور میرے پاس اس میں سے کچھ بھی باقی نہ رہے سوائے اس کے کہ میں قرض الا کرنے کے لئے اس میں سے کچھ بچاؤں۔ (صحیح بخاری)

(۳۸) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ دَخَلَ عَلَى بِلَالٍ وَعِنْدَهُ ضَبْرَةٌ مِنْ تَمَرٍ لَقَالَ مَا هَذَا يَا بِلَالُ؟ قَالَ خَبْنِي اِذْخَرْتُهُ لَعَلَّكَ لَقَالَ اَمَا تَخْشَى اَنْ تَرَى لَهُ بُخَارًا فَيُنَادِي جَهَنَّمَ يَوْمَ الْقِيَمَةِ اَلَيْفِي يَا بِلَالُ وَلَا تَخْشَى مِنْ ذِي الْعَرْشِ اِقْلَالَ. (رواہ البیہقی فی شعب الایمان)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک دن حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی قیام گاہ پہنچے اور دیکھا کہ ان کے پاس چھوڑوں کا ایک ڈھیر ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: بلال! یہ کیا ہے؟ انہوں نے عرض کیا کہ میں نے اس کو آئندہ کے لئے ذخیرہ بنایا ہے (تاکہ مستقبل میں روزی کی طرف سے ایک گونہ اطمینان رہے۔) آپ ﷺ نے فرمایا: بلال! کیا تمہیں اس کا ڈر نہیں ہے کہ کل قیامت کے دن آنکھیں دوزخ میں تم اس کی تیش اور سوز دیکھو۔ اے بلال! جو ہاتھ پاس آئے اس کو اپنے پر اور دوسروں پر خرچ کرتے رہو اور عرش عظیم کے مالک سے قلت کا خوف نہ کرو (یعنی یقین رکھو کہ جس طرح اس نے یہ دیا ہے آئندہ بھی اسی طرح عطا فرما رہا ہے گا، اس کے خزانہ میں کیا کمی ہے، اس لئے کل کے لئے ذخیرہ رکھنے کی فکر نہ کرو۔) (شعب الایمان نسیتی)

تشریح:..... حضرت بلال رضی اللہ عنہ اصحاب صفہ میں سے تھے جنہوں نے رسول اللہ ﷺ والی متوکلانہ زندگی کا

طریقہ اپنایا تھا۔ ان کے لئے مستقبل کے واسطے غذا کا ذخیرہ کرنا بھی مناسب نہ تھا، اس لئے رسول اللہ ﷺ نے ان کو یہ ہدایت فرمائی۔ اگرچہ عام لوگوں کے لئے یہ بات بالکل جائز ہے، بلکہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے بعض صحابہ کو بھی اس سے روکا تھا کہ وہ اپنا سارا مال راہِ خدا میں خرچ کر دیں اور گھر والوں کے لئے کچھ نہ رکھیں..... لیکن صحابہ میں سے جن حضرات نے رسول اللہ ﷺ اور اصحاب صفہ والی خالص توکل کی راہ اپنائی تھی ان کے لئے اس طرز عمل کی گنجائش نہ تھی..... ع

”جن کے رتبے ہیں سوا ان کو سوا مشکل ہے“

حدیث کے آخری فقرے میں اشارہ ہے..... کہ اللہ کا جو بندہ خیر کی راہوں میں ہمت کے ساتھ صرف کرے گا..... وہ اللہ تعالیٰ کی عطایں کبھی کمی نہ پائے گا!

جو دولت مند کشادہ دہتی سے راہِ خدا میں صرف نہ کریں بڑے خسار میں ہیں

۳۹ عَنْ أَبِي قُرَيْبٍ قَالَ سَمِعْتُ اَبِي النَّبِيَّ ﷺ وَهُوَ جَالِسٌ لِيْ طَلَّ الْكَعْبَةَ لَمَّا رَأَى لَالَهُمْ اَلْاَخْسَرُوْنَ وَرَبَّ الْكَعْبَةِ لَقُلْتُ لِهٰذَا اَبِيْ وَابْنِيْ مَنْ هُم لَالَهُمْ اَلَا خَسِرُوْنَ اَمْوَالًا اِلَّا مَنْ لَالَ هَكَذَا وَهَكَذَا مِنْ بَنِيْ بَنِيْهِ وَمِنْ خَلْفِهِ وَعَنْ يَمِيْنِهِ وَعَنْ شِمَالِهِ وَلِلَّيْلِ مَا هُمْ -

(رواہ البخاری و مسلم)

ترجمہ..... حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ ﷺ اس وقت کعبہ کے سائے میں اور اس کے نیچے بیٹھے ہوئے تھے، آپ ﷺ نے جب مجھے دیکھا تو فرمایا: رب کعبہ کی قسم! وہ لوگ بڑے خسارے میں ہیں؟ میں نے عرض کیا: میرے ماں باپ آپ ﷺ پر قربان! ان لوگ ہیں جو بڑے خسارے میں ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: وہ لوگ جو بڑے دولت مند اور سرمایہ دار ہیں، ان میں سے وہی لوگ خسارے سے محفوظ ہیں جو اپنے آگے پیچھے اور دائیں بائیں (ہر طرف خیر کے مصارف میں) اپنی دولت کشادہ دہتی کے ساتھ صرف کرتے ہیں..... مگر دولت مندوں اور سرمایہ داروں میں ایسے بندے بہت کم ہیں۔ (صحیح بخاری، صحیح مسلم)

تشریح..... حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ نے فقر کی زندگی اختیار کر رکھی تھی اور ان کے مزاج اور طبیعت کے لحاظ سے یہی ان کے لئے بہتر تھا۔ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں جب وہ حاضر ہوئے تو آپ ﷺ نے ان کے اطمینان خاطر کے لئے بیان فرمایا کہ: دولت مندی اور سرمایہ داری جو بظاہر بڑی نعمت ہے دراصل کڑی آزمائش بھی ہے اور صرف وہی بندے اس میں کامیاب ہو سکتے ہیں جو اس سے دل نہ لگائیں اور پوری کشادہ دہتی کے ساتھ دولت کو خیر کے مصارف میں خرچ کریں، جو ایسا نہ کریں گے وہ انجام کار بڑے خسارے میں رہیں گے۔

صدقہ کے خواص اور برکات

(۴۰) عَنْ أَنَسٍ لَّانَ لَاسَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِنَّ الصَّدَقَةَ لَتَطْفِئُ غَضَبَ الرَّبِّ وَتَنْقُضَ مِثْقَالَ مِثْقَالٍ مِنَ السُّوءِ.

(رواہ الترمذی)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: صدقہ اللہ کے غضب کو ختم کر دیتا ہے اور بری موت کو دفع کرتا ہے۔ (جامع ترمذی)

تشریح:..... جس طرح دنیا کی مادی چیزوں جزی بونیوں تک کے خواص اور اثرات ہوتے ہیں، اسی طرح انسانوں کے اچھے برے اعمال اور اخلاق کے بھی خواص اور اثرات ہیں جو انبیاء عظیم السلام کے ذریعہ ہی معلوم ہوتے ہیں۔ اس حدیث میں صدقہ کی دو خاصیتیں بیان کی گئی ہیں۔ ایک یہ کہ اگر بندے کی کسی بڑی لغزش اور معصیت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کا غضب اور ناراضی کے اس کی رضا اور رحمت کا مستحق بن جاتا ہے اور دوسری خاصیت یہ ہے کہ وہ بری موت سے آدمی کو بچاتا ہے (یعنی صدقہ کی برکت سے اس کا خاتمہ اچھا ہوتا ہے) دوسرا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ اس طرح کی موت سے بچاتا ہے جس کو دنیا میں بری موت سمجھا جاتا ہے۔ واللہ اعلم

(۴۱) عَنْ مَرْوَانَ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ لَّانَ خَلَفَنِي بَعْضُ أَصْحَابِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ اِنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ اِنَّ هَلَّ الْمُؤْمِنِ يَوْمَ الْيَوْمِ صَدَقَةٌ.

(رواہ احمد)

ترجمہ: مرید بن عبد اللہ تابعی بیان کرتے ہیں کہ مجھ سے رسول اللہ ﷺ کے بعض اصحاب کرام رضی اللہ عنہم نے بیان کیا کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے یہ بات سنی ہے کہ قیامت کے دن مؤمن پر اس کے صدقہ کا سایہ ہوگا۔ (مسند احمد)

تشریح:..... حدیثوں میں بہت سے اعمال صالحہ کے بارے میں بتایا گیا ہے کہ قیامت کے دن یہ اعمال سایہ کا ذریعہ بن جائیں گے۔ اس حدیث میں صدقہ کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ قیامت میں اس کی ایک برکت یہ ظاہر ہوگی کہ صدقہ کرنے والے کے لئے اس کا صدقہ سابقان بن جائے گا جو اس دن کی تپش اور تھکات سے اس کو بچائے گا۔ اللہ تعالیٰ ان حقیقتوں کا یقین اور اس کے مطابق عمل نصیب فرمائے۔

صدقہ کرنے سے مال میں کمی نہیں آتی بلکہ برکت ہوتی ہے:

(۴۲) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ لَّانَ لَاسَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَا تَقَصَّصَتْ صَدَقَةٌ مِنْ مَالٍ وَمَا زَادَ اللّٰهُ بِعَفْوِ الْاَعْرَافِ وَمَا تَوَاضَعَ اَحَدٌ لِلّٰهِ اِلَّا زَلَّعَهُ اللّٰهُ -

(رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: صدقہ سے مال میں کمی نہیں آتی (بلکہ اضافہ ہوتا ہے) اور قصور معاف کر دینے سے آدمی نچا نہیں ہوتا بلکہ اس کو سر بلند کر دیتا ہے۔ اور اس کی عزت میں اضافہ ہو جاتا ہے اور جو بندہ اللہ کے لئے فروتنی اور خاکساری کا رویہ اختیار کرے اللہ

تعالیٰ اس کو رنعت اور بالاتری بخشے گا۔ (صحیح مسلم)

(۴۳) عَنْ أَبِي أُمَامَةَ قَالَ قَالَ أَبُو ذَرٍّ يَالْبَيْتِ اللَّهُ أَرَأَيْتَ الصَّدَقَةَ مَا هِيَ قَالَ أَضْعَافٌ مُضَاعَفَةٌ وَعِنْدَ اللَّهِ الْمَزِيدُ. (رواه احمد)

ترجمہ: حضرت ابوامامہ سے روایت ہے کہ حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ: حضرت (ﷺ)! بتائیے کہ صدقہ کیا ہے؟ (یعنی اللہ کی طرف سے اس کا کیا اجر ملے والا ہے؟) آپ (ﷺ) نے فرمایا کہ: چند در چند (یعنی جتنا کوئی اللہ کی راہ میں صدقہ کرے اس کا کئی گنا اس کو ملے گا) اور اللہ کے ہاں بہت ہے۔ (مسند احمد)

تشریح:..... مطلب یہ ہے کہ جو اللہ کی راہ میں جتنا صدقہ کرے گا اس کو اس کا کئی گنا اللہ تعالیٰ عطا فرمائے گا۔ دوسری بعض احادیث میں دس گنے سے سات سو گنے تک کا ذکر ہے اور یہ بھی آخری حد نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ جس کو چاہے گا اس سے بھی زیادہ عطا فرمائے گا۔ واللہ یضاعف لمن یشاء۔ اس کا خزانہ لا انتہاء ہے۔ بعض حضرات نے اس حدیث کا مطلب یہ سمجھا ہے کہ صدقہ کے عوض میں کئی گنا تو اللہ تعالیٰ اسی دنیا میں عطا فرماتا ہے، اور اس کا صلہ جو آخرت میں عطا فرمایا جائے گا وہ اس سے بہت زیادہ ہو گا۔ اللہ کے بندوں کا یہ عام تجربہ ہے کہ اللہ پر یقین اور اعتماد کرتے ہوئے وہ اخلاص کے ساتھ جتنا اس کی راہ میں اس کے بندوں پر صرف کرتے ہیں اس کا کئی گنا اللہ تعالیٰ ان کو اس دنیا ہی میں عطا فرمادیتا ہے، ہاں اخلاص اور یقین شرط ہے۔

ضرور متمندوں کو کھلانے پلانے اور پہنانے کا اجر و ثواب

(۴۴) عَنْ أَبِي سَعِيدٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ أَيُّمَا مُسْلِمٍ كَسَا مُسْلِمًا ثَوْبًا عَلَى عُرَى كَسَاهُ اللَّهُ مِنْ خُضْرِ الْجَنَّةِ وَأَيُّمَا مُسْلِمٍ أَطْعَمَ مُسْلِمًا عَلَى جُوعٍ أَطْعَمَهُ اللَّهُ مِنْ بَعَارِ الْجَنَّةِ وَأَيُّمَا مُسْلِمٍ سَقَى مُسْلِمًا عَلَى كَمَا سَقَاهُ اللَّهُ مِنَ الرِّيحِ الْمَغْخُومِ - (رواه ابو داؤد و الترمذی)

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس مسلم نے کسی دوسرے مسلم بھائی کو جس کے پاس کپڑا نہیں تھا، پہننے کو کپڑا دیا، اللہ تعالیٰ اس کو جنت کا سبز لباس پہنائے گا اور جس مسلم بھائی نے دوسرے مسلم بھائی کو جھوک کی حالت میں کھانا کھلایا، اللہ تعالیٰ اس کو جنت کے پھل اور میوے کھلائے گا، اور جس مسلم نے پیاس کی حالت میں دوسرے مسلم بھائی کو پانی پلایا تو اللہ تعالیٰ اس کو جنت کی سر بمبر شراب طہور پلائے گا۔ (مسند ابی داؤد و الترمذی)

(۴۵) عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ مَا مِنْ مُسْلِمٍ كَسَا مُسْلِمًا ثَوْبًا إِلَّا كَانَ فِي حِفْظِ اللَّهِ مَا دَامَ عَلَيْهِ مِنْهُ خِرْقَةٌ. (رواه احمد و الترمذی)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا، آپ ﷺ فرماتے

تھے: جس بندے نے کسی مسلم کو کپڑا پہنایا وہ یقیناً اس وقت تک اللہ کے حفظ و امان میں رہے گا جب تک کہ اس کے جسم پر اس کپڑے میں سے کچھ بھی رہے۔ (مسند احمد، جامع ترمذی)

(۴۶) عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ سَلَامٍ لَأَنَّ لِمَا قَلِمَ النَّبِيُّ ﷺ الْمَدِينَةَ جِئْتُ لَمَّا تَبَيَّنَتْ وَجْهَهُ عَرَفْتُ أَنَّ وَجْهَهُ لَيْسَ بِوَجْهِ كَذَّابٍ لَكَانَ أَوَّلُ مَا كَانَ يَأْتِيهَا النَّاسُ أَفْشُو السَّلَامِ وَأَطْعَمُوا الطَّعَامَ وَصَلُّوا الْأَرْحَامَ وَصَلُّوا بِاللَّيْلِ وَالنَّاسُ يَأْمُ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ بِسَلَامٍ. (رواه الترمذی وابن ماجہ)

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہ سے روایت ہے بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب ہجرت کر کے مدینہ طیبہ آئے تو میں (آپ ﷺ کو دیکھنے سمجھنے کے لئے) آپ کے پاس آیا، جب میں نے غور سے آپ ﷺ کا رویہ اور دیکھا تو پہچان لیا (اور بلا کسی شک و شبہ کے جان لیا) کہ یہ ہرگز کسی جھوٹے کا چہرہ نہیں ہے۔ پھر آپ ﷺ نے سب سے پہلی جو بات فرمائی وہ یہ تھی کہ: ”اے لوگو! آپس میں سلام کی خوب اشاعت کرو اور رواج دو (یعنی ہر ایک دوسرے کو سلام کیا کرتے اس سے دل کی گرمییں کھلتی ہیں اور تعلق بڑھتا ہے) اور (اللہ کے بندوں کو خاص کر ان کو جو ضرورت مند ہوں) کھانا کھاؤ، اور آپس میں صلہ رحمی کرو (یعنی قربابت کے حقوق ادا کرو) اور رات کو جس وقت لوگ پڑے سوتے ہیں اللہ کے حضور میں نماز پڑھو، ایسا کرو گے تو سلامتی کے ساتھ جنت میں جاؤ گے۔ (جامع ترمذی، سنن ابن ماجہ)

بھوکے پیاسے جانوروں کو کھانا پلانا بھی صدقہ ہے

(۴۷) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ لَأَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ غَفِرَ لِمَرْأَةٍ مُؤْمِسَةً مَرَّتَ بِكَلْبٍ عَلَى رَأْسِ رَجُلٍ يَلْتَهُ كَادَ يَقْتُلُهُ الْعَطَشُ فَتَرَعَتْ خَلْفَهَا فَأَوْقَفَتْهُ بِخِمَارِهَا فَتَرَعَتْ لَهُ مِنَ الْمَاءِ لَفَغِيرَ لَهَا بِذَلِكَ قِيلَ إِنَّ لَتَائِي الْبَهَائِمِ أَجْرًا؟ لَأَنَّ لِي مَلِكِي ذَاتَ كَبِيرٍ طَبِيعَةً أَجْرًا..... (رواه البخاری ومسلم)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک بد چلن عورت اس عمل پر بخش دی گئی کہ وہ ایک کنوئیں کے پاس سے گزری اور اس نے دیکھا کہ ایک کتا زبان نکالے ہوئے (اور اس کی حالت ایسی ہے کہ) گویا وہ پیاس سے مر رہی جائے گا (اس عورت کے دل میں ترس آیا۔ وہاں پانی نکالنے کے لئے رسی ڈول کچھ موجود نہیں تھا) اس نے اپنا چمڑے کا مونہ پاؤں سے نکالا اور (کسی طرح اس کو) اپنی اوزھنی سے باندھا اور (محنت مشقت کر کے) اسی کے ذریعہ کنوئیں سے پانی نکال کر اس کو پلایا، وہ عورت اپنے اسی عمل کی وجہ سے بخش دی گئی..... کسی نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! کیا جانوروں کے کھلانے پلانے میں بھی ثواب ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں! ہر حساس جانور (جس کو بھوک پیاس کی تکلیف ہوتی ہو) اس کو کھلانے پلانے میں اجر و ثواب ہے۔ (صحیح بخاری، صحیح مسلم)

(۴۸) عَنْ أَنَسٍ لَأَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ مَا مِنْ مُسْلِمٍ يَغْرِسُ غَرْسًا أَوْ يَزْرَعُ زَرْعًا لَهَا مَلِكٌ مِنْهُ إِنْسَانٌ أَوْ عِلْرٌ أَوْ بَهِيمَةٌ إِلَّا كَانَتْ لَهُ صَدَقَةٌ. (رواه البخاری ومسلم)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: جو مسلمان بندہ کوئی درخت لگائے یا کھیتی کرے تو اس درخت یا اس کھیتی سے جو پھل اور جو دانہ کوئی انسان یا کوئی پرندہ یا کوئی چوپایہ کھائے گا وہ اس بندہ کے لئے صدقہ اور اجر و ثواب کا ذریعہ ہوگا۔

اللہ تعالیٰ ہر روز رحمت سے بھجائے گا جس نے بہت

(۴۹) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مَرَّ رَجُلٌ بِمُضْنِ حَجَرَةٍ عَلَى ظَهْرِ طَرِيقٍ لِقَالَ لَا تَمِمْ هَذَا عَنْ طَرِيقِ الْمُسْلِمِينَ لَا يُؤْذِنُهُمْ لَأَدْخِلَ الْجَنَّةَ (رواہ البخاری و مسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمایا کہ اللہ کا کوئی بندہ کسی راستے پر چلا جا رہا تھا جس پر کسی درخت کی ایک شاخ تھی (جس سے گزرنے والوں کو تکلیف ہوتی تھی) اس بندے نے اپنے جی میں کہا کہ میں اس شاخ کو یہاں سے الگ کر کے راستہ صاف کروں گا تاکہ بندگانِ خدا کو تکلیف نہ ہو (پھر اس نے ایسا ہی کیا تو وہ اپنے عمل کی وجہ سے جنت میں بھیج دیا گیا۔)

بعض اعمال بظاہر بہت چھوٹے اور معمولی ہوتے ہیں، لیکن کبھی کبھی وہ دل کی ایسی کیفیت اور ایسے خدا پرستانہ جذبہ کے ساتھ صادر ہوتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں بڑا قیمتی اور محبوب ہوتا ہے، اس کی وجہ سے ارحم الراحمین کا دریائے رحمت جوش میں آجاتا ہے، پھر اس بندے کے سارے گناہ بخش دیئے جاتے ہیں اور اس کے لئے مغفرت اور داخلہ جنت کا فیصلہ فرمایا جاتا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ والی مندرجہ بالا حدیث میں ایک پیاسے کتے کو پانی پلانے والی ایک بد چلن عورت کی مغفرت کی جو خوشخبری دی گئی ہے اور اس حدیث میں راستے سے ایک درخت کی صرف شاخ بنادینے پر ایک آدمی کے داخلہ جنت کی جو بشارت سنائی گئی ہے اس کا راز یہی ہے۔ واللہ اعلم۔

سوائے صدقہ کا ثواب زیادہ ہے

(۵۰) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ أَيُّ الصَّدَقَةِ أَكْثَرُ أَجْرًا قَالَ أَنْ تَصَدَّقَ وَأَنْتَ صَبِيحٌ فَحَجَبٌ تَخْشَى الْفَقْرَ وَتَأْمَلُ الْمَيِّتَ وَلَا تَمُتُ حَتَّى إِذَا بَلَغَ الْخُلُقُومَ لَنْتَ لِفُلَانٍ كَذَا وَلِفُلَانٍ كَذَا وَلَقَدْ كَانَ لِفُلَانٍ

(رواہ البخاری و مسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ: کس صدقہ کا ثواب زیادہ ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ: زیادہ ثواب کی صورت یہ ہے کہ تم ایسی حالت میں صدقہ کرو جب کہ تمہاری تندرستی قائم ہو اور تمہارا اندر دولت کی چابوت اور اس کو اپنے پاس رکھنے کی حرص ہو، اس حالت میں (راؤ خدا میں مال خرچ کرنے سے) تمہیں محتاجی کا خطرہ ہو، اور دولت مند کی دل میں آرزو ہو (ایسے وقت میں اللہ کی رضا کے لئے اپنا مال خرچ کرنا سچی خدا پرستی اور خدا طلبی کی دلیل ہے اور ایسے صدقہ کا ثواب بہت بڑا ہے۔) اور ایسا نہ ہونا چاہئے کہ تم سوچتے رہو اور ناتالے رہو، یہاں تک

کہ جب موت کا وقت آجائے اور جان کھینچ کر حلق میں آجائے تو تم مال کے بارے میں وصیت کرنے لگو کہ اتنا فلاں کو اور اتنا فلاں کو، حالانکہ اب تو مال (تمہاری ملکیت سے نکل کر) فلاں فلاں کا (یعنی وارثوں) کا ہو ہی جائے گا۔ (صحیح مسلم، صحیح بخاری)

تنبیہ..... انسانوں کی یہ عام کمزوری ہے کہ جب تک وہ تندرست و توانا ہوتے ہیں اور موت سامنے نہیں کھڑی ہوتی، وہ اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے بخل کرتے ہیں۔ شیطان ان کے دلوں میں وسوسہ ڈالتا ہے کہ اگر ہم نے راہِ خدا میں خرچ کیا تو ہمارے پاس کمی ہو جائے گی، ہم خود تنگ دست اور محتاج ہو جائیں گے۔ اس لئے ان کا ہاتھ نہیں کھلتا، لیکن جب موت سامنے آجاتی ہے اور زندگی کی امید باقی نہیں رہتی تو انہیں صدقہ یاد آتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: یہ طرزِ عمل ٹھیک نہیں ہے، اللہ کی نگاہ میں محبوب اور مقبول صدقہ وہ ہے جو بندہ تندرستی اور توانائی کی ایسی حالت میں کرے کہ اس کے سامنے اپنے مسائل اور اپنا مستقبل بھی ہو اس کے باوجود وہ اللہ کی رضا جوئی کے لئے اور آخرت کے ثواب کی امید میں اور رب کریم کے وعدوں پر یقین و اعتماد کرتے ہوئے اسی حالت میں ہاتھ کھول کر اللہ کی راہ میں اس کے بندوں پہ خرچ کرے۔ ایسے بندوں کے لئے قرآن مجید میں فلاح کا وعدہ ہے۔ وَمَنْ يُؤْتِ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ اِنَّ الْمُتَّقِلِينَ

اپنے اہل و عیال کی ضروریات پر خرچ کرنا بھی صدقہ ہے۔ اپنے اہل و عیال کی ضروریات پر اپنی اپنی حیثیت کے مطابق کم و بیش خرچ تو سب ہی کرتے ہیں لیکن اس خرچ کرنے سے لوگوں کو وہ روحانی خوشی حاصل نہیں ہوتی جو اللہ کے نیک بندوں کو دوسرے ضرورت مندوں اور مساکین و فقاء پر صدقہ کرنے سے ہوتی ہے، کیونکہ اپنے اہل و عیال پر خرچ کرنے کو لوگ کارِ ثواب نہیں سمجھتے، بلکہ اس کو مجبوری کا ایک تاوان، یا نفس کا ایک تقاضا سمجھتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے بتایا کہ اپنے اہل و عیال اور اعزہ و اقارب پر بھی لوچ اللہ اور ثواب کی نیت سے خرچ کرنا چاہئے، اس صورت میں جو خرچ اس مد میں ہو گا وہ سب صدقہ کی طرح آخرت کے بینک میں جمع ہو گا، بلکہ دوسرے لوگوں پر صدقہ کرنے سے زیادہ اس کا ثواب ہو گا۔ رسول اللہ ﷺ کی اس تعلیم سے ہمارے لئے خیر و سعادت کا ایک بہت بڑا دروازہ کھل جاتا ہے۔ اب ہم جو کچھ اپنے بیوی بچوں کے کھانے، پہننے، پر، حتیٰ کہ ان کے جو توں پر جائز حدود میں خرچ کریں وہ ایک طرح کا صدقہ ہے اور کارِ ثواب ہو گا۔ بس شرط یہ ہے کہ ہم اس ذہن سے اور اس نیت سے خرچ کریں۔

۱۰) عَنْ أَبِي مَسْعُودٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِذَا أَلْفَقَ الْمُسْلِمُ نَفَقَةً عَلَى أَهْلِهِ وَهُوَ يَحْسِبُهَا كَأَنَّهُ لَهُ صَدَقَةٌ — (رواہ البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب کوئی صاحبِ ایمان بندہ اپنے اہل و عیال پر ثواب کی نیت سے خرچ کرے تو وہ اس کے حق میں صدقہ ہو گا (اور وہ عند اللہ ثواب کا

مستحق ہوگا۔) (صحیح بخاری، صحیح مسلم)

۵۲) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ بَارَسُوهَ الْإِلَهَ أَيُّ الصَّدَقَةِ الْفُضْلُ؟ قَالَ جُهِدَ الْمُحِبُّلَ وَأَبْدَأَ بِمَنْ تَعُولُ.

(رواہ ابو داؤد)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا کہ: یا رسول اللہ! کونسا صدقہ افضل ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: وہ صدقہ افضل ترین صدقہ ہے جو غریب آدمی اپنی محنت کی کمائی سے کرے اور پہلے ان پر خرچ کرو جن کے تم ذمہ دار ہو (یعنی اپنے بیوی بچوں پر)۔

(مشن ابن ابی شیبہ)

۵۳) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ لَقَالَ عِنْدِي دِينَارٌ قَالَ أَنْفَقْهُ عَلَى

نَفْسِكَ قَالَ عِنْدِي آخَرُ قَالَ أَنْفَقْهُ عَلَى وَلَدِكَ قَالَ عِنْدِي آخَرُ قَالَ أَنْفَقْهُ عَلَى أَهْلِكَ قَالَ عِنْدِي آخَرُ قَالَ أَنْفَقْهُ عَلَى خَادِمِكَ قَالَ عِنْدِي آخَرُ قَالَ أَنْتَ أَغْلَمُ. (رواہ ابو داؤد والنسائی)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور عرض کیا کہ: میرے پاس ایک دینار ہے (بتائیے کہ میں وہ کہاں خرچ کروں اور کس کو دے دوں؟) آپ ﷺ نے فرمایا: (سب سے مقدم یہ ہے) کہ اپنی ضرورتوں پر خرچ کرو۔ اس نے کہا کہ: اس کے لئے میرے پاس اور ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: تو اس کو اپنی اولاد کی ضروریات پر خرچ کرو۔ اس نے کہا کہ: اس کے لئے میرے پاس اور ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: تو اس کو اپنی بیوی کی ضروریات پر خرچ کرو۔ اس نے کہا کہ: اس کے لئے میرے پاس اور ہے۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ: پھر اس کو اپنے غلام اور خادم پر صرف کر دو۔ اس نے کہا کہ: اس کے لئے میرے پاس اور ہے۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ: تم زیادہ واقف ہو (کہ تمہارے اہل قربات میں کون زیادہ ضرورت مند اور مستحق ہے)۔ (مشن ابن ابی شیبہ)

ترجمہ: غالباً ان صاحب کے ظاہری حال سے رسول اللہ ﷺ نے یہ اندازہ کیا تھا کہ یہ خود ضرورت مند اور تنگ حال ہیں اور ان کے پاس بس ایک دینار ہے اور یہ اس کو ثواب آخرت اور اللہ کی رضا کے لئے کہیں خرچ کرنا چاہتے ہیں اور ان کو یہ معلوم نہیں کہ مؤمن بندہ جو کچھ اپنی ضرورتوں پر خرچ کرے یا اپنے بیوی بچوں اور غلاموں پر (جن کی اس پر ذمہ داری ہے) خرچ کرے وہ سب بھی صدقہ اور اللہ تعالیٰ کی رضا اور ثواب کا وسیلہ ہے، اس لئے آپ ﷺ نے ان کو بالترتیب یہ مشورہ دیا۔ عام اصول اور حکم یہی ہے کہ آدمی پہلے ان حقوق اور ان ذمہ داریوں کو ادا کرے جن کا وہ ذاتی اور شخصی طور پر ذمہ دار ہے اس کے بعد آگے بڑھے۔ ہاں وہ خاصان خدا جن کو توکل و اعتماد علی اللہ کا بلند مقام حاصل ہو اور ان کے اہل و عیال کو بھی اس دولت میں سے حصہ ملا ہو ان کے لئے یہ صحیح ہے کہ خود فاقہ سے رہیں، بیٹوں پہ پتھر باندھیں اور گھر میں جو کھانا ہو وہ دوسرے اہل حاجت کو کھلا دیں۔ خود رسول اللہ ﷺ اور خواص صحابہ کا حال اور طرز عمل یہی تھا۔ بیرون

عَنِ الْمُسْلِمِ وَلَوْ كَانَ بَيْعُهُ خِصَاصَةً۔ (سورۃ الحشر)

اہل قرابت پر صدقہ کی خاص فضیلت

(٥٤) عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ الصَّدَقَةُ عَلَى الْمُسْكِينِ صَدَقَةٌ وَهِيَ عَلَى ذِي الرَّحْمِ لَتَنُفِثَنَّ صَدَقَةً وَصَلَةً - (رواه أحمد والترمذي والنسائي وابن ماجه والدارمي)

تقریباً: سلیمان بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کسی اجنبی مسکین کو اللہ کے لئے کچھ دینا صرف صدقہ ہے اور اپنے کسی عزیز قریب (ضرورت مند) کو اللہ کے لئے کچھ دینے میں دو پہلو ہیں اور دو طرح کا ثواب ہے، ایک یہ کہ وہ صدقہ ہے اور دوسرے یہ کہ وہ صلہ رحمی ہے (یعنی حق قرابت کی ادائیگی ہے) جو بجائے خود بڑی نیکی ہے..... (مسند امام ترمذی، ابن ماجہ، ابن ابی شیبہ، دارمی)

(٥٥) عَنْ زَيْنَبِ امْرَأَةِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ تَصَدَّقْنَ بِأَمْعَسَرِ النِّسَاءِ وَلَوْ مِنْ خَلِيكُنَّ قَالَتْ لَوَجَعْتُ إِلَى عَبْدِ اللَّهِ لَقُلْتُ إِنَّكَ رَجُلٌ خَفِيفٌ ذَاتُ الْيَدِ وَإِنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ لَفُيَ أَمَرَنَا بِالصَّدَقَةِ فَأَتَيْهِ لَأَسْتَلْهُ فَإِنْ كَانَ ذَلِكَ يَجْزِي عَنِّي وَإِلَّا صَرَفْتُهَا إِلَى غَيْرِهِمْ قَالَتْ لَقَالَ لِي عَبْدُ اللَّهِ بَلْ إِنِّي أَنْتَ قَالَتْ لَأَنْطَلُقُ فَإِذَا امْرَأَةٌ مِنَ الْأَنْصَارِ بَابَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ حَاجَتِي حَاجَتُهَا قَالَتْ وَكَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ لَفُيَ الْقَيْثَ عَلَيْهِ الْمَهَابَةُ لَقَالَتْ لَخَرَجَ عَلَيَّا بِهَذَا لَقُلْنَا لَهُ إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ لَأَخْبِرُهُ أَنْ إِمْرَأَتِي بِبَابِ تَسْأَلُكَ أَتَجْزِي الصَّدَقَةَ عَنْهُمَا عَلَى أَزْوَاجِهِمَا وَعَلَى آيَاتِهِمْ لِي حُجُورِهِمَا وَلَا تُخْبِرُهُ مَنْ نَحْنُ قَالَتْ لَفَدَخَلَ بِهَذَا عَلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ لَسَأَلَهُ لَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مَنْ هُمَا قَالَتْ امْرَأَةٌ مِنَ الْأَنْصَارِ وَزَيْنَبُ لَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ أَيُّ الزَّيَابِ قَالَتْ امْرَأَةُ عَبْدِ اللَّهِ لَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ نَعَمْ لَهُمَا أَجْرَانِ أَجْرُ الْفَرَاةِ وَأَجْرُ الصَّدَقَةِ (رواه البخاري ومسلم)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی بیوی زینب سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے (ایک خطبہ میں خاص طور سے عورتوں کو مخاطب کر کے) فرمایا کہ: اے خواتین! تم کو چاہئے کہ راہ خدا میں صدقہ کیا کرو، اگرچہ تم کو اپنے زیورات میں سے دینا پڑے (آگے زینب بیان کرتی ہیں کہ) میں نے جب حضور ﷺ کا یہ ارشاد سنا تو میں اپنے شوہر عبداللہ بن مسعود کے پاس آئی اور میں نے ان سے کہا کہ: رسول اللہ ﷺ نے ہم عورتوں کو خاص طور سے صدقہ کی تاکید فرمائی ہے (اور میں چاہتی ہوں کہ میرے پاس جو کچھ ہے اس میں سے راہ خدا میں خرچ کرنے کی سعادت حاصل کروں) اور تم بھی تنگ حال اور خالی ہاتھ ہو، اب تم رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر دریافت کرو (کہ اگر میں تم کو کبھی دے دوں تو کیا میرا صدقہ ادا ہو جائے گا) اگر میرا تم کو دینا صحیح ہو تو میں تم ہی کو دے دوں گی، ورنہ دوسرے ضرورت مند پر خرچ کر دوں گی۔۔۔ کہتی ہیں کہ عبداللہ بن مسعود نے مجھ سے کہا کہ: تم خود ہی جا کر حضور ﷺ سے دریافت کرو۔ تو میں خود گئی، وہاں پہنچی تو دیکھا کہ انصار میں سے ایک عورت آپ کے دروازے پر کھڑی اور اس کی غرض بھی وہی ہے جو میری غرض ہے (یعنی وہ بھی یہی مسئلہ معلوم کرنے کے لئے حاضر

ہوئی تھی)۔ اور رسول اللہ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے ایک خاص ہیبت دی تھی (جس کی وجہ سے ہر ایک کو آپ ﷺ سے دو بدو بات کرنے کی جرأت نہیں ہوتی تھی اس لئے ہمیں خود آپ کے قریب پہنچ کر پوچھنے کی ہمت نہیں ہوئی) اتنے میں (آپ کے خاص خادم اور مؤذن) حضرت بلال رضی اللہ عنہ باہر نکلے۔ ہم دونوں نے ان سے کہا کہ آپ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کیجئے کہ دو عورتیں دروازے پر کھڑی ہیں اور آپ سے یہ پوچھنا چاہتی ہیں کہ اگر وہ اپنے ضرورت مند شوہروں اور یتیموں پر جو خود ان کی گود میں پرورش پار رہے ہیں صدقہ کریں تو کیا یہ صدقہ ادا ہو جائے گا (اور ہم کو اس صدقہ کا ثواب ملے گا) اور رسول اللہ ﷺ کو یہ نہ بتانا کہ ہم کون دو عورتیں ہیں؟..... بلال رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان دونوں عورتوں کا سوال آپ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا۔ آپ ﷺ نے پوچھا کہ: وہ کون دو عورتیں ہیں؟ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ: ایک عورت تو انصار میں سے ہے اور دوسری زینب ہے۔ آپ ﷺ نے پوچھا: کوئی زینب؟ بلال رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: عبداللہ بن مسعود کی بیوی زینب۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں! (ان کا صدقہ ادا ہو جائیگا، بلکہ اس صورت میں) ان کو دو برابر ثواب ملے گا، ایک صدقہ کا اور دوسرا صلہ رحمی کا ثواب۔ (صحیح بخاری، صحیح مسلم)

(۵۶) عَنْ أَنَسٍ لَّانَ كَانَ أَبُو عَلَظَةَ أَخْبَرَ الْأَنْصَارِ بِالْمَدِينَةِ مَا لَا مِنْ نَعْلٍ وَكَانَ أَحَبَّ أَمْوَالِهِ إِلَيْهِ بَيْرُ حَاءَ وَكَانَتْ مُسْطَبَّةَ الْمَسْجِدِ وَكَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يَدْخُلُهَا وَيَشْرَبُ مِنْ مَاءٍ فِيهَا طَبِيبٌ لَّانَ أَنَسٍ لَّمَّا تَوَلَّى هَذِهِ اللَّيْلَةَ لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتَّى تَنْفَقُوا مِمَّا تُحِبُّونَ لَمَّا أَبُو عَلَظَةَ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ تَعَالَى يَقُولُ لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتَّى تَنْفَقُوا مِمَّا تُحِبُّونَ وَإِنَّ أَحَبَّ مَالِي إِلَى بَيْرُ حَاءَ وَأَنَّهَا صَدَقَةُ لِلَّهِ تَعَالَى أَرْجُو بَرَّهَا وَدُخْرَهَا عِنْدَ اللَّهِ لَقَضَاهَا يَا رَسُولَ اللَّهِ حَيْثُ أَرَاكَ اللَّهُ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ بَخْ بَخْ ذَلِكَ مَالٌ زَائِعٌ وَلَقَدْ سَمِعْتُ مَا لَكُنْتُ وَالْقَى أَرَى أَنْ تَجْعَلَهَا لِي الْفَرَبَيْنِ فَقَالَ أَبُو عَلَظَةَ أَفْعَلُ يَا رَسُولَ اللَّهِ لَقَسَمَ أَبُو عَلَظَةَ لِي الْآرِبَهُ وَبَنِي عَمِيهِ - (رواه البخاری و مسلم)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ کعبہ کے باغات کے لحاظ سے مدینہ کے انصار میں سب سے زیادہ دولت مند حضرت ابو طلحہ انصاری تھے اور انہیں اپنے باغات اور جائیدادوں میں سب سے زیادہ محبوب بئر حاء تھا (یہ ان کے ایک قیمتی باغ کا نام تھا) اور یہ مسجد نبوی کے بالکل سامنے تھا، اور رسول اللہ ﷺ اس میں تشریف لے جایا کرتے تھے اور اس کا نفیس پانی (شوق سے) نوش فرماتے تھے..... انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب قرآن مجید کی یہ آیت نازل ہوئی: لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتَّى تَنْفَقُوا مِمَّا تُحِبُّونَ۔ (نیکی اور مقبولیت کا مقام تم کو اس وقت تک حاصل نہیں ہو سکتا جب تک اپنی محبوب چیزوں کو تم براہ خدا میں خرچ نہ کرو) تو حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے: لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتَّى تَنْفَقُوا مِمَّا تُحِبُّونَ۔ اور مجھے اپنی ساری

مالیات میں سب سے زیادہ محبوب پیرحاء ہے، اس لئے اب وہی میری طرف سے اللہ کے لئے صدقہ ہے۔ مجھے امید ہے کہ آخرت میں مجھے اس کا ثواب ملے گا، اور میرے لئے ذخیرہ ہو گا۔ لہذا آپ ﷺ اس کے بارے میں وہ فیصلہ فرمادیں جو اللہ تعالیٰ آپ کے ذہن میں ڈالے (یعنی جو مصرف اس کا مناسب سمجھیں معین فرمادیں) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: وہ وہاں تو بڑی نفع مند اور کار آمد جائیداد ہے، میں نے تمہاری بات سن لی (اور تمہارا انشاء سمجھ لیا) میں سمجھتا ہوں کہ تم اس کو اپنے ضرورت مند قریبی رشتہ داروں میں تقسیم کر دو۔ حضرت ابو طلحہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! میں یہی کروں گا۔ چنانچہ انہوں نے وہ باغ اپنے قریبی رشتہ داروں میں اور چچا زاد بھائیوں میں تقسیم کر دیا۔ (صحیح بخاری، صحیح مسلم)

تشریح..... بعض روایات میں تفصیل کے ساتھ بتایا گیا ہے کہ حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ نے اپنا یہ باغ رسول اللہ ﷺ کی ہدایت کے مطابق اپنے خاص اقارب ابی بن کعب، حسان بن ثابت، شداد بن اوس اور عیظ بن جابر پر تقسیم کر دیا تھا..... یہ باغ کس قدر قیمتی تھا اس کا اندازہ اس سے کیا جاسکتا ہے کہ بعد میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے صرف حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کا حصہ ایک لاکھ درہم میں خرید لیا تھا۔

فائدہ..... چونکہ آدمی کا زیادہ واسطہ اپنے عزیزوں قریبوں ہی سے رہتا ہے اور زیادہ تر معاملات انہیں سے پڑتے ہیں، اس لئے اختلافات اور تنازعات بھی زیادہ تر اقارب ہی سے ہوتے ہیں جن کی وجہ سے اس دنیا کی زندگی بھی عذاب بن جاتی ہے اور آخرت بھی برباد ہے۔ اگر رسول اللہ ﷺ کی اس تعلیم و ہدایت پر عمل کیا جائے اور لوگ اپنے قربات داروں پر اپنی کمائی خرچ کرنا اللہ کی رضا کا وسیلہ سمجھیں تو دنیا اور آخرت کے بڑے عذاب سے محفوظ رہیں۔ کاش دنیا پر رسول اللہ ﷺ کی تعلیم و ہدایت کی قدر سمجھے اور اس سے فائدہ اٹھائے۔

مرنے والوں کی طرف صدقہ

صدقہ کیا ہے؟ اللہ کے بندوں کے ساتھ اس نیت سے اور اس امید پر احسان کرنا کہ اس کے صلہ میں اللہ تعالیٰ کی رضا اور رحمت اور مہربانی نصیب ہوگی اور بلاشبہ وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کا کرم و احسان حاصل کرنے کا خاص الخاص وسیلہ ہے..... رسول اللہ ﷺ نے یہ بھی بتایا کہ جس طرح ایک آدمی اپنی طرف سے صدقہ کر کے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے ثواب و صلہ کی امید کر سکتا ہے اسی طرح اگر کسی مرنے والے کی طرف سے صدقہ کیا جائے تو اللہ تعالیٰ اس کا ثواب و صلہ اس مرنے والے کو عطا فرمائے گا..... پس مرنے والوں کی خدمت اور ان کے ساتھ ہمدردی و احسان کا ایک طریقہ ان کے لئے دعا و استغفار کے علاوہ یہ بھی ہے کہ ان کی طرف سے صدقہ کیا جائے، یا اسی طرح ان کی طرف سے دوسرے اعمال خیر کر کے ان کو ثواب پہنچایا جائے..... اس بارے میں رسول اللہ ﷺ کی مندرجہ ذیل حدیثیں پڑھئے:

۵۷) عَنْ عَائِشَةَ لَأَلْتُ إِيَّاهُ رَجُلًا لَالًا لِلنَّبِيِّ ﷺ إِنْ أَمِنْتُ أَنْفُسَهَا وَأَعْلَفْتُهَا لَوْ تَكَلَّمْتُ تَمَلَّكْتُ لَهَا أَجْرًا إِنْ تَمَلَّكْتُ عَنْهَا؟ قَالَ نَعَمْ. (رواہ البخاری و مسلم)

ترجمہ..... حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ایک صاحب نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا

کہ: میری والدہ کا بالکل اچانک اور دفعتاً انتقال ہو گیا اور میرا گمان ہے کہ اگر وہ موت واقع ہونے سے پہلے کچھ بول سکتیں تو وہ ضرور کچھ صدقہ کر تیں، تو اب اگر میں ان کی طرف سے صدقہ کروں تو کیا اس کا ثواب ان کو پہنچ جائے گا؟ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ہاں! پہنچ جائے گا۔ (صحیح بخاری، ج ۱، ص ۱۸۱)

(۵۸) عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ سَعْدَ بْنَ عُبَادَةَ تُوَلِّيتُ أُمُّهُ وَهُوَ غَائِبٌ عَنْهَا فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنْ أُتِيتُ تُوَلِّيتُ وَأَنَا غَائِبٌ عَنْهَا أَبْتَفِعُهَا حَتَّىٰ إِنْ تَصَدَّقْتُ بِهِ عَنْهَا قَالَ نَعَمْ قَالَ لَأَنْتَ أَطْهَرُكَ أَنَّ حَالِيكَ الْمَغْرَابَ صَدَقْتَ عَلَيْهَا - (رواہ البخاری)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سعد بن عبادہ کی والدہ کا انتقال ایسے وقت ہوا کہ خود سعد موجود نہیں تھے (رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ایک غزوہ میں گئے ہوئے تھے۔ جب ان کی واپسی ہوئی) تو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں انہوں نے عرض کیا کہ: یا رسول اللہ! میری عدم موجودگی میں میری والدہ کا انتقال ہو گیا، تو اگر میں ان کی طرف سے صدقہ کروں، تو کیا وہ ان کے لئے نفع مند ہوگا (اور ان کو اس کا ثواب پہنچے گا؟) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہاں، پہنچے گا۔ انہوں نے عرض کیا تو میں آپ کو گولویں تا ہوں کہ میں نے اپنا باغ خراف اپنی والدہ مر حومہ کے لئے صدقہ کر دیا۔ (صحیح بخاری، ج ۱، ص ۱۸۱)

(۵۹) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ إِنْ أَبِي مَاتَ وَتَرَكَ مَالًا وَلَمْ يُوصِ لَهْلُ يُكْفِرْ عَنْهُ إِنْ تَصَدَّقْتُ عَنْهُ؟ قَالَ نَعَمْ. (رواہ ابن جریر فی تہذیب الآثار)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ: حضرت! میرے والد کا انتقال ہو گیا ہے اور انہوں نے ترکہ میں چھ مال چھوڑا ہے اور (صدقہ وغیرہ کی) کوئی وصیت نہیں کی ہے، تو اگر میں ان کی طرف سے صدقہ کروں تو کیا میرا یہ صدقہ ان کے لئے کفارہ ستمات اور مغفرت و نجات کا ذریعہ بن جائے گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں! (اللہ تعالیٰ سے اسی کی امید ہے)۔ (تہذیب الآثار، ج ۱، ص ۱۸۱)

(۶۰) عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو بْنِ الْعَاصِ أَنَّ الْعَاصِ بْنَ وَائِلٍ لَكَرَ لِي الْجَاهِلِيَّةِ أَنْ يُنَحْرِمَاتَ بَذَنَةً وَأَنَّ هِشَامَ بْنَ الْعَاصِ نَحَرَ حَصَئَةَ خَمْسِينَ وَأَنَّ عَمْرًا سَأَلَ النَّبِيَّ ﷺ عَنْ ذَلِكَ فَقَالَ أَمَا أَبُوكَ لَوْ أَلَزَمَهَا لَوَجِدَ لَصْنَتَ وَتَصَدَّقْتَ عَنْهُ نَفَقَةً ذَلِكَ. (رواہ احمد)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ان کے دادا عاص بن وائل نے زمانہ جاہلیت میں سواونت قربان کرنے کی نذر مانی تھی (جس کو وہ پورا نہیں کر سکتے تھے) تو ان کے ایک بیٹے ہشام بن العاص نے تو پچاس اونٹوں کی قربانی (اپنے باپ کی اس نذر کے حساب میں) کر دی، اور دوسرے بیٹے عمرو بن العاص نے (جن کو اللہ نے اسلام کی توفیق دے دی تھی) رسول اللہ ﷺ سے اس بارے میں دریافت کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ: اگر تمہارے باپ ایمان لے آئے ہوتے اور پھر تم ان کی

طرف سے روزے رکھتے یا صدقہ کرتے، تو ان کے لئے نفع مند ہوتا (اور اس کا ثواب ان کو پہنچتا، لیکن کفر و شرک کی حالت میں مرنے کی وجہ سے اب تمہارا کوئی عمل ان کے کام نہیں آ سکتا۔) (مسند احمد)

تشریح..... رسول اللہ ﷺ نے ان حدیثوں میں (اور ان کے علاوہ بھی بہت سی حدیثوں میں جو کتب حدیث کے مختلف ابواب میں مروی ہیں) یہ بات پوری صراحت کے ساتھ بیان فرمائی ہے کہ صدقہ وغیرہ جو قابل قبول نیک عمل کسی مرنے والے کی طرف سے کیا جائے یعنی اس کا ثواب اس کو پہنچایا جائے وہ اس کے لئے نفع مند ہوگا اور اس کو اس کا ثواب پہنچے گا..... گویا جس طرح اس دنیا میں ایک آدمی اپنا کمایا ہوا پیسہ اللہ کے کسی دوسرے بندے کو دے کر اس کی خدمت اور مدد کر سکتا ہے اور وہ بندہ اس سے نفع اٹھا سکتا ہے اسی طرح اگر کوئی صاحب ایمان اپنے مرحوم ماں باپ یا کسی دوسرے مؤمن بندہ کی طرف سے صدقہ کر کے اس کو آخرت میں نفع پہنچانا اور اس کی خدمت کرنا چاہے تو مندرجہ بالا حدیثوں نے بتایا کہ ایسا ہو سکتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کا دروازہ کھلا ہوا ہے۔

سُبْحَانَ اللَّهِ وَبِحَمْدِهِ كَتَمَّا عَظِيمٍ فضل و احسان ہے اللہ تعالیٰ کا کہ اس راستے سے ہم اپنے ماں باپ اور دوسرے عزیزوں قریبوں اور دوستوں محسنوں کی خدمت ان کے مرنے کے بعد بھی کر سکتے ہیں، اور اپنے ہدیے اور تحفے ان کو برابر بھیج سکتے ہیں۔

یہ مسئلہ احادیث نبویہ سے بھی ثابت ہے اور اس پر امت کے ائمہ حق کا اجماع بھی ہے۔ ہمارے زمانہ کے بعض ان لوگوں نے جو حدیث و سنت کو کتاب اللہ کے بعد دین و شریعت کی ثانوی اساس بھی نہیں مانتے، اور اس کے حجت دینی ہونے کے قطعی منکر ہیں، اس مسئلہ سے انکار کیا ہے..... اس عاجز نے اب سے قریباً ۲۰ سال پہلے ایک مستقل مبسوط رسالہ اس موضوع پر لکھا تھا، اس میں اس مسئلہ کے ہر پہلو پر تفصیل سے بحث کی گئی ہے اور منکرین کے ہر شبہ کا جواب دیا گیا ہے۔ الحمد للہ وہ اس موضوع پر کافی شافی ہے۔ کتاب الزکوٰۃ کو ہم اسی پر ختم کر کے کتاب الصوم شروع کرتے ہیں۔

اللَّهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ وَأَنْتَ الْمُسْتَعَانُ

معارفُ الحديث

حصہ چہارم

کتاب الصوم

قال اللہ تبارک و تعالیٰ

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ
عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ

(آیت ۱۸۳)

اے ایمان والو! تم پر روزے فرض کئے گئے ہیں، جس طرح
تم سے پہلی امتوں پر بھی فرض کئے گئے تھے، تاکہ تمہارے
اندر تقویٰ اور پرہیزگاری پیدا ہو۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

توحید و رسالت کی شہادت کے بعد نماز، زکوٰۃ، روزہ اور حج اسلام کے عناصر اربعہ ہیں۔

وہ وحدہ تیس اسی سلسلہ ”معارف الہدیث“ کے بالکل شروع میں ذکر کی جا چکی ہیں جن میں رسول اللہ ﷺ

نے ان پانچوں چیزوں کو اسلام کے ارکان اور بنیادی ستون بتایا ہے۔ ان کے ارکان اور عناصر ہونے کا مطلب جیسا کہ پہلے بھی ذکر کیا جا چکا ہے کہ اسلام اللہ کی فرمانبرداری والے جس طرز حیات کا نام ہے اس کی تخلیق و تعمیر اور نشوونما میں ان پانچوں کو خاص الخاص دخل ہے۔ اس لحاظ سے نماز اور زکوٰۃ کی جو تاثیر و خصوصیات ہیں وہ اپنے موقع پر ذکر کی جا چکی ہیں۔ روزے کی اس تاثیر و خصوصیت کا ذکر خود قرآن مجید میں صراحت اور وضاحت کے ساتھ فرمایا گیا ہے۔ سورۃ بقرہ میں رمضان کے روزوں کی فرضیت کا اعلان فرمانے کیساتھ ہی ارشاد فرمایا گیا ہے۔ ”لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ“ یعنی اس حکم کا مقصد یہ ہے کہ تم میں تقویٰ پیدا ہو۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کو روحانیت اور حیوانیت کا یاد دوسرے الفاظ میں کہنے کے ملکہ تیت اور ہیبت کا نسخہ جامعہ بنایا ہے، اس کی طبیعت اور جبلت میں وہ سارے مادی اور مصلحتی تقاضے بھی ہیں جو دوسرے حیوانوں میں ہوتے ہیں۔ اور اسی کے ساتھ اس کی فطرت میں روحانیت اور ملکہ تیت کا وہ نورانی جوہر بھی ہے جو علماء اعلیٰ کی لطیف مخلوق فرشتوں کی خاص دولت ہے۔ انسان کی سعادت کا دار و مدار اس پر ہے کہ اس کا یہ روحانی اور ملکہ تیت غصہ بستی اور حیوانی غصہ پر غالب اور حاوی رہے اور اس کو وحدہ و کاپا بند رکھے، اور یہ جب ہی ممکن ہے جب کہ بستی پہلو روحانی اور ملکہ تیت پہلو کی فرمانبرداری اور اطاعت شعاری کا مادی ہو جائے اور اس کے مقابلے میں سرکشی نہ کر سکے۔ روزہ کی ریاضت کا خاص مقصد و موضوع یہی ہے کہ اس کے ذریعے انسان کی حیوانیت اور ہیبت کو اللہ کے احکام کی پابندی اور ایمانی و روحانی تقاضوں کی تابعداری و فرمانبرداری کا خوگر بنایا جائے اور چونکہ یہ چیز نبوت اور شریعت کے خاص مقاصد میں سے ہے اس لئے پہلی تمام شریعتوں میں بھی روزے کا حکم رہا ہے۔ قرآن مجید میں اس امت کو روزے کا حکم دیتے ہوئے فرمایا گیا ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ

(البقرہ، ۲: ۱۸۳)

اے ایمان والو! تم پر روزے فرض کئے گئے جس طرح تم سے پہلی امتوں پر بھی فرض کئے گئے تھے (روزوں کا یہ حکم تم کو اس لئے دیا گیا ہے) تاکہ تم میں تقویٰ پیدا ہو۔

بہر حال روزہ چونکہ انسان کی قوت بستی کو اس کی ملکہ تیت اور روحانی قوت کے تابع رکھنے اور اللہ کے احکام کے مقابلے میں نفس کی خواہشات اور پیٹ اور شہوت کے تقاضوں کو دبائے کی عادت ڈالنے کا خاص ذریعہ اور وسیلہ ہے، اس لئے اگلی امتوں کو بھی اس کا حکم دیا گیا ہے۔ اگرچہ روزوں کی مدت اور بعض دوسرے تفصیلی احکام میں ان امتوں کے خاص حالات اور ضروریات کے لحاظ سے کچھ فرق بھی تھا۔ اس آخری امت کے

لئے جس کا دور دنیا کے آخری دن تک ہے سال میں ایک مہینے کے روزے فرض کئے گئے ہیں اور روزے کا وقت طلوع سحر سے غروب آفتاب تک رکھا گیا ہے، اور بلاشبہ یہ مدت اور یہ وقت مذکور بالا مقصد کے لئے اس دور کے واسطے مناسب ترین اور نہایت معتدل مدت اور وقت ہے، اس سے کم میں ریاضت اور نفس کی تربیت کا مقصد حاصل نہیں ہوتا، اور اگر اس سے زیادہ رکھا جاتا۔ مثلاً روزے میں دن کے ساتھ رات بھی شامل کر دی جاتی، اور بس سحر کے وقت کھانے پینے کی اجازت ہوتی، یا سال میں دو چار مہینے مسلسل روزے رکھنے کا حکم ہو، تو انسانوں کی اکثریت کے لئے ناقابل برداشت اور صحتوں کے لئے مضر ہوتا۔ بہر حال طلوع سحر سے غروب آفتاب تک کا وقت اور سال میں ایک مہینے کی مدت اس دور کے عام انسانوں کے حالات کے لحاظ سے ریاضت و تربیت کے مقصد کے لئے بالکل مناسب اور معتدل ہے۔

پھر اس کے لئے مہینہ وہ مقرر کیا گیا ہے جس میں قرآن مجید کا نزول ہوا، اور جس میں بے حساب برکتوں اور رحمتوں والی رات (لیلۃ القدر) ہوتی ہے۔ ظاہر ہے کہ یہی مبارک مہینہ اس کیلئے سب سے زیادہ موزوں اور مناسب ہو سکتا تھا۔ پھر اس مہینے میں دن کے روزوں کے علاوہ رات میں بھی ایک خاص عبادت کا عمومی اور اجتماعی نظام قائم کیا گیا ہے جو تراویح کی شکل میں امت پر رائج ہے۔ دن کے روزوں کے ساتھ رات کی تراویح کی برکات مل جانے سے اس مبارک مہینے کی نورانیت اور تاثیر میں وہ اضافہ ہو جاتا ہے جس کو اپنے اپنے اور اک و احساس کے مطابق ہر وہ بند و محسوس کرتا ہے جو ان باتوں سے کچھ بھی تعلق اور مناسبت رکھتا ہے۔

ان مختصر تمہیدی اشارات کے بعد رمضان اور روزہ وغیرہ کے متعلق رسول اللہ کے ارشادات ذیل میں پڑھئے۔

ماہ رمضان - فضائل و برکات

۶۱) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِذَا دَخَلَ رَمَضَانُ فَبُحِثَ أَبْوَابُ الْجَنَّةِ وَخُلِقَتْ أَبْوَابُ جَهَنَّمَ وَسُلْسِلَتِ الشَّيَاطِينُ وَلِيَّ زَوَايِةِ أَبْوَابِ الرُّحْمَةِ: (رواہ البخاری و مسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: جب رمضان آتا ہے تو جنت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور دوزخ کے دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں اور شیاطین جکڑ دیئے جاتے ہیں۔ (اور ایک روایت میں بجائے "ابواب جہنم" کے "ابواب رحمت" کا لفظ ہے)۔

(فتح الباری، ج ۱، ص ۱۸۷)

تشریح..... استفادہ الہامی حضرت شاہ ولی اللہ نے "تہذیب الاخلاق" میں اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے جو کچھ تحریر فرمایا ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ..... اللہ کے صالح اور اطاعت شعار بندے رمضان میں چونکہ طاعات و حسنات میں مشغول و منہمک ہو جاتے ہیں، وہ دونوں کو روزہ رکھ کے ذکر و تلاوت میں گزارتے ہیں اور راتوں کا بڑا حصہ تراویح و تہجد اور دعا و استغفار میں بسر کرتے ہیں اور ان کے انوار و برکات سے متاثر ہو کر عوام

مومنین کے قلوب بھی رمضان مبارک میں عبادات اور نیکیوں کی طرف زیادہ راغب اور بہت سے گناہوں سے کنارہ کش ہو جاتے ہیں، تو اسلام اور ایمان کے حلقے میں سعادت اور تقویٰ کے اس عمومی رجحان اور نیکی اور عبادت کی اس عام فضاء کے پیدا ہو جانے کی وجہ سے وہ تمام طبائع جن میں کچھ بھی صلاحیت ہوتی ہے۔ اللہ کی مرضیات کی جانب مائل اور شر و خباثت سے متنفر ہو جاتی ہیں، اور پھر اس ماہ مبارک میں تھوڑے سے عمل خیر کی قیمت بھی اللہ تعالیٰ کی جانب سے دوسرے دنوں کی بہ نسبت بہت زیادہ بڑھادی جاتی ہے، تو ان سب باتوں کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ان لوگوں کے لئے جنت کے دروازے کھل جاتے ہیں اور جہنم کے دروازے ان پر بند کر دیئے جاتے ہیں، اور شیاطین ان کو گمراہ کرنے سے عاجز اور بے بس ہو جاتے ہیں۔

اس تشریح کے مطابق ان تینوں باتوں (یعنی جنت و رحمت کے دروازے کھل جانے، دوزخ کے دروازے بند ہو جانے اور شیاطین کے مقید اور بے بس کر دیئے جانے) کا تعلق صرف ان اہل ایمان سے ہے جو رمضان مبارک میں خیر و سعادت حاصل کرنے کی طرف مائل ہوتے اور رمضان کی رحمتوں اور برکتوں سے مستفید ہونے کے لئے عبادات و طاعات کو اپنا شغل بناتے ہیں۔ باقی رہے وہ کفار اور خدا ناشناس اور وہ خدا فراموش اور غفلت شعار لوگ جو رمضان اور اس کے احکام و برکات سے کوئی سروکار ہی نہیں رکھتے اور نہ اس کے آنے پر ان کی زندگیوں میں کوئی تبدیلی ہوتی ہے، ظاہر ہے کہ اس قسم کی بشارتوں کا ان سے کوئی تعلق نہیں، انہوں نے جب اپنے آپ کو خود ہی محروم کر لیا ہے اور بارہ مہینے شیطان کی پیروی پر وہ مطمئن ہیں تو پھر اللہ کے یہاں بھی ان کے لئے محرومی کے سوا اور کچھ نہیں۔

۶۲) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِذَا كَانَ أَوَّلُ لَيْلَةٍ مِنْ شَهْرِ رَمَضَانَ صُفِّدَتِ الشَّيَاطِينُ وَمَرَدَةُ الْمَجْنُونِ وَلُغِلَّتْ أَبْوَابُ النَّارِ فَلَمْ يُفْتَحْ مِنْهَا بَابٌ وَلِيُحْتَبَأَ أَهْوَابُ الْجَنَّةِ فَلَمْ يُغْلَقْ مِنْهَا بَابٌ وَيُنَادِي مُنَادٍ يَا بَاغِيَ الْخَيْرِ أَقْبِلْ وَيَا بَاغِيَ الشَّرِّ أَقْصِرْ وَلِلَّهِ عُتَقَاءُ مِنَ النَّارِ وَذَالِكَ كُلُّ لَيْلَةٍ (رواہ الترمذی و ابن ماجہ)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب رمضان کی پہلی رات ہوتی ہے تو شیاطین اور سرکش جنات جکڑ دیئے جاتے ہیں اور دوزخ کے سارے دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں اور ان میں سے کوئی دروازہ بھی کھلا نہیں رہتا اور جنت کے تمام دروازے کھول دیئے جاتے ہیں، ان کا کوئی دروازہ بھی بند نہیں کیا جاتا، اور اللہ کا منادی پکارتا ہے کہ اے خیر اور نیکی کے طالب قدم بڑھا کے آ، اور اے بدی اور بدکرداری کے شائق رک، آگے نہ آ! اور اللہ کی طرف سے بہت سے (گناہ گار) بندوں کو دوزخ سے رہائی دی جاتی ہے (یعنی ان کی مغفرت کا فیصلہ فرمادیا جاتا ہے) اور یہ سب رمضان کی ہر رات میں ہوتا رہتا ہے۔ (جامع ترمذی، سنن ابن ماجہ)

تشریح:..... اس حدیث کے ابتدائی حصے کا مضمون تو وہی ہے جو اس سے پہلی حدیث کا تھا، آخر میں عالم غیب کے منادی کی جس کی ندا کا ذکر ہے اگرچہ ہم اس کو اپنے کانوں سے نہیں سنتے اور نہیں سن سکتے، لیکن اس کا یہ

اثر اور یہ ظہور ہم اس دنیا میں بھی اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں کہ رمضان میں عموماً اہل ایمان کا رجحان اور میلان خیر و سعادت والے اعمال کی طرف بڑھ جاتا ہے، یہاں تک کہ بہت سے غیر محتاط اور آزاد منش عامی مسلمان بھی رمضان میں اپنی روش کو کچھ بدل لیتے ہیں۔ دہرے نزدیک یہ علاء العلیٰ کی اس نمد اور پکاری کا ظہور اور اثر ہے۔

۶۳) عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ أَجْوَدَ النَّاسِ بِالْخَيْرِ وَكَانَ أَجْوَدَ مَا يَكُونُ لِيْ رَمَضَانَ كَانَ جِبْرِيلُ يُلْقَاهُ كُلَّ لَيْلَةٍ لِّيْ رَمَضَانَ يَفْرِضُ عَلَيْهِ النَّبِيُّ ﷺ الْقُرْآنَ لِأِذَا لَقِيَهُ جِبْرِيلُ كَانَ أَجْوَدَ بِالْخَيْرِ مِنَ الرِّيحِ الْمُرْسَلَةِ (رواد البخاری و مسلم)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ خیر کی بخشش اور خلق اللہ کی نفع رسانی میں اللہ کے سب بندوں سے فائق تھے، اور رمضان مبارک میں آپ ﷺ کی یہ کریمانہ صفت اور زیادہ ترقی کر جاتی تھی۔ رمضان کی ہر رات میں جبرائیل امین آپ ﷺ سے ملتے تھے، اور رسول اللہ ﷺ ان کو قرآن مجید سناتے تھے۔ تو جب روزانہ جبرائیل آپ ﷺ سے ملتے تو آپ ﷺ کی اس کریمانہ نفع رسانی اور خیر کی بخشش میں اللہ تعالیٰ کی تسبیحی ہوئی ہو اؤں سے بھی زیادہ تیزی آ جاتی اور زور پیدا ہو جاتا (ابن ابی نعیم، صحیح احمد)

تشریح: گو یہ رمضان مبارک کا مہینہ رسول اللہ ﷺ کی طبع مبارک کے لئے بہار و نشاط اور نشر خیر کی صفت میں ترقی کا مہینہ تھا، اور اس میں اس چیز کو بھی دخل تھا کہ اس مہینے کی ہر رات میں اللہ کے خاص پیغامبر جبرائیل امین آتے تھے اور آپ ﷺ ان کو قرآن مجید سناتے تھے۔

رمضان کی آمد پر رسول اللہ ﷺ کا ایک خطبہ

۶۴) عَنْ سَلْمَانَ الْفَارِسِيِّ قَالَ خَطَبَنَا رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يَوْمَ مِنْ حَضْبَانَ لَقَالَ يَا أَيُّهَا النَّاسُ لَقَدْ أَظْلَكُمُ شَهْرٌ عَظِيمٌ شَهْرٌ مُّبَارَكٌ شَهْرٌ فِيهِ لَيْلَةٌ خَيْرٌ مِنْ أَلْفِ شَهْرٍ جَعَلَ اللَّهُ صِيَامَهُ لِرِيضَةِ وَجْهِهِ لِيْلِهِ تَطَوُّعًا مَنْ تَقَرَّبَ فِيهِ بِخَيْرٍ مِنْ الْخَيْرِ كَانَ كَمَنْ أَذَى لِرِيضَةِ اللَّهِ فِيْمَا سِوَاهُ وَمَنْ أَذَى لِرِيضَةِ اللَّهِ كَانَ كَمَنْ أَذَى سَبْعِينَ لِرِيضَةِ اللَّهِ فِيْمَا سِوَاهُ وَهُوَ شَهْرُ الصَّبْرِ وَالصَّبْرُ ثَوَابُهُ الْجَنَّةُ وَشَهْرُ الْمَوَاسِدِ وَشَهْرٌ يُزَادُ فِيهِ رِزْقُ الْمُؤْمِنِ مَنْ لَفَرَ فِيهِ صَائِمًا كَانَ لَهُ مَغْفِرَةٌ لِلنُّوْبَةِ وَعَقَى رَقَبَتِهِ مِنَ النَّارِ وَكَانَ لَهُ مِثْلُ أَجْرِهِ مَنْ غَيْرَ أَنْ يُنْقَضَ مِنْ أَجْرِهِ حَتَّى لَنَّا يَا رَسُولَ اللَّهِ لَيْسَ كُنَّا بِجَدٍّ مَا يُفْطَرُ بِهِ الصَّائِمُ لَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يُغْفِرُ اللَّهُ هَذَا الْقَوَابِ مَنْ لَفَرَ صَائِمًا عَلَى مَذْلَةٍ لَبَنٍ أَوْ حُرْبَةٍ مِنْ مَاءٍ وَمَنْ أَشْبَعَ صَائِمًا سَقَاهُ اللَّهُ مِنْ حَوْضِي حُرْبَةٍ لَا يَظْمَأُ حَتَّى يَدْخُلَ الْجَنَّةَ وَهُوَ شَهْرٌ أَوَّلُهُ رَحْمَةٌ وَآوَسُهُ مَغْفِرَةٌ وَأَجْرُهُ عَقَى مَنْ النَّارِ وَمَنْ خَلَّفَ عَنْ مَمْلُوكِهِ فِيهِ غَفَرَ اللَّهُ لَهُ وَأَعْتَقَهُ مِنَ النَّارِ (رواد البيهقي في شعب الایمان)

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ماہ شعبان کی آخری تاریخ کو رسول اللہ ﷺ نے ہم کو ایک خطبہ دیا..... اس میں آپ ﷺ نے فرمایا: اے لوگو! تم پر ایک عظمت اور برکت والا مہینہ سایہ انگن ہو رہا ہے، اس مبارک مہینہ کی ایک رات (شب قدر) ہزار مہینوں سے بہتر ہے، اس مہینے کے روزے اللہ تعالیٰ نے فرض کئے ہیں اور اس کی راتوں میں بارگاہ خداوندی میں کھڑا ہونے (یعنی نماز تراویح پڑھنے) کو نفل عبادت مقرر کیا ہے (جس کا بہت بڑا ثواب رکھا ہے) جو شخص اس مہینے میں اللہ کی رضا اور اس کا قرب حاصل کرنے کے لئے کوئی غیر فرض عبادت (یعنی سنت یا نفل) ادا کرے گا تو اس کو دوسرے زمانہ کے فرضوں کے برابر اس کا ثواب ملے گا۔ اور اس مہینے میں فرض ادا کرنے کا ثواب دوسرے زمانے کے ستر فرضوں کے برابر ہے۔ یہ صبر کا مہینہ ہے، اور صبر کا بدلہ جنت ہے۔ یہ ہمدردی اور غمخواری کا مہینہ ہے، اور یہی وہ مہینہ ہے جس میں مؤمن بندوں کے رزق میں اضافہ کیا جاتا ہے۔ جس نے اس مہینے میں کسی روزہ دار کو (اللہ کی رضا اور ثواب حاصل کرنے کے لئے) افطار کرایا تو اس کے لئے گناہوں کی مغفرت اور آتش دوزخ سے آزادی کا ذریعہ ہو گا اور اس کو روزہ دار کے برابر ثواب دیا جائے گا۔ بغیر اس کے کہ روزہ دار کے ثواب میں کوئی کمی کی جائے۔ آپ ﷺ سے عرض کیا گیا کہ: یا رسول اللہ! ہم میں سے ہر ایک کو تو افطار کرانے کا سامان میسر نہیں ہوتا (تو کیا غراب، اس عظیم ثواب سے محروم رہیں گے؟) آپ ﷺ نے فرمایا کہ: اللہ تعالیٰ یہ ثواب اس شخص کو بھی دے گا جو دودھ کی تھوڑی سی لسی پیا صرف پانی ہی کے ایک گھونٹ پر کسی روزہ دار کا روزہ افطار کرا دے (رسول اللہ ﷺ نے سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے آگے ارشاد فرمایا کہ) اور جو کوئی کسی روزہ دار کو پورا کھانا کھلا دے اس کو اللہ تعالیٰ میرے حوض (یعنی کوثر) سے ایسا سیراب کرے گا جس کے بعد اس کو کبھی پیاس ہی نہیں لگے گی تا آنکہ وہ جنت میں پہنچ جائے گا..... (اس کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا) اس ماہ مبارک کا ابتدائی حصہ رحمت ہے اور درمیانی حصہ مغفرت ہے اور آخری حصہ آتش دوزخ سے آزادی ہے (اس کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا) اور جو آدمی اس مہینے میں اپنے غلام و خادم کے کام میں تخفیف اور کمی کر دے گا اللہ تعالیٰ اس کی مغفرت فرما دے گا اور اس کو دوزخ سے رہائی اور آزادی دے دے گا..... (شب النہدین منہجی)

تشریح..... اس خطبہ نبوی ﷺ کا مطلب و مدعا واضح ہے، تاہم اس کے چند اجزاء کی مزید وضاحت کے لئے کچھ عرض کیا جاتا ہے:

(۱) اس خطبہ میں ماہ رمضان کی سب سے بڑی اور پہلی عظمت و فضیلت یہ بیان کی گئی ہے کہ اس میں ایک ایسی رات ہوتی ہے جو ہزار دنوں اور راتوں سے نہیں بلکہ ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔ یہ بات جیسا کہ معلوم ہے قرآن مجید سورۃ القدر میں بھی فرمائی گئی ہے بلکہ اس پوری سورۃ میں اس مبارک رات کی عظمت اور فضیلت ہی کا بیان ہے، اور اس رات کی عظمت و اہمیت سمجھنے کے لئے بس یہی بات کافی ہے۔

ایک ہزار مہینوں میں قریباً تیس ہزار راتیں ہوتی ہیں، اس لیلۃ القدر کے ایک ہزار مہینوں سے بہتر ہونے کا مطلب یہ سمجھنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ سے تعلق رکھنے والے اور اس کے قرب و رضا کے طالب

بندے اس ایک رات میں قرب الہی کی اتنی مسافت طے کر سکتے ہیں جو دوسری ہزاروں راتوں میں طے نہیں ہو سکتی۔ ہم جس طرح اپنی اس مادی دنیا میں دیکھتے ہیں کہ تیز رفتار ہوائی جہاز یا راکٹ کے ذریعہ اب ایک دن بلکہ ایک گھنٹہ میں اس سے زیادہ مسافت طے کی جاسکتی ہے جتنی پرانے زمانے میں سینکڑوں برس میں طے ہوا کرتی تھی۔ اسی طرح حصولِ رضائے خداوندی اور قرب الہی کے سفر کی رفتار لیلۃ القدر میں اتنی تیز کر دی جاتی ہے کہ جو بات صادق طالبوں کو سینکڑوں مہینوں میں حاصل نہیں ہو سکتی، وہ اس مبارک رات میں حاصل ہو جاتی ہے۔

اسی طرح اور اتنی کی روشنی میں حضور ﷺ کے اس ارشاد کا مطلب بھی سمجھنا چاہئے کہ اس مبارک مہینہ میں جو شخص کسی قسم کی نفلی نیکی کرے گا اس کا ثواب دوسرے زمانہ کی فرض نیکی کے برابر ملے گا اور فرض نیکی کرنے والے کو دوسرے زمانہ کے ستر فرض ادا کرنے کا ثواب ملے گا۔ ”گویا“ یہ بات کی خصوصیت تو رمضان مبارک کی ایک مخصوص رات کی خصوصیت ہے، لیکن نیکی کا ثواب ستر گنا ملنا یہ رمضان مبارک کے ہر دن اور ہر رات کی برکت اور فضیلت ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان حقیقتوں کا یقین نصیب فرمائے، اور ان سے مستفید اور متمتع ہونے کی توفیق دے۔

(۲) اس خطبہ میں رمضان کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ یہ صبر اور غمخواری کا مہینہ ہے۔ دینی زبان میں صبر کے اصل معنی ہیں اللہ کی رضا کے لئے اپنے نفس کی خواہشوں کو دبانا اور تکلیفوں اور ناگوار یوں کو جھیلنا۔ ظاہر ہے کہ روزہ کا اول و آخر بالکل یہی ہے۔ اسی طرح روزہ رکھ کر ہر روزہ دار کو تجربہ ہوتا ہے کہ فاقہ کیسی تکلیف کی چیز ہے، اس سے اس کے اندر ان غم، اور مساکین کی ہمدردی اور غمخواری کا جذبہ پیدا ہونا چاہئے جو بے چارے ناداری کی وجہ سے فاقوں پہ فاقے کرتے ہیں۔ اس لئے رمضان کا مہینہ بلاشبہ صبر اور غمخواری کا مہینہ ہے۔

(۳) یہ بھی فرمایا گیا ہے کہ: ”اس بابرکت مہینہ میں اہل ایمان کے رزق میں اضافہ کیا جاتا ہے۔“ اس کا تجربہ تو بلا استثناء ہر صاحب ایمان روزہ دار کو ہوتا ہے کہ رمضان مبارک میں جتنا اچھا اور جتنی فراغت سے کھانے پینے کو ملتا ہے باقی کیمارہ مہینوں میں اتنا نصیب نہیں ہوتا۔ خواہ اس عالم اسباب میں وہ کسی بھی راستے سے آئے، سب اللہ ہی کے حکم سے اور اسی کے فیصلے سے آتا ہے۔

(۴) خطبہ کے آخر میں فرمایا گیا ہے کہ: ”رمضان کا ابتدائی حصہ رحمت ہے، درمیانہ حصہ مغفرت ہے، اور آخری حصہ جہنم سے آزادی کا وقت ہے۔“

اس کا جزوہ نزدیک اس کی راج اور دل کو زیادہ لگنے والی توجیسہ اور تشریح یہ ہے کہ رمضان کی برکتوں سے مستفید ہونے والے بندے تین طرح کے ہو سکتے ہیں، ایک وہ اسباب صلاح و تقویٰ جو ہمیشہ لگنا ہوں سے بچنے کا ہتھیار رکھتے ہیں اور جب کبھی ان سے کوئی خطا اور لغزش ہو جاتی ہے تو اسی وقت توبہ و استغفار سے اس کی صفائی و تلافی کر لیتے ہیں، تو ان بندوں پر تو شرع مہینہ ہی سے بلکہ اس کی پہلی ہی رات سے اللہ کی رحمتوں کی بارش ہونے لگتی ہے۔ دوسرے طبقہ ان لوگوں کا ہے جو ایسے متقی اور پرہیزگار تو نہیں ہیں لیکن اس

لحاظ سے بالکل گئے گزرے بھی نہیں ہیں، تو ایسے لوگ جب رمضان کے ابتدائی حصے میں روزوں اور دوسرے اعمال خیر اور توبہ و استغفار کے ذریعے اپنے حال کو بہتر اور اپنے کورمت و مغفرت کے لائق بنالیتے ہیں، تو درمیانی حصے میں ان کی بھی مغفرت اور معافی کا فیصلہ فرما دیا جاتا ہے۔ اور تیسرا طبقہ ان لوگوں کا ہے جو اپنے نفسوں پر بہت ظلم کر چکے ہیں اور ان کا حال بڑا برہابہ اور اپنی بد اعمالیوں سے وہ گویا دوزخ کے پورے پورے مستحق ہو چکے ہیں، وہ بھی جب رمضان کے پہلے اور درمیانی حصے میں عام مسلمانوں کے ساتھ روزے رکھ کے اور توبہ و استغفار کر کے اپنی سیاہ کاریوں کی کچھ صفائی اور صفائی کر لیتے ہیں تو اخیر عشرہ میں (جو دریائے رحمت کے جوش کا عشرہ ہے) اللہ تعالیٰ دوزخ سے ان کی بھی نجات اور رہائی کا فیصلہ فرمادیتا ہے۔ اس تشریح کی بناء پر رمضان مبارک کے ابتدائی حصے کی رحمت، درمیانی حصے کی مغفرت اور آخری حصے میں جہنم سے آزادی کا تعلق بالترتیب امت مسلمہ کے ان مذکورہ بالا تین طبقوں سے ہو گا۔ واللہ اعلم

روزہ کی قدر و قیمت اور اس کا نسلہ

(۶۵) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ كُلُّ عَمَلٍ ابْنِ آدَمَ يُضَاعَفُ الْحَسَنَةُ بِعَشْرِ أَمْثَالِهَا إِلَى سَبْعِمِائَةِ ضِعْفٍ لَّانَ اللَّهُ تَعَالَى إِلَّا الصَّوْمَ فَإِنَّهُ لِي وَأَنَا أَجْرِي بِهِ يَدْعُ شَهْوَتَهُ وَطَعَامَهُ مِنْ أَجْلِ الصَّائِمِ لِرُحَّتَانِ لِرُحَّةٍ عِنْدَ لَبْطِهِ وَلِرُحَّةٍ عِنْدَ لِقَاءِ رَبِّهِ وَلَيُخْلُوفُ لَهُمُ الصَّائِمُ أَطْلُبُ عِنْدَ اللَّهِ مِنْ رِنَحِ الْمُسْلِمِ وَالصَّيَّامُ جَنَّةٌ وَإِذَا كَانَ يَوْمُ صَوْمِ أَحَدِكُمْ فَلَا يَزَلُفُ وَلَا يَضَعُ لَأَنَّ سَابِقَهُ أَحَدٌ أَوْ لَأَنَّهُ لَيُفْقَلُ إِلَى أَمْرَةٍ صَائِمَةٍ - (رواہ البخاری و مسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے (روزہ کی فضیلت اور قدر و قیمت بیان کرتے ہوئے) ارشاد فرمایا کہ آدمی کے ہر اچھے عمل کا ثواب دس گنا سے سات سو گنا تک بڑھایا جاتا ہے (یعنی اس امت مرحومہ کے اعمال خیر کے متعلق عام قانون الہی یہی ہے کہ ایک نیکی کا اجر اگلی امتوں کے لحاظ سے کم از کم دس گنا ضرور عطا ہو گا اور بعض اوقات عمل کرنے کے خاص حالات اور اخلاص و خشیت وغیرہ کیفیات کی وجہ سے اس سے بھی بہت زیادہ عطا ہو گا، یہاں تک کہ بعض مقبول بندوں کو ان کے اعمال حسنہ کا اجر سات سو گنا عطا فرمایا جائے گا۔ تو رسول اللہ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے اس عام قانون رحمت کا ذکر فرمایا) مگر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ہر روزہ اس نام قانون سے مستثنیٰ اور بالاتر ہے، وہ بندہ کی طرف سے خاص میرے لئے ایک تحفہ ہے، اور میں ہی (جس طرح چاہوں گا) اس کا اجر و ثواب دوں گا۔ میرا بندہ میری رضا کے واسطے اپنی خواہش نفس اور اپنا کھانا پینا چھوڑ دیتا ہے (پس میں خود ہی اپنی مرضی کے مطابق اس کی اس قربانی اور نفس کشی کا صلہ دوں گا) روزہ دار کے لئے دو مسرتیں ہیں: ایک افطار کے وقت اور دوسری اپنے مالک و مولیٰ کی بارگاہ میں حضورِ ی اور شرفِ باریابی کے وقت اور قسم ہے کہ روزہ دار کے منہ کی بوائے کے نزدیک مشک کی خوشبو سے بھی بہتر ہے (یعنی انسانوں کے لئے مشک کی خوشبو جتنی اچھی اور جتنی پیاری ہے اللہ کے ہاں روزہ دار کے منہ کی بو اس سے بھی اچھی ہے) اور روزہ

(دنیا میں شیطان و نفس کے حیلوں سے بچاؤ کے لئے اور آخرت میں آتش و دوزخ سے حفاظت کے لئے ڈھال ہے۔ اور جب تم میں سے کسی کا روزہ ہو تو چاہئے کہ وہ بے ہودہ اور فحش باتیں نہ کہے اور شور و شغب نہ کرے، اور اگر کوئی دوسرا اس سے گالی گلوچ یا جھگڑا اٹھا کرے تو تہہ دے کہ میں روزہ دار ہوں۔

(صحیح ابن ماجہ)

تشریح..... حدیث کے اکثر وضاحت طلب اجزاء کی تشریح ترجمہ کے ضمن میں کر دی گئی ہے۔ آخر میں رسول اللہ ﷺ نے جو یہ ہدایت فرمائی ہے کہ: ”جب کسی کا روزہ ہو تو وہ فحش اور گندی باتیں اور شور و شغب بالکل نہ کرے، اور اگر بالفرض کوئی دوسرا اس سے الجھے اور گالیاں کہے جب بھی یہ کوئی سخت بات نہ کہے، بلکہ صرف اتنا کہہ دے کہ: بھائی! میرا روزہ ہے۔ اس آخری ہدایت میں اشارہ ہے کہ اس حدیث میں روزہ کی جو خاص فضیلتیں اور برکتیں بیان کی گئی ہیں یہ انہی روزوں کی ہیں جن میں شہوت نفس اور کھانے پینے کے علاوہ گناہوں سے حتیٰ کہ بری اور ناپسندیدہ باتوں سے بھی پرہیز کیا گیا ہے۔ ایک دوسری حدیث میں (جو عنقریب درج ہوگی) فرمایا گیا ہے کہ: جو شخص روزہ رکھے لیکن برے کاموں اور غلط باتوں سے پرہیز نہ کرے تو اس کے بھوکے پیاسے رہنے کی اللہ کو کوئی احتیاج نہیں ہے۔

۶۶ عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ إِنَّ فِي الْجَنَّةِ بَابًا يُقَالُ لَهُ الرَّيَّانُ يَدْخُلُ مِنْهُ الصَّائِمُونَ يَوْمَ الْقِيَمَةِ لَا يَدْخُلُ مِنْهُ أَحَدٌ غَيْرُهُمْ يُقَالُ آيْنَ الصَّائِمُونَ؟ لَيَقُولُنَّ لَا يَدْخُلُ مِنْهُ أَحَدٌ غَيْرُهُمْ لِأَنَّهُمْ دَخَلُوا أَغْلِقُوا فَلَمْ يَدْخُلْ مِنْهُ أَحَدٌ - (رواہ البخاری و مسلم)

تشریح..... حضرت سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: جنت کے دروازوں میں ایک خاص دروازہ ہے جس کو ”باب الریان“ کہا جاتا ہے۔ اس دروازے سے قیامت کے دن صرف روزہ داروں کا داخلہ ہوگا، ان کے سوا کوئی اس دروازے سے داخل نہیں ہو سکے گا۔ اس دن پکارا جائے کہ کدھر ہیں وہ بندے جو اللہ کے لئے روزہ رکھا کرتے تھے اور بھوک پیاس کی تکلیف اٹھایا کرتے تھے؟ وہ اس پکار پر چل پڑیں گے۔ اس کے سوا کسی اور کا اس دروازے سے داخل نہیں ہو سکے گا۔ جب وہ دروازہ اس دروازے سے جنت میں پہنچ جائیں گے تو یہ دروازہ بند کر دیا جائے گا، پھر کسی کا اس سے داخلہ نہیں ہو سکے گا۔ (صحیح ابن ماجہ)

تشریح..... روزہ میں جس تکلیف کا احساس سب سے زیادہ ہوتا ہے اور جو روزہ دار کی سب سے بڑی قربانی ہے وہ اس کا پیاسا رہنا ہے، اس لئے اس کو جو صلہ اور انعام دیا جائے گا اس میں سب سے زیادہ نمایاں اور غالب پہلو سیرابی کا ہونا چاہئے۔ اسی مناسبت سے جنت میں روزہ داروں کے داخلہ کے لئے جو مخصوص دروازہ مقرر کیا گیا ہے اس کی خاطر صفت سیرابی و شادابی ہے۔ ریان کے لغوی معنی ہیں: پہاڑ پر آب۔ اب یہ بھرپور سیرابی تو اس دروازہ کی صفت ہے جس سے روزہ داروں کا داخلہ ہوگا، آگے جنت میں پہنچ کر جو کچھ اللہ تعالیٰ کے انعامات ان پر ہوں گے ان کا علم تو بس اس اللہ تعالیٰ کو ہی ہے جس کا ارشاد ہے کہ:

اَلصَّوْمُ لِيْ وَآلَا اَجْزٰى بِہٖ..... ”بندہ کا روزہ بس میرے لئے ہے اور میں خود ہی اس کا صلہ دوں گا۔“

۶۷) عَنْ اَبِيْ اُمَامَةَ قَالَ لَقَدْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مُرِنِيْ بِاَمْرِ يَنْفَعُنِيْ اللّٰهُ بِہٖ لَالٌ عَلَيْكَ بِالصَّوْمِ لِاِنَّہٗ لَا مِغْلَ لَہٗ۔ (رواہ السنائی)

ترجمہ: حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ: مجھے کسی عمل کا حکم فرمائیے، جس سے اللہ تعالیٰ مجھے نفع دے؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: روزہ رکھا کرو، اس کی مثل کوئی بھی عمل نہیں ہے۔ (سنن سنائی)

تشریح: نماز، روزہ، صدقہ، حج اور خلق اللہ کی خدمت وغیرہ اعمال صالحہ میں یہ بات مشترک ہونے کے باوجود کہ یہ سب تقرب الی اللہ کا ذریعہ اور وسیلہ ہیں ان کی الگ الگ کچھ خاص تاثیرات اور خصوصیات بھی ہیں جن میں یہ ایک دوسرے سے ممتاز اور منفرد ہیں۔ گویا

”ہر گلے کا رنگ و بوئے دیگر است“

ان انفرادی اور امتیازی خصوصیات کے لحاظ سے ان میں سے ہر ایک کے بارے میں کہا جاسکتا ہے کہ: ”اس کے مثل کوئی عمل نہیں ہے۔“ مثلاً نفس کو مغلوب اور مقہور کرنے اور اس کی خواہشوں کو دبانے کے لحاظ سے کہا جاسکتا ہے کہ اس صفت میں کوئی دوسرا عمل روزہ کے مثل نہیں ہے۔ پس حضرت ابو امامہ کی اس حدیث میں روزہ کے بارے میں جو فرمایا گیا ہے کہ: ”اس کے مثل کوئی عمل نہیں ہے“ اس کی حقیقت یہی سمجھنی چاہئے۔ نیز ملاحظہ رہنا چاہئے کہ ابو امامہ کے خاص حالات میں ان کے لئے زیادہ نفع مند روزہ ہی تھا، اس لئے رسول اللہ ﷺ نے ان کو اسی کی ہدایت فرمائی۔ اور اسی حدیث کی بعض روایات میں ہے کہ ابو امامہ نے یہ جواب پانے کے بعد دو بارہ اور سب بارہ بھی عرض کیا کہ: ”مجھے کسی عمل کا حکم فرمائیے جس کو میں کیا کروں“ تو دونوں دفعہ آپ ﷺ نے روزہ ہی کی ہدایت فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ: بس روزہ رکھا کرو، اس کے مثل کوئی دوسرا عمل نہیں ہے۔ یعنی تمہارے خاص حالات میں تم کو اسی سے زیادہ نفع ہوگا۔ واللہ اعلم۔

روزے اور تراویح کا باعث مغفرت

۶۸) عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ صَامَ رَمَضَانَ اِيْمَانًا وَاحِسَابًا غُفِرَ لَہٗ مَا تَقَلَّمَ مِنْ ذَنْبِہٖ وَمَنْ لَامَ رَمَضَانَ اِيْمَانًا وَاحِسَابًا غُفِرَ لَہٗ مَا تَقَلَّمَ مِنْ ذَنْبِہٖ وَمَنْ لَامَ لَيْلَةَ الْقَدْرِ اِيْمَانًا وَاحِسَابًا غُفِرَ لَہٗ مَا تَقَلَّمَ مِنْ ذَنْبِہٖ۔ (رواہ البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: جو لوگ رمضان کے روزے ایمان و احساب کے ساتھ رکھیں گے ان کے سب گزشتہ گناہ معاف کردیئے جائیں گے اور ایسے ہی جو لوگ ایمان و احساب کے ساتھ رمضان کی راتوں میں نوافل (تراویح و تہجد) پڑھیں گے ان کے بھی سب پچھلے گناہ معاف کردیئے جائیں گے، اور اسی طرح جو لوگ شب قدر میں ایمان و احساب کے

ساتھ نوافل پڑھیں گے انکے بھی سارے پہلے گناہ معاف کر دیئے جائیں گے۔ (صحیح مسلم)

تفسیر..... اس حدیث میں رمضان کے روزوں، اس کی راتوں کے نوافل اور خصوصیت سے شب قدر کے نوافل کو پچھلے گناہوں کی مغفرت اور معافی کا یقینی وسیلہ بتایا گیا ہے بشرطیکہ یہ روزے اور نوافل ایمان و احتساب کے ساتھ ہوں۔ یہ ایمان و احتساب خاص دینی اصطلاحیں ہیں، اور ان کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ جو نیک عمل کیا جائے اس کی بنیاد اور اس کا محرک بس اللہ و رسول کو ماننا اور اس کے وعدہ و وعید پر یقین لانا اور ان کے بتائے ہوئے اجر و ثواب کی طمع اور امید ہی ہو، کوئی دوسرا جذبہ اور مقصد اس کا محرک نہ ہو۔ اسی ایمان و احتساب سے ہمارے اعمال کا تعلق اللہ تعالیٰ سے جڑتا ہے، بلکہ یہی ایمان و احتساب ہمارے اعمال کے قلب و روح ہیں، اگر یہ نہ ہوں تو پھر ظاہر کے لحاظ سے بڑے سے بڑے اعمال بھی بے جان اور کھوکھلے ہیں جو خدا نخواستہ قیامت کے دن کھوئے سکے ثابت ہوں گے، اور ایمان و احتساب کے ساتھ بندوں کا ایک عمل بھی اللہ کے ہاں اتنا عزیز اور قیمتی ہے کہ اس کے صدقہ اور طفیل میں اس کے ہر سہا برس کے گناہ معاف ہو سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ایمان و احتساب کی یہ صفت اپنے فضل سے نصیب فرمائے۔

روزہ اور قرآن میں شفاعت

۶۹ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ الصَّيَّامُ وَالْقَرَّانُ يُخَفِّعَانِ لِلْعَبْدِ بِقَوْلِ الصَّيَّامِ أَيْ رَبِّ إِلَيَّ مَنَعَتُهُ الطَّعَامِ وَالشَّهَوَاتِ بِالنَّهَارِ لَشَفِيعِي فِيهِ وَقَوْلِ الْقَرَّانِ مَنَعَتُهُ النُّوْمِ بِاللَّيْلِ لَشَفِيعِي فِيهِ لَشَفِيعَانِ۔ (رواہ البیہقی فی شعب الایمان)

حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: روزہ اور قرآن دونوں بندے کی سفارش کریں گے (یعنی اس بندے کی جو دن میں روزے رکھے گا اور رات میں اللہ کے حضور میں کھڑے ہو کر اس کا پاک کلام قرآن مجید پڑھے گا یا سنے گا روزہ عرض کرے گا: اے میرے پروردگار! میں نے اس بندے کو کھانے پینے اور نفس کی خواہش پورا کرنے سے روک رکھا تھا، آج میری سفارش اس کے حق میں قبول فرما (اور اس کے ساتھ مغفرت و رحمت کا معاملہ فرما) اور قرآن کہے گا کہ: میں نے اس کو رات کو سونے اور آرام کرنے سے روک رکھا تھا، خداوند! آج اس کی حق میں میری سفارش قبول فرما (اور اس کے ساتھ بخشش اور عنایت کا معاملہ فرما) چنانچہ روزہ اور قرآن دونوں کی سفارش اس بندہ کے حق میں قبول فرمائی جائے گی (اور اس کے لئے جنت اور مغفرت کا فیصلہ فرمادیا جائے گا) اور خاص مراحم خسروانہ سے اس کو نوازا جائے گا۔ (شب وین تفسیر)

تفسیر..... کیسے خوش نصیب ہیں وہ بندے جن کے حق میں ان کے روزوں کی اور نوافل میں ان کے پڑھے ہوئے یا سنے ہوئے قرآن پاک کی سفارش قبول ہوگی، یہ ان کے لئے کیسی مسرت اور فرحت کا وقت ہوگا۔ اللہ تعالیٰ اپنے اس سیاہ کار بندے کو بھی محض اپنے کرم سے ان خوش بختوں کے ساتھ کر دے۔

(۷۲) عَنْ عَائِشَةَ لَأَلَتْ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يَجْتَهِدُ فِي الْعَشْرِ الْأَوَاخِرِ مَا لَا يَجْتَهِدُ فِي غَيْرِهِ.

(رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ رمضان کے آخری عشرہ میں عبادت وغیرہ میں مجاہدہ کرتے اور وہ مشقت اٹھاتے جو دوسرے دنوں میں نہیں کرتے تھے۔ (صحیح مسلم)

(۷۳) عَنْ عَائِشَةَ لَأَلَتْ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِذَا دَخَلَ الْعَشْرُ حَلَّ مِزْرَهُ وَأَخَذَ لَيْلَهُ وَابْقَطَ أَهْلَهُ. (رواہ البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ جب رمضان کا عشرہ اخیر شروع ہوتا تو رسول اللہ ﷺ کمر کس لیتے اور شب بیداری کرتے (یعنی پوری رات عبادت اور ذکر و دعا میں مشغول رہتے) اور اپنے گھر کے لوگوں (یعنی ازواج مطہرات اور دوسرے متعینین) کو بھی بچا دیتے (تاکہ وہ بھی ان راتوں کی برکتوں اور سعادتوں میں حصہ لیں)۔ (صحیح بخاری، صحیح مسلم)

(۷۴) عَنْ عَائِشَةَ لَأَلَتْ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ تَحَرُّوا لَيْلَةَ الْقَدْرِ فِي الْوُتْرِ مِنَ الْعَشْرِ الْأَوَاخِرِ مِنْ رَمَضَانَ. (رواہ البخاری)

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ شب قدر کو تلاش کرو رمضان کی آخری دس راتوں میں سے طاق راتوں میں۔ (صحیح بخاری)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ شب قدر زیادہ تر عشرہ اخیر کی طاق راتوں میں سے کوئی ایک رات ہوتی ہے، یعنی اکیسویں یا تیسویں یا پچیسویں یا ستائیسویں یا اسیویں۔ شب قدر کی اس طرح تعین کر دی جاتی کہ وہ خاص فلاں رات ہے تو بہت سے لوگ بس اسی رات میں عبادت وغیرہ کا خاص اہتمام کیا کرتے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو اس طرح مبہم رکھا کہ قرآن مجید میں ایک جگہ فرمایا گیا کہ قرآن شب قدر میں نازل ہوا۔ اور دوسری جگہ فرمایا گیا کہ قرآن کا نزول ماہ رمضان میں ہوا۔ اس سے اشارہ ملا کہ وہ شب قدر رمضان کی راتوں میں سے کوئی رات تھی۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے مزید نشاندہی کی طور پر فرمایا کہ رمضان کے آخری عشرہ کی طاق راتوں میں سے اس کا زیادہ امکان ہے، لہذا ان راتوں کا خاص اہتمام کیا جائے۔ اس مضمون کی حدیثیں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے علاوہ دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بھی مروی ہیں۔ اور بعض صحابہ رضی اللہ عنہم کا خیال تھا کہ شب قدر عموماً رمضان کی ستائیسویں ہی ہوتی ہے۔

(۷۵) عَنْ زَيْدِ بْنِ حُبَيْشٍ لَأَنَّ سَأَلْتُ أُمَّ بِنْتِ أَبِي لُقَيْطٍ لَأَنَّ أَخَاكَ ابْنُ مَسْعُودٍ يَقُولُ مَنْ يَقُمْ الْحَوْلَ يُصِيبُ لَيْلَةَ الْقَدْرِ لَقَدْ رَحِمَهُ اللَّهُ أَرَادَ أَنْ لَا يَتَكَلَّ النَّاسُ أَمَّا إِنَّهُ لَقَدْ عَلِمَ أَنَّهَا فِي رَمَضَانَ وَأَنَّهَا فِي الْعَشْرِ الْأَوَاخِرِ وَأَنَّهَا لَيْلَةُ سَبْعٍ وَعِشْرِينَ ثُمَّ خَلَفَ لَا يَسْتَحْيِي أَنَّهَا لَيْلَةُ سَبْعٍ وَعِشْرِينَ لَقَدْ بَاتَ حَتَّى يَقُولَ ذَلِكَ يَا أَبَا لُقَيْطٍ لَأَنَّ بِالْعَلَمَةِ أَزْكَالَ بِالْأَيَةِ الَّتِي

أَخْبَرَ لَا رَسُولَ اللَّهِ ﷺ أَنَّهَا تَطْلُعُ يَوْمَئِذٍ لَا شُعَاعَ لَهَا..... (رواہ مسلم)

ترجمہ: زرا بن حیثم جو اکابر تابعین میں سے ہیں بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ آپ کے دینی بھائی عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جو کوئی پورے سال کی راتوں میں کھڑا ہوگا (یعنی ہر رات عبادت کیا کرے گا) اس کو شب قدر نصیب ہو ہی جائے گی (یعنی لیلة القدر سال کی کوئی نہ کوئی رات ہے، پس جو اس کی برکات کا طالب ہو اسے چاہئے کہ سال کی ہر رات کو عبادت سے معمور کرے اس طرح وہ یقینی طور پر شب قدر کی برکات پاسکے گا..... زرا بن حیثم نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی یہ بات نقل کر کے حضرت ابی بن کعب سے دریافت کیا کہ آپ کا اس بارے میں کیا ارشاد ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ بھائی ابن مسعود پر خدا کی رحمت ہو، ان کا مقصد اس بات سے یہ تھا کہ لوگ (کسی ایک ہی رات کی عبادت پر) قناعت نہ کر لیں ورنہ ان کو یہ بات یقیناً معلوم تھی کہ شب قدر رمضان ہی کے مہینہ میں ہوتی ہے اور اس کے بھی خاص آخری عشرہ ہی میں ہوتی ہے (یعنی اکیسویں سے اسیسویں یا تیسویں تک) اور وہ معین ستائیسویں شب ہے۔ پھر انہوں نے پوری قطعیت کے ساتھ قسم کھا کر کہا کہ: وہ بلاشبہ ستائیسویں شب ہی ہوتی ہے (اور اپنے یقین و اطمینان کے اظہار کے لئے قسم کے ساتھ) انہوں نے انشاء اللہ بھی نہیں کہا (زرا بن حیثم کہتے ہیں کہ) میں نے عرض کیا کہ اے ابوالمہذر! (یہ حضرت ابی کی کنیت ہے) یہ آپ کس بناء پر فرماتے ہیں؟ انہوں نے فرمایا کہ: میں یہ بات اس نشانی کی بناء پر کہتا ہوں جس کی رسول اللہ ﷺ نے ہم کو خبر دی تھی، اور وہ یہ کہ شب قدر کی صبح کو جب سورج نکلتا ہے تو اس کی شعاع نہیں ہوتی۔ (صحیح مسلم)

تشریح..... حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کے جواب سے معلوم ہوا کہ انہوں نے جو قطعیت کے ساتھ یہ بات کہی کہ شب قدر معین طور پر ستائیسویں شب ہی ہوتی ہے۔ یہ بات انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے نہیں سنی تھی، بلکہ رسول اللہ ﷺ نے اس کی جو ایک خاص نشانی بتائی تھی انہوں نے چونکہ وہ نشانی عموماً ستائیسویں شب کی صبح ہی کو دیکھی تھی، اس لئے یقین کے ساتھ انہوں نے رائے قائم کر لی تھی..... رسول اللہ ﷺ نے کبھی تو یہ فرمایا کہ اس کو آخری عشرہ میں تلاش کرو، اور کبھی فرمایا کہ آخری عشرہ کی طاق راتوں میں تلاش کرو، کبھی عشرہ اخیرہ کی پانچ طاق راتوں میں سے چار یا تین راتوں کے لئے فرمایا، کسی خاص رات کی تعیین آپ نے نہیں فرمائی۔ ہاں بہت سے اصحاب اور اکابر کا تجربہ یہی ہے کہ وہ زیادہ تر ستائیسویں شب ہی ہوتی ہے..... اس عدم تعیین کی بڑی حکمت یہی ہے کہ طالب بندے مختلف راتوں میں عبادت و ذکر و دعا کا اہتمام کریں، ایسا کرنے والوں کی کامیابی یقینی ہے۔

(۷۶) عَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِذَا كَانَ لَيْلَةُ الْقَدْرِ نَزَلَ جِبْرِيلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ فِي مَحْجَبَةٍ مِنَ الْمَلَائِكَةِ يُصَلُّونَ عَلَى كُلِّ عَبْدٍ لَائِمٍ أَوْ لَاعِدٍ يُحْكُمُ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ. (رواہ البیہقی فی شعب الایمان)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب شب قدر ہوتی ہے تو جبریل

علیہ السلام فرشتوں کے جہر مٹ میں نازل ہوتے ہیں اور ہر اس بندے کے لئے دعائے رحمت کرتے ہیں جو کھڑایا بیٹھا اللہ کے ذکر و عبادت میں مشغول ہوتا ہے۔ (شبائین شریفی)

شب قدر کی خاص دعا

(۷۷) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ لَقِيتُ مَا رَسُوْلُ اللّٰهِ اَرَأَيْتِ اِنْ عَلِمْتُ اَنْ لَّيْلَةً لِّلَّهِ اَلْقَدْرِ مَا اَقُوْلُ فِيْهَا لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ اَللّٰهُمَّ اِنَّكَ عَفُوٌّ كَرِيْمٌ تُحِبُّ الْعَفْوَ لَا عَفْوَ عَنِّيْ..... (رواہ احمد والترمذی وابن ماجہ)

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ مجھے بتائیے کہ اگر مجھے معلوم ہو جائے کہ کون رات شب قدر ہے تو میں اس رات اللہ سے کیا عرض کروں اور کیا دعا مانگوں؟ آپ نے فرمایا یہ عرض کرو:

اَللّٰهُمَّ اِنَّكَ عَفُوٌّ كَرِيْمٌ تُحِبُّ الْعَفْوَ لَا عَفْوَ عَنِّيْ

اے میرے اللہ! تو بہت معاف فرمانے والا اور بڑا کرم فرما ہے، اور معاف کر دینا تجھے پسند ہے۔ پس تو میری خطائیں معاف فرما دے۔ (مسند امام ترمذی، ابن ماجہ)

تشریح: اس حدیث کی بناء پر اللہ کے بہت سے بندوں کا یہ معمول ہے کہ وہ ہر رات میں یہ دعا خصوصیت سے کرتے ہیں، اور رمضان مبارک کی راتوں میں اور ان میں سے بھی خاص کر آخری عشرہ کی طاق راتوں میں اس دعا کا اور بھی زیادہ اہتمام کرتے ہیں۔

رمضان کی آخری رات

(۷۸) عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهُ قَالَ يُغْفَرُ لِأُمَّتِيْ فِيْ اٰخِرِ لَيْلَةٍ مِنْ رَّمَضَانَ قَبْلَ مَا رَسُوْلُ اللّٰهِ اَمِيْ لَيْلَةَ الْقَدْرِ لَانَ لَا وَلَكِنْ الْعَامِلِ اِنَّمَا يُؤْمِلُ اَجْرُهُ اِذَا قَضَى عَمَلَهُ. (رواہ احمد)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: رمضان کی آخری رات میں آپ کی امت کے لئے مغفرت اور بخشش کا فیصلہ کیا جاتا ہے۔ آپ ﷺ سے دریافت کیا گیا: یا رسول اللہ! کیا وہ شب قدر ہوتی ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ: شب قدر تو نہیں ہوتی، لیکن بات یہ ہے کہ عمل کرنے والا جب اپنا عمل پورا کر دے تو اس کو پوری اجرت مل جاتی ہے۔ (مسند احمد)

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رمضان المبارک کی آخری رات بھی خاص مغفرت کے فیصلہ کی رات ہے لیکن اس رات میں مغفرت اور بخشش کا فیصلہ انہی بندوں کے لئے ہوگا جو رمضان مبارک کے عملی مطالبات کسی درجہ میں پورے کر کے اس کا استحقاق پیدا کر لیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس کی توفیق دے۔

اعتکاف

رمضان مبارک اور بالخصوص اس کے آخری عشرہ کے اعمال میں سے ایک اعتکاف بھی ہے..... اعتکاف کی حقیقت یہ ہے کہ ہر طرف سے یکسو اور سب سے منقطع ہو کر بس اللہ سے لو لگا کے اس کے درپہ (یعنی کسی مسجد کے کونہ میں) پڑ جانے، اور سب سے الگ تنہائی میں اس کی عبادت اور اسی کے ذکر و فکر میں مشغول رہے، یہ خواص بلکہ اخلاص کی عبادت ہے۔ اس عبادت کے لئے بہترین وقت رمضان مبارک اور خاص کر اس کا آخری عشرہ ہی ہو سکتا تھا۔ اس لئے اسی کو اس کے لئے انتخاب کیا گیا۔

نزول قرآن سے پہلے رسول اللہ کی طبیعت مبارک میں سب سے یکسو اور الگ ہو کر تنہائی میں اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اس کے ذکر و فکر کا جو بیجا نہ جذبہ پیدا ہوا تھا جس کے نتیجہ میں آپ مسلسل کئی مہینے غار حرا میں خلوت گزینی کرتے رہے، یہ گویا آپ کا پہلا اعتکاف تھا اور اس اعتکاف ہی میں آپ کی روحانیت اس مقام تک پہنچ گئی تھی کہ آپ پر قرآن مجید کا نزول شروع ہو جائے۔ چنانچہ حرا کے اس اعتکاف کے آخری ایام ہی میں اللہ کے حامل وحی فرشتے جبرئیلؑ سورہ اقرآ کی ابتدائی آیتیں لے کر نازل ہوئے..... تحقیق یہ ہے کہ یہ رمضان المبارک کا مہینہ^۱ اور اس کا آخری عشرہ تھا اور وہ رات شب قدر تھی، اس لئے بھی اعتکاف کے لئے رمضان مبارک کے آخری عشرہ کا انتخاب کیا گیا۔

روح کی تربیت و ترقی اور نفسانی قوتوں پر اس کو غالب کرنے کے لئے پورے مہینے رمضان کے روزے تو تمام افراد امت پر فرض کئے گئے، گویا کہ اپنے باطن میں ملکوتیت کو غالب اور بیہیت کو مغلوب کرنے کے لئے اتنا مجاہدہ اور نفسانی خواہشات کی اتنی قربانی تو ہر مسلمان کے لئے لازم کر دی گئی کہ وہ اس پورے محترم اور مقدس مہینے میں اللہ کے حکم کی تعمیل اور اسکی عبادت کی نیت سے دن کو نہ کھائے نہ پئے، نہ بیوی سے متمتع ہو، اور اسی کے ساتھ ہر قسم کے گناہوں بلکہ فضول باتوں سے بھی پرہیز کرے اور یہ پورا مہینہ ان پابندیوں کے ساتھ گزرے..... پس یہ تو رمضان مبارک میں روحانی تربیت و تزکیہ کا عوامی اور کمپلری کو راس مقرر کیا گیا، اور اس سے آگے تعلق باللہ میں ترقی اور ملاء اعلیٰ سے خصوصی مناسبت پیدا کرنے کے لئے اعتکاف رکھا گیا۔ اس اعتکاف میں اللہ کا بندہ سب سے کٹ کے اور سب سے ہٹ کر اپنے مالک و مولائے آستانے پر اور گویا اسی کے قدموں میں پڑ جاتا ہے، اس کو یاد کرتا ہے، اسی کے دھیان میں رہتا ہے، اس کی تسبیح و تقدیس کرتا ہے، اس کے حضور میں توبہ و استغفار کرتا ہے، اپنے گناہوں اور قصوروں پر روتا ہے، اور رحیم و کریم مالک سے رحمت و مغفرت مانگتا ہے، اس کی رضا اور اس کا قرب چاہتا ہے۔ اسی حال میں اس کے دن گزرتے ہیں اور اسی حال میں اسکی راتیں..... ظاہر ہے کہ اس سے بڑھ کر کسی بندے کی سعادت اور کیا ہو سکتی ہے..... رسول اللہ ﷺ اہتمام سے ہر سال رمضان کے آخری عشرہ کا اعتکاف فرماتے تھے، بلکہ ایک سال کسی وجہ سے رہ گیا تو اگلے سال آپ نے دو عشروں کا اعتکاف فرمایا..... اس تمہید کے بعد اس سلسلے کی حدیثیں پڑھئے۔

(۷۹) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ إِنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يَتَعَكَّفُ الْعَشْرَ الْأَوَّلَ مِنْ رَمَضَانَ حَتَّى تَرَاهُ اللَّهُ ثُمَّ اعْتَكَفَ أَرْوَاجَهُ مِنْ بَعْدِهِ۔ (رواہ البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ رمضان کے آخری عشرہ میں اعتکاف فرماتے تھے، وفات تک آپ کا یہ معمول رہا، آپ کے بعد آپ کی ازواج مطہرات اہتمام سے اعتکاف کرتی رہیں۔ (صحیح بخاری، صحیح مسلم)

ترجمہ: ازواج مطہرات اپنے حجروں میں اعتکاف فرماتی تھیں، اور خواتین کے لئے اعتکاف کی جگہ ان کے گھر کی وہی جگہ ہے جو انہوں نے نماز پڑھنے کی مقرر کر رکھی ہو، اگر گھر میں نماز کی کوئی خاص جگہ مقرر نہ ہو تو اعتکاف کرنے والی خواتین کو ایسی جگہ مقرر کر لینی چاہئے۔

(۸۰) عَنْ أَنَسٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَتَعَكَّفُ الْعَشْرَ الْأَوَّلَ مِنْ رَمَضَانَ فَلَمْ يَتَعَكَّفْ عَامًا فَلَمَّا كَانَ الْعَامُ الْمُقْبِلُ اعْتَكَفَ عَشْرِينَ۔ (رواہ الترمذی)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ رمضان کے آخری عشرہ میں اعتکاف فرمایا کرتے تھے۔ ایک سال آپ اعتکاف نہیں کر سکے، تو اگلے سال میں دن تک اعتکاف فرمایا۔ (بخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ کی اس روایت میں یہ مذکورہ نہیں ہے کہ ایک سال اعتکاف نہ ہو سکنے کی کیا وجہ پیش آئی تھی۔ سنن نسائی اور سنن ابی داؤد وغیرہ میں حضرت ابی بن کعب کی ایک حدیث مروی ہے اس میں تصریح ہے کہ ایک سال رمضان کے عشرہ اخیر میں آپ ﷺ کو کوئی سفر کرنا پڑ گیا تھا اس کی وجہ سے اعتکاف نہیں ہو سکا تھا اس لئے اگلے سال آپ نے بیس دن کا اعتکاف فرمایا۔

اور صحیح بخاری میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے مروی ہے کہ جس سال آپ ﷺ کا وصال ہوا اس سال کے رمضان میں بھی آپ ﷺ نے بیس دن کا اعتکاف فرمایا تھا۔ یہ بیس دن کا اعتکاف غالباً اس وجہ سے فرمایا تھا کہ آپ کو یہ اشارہ مل چکا تھا کہ عنقریب آپ کو اس دنیا سے اٹھالیا جائے گا اس لئے اعتکاف جیسے اعمال کا شغف بڑھ جانا بالکل قدرتی بات تھی۔

وعدۃ وصل چوں شود نزدیک
آتش شوق تیز تر گردد

(۸۱) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ أَلَسْتُ عَلَى الْمُعْتَكِفِ أَنْ لَا يَعُودَ مَرِيضًا وَلَا يَشْهَدَ جَنَازَةً وَلَا يَمَسَّ الْمَرْأَةَ وَلَا يَبَاحِرَهَا وَلَا يَخْرُجَ لِحَاجَةٍ إِلَّا لِمَا لَا يُلَمِّئُهُ وَلَا إِعْيَافًا إِلَّا بِصَوْمٍ وَلَا إِعْيَافًا إِلَّا لِمَنْ مَسَّحِدًا جَامِعًا۔ (رواہ ابو داؤد)

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے فرمایا کہ: معتکف کے لئے شرعی دستور اور ضابطہ یہ ہے کہ وہ نہ مریض کی عیادت کو جائے، نہ نماز جنازہ میں شرکت کے لئے باہر نکلے، نہ عورت سے صحبت کرے، نہ بوس و کنار کرے اور اپنی ضرورتوں کے لئے بھی مسجد سے باہر نہ جائے سوائے ان حوائج کے جو

بالکل ناگزیر ہیں (جیسے پیشاب پانخانہ وغیرہ) اور اعتکاف (روزہ کے ساتھ ہونا چاہئے) بغیر روزہ کے اعتکاف نہیں، اور مسجد جامع میں ہونا چاہئے، اس کے سوا نہیں۔ (سنن ابی داؤد)

تشریح..... اس سلسلہ معارف الہدیث میں یہ بات پہلے گزر چکی ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے جب کوئی یہ کہے کہ ”سنت“ یہ ہے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ شرعی مسئلہ یہ ہے اور سمجھا جاتا ہے کہ یہ مسئلہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے ارشاد یا طرز عمل سے جانا ہے۔ اس لئے یہ حدیث مرفوع ہی کے حکم میں ہوتا ہے، اس بناء پر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی اس حدیث میں اعتکاف کے جو مسائل بیان کئے گئے ہیں وہ نبوی ہدایات ہی کے حکم میں ہیں، اس کے بالکل آخر میں ”مسجد جامع“ کا جو لفظ ہے اس سے مراد جماعت والی مسجد ہے۔ یعنی ایسی مسجد جس میں پانچوں وقت جماعت پابندی سے ہوتی ہو..... حضرت امام ابو حنیفہ کے نزدیک اعتکاف کے لئے روزہ بھی شرط ہے اور جماعت والی مسجد کا ہونا بھی۔

۸۲) عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ لِي الْمُعْتَكِفُ هُوَ يَغْتَكِفُ اللَّذُنُوبَ وَيَجْعَلُ لِي مِنَ الْحَسَنَاتِ كَمَا مِلَ الْحَسَنَاتِ كُلِّهَا (رواہ ابن ماجہ)

ترجمہ..... حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اعتکاف کرنے والے کے بارے میں فرمایا کہ وہ (اعتکاف کی وجہ سے مسجد میں مقید ہو جانے کی وجہ سے) گناہوں سے بچا رہتا ہے، اور اس کا نیکیوں کا حساب ساری نیکیاں کرنے والے بندے کی طرف جاری رہتا ہے، اور نامہ اعمال میں لکھا جاتا رہتا ہے۔ (سنن ابن ماجہ)

تشریح..... جب بندہ اعتکاف کی نیت سے اپنے کو مسجد میں مقید کر دیتا ہے تو اگرچہ وہ عبادت اور ذکر و تلاوت وغیرہ کے راستہ سے اپنی نیکیوں میں خوب اضافہ کرتا ہے لیکن بعض بہت بڑی نیکیوں سے وہ مجبور بھی ہو جاتا ہے۔ مثلاً وہ بیماروں کی عیادت اور خدمت نہیں کر سکتا جو بہت بڑے ثواب کا کام ہے، کسی لاچار، مسکین، یتیم اور یتیم کی مدد کے لئے دوڑ دوڑ چوپ نہیں کر سکتا، کسی میت کو غسل نہیں دے سکتا، جو اگر ثواب کے لئے اور اخلاص کے ساتھ ہو تو بہت بڑے اجر کا کام ہے، اسی طرح نماز جنازہ کی شرکت کے لئے نہیں نکل سکتا، میت کے ساتھ قبرستان نہیں جاسکتا۔ جس کے ایک ایک قدم پر گناہ معاف ہوتے ہیں اور نیکیاں لکھی جاتی ہیں۔ لیکن اس حدیث میں اعتکاف والے کو بشارت سنائی گئی ہے کہ اس کے حساب اور اس کی صفحہ اعمال میں اللہ تعالیٰ کے حکم سے وہ سب نیکیاں بھی لکھی جاتی ہیں جن کے کرنے سے وہ اعتکاف کی وجہ سے مجبور ہو جاتا ہے، اور وہ ان کا عادی تھا۔

کیا نصیب اللہ اکبر لوٹنے کی جائے ہے

رقۃ بلال

شریعت اسلامی نے خاص اعمال و عبادات کے لئے جو مخصوص اوقات یا دن یا زمانے مقرر کئے ہیں ان کی تعین میں اس بات کا خصوصیت سے لحاظ رکھا گیا ہے کہ اس وقت یا دن یا اس زمانہ کا جانا پہچانا کسی علم یا فلسفہ

پر یا کسی آلہ کے استعمال پر موقوف نہ ہو، بلکہ ایک عامی اور بے پڑھاد یہاں آدمی بھی مشاہدہ سے اس کو جان سکے۔ اسی طرح بند اور روزے کے اوقات سورج کے حساب سے مقرر کیے گئے۔ مثلاً فجر کا وقت صبح صادق سے لے کر طلوع آفتاب تک کا مقرر کیا گیا، ظہر کا وقت سورج کے نصف النہار سے ڈھل جانے کے بعد سے ایک مثل یا دو مثل سایہ ہو جانے تک اور عصر کا وقت اس کے بعد سے غروب آفتاب تک کار کھا گیا، اسی طرح مغرب کا وقت غروب آفتاب کے بعد سے شفق کے رہنے تک اور عشاء کا شفق سے غائب ہو جانے کے بعد بتایا گیا۔ ایسا ہی روزہ کا وقت صبح صادق سے لے کر غروب آفتاب تک کار کھا گیا..... ظاہر ہے کہ ان اوقات کو جاننے کے لئے کسی علم یا فلسفہ کی اور کسی آلہ کے استعمال کی ضرورت نہیں پڑتی۔ ہر آدمی اپنے مشاہدہ سے اس کو جان سکتا ہے، اور جس طرح عوام کی سہولت کے پیش نظر نماز اور روزہ کو ان اوقات کے لئے سورج کے طلوع و غروب اور اتار چڑھاؤ کو معیار اور نشان قرار دیا گیا، اسی طرح زکوٰۃ اور حج اور روزہ وغیرہ ان اعمال اور عبادات کے لئے جن کا تعلق مہینے یا سال سے ہے چاند کو معیار قرار دیا گیا، اور بجائے شمس سال اور مہینوں کے قمری سال اور مہینوں کا اعتبار کیا گیا، کیونکہ عوام اپنے مشاہدہ سے قمری مہینوں ہی کو جان سکتے ہیں۔ شمس مہینوں کے آغاز پر کوئی ایسی علامت آسمان یا زمین پر ظاہر نہیں ہوتی جو خود دیکھ کر ہر عام آدمی سمجھ سکے کہ اب پہلا مہینہ ختم ہو کر دوسرا مہینہ شروع ہو گیا، ہر قمری مہینوں کا آغاز چونکہ چاند نکلنے سے ہوتا ہے اس لئے ایک ان پڑھ دیہاتی بھی آسمان پر نیا چاند دیکھ کر جان لیتا ہے کہ پچھلا مہینہ ختم ہو کر اب اگلا مہینہ شروع ہو گیا۔

بہر حال شریعت اسلامی نے مہینے اور سال کے سلسلے میں نظام قمری کا جو اعتبار کیا ہے اس کی ایک خاص حکمت عوام کی یہ سہولت بھی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے جب ماہ رمضان کے روزوں کی فرضیت کا حکم سنایا، تو یہ بھی بتایا کہ رمضان کے شروع یا ختم کا ضابطہ اور معیار کیا ہے۔ آپ ﷺ نے بتایا کہ شعبان کے ۲۹ دن پورے ہونے کے بعد اگر چاند نظر آجائے تو رمضان کے روزے شروع کر دو اور اگر ۲۹ ویں کو چاند نظر نہ آئے تو مہینہ کے تیس دن پورے کر کے روزے شروع کرو، اور اسی طرح رمضان کے روزے ۲۹ یا ۳۰ رکھو..... پھر آپ ﷺ نے مختلف موقعوں پر روایت بلال کے متعلق اور سب ضروری ہدایات دیں..... اس تمہید کے بعد مندرجہ ذیل حدیثیں پڑھئے۔

(۸۳) عَنْ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ أَنَّهُ ذَكَرَ رَمَضَانَ فَقَالَ لَا تَصُومُوا حَتَّى تَرَوْا الْهِلَالَ وَلَا تَفْطُرُوا حَتَّى تَرَوْهُ فَإِنْ أَغْمَى عَلَيْكُمْ فَافْطُرُوا لَهُ. (رواہ البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے روایت کیا ہے کہ آپ ﷺ نے ایک موقع پر رمضان کا ذکر فرمایا، اس سلسلہ میں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: رمضان کا روزہ اس وقت تک مت رکھو جب تک کہ چاند نہ دیکھ لو اور روزوں کا سلسلہ ختم نہ کرو جب تک شوال کا چاند نہ دیکھ لو، اور اگر (۲۹) کو چاند نہ کھائی نہ دے تو اس کا حساب پورا کرو (یعنی مہینے کو ۳۰ دن کا سمجھو)..... (ترمذی، ابن ماجہ،

۸۴ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ صُومُوا لِرُؤْيَيْهِ وَأَفْطِرُوا لِرُؤْيَيْهِ فَإِنْ حُمَ عَلَيْكُمْ فَاصُومُوا عِدَّةَ شَعْبَانَ ثَلَاثِينَ — (رواد البخاری و مسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: چاند دیکھ کر روزے رکھو اور چاند دیکھ کر روزے چھوڑ دو، اور اگر (۲۹ تاریخ کو) چاند دکھائی نہ دے تو شعبان کی ۳۰ کی گنتی پوری کرو۔

ترجمہ: مطلب یہ ہے کہ رمضان کے شروع ہونے اور ختم ہونے کا دار و مدار رؤیت ہلال (یعنی چاند دکھائی دینے پر ہے۔۔۔ صرف کسی حساب یا قرینہ و قیاس کی بناء پر اس کا حکم نہیں لگایا جاسکتا۔۔۔ پھر رؤیت ہلال کے ثبوت کی ایک شکل تو یہ ہے کہ خود ہم نے اپنی آنکھوں سے اس کو دیکھا ہو، اور دوسری صورت یہ ہے کہ کسی دوسرے نے دیکھ کر ہم کو بتایا ہو اور وہ ہمارے نزدیک قابل اعتبار ہو۔ خود رسول اللہ ﷺ کے زمانہ مبارک میں بھی کبھی کبھی ایسا ہوا ہے کہ آپ ﷺ نے کسی دیکھنے والے کی اطلاع اور شہادت پر رؤیت ہلال کو مان لیا، اور روزہ رکھنے یا عید کرنے کا حکم دے دیا۔ جیسا کہ آگے درج ہونے والی بعض احادیث سے معلوم ہو گا۔

۸۵ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ أَحْصُوا هِلَالَ شَعْبَانَ لِرَمَضَانَ۔۔۔۔۔ (رواد الترمذی)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: رمضان کے لحاظ سے شعبان کے چاند کو خوب اچھی طرح گنو۔

ترجمہ: مطلب یہ ہے کہ رمضان کے پیش نظر شعبان کا چاند دیکھنے کا بھی خاص اہتمام کیا جائے اور اس کی تاریخیں یاد رکھنے کی خاص فکر اور کوشش کی جائے، اور جب ۲۹ دن پورے ہو جائیں تو رمضان کا چاند دیکھنے کی کوشش کی جائے۔

۸۶ عَنْ عَائِشَةَ ثَلَاثَ كَأَن رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يَحْفَظُ مِنْ شَعْبَانَ مَا لَا يَحْفَظُ مِنْ غَيْرِهِ ثُمَّ يَصُومُ لِرُؤْيَيْهِ وَمَضَانَ فَإِنْ غُمَّ عَلَيْهِ عِدَّةَ ثَلَاثِينَ يَوْمًا ثُمَّ صَامَ۔ (رواد ابوداؤد)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ماہ شعبان کے دن اور اس کی تاریخیں جتنے اہتمام سے یاد رکھتے تھے اتنے اہتمام سے کسی دوسرے مہینے کی تاریخیں یاد نہیں رکھتے تھے، پھر رمضان کا چاند دیکھ کر روزے رکھتے تھے، اور اگر (۲۹ شعبان کو) چاند دکھائی نہ دیتا تو ۳۰ دن کی شمار پورا کر کے پھر روزے رکھتے تھے۔

ترجمہ: مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ رمضان مبارک کے اہتمام کی وجہ سے شعبان کا چاند دیکھنے اور اس کی تاریخیں یاد رکھنے کا خاص اہتمام فرماتے تھے۔ پھر اگر ۲۹ شعبان کو رمضان کا چاند نظر آجاتا تو رمضان کے روزے رکھنے شروع فرمادیتے تھے، اور اگر نظر نہ آتا تو شعبان کے ۳۰ دن پورے کر کے روزے رکھتے تھے۔

شہاد اور شہادت سے چاند کا ثبوت

(۸۷) عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ جَاءَ أَغْرَابِيُّ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ لَقَالَ إِنِّي رَأَيْتُ الْهِلَالَ يَفْنَى هِلَالَ رَمَضَانَ لَقَالَ أَتَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ قَالَ نَعَمْ قَالَ أَتَشْهَدُ أَنْ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ قَالَ نَعَمْ قَالَ يَا بِلَالُ أَذِنَ لِي النَّاسُ أَنْ يُصَوِّمُوا غَدًا..... (رواہ ابو داؤد و الترمذی و السنن و ابن ماجہ و الدارمی)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک بدوی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے بتایا کہ میں نے آج چاند دیکھا ہے (یعنی رمضان کا چاند)۔ رسول اللہ ﷺ نے اس سے دریافت کیا: کیا تم ایلا اللہ کی شہادت دیتے ہو؟ اس نے عرض کیا کہ: ہاں! میں ایلا اللہ کی شہادت دیتا ہوں۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا: اور کیا تم محمد انور رسول اللہ کی شہادت دیتے ہو؟ اس نے کہا: ہاں! میں اس کی بھی شہادت دیتا ہوں (یعنی میں توحید و رسالت پر ایمان رکھتا ہوں، مسلمان ہوں اس قصدیق کے بعد) رسول اللہ ﷺ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ لوگوں میں اس کا اعلان کر دو کہ کل سے روزے رکھیں۔ (سنن ابی داؤد و الترمذی و السنن و ابن ماجہ و الدارمی)

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ روایت بلال کی شہادت یا اطلاع قبول کرنے کے لئے ضروری ہے کہ شہادت یا اطلاع دینے والا صاحب ایمان ہو، کیونکہ وہی اس کی نزاکت اور اہمیت کو اور اس کی بھاری ذمہ داری کو محسوس کر سکتا ہے۔

(۸۸) عَنْ عَبْدِ اللَّهِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ تَرَى النَّاسَ الْهِلَالَ فَأَخْبَرْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ أَتَى رَأَيْتَهُ لَصَامًا وَأَمَرَ النَّاسَ بِصِيَامِهِ - (رواہ ابو داؤد و الدارمی)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں لوگوں نے رمضان کا چاند دیکھنے کی کوشش کی (لیکن عام طور سے لوگ دیکھ نہ سکے) تو میں نے رسول اللہ ﷺ کو اطلاع دی کہ میں نے چاند دیکھا ہے، تو آپ ﷺ نے خود بھی روزہ رکھا اور لوگوں کو حکم دیا کہ وہ بھی روزے رکھیں۔ (سنن ابی داؤد و الترمذی و السنن و ابن ماجہ و الدارمی)

تشریح: ان دونوں حدیثوں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ رمضان کا چاند ثابت ہونے کے لئے صرف ایک مسلمان کی شہادت اور اطلاع بھی کافی ہو سکتی ہے۔ امام ابو حنیفہ کے مشہور قول کے مطابق ایک آدمی کی شہادت اس صورت میں کافی ہوتی ہے جب کہ مطلع صاف نہ ہو، ابراہیم وغیرہ وغیرہ کا اثر ہو، یا وہ شخص ہستی کے باہر سے یا کسی بلند علاقہ سے آیا ہو، لیکن اگر مطلع باطل صاف ہو اور چاند دیکھنے والا آدمی باہر سے یا کسی بلند مقام سے بھی نہ آیا ہو، بلکہ اس ہستی ہی میں چاند دیکھنے کا دعویٰ کرے جس میں وجود کوشش کے اور کسی نے چاند نہ دیکھا ہو، تو ایسی صورت میں اس کی شہادت پر چاند ہو جانے کا فیصلہ نہیں کیا جائے گا، بلکہ اس صورت میں دیکھنے والے اتنے آدمی ہونے چاہئیں جن کی شہادت پر اطمینان ہو جائے، امام ابو حنیفہ کا مشہور قول یہی ہے۔ لیکن ایک روایت امام صاحب سے یہ بھی ہے کہ رمضان کے چاند کے ثبوت کے لئے ایک دیندار اور

قابل اعتبار مسلمان کی شہادت بہر حال کافی ہے، اور اکثر دوسرے ائمہ کا مسلک بھی یہی ہے۔

یہ جو کچھ ذکر کیا گیا اس کا تعلق رمضان کے چاند سے ہے، لیکن عید کے چاند کے ثبوت کے لئے جمہور ائمہ کے نزدیک کم سے کم دو دیندار اور قابل اعتبار مسلمانوں کی شہادت ضروری ہے..... دارقطنی اور طبرانی نے اپنی اپنی سند کے ساتھ عکرمہ تابعی سے روایت کیا ہے کہ: ایک دفعہ مدینہ کے حاتم کے سامنے ایک آدمی نے رمضان کا چاند دیکھنے کی شہادت دی، اس وقت حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ دونوں مدینہ میں موجود تھے، والی مدینہ نے ان دونوں بزرگوں کی طرف رجوع کیا تو انہوں نے بتایا کہ اس ایک آدمی کی شہادت قبول کر لی جائے، اور رمضان ہونے کا اعلان کر دیا جائے اور ساتھ ہی فرمایا کہ:

إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ أَجَازَ شَهَادَةَ وَاحِدٍ عَلَى رُؤْيَةِ هَلَالِ رَمَضَانَ وَكَانَ لَا يُجِيزُ شَهَادَةَ الْإِفْطَارِ إِلَّا بِشَهَادَةِ رَجُلَيْنِ.

(رسول اللہ ﷺ نے رؤیت ہلال رمضان کی ایک آدمی کی شہادت کو بھی کافی مانا ہے، اور عید کے چاند کی شہادت دو آدمیوں سے کم کی آپ کافی نہیں قرار دیتے تھے۔)

رمضان سے ایک دودن پہلے روزہ رکھنے کی ممانعت

شریعت اسلام میں پورے رمضان کے روزے فرض کئے گئے ہیں اور جیسا کہ ابھی معلوم ہو چکا یہ بھی حکم دیا گیا ہے کہ رمضان کا چاند دیکھنے کا خاص اہتمام کیا جائے، بلکہ اس مقصد سے شعبان کا چاند دیکھنے کا بھی خصوصی اہتمام کیا جائے تاکہ کسی دھوکہ یا غفلت سے رمضان کا کوئی روزہ چھوٹ نہ جائے۔ لیکن حدود و شریعت کی حفاظت کے لئے یہ بھی حکم دیا گیا ہے کہ رمضان کے ایک دودن پہلے سے روزے نہ رکھے جائیں، اگر عبادت کے شوقین ایسا کریں گے تو خطرہ ہے کہ بیچارے ناواقف عوام اسی کو شریعت کا حکم اور مسئلہ سمجھنے لگیں، اسلئے اسکی ممانعت فرمادی گئی۔

(۸۹) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ لَا يَتَقَدُّ مِنْ أَحَدِكُمْ رَمَضَانَ بِصَوْمِ يَوْمٍ أَوْ يَوْمَيْنِ إِلَّا أَنْ يَكُونَ رَجُلٌ كَانَ يَصُومُ صَوْمًا فَلْيَصُمْ ذَلِكَ الْيَوْمَ..... (رواہ البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی آدمی رمضان کے ایک دن پہلے سے روزے نہ رکھے، الا یہ کہ اتفاق سے وہ دن پڑ جائے جس میں روزہ رکھنے کا کسی آدمی کا معمول ہو تو وہ شخص اپنے معمول کے مطابق اس دن بھی روزہ رکھ سکتا ہے۔ (مثلاً ایک آدمی کا معمول ہے کہ وہ ہر جمعرات یا پھر کوروزہ رکھتا ہے تو اگر ۳۰، ۲۹ شعبان کو جمعرات یا پھر پڑ جائے تو اس آدمی کو اس دن روزہ رکھنے کی اجازت ہے۔) (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(۹۰) عَنْ عَمَّارِ بْنِ يَاسِرٍ قَالَ مَنْ صَامَ الْيَوْمَ الَّذِي يُشَكُّ فِيهِ لَقَدْ عَصَى أَبَا الْقَاسِمِ ﷺ

(رواہ ابو داؤد و الترمذی و النسائی و ابن ماجہ و الدارمی)

حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے فرمایا کہ: جس آدمی نے شُک کے دن کا روزہ رکھا اس نے پیغمبر خدا ابو القاسمؐ کی نافرمانی کی۔

..... سے مراد وہ دن ہے جس کے بارے میں شک ہو کہ یہ شاید رمضان کا دن ہو۔ مثلاً ۲۹ شعبان کو مطلع پر ابر یا غبار ہو اور چاند نظر نہ آئے تو اگلے دن کے بارے میں شک ہوتا ہے کہ شاید آج چاند ہو چکا ہو اور غبار یا برکی وجہ سے نظر نہ آیا ہو، اور اس لحاظ سے کل رمضان کا دن ہو۔ تو شریعت میں اس شک اور ہم کا اعتبار نہیں ہے اور اس کی بناء پر اس دن روزہ رکھنے سے رسول اللہؐ نے منع فرمایا ہے، اور جیسا کہ اوپر درج ہونے والی بعض احادیث سے معلوم ہو چکا، ایسی صورت میں شعبان کے ۳۰ دن پورے کرنے کا حکم دیا ہے۔

..... میں ہدایت

عَنْ أَبِي قَالٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ تَسَحَّرُوا لَأَنِّي فِي السُّحُورِ بَرَكَةٌ..... (رواه البخاری ومسلم)

حضرت اس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا: سحری کھایا کرو کیونکہ سحر میں برکت ہے۔

..... سحری میں برکت کا ایک ظاہری اور عمومی پہلو تو یہ ہے کہ اس کی وجہ سے روزہ دار کو تقویت حاصل ہوتی ہے اور روزہ رکھنا زیادہ ضعف کا باعث اور زیادہ مشکل نہیں ہوتا۔ اور دوسرا ایمانی اور دینی پہلو یہ ہے کہ اگر سحری کھانے کا رواج نہ رہے یا امت کے اکابر اور خواص سحری نہ کھائیں تو اس کا خطرہ ہے کہ عوام اسی کو شریعت کا حکم یا امر ازکم ابلی یا افضل سمجھنے لگیں، اور اس طرح شریعت کے مقررہ حدود میں فرق پڑ جائے۔ اگلی امتوں میں اسی طرح تحریفات ہوئی ہیں تو سحری کی ایک برکت اور اس کا ایک بڑا دینی فائدہ یہ بھی ہے کہ وہ اس قسم کی تحریفات سے حفاظت کا ذریعہ ہے، اور اس لئے وہ اللہ کے محبوب اور اس کی رضا و رحمت کا باعث ہے۔ مسند احمد میں حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ کی روایت سے رسول اللہؐ کا یہ ارشاد مروی ہے کہ:

السُّحُورُ بَرَكَةٌ لَّا تَذْغُوهُ وَلَوْ أَنَّ يَجْرَعَ أَحَدُكُمْ جُرْعَةً مِّنْ مَّاءٍ لَّأَنَّ اللَّهَ وَمَلَائِكَتَهُ يَصَلُّونَ عَلَى الْمُتَسَحِّرِينَ.

سحری میں برکت ہے اسے بر گزند چھوڑو، اگرچہ نہیں تو اس وقت تک پانی کا ایک گھونٹ پی لیا جائے، کیونکہ سحر میں کھانے پینے والوں پر اللہ تعالیٰ رحمت فرماتا ہے، اور فرشتے ان کے لئے دعائے خیر کرتے ہیں۔

عَنْ عُمَرُو بْنِ الْقَاصِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ لَصُلِّ مَا بَيْنَ صِيَامِنَا وَصِيَامِ أَهْلِ الْكِتَابِ أَكْلَةُ السُّحُورِ..... (رواه مسلم)

تذکرہ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہمارے اور اہل کتاب کے روزوں کے درمیان فرق کرنے والی چیز سحری کھانا ہے۔

تشریح..... مطلب یہ ہے کہ اہل کتاب کے ہاں روزوں کے لئے سحری نہیں ہے، اور ہمارے ہاں سحری کھانے کا حکم ہے، اس لئے اس فرق اور امتیاز کو عملاً بھی قائم رکھنا چاہئے، اور اللہ کی اس نعمت کا کہ اس نے ہم کو یہ سہولت بخشی شکر ادا کرنا چاہئے۔

افطار میں قلیل اور سحری میں تاثیر چاہئے۔

(۹۳) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ قَالَ اللَّهُ تَعَالَى أَحَبُّ عِبَادِي إِلَيَّ أَغْلَلَهُمْ فِطْرًا.

رواہ الترمذی

تذکرہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ اپنے بندوں میں مجھے وہ بندہ زیادہ محبوب ہے جو روزہ کے افطار میں جلدی کرے۔ (یعنی غروب آفتاب کے بعد بالکل دیر نہ کرے)۔

(۹۴) عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ لَا يَزَالُ النَّاسُ بِخَيْرٍ مَا عَجَلُوا الْفِطْرَ.....

رواہ ترمذی و صحابہ

تذکرہ حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: جب تک میری امت کے لوگ افطار میں جلدی کرتے رہیں گے وہ اچھے حال میں رہیں گے۔

تشریح..... اسی مضمون کی حدیث مسند احمد میں حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اور اس میں مَا عَجَلُوا الْفِطْرَ کے آگے وَآخِرُ السَّحْرِ بھی ہے (یعنی اس امت کے حالات اس وقت تک اچھے رہیں گے جب تک کہ افطار میں تاخیر نہ کرنا بلکہ جلدی کرنا، اور سحری میں جلدی نہ کرنا بلکہ تاخیر کرنا اس کا طریقہ اور طرز عمل رہے گا۔ اس کا راز یہ ہے کہ افطار میں جلدی کرنا اور سحری میں تاخیر کرنا شریعت کا حکم اور اللہ تعالیٰ کی مرضی ہے، اور اس میں عام بندگان خدا کے لئے سہولت اور آسانی بھی ہے جو اللہ تعالیٰ کی رحمت اور نگاہ کرم کا ایک مستقل وسیلہ ہے اس لئے امت جب تک اس پر عامل رہے گی وہ اللہ تعالیٰ کی نظر کرم کی مستحق رہے گی اور اس کے حالات اچھے رہیں گے، اور اس کے برعکس افطار میں تاخیر اور سحری میں جلدی کرنے میں چونکہ اللہ کے تمام بندوں کے لئے مشقت ہے اور یہ ایک طرح کی بدعت اور یہود و نصاریٰ کا طریقہ ہے اس لئے وہ اس امت کے لئے بجائے رضا اور رحمت کے اللہ تعالیٰ کی ناراضی کا باعث ہے، اس واسطے جب امت اس طریقہ کو اپنائے گی تو اللہ تعالیٰ کی نظر کرم سے محروم ہوگی اور اس کے حالات بُگڑیں گے۔ افطار میں جلدی کا مطلب یہ ہے کہ جب آفتاب غروب ہونے کا یقین ہو جائے تو پھر تاخیر نہ کی جائے اور اسی طرح سحری میں تاخیر کا مطلب یہ ہے کہ صبح صادق سے بہت پہلے سحری نہ کھائی جائے بلکہ جب صبح صادق کا

وقت قریب ہو تو اس وقت کھایا یا جائے۔ یہی رسول اللہ ﷺ کا معمول اور دستور تھا۔

(۹۰) عَنْ أَنَسٍ عَنْ زَيْدِ بْنِ كَثَبٍ قَالَ تَسَحَّرْنَا مَعَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ ثُمَّ لَمْ يَلَمْزْ إِلَى الصَّلَاةِ لَمْ يَكُنْ كَانَ بَيْنَ الْأَذَانِ وَالسُّحُورِ لَالٌ فَلَمْ يَزِدْ خَمْسِينَ آيَةً. (رواه البخاری و مسلم)

حضرت انس رضی اللہ عنہ زید بن کثب سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے بیان کیا کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سحری کھائی پھر (جلد ہی) آپ ﷺ نماز فجر کے لئے کھڑے ہو گئے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے ان سے دریافت کیا کہ سحری کھانے اور فجر کی اذان کے درمیان کتنا وقفہ رہا ہو گا؟ انہوں نے فرمایا: پچاس آیتوں کی تلاوت کے بقدر۔ (صحیح بخاری، صحیح مسلم)

تشریح..... صحت بخارج اور قواعد قرات کے لحاظ کے ساتھ پچاس آیات کی تلاوت میں پانچ منٹ سے بھی کم وقت صرف ہوتا ہے، اس بناء پر کہا جاسکتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی سحری اور اذان فجر کے درمیان صرف چار پانچ منٹ کا فاصلہ تھا۔

صوم و صال کی ممانعت

۱۰۰۔ سال یہ ہے کہ بغیر افطار اور سحری کے مسلسل روزے رکھے جائیں اور دنوں کی طرح راتیں بھی بلا کھائے پئے گزریں، چونکہ اس طرح کے روزے سخت مشقت اور ضعف کا باعث ہوتے ہیں، اور اس کا قوی خطرہ ہوتا ہے کہ آدمی اتنا کمزور ہو جائے کہ دوسرے فرائض اور دوسری ذمہ داریوں کو ادا نہ کر سکے، اس لئے رسول اللہ ﷺ نے امت کو اس طرح روزے رکھنے سے منع فرمایا ہے، لیکن خود رسول اللہ ﷺ کا حال چونکہ یہ تھا کہ اس طرح روزے رکھنے سے آپ ﷺ کی صحت اور توانائی میں کوئی خاص فرق نہیں آتا تھا اور آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک قسم کی غیر مادی غذا اور روحانی قوت ملتی رہتی تھی اس لئے آپ ﷺ خود ایسے روزے رکھتے تھے۔

(۹۱) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ نَهَى رَسُولُ اللَّهِ ﷺ عَنِ الْوِصَالِ فِي الصَّوْمِ فَقَالَ لَهُ رَجُلٌ إِنَّكَ تَوَاصِلُ يَا رَسُولَ اللَّهِ قَالَ وَإِنَّمَا مَفْلُحِي إِلَى آيَتِ يَطْعَمُنِي رَبِّي وَيَسْقِيَنِي..... (رواه البخاری و مسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے صوم و صال سے لوگوں کو منع فرمایا تو ایک صحابی نے آپ ﷺ سے عرض کیا کہ: حضرت! آپ خود تو صوم و صال رکھتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: تم میں سے کون میری طرح ہے (یعنی اس بارے میں میرے ساتھ اللہ تعالیٰ کا خاص معاملہ ہے جو دوسروں کے ساتھ نہیں ہے اور وہ یہ ہے) میری رات اس طرح گزرتی ہے کہ میرا رب مجھے کھلاتا پلاتا ہے (یعنی مجھے عالم غیب سے غذا ملتی ہے اس لئے اس معاملہ میں اپنے کو مجھ پر قیاس نہ کرو۔) (صحیح بخاری، صحیح مسلم)

تشریح..... اس مضمون کی حدیثیں الفاظ کے خفیف فرق کے ساتھ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ،

حضرت انس رضی اللہ عنہ اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے بھی مروی ہیں۔ ان تمام روایات سے یہ بات ظاہر ہے کہ اس ممانعت کا مقصد اور منشاء یہی تھا کہ اللہ کے بندے مشقت اور تکلیف میں مبتلا ہوں اور ان کی صحلوں کو نقصان نہ پہنچے، بلکہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں تو یہ بات اور زیادہ صراحت کیساتھ مذکور ہے، اس کے الفاظ یہ ہیں:

لَهِيَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ عَنِ الْوَصَالِ رَحْمَةٌ لَهُمْ. (بخاری و مسلم)

رسول اللہ ﷺ نے ترحم اور شفقت کی بناء پر صوم وصال سے منع فرمایا ہے۔

اور آگے درج ہوئی اولیٰ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی حدیث سے معلوم ہو گا کہ آپ ﷺ نے صوم وصال کا شوق رکھنے والوں کو حرج تک کے وصال کی اجازت بھی دے دی تھی۔

۹۷) عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ لَا تَوَاصِلُوا فَإِنَّكُمْ إِذَا أَنْ تَوَاصِلَ فَلْيُتَوَاصِلْ حَتَّى السَّحَرِ قَالُوا فَإِنَّكَ تَوَاصِلٌ يَا رَسُولَ اللَّهِ قَالَ لَسْتُ كَهَيْئَتِكُمْ إِنِّي أَبِيتُ لِي مُطْعِمٌ يُطْعِمُنِي وَسَاقٍ يُسْقِينِي. (رواه البخاری)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا، آپ ﷺ ارشاد فرماتے تھے کہ تم لوگ صوم وصال نہ رکھو اور جو کوئی (اپنے شوق اور دل کے داعیہ اور جذبہ کی بناء پر) صوم وصال رکھنا ہی چاہے تو وہ بس سحر تک رکھے (یعنی سحر سے سحر تک قریباً ۲۴ گھنٹے کا)۔ بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ: آپ خود تو صوم وصال رکھتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ: (اس معاملے میں) میرا حال تمہارا سا نہیں ہے، میں اس طرح رات گزارتا ہوں کہ ایک کھانے والا مجھے کھلاتا ہے اور ایک پانے والا مجھے پلاتا ہے۔ (صحیح بخاری)

تشہید... ان حدیثوں میں صوم وصال کی راتوں میں اللہ تعالیٰ کے کھانے اور پلانے کا جو ذکر ہے اس کی کوئی وضاحت اور خاص صورت احادیث سے معلوم نہیں ہوتی، بعض حضرات نے اس سے یہ سمجھا ہے کہ آپ ﷺ کو صوم وصال میں خاص کر رات کے اوقات میں اللہ تعالیٰ کا جو خاص الخاص قرب حاصل ہوتا تھا اس سے آپ ﷺ کی روح اور قلب کو وہ طاقت اور توانائی ملتی تھی جو کھانے پینے کے قائم مقام ہو جاتی تھی، اس کی تعبیر روحانی غذا سے بھی کی جاسکتی ہے... اور بعض حضرات نے اس کا یہ مطلب سمجھا ہے کہ صوم وصال کی راتوں میں آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے جنت اور عالم غیب کے ماکولات و مشروبات کھلانے پلانے جاتے تھے... لیکن یہ کھانا پینا اس عالم میں نہیں ہوتا تھا، اس وقت آپ کسی دوسرے عالم میں ہوتے تھے۔ ہم جیسے عوام خواب کے کھانے پینے میں غور کر کے اس کو سمجھ سکتے ہیں۔

افطار کے لئے کیا چیز بہتر ہے؟

۹۸) عَنْ سَلْمَانَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِذَا كَانَ أَحَدُكُمْ صَائِمًا فَلْيُفْطِرْ عَلَى التَّمْرِ

لَإِنَّ لَمْ يَجِدِ التَّمَرَ لَعَلَى الْمَاءِ فَإِنَّ الْمَاءَ طَهُورٌ..... (رواه احمد و ابو داؤد و الترمذی و ابن ماجہ و الدارمی)

حضرت سلمان بن عامر سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: جب تم میں سے کسی کا روزہ ہو تو وہ کھجور سے افطار کرے، اگر کھجور نہ پائے تو بھجڑ پانی ہی سے افطار کرے، اسلئے کہ پانی کو اللہ تعالیٰ نے طہور بنایا ہے۔ (ابن ماجہ، ترمذی، ابوداؤد، ابن ابی شیبہ، بیہقی)

تشریح..... اہل عرب خاص طور سے اہل مدینہ کے لئے کھجور بہترین غذا تھی اور سہل الحصول اور ارزاں بھی تھی کہ غریب اور فقراء بھی اس کو کھاتے تھے، اس لئے رسول اللہ ﷺ نے اس سے افطار کی ترغیب دی اور جس کو بروقت کھجور بھی نہ ملے اس کو پانی سے افطار کی ترغیب دی، اور اس کی یہ مبارک خصوصیت بتائی کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو طہور قرار دیا ہے۔ اس سے افطار کرنے میں ظاہر و باطن کی طہارت کی نیک فالی بھی ہے۔

(۹۹) عَنْ أَنَسٍ لَّانَ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَفْطِرُ قَبْلَ أَنْ يُصَلِّيَ عَلَى رُكْبَاتٍ لِإِنْ لَمْ تَكُنْ رُكْبَاتٍ لَتَمُوتَنَّ لِإِنْ لَمْ تَكُنْ تُمُورَاتٍ حَسَا حَسَوَاتٍ مِّنْ مَّاءٍ (رواہ الترمذی و ابوداؤد)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ مغرب کی نماز سے پہلے چند تر کھجوروں سے روزہ افطار فرماتے تھے، اگر تر کھجوریں بروقت موجود نہ ہوتیں تو خشک کھجوروں سے افطار فرماتے تھے اور اگر خشک کھجوریں بھی نہ ہوتیں تو چند گھونٹ پانی پی لیتے تھے۔ (ابن ماجہ، بیہقی، ترمذی، ابوداؤد)

افطار کی نیک فالی

(۱۰۰) عَنْ مُعَاذِ بْنِ زُهْرَةَ أَنَّهُ بَلَغَهُ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ إِذَا افْطَرَ لَالِ اللَّهُمَّ لَكَ صُمْتُ وَعَلَى رِزْقِكَ افْطَرْتُ. (رواہ ابوداؤد)

معاذ بن زہرہ تابعی سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب روزہ افطار فرماتے تھے تو کہتے تھے: اَللّٰهُمَّ لَكَ صُمْتُ وَ عَلَى رِزْقِكَ افْطَرْتُ۔ (اے اللہ! میں نے تیرے ہی واسطے روزہ رکھا اور تیرے ہی رزق سے افطار کیا)۔ (ابن ماجہ، بیہقی، ترمذی، ابوداؤد)

(۱۰۱) عَنْ أَنَسٍ عُمَرَ لَالِ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ إِذَا افْطَرَ لَالِ لَمْ يَكُنْ يَطْمَئِنُّ وَالْطَّمَاءُ وَالْبَلْبُ الْغُرُوقُ وَكَبَتْ الْأَخْبَرُ أَنْشَاءَ اللَّهِ. (رواہ ابوداؤد)

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب روزہ افطار فرماتے تھے تو کہتے تھے: پیاس چلی گئی، اور رگیں (جو سوکھ گئی تھیں وہ) تر ہو گئیں، اور خدا نے چاہا تو اجر و ثواب قائم ہو گیا۔ (ابن ماجہ، بیہقی، ترمذی، ابوداؤد)

تشریح..... یعنی پیاس اور خشکی کی جو تکلیف ہم نے کچھ دیر اٹھائی وہ تو افطار کرتے ہی ختم ہو گئی، اب نہ پیاس باقی ہے اور نہ رگوں میں خشکی، اور انشاء اللہ آخرت کا نہ ختم ہونے والا ثواب ثابت و قائم ہو گیا۔ یہ اللہ کے حضور میں آپ کا شکر بھی ہے اور دوسروں کو تعلیم و تلقین بھی کہ روزہ داروں کا احساس اور اذعان یہ ہونا چاہئے..... مندرجہ بالا دونوں دعاؤں کے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ افطار کے بعد یہ کلمات کہتے

تھے۔

بعض روایات میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ افطار کے وقت دعا کرتے تھے: **وَسِعَ الْفَضْلُ غَفْرَتِي (اے وسیع فضل و کرم والے مالک! میری مغفرت فرما)۔**

روزہ افطار کرانے کا ثواب

(۱۰۲) عَنْ زَيْدِ بْنِ خَالِدٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مَنْ لَفَّكَ صَائِمًا أَوْ جَهَّزَ غَازِيًا لِلَّهِ مِنْ أَجْرِهِ.....
(رواہ البیہقی فی شعب الایمان ورواہ معنی السنۃ فی شرح السنۃ)

ترجمہ: حضرت زید بن خالد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس کسی نے کسی روزہ دار کو افطار کرایا یا کسی مجاہد کو جہاد کا سامان دیا (مثلاً اسلحہ وغیرہ) تو اس کو روزہ دار اور مجاہد کے مثل ہی ثواب ملے گا۔ (شعب الایمان، شرح البیہقی)

تشریح: اللہ تعالیٰ کے کریمانہ قوانین میں سے یہ بھی ایک قانون ہے کہ کسی نیک عمل کی ترغیب دینے والے اور اس میں مدد دینے والے کو بھی اس عمل کے کرنے والے کا سا ثواب عطا فرماتے ہیں جو نا حقیقت شناس اللہ تعالیٰ کی شان کرم سے آشنا نہیں ہیں انہی کو اس طرح کی بشارتوں میں شکوک و شبہات ہوتے ہیں..... اللّٰهُمَّ اَنْتَ كَمَا اَنْتَ عَلٰی نَفْسِكَ۔

مسافرت میں روزہ

قرآن مجید سورہ بقرہ میں جس جگہ رمضان کے روزوں کی فرضیت کا اعلان کیا گیا ہے وہیں مریضوں اور مسافروں کو رمضان میں روزہ نہ رکھنے کی اجازت دی گئی ہے، اور حکم دیا گیا ہے کہ وہ سفر اور بیماری کے بعد اپنے روزے پورے کریں اور وہیں بتادیا گیا ہے کہ یہ اجازت اور رخصت بندوں کی سہولت اور آسانی کے لئے دی گئی ہے۔ ارشاد ہے:

لَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ ۖ وَمَنْ كَانَ مَرِيضًا أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ لَّعَلَّةَ مِنْ أَيَّامٍ أُخَرَ ۚ
(البقرہ، ۲: ۱۸۵)

اور جو تم میں سے رمضان کا مہینہ پائے تو وہ اس پورے مہینے کے روزے رکھے، اور جو مریض ہو یا سفر میں ہو تو اس کے ذمہ دوسرے دنوں میں رمضان کے دنوں کی گنتی پوری کرنی ہے۔ اللہ کو تمہارے لئے سہولت اور آسانی منظور ہے، وہ تمہارے واسطے دشواری نہیں چاہتا۔

اس آیت سے خود معلوم ہو گیا کہ یہ رخصت بندوں کی سہولت اور آسانی کے لئے اور تنگی اور دشواری سے ان کو بچانے کے لئے دی گئی ہے، اس لئے اگر کوئی شخص سفر میں ہونے کے باوجود روزے میں اپنے لئے کوئی خاص تکلیف اور دشواری محسوس نہ کرے تو وہ روزہ رکھ سکتا ہے اور چاہے تو رخصت پر عمل کر سکتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا طرز عمل چونکہ امت کے لئے اسوہ اور نمونہ ہے، اس لئے آپ ﷺ نے کبھی سفر میں

روزے رکھے اور کبھی قضا کئے تاکہ امتی اپنے حالات کے مطابق جس طریقے پر چاہیں عمل کر سکیں اس سلسلے کے آپ کے ارشادات اور طرز عمل سے جو کچھ معلوم ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ سفر میں روزہ رکھنے سے اگر دوسرے ضروری کاموں کا حرج اور نقصان ہو تا ہو تو روزہ قضا کرنا بہتر ہے اور اگر ایسی بات نہ ہو تو پھر روزہ رکھنا بہتر ہے۔

(۱۰۳) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ إِنَّ حَمْزَةَ بْنَ عَمْرِو بْنِ الْأَسْلَمِيِّ قَالَ لِلنَّبِيِّ ﷺ أَصُومُ لِي السَّفَرِ وَكَانَ يُكَيِّدُ الصِّيَامَ فَقَالَ إِنَّ فِئْتًا لَصُمُّ وَإِنْ فِئْتًا لَالْفِطْرِ (رواہ البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حمزہ بن عمرو اسلمی نے جو بہت روزے رکھا کرتے تھے رسول اللہ سے دریافت کیا کہ میں سفر میں روزے رکھ لیا کروں؟ آپ نے فرمایا کہ: چاہو تو رکھو اور چاہو نہ رکھو (نہیں کرنا)۔

(۱۰۴) عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ عَرَجَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مِنَ الْمَدِينَةِ إِلَى مَكَّةَ لَصَامَ حَتَّى بَلَغَ عُسْفَانَ ثُمَّ دَعَا بِمَاءٍ فَرَفَعَهُ إِلَى يَدَيْهِ لِيَرَاهُ النَّاسُ لَالْفِطْرَ حَتَّى لَبِمَ مَكَّةَ وَذَلِكَ لِي رَمَضَانَ فَكَانَ ابْنُ عَبَّاسٍ يَقُولُ لَذَّ صَامَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ وَالْفِطْرَ لَمَنْ صَامَ صَامَ وَمَنْ خَاءَ الْفِطْرَ.

(رواہ البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ مدینہ سے مکہ کی طرف روانہ ہوئے تو راستے میں آپ برابر روزے رکھتے رہے، یہاں تک کہ آپ مقام عسفان تک پہنچ گئے (وہاں سے آپ نے روزے رکھنے چھوڑ دیئے، اور سب پر یہ بات واضح کر دینے کے لئے) آپ نے پانی مٹکویا، پھر آپ نے اس پانی کو ہاتھ میں لے کر اوپر اٹھایا، تاکہ سب لوگ دیکھ لیں (اس کے بعد آپ نے اس کو پیا) پھر مکہ پہنچنے تک آپ نے روزے نہیں رکھے، اور یہ سب ماہ رمضان میں پیش آیا۔ تو ابن عباس رضی اللہ عنہ (اسی بناء پر) کہا کرتے تھے کہ رسول اللہ نے سفر میں روزے رکھے بھی ہیں اور قضا بھی کئے ہیں، تو (گنجائش ہے) کہ جس کا جی چاہے سفر میں روزے رکھے اور جس کا جی چاہے قضا کرے۔

تشریح: اس حدیث میں مکہ کے جس سفر کا ذکر ہے یہ فتح مکہ والا سفر تھا جو رمضان ۸ھ میں ہوا تھا، اس میں آپ شروع میں روزے رکھتے رہے جب مقام عسفان پہنچے (جو مکہ معظمہ سے قریب ۳۶،۳۵ میل پہلے ایک چشمہ پڑتا تھا) اور وہاں سے مکہ صرف دو منزل رہ گیا، اور اس کا امکان پیدا ہو گیا کہ قریبی وقت میں کوئی مزاحمت یا معرکہ پیش آجائے تو آپ نے مناسب سمجھا کہ روزے نہ رکھے جائیں اس لئے آپ نے روزہ قضا کر دیا، اور سب کو دکھا کہ پانی پیا تاکہ کسی کے لئے روزہ قضا کرنا گراں نہ ہو۔ رسول اللہ کے اس طرز عمل سے معلوم ہوا کہ جب تک روزہ قضا کرنے میں کوئی ایسی مصلحت نہ ہو تو روزہ رکھنا افضل ہے، اسی لئے آپ نے عسفان تک برابر روزے رکھے، اگر بغیر کسی خاص مصلحت کے بھی سفر میں روزہ

قضا کرنا ہی افضل ہوتا، تو آپ ﷺ شروع سفر ہی سے قضاء کرتے۔

اسی واقعہ کے بارے میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی بھی ایک روایت صحیح مسلم میں ہے، اس میں یہ اضافہ بھی ہے کہ بعض لوگوں نے رسول اللہ ﷺ کے اس طرح بالا اعلان روزہ قضا کرنے اور سب کو دکھا کر پانی پینے کے بعد بھی روزے جاری رکھے۔ جب رسول خدا ﷺ کے سامنے یہ بات آئی تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ: ”یہ لوگ خطاکار اور گناہ گار ہیں“ (کیونکہ انہوں نے منشاء نبوی ﷺ کے ظاہر ہونے کے بعد اس کی خلاف ورزی کی) اگر نادانستہ اور غلط فہمی سے کی، لیکن ”حسبات الامرار سبب التقریب“۔

(۱۰۵) عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ غَزَوْ نَامِعَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ لَيْسَتْ عَشْرَ مَضْتٍ مِنْ شَهْرِ رَمَضَانَ لِمَنَا مِنْ صَامٍ وَمِنَّا مَنْ افْطَرَ لَكُمُ يَبِ الصَّائِمِ عَلَى الْمُفْطِرِ وَلَا الْمُفْطِرُ عَلَى الصَّائِمِ (رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم جہاد کے لئے چلے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سولہویں رمضان کو، تو ہم میں سے بعض نے روزے رکھے اور بعض نے رخصت سفر کی بناء پر قضاء کئے، تو نہ تو روزے رکھنے والوں نے قضاء سفر کرنے والوں پر اعتراض کیا اور نہ قضا کرنے والوں نے روزے رکھنے والوں پر اعتراض کیا (یعنی ہر ایک نے دوسرے کے طرز عمل کو جائز اور شریعت کے مطابق سمجھا)۔

(۱۰۶) عَنْ أَنَسٍ قَالَ كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ ﷺ فِي السَّفَرِ لِمَنَا الصَّائِمُ وَمِنَّا الْمُفْطِرُ فَنَزَلْنَا مَنْزِلًا فِي يَوْمٍ حَارٍّ لَسَقَطَ الصُّرَامُونَ وَلَامَ الْمُفْطِرُونَ لَصْرَبُوا الْأَنْبِيَاءَ وَسَقُوا الرِّكَابَ لَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ ذَهَبَ الْمُفْطِرُونَ الْيَوْمَ بِالْآخِرِ. (رواہ البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم ایک سفر میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے تو ہم میں سے بعض روزے رکھتے تھے، اور بعض روزے قضا کرتے تھے تو ایک دن جب کہ سخت گرمی تھی ہم ایک منزل پر اترے، تو روزے رکھنے والے تو گر گئے اور پڑ گئے اور جو روزے قضا کرنے والے تھے وہ اٹھے، انہوں نے سب کے لئے خیمے لگائے اور سب کی سواریوں کو (یعنی سواری کے اونٹوں) کو پانی پلایا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: آج روزے قضا کرنے والے ثواب مار لے گئے۔ (یعنی انہوں نے زیادہ ثواب کما لیا)۔ (صحیح بخاری، صحیح مسلم)

(۱۰۷) عَنْ جَابِرٍ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ فِي سَفَرٍ لَرَأَى إِحَامًا وَرَجُلًا لَدَ غُلِّلٍ عَلَيْهِ لَقَالَ مَا هَذَا؟ قَالُوا صَائِمٌ لَقَالَ لَيْسَ مِنَ الْيَوْمِ الصُّوْمُ فِي السَّفَرِ. (رواہ البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک سفر میں تھے۔ آپ ﷺ نے لوگوں کی بھڑک دیکھی اور ایک آدمی کو دیکھا جس پر سایہ کیا گیا تھا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ: کیا معاملہ ہے؟ لوگوں نے عرض کیا کہ: یہ صاحب روزہ دار ہیں (ان کی حالت غیر ہو رہی ہے اس لئے یہ سایہ کیا جا رہا ہے اور لوگ

جمع ہو گئے ہیں) آپ نے فرمایا: سفر کی حالت میں یہ روزہ تو کوئی نیکی کا کام نہیں ہے۔

(مسند احمد، ج ۱، ص ۱۸۸)

تشریح..... آپ کا مطلب یہ تھا کہ جب سفر میں اللہ تعالیٰ نے روزہ قضاء کرنے کی رخصت اور اجازت دی ہے اور میں خود بھی اس پر عمل کرتا ہوں تو پھر مسلمانوں میں سے کسی کو ایسے حال میں روزہ رکھنا کہ خود بھی گرجائیں اور دوسرے لوگ بھی ان کی دیکھ بھال میں لگ جائیں کوئی نیکی کی بات نہیں ہے، ایسی حالت میں تو رخصت پر عمل کر کے روزہ قضاء کرنا ضروری ہے اور اس میں اللہ کی رضا ہے۔

گر طمع خواہد ز من سلطان دیں خاک بر فرق قناعت بعد الزیں

فرض روزوں کی قناعت

(۱۰۸) عَنْ مُعَاذَةَ الْعَنْبُوتِيِّ أَلَّهَا ثَلَاثَ لِعَالِيَةِ مَا بَالَ الْحَايِضُ تَقْبِضِي الصَّوْمَ وَلَا تَقْبِضِي الصَّلَاةَ لَأَنَّ عَالِيَةَ كَانَ يُصَيِّتُنَا ذَلِكَ لَنُؤْمَرْ بِقَضَاءِ الصَّوْمِ وَلَا لَنُؤْمَرْ بِقَضَاءِ الصَّلَاةِ. (رواه مسلم)

تہذیب..... معاذہ عروبیہ (جو ایک تابعی خاتون ہیں) وہ بیان کرتی ہیں کہ انہوں نے ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے دریافت کیا کہ: یہ کیا بات ہے کہ ایام حیض میں جو روزے قضا ہوتے ہیں ان کی تو قضا ہو جاتی ہے اور جو نمازیں قضا ہوتی ہیں ان کی قضا نہیں پڑھتی جاتی؟ ام المؤمنین نے فرمایا کہ: (اے اللہ و رسول کا حکم ہے) رسول اللہ کے زمانے میں جب ہم اس میں مبتلا ہوتے تھے (اور اس کی وجہ سے ان دنوں میں روزہ نماز کچھ نہیں کر سکتے تھے) تو ہم کو ان دنوں کے قضا شدہ روزے رکھنے کا حکم دیا جاتا تھا اور قضا نماز پڑھنے کا حکم نہیں دیا جاتا تھا۔ (مسند احمد، ج ۱، ص ۱۸۸)

نفس کی خواہش سے بلا مذکر شرعی فرض روزہ توڑنے کا گناہ اور

(۱۰۹) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ بَيْنَمَا نَحْنُ جُلُوسٌ عِنْدَ النَّبِيِّ ﷺ إِذْ جَاءَهُ رَجُلٌ لَقَاءَ يَا رَسُولَ اللَّهِ هَلَكْتُ قَالَ وَمَا لَكَ قَالَ وَلَعْتُ عَلَى إِمْرَأَتِي وَأَنَا صَائِمٌ لَقَاءَ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ هَلْ تَجِدُ رَقَبَةً تُعْطِيهَا قَالَ لَا قَالَ لَهْلُ تَسْتَطِيعُ أَنْ تَصُومَ خَمْرَيْنِ مُتَابِعِينَ قَالَ لَا قَالَ هَلْ تَجِدُ إِطْعَامَ يَتِيمَيْنِ مِثْلَيْنَا قَالَ لَا..... قَالَ إِنْ جِئْتَ وَمَعَكَ النَّبِيُّ ﷺ لَبَيْنَا نَحْنُ عَلَى ذَلِكَ أَيْ النَّبِيُّ ﷺ يَغْرِي فِيهِ تَمَرٌ (وَالْفَرَقُ الْمَكْتَلُ الضَّغَم) قَالَ أَيْنَ السَّائِلُ قَالَ أَنَا قَالَ خُذْ هَذَا فَتَصَلِّ بِهِ لَقَاءَ الرَّجُلِ أَعْلَى الْفَرَمَيْنِ يَا رَسُولَ اللَّهِ لَوْ أَنَّ اللَّهَ مَا بَيْنَ لَا يَتَّخِذُ (يُرِيدُ الْحَرَتَيْنِ) أَهْلَ بَيْتِ الْفَرَمَيْنِ مِنْ أَهْلِ بَيْتِي فَصَحَّكَ النَّبِيُّ ﷺ حَتَّى بَدَتْ أَنْبَاؤُهُ ثُمَّ قَالَ أَطْعِمَهُ أَهْلَكَ — (رواه البخاری و مسلم)

تہذیب..... حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ جب کہ ہم لوگ رسول اللہ کے پاس بیٹھے

ہوئے تھے ایک آدمی آپ ﷺ کے پاس آیا اور اس نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میں تو ہلاک ہو گیا (یعنی میں ایک ایسا کام کر بیٹھا ہوں جس نے مجھے ہلاک و برباد کر دیا ہے۔) آپ ﷺ نے فرمایا: کیا ہو گیا؟ اس آدمی نے کہا: میں نے روزہ کی حالت میں اپنی بیوی سے صحبت کر لی (دوسری روایت میں ہے کہ یہ رمضان کا واقعہ ہے)۔ آپ ﷺ نے فرمایا: تو کیا تمہارے پاس اور تمہاری ملکیت میں کوئی غلام ہے جس کو تم اس غلطی کے کفارہ میں آزاد کر سکو؟ اس آدمی نے کہا: نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: تو پھر کیا تم یہ کر سکتے ہو کہ متواتر دو مہینے کے روزے رکھو؟ اس نے عرض کیا کہ: یہ بھی میرے بس کی بات نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: تو کیا تمہارے پاس اتنا ہے کہ ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلا سکو؟ اس نے عرض کیا کہ: مجھے اس کی بھی قدرت نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: تو بیٹھے رہو (شاید اللہ تعالیٰ کوئی سبیل تمہارے لئے پیدا کرے۔) ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ: رسول اللہ ﷺ بھی وہیں تشریف فرما رہے اور ہم لوگ بھی ابھی وہیں حاضر تھے کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں کھجوروں کا ایک بہت بڑا بور آیا۔ آپ ﷺ نے پکارا کہ: مسئلہ پوچھنے والا وہ آدمی کدھر ہے؟ اس آدمی نے عرض کیا کہ میں حاضر ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اس بورے کو لے لو (اور اپنی طرف سے) صدقہ کر دو۔ اس نے عرض کیا کہ: یا رسول اللہ (ﷺ)! کیا ایسے محتاجوں پر صدقہ کروں جو مجھ سے زیادہ حاجت مند ہوں؟ خدا کی قسم! مدینہ کی دونوں طرف کی پھریلی زمین کے درمیان (یعنی مدینہ کی پوری بستی) میں کسی گھر کے لوگ بھی میرے گھر والوں سے زیادہ حاجت مند نہیں ہیں (اس کی اس بات پر) رسول اللہ ﷺ کو (خلاف عادت) ایسی ہنسی آئی کہ آپ ﷺ کے دانتیں بائیں کنارے والے دانت (کچلیاں) بھی ظاہر ہو گئیں (حالانکہ عادت مبارکہ صرف قسم کی تھی) پھر آپ ﷺ نے اس آدمی سے فرمایا: اچھا! یہ کھجوریں اپنے اہل و عیال ہی کو کھلا دو۔۔۔۔۔ (صحیح بخاری، صحیح مسلم)

تشریح:۔۔۔۔۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی آدمی رمضان کے روزہ میں نفس کی خواہش سے ایسی غلطی کر بیٹھے تو اس کا کفارہ یہ ہے کہ ایک غلام آزاد کرنے کی قدرت ہو تو غلام آزاد کرے، اگر اس کی قدرت نہ ہو تو متواتر دو مہینے کے روزے رکھے، اگر اس کی طاقت نہ رکھتا ہو تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے۔۔۔۔۔ جمہور ائمہ و فقہاء کا مسلک بھی یہی ہے، البتہ اس میں ائمہ کی رائے میں اختلاف ہو گیا ہے کہ یہ کفارہ کیا صرف اسی صورت میں واجب ہو گا جبکہ کسی نے رمضان کے روزہ میں جماع کیا ہو۔ یا اس صورت میں بھی واجب ہو گا جب کسی نے دانستہ کچھ کھاپی کے روزہ توڑ ڈالا ہو۔ حضرت امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک یہ کفارہ صرف جماع والی صورت کے ساتھ مخصوص ہے، کیونکہ حدیث میں جو واقعہ مذکور ہے وہ جماع ہی کا ہے۔۔۔۔۔ لیکن امام ابو حنیفہؒ، امام مالکؒ، سفیان ثوریؒ اور عبد اللہ بن مبارکؒ وغیرہ ائمہ کا مسلک یہ ہے کہ یہ کفارہ دراصل رمضان کے روزہ کی بے حرمتی کا ہے اور اس جرم کی سزا ہے کہ اس نے اپنے نفس کی خواہش کے مقابلہ میں رمضان کے روزہ کا احترام نہیں کیا اور اس کو توڑ ڈالا، اور یہ جرم دونوں صورتوں میں یکساں ہے اس لئے اگر کسی نے دانستہ کھاپی کے روزہ توڑا تو اس پر بھی یہ کفارہ واجب ہو گا۔

اس واقعہ میں ایک عجیب و غریب بات یہ بھی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان صاحب واقعہ صحابی کو

کھجوروں کا جو بورا اس لئے عنایت فرمایا تھا کہ مساکین پر صدقہ کر کے وہ اپنا کفارہ ادا کریں، ان کے اس کہنے پر کہ مدینہ بھر میں مجھ سے اور میرے اہل و عیال سے زیادہ حاجت مند کوئی بھی نہیں ہے آپ نے اس بارے میں ان کو اجازت دے دی کہ اس کو اپنے ہی کام میں لے آئیں۔ اس کے بارے میں جمہورائمہ کی رائے یہ ہے کہ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اس طرح ان کا کفارہ ادا ہو گیا، بلکہ رسول اللہ نے ان کی وقتی ضرورت اور حاجت مندی کا لحاظ کر کے ان کھجوروں کو اپنے خرچ میں لے آنے کی ان کو اس وقت اجازت دے دی اور کفارہ ان کے ذمہ واجب رہا۔ اور مسئلہ یہی ہے کہ اگر رمضان کا روزہ کوئی ایسا آدمی اس طرح توڑ ڈالے جو نہ تو فی الوقت غلام آزاد کر سکتا ہو، نہ دو مہینے متوالہ روزے رکھ سکتا ہو اور نہ افلاس و غربت کی وجہ سے سناٹھ مسکینوں کو کھانا کھا سکتا ہو تو کفارہ اس کے ذمہ واجب رہے گا، وہ اس کی ادائیگی کی نیت رکھے اور جب کبھی اس کو استطاعت ہو وہ سناٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے۔ اور امام زہری وغیرہ ائمہ کی رائے یہ ہے کہ عام شرعی قانون اور مسئلہ تو یہی ہے لیکن رسول اللہ نے ان صحابی کے ساتھ ایک طرح کا استثنائی معاملہ کیا اور ان کا کفارہ اسی طرح ادا ہو گیا۔ یہ واقعہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم ہی میں کسی قدر اختصار کے ساتھ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے بھی مروی ہے۔ حافظ ابن حجر نے "فتح الباری" میں "شرح صحیح بخاری" میں لکھا ہے کہ بعض علمائے کبار نے (جن کو ہمارے اساتذہ اور شیوخ نے دیکھا ہے) ابوہریرہ رضی اللہ عنہ والی اس حدیث کی شرح دو جلدوں میں لکھی ہے اور دیکھا ہے کہ اس حدیث سے ایک بڑا علمی فائدہ ہے اور نکتے پیدا ہوتے ہیں۔

کئی چیزوں سے روزہ خراب نہیں ہوتا

بعض چیزیں ایسی ہیں جن کے بارے میں شبہ ہو سکتا ہے کہ اس سے روزہ ٹوٹ جاتا ہو گا، یا اس میں کچھ خرابی آجاتی ہوگی۔ لیکن رسول اللہ نے اپنے ارشادات یا فعل سے واضح فرمادیا ہے کہ ان چیزوں سے روزہ میں کوئی خرابی نہیں آتی۔ اس سلسلہ کی چند حدیثیں ذیل میں پڑھئے۔

(۱۱۰) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مَنْ لَبَسَ لِبَاسًا مَخْشُوعًا أَوْ خَرَّبَ لِبَاسًا مَخْشُوعًا أَوْ خَرَّبَ لِبَاسًا مَخْشُوعًا فَلَيْسَ بِصَائِمٍ (رواہ البخاری و مسلم)

ترجمہ۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جس نے روزہ کی حالت میں بھول کر کچھ کھا لیا یا پی لیا تو (اس سے اس کا روزہ نہیں ٹوٹا، اس لئے) وہ قاعدہ کے مطابق اپنا روزہ پورا کرے، کیونکہ اس کو اللہ نے کھلایا اور پلایا ہے (اس نے خود ارادہ کر کے روزہ نہیں توڑا ہے، اس لئے اس کا روزہ طہی حال ہے)

(فتح الباری، ج ۱، ص ۱۷۷)

(۱۱۱) عَنْ أَبِي سَعِيدٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ تِلْكَ لَا يُمْطِرُونَ الصَّائِمَ الْحَقَّامَةَ وَالْقَهْطَى وَلَا الْخِيْلَامُ. (رواہ الترمذی)

ترجمہ۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا: ان تین چیزوں سے روزہ

نہیں ٹوٹتا۔ پچھنے لگوں، تے ہو جانا اور احکام۔ (جامع ترمذی)

(۱۱۲) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَجُلًا سَأَلَ النَّبِيَّ ﷺ عَنِ الْمُبَاشَرَةِ لِلصَّائِمِ فَرُخِصَ لَهُ وَأَتَاهُ اخْرَافًا لَهُ
لَفَنَاهُ لِأَذَى لَدَى رَحْمَتِ لَهُ فَنُخِغَ وَأَذَى لَدَى نَهَاهُ خَابَ . (رواه ابو داؤد)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک صاحب رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ ﷺ سے روزے کی حالت میں بیوی کے ساتھ لینے پینے کے بارے میں سوال کیا (کہ اس کی گنجائش ہے یا نہیں) آپ ﷺ نے ان کو بتایا کہ گنجائش ہے، اور دوسرے ایک صاحب نے آکر آپ ﷺ سے یہی سوال کیا تو آپ ﷺ نے ممانعت فرمادی (اور اجازت نہیں دی) تو جن کو آپ ﷺ نے گنجائش بتلائی تھی وہ بوجھیں عمر کے آدمی تھے اور جن کو ممانعت فرمائی وہ جوان تھے۔ (سنن ابی داؤد)

تشریح:..... فرق کی وجہ ظاہر ہے، جوان آدمی کے لئے چونکہ اس کا قوی خطرہ ہوتا ہے کہ نفس کی خواہش اس پر غالب آجائے گی اور وہ روزہ خراب کر بیٹھے اس لئے آپ نے جوان سائل کو اجازت نہیں دی، اور بوڑھا آدمی چونکہ اس خطرے سے نسبتاً مامون ہوتا ہے اس لئے بوڑھے سائل کو آپ ﷺ نے رخصت اور گنجائش بتلا دی۔

(۱۱۳) عَنْ أَنَسٍ لَّانَ جَاءَهُ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ لَّانَ اشْتَكَيْتُ عَنِّي الْأَخْضَجِلُ وَأَنَا صَائِمٌ قَالَ نَعَمْ .

(رواه الترمذی)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور دریافت کیا کہ: میری آنکھ میں تکلیف ہے تو کیا میں روزہ کی حالت میں سرمہ لگا سکتا ہوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں! لگا سکتے ہو۔ (جامع ترمذی)

تشریح:..... معلوم ہوا کہ آنکھ میں سرمہ یا کسی دوا کے لگانے سے روزہ پر اثر نہیں پڑتا۔

(۱۱۴) عَنْ عَامِرِ بْنِ رَبِيعَةَ قَالَ رَأَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ مَا لَا أَحْصِي بِسَوْكٍ وَهُوَ صَائِمٌ.....

(رواه الترمذی و ابو داؤد)

ترجمہ: حضرت عامر بن ربیعہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو اتنی دفعہ کہ میں شمار بھی نہیں کر سکتا، روزہ کی حالت میں مسواک کرتے ہوئے دیکھا ہے۔ (جامع ترمذی، سنن ابی داؤد)

(۱۱۵) عَنْ بَعْضِ أَصْحَابِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ لَقَدْ رَأَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ بِالْعَرَجِ يَصُبُّ عَلَى رَأْسِهِ الْمَاءَ وَهُوَ صَائِمٌ مِنَ الْفَطْرِ أَوْ مِنَ الْعَرِ . (رواه مالك و ابو داؤد)

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ کے بعض اصحاب سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو مقام عرج میں دیکھا، آپ ﷺ روزے سے تھے اور پیاس یا گرمی کی (شدت) کی وجہ سے سرمہ بارک پر پانی بہا رہے تھے۔ (سنن ابی داؤد، سنن ابی یوسف)

تشریح:..... معلوم ہوا کہ روزہ کی حالت میں پیاس یا گرمی کی شدت کم کرنے کے لئے سرمہ پر پانی ڈالنا اور اس قسم

کی دوسری تدابیر کرنا جائز ہے، اور یہ روزہ کی روح کے بھی خلاف نہیں ہے۔ رسول اللہ ﷺ اس طرح کے بعض اعمال اس لئے بھی کرتے تھے کہ اس طرز عمل سے اپنی عاجزی ظاہر ہوتی ہے جو بندگی کی روح ہے..... نیز امت کے لئے آپ سہولت کا نمونہ قائم کرنا چاہتے تھے..... اللہ کی رحمتیں ہوں آپ ﷺ پر اور اس کا سلام۔

عرج، مدینہ سے مکہ جاتے ہوئے تین منزل پر ایک آباد موضع تھا، اس لئے یہ واقعہ کسی سفر کا ہے، ہو سکتا ہے کہ فتح مکہ والے سفر ہی کا ہو، جو رمضان مبارک میں ہوا تھا، اور آپ ﷺ نے مقام عسفان پہنچنے تک برابر روزے رکھے تھے۔

(۱۱۶) عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ قَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ هَفَشْتُ لَقُلْتُ وَأَنَا صَائِمٌ لَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ صَنَعْتَ الْيَوْمَ أَمْرًا عَظِيمًا قُلْتُ وَأَنَا صَائِمٌ قَالَ أَرَأَيْتَ لَوْ مَضْمَضْتَ مِنَ الْمَاءِ وَأَنْتَ صَائِمٌ لَقُلْتَ لَا بَأْسَ لَكَ لَمَنْهٖ . (رواہ ابو داؤد)

ترجمہ: حضرت جابر بن عبد اللہ انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ ایک دفعہ (روزے کی حالت میں) میرے اندر سخت تقاضا اور جذبہ پیدا ہوا، اور میں نے (اپنی بیوی) کا بوسہ لے لیا۔ اس کے بعد میں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ آج مجھ سے بہت بڑا قصور ہو گیا، میں نے روزے کی حالت میں بوسہ لے لیا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: بتاؤ اگر تم یہی منہ میں لے کر کھلی کرو (تو کیا اس سے تمہارے روزہ میں خرابی آئے گی؟) میں نے عرض کیا اس سے تو کوئی خرابی نہ آئے گی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: تو پھر (خالی بوسہ لینے سے) کیا ہوا۔ (بخاری، ۱۱۱۶)

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ کے اس جواب سے صرف یہ جزئی مسئلہ ہی نہیں معلوم ہوا کہ خالی بوسہ لینے سے روزہ میں خرابی نہیں آتی، بلکہ ایک اصول اور قاعدہ کلیہ معلوم ہو گیا، اور وہ یہ کہ دراصل روزے کو توڑنے والی چیز کھانا پینا اور جماع ہے، اور جس طرح کھانے پینے کی کسی چیز کا صرف منہ میں رکھنا (جو کھانے پینے کا گویا مقدمہ اور دیباچہ ہوتا ہے) روزہ کو نہیں توڑتا، اسی طرح بوس و کنار وغیرہ (جو جماع کے صرف مقدمات ہوتے ہیں) روزے کو خراب نہیں کرتے..... ہاں جس آدمی کو یہ خطرہ ہو کہ وہ خواہش اور تقاضے سے مغلوب ہو کر کہیں جماع میں مبتلا نہ ہو جائے اس کو اس قسم کی باتوں سے روزے میں پورا پرہیز کرنا چاہئے..... جیسا کہ اوپر کی بعض حدیثوں سے معلوم ہو چکا۔

انفلی روزے

نماز اور زکوٰۃ کی طرح روزوں کا ایک نصاب اور کورس تو اسلام کا رکن اور گویا شرط لازم قرار دی گئی ہے۔ جس کے بغیر کسی مسلمان کی زندگی اسلامی زندگی نہیں بن سکتی، اور وہ رمضان کے پورے مہینے کے روزے ہیں۔ اس کے علاوہ شریعت اسلام میں روحانی تربیت اور تزکیہ کے لئے اور اللہ تعالیٰ کا خاص تقرب حاصل کرنے کے لئے دوسری نفلی عبادات کی طرح نفلی روزوں کی بھی تعلیم دی گئی ہے، اور بعض خاص دنوں اور

تاریخوں کی خاص فضیلتیں اور برکتیں بیان فرما کے ان کے روزوں کی خصوصی ترغیب دی گئی ہے۔ رسول اللہ ﷺ زبانی تعلیم و تلقین کے علاوہ اپنے عمل سے بھی امت کو ان نفلی روزوں کی ترغیب دیتے تھے، لیکن اسی کے ساتھ آپ ﷺ اس کی بھی پوری احتیاط فرماتے تھے کہ نفلی روزوں میں حد اعتدال سے آگے نہ بڑھیں، اور ان کا اہتمام اور پابندی فرض روزوں کی طرح نہ کریں، بلکہ حدود اللہ کا لحاظ رکھتے ہوئے اپنے فرائض کو فرائض کی طرح ادا کریں اور نوافل کو نوافل کے درجے میں رکھیں..... اس مختصر تمہید کے بعد اس سلسلے کی حدیثیں ذیل میں پڑھئے۔

(۱۱۷) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ لِكُلِّ فِتْنِي زَكَاةٌ وَزَكَاةُ الْجَسَدِ الصُّومُ.....

(رواہ ابن ماجہ)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہر چیز کی کوئی زکوٰۃ ہے (جس کے نکالنے سے وہ چیز پاک ہو جاتی ہے) اور جسم کی زکوٰۃ روزے ہیں۔ (ابن ماجہ)

ماہ شعبان میں نفلی روزوں کی اشدت

(۱۱۸) عَنْ عَائِشَةَ لَأَلَّتْ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ بِصُومٍ حَتَّى نَقُولَ لَا يَفْطُرُ وَيَفْطُرُ حَتَّى نَقُولَ لَا يَصُومُ وَمَا رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ إِسْتَكْمَلَ صِيَامَ خَهْرٍ لَطًا إِلَّا رَمَضَانَ وَمَا رَأَيْتُ فِي خَهْرٍ أَكْثَرَ مِنْهُ صِيَامًا فِي خَهْرٍ..... (رواہ البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا دستور (نفلی روزوں کے بارے میں) یہ تھا کہ آپ (کبھی کبھی) مسلسل بلاناغہ روزے رکھنے شروع کرتے، یہاں تک کہ ہمیں خیال ہوتا کہ اب ناغہ ہی نہیں کریں گے، اور (کبھی اس کے برعکس ایسا ہوتا کہ) آپ روزے نہ رکھتے اور مسلسل بغیر روزے کے دن گزارتے، یہاں تک کہ ہمیں خیال ہوتا کہ اب آپ بلاروزے کے ہی رہا کریں گے..... اور فرماتی ہیں حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کہ..... میں نے کبھی نہیں دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ نے رمضان کے علاوہ کسی پورے مہینے کے روزے رکھے ہوں، اور میں نے نہیں دیکھا کہ آپ کسی مہینے میں شعبان سے زیادہ نفلی روزے رکھتے ہوں (اس حدیث کی بعض روایات میں یہ بھی ہے کہ آپ شعبان کے (قریباً) پورے مہینے ہی کے روزے رکھتے تھے)۔

ترجمہ:..... حدیث کے پہلے جز کا مطلب تو یہ ہے کہ نفلی روزوں کے بارے میں آپ ﷺ کا کوئی لگاؤ بندھا دستور و معمول نہیں تھا، بلکہ کبھی آپ مسلسل بلاناغہ روزے رکھتے تھے، اور کبھی مسلسل بغیر روزے کے رہتے تھے۔ مقصد یہ تھا کہ امت کے لئے؟ آپ کی پیروی میں مشکل اور تنگی نہ ہو بلکہ وسعت کا راستہ کھلا رہے، اور ہر شخص اپنے حالات اور اپنی ہمت کے مطابق آپ کے کسی رویہ کی پیروی کر سکے۔ دوسرے جز کا مطلب یہ ہے کہ آپ پورے اہتمام سے پورے مہینے کے روزے صرف رمضان کے رکھتے تھے (جو اللہ نے

فرض کئے ہیں) باب شعبان میں دوسرے مہینوں کی یہ نسبت زیادہ روزے رکھتے ہوں۔ بلکہ اسی حدیث کی ایک روایت میں ہے کہ: اقرب قریب پورے مہینے شعبان کے روزے رکھتے تھے اور بہت کم دن ناغہ فرماتے تھے۔

ماہ شعبان میں رسول اللہ ﷺ کے زیادہ نقلی روزے رکھنے کے کئی سبب اور کئی حکمتیں بیان کی گئی ہیں جن میں سے بعض وہ ہیں جن کی طرف بعض حدیثوں میں بھی اشارہ ملتا ہے۔ چنانچہ حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کی ایک حدیث میں ہے کہ خود رسول اللہ ﷺ سے اس کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ: اسی مہینے میں بارگاہ الہی میں بندوں کے اعمال کی پیشی ہوتی ہے، میں پسند کرتا ہوں کہ جب میرے اعمال کی پیشی ہو تو میں روزے سے ہوں۔

اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے ایک حدیث مروی ہے جس میں فرمایا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ ماہ شعبان میں بہت زیادہ روزے اس لئے رکھتے تھے کہ پورے سال میں مرنے والوں کی قبرست اسی مہینے میں ملک الموت کے حوالے کی جاتی ہے، آپ چاہتے تھے کہ جب آپ کی وفات کے بارے میں ملک الموت کو احکام دیئے جا رہے ہوں تو اس وقت آپ روزے سے ہوں۔

اس کے علاوہ رمضان کا قرب اور اس کے خاص انوار و برکات سے مزید مناسبت پیدا کرنے کا شوق اور داعیہ بھی غالباً اس کا سبب اور محرک ہو گا، اور شعبان کے ان روزوں کو رمضان کے روزوں سے وہی نسبت ہو گی جو فرض نمازوں سے پہلے پڑھے جانے والے نوافل کو فرضوں سے ہوتی ہے، اور اسی طرح رمضان کے بعد شوال میں چھ نقلی روزوں کی تعلیم و ترغیب جو آگے درج ہونے والی حدیث میں آ رہی ہے، اس کو رمضان کے روزوں سے وہی نسبت ہو گی جو فرض نمازوں کے بعد والی سنتوں اور نفلوں کو فرضوں سے ہوتی ہے۔ واللہ اعلم۔

رمضان — بعد شوال — پچیس روزے

(۱۱۹) عَنْ أَبِي أَيُّوبَ الْأَنْصَارِيِّ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ مَنْ صَامَ رَمَضَانَ لَمْ يَلْمَعْهُ شَيْءٌ مِنْ خَطَايَا كُنَّ كَعَصِيَامِ النَّهْرِ..... (درود مسلمہ)

ترجمہ: حضرت ابویوب انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: جس نے ماہ رمضان کے روزے رکھے اس کے بعد ماہ شوال میں چھ نقلی روزے رکھے تو اس کا یہ عمل ہمیشہ روزہ رکھنے کے برابر ہو گا۔ (صحیح مسلم)

تشریح: رمضان کا مہینہ اگر ۲۹ ہی دن کا ہو تب بھی اللہ تعالیٰ اپنے کرم سے ۳۰ روزوں کا ثواب دیتے ہیں اور شوال کے ۶ نقلی روزے شامل کرنے کے بعد روزوں کی تعداد ۳۶ ہو جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ کے کریمانہ قانون "لنحسد بعسر العدل" (ایک نیکی کا ثواب دس گنا) کے مطابق ۳۶ کا دس گنا ۳۶۰ ہو جاتا ہے اور

پورے سال کے دن ۳۶۰ سے کم ہی ہوتے ہیں۔ پس جس نے پورے رمضان مبارک کے روزے رکھنے کے بعد شوال میں ۶ نفلی روزے رکھے وہ اس حساب سے ۳۶۰ روزوں کے ثواب کا مستحق ہو گا پس اجر و ثواب کے لحاظ سے یہ ایسا ہی ہو جیسے کوئی بندہ سال کے ۳۶۰ دن برابر روزے رکھے۔

ہر مہینے میں تین نفلی روزے کافی ہیں

(۱۲۰) عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو ابْنِ الْعَاصِ قَالَ قَالَ لِي رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يَاعَبْدَ اللَّهِ أَلَمْ أَخْبَرَ أَنَّكَ تَصُومُ النَّهَارَ وَتَقُومُ اللَّيْلَ قُلْتُ بَلَى يَا رَسُولَ اللَّهِ قَالَ فَلَا تَفْعَلْ صُمْ وَأَفْطِرْ وَلَمْ يَأْنِ لِيَجْسِدَكَ عَلَيْكَ حَقًّا وَإِنْ لَزُوجَكَ عَلَيْكَ حَقًّا وَإِنْ لَزُورَكَ عَلَيْكَ حَقًّا لَا صَامَ مَنْ صَامَ اللَّحْمَ صَوْمٌ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ مِنْ كُلِّ شَهْرٍ صَوْمٌ اللَّحْمَ كُلِّهِ صُمْ كُلَّ شَهْرٍ صَوْمٌ اللَّحْمَ كُلِّهِ صُمْ كُلَّ شَهْرٍ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ وَأَقْرَأَ الْقُرْآنَ فِي كُلِّ شَهْرٍ قُلْتُ إِنِّي أَطِيقُ أَكْثَرَ مِنْ ذَلِكَ قَالَ صُمْ الْفَضْلَ الصُّومِ صَوْمٌ دَاوُدَ صِيَامَ يَوْمٍ وَالْفُكَارَ يَوْمٌ وَأَقْرَأَ لِي كُلَّ سَنَةٍ لِيَابَ مَرَّةً وَلَا تَزِدْ عَلَى ذَلِكَ..... (رواه البخاری و مسلم)

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے ارشاد فرمایا کہ: مجھے بتایا گیا ہے کہ تم نے یہ معمول بنارکھا ہے کہ تم ہمیشہ دن کو روزہ رکھتے ہو اور رات بھر نوافل پڑھتے ہو (کیا واقعہ ایسا ہی ہے؟) میں نے عرض کیا کہ ہاں حضرت! میں ایسا ہی کرتا ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: یہ طریقہ چھوڑ دو روزے بھی رکھا کرو اور نافع بھی کیا کرو، اسی طرح رات کو نماز بھی پڑھا کرو اور سویا بھی کرو کیونکہ تمہارے جسم کا بھی تم پر حق ہے (تمہیں اس کی اجازت نہیں ہے کہ جسم پر حد سے زیادہ بوجھ ڈالو اور اس کے ضروری تقاضے بھی پورے نہ کرو) اسی طرح تمہاری آنکھ کا بھی تم پر حق ہے (کہ تم اس کو سونے اور آرام لینے کا موقع دو) اسی طرح بیوی کا بھی تم پر حق ہے اور تمہارے ملاقاتیوں مہمانوں کا بھی تم پر حق ہے (تم کو جائز نہیں کہ ان کی حق تلفی کر کے) اللہ کی عبادت کرو۔ (سنو) جو ہمیشہ بلاناغہ روزہ رکھے اس نے گویا روزہ رکھا ہی نہیں، ہر مہینے میں تین دن کے نفلی روزے رکھ لینا ہمیشہ روزہ رکھنے کے حکم میں ہے، اس لئے تم ہر مہینے بس تین روزے رکھ لیا کرو، اور مہینے میں ایک قرآن (تہجد میں) ختم کر لیا کرو۔ (عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کہتے ہیں) میں نے عرض کیا کہ: میں اس سے زیادہ کی طاقت رکھتا ہوں (اس لئے مجھے زیادہ کی اجازت مرحمت فرمائیے)۔ آپ ﷺ نے فرمایا: تو پھر تم داؤد علیہ السلام کے روزوں کا طریقہ اختیار کرلو، اور یہ کہ ایک دن روزہ اور ایک دن افطار (یعنی روزہ کا نافع اور تہجد میں سات راتوں میں ایک قرآن ختم کر لیا کرو، اور اس سے زیادہ نہ کرو۔) (صحیح بخاری، صحیح مسلم)

ترجمہ: عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کا ذوق عبادت بہت بڑھا ہوا تھا وہ ہمیشہ دن کو روزہ رکھتے اور رات بھر نوافل پڑھتے اور اس میں روزانہ پورا قرآن مجید ختم کر لیتے۔ رسول اللہ ﷺ کو جب اس کی اطلاع ہوئی تو آپ ﷺ نے ان کو وہ ہدایت فرمائی جو حدیث میں مذکور ہوئی اور اس کی عبادت میں اعتدال اور میان

روی کا حکم دیا اور فرمایا کہ: تم پر اپنے جسم و جان اور اپنے اہل تعلق کی بھی ذمہ داریاں ہیں اور ان کی بھی رعایت اور ادائیگی ضروری ہے۔ آپ نے پہلے انہیں مہینے میں تین نفلی روزے رکھنے اور تہجد میں پورے مہینے میں ایک قرآن پڑھنے کے لئے فرمایا، اور جب انہوں نے عرض کیا کہ میں با آسانی اس سے زیادہ کر سکتا ہوں لہذا کچھ زیادہ کی مجھے اجازت دے دیجئے تو آپ نے ان کو صوم و افادہ کی (یعنی ہمیشہ ایک دن روزہ اور ایک دن افطار کی) اور ہفتہ میں ایک قرآن مجید رات کے نوافل میں پورا کر لینے کی اجازت مرحمت فرمادی اور اس سے زیادہ کے لئے منع فرمایا۔ لیکن اس حدیث سے یہ بات ظاہر ہے کہ آپ کی ممانعت کا منشاء یہ نہیں تھا کہ زیادہ عبادت کرنا کوئی بری بات ہے، بلکہ یہ ممانعت برہانے شفقت تھی (جس طرح چھوٹے بچوں کو زیادہ بوجھ اٹھانے سے منع کیا جاتا ہے) یہی وجہ ہے کہ ان کے یہ عرض کرنے پر کہ میں اس سے زیادہ کی طاقت رکھتا ہوں آپ نے ان کو مہینہ میں صرف تین روزوں کے بجائے صوم و افادہ کی یعنی ۵ دن روزہ اور ۵ دن افطار کی اور مہینہ میں قرآن ختم کرنے کے بجائے ہفتہ میں قرآن ختم کرنے کی اجازت دے دی۔ بلکہ ترمذی کی روایت کے مطابق بعد میں صرف پانچ دن میں قرآن مجید ختم کرنے کی بھی اجازت دے دی تھی اور بعض صحابہ کو حضور نے تین دن میں قرآن ختم کرنے کی بھی اجازت دی ہے۔^۱

(۱۶۱) عَنْ أَبِي قَتَادَةَ أَنَّ رَجُلًا أَتَى النَّبِيَّ ﷺ فَقَالَ كَيْفَ تَصُومُ؟ فَغَضِبَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مِنْ قَوْلِهِ فَلَمَّا رَأَى عُمَرُ غَضَبَهُ قَالَ رَضِينَا بِاللَّهِ رَبًّا وَبِأَسْلَامِ دِينِنَا وَبِعَمَدِنَا نَبِيِّنَا نَقُولُ بِاللَّهِ مِنْ غَضَبِ اللَّهِ وَغَضَبِ رَسُولِهِ لَجَعَلْ عُمَرُ يُرَدِّدُ هَذَا الْكَلَامَ حَتَّى سَكَنَ غَضَبُهُ فَقَالَ عُمَرُ يَا رَسُولَ اللَّهِ كَيْفَ مَنْ يَصُومُ الدَّهْرَ كُلَّهُ قَالَ لَا صَامَ وَلَا أَفْطَرَ أَوْ قَالَ لَمْ يَصُمْ وَلَمْ يَفْطِرْ قَالَ كَيْفَ مَنْ يَصُومُ يَوْمَيْنِ وَيَفْطِرُ يَوْمًا قَالَ وَيُطِيقُ ذَلِكَ أَحَدٌ؟ قَالَ كَيْفَ مَنْ يَصُومُ يَوْمًا وَيَفْطِرُ يَوْمًا قَالَ ذَلِكَ صَوْمٌ دَاوُدَ قَالَ كَيْفَ مَنْ يَصُومُ يَوْمًا وَيَفْطِرُ يَوْمَيْنِ قَالَ وَدِدْتُ أَنْتَى طَوَّلْتُ ذَلِكَ ثُمَّ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ فَلَكَ مِنْ كُلِّ شَهْرٍ وَرَمَضَانُ إِلَى رَمَضَانَ هَذَا صِيَامُ الدَّهْرِ كُلِّهِ وَصِيَامُ يَوْمٍ عَرَفَةَ أَحْبَبُ عَلَى اللَّهِ أَنْ يُكْفِرَ السَّنَةَ الَّتِي قَبْلَهُ وَالسَّنَةَ الَّتِي بَعْدَهُ وَصِيَامُ يَوْمٍ عَاشُورَاءَ أَحْبَبُ عَلَى اللَّهِ أَنْ يُكْفِرَ السَّنَةَ الَّتِي قَبْلَهُ.....^۲

حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ کی خدمت میں ایک شخص آیا اور اس نے حضور سے پوچھا کہ: آپ روزے کس طرح رکھتے ہیں؟ (یعنی نفلی روزے رکھنے کے بارے میں آپ کا کیا معمول و دستور ہے؟) اس کے اس سوال پر رسول اللہ کو ناگواری ہوئی (یعنی چہرہ مبارک پر تکدر اور بڑبھائی کے آثار ظاہر ہوئے) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے (جو حاضر تھے) جب آپ کی ناگواری کی کیفیت کو محسوس کیا تو کہا:

۱۔ مجمع الفوائد میں مسند احمد اور کبیر طبرانی کے حوالہ سے سعید بن منذر انصاری رضی اللہ عنہ کو اس کی اجازت مروی ہے۔

رَضِیْنَا بِاللّٰهِ رَبًّا وَبِالْاِسْلَامِ دِیْنًا وَبِمُحَمَّدٍ نَبِیًّا تَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ غَضَبِ اللّٰهِ وَغَضَبِ رَسُوْلِهِ.

ہم راضی ہیں اللہ کو اپنا رب مان کر اور اسلام کو اپنا دین بنا کر اور محمد علیہ السلام کو نبی مان کر، اللہ کی پناہ اس کی ناراضی سے اور اس کے رسول کی ناراضی سے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ بار بار اپنی یہی بات دہراتے رہے، یہاں تک کہ رسول اللہ کے مزاج مبارک میں جو ناگواری پیدا ہو گئی تھی اس کا اثر زائل ہو گیا۔ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ: یا رسول اللہ (ﷺ)! وہ شخص کیسا ہے جو ہمیشہ بلاناغہ روزے رکھے، اور اس کے بارے میں کیا ارشاد ہے؟ آپ نے فرمایا: نہ اس نے روزہ رکھا نہ افطار کیا۔ پھر حضرت عمرؓ نے عرض کیا: اور اس آدمی کے بارے میں کیا ارشاد ہے جو دو دن روزے رکھے اور ایک دن ناغہ کرے یعنی بغیر روزے کے رہے؟ آپ نے فرمایا: کیا کسی میں اس کی طاقت ہے؟ (یعنی یہ بہت مشکل ہے ہمیشہ روزہ رکھنے سے بھی زیادہ مشکل ہے اس لئے اس کا ارادہ کرنا چاہئے) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ: اور اس کے بارے میں کیا ارشاد ہے؟ جو ہمیشہ ایک دن روزے رکھے اور ایک دن ناغہ کرے؟ آپ نے فرمایا: یہ صوم داؤد ہے (یعنی حضرت داؤد علیہ السلام جن کو اللہ نے غیر معمولی جسمانی قوت بخشی تھی ان کا معمول یہی تھا کہ ایک دن روزہ رکھتے تھے اور ایک دن ناغہ کرتے تھے) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ: اس آدمی کے بارے میں کیا ارشاد ہے جو ایک دن روزہ رکھے اور دو دن ناغہ کرے؟ اور اس طرح اوسطاً ہر مہینے میں دس دن روزہ رکھے۔ آپ نے فرمایا کہ: میرا جی چاہتا ہے کہ مجھے اس کی طاقت عطا فرمائی جائے..... پھر رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

ہر مہینے کے تین نفلی روزے اور رمضان تار مضان یہ (اجر و ثواب کے لحاظ سے) ہمیشہ روزہ رکھنے کے برابر ہے (لہذا جو صوم و ہر کا ثواب حاصل کرنا چاہے وہ اس کو اپنا معمول بنالے) اور یوم عرفہ (۹ ذی الحجہ) کے روزے کے بارے میں، میں امید کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے کرم سے کہ وہ صفائی کردے گا اس سے پہلے سال کی اور بعد کے سال کی (یعنی اس کی برکت سے ایک سال پہلے اور ایک سال بعد کے گناہوں کی گندگیاں دھل جائیں۔) اور یوم عاشور (۱۰ محرم) کے روزے کے بارے میں میں امید کرتا ہوں اللہ تعالیٰ سے کہ وہ صفائی کردے گا اس سے پہلے سال کی۔

تشریح..... حدیث کا اصل مفہوم و مقصد تو ظاہر ہے لیکن چند ضمنی باتیں وضاحت طلب ہیں، انہی کے بارے میں کچھ عرض کیا جاتا ہے۔

حدیث کے بالکل شروع میں ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ سے سوال کیا کہ: آپ کس طرح روزے رکھتے ہیں؟ (یعنی نفلی روزوں کے بارے میں خود آپ کا معمول اور طریقہ کیا ہے) آپ کو اس سوال پر ناراضی اور ناگواری ہوئی..... یہ ناراضی اور ناگواری ایسی ہی تھی جیسی شفیق استاد اور مربی کو کسی شاگرد اور زیر تربیت طالب و مرید کے غلط اور نامناسب سوال سے ہوتی ہے۔ سوال کرنے والے کو اصل بات دریافت

کرنی چاہئے تھی۔ یعنی یہ پوچھنا چاہئے تھا کہ میرے لئے نفی روزوں کے بارے میں کیا طرز عمل مناسب ہے؟ اس نے بجائے اس کے حضور ﷺ کا معمول دریافت کیا تھا۔ حالانکہ رسول اللہ ﷺ زندگی کے بہت سے شعبوں میں ان بہت سے اسباب کی بناء پر جو آپ کے منصب نبوت اور مصالح امت سے تعلق رکھتے تھے ایسا طرز عمل بھی اختیار کرتے تھے جس کی تنقید ہر ایک کے لئے مناسب نہیں ہے اس لئے سائل کو آپ کا معمول دریافت کرنے کے بجائے اصل مسئلہ دریافت کرنا چاہئے تھا۔۔۔۔۔ استاذ اور مربی کی اس طرح کی ناگواری بھی دراصل تربیت ہی کا ایک جز ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس سوال سے حضور ﷺ کی ناگواری کو محسوس کر کے مسلمانوں کی طرف سے عرض کیا: **رَحِمَنَا اللَّهُ دَنَا وَلَا سَلَامَ دِينَا وَبِسُحْمٍ بَايَعُوا بِاللَّهِ مِنْ غَضَبِ اللَّهِ وَغَضَبِ رَسُولِهِ** اس کے بعد آپ نے نفی روزوں ہی کے بارے میں صحیح طریقے پر سوالات کئے اور رسول اللہ ﷺ نے ان کے جوابات مرحمت فرمائے۔

جو شخص ہمیشہ بلاناغہ روزہ رکھے اس کے بارے میں آپ ﷺ نے جو یہ فرمایا کہ: **لَا صَاہُ وَلَا فَطْرٌ** (نہ اس نے روزہ رکھا نہ افطار کیا) اس سے آپ کا مقصد ناپسندیدگی کا اظہار ہے اور مطلب یہ ہے کہ یہ غلط ہے، نہ صوم نہ نہ افطار ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سوالات کے جوابات کے بعد آپ ﷺ نے اپنی طرف سے جو مزید فرمایا اس کا مطلب یہ ہے کہ روزہ کے باب میں عام مسلمین کے لئے بس اتنا کافی ہے کہ دور رمضان کے فرض روزے رکھا کریں، اس کے علاوہ ہر مہینے میں تین نفی روزے رکھ لیا کریں جو الحسنۃ بعشر امثالہا کے حساب سے ثواب میں تیس روزوں کے برابر ہوں گے اور اس طرح ان کو صوم و ہر کا ثواب مل جائے گا۔۔۔۔۔ مزید نفع مندی اور کمائی کے لئے یوم عرفہ اور یوم عاشوراکے دو روزے بھی رکھ لیا کریں۔ حضور ﷺ نے امید ظاہر فرمائی کہ رب کریم کے کرم سے مجھے امید ہے کہ یوم عرفہ کا روزہ ایک سال پہلی اور ایک سال بعد کی خطاکاریوں کا اور یوم عاشوراکا روزہ پہلے سال کی غلط کاریوں کا کفارہ بن جائے گا۔

واضح رہے کہ عرفہ کے دن جو دراصل حج کا دن ہے روزہ کی یہ فضیلت اور ترغیب غیر حاجیوں کے لئے ہے، حاجیوں کی اس دن کی خاص الخاص اور مقبول ترین عبادت میدان عرفات کاوقوف ہے جس کے لئے ظہر و عصر کی نماز مختصر اور ایک ساتھ پڑھ لینے کا حکم ہے اور ظہر کی سنتیں بھی اس دن چھوڑ دینے کا حکم ہے، اگر حاجی لوگ اس دن روزہ رکھیں گے تو ان کے لئے عرفات میں وقوف اور آفتاب غروب ہوتے ہی مزدلفہ کو چل دینا مشکل ہوگا، اس لئے حاجیوں کے لئے عرفہ کے دن روزہ کھانا پسندیدہ نہیں ہے (بلکہ ایک حدیث میں ممانعت بھی وارد ہوئی ہے) اور رسول اللہ ﷺ نے حجۃ الوداع میں اپنے عمل سے بھی اسی کی تعلیم امت کو دی ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ آپ نے عرفہ کے دن ٹھیک اس وقت جب کہ آپ میدان عرفات میں اپنے اونٹ پر تھے اور وقوف فرما رہے تھے سب کے سامنے دودھ نوش فرمایا تاکہ سب دیکھ لیں کہ آج آپ روزہ سے نہیں ہیں۔

غیر حاجیوں کے لئے یوم عرفہ کا روزہ دراصل اس دن کی ان رحمتوں اور برکتوں میں شریک اور حصہ دار ہونے ہی کے لئے ہے جو عرفات میں حجاج پر نازل ہوتی ہیں، اور اس کا مقصد یہی ہوتا ہے کہ اللہ کے جو صاحب ایمان بندے حج میں شریک نہیں ہیں وہ اس پورے دن میں روزہ رکھ کر اس دن کی خاص الخاص رحمتوں اور برکتوں میں کسی درجے کا حصہ لے لیں۔ اسی طرح یوم النحر یعنی بقعہ عید کے دن غیر حاجیوں کو قربانی کا جو حکم دیا گیا ہے اس کا راز بھی یہی ہے۔ واللہ اعلم۔

یوم عاشورا کا روزہ نقلی روزوں میں اس لحاظ سے سب سے زیادہ اہم ہے کہ رمضان المبارک کے روزوں کی فرضیت سے پہلے وہی فرض تھا۔ جب رمضان المبارک کے روزے فرض کئے گئے تو اس کی فرضیت منسوخ ہو گئی اور صرف نقلی درجہ رہ گیا۔ اس کے بارے میں احادیث آگے مستقل عنوان کے تحت انشاء اللہ درج ہوں گی۔

مہینہ — تین روزوں سے پہلے میں رسول اللہ ﷺ کا معمول

(۱۲۲) عَنْ حَفْصَةَ قَالَتْ أَرَبَعَ لَمْ تَكُنْ يَدْعُهُنَّ النَّبِيُّ ﷺ صِيَامَ عَاشُورَاءَ وَالْعَشْرِ وَلِلْفَةِ أَيَّامٍ مِنْ كُلِّ شَهْرٍ وَرَكَعَتَانِ قَبْلَ الْفَجْرِ۔ (رواہ ابوداؤد)

ترجمہ۔ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ چار چیزیں وہ ہیں جن کو رسول اللہ ﷺ کبھی نہیں چھوڑتے تھے (۱) عاشورا کا روزہ، (۲) عشر ذی الحجہ (یعنی عید ذی الحجہ سے یوم عرفہ نوین ذی الحجہ تک) کے روزے، (۳) ہر مہینے کے تین روزے، (۴) اور قبل فجر کی دو رکعتیں۔ (ابن ابی شیبہ)

ترجمہ۔ مطلب یہ ہے کہ یہ چار چیزیں اگرچہ فرض یا واجب نہیں ہیں لیکن رسول اللہ ﷺ ان کا اتنا اہتمام اور ایسی پابندی فرماتے تھے کہ کبھی یہ چیزیں ترک نہیں ہوتی تھیں۔

(۱۲۳) عَنْ مُعَاذَةَ الْعَنْزُومَةِ أَلْهَا قَالَتْ سَأَلْتُ عَائِشَةَ أُمَّانَ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَصُومُ مِنْ كُلِّ شَهْرٍ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ قَالَتْ لَهَا مِنْ أَيِّ أَيَّامِ الشَّهْرِ كَانَ يَصُومُ قَالَتْ لَمْ يَكُنْ يُبَالِي مِنْ أَيِّ أَيَّامِ الشَّهْرِ يَصُومُ۔ (رواہ مسلم)

ترجمہ۔ معاذہ عدویہ سے روایت ہے کہ میں نے ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کیا رسول اللہ ﷺ ہر مہینہ تین روزے رکھتے تھے؟ انہوں نے فرمایا ہاں! آپ ہر مہینے تین روزے رکھتے تھے۔ معاذہ نے پوچھا کہ مہینے کے کس حصے میں (اور کن تاریخوں) میں رکھتے تھے؟ انہوں نے فرمایا کہ اس کی فکر نہیں فرماتے تھے کہ مہینے کے کس حصے میں رکھیں۔ (ابن ابی شیبہ)

ترجمہ۔ بعض روایات میں ہر مہینے کے شروع میں روزے رکھنے کا حضور ﷺ کا معمول ذکر کیا گیا ہے اور بعض روایات میں مہینہ کی تیرھویں، چودھویں اور پندرھویں کا، اور بعض روایات میں ہفتہ کے خاص خاص تین دنوں کا بھی ذکر کیا گیا ہے لیکن حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے اس بیان سے جیسا کہ معلوم ہوا

ان میں سے کوئی بھی آپ کا دوا می معمول نہیں تھا۔ اس کی ایک وجہ تو یہ تھی کہ آپ ﷺ کو سفر اور اس کے علاوہ بھی دوسری چیزیں بکثرت پیش آتی رہتی تھیں جس کی وجہ سے آپ کے لئے خاص تاریخوں یا دنوں کی پابندی مناسب نہیں تھی۔ دوسری وجہ یہ بھی تھی کہ آپ کا خاص تاریخوں اور خاص دنوں میں ہمیشہ روزے رکھنا امت کے مختلف الحال لوگوں کے لئے باعث زحمت ہو تا اور اس سے یہ غلط فہمی بھی ہو سکتی تھی کہ یہ روزے واجبات میں سے ہیں۔ الغرض اس طرح کی مصلحتوں کی وجہ سے آپ خود خاص تاریخوں اور دنوں کی پابندی نہیں فرماتے تھے، اور آپ کے حق میں یہی افضل اور اولیٰ تھا، لیکن صحابہ کرام کو آپ مہینے کے تین دن کے روزوں کے سلسلے میں اکثر ایام بیض (۱۳، ۱۴، ۱۵) تاریخ کی ترغیب دیتے تھے جیسا کہ مندرجہ ذیل حدیثوں سے معلوم ہو گا۔

ایام بیض کے روزے

(۱۲۴) عَنْ أَبِي ذَرٍّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يَا أَبَا ذَرٍّ إِذَا صُمْتَ مِنَ الشَّهْرِ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ لَصُمْتَ ثَلَاثَ عَشْرَةٍ وَأَرْبَعَ عَشْرَةَ وَخَمْسَ عَشْرَةَ۔ (رواہ الترمذی والنسائی)

ترجمہ۔ حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے فرمایا کہ: اے ابو ذر! جب تم مہینے کے تین روزے رکھو تو تیرہ ہوں، چودھویں، پندرہویں کے روزے رکھا کرو۔ (بیابغ ترمذی، سنن نسائی)

(قریب قریب اسی مضمون کی ایک حدیث سنن نسائی میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے، اس میں ہے کہ آپ ﷺ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو بھی یہی ہدایت فرمائی تھی۔)

(۱۲۵) عَنْ قُتَادَةَ بْنِ مِلْحَانَ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يَأْمُرُنَا أَنْ نَصُومَ الْبَيْضَ ثَلَاثَ عَشْرَةٍ وَأَرْبَعَ عَشْرَةَ وَخَمْسَ عَشْرَةَ وَلَقَالَ هُوَ كَهَيْئَةِ الشَّهْرِ۔ (رواہ ابو داؤد والنسائی)

ترجمہ۔ حضرت قتادہ بن ملحان سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہم لوگوں کو حکم فرماتے تھے کہ ہم ایام بیض یعنی مہینے کی تیرہویں، چودھویں، پندرہویں کو روزہ رکھا کریں۔ اور فرماتے تھے کہ مہینے کے ان تین دنوں کے روزے رکھنا اجر و ثواب کے لحاظ سے ہمیشہ روزہ رکھنے کے برابر ہے۔ (سنن ابی داؤد، سنن نسائی)

تشریح۔۔۔۔۔ یہاں تک جو حدیثیں درج ہوئیں ان سے ایک بات تو یہ معلوم ہوئی کہ ہر مہینے تین نفلی روزے رکھنے والا صاحب ایمان بندہ الحسنۃ بعشر امثالہا کے کریمانہ قانون کے حساب سے مہینے کے تین دن یعنی ہمیشہ روزے رکھنے کے ثواب کا مستحق ہو گا۔ دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ زیادہ بہتر یہ ہے کہ روزے تیرہویں، چودھویں، پندرہویں کو رکھے جائیں۔ تیسری بات یہ معلوم ہوئی کہ خود رسول اللہ ﷺ ان اہم دینی مصالح کی وجہ سے جن کا ذکر اوپر کیا گیا۔ ان تاریخوں کی پابندی نہیں فرماتے تھے، اور آپ کے حق میں یہی افضل اور اولیٰ تھا۔

یوم عاشورہ کا روزہ اور اس کی تاریخی اہمیت

اوپر جو حدیثیں ہر مہینہ میں تین دن کے نفی روزوں کے بارے میں درج ہوئیں، ان میں سے بھی بعض یوم عاشورہ کے روزے کی فضیلت اور ان کے لئے رسول اللہ ﷺ کے خصوصی اہتمام و پابندی کا ذکر ضمناً آچکا ہے۔ ذیل میں چند حدیثیں درج کی جا رہی ہیں جو خاص اسی سے متعلق ہیں، اور جن سے اس دن کی خصوصیت اور تاریخی اہمیت بھی معلوم ہوگی۔

(۱۲۶) عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ لَيْمَ الْمَدِينَةِ لَوَجَدَ الْيَهُودَ صِيَامًا يَوْمَ عَاشُورَاءَ فَقَالَ لَهُمْ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مَا هَذَا الْيَوْمَ الَّذِي تَصُومُونَهُ فَقَالُوا هَذَا يَوْمٌ عَظِيمٌ أَنْجَى اللَّهُ فِيهِ مُوسَى وَلِقَوْمَهُ وَغَرِقَ فِرْعَوْنُ وَلِقَوْمَهُ لَصَامَهُ مُوسَى فَكُنَّا نَصُومُهُ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ لَنَصُومُنَّ أَحَقَّ وَأَوْلَى بِمُوسَى مِنْكُمْ لَصَامَهُ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ وَأَمَرَ بِصِيَامِهِ. (رواه البخاری و مسلم)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ مکہ سے ہجرت فرما کر مدینہ تشریف لائے تو آپ نے یہود کو یوم عاشورہ (۱۰ محرم) کا روزہ رکھتے دیکھا۔ آپ نے ان سے دریافت کیا (تمہاری مذہبی روایات میں) یہ کیا خاص دن ہے (اور اس کی کیا خصوصیت اور اہمیت ہے) کہ تم اس کا روزہ رکھتے ہو؟ انہوں نے کہا کہ: ہمارے ہاں یہ بڑی عظمت والا دن ہے، اس میں اللہ تعالیٰ نے موسیٰ اور ان کی قوم بنی اسرائیل کو نجات دی تھی اور فرعون اور اس کے لشکر کو غرقاب کیا تھا تو موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے اس انعام کے شکر میں اس دن کا روزہ رکھا تھا اس لئے ہم بھی (ان کی پیروی میں) اس دن روزہ رکھتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: اللہ کے پیغمبر موسیٰ سے ہمارا تعلق تم سے زیادہ ہے اور ہم اس کے زیادہ حقدار ہیں۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے خود بھی عاشورہ کا روزہ رکھا اور امت کو بھی اس دن کے روزے کا حکم دیا۔ (صحیح بخاری، صحیح مسلم)

تشریح..... اس حدیث کے ظاہری الفاظ سے یہ سمجھا جاسکتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہجرت کے بعد مدینہ پہنچ کر ہی عاشورہ کے دن روزہ رکھنا شروع فرمایا۔ حالانکہ صحیح بخاری و صحیح مسلم ہی میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی صریح روایت موجود ہے کہ قریش مکہ میں قبل از اسلام بھی یوم عاشورہ کے روزے کا رواج تھا اور خود رسول اللہ ﷺ بھی ہجرت سے پہلے مکہ معظمہ میں یہ روزہ رکھا کرتے تھے۔ پھر جب آپ نے مدینہ ہجرت فرمائی تو یہاں آکر آپ نے خود بھی یہ روزہ رکھا اور مسلمانوں کو اس دن روزہ رکھنے کا حکم دیا۔

اصل واقعہ یہ ہے کہ یوم عاشورہ زمانہ جاہلیت میں قریش مکہ کے نزدیک بھی بڑا محترم دن تھا اسی دن جمعہ پر نیا غلاف والا جاتا تھا اور قریش اس دن روزہ رکھتے تھے۔ قیاس یہ ہے کہ حضرت ابراہیمؑ و اسماعیلؑ کی کچھ روایات اس دن کے بارے میں ان تک پہنچی ہوں گی اور رسول اللہ ﷺ کا دستور تھا کہ قریش ملت ابراہیمی کی نسبت سے جو اچھے کام کرتے تھے ان میں آپ ﷺ ان سے اتفاق اور اشتراک فرماتے تھے۔ اسی بناء پر حج میں بھی شرکت فرماتے تھے۔ پس اپنے اس اصول کی بناء پر آپ قریش کے ساتھ عاشورہ کا روزہ بھی رکھتے تھے،

لیکن دوسروں کو اس کا حکم نہیں دیتے تھے..... پھر جب آپ مدینہ طیبہ تشریف لائے اور یہاں کے یہود کو بھی آپ ﷺ نے عاشورہ کا روزہ رکھنے دیکھا اور ان سے آپ کو یہ معلوم ہوا کہ وہ یہ مبارک تاریخی دن ہے جس میں حضرت موسیٰ اور ان کی قوم کو اللہ نے نجات فرمائی تھی اور فرعون اور اس کے لشکر کو غرقاب کیا تھا (اور مسند احمد وغیرہ کی روایت کے مطابق اسی یوم عاشورہ کو حضرت نوحؑ کی کشتی جو دی پہاڑ پر لگی تھی) تو آپ ﷺ نے اس دن کے روزے کا زیادہ اہتمام فرمایا، اور مسلمانوں کو عمومی حکم دیا کہ وہ بھی اس دن روزہ رکھا کریں۔ بعض احادیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے اس کا ایسا تاکید حکم دیا جیسا حکم فرائض اور واجبات کے لئے دیا جاتا ہے۔ چنانچہ صحیح بخاری و صحیح مسلم میں ربیع بنت معوذ بن غفرار رضی اللہ عنہا اور سلمہ بن الاکوع سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے یوم عاشورہ کی صبح مدینہ کے آس پاس کی ان بستیوں میں جن میں انصار رہتے تھے یہ اطلاع بھجوائی کہ جن لوگوں نے ابھی کچھ کھایا یا نہ ہو وہ آج کے دن روزہ داروں کی طرح رہیں..... ان حدیثوں کی بناء پر بہت سے ائمہ نے یہ سمجھا ہے کہ شروع میں عاشورہ کا روزہ واجب تھا، بعد میں جب رمضان مبارک کے روزے فرض ہوئے تو عاشورہ کے روزے کی فرضیت منسوخ ہو گئی اور اس کی حیثیت ایک نفلی روزے کی رہ گئی ہے جس کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد ابھی اوپر گزر چکا ہے کہ ”مجھے اللہ تعالیٰ سے امید ہے کہ اس کی برکت سے پہلے ایک سال کے گناہوں کی صفائی ہو جائے گی۔“ اور صوم یوم عاشورہ کی فرضیت منسوخ ہو جانے کے بعد بھی رسول اللہ ﷺ کا معمول یہی رہا کہ آپ رمضان مبارک کے فرض روزوں کے علاوہ سب سے زیادہ اہتمام نفلی روزوں میں اسی کا کرتے تھے۔

(۱۲۷) عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ مَا رَأَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَتَعَزَّى صِيَامَ يَوْمٍ فَضَّلَهُ عَلَى غَيْرِهِ إِلَّا هَذَا يَوْمَ يَوْمٍ عَاشُورَاءَ وَهَذَا الشَّهْرُ يَعْنِي شَهْرَ رَمَضَانَ (رواہ البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے نہیں دیکھا کہ آپ کسی فضیلت والے دن کے روزے کا بہت زیادہ اہتمام اور فکر کرتے ہوں، سوائے اس دن یوم عاشورہ کے اور سوائے اس ماہ مبارک رمضان کے۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح:..... مطلب یہ ہے کہ حضور ﷺ کے طرز عمل سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے یہی سمجھا کہ نفلی روزوں میں جس قدر اہتمام آپ یوم عاشورہ کے روزے کا کرتے تھے اتنا کسی دوسرے نفلی روزے کا نہیں کرتے تھے۔

(۱۲۸) عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَبَّاسٍ قَالَ جِئْنَا صَامَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يَوْمَ عَاشُورَاءَ وَأَمَرَ بِصِيَامِهِ قَالُوا يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّهُ يَوْمٌ يُعْظَمُهُ الْيَهُودُ وَالنَّصَارَى فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ لَإِذَا كَانَ الْعَامُ الْمُقْبِلُ إِنِشَاءَ اللَّهِ صُمْنَا الْيَوْمَ التَّاسِعَ قَالَ لَكُمْ يَابَ الْعَامُ الْمُقْبِلُ حَتَّى تُوَلِّيَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ. (رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب آنحضرت ﷺ نے یوم عاشورہ میں روزہ

رکھنے کو اپنا اصول و معمول بنالیا اور مسلمانوں کو بھی اس کا حکم دیا تو بعض صحابہ نے عرض کیا کہ: یا رسول اللہ! اس دن کو تو یہود و نصاریٰ بڑے دن کی حیثیت سے مناتے ہیں (اور یہ گویا ان کا قومی و مذہبی شعار ہے اور خاص اس دن ہمارے روزہ رکھنے کے ان کے ساتھ اشتراک اور تشابہ ہوتا ہے، تو کیا اس میں کوئی ایسی تبدیلی ہو سکتی ہے جس کے بعد یہ اشتراک اور تشابہ والی بات باقی نہ رہے؟ تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: انشاء اللہ! جب اگلے سال آئے گا تو ہم نوں کو روزہ رکھیں گے..... عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں لیکن اگلے سال کا ماہ محرم آنے سے پہلے ہی رسول اللہ ﷺ کی وفات واقع ہو گئی۔ (صحیح مسلم)

تشریح..... ظاہر ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اشکال عرض کرنے پر یہ بات رسول اللہ ﷺ نے وفات شریف سے کچھ ہی پہلے فرمائی، اتنی پہلے کہ اس کے بعد محرم کا مہینہ آیا ہی نہیں، اور اس لئے اس نے فیصلے پر عمل درآمد حضور ﷺ کی حیات طیبہ میں نہیں ہو سکا، لیکن امت کو رہنمائی مل گئی کہ اس طرح کے اشتراک اور تشابہ سے بچنا چاہئے..... چنانچہ اسی مقصد سے آپ ﷺ نے یہ طے فرمایا کہ انشاء اللہ آئندہ سال سے ہم نوں کا روزہ رکھیں گے۔

نوین کا روزہ رکھنے کا آپ نے جو فیصلہ فرمایا اس کے دو مطلب ہو سکتے ہیں اور علماء نے دونوں بیان کئے ہیں۔ ایک یہ کہ آئندہ سے ہم بجائے دسویں محرم کے یہ روزہ نوں محرم ہی کو رکھا کریں گے اور دوسرا یہ کہ آئندہ سے ہم دسویں محرم کے ساتھ نوں کا بھی روزہ رکھا کریں گے، اور اس طرح سے ہمارے اور یہود و نصاریٰ کے طرز عمل میں فرق ہو جائے گا..... اکثر علماء نے اسی دوسرے مطلب کو ترجیح دی ہے اور یہ کہا ہے کہ یوم عاشورہ کے ساتھ اس سے پہلے نوں کا روزہ بھی رکھا جائے اور اگر نوں کو کسی وجہ سے نہ رکھا جاسکے تو اس کے بعد کے دن گیارہویں کو رکھ لیا جائے۔

یہ عاجز عرض کرتا ہے کہ ہمارے زمانہ میں چونکہ یہود و نصاریٰ وغیرہ یوم عاشورہ (دسویں محرم) کو روزہ نہیں رکھتے، بلکہ ان کا کوئی کام بھی قمری مہینوں کے حساب سے نہیں ہوتا، اس لئے اب کسی اشتراک اور تشابہ کا سوال ہی نہیں رہا، لہذا فی زمانہ ارفع تشابہ کے لئے نوں یا گیارہویں کا روزہ رکھنے کی ضرورت نہ ہونی چاہئے۔ واللہ اعلم۔

عشرہ ذی الحجہ اور یوم العرفہ کا روزہ

(۱۲۹) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مَا مِنْ آيَامٍ أَحَبَّ إِلَى اللَّهِ أَنْ يُعْبَدَ فِيهَا مِنْ عَشْرِ ذِي الْحِجَّةِ يُعَدُّ صِيَامٌ كُلُّ يَوْمٍ بِصِيَامِ سَنَةٍ وَلِيَامٌ كُلُّ لَيْلَةٍ مِنْهَا بِقِيَامِ لَيْلَةِ الْقَنَصِ.

(رواہ الترمذی)

ترجمہ..... حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: دنوں میں سے کسی دن میں بھی بندے کا عبادت کرنا اللہ تعالیٰ کو اتنا محبوب نہیں جتنا کہ عشرہ ذی الحجہ میں محبوب ہے (یعنی ان دنوں کی عبادت اللہ تعالیٰ کو دوسرے تمام دنوں سے زیادہ محبوب ہے) اس عشرہ کے ہر دن کا روزہ سال بھر کے

روزوں کے برابر ہے، اور اس کی ہر رات کے نوافل شب قدر کے نوافل کے برابر ہیں۔ اچانک اس حدیث سے پہلے بھی ایک حدیث میں غنمی طور پر عشر ذی الحجہ کے نفلی روزوں کا ذکر آچکا ہے اور وہاں یہ وضاحت کی جاچکی ہے کہ اس سے مراد یکم ذی الحجہ سے نویں ذی الحجہ تک کے ۹ دن ہیں، کیونکہ عید کے دن توروزہ رکھنے سے منع فرمایا گیا ہے۔

(۱۳۰) عَنْ أَبِي قَهَادَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ صِيَامُ يَوْمٍ عَرَفَةَ إِلَيَّ أَحْتَسِبُ عَلَى اللَّهِ أَنْ يُكَفِّرَ السَّنَةَ الَّتِي بَعْدَهُ وَالسَّنَةَ الَّتِي قَبْلَهُ۔ (رواہ الترمذی)

حضرت ابو قہادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: میں اللہ تعالیٰ سے امید رکھتا ہوں کہ عرفہ کے دن کاروزہ اس کے بعد والے سال اور پہلے والے سال کے گناہوں کا کفارہ ہو جائے گا۔ اچانک اس حدیث سے

حضرت ابو قہادہ کی ایک طویل حدیث صحیح مسلم کے حوالہ سے زیر عنوان ”میں نے تین گناہوں سے پہلے گزر چکی ہے، اس میں یہ مضمون بھی قریب قریب انہی الفاظ میں آچکا ہے اور وہاں دوسری احادیث کی روشنی میں یہ وضاحت بھی کی جاچکی ہے کہ یوم عرفہ کے روزہ کی فضیلت اور ترقیب ان حجاج کے لئے نہیں ہے جو اداء حج کے لئے عرفہ کے دن میدان عرفات میں حاضر ہوں، ان کے لئے وہاں روزہ نہ رکھنا افضل ہے۔ اور وہیں اس کی حکمت بھی بیان کی جاچکی ہے۔

فہم..... بعض لوگ ایسی حدیثوں میں شک کرنے لگتے ہیں جن میں کسی عمل کا ثواب اور شہادان کے خیال کے لحاظ سے بہت زیادہ اور غیر معمولی بیان کیا گیا ہو، جس طرح کہ اس حدیث میں عرفہ کے روزے کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ ”اس کی برکت سے ایک سال پہلے اور ایک سال بعد کے گناہوں کے معاف ہو جانے کی امید ہے۔“ اس میں شک کی بنیاد ارجمہ الراحمین کی رحمت و کرم کی وسعت سے نا آشنائی ہے۔ اللہ تعالیٰ انتہائی کریم اور مختار مطلق ہے جس دن کے جس عمل کی اپنے کرم سے جتنی بڑی چاہے قیمت مقرر فرمائے۔ سال کی ایک رات اللہ تعالیٰ کو اس نے ”سیرت میں الف سیر“ ہزار مہینوں یعنی قریباً تیس ہزار دنوں اور راتوں سے بہتر قرار دیا ہے، یہ اس کی کریمی ہے۔ الغرض جب حدیث صحیح ہو تو اس طرح کے وساوس مؤمن کو نہ ہونے چاہئیں۔

پند تہویں شعبان کا روزہ

(۱۳۱) عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِذَا عَمَّاتِ لَيْلَةُ الْبَيْضِ مِنَ شَعْبَانَ فَمُؤْمَرًا لَيْلَهَا وَصُومُوا نَهَارَهَا فَإِنَّ اللَّهَ يَنْزِلُ فِيهَا لَغُرُوبِ الشَّمْسِ إِلَى السَّمَاءِ الدُّنْيَا لَيَقُولَنَّ لَا مِنْ مُسْطَفِرٍّ لَأَغْفِرَ لَهُ إِلَّا مَنْتَرَفِقًا لَأَرْزُلَهُ إِلَّا مُبْتَلًى لَأُعَاقِبَهُ إِلَّا مَحْدًا إِلَّا مَحْدًا حَتَّى يَطْلُعَ الْفَجْرُ۔ (رواہ ابن ماجہ)

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب شعبان کی پندرہویں رات آئے تو اس رات میں اللہ کے حضور میں نوافل پڑھو اور اس دن کو روزہ رکھو کیونکہ اس رات میں آفتاب غروب ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کی خاص رحمت پہلے آسمان پر اتر آتی ہے اور دو بار شاد فرماتا ہے کہ: کوئی بندہ ہے جو مجھ سے مغفرت اور بخشش طلب کرے اور میں اس کی مغفرت کا فیصلہ کروں، کوئی بندہ ہے جو روزی مانگے اور میں اس کو روزی دینے کا فیصلہ کروں، کوئی مبتلا ہے مصیبت بندہ ہے جو مجھ سے صحت و عافیت کا سوال کرے اور میں اس کو عافیت عطا کروں، اسی طرح مختلف قسم کے حاجت مندوں کو اللہ پکارتا ہے کہ وہ اس وقت مجھ سے اپنی حاجتیں مانگیں اور میں عطا کروں۔ غروب آفتاب سے لے کر صبح صادق تک اللہ تعالیٰ کی رحمت اسی طرح اپنے بندوں کو اس رات میں پکارتی رہتی ہے۔ (بخاری، ص ۱۰۰)

اس حدیث کی بناء پر اکثر بلاد اسلامیہ کے دیندار حلقوں میں پندرہویں شعبان کے نفلی روزے کا رواج ہے، لیکن محدثین کا اس پر اتفاق ہے کہ یہ حدیث سند کے لحاظ سے نہایت ضعیف قسم کی ہے۔ اسکے ایک راوی ابو بکر بن عبد اللہ کے متعلق ائمہ جرح و تعدیل نے یہاں تک کہا ہے کہ وہ حدیثیں وضع کیا کرتا تھا۔ پندرہویں شعبان کے روزہ کے متعلق تو صرف یہی ایک حدیث روایت کی گئی ہے، البتہ شعبان کی پندرہویں شب میں عبادت اور دعا و استغفار کے متعلق بعض کتب حدیث میں اور بھی متعدد حدیثیں مروی ہیں لیکن ان میں کوئی بھی ایسی نہیں ہے جس کی سند محدثین کے اصول و معیار کے مطابق قابل اعتماد ہو، مگر چونکہ یہ متعدد حدیثیں ہیں اور مختلف صحابہ کرام سے مختلف سندوں سے روایت کی گئی ہیں اس لئے ابن الصلاح وغیرہ بعض اکابر محدثین نے لکھا ہے کہ غالباً اس کی کوئی بنیاد ہے۔ واللہ اعلم

خاص دنوں میں نفلی روزے

جس طرح اب تک کی درج ہونے والی حدیثوں میں سال کے بعض متعین مہینوں اور مہینوں کی بعض مخصوص تاریخوں میں نفلی روزے رکھنے کی خاص ترغیب دی گئی ہے اسی طرح ہفتہ کے بعض مخصوص دنوں کے لئے بھی یہ ترغیب دی گئی ہے اور خود رسول اللہ ﷺ کے عمل سے بھی اس بارے میں رہنمائی ملتی ہے۔

(۱۳۲) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ تَعَرَّضُ الْأَعْمَالُ يَوْمَ الْاِثْنَيْنِ وَالْاِثْنَيْنِ لِأَجْبِ أَنْ يُعْرَضَ عَلَيْيَ . وَأَنَا صَائِمٌ . (رواہ الترمذی)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: پیر کو اور جمعرات کو اعمال کی ایک پیشی ہوتی ہے میں یہ چاہتا ہوں کہ جب میرے عمل کی پیشی ہو تو میں اس دن روزہ سے ہوں۔ (بخاری، ص ۱۰۰)

(۱۳۳) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يَصُومُ يَوْمَ الْاِثْنَيْنِ وَالْاِثْنَيْنِ .

(رواہ الترمذی والنسائی)

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ پیر اور جمعرات کے دن روزہ رکھا کرتے تھے۔ (ابن ماجہ، سنن ابی)۔

(۱۳۴) عَنْ أَبِي قَتَادَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ سَبَّلَ عَنْ يَوْمِ الْاِثْنَيْنِ فَقَالَ فِيهِ وَلَدَتْ وَلِيهِ اَنْزَلَ عَلَيَّ.

(رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے پیر کے دن روزہ رکھنے کے بارے میں سوال کیا گیا، تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ: میں پیر ہی کے دن پیدا ہوا، اور پیر ہی کے دن سے مجھ پر قرآن کا نزول شروع ہوا۔ (صحیح مسلم)

ترجمہ: مطلب یہ ہے کہ پیر کا دن بڑی برکت اور رحمت والا دن ہے، اسی دن میں تمہارے نبی کی پیدائش ہوئی اور اسی دن کتاب اللہ کا نزول شروع ہوا، پھر اس دن کے روزے کا کیا پوچھنا!..... اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آنحضرت ﷺ جو پیر کے دن (کبھی کبھی یا اکثر) روزہ رکھتے تھے تو اس کا ایک محرک تو وہ تھا جس کا اوپر کی حدیث میں ذکر آیا، یعنی یہ کہ ”اس دن اعمال کی ایک پیشی ہوتی ہے اور آپ چاہتے تھے کہ اس پیشی کے دن آپ روزہ کی حالت میں ہوں۔“ اور دوسرا محرک اللہ تعالیٰ کی ان دو عظیم نعمتوں (ولادت اور وحی و نبوت) کے شکر کا جذبہ بھی تھا جو آپ ﷺ کو پیر ہی کے دن عطا ہوئیں اور جو ساری دنیا کے لئے بھی نعمت اور رحمت ہے..... وَمَا ارْسَلْنَاكَ اِلَّا رَحِمَةً لِّلْعَالَمِينَ۔

(۱۳۵) عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ قَالَ..... فَلَمَّا كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يُفْطِرُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ.

(رواہ الترمذی والنسائی)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ کم ایسا ہوتا تھا کہ رسول اللہ ﷺ جمعہ کے دن روزہ نہ رکھتے تھے۔ (ابن ماجہ، سنن ابی)

ترجمہ: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جمعہ کے دن اکثر و بیشتر آپ ﷺ کا روزہ ہوتا تھا، لیکن دوسری حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ اس سے منع فرماتے تھے کہ جمعہ کی فضیلت اور خصوصیت کی وجہ سے لوگ ایسا کرنے لگیں کہ نقلی روزے جمعہ ہی کو رکھیں اور شب بیداری اور عبادت کے لئے شب جمعہ ہی کو مخصوص کریں۔

(۱۳۶) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ لَا تَخْتَصُّوا لَيْلَةَ الْجُمُعَةِ بِصِيَامٍ مِنْ بَنِي الْكَلْبَانِ وَلَا تَخْتَصُّوا يَوْمَ الْجُمُعَةِ بِصِيَامٍ مِنْ بَنِي الْاَيَّامِ اِلَّا اَنْ يَكُونَ فِي صَوْمٍ يَصُومُهُ اَحَدُكُمْ. (رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: تم لوگ راتوں میں سے جمعہ کی رات کو نماز اور عبادت کے لئے مخصوص نہ کرو اور اسی طرح دنوں میں سے جمعہ کے دن کو روزہ کے لئے مخصوص نہ کرو، الا یہ کہ جمعہ کسی ایسی تاریخ کو پڑ جائے جس کو تم میں سے کوئی روزہ رکھتا ہو (اس

صورت میں اس جمعہ کے نفلی روزے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ (شیخ رحمہ اللہ)

تشریح..... جمعہ کے دن اور اس کی رات کی خاص فضیلت کی وجہ سے چونکہ اس کا امکان زیادہ تھا کہ فضیلت پسند لوگ اس دن نفلی روزہ رکھنے کا اور اس کی رات میں شب بیداری اور عبادت کا بہت زیادہ اہتمام کرنے لگیں اور جس چیز کو اللہ و رسول نے فرض و واجب نہیں بتایا اس کے ساتھ فرض و واجب کا سا معاملہ ہونے لگے، اس لئے رسول اللہ ﷺ نے یہ ممانعت فرمائی..... اس کے علاوہ اس ممانعت کے علمائے کرام نے اور بھی بعض مصالح لکھے ہیں۔ بہر حال یہ ممانعت انتظامی ہے اور منشاء یہ ہے کہ جمعہ کا روزہ اور شب جمعہ کی شب بیداری ایک زائرِ رحمت نہ بن جائے۔ واللہ اعلم۔

(۱۳۷) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يَصُومُ مِنَ الشَّهْرِ الثَّانِي وَالْأَوَّلِ وَالْإِثْنَيْنِ وَمِنَ الشَّهْرِ الْآخِرِ الْفُلْكَاءَ وَالْأَرْبَعَاءَ وَالْعُمِينَ.

(رواہ الترمذی)

ترجمہ..... حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ (ایسا بھی کرتے تھے کہ) ایک مہینہ میں سنیچر، اتوار اور پیر کا روزہ رکھتے، اور دوسرے مہینہ میں منگل، بدھ اور جمعرات کا۔ (جامع ترمذی)

تشریح..... حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ہی کی روایت سے پہلے معلوم ہو چکا ہے کہ مہینہ کے تین روزوں کے بارے میں حضور ﷺ کا کوئی لگا بندا معمول نہیں تھا اس لئے آپ ﷺ کی اس روایت کا مطلب صرف یہ ہے کہ آپ ایسا بھی کرتے تھے کہ ایک مہینہ میں آپ ﷺ نے کبھی ہفتہ کے پہلے تین دنوں سنیچر، اتوار، پیر کا روزہ رکھ لیا اور دوسرے مہینہ میں بعد والے تین دنوں منگل، بدھ اور جمعرات کا..... (اور جمعہ کے بارے میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا بیان گزری چکا کہ آپ جمعہ کے دن اکثر و بیشتر روزہ رکھتے تھے)..... گویا علاوہ ان مخصوص تاریخوں اور دنوں کے جن کے روزہ کی خاص فضیلت ہے۔ آپ اس کا بھی اہتمام فرماتے تھے کہ آپ کا نفلی روزہ ہفتہ کے ہر دن میں پڑ جائے تاکہ لوگ جان لیں کہ اللہ کے بنائے ہوئے ساتوں دن مبارک اور عبادت کے دن ہیں۔

وہ دن جن میں نفلی روزہ رکھنا منع ہے

سال میں بعض مخصوص دن وہ بھی ہیں جن میں روزہ رکھنے کی ممانعت ہے، اور اللہ تعالیٰ حاکم مطلق ہے، اس نے نماز کو عظیم عبادت بھی قرار دیا اور بعض خاص اوقات میں (مثلاً طلوع و غروب اور استواء کے وقت) نماز کی ممانعت بھی فرمادی۔ اسی طرح اس نے روزہ کو محبوب ترین عبادت اور روحانی ترقی کا خاص وسیلہ بھی قرار دیا، اور بعض خاص دنوں میں روزہ رکھنا حرام بھی کر دیا، یہ بات حاکم مطلق کی شان حاکمیت کے عین مطابق ہے، اور ہم بندوں کا کام بس حکم کی تعمیل اور فرمانبرداری ہے۔

(۱۳۸) عَنْ أَبِي سَعِيدٍ النَّخَعِيِّ قَالَ نَهَى رَسُولُ اللَّهِ ﷺ عَنْ صَوْمِ يَوْمِ الْفِطْرِ وَالنَّحْرِ

(رواہ البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا: یوم الفطر کے روزے، اور قربانی کے دن کے روزہ رکھنے سے۔ (صحیح بخاری، ج ۱، ص ۱۸۷)

(۱۳۹) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ نَهَى عَنْ صِيَامِ يَوْمَيْنِ يَوْمِ الْأَضْحَى وَيَوْمِ الْفِطْرِ.

(رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا: یوم الاضحیٰ اور یوم الفطر میں روزہ رکھنے سے۔ (صحیح مسلم)

(۱۴۰) عَنْ أَبِي عُبَيْدٍ مَوْلَى ابْنِ أَزْهَرَ قَالَ سَمِعْتُ الْعِمْدَ مَعَ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ لَجَاءَ فَصَلَّى ثُمَّ انْصَرَفَ لِيُخَاطِبَ النَّاسَ فَقَالَ إِنَّ هَذَانِ يَوْمَانِ نَهَى رَسُولُ اللَّهِ ﷺ عَنْ صِيَامِهِمَا يَوْمَ الْفِطْرِ حُمْ مِنْ صِيَامِكُمْ وَالْآخِرُ يَوْمَ تَأْكُلُونَ فِيهِ مِنْ نُسُكِكُمْ. (رواہ مسلم)

ترجمہ: ابو عبیدہ مولیٰ ابن ازہر تابعی سے روایت ہے کہ میں نے عید کی نماز حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی افتاء میں پڑھی۔ انہوں نے نماز پڑھائی، نماز سے فارغ ہو کر خطبہ دیا، اس میں فرمایا کہ: عید کے یہ دونوں دن وہ ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ان میں روزہ رکھنے سے منع فرمایا ہے۔ ان میں سے ایک دن تو (پورے مہینے رمضان کے روزوں کے بعد) تہارے فطر کا دن ہے، اور دوسرا اپنی قربانیوں کے گوشت کھانے کا دن ہے۔ (صحیح مسلم)

(۱۴۱) عَنْ ثَيْبَةَ الْهَذَلِيَّ قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ أَيَّامُ التَّشْرِيقِ أَيَّامُ أَكْلِ وَخُرْبٍ وَذِكْرِ اللَّهِ.

(رواہ مسلم)

ترجمہ: ثیبہ ہذلی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: ایام تشریق: ایام آشوبہ، اور اللہ کی یاد کے دن ہیں۔ (صحیح مسلم)

تشریح: حضرت ابو سعید خدری، حضرت ابو ہریرہ اور حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہم کی مندرجہ بالا حدیثوں میں یوم الفطر اور یوم النحر کے دنوں میں روزہ رکھنے کی صریح ممانعت فرمائی گئی ہے، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ارشاد میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ یوم الفطر کا روزہ تو اس لئے منع ہے کہ اس کو اللہ تعالیٰ نے رمضان کے بعد فطر کا دن یعنی روزہ رکھنے اور کھانے پینے کا دن قرار دیا ہے اس لئے اس دن روزہ رکھنے میں مشابہت کی مخالفت ہے۔ اور یوم النحر کا روزہ اس لئے منع ہے کہ وہ قربانی کا گوشت کھانے کا دن ہے۔ گویا اللہ تعالیٰ کی مرضی یہ ہے کہ اس دن جو قربانیاں اللہ تعالیٰ کے لئے کی جائیں اس کے بندے ان قربانیوں کا گوشت اللہ تعالیٰ کی طرف سے اور اس کی سیاحت سمجھ کر اور اس کے در کے فقیر بن کر شکر کے ساتھ کھائیں، اور وہ بندہ بلاشبہ بڑا متکبر اور کافر نعت ہے جو اللہ کی نام سیاحت کے دن دانستہ روزہ رکھ لے، اور چونکہ ذی الحجہ کی گیارہویں اور بارہویں بھی قربانی کے دن ہیں، اس لئے ان کا حکم بھی یہی ہے۔ اور

نبیؐ ہدی کی آخری حدیث سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ نے پورے ایام تشریق کو کھانے پینے کے، یعنی اللہ تعالیٰ کی ضیافت کے دن فرمایا ہے جس میں ۱۳ اذی الحجہ بھی شامل ہے، اسلئے ۱۰ اذی الحجہ سے ۱۳ اذی الحجہ تک پانچوں دن روزہ رکھنا ممنوع قرار دیا گیا ہے، اب ان دنوں میں روزہ رکھنا عبادات نہیں بلکہ معصیت ہوگی۔

چوں طمع خواہد ز من سلطان دیں
خاک بر فرق قناعت بعد ازیں

نفلی روزہ تو راستی جاسکتا ہے

رمضان کا روزہ اگر بغیر عذر شرعی توڑ دیا جائے تو اس کا بہت بھاری کفارہ بھی ادا کرنا پڑتا ہے، جس کا تفصیلی بیان اپنے موقع پر گزر چکا ہے۔ لیکن نفلی روزہ رکھنے والا اگر چاہے تو توڑ بھی سکتا ہے، اس پر کفارہ واجب نہیں ہوگا اور وہ گناہ گار بھی نہیں ہوگا۔ رسول اللہ ﷺ نے کبھی کبھی خود بھی ایسا کیا ہے، اور دوسروں کو بھی یہ مسئلہ بتلایا ہے۔

(۱۴۲) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ دَخَلَ عَلَيَّ النَّبِيُّ ﷺ ذَاتَ يَوْمٍ فَقَالَ هَلْ عِنْدَكُمْ حَبْنَى لَقْنًا لَا قَالٍ لَائِنَى إِذَا صَائِمٌ ثُمَّ أَنَا يَوْمًا آخَرَ لَقْنًا يَا رَسُولَ اللَّهِ أَهْدَى لَنَا حَبْنَى لَقْنًا أَرَيْنِيهِ لَلْقَدْ أَصْبَحْتُ صَائِمًا لَأَكُلَ - (رواہ مسلم)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ میرے پاس تشریف لائے اور فرمایا: کیا تمہارے ہاں کھانے کے لئے اس وقت کچھ ہے؟ ہم نے عرض کیا کہ: اس وقت تو کچھ بھی نہیں ہے! آپ ﷺ نے فرمایا: تو اب ہم روزہ رکھتے ہیں۔ پھر ایک اور دن آپ ﷺ تشریف لائے تو ہم نے عرض کیا کہ: آج ہمارے ہاں حبیس (خرما اور مکھن کا ملیدہ) بدیہ آیا ہے، اس کو نوش فرمالیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: دکھاؤ! ہم نے آج روزے کی نیت کر لی تھی۔ پھر آپ ﷺ نے اس میں سے نوش فرمایا، اور روزہ نہیں رکھا۔ (صحیح مسلم)

تشریح..... اس حدیث سے دو باتیں معلوم ہوتیں: ایک یہ کہ نفلی روزے کی نیت دن میں بھی کی جاسکتی ہے، اور دوسری یہ کہ نفلی روزے کی نیت کر لینے کے بعد اگر رائے بدل جائے تو اس کو توڑا بھی جاسکتا ہے۔ اگلی حدیثوں سے یہ بات اور زیادہ صراحت کے ساتھ معلوم ہوگی۔

(۱۴۳) عَنْ أُمِّ هَانِئٍ قَالَتْ لَمَّا كَانَ يَوْمُ الْفَتْحِ فَتَحَ مَكَّةَ جَاءَتْ فَاطِمَةُ فَجَلَسَتْ عَلَى بَسَارِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ وَأُمُّ هَانِئٍ عَنْ يَمِينِهِ فَجَاءَتْ الْوَلِيدَةُ بِإِنَاءٍ فِيهِ خَرَابٌ فَتَوَلَّاهُ فَخَرِبَ مِنْهُ ثُمَّ تَوَلَّاهُ أُمُّ هَانِئٍ فَخَرِبَتْ مِنْهُ فَقَالَتْ يَا رَسُولَ اللَّهِ لَقَدْ أَفْطَرْتُ وَكُنْتُ صَائِمَةً فَقَالَ لَهَا أَكُنْتُ تَقْضِينَ حَبْنَى قَالَتْ لَا قَالٍ لَأَبْصُرُكَ إِنْ كَانَ تَكْفُرُ عَا - (رواہ ابوداؤد والترمذی والدارمی)

تشریح..... حضرت ام ہانی بنت ابی طالب رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ: فتح مکہ کے بعد (جب کہ رسول اللہ ﷺ

مکہ معظمہ میں تشریف فرما تھے) حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا آئیں اور رسول اللہ ﷺ کے بائیں جانب بیٹھ گئیں اور ام بانی رضی اللہ عنہا آپ ﷺ کے دائیں جانب تھیں کہ ایک بچی آپ ﷺ کے پیٹے کے لئے کوئی مشروب لے کر آئی اور آپ ﷺ کی خدمت میں پیش کیا۔ آپ ﷺ نے اس میں سے چھ لپی لیا اور پھر ام بانی رضی اللہ عنہا کی طرف بڑھا دیا۔ انہوں نے بھی اس میں سے پی لیا اور پھر حضور ﷺ سے عرض کیا یا رسول اللہ! میں روزے سے تھی اور میں نے پی کر روزہ توڑ دیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تم اس روزے کے ذریعے کسی فرض یا واجب کو ادا کرنا چاہتی تھیں؟ انہوں نے عرض کیا: نہیں (بلکہ صرف نفی روزہ تھا)۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا: اُنْفِلْ تھو، تو پھر کچھ مضائقہ نہیں۔ اُنْفِلْ یعنی اُنْفِلْ یعنی اُنْفِلْ تشریح۔ اس حدیث میں تصریح ہے کہ نفی روزہ توڑ دینے سے کوئی گناہ نہیں ہوتا۔ اسی حدیث کی ایک دوسری روایت میں یہ الفاظ بھی وارد ہوئے ہیں: الطَّاهُ السَّطُوحُ اَمْرٌ لِّفَسَادِ سَائِ حَاضِرِ اَنْ سَاءَ اَفْطَرُ (یعنی اُنْفِلْ روزہ رکھنے کے اختیار ہے کہ چاہے تو روزہ پورا کرے اور کسی وجہ سے توڑنا چاہے تو توڑ دے۔ مندرجہ بالا دونوں حدیثوں سے یہ نہیں معلوم ہوتا کہ نفی روزہ توڑ دینے کی صورت میں اس کی جگہ دوسرا روزہ رکھنا پڑے گا یا نہیں۔ آگے درج ہونے والی حدیث میں اس کی قضا کرنے کا بھی حکم ہے۔

(۱۴۴) عَنْ عَائِشَةَ لَأَلْتُ كُنْتُ أَنَا وَحَفْصَةُ صَائِمَتَيْنِ لَعَرَضَ لَنَا طَعَامٌ اخْتَهَيْنَاهُ لَأَكْلُنَا مِنْهُ لَقَالَتْ حَفْصَةُ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّا كُنَّا صَائِمَتَيْنِ لَعَرَضَ لَنَا طَعَامٌ اخْتَهَيْنَاهُ لَأَكْلُنَا مِنْهُ لَالِ اِلْفَضِيَا يَوْمًا اٰخَرَ مَكَانَهُ۔ (رواہ الترمذی)

تشریح۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ: میں اور حفصہ (رضی اللہ عنہا) دونوں نفی روزے سے تھے، ہمارے سامنے کھانا پیش کیا گیا جس کو کھانے کا ہمارا جی چاہا، اور ہم نے اس کو کھالیا۔ پھر حفصہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا: یا رسول اللہ! ہم دونوں روزے سے تھے، ہمارے سامنے کھانا آیا، جس کو کھانے کے لئے ہمارا جی چاہا، تو ہم نے اس میں سے کچھ کھالیا (اور روزہ توڑ دیا)۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اس کی جگہ کسی دن قضا روزہ رکھو۔ (پہلے سنائی)

تشریح۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نفی روزہ توڑ دینے کی صورت میں اس کی قضا کے طور پر روزہ رکھنا چاہئے۔ امام ابو حنیفہ کے نزدیک یہ قضا واجب ہے، اور امام شافعی کے نزدیک واجب نہیں صرف مستحب ہے۔

تَمَّ كِتَابُ الصَّوْمِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ

معارف الحدیث

حصہ چہارم

کتاب الحج

وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ
سَبِيْلًا ۚ وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعَالَمِيْنَ

آل عمران: ۹۷

اللہ کے واسطے بیت اللہ کا حج کرنا فرض ہے ان لوگوں پر
جو اس کی استطاعت رکھتے ہوں اور جو نہ مانے تو اللہ کو
پر واہ نہیں دنیا بھر کی!

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

جیسا کہ معلوم ہو چکا ہے اسلحا کے پانچ ارکان میں سے آخری اور تکمیلی رکن ”حج بیت اللہ“ ہے۔ حج کیا ہے؟..... ایک معین اور مقررہ وقت پر اللہ کے دیوانوں کی طرح اس کے دربار میں حاضر ہونا، اور اس کے خلیل حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اوڑن، اور طور طریقوں کی نقل کر کے ان کے سلسلے اور مسلک سے اپنی وابستگی اور وفاداری کا ثبوت دینا اور اپنی استعداد کے بقدر ابراہیمی جذبات اور کیفیات سے حصہ لینا اور اپنے کوان کے رنگ میں رنگنا۔

مزید وضاحت کے لئے کہا جاسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ایک شان یہ ہے کہ وہ ذوالجلال والجبوت، اعلم الحاکمین اور شہنشاہ کل ہے، اور ہم اس کے عاجز و محتاج بندے اور مملوک و محکوم ہیں۔ اور دوسری شان اس کی یہ ہے کہ ان تمام صفات جمال سے بدرجہ اتم متصف ہے جس کی وجہ سے انسان کو کسی سے محبت ہوتی ہے اور اس لحاظ سے وہ..... بلکہ صرف وہی..... محبوب حقیقی ہے۔ اس کی پہلی حاکمانہ اور شاہانہ شان کا تقاضا یہ ہے کہ بندے اس کے حضور میں ادب و نیاز کی تصویر بن کر حاضر ہوں..... ارکان اسلام میں پہلا عملی رکن نماز اسی کا خاص موقع ہے اور اس میں یہی رنگ غالب ہے۔ اور زکوٰۃ بھی اسی نسبت کے ایک دوسرے رخ کو ظاہر کرتی ہے..... اور اس کی دوسری شان محبوبیت کا تقاضا یہ ہے کہ بندوں کا تعلق اس کے ساتھ محبت اور والہیت کا ہو۔ روزے میں بھی کسی قدر یہ رنگ ہے، کھانا پینا چھوڑ دینا اور نفسانی خواہشات سے منہ موڑ لینا عشق و محبت کی منزلوں میں سے ہے، مگر حج اس کا پورا پورا موقع ہے۔ سلسلے کیزوں کے بجائے ایک کفن نما لباس پہن لینا، ننگے سر رہنا، حجامت نہ ہونا، ناخن نہ ترشوانا، بالوں میں سنگھانہ کرنا، تیل نہ لگانا، خوشبو کا استعمال نہ کرنا، میل پکیل سے جسم کی صفائی نہ کرنا، چیخ چیخ کے لبیک لبیک پکارنا، بیت اللہ کے گرد چکر لگانا، اس کے ایک گوشے میں لگے ہوئے سیاہ پتھر (حجر اسود) کو چومنا، اور اس کے درود یوار سے لیننا اور آہ و زاری کرنا، پھر صفا و مردہ کے پھیرے کرنا، پھر مکہ شہر سے بھی نکل جانا اور منی اور کبھی عرفات اور کبھی مزدلفہ کے صحراؤں میں جا پڑنا، پھر جرات پہ بار بار کنکریاں مارنا، یہ سارے اعمال وہی ہیں جو محبت کے دیوانوں سے سرزد ہوا کرتے ہیں، اور حضرت ابراہیم علیہ السلام گویا اس رسم عاشقی کے بانی ہیں..... اللہ تعالیٰ کوان کی یہ اوکھیں اتنی پسند آئیں کہ اپنے دربار کی خاص الخاص حاضری حج و عمرہ کے ارکان و مناسک ان کو قرار دے دیا۔ انہی سب کے مجموعہ کا نام گویا حج ہے، اور یہ اسلام کا آخری اور تکمیلی رکن ہے۔

اس سلسلہ معارف الہدیت کی پہلی جلد ”تَب ایمان“ میں وہ حدیثیں گزر چکی ہیں جن میں اسلام کے ارکان و جگہ کا بیان ہے، اور ان میں آخری رکن ”حج بیت اللہ“ بتایا گیا ہے۔

حج کی فرضیت کا حکم راجح قول کے مطابق ۹ھ میں آیا، اور اس کے اگلے سال ۱۰ھ میں اپنی وفات سے صرف تین مہینے پہلے رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی بڑی تعداد کے ساتھ حج فرمایا، جو

”یہ“ نام سے مشہور ہے۔ اور اسی جیتہ الوداع میں خاص عرفات کے میدان میں آپ پر یہ آیت نازل ہوئی۔

الْيَوْمَ اكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَانْتَمْتُ عَلَيْكُمْ بِعَمَتِي - الْآيَةُ..... (العائدہ: ۳۰۵)

آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کر دیا، اور تم پر اپنی نعمت کا تمام کر دیا۔

اس میں اس طرف ایک لطیف اشارہ ہے کہ حج اسلام کا تکمیلی رکن ہے۔

اگر بندہ کو صحیح اور مخلصانہ حج نصیب ہو جائے جس کو دین و شریعت کی زبان میں ”حج مبرا“ کہتے ہیں اور ابراہیمی و محمدی نسبت کا کوئی ذرہ اس کو عطا ہو جائے تو گویا اس کو سعادت کا اعلیٰ مقام حاصل ہو گیا، اور وہ نعمت عظمیٰ اس کے ہاتھ آگئی جس سے بڑی کسی نعمت کا اس دنیا میں تصور بھی نہیں کیا جاسکتا، اس کو حق ہے کہ تحدیثِ نعمت کے طور پر کہے اور مست ہو کر کہے۔

نازم بچشم خود کہ جمال تو دیدہ است افتخار بہ پائے خود کہ ملکوت رسیدہ است
ہر دم ہزار بوسہ ز غم دست خویش را کہ دامت گرفتہ بسویم کشیدہ است
اس مختصر تمہید کے بعد حج کے متعلق ذیل کی حدیثیں پڑھئے۔

حج کی فرضیت اور فضیلت

(۱۴۵) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ خَطَبَنَا رَسُولُ اللَّهِ ﷺ فَقَالَ يَا أَيُّهَا النَّاسُ لَذِ لِرِضٍ عَلَيْكُمْ الْحَجُّ لِمُعْجُوا فَقَالَ رَجُلٌ أَكُلَ عَامٍ يَا رَسُولَ اللَّهِ لَمَسَكَ حَتَّى قَالَهَا قَالَا لَوْلَا نَفَمَ لَوَجَّهَتْ وَلَمَّا اسْتَطَعْتُمْ ثُمَّ لَالْ ذُرُونِي مَا تَرَكْتُكُمْ لَأَتَمَّا هَلَكَ مَنْ كَانَ قَلْبُكُمْ بِكُفْرَةٍ سَوَالِهِمْ وَاخْتِلَافِهِمْ عَلَى أَنْبَاءِهِمْ هُمْ فَإِذَا أَمَرْتُكُمْ بِشَيْئٍ فَأَتُوا مِنْهُ مَا اسْتَطَعْتُمْ وَإِذَا نَهَيْتُكُمْ عَنْ شَيْئٍ فَذَعُوهُ. (رواد مسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک دن خطبہ دیا اور اس میں فرمایا: اے لوگو! تم پر حج فرض کر دیا گیا ہے لہذا اس کو ادا کرنے کی فکر کرو..... ایک شخص نے عرض کیا: یا رسول اللہ! کیا ہر سال حج کرنا فرض کیا گیا ہے؟ رسول اللہ نے اس کے جواب میں سکوت فرمایا اور کوئی جواب نہیں دیا، یہاں تک کہ اس شخص نے تین دفعہ اپنا وہ سوال دوہرایا، تو آپ ﷺ نے (ناگواری کے ساتھ) فرمایا کہ: اگر میں تمہارے اس سوال کے جواب میں کہہ دیتا کہ: ”ہاں! ہر سال حج کرنا فرض کیا گیا“ تو اسی طرح فرض ہو جاتا، اور تم ادا نہ کر سکتے..... اس کے بعد آپ ﷺ نے ہدایت فرمائی کہ: کسی معاملہ میں جب میں خود تم کو کوئی حکم نہ دوں تم مجھ سے حکم لینے (اور سوال کر کر کے اپنی پابندیوں میں اضافہ کرنے) کی کوشش نہ کرو..... تم سے پہلی امتوں کے لوگ اسی لئے تباہ ہوئے کہ وہ اپنے نبیوں سے سوال بہت کرتے تھے اور پھر ان کے احکام کی خلاف ورزی کرتے تھے..... لہذا (میری ہدایت تم کو یہ ہے کہ)

جب میں تم کو کسی چیز کا حکم دوں تو جہاں تک تم سے ہو سکے اس کی تعمیل کرو اور جب تم کو کسی چیز سے منع کروں تو اس کو چھوڑ دو۔ (صحیح مسلم)

تشریح: جامع ترمذی وغیرہ میں قریب قریب اسی مضمون کی ایک حدیث حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے۔ اس میں یہ تصریح ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی طرف سے حج کی فرضیت کا یہ اعلان اور اس پر یہ سوال و جواب جو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی مندرجہ بالا حدیث میں ذکر کیا گیا ہے سورہ آل عمران کی اس آیت کے نازل ہونے پر پیش آیا تھا۔

وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا۔ (آل عمران، ۹۷)

اللہ کے واسطے بیت اللہ کا حج کرنا فرض ہے ان لوگوں پر، جو اس کی استطاعت رکھتے ہوں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی اس حدیث میں ان صحابی کا نام مذکور نہیں ہے جنہوں نے حضور ﷺ سے سوال کیا تھا کہ: ”میاں ہر سال حج کرنا فرض کیا گیا ہے؟“ لیکن حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی اسی مضمون کی حدیث جس کو امام احمد اور دارمی اور نسائی وغیرہ نے روایت کیا ہے، اس میں تصریح ہے کہ یہ سوال کرنے والے اقرع بن حابس تمیمی تھے، یہ ان لوگوں میں ہیں جنہوں نے فتح مکہ کے بعد اسلام قبول کیا، ان کو تعلیم و تربیت حاصل کرنے کا ابھی پورا موقع نہیں ملا تھا، اسی لئے ان سے یہ اغزش ہوئی کہ ایسا سوال کر بیٹھے، اور جب حضور ﷺ نے کوئی جواب نہیں دیا تو پھر دوبارہ اور سہ بارہ سوال کیا۔

رسول اللہ ﷺ نے جو یہ فرمایا کہ: ”اگر میں ہاں کہہ دیتا تو ہر سال حج کرنا واجب ہو جاتا۔“ اس کا منشاء اور مطلب یہ ہے کہ سوال کرنے والے کو سوچنا سمجھنا چاہئے تھا کہ میں نے حج کے فرض ہونے کا جو حکم سنایا تھا اس کا تقاضا اور مطالبہ عمر بھر میں بس ایک حج کا تھا، اس کے بعد ایسا سوال کرنے کا نتیجہ یہ بھی ہو سکتا تھا کہ اگر میں ہاں کہہ دیتا (اور ظاہر ہے کہ آپ ہاں جب ہی کہتے جب اللہ تعالیٰ کا حکم ہوتا) تو ہر سال حج کرنا فرض ہو جاتا، اور امت سخت مشکل میں پڑ جاتی..... اس کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا کہ: اگلی امتوں کے بہت سے لوگ کثرت سوال اور قیل و قال کی اسی بری عادت کی وجہ سے تباہ ہوئے، انہوں نے اپنے نبیوں سے سوال کر کر کے شرعی پابندیوں میں اضافہ کر لیا اور پھر اس کے مطابق عمل کر نہیں سکے۔

حدیث کے آخر میں رسول اللہ ﷺ نے ایک بڑی اہم اور اصولی بات فرمائی۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: ”جب میں تم کو کسی چیز کا حکم دوں تو جہاں تک تم سے ہو سکے اس کی تعمیل کرو، اور جس چیز سے منع کروں اس کو ترک کر دو۔“

مطلب یہ ہے کہ میری لائی ہوئی شریعت کا مزاج سختی اور سختی نہیں ہے بلکہ سہولت اور وسعت کا ہے، جس حد تک تم سے تعمیل ہو سکے اس کی کوشش کرو، بشری کمزوریوں کی وجہ سے جو کمی سرورہ جائے گی اللہ تعالیٰ کے رحم و کرم سے اس کی معافی کی امید ہے۔

(۱۶۶) عَنْ عَلِيٍّ قَالَ لَمَّا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مِنْ مَلِكٍ رَاٰ رَاِحَلَةً تُبَلِّغُهُ اِلَى بَيْتِ اللّٰهِ وَلَمْ يَنْجَحْ فَلَا

عَلَيْهِ أَنْ يُمُوتَ يَهُودِيًّا أَوْ نَصْرَانِيًّا وَكَذَلِكَ أَنَّ اللَّهَ تَبَارَكَ وَتَعَالَى يَقُولُ وَلِلَّهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا۔ (رواہ الترمذی)

حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس کے پاس سفر حج کا ضروری سامان ہو اور اس کو سواری میسر ہو جو بیت اللہ تک اس کو پہنچا سکے اور پھر وہ حج نہ کرے، تو کوئی فرق نہیں کہ وہ یہودی ہو کر مرے یا نصرانی ہو کر، اور یہ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ: "اللہ کے لئے بیت اللہ کا حج فرض ہے ان لوگوں پر جو اس تک جانے کی استطاعت رکھتے ہوں۔" (الباقی)

اس حدیث میں ان لوگوں کے لئے بڑی سخت وعید ہے جو حج کرنے کی استطاعت رکھنے کے باوجود حج نہ کریں۔ فرمایا گیا ہے کہ ان کا اس حال میں مرنا اور یہودی یا نصرانی ہو کر مرنا گویا برابر ہے (معاذ اللہ) یہ اس طرح کی وعید ہے جس طرح ترک نماز کو کفر و شرک کے قریب کہا گیا ہے۔ قرآن مجید میں بھی ارشاد ہے:

”الْيُمُوا الصَّلَاةَ وَلَا تَكُونُوا مِنَ الْمُشْرِكِينَ“۔ (نور ۳۰، ۳۱)

جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ترک صلوٰۃ مشرکوں والا عمل ہے۔

حج فرض ہونے کے باوجود حج نہ کرنے والوں کو مشرکین کے بجائے یہود و نصاریٰ سے تشبیہ دینے کا راز یہ ہے کہ حج نہ کرنا یہود و نصاریٰ کی خصوصیت تھی کیونکہ مشرکین عرب حج کیا کرتے تھے لیکن وہ نماز نہیں پڑھتے تھے، اس لئے ترک نماز کو مشرکوں والا عمل بتایا گیا۔

اس حدیث میں استطاعت کے باوجود حج نہ کرنے والوں کے لئے جو سخت وعید ہے اس کے لئے سورہ آل عمران کی اس آیت کا حوالہ دیا گیا ہے اور اس کی سند پیش کی گئی ہے جس میں حج کی فرضیت کا بیان ہے، یعنی: ”...مَنْ اسْتَطَاعَ لَهُ...“ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ راوی نے صرف حوالہ کے طور پر آیت کا یہ ابتدائی حصہ پڑھنے پر اکتفا کیا، یہ وعید آیت کے جس حصے سے نکلتی ہے وہ اس کے آگے والا حصہ ہے، یعنی ”...مَنْ اسْتَطَاعَ لَهُ...“ (جس کا مطلب یہ ہے کہ اس حکم کے بعد جو کوئی کافر نہ رویہ اختیار کرے یعنی باوجود استطاعت کے حج نہ کرے تو اللہ کو کوئی پروا نہیں، وہ ساری دنیا اور ساری کائنات سے بے نیاز ہے)۔ اس میں استطاعت کے باوجود حج نہ کرنے والوں کے رویہ کو تنبیہ کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے، اور ”...مَنْ اسْتَطَاعَ لَهُ...“ کی وعید سنائی گئی ہے، اے کا مطلب یہی ہوا کہ ایسے ناشکرے اور نافرمان جو کچھ بھی کریں اور جس حال میں مریں اللہ کو انکی کوئی پروا نہیں۔

قریب قریب اسی مضمون کی ایک حدیث مسند دارمی وغیرہ میں حضرت ابوامامہ بابلی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

١٤٧ عَنْ ابْنِ عُمَرَ لَمَّا جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ لَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ مَا يُؤْجِبُ الْحَجَّ لَالِ الزَّادِ

وَالرَّاحِلَةَ۔ (رواہ الترمذی و ابن ماجہ)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، اور اس نے پوچھا کہ: کیا چیز حج کو واجب کر دیتی ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: سامان سفر اور سواری۔

(جامع ترمذی، سنن ابن ماجہ)

تشریح: قرآن مجید میں فرضیت حج کی شرط کے طور پر ”مَنْ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا“ فرمایا گیا ہے، یعنی حج ان لوگوں پر فرض ہے جو سفر کر کے مکہ معظمہ تک پہنچنے کی استطاعت رکھتے ہوں..... اس میں جو اجمال ہے غالباً سوال کرنے والے صحابی نے اس کی وضاحت چاہی اور دریافت کیا کہ اس کی استطاعت کا متعین معیار کیا ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ: ایک تو سواری کا انتظام ہو جس میں مکہ معظمہ تک سفر کیا جاسکے، اور اس کے علاوہ کھانے پینے جیسی ضروریات کے لئے اتنا سرمایہ ہو جو اس زمانہ سفر کے گزارے کے لئے کافی ہو..... فقہائے کرام نے اس گزارے میں ان لوگوں کے گزارے کو بھی شامل کیا ہے جن کی کفالت جانے والے کے ذمہ ہو۔

(۱۴۸) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مَنْ حَجَّ فَلَمْ يَزَلْ وَلَمْ يَفْسُقْ رَجَعَ كَيَوْمِ وَلَدَتْهُ أُمُّهُ. (رواه البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس آدمی نے حج کیا اور اس میں نہ تو کسی شہوانی اور فحش بات کا ارتکاب کیا، اور نہ اللہ کی کوئی نافرمانی کی تو وہ گناہوں سے ایسا پاک و صاف ہو کر واپس ہو گا جیسا اس دن تھا جس دن اس کی ماں نے اس کو جنم دیا۔ (صحیح بخاری، صحیح مسلم)

تشریح: قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے: الْحَجُّ أَشْهُرٌ مَعْلُومَاتٍ فَمَنْ فَرَضَ فِيْهِِنَّ الْحَجَّ فَلَا رَفْعَ وَلَا فُسُوقَ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ۔ اس آیت میں حج کرنے والوں کو ہدایت فرمائی گئی ہے کہ خاص کر زمانہ حج میں وہ شہوت کی باتوں اور اللہ کی نافرمانی والے سارے کاموں اور آپس کی جھگڑے بازی سے بچیں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی اس حدیث میں اس ہدایت پر عمل کرنے والوں کو بشارت سنائی گئی ہے اور فرمایا گیا ہے کہ جو شخص حج کرے اور ایام حج میں نہ تو شہوت کی باتیں کرے، اور نہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی کوئی ایسی حرکت کرے جو فسق کی حد میں آتی ہو، تو حج کی برکت سے اس کے سارے گناہ معاف کر دیئے جائیں گے اور وہ گناہوں سے بالکل ایسا پاک و صاف ہو کر واپس ہو گا جیسا کہ وہ اپنی پیدائش کے دن بے گناہ تھا۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے یہ دولت نصیب فرمائے۔

(۱۴۹) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ الْغُمْرَةُ إِلَى الْغُمْرَةِ كَفَّارَةٌ لِمَا بَيْنَهُمَا وَالْحَجُّ الْمَبْرُورُ لَيْسَ لَهُ جَزَاءٌ إِلَّا الْجَنَّةُ. (رواه البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ایک عمرہ سے دوسرے عمرہ تک کفارہ ہو جاتا ہے اس کے درمیان کے گناہوں کا۔ اور ”حج مبرور“ (پاک اور مخلصانہ حج) کا بدلہ تو بس جنت ہے۔ (صحیح بخاری، صحیح مسلم)

(۱۵۰) عَنْ أَبِي مُسْعُودٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ تَابِعُوا بَيْنَ الْحَجِّ وَالْعُمْرَةِ فَإِنَّهُمَا يَنْفِيَانِ الْفَقْرَ وَاللُّتُوبَ كَمَا يَنْفِي الْبُكَرُ غَبَتِ الْحَبِيدُ وَالذَّهَبُ وَالْفِضَّةُ وَلَيْسَ لِلْحَجَّةِ الْمَبْرُورَةِ ثَوَابٌ إِلَّا الْجَنَّةُ . (رواه الترمذی والنسائی)

ترجمہ: حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: اپنے درپے کیا کرو حج اور عمرہ کیونکہ حج اور عمرہ دونوں فقر و محتاجی اور گناہوں کو اس طرح دور کر دیتے ہیں جس طرح لوہا اور سار کی بھی لوہے اور سونے چاندی کا میل کچیل دور کر دیتی ہے اور حج مبرور کا صلہ اور ثواب تو بس جنت ہی ہے۔ (ابن ماجہ، ترمذی، نسائی)

تشریح: جو شخص اخلاص کے ساتھ حج یا عمرہ کرتا ہے وہ گویا اللہ تعالیٰ کے دریائے رحمت میں غوطہ لگا تا اور غسل کرتا ہے جس کے نتیجے میں وہ گناہوں کے گندے اثرات سے پاک صاف ہو جاتا ہے اور اس کے علاوہ دنیا میں بھی اس پر اللہ تعالیٰ کا یہ فضل ہوتا ہے کہ فقر و محتاجی اور پریشان حالی سے اس کو نجات مل جاتی ہے اور خوش حالی اور اطمینان قلب کی دولت نصیب ہو جاتی ہے اور مزید برآں حج مبرور کے صلہ میں جنت کا عطا ہونا اللہ تعالیٰ کا قطعی فیصلہ ہے۔

(۱۵۱) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ اللَّهُ الْخَاجُ وَالْعَمَّارُ وَلِذَا لَهِ إِنْ دَعُوهُ أَجَابَهُمْ وَإِنْ اسْتَغْفَرُوا غُفِرَ لَهُمْ . (رواه ابن ماجہ)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: حج اور عمرہ کرنے والے اللہ تعالیٰ کے مہمان ہیں، اگر وہ اللہ سے دعا کریں تو وہ ان کی دعا قبول فرمائے، اور اگر وہ اس سے مغفرت مانگیں تو وہ ان کی مغفرت فرمائے۔ (ابن ماجہ)

(۱۵۲) عَنْ أَبِي عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِذَا لَقِيتَ الْخَاجَ فَسَلِّمْ عَلَيْهِ وَصَاحِبْهُ وَامْرَأَ أَنْ يُسْتَغْفَرَ لَكَ قَبْلَ أَنْ يَدْخُلَ بَيْتَهُ لِأَنَّهُ مَغْفُورٌ لَكَ . (رواه احمد)

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب کسی حج کرنے والے سے تمہاری ملاقات ہو تو اس کے اپنے گھر میں پہنچنے سے پہلے اس کو سلام کرو اور مصافحہ کرو اور اس سے مغفرت کی دعا کے لئے کہو، کیونکہ وہ اس حال میں ہے کہ اس کے گناہوں کی مغفرت کا فیصلہ ہو چکا ہے (اس لئے اس کی دعا کے قبول ہونے کی خاص توقع ہے)۔ (ابن ماجہ)

(۱۵۳) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ مَنْ خَرَجَ حَاجًّا أَوْ مُعْتَمِرًا أَوْ غَارِبًا لَمْ مَاتَ فِي طَرَفِهِ كَتَبَ اللَّهُ لَهُ أَجْرَ الْغَارِي وَالْحَاجِّ وَالْمُعْتَمِرِ (رواه البيهقي في شعب الایمان)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کا جو بندہ حج یا عمرہ کی نیت سے یا ارادہ میں جہاد کے لئے نکلا، پھر راستہ ہی میں اس کو موت آگئی تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے واسطے وہی اجر و ثواب لکھ

دیا جاتا ہے جو حج و عمرہ کرنے والوں کیلئے اور راجہاد کرنے والے کیلئے مقرر ہے۔ (شب الیمان ص ۱۸۱)

تشریح: اللہ تعالیٰ کے اس کریمانہ دستور و قانون کا اعلان خود قرآن مجید میں بھی کیا گیا ہے۔ ارشاد ہے:

وَمَنْ يُخْرِجْ مِنْ بَيْتِهِ مُهَاجِرًا إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ ثُمَّ يُدْرِكْهُ الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ أَجْرُهُ عَلَى اللَّهِ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَحِيمًا۔ (النساء: ۱۰۰)

اور جو بندہ اپنا گھر یا راجہاد کے لئے اور اس کے رسول کی طرف ہجرت کی نیت سے نکل پڑے، پھر آجائے اس کو موت (راستہ ہی میں) تو مقرر ہو گیا اس کا اجر اللہ کے ہاں، اور اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا اور بڑا مہربان ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی بندہ اللہ کی رضا کا کوئی کام کرنے کے لئے گھر سے نکلے اور اس کے عمل میں آنے سے پہلے راستہ ہی میں اس کی زندگی ختم ہو جائے تو اللہ تعالیٰ کے ہاں اس عمل کا پورا اجر اس بندہ کے لئے مقرر ہو جاتا ہے، اور یہ اللہ تعالیٰ کی شان رحمت کا تقاضا ہے۔ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَحِيمًا

میتقات، احرام، تبلیہ

کعبہ مکرمہ کو اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کا قبلہ اور اپنا محترم و مقدس "بیت" (گھر) قرار دیا ہے، اور جیسا کہ بیان کیا جا چکا ہے، جو لوگ وہاں حاضری کی استطاعت رکھتے ہوں، ان پر عمر میں ایک دفعہ حاضر ہونا اور حج کرنا فرض کیا ہے، اور اس حاضری اور حج کے کچھ لازمی آداب مقرر کئے ہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ یہ حاضر ہونے والے اپنے روزمرہ کے اور عام عادی لباس میں حاضر نہ ہوں بلکہ ایسے فقیرانہ لباس میں حاضر ہوں جو مردوں کے کفن سے مشابہت رکھتا ہو، اور آخرت میں میدانِ حشر کی حاضری کو یاد دلاتا ہو..... کرتا، پاجامہ، صدری، شیر وانی، کوٹ، پتلون کچھ نہ ہو بس ایک تہبند باندھ لیں، اور ایک چادر جسم کے اوپر کے حصے میں ڈال لیں، سر بھی کھلا ہو، پاؤں میں موزہ بلکہ ایسا جوتا بھی نہ ہو جس سے پورا پاؤں ڈھک جائے^① اسی قسم کی کچھ اور بھی پابندیاں عائد کی گئی ہیں جن کا منشاء یہ ہے کہ بندہ ایسی بیعت اور صورت میں حاضر ہو جس سے اس کی عاجزی اور بیچارگی اور بے حیثیتی و بے ناگنی اور عیش دنیوی سے بے رغبتی ظاہر ہو..... لیکن بندوں کے ضعف کا لحاظ رکھتے ہوئے اس کو اس کا مکلف نہیں کیا گیا کہ وہ اپنے گھر ہی سے احرام بند اور ان آداب کے پابند ہو کر روانہ ہوں، اگر یہ حکم دیا جاتا تو اللہ کے بندے بڑی مشکل میں پڑ جاتے۔ اب سے کچھ ہی زمانہ پہلے تک بہت سے ملکوں کے حاجی کئی کئی مہینے سفر کرنے کے بعد مکہ معظمہ پہنچا کرتے تھے، اور اب بھی بہت سے ملکوں کے حاجی کئی کئی ہفتے کا ری اور بحری سفر کر کے وہاں پہنچتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ اتنی طویل مدت تک احرام کی پابندیوں کا نبھانا اکثر لوگوں کے لئے سخت مشکل ہوتا ہے، اس لئے مختلف راستوں سے آنے والے حاجی کے لئے مکہ معظمہ کے قریب مختلف سمتوں میں کچھ مقامات مقرر کر دیئے گئے ہیں اور حکم دیا گیا ہے کہ حج یا

① احرام کے سلسلہ میں یہ احکام صرف مردوں کے لئے ہیں، عورتوں کو پردہ کی وجہ سے سلتے کپڑے پہننے اور سر ڈھکنے کی اور

اسی طرح یوں میں موزہ وغیرہ پہننے کی اجازت دی گئی ہے۔

عمرہ کیلئے آنے والے جب ان میں سے کسی مقام پہ پہنچیں تو "بیت اللہ" اور "بندہ احرام" کے ادب میں وہیں سے احرام بند ہو جائیں۔۔۔۔۔ مختلف سمتوں کے یہ معین مقامات جن کی تفصیل آئے آئے گی "میتات" کہلاتے ہیں۔

یہ بھی سمجھ لینا چاہئے کہ احرام باندھنے کا مطلب صرف احرام والے کپڑے پہن لینا نہیں ہے، بلکہ یہ کپڑے پہن کے پہلے دو رکعت نماز (دو گناہ احرام) پڑھی جاتی ہے اس کے بعد پکار کر تلبیہ پڑھا جاتا ہے:

"لَبَّيْكَ اللَّهُمَّ لَبَّيْكَ، لَبَّيْكَ لَا حَرَمَ لَكَ لَبَّيْكَ إِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَكَ وَالْمُلْكُ لَا حَرَمَ لَكَ"

اس تلبیہ کے پڑھنے کے بعد آدمی محرم (احرام بند) ہو جاتا ہے، اور اسی سے حج کا عمل شروع ہو جاتا ہے، اور احرام والی ساری پابندیاں اس پر عائد ہو جاتی ہیں۔۔۔۔۔ جس طرح تکبیر تحریمہ کہنے کے بعد نماز کا عمل شروع ہو جاتا ہے اور نماز والی ساری پابندیاں عائد ہو جاتی ہیں۔

اس تمہید کے بعد مواقیات، احرام اور تلبیہ کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کی مندرجہ ذیل احادیث پڑھئے:

مواقیات

(۱۵۴) عَنْ أَبِي عُبَّاسٍ لَانَ وَكَتَبَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ لِأَهْلِ الْمَدِينَةِ ذَا الْحُلَيْفَةِ وَلَأَهْلِ الشَّامِ الْجُحْفَةَ وَلَأَهْلِ نَجْدٍ لَرْنَ الْمَنَازِلَ وَلَأَهْلِ الْيَمَنِ يَلْمَلَمَ لَهْنُ لَهْنُ وَلَمَنْ أَتَى عَلَيْهِنَ مِنْ غَيْرِ أَهْلِهِنَّ لِمَنْ كَانَ يُرِيدُ الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لَمَنْ كَانَ دُونَهُنَّ لَمَهْلُهُ مِنْ أَهْلِهِ وَكَذَا كَ وَكَذَا كَ حَتَّى أَهْلُ مَكَّةَ يَهْلُونَ مِنْهَا.

(رواہ البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ذوالحلیفہ کو اہل مدینہ کا میقات مقرر کیا، اور جحفہ کو اہل شام کا اور قرن المنازل کو اہل نجد کا، اور یلملم کو اہل یمن کا۔ پس یہ چاروں مقامات خود ان کے رہنے والوں کے لئے میقات ہیں، اور ان سب لوگوں کے لئے جو دوسرے علاقوں سے ان مقامات پر ہوتے ہوئے آئیں جن کا ارادہ حج یا عمرہ کا ہو۔ پس جو لوگ ان مقامات کے ورے ہوں (یعنی ان مقامات سے مکہ معظمہ کی طرف کے رہنے والے ہوں) تو وہ اپنے گھر ہی سے احرام باندھیں گے اور یہ قاعدہ اسی طرح چلے گا، یہاں تک کہ خاص مکہ کے رہنے والے مکہ ہی سے احرام باندھیں گے۔

(فتح الباری، ج ۱، ص ۱۸۵)

(۱۵۵) عَنْ جَابِرٍ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ لَانَ مَهْلُ أَهْلِ الْمَدِينَةِ مِنْ ذِي الْجُلَيْفَةِ وَالطَّرِيقِ الْأَخْصَرِ الْجُحْفَةَ وَمَهْلُ أَهْلِ الْعِرَاقِ مِنْ ذَاتِ عَرِ وَمَهْلُ أَهْلِ نَجْدٍ لَرْنَ وَمَهْلُ أَهْلِ الْيَمَنِ يَلْمَلَمَ.

(رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ رسول اللہ ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: اہل

مدینہ کا میقات (جہاں سے ان کو احرام باندھنا چاہئے) کو ذوالحلیفہ ہے، اور دوسرے راستے سے جانے والوں کا میقات جحفہ ہے، اور اہل عراق کا میقات، ذات عرق ہے، اور اہل نجد کا میقات قرن المنازل ہے، اور اہل یمن کا میقات یلملم ہے۔ (صحیح بخاری)

تشریح..... اوپر والی حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت میں صرف چار میقاتوں کا ذکر ہے۔ (۱) ذوالحلیفہ، (۲) جحفہ، (۳) قرن المنازل، (۴) یلملم..... اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی اس روایت میں پانچویں میقات "ذات عرق" کا بھی ذکر ہے جس کو اہل عراق کا میقات قرار دیا گیا ہے۔ دونوں روایتوں میں ایک خفیف سا فرق یہ بھی ہے کہ پہلی روایت میں جحفہ کو اہل شام کا میقات بتایا گیا ہے اور دوسری روایت میں اس کو "ذات عرق" راستہ والوں کا میقات کہا گیا ہے، جس کا مطلب بظاہر یہ ہے کہ اہل مدینہ بھی اگر دوسرے راستے سے (یعنی جحفہ کی طرف سے) مکہ معظمہ جائیں تو وہ جحفہ سے بھی احرام باندھ سکتے ہیں، اور ان کے علاوہ جو دوسرے علاقوں کے لوگ مثلاً اہل شام جحفہ کی طرف سے آئیں وہ بھی جحفہ سے احرام باندھیں۔ اور بعض شارحین نے "ذات عرق" راستہ والوں سے "مر اہل شام ہی لئے ہیں، اس صورت میں دونوں روایتوں میں صرف تعبیر اور لفظ ہی کا فرق رہے گا..... بہر حال یہ پانچوں مقامات معین اور متفق علیہ میقات ہیں۔ جن علاقوں کے لئے یہ میقات قرار دیئے گئے ہیں ان سے مکہ مکرمہ آنے والوں کے راستے میں یہ پڑتے تھے۔ ان کا مختصر تعارف یہ ہے:

ذوالحلیفہ: جو اہل مدینہ کے لئے میقات مقرر کیا گیا ہے، مدینہ طیبہ سے مکہ معظمہ جاتے ہوئے صرف پانچ چھ میل پہنچتا ہے، یہ مکہ معظمہ سے سب سے زیادہ بعید میقات ہے۔ یہاں سے مکہ مکرمہ قریباً دو سو میل ہے، بلکہ آج کل کے راستے سے قریباً ڈھائی سو میل ہے..... چونکہ اہل مدینہ کا دین سے خاص تعلق ہے اس لئے ان کا میقات اتنی بعید مسافت پر مقرر کیا گیا ہے، دین میں جس کا مرتبہ جتنا بڑا ہے اس کو مشقت بھی اتنی ہی زیادہ اٹھانی پڑتی ہے۔

جن کے رتبے میں سوا ان کو سوا مشکل ہے

جحفہ: یہ شام وغیرہ مغربی علاقوں سے آنے والوں کے لئے میقات ہے، یہ موجودہ رابغ کے قریب ایک بستی تھی، اب اس نام کی کوئی بستی موجود نہیں ہے، لیکن یہ معلوم ہے کہ اس کا محل وقوع رابغ کے قریب تھا جو مکہ معظمہ سے قریباً سو میل کے فاصلہ پر بجانب مغرب ساحل کے قریب ہے۔

قرن المنازل: یہ نجد کی طرف سے آنے والوں کا میقات ہے۔ مکہ معظمہ سے قریباً ۳۵۰ میل مشرق میں نجد جانے والے راستے پر ایک پہاڑی ہے۔

ذات عرق: یہ عراق کی طرف سے آنے والوں کے لئے میقات ہے۔ مکہ معظمہ سے شمال مشرق میں عراق جانے والے راستے پر واقع ہے۔ مسافت مکہ معظمہ سے ۵۰ میل کے قریب ہے۔

یلملم: یہ یمن کی طرف سے آنے والوں کیلئے میقات ہے۔ یہ تہامہ کی پہاڑیوں میں سے ایک معروف پہاڑی ہے، جو مکہ معظمہ سے قریباً ۴۰ میل جنوب مشرق میں یمن سے مکہ آنے والے راستے پر پڑتی ہے۔

جیسا کہ مندرجہ بالا دونوں حدیثوں سے معلوم ہوا رسول اللہ ﷺ نے ان پانچوں مقامات کو خود ان کے باشندوں کے لئے اور دوسرے تمام علاقوں کے ان لوگوں کے لئے جو حج یا عمرہ کے واسطے ان مقامات کی طرف سے آئیں "میتات" مقرر فرمایا ہے۔ فقہائے امت کا اس پر اتفاق اور اجماع ہے کہ جو شخص حج یا عمرہ کے لئے ان مقامات میں سے کسی مقام کی طرف سے آئے اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ احرام باندھ کر اس مقام سے آگے بڑھے۔ احرام باندھنے کا مطلب اور اس کا طریقہ ابھی اوپر ذکر کیا جا چکا ہے۔

احرام کا لباس

(۱۵۶) عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ أَنَّ رَجُلًا سَأَلَ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ مَا يَلْبَسُ الْمُحْرِمُ مِنَ الْيَابِ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ لَا تَلْبَسُوا الْقَمِيصَ وَلَا الْعَمَامَةَ وَلَا الشَّرَاطِيلَ وَلَا الْبُرَاسَ وَلَا الْبُخَفَافَ إِلَّا أَحَدًا لَا يَجِدُ الثَّغْلَيْنِ لَيْلَسُ الثَّغْلَيْنِ وَلْيَقْطَعْهُمَا أَسْفَلَ مِنَ الْكَعْبَيْنِ وَلَا تَلْبَسُوا مِنَ الْيَابِ حَيْثَا مَنَعَهُ زَعْفَرَانٌ وَلَا وَرْسٌ. (رواه البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عمر سے روایت ہے بیان فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ محرم (حج یا عمرہ کا احرام باندھنے والا) کیا کیا پہنے پہن سکتا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ (حالت احرام میں) نہ تو کر تاقمیش پہنوں اور نہ سر پر عمامہ اور نہ شلوار پاجامہ پہنوں اور نہ بارانی پہنوں اور نہ پاؤں میں موزے پہنوں، سوائے اس کے کہ کسی آدمی کے پاس پہننے کے لئے چپل جو تانہ ہو تو وہ مجبوراً پاؤں کی حفاظت کیسے موزے پہن لے اور ان کو ٹخنوں کے نیچے سے کات کے جو تانہ لے لے (آگے) آپ ﷺ نے فرمایا کہ (حالت احرام میں) ایسا بھی کوئی کپڑا نہ پہنوں جس کو زعفران یا ورس لگا ہو۔ (صحیح بخاری، صحیح مسلم)

تشریح: رسول اللہ ﷺ نے اس حدیث میں قمیش، شلوار، عمامہ وغیرہ صرف ان چند کپڑوں کا نام لیا ہے جن کا اس وقت رواج تھا، یہی حکم ان تمام کپڑوں کا ہے جو مختلف زمانوں میں اور مختلف قوموں اور ملکوں میں ان مقاصد کے لئے استعمال ہوتے ہیں یا آئندہ استعمال ہوں گے جن مقاصد کے لئے قمیش، شلوار، عمامہ وغیرہ استعمال ہوتے تھے۔

زعفران تو معروف ہے، ورس بھی ایک خوشبودار زرد رنگ کی پتی ہے۔ یہ دونوں چیزیں چونکہ خوشبو کے لئے استعمال ہوتی تھیں اس لئے حالت احرام میں ایسے کپڑے کے استعمال کی بھی ممانعت کر دی گئی ہے جس کو زعفران یا ورس لگی ہو۔

سوال کریں والے شخص نے پوچھا تھا کہ: "محرم کون سے کپڑے پہنے؟" آپ ﷺ نے جواب میں فرمایا کہ: "فلاں فلاں کپڑے نہ پہنے۔" اس جواب میں گویا آپ ﷺ نے اس کی بھی تلقین فرمائی کہ پوچھنے کی بات یہ نہیں ہے کہ محرم کون سے کپڑے پہنے؟ بلکہ یہ دریافت کرنا چاہئے کہ کس قسم کے کپڑے پہننے کی اس کو ممانعت ہے، کیونکہ احرام کا اثر یہی پڑتا ہے کہ کچھ کپڑے اور کچھ چیزیں جن کا استعمال عام حالات میں جائز ہے احرام کی وجہ سے ان کا استعمال ناجائز ہو جاتا ہے، اس لئے یہ دریافت کرنا چاہئے کہ احرام میں کن کپڑوں

اور کن چیزوں کا استعمال ممنوع اور ناجائز ہو جاتا ہے۔

(۱۵۷) عَنْ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ بَنَى التَّسَاءَ فِي إِحْرَامِهِنَّ عَنِ الْقُفَّازِينَ وَالنَّقَابِ وَمَا مَسَّ الْوَرُسُ وَالزُّغْفَرَانِ مِنَ الْيَابِ وَلَقُلْبَسَ بَعْدَ ذَلِكَ مَا أَحَبَّتْ مِنَ الْوَرَنِ الْقِيَابِ مُعْصِفٍ أَوْ عَرٍ أَوْ خُلِيٍّ أَوْ سَرَاوِيلٍ أَوْ لَبِيصٍ أَوْ خُفٍّ. (رواہ ابو داؤد)

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ: میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا آپ ﷺ فرماتے ہیں عورتوں کو احرام کی حالت میں دستاں پہننے اور چہرے پر نقاب ڈالنے اور ان کپڑوں کے استعمال سے جن کو زعفران یا درس لگی ہو اور انکے بعد اور ان کے علاوہ جو رنگین کپڑے وہ چاہیں پہن سکتی ہیں کسی کپڑا ہو یا ریشمی، اور اسی طرح وہ چاہیں تو زیور بھی پہن سکتی ہیں اور شلوار اور قمیض اور موزے بھی پہن سکتی ہیں۔ (سنن ابی داؤد)

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہو گیا کہ احرام کی حالت میں قمیض، شلوار وغیرہ سلع کپڑے پہننے کی ممانعت صرف مردوں کو ہے، عورتوں کو پردہ کی وجہ سے ان سب کپڑوں کے استعمال کی اجازت ہے اور موزے پہننے کی بھی اجازت ہے، ہاں دستاں پہننے کی ان کو بھی ممانعت ہے اور منہ پر نقاب ڈالنے کی بھی ممانعت ہے۔ لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ اجنبی مردوں کے سامنے بھی اپنے چہرے بالکل کھلے رکھیں۔ حدیث میں ممانعت چہرے پر باقاعدہ نقاب ڈالنے کی ہے، لیکن جب اجنبی مردوں کا سامنا ہو تو اپنی چادر سے یا کسی اور چیز سے ان کو آڑ کر لینی چاہئے۔ سنن ابی داؤد میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے، فرماتی ہیں کہ:

”ہم عورتیں حج میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ احرام کی حالت میں تھیں (تو احرام کی وجہ سے ہم چہروں پر نقاب نہیں ڈالتی تھیں) جب ہمارے سامنے سے مرد گزرتے تو ہم اپنی چادر سر کے اوپر سے لٹکا لیتی تھیں اور اس طرح پردہ کر لیتی تھیں، پھر جب وہ مرد آگے بڑھ جاتے تو ہم اپنے چہرے کھول دیتی تھیں۔“

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے اس بیان سے یہ بات بالکل واضح ہو گئی کہ احرام کی حالت میں عورتوں کو نقاب کے استعمال کی ممانعت ہے، لیکن جب اجنبی مردوں کا سامنا ہو تو چادر سے یا کسی اور چیز سے ان کو آڑ کر لینی چاہئے۔

احرام سے پہلے غسل

(۱۵۸) عَنْ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ تَجَرَّدَ لِأَهْلَالِهِ وَاغْتَسَلَ. (رواہ الترمذی والدارمی)

ترجمہ: حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ نے کپڑے اتارے اور غسل فرمایا احرام باندھنے کیلئے۔ (ابن ترمذی، سنن دارمی)

تشریح..... اس حدیث کی بناء پر احرام سے پہلے غسل کو سنت کہا گیا ہے، لیکن اگر کسی نے دو گناہ احرام پڑھنے کے لئے صرف وضو کر لیا تب بھی کافی ہے اور اس کا احرام صحیح ہو گا۔

تبلیغ احرام

(۱۵۹) عَنْ ابْنِ عُمَرَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَهْلُ مُلْبِدًا يَقُولُ لَيْتَكَ اللَّهُمَّ لَيْتَكَ لَيْتَكَ لَا فَرْيَكَ لَكَ لَيْتَكَ إِنَّ الْحَمْدَ وَالْبَغْمَةَ لَكَ وَالْمُلْكَ لَا فَرْيَكَ لَكَ، لَا يَزِيدُ عَلَى هَؤُلَاءِ الْكَلِمَاتِ - (رواه البخاری و مسلم)

تشریح..... حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو تبلیغ پڑھتے ہوئے سنا اس حال میں کہ آپ کے سر کے بال جھبے ہوئے اور مرتب طور پر لگے ہوئے تھے (جیسا کہ غسل کے بعد سر کے بالوں کا حال ہوتا ہے)۔ آپ اس طرح تبلیغ پڑھتے تھے:

لَيْتَكَ اللَّهُمَّ لَيْتَكَ لَيْتَكَ لَا فَرْيَكَ لَكَ لَيْتَكَ إِنَّ الْحَمْدَ وَالْبَغْمَةَ لَكَ وَالْمُلْكَ لَا فَرْيَكَ لَكَ.

میں حاضر ہوں خداوند اتیرے حضور حاضر ہوں، حاضر ہوں، تیرا کوئی شریک ساتھی نہیں، میں تیرے حضور حاضر ہوں، ساری حمد و ستائش کا تو ہی سزاوار ہے اور ساری نعمتیں تیری ہی ہیں اور ساری کائنات میں فرماں رواؤں بھی بس تیری ہی ہے، تیرا کوئی شریک و سہمہ نہیں!

یہی کلمات تبلیغ آپ پڑھتے تھے، ان پر کسی اور کلمہ کا اضافہ نہیں فرماتے تھے۔ (ابن ماجہ، ترمذی، نسائی، ابن ابی شیبہ)

تشریح..... شارحین حدیث نے لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے خلیل ابراہیم (علیہ السلام) کے ذریعہ اپنے بندوں کو حج یعنی اپنے دربار کی حاضری کا بلا دیا اور لایا تھا (جس کا ذکر قرآن مجید میں بھی ہے) توج کو جانے والا بندہ جب احرام باندھے کہ یہ تبلیغ پڑھتا ہے تو گویا وہ ابراہیم علیہ السلام کی اس پکار اور اللہ تعالیٰ کے اس بلاؤے کے جواب میں عرض کرتا ہے کہ خداوند اتو نے اپنے دربار کی حاضری کے لئے بلوایا تھا اور اپنے خلیل علیہ السلام سے ندا لوائی تھی۔ میں حاضر ہوں اور سر کے بل حاضر ہوں۔ (السنن للبیہقی، السنن للبخاری، السنن للترمذی، السنن للابن ماجہ)

احرام کا پہلا تبلیغ کس وقت

(۱۶۰) عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِذَا أَدْخَلَ رِجْلَهُ فِي الْفَرْزِ وَاسْتَوَتْ بِهِ ثَلَاثَةُ لَبَئِمَةِ أَهْلِ مِنْ عِنْدِ مَسْجِدِ ذِي الْحُلَيْفَةِ.

(رواه البخاری و مسلم)

تشریح..... حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا معمول تھا کہ (ذوالحلیفہ کی مسجد میں دو رکعت نماز پڑھنے کے بعد) جب آپ مسجد کے پاس ہی ناقد کی رکاب میں پاؤں رکھتے اور ناقد آچلو ٹیکر سیدھی کھڑی ہو جاتی تو اس وقت آپ احرام کا تبلیغ پڑھتے۔ (ابن ماجہ، ترمذی، نسائی، ابن ابی شیبہ)

تشریح..... صحابہ کرام کی روایات اور ان کے اقوال اس بارے میں مختلف ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حجۃ الوداع

میں احرام کا پہلا تلبیہ کس وقت اور کس جگہ پڑھاتھا۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا بیان (جیسا کہ اس حدیث میں بھی مذکور ہے) یہ ہے کہ: ذوالخلیفہ کی مسجد میں دو رکعت نماز پڑھنے کے بعد آپ وہیں اپنی ناقہ پر سوار ہوئے اور جب ناقہ آپ کو لے کر سیدھی کھڑی ہوئی تو اس وقت آپ نے پہلی دفعہ احرام کا تلبیہ پڑھا اور گویا اس وقت سے آپ محرم ہوئے، اور بعض دوسرے صحابہ کا بیان ہے کہ جب آپ ناقہ پر سوار ہو کر کچھ آگے بڑھے اور مقام ”بیہ“ پر پہنچے (جو ذوالخلیفہ کے بالکل قریب کسی قدر بلند میدان سا تھا) تو اس وقت آپ نے پہلا تلبیہ کہا۔ اور بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ جب آپ نے مسجد ذوالخلیفہ میں دو گاندہ احرام پڑھا تو اسی وقت ناقہ پر سوار ہونے سے پہلے آپ نے پہلا تلبیہ پڑھا۔ ... سنن ابی داؤد اور مستدرک حاکم وغیرہ میں مشہور جلیل القدر تابعی حضرت سعید بن جبیر کا ایک بیان مروی ہے کہ میں نے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے صحابہ کرام کے اختلاف کے بارے میں دریافت کیا تھا تو انہوں نے بتایا کہ: ”اصل واقعہ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مسجد ذوالخلیفہ میں دو گاندہ احرام پڑھنے کے بعد متصلاً پہلا تلبیہ پڑھا تھا، لیکن اس کا علم صرف ان چند لوگوں کو ہوا جو اس وقت آپ ﷺ کے قریب وہاں موجود تھے، اس کے بعد جب آپ وہیں ناقہ پر سوار ہوئے اور ناقہ سیدھی کھڑی ہوئی تو اس وقت پھر آپ نے تلبیہ پڑھا اور ناقہ پر سوار ہونے کے بعد یہ آپ کا پہلا تلبیہ تھا تو جن لوگوں نے یہ تلبیہ آپ سے سنا اور پہلا نہیں سنا تھا، انہوں نے سمجھا کہ پہلا تلبیہ آپ نے ناقہ پر سوار ہو کر پڑھا۔ پھر جب ناقہ چل دی اور مقام بیداء پر پہنچی تو آپ نے تلبیہ پڑھا، تو جن لوگوں نے پہلا اور دوسرا تلبیہ آپ سے نہیں سنا تھا انہوں نے سمجھا کہ آپ نے پہلا تلبیہ اس وقت پڑھا جب آپ بیداء پر پہنچے۔“ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے اس بیان سے اصل حقیقت پوری طرح واضح ہو جاتی ہے۔

تلبیہ بلند آواز سے پڑھا جاتا ہے

(۱۶۱) عَنْ خَلَادِ بْنِ السَّائِبِ عَنْ أَبِيهِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ أَتَانِي جِبْرِئِيلُ فَأَمَرَنِي أَنْ أَمُرَ أَصْحَابِي أَنْ يَرْكَعُوا أَصَوَاتَهُمْ بِالْأَهْلَالِ أَوِ الْقَلْبَةِ.

(رواہ مالک و الترمذی و ابو داؤد و النسائی و ابن ماجہ و الدارمی)

خالد بن سائب تابعی اپنے والد سائب بن خالد انصاری سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: میرے پاس جبرئیل آئے اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے مجھے حکم پہنچایا کہ میں اپنے ساتھیوں کو حکم دوں کہ تلبیہ بلند آواز سے پڑھیں۔

(مسند امام مسلم، جامع ترمذی، سنن ابی داؤد، سنن عیسیٰ، سنن ابن ماجہ و ابن جریر)

(۱۶۲) عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مَا مِنْ مُسْلِمٍ يَلْتَمِي إِلَّا لَتِي مَنْ عَنْ يَمِينِهِ وَحِمَالِهِ مِنْ حَبَرٍ أَوْ مَدِيرٍ حَتَّى تَنْقَطِعَ الْأَرْضُ مِنْ هَهُنَا وَهَهُنَا.

(رواہ الترمذی و ابن ماجہ)

حضرت سہل بن سعد سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کا مؤمن و مسلم بندہ

جب حج یا عمرہ کا تلبیہ پکارتا ہے (اور کہتا ہے: لَبَّيْكَ اللَّهُمَّ لَبَّيْكَ الْحَجُّ) تو اس کے داہنی طرف اور بائیں طرف اللہ کی جو بھی مخلوق ہوتی ہے، خواہ وہ بے جان پتھر اور درخت یا ڈھیلے ہی ہوں، وہ بھی اس بندے کے ساتھ لَبَّيْكَ کہتی ہیں، یہاں تک کہ زمین اس طرف اور اس طرف سے تمام ہو جاتی ہے۔

(بخاری، ترمذی، ابن ماجہ)

تشہید..... یہ حقیقت واضح طور پر قرآن مجید میں بیان کی گئی ہے کہ کائنات کی ہر چیز اللہ تعالیٰ کی تسبیح اور حمد کرتی ہے، لیکن اس حمد و تسبیح کو انسان نہیں سمجھ سکتا۔ بس اسی طرح سمجھنا چاہئے کہ لَبَّيْكَ کہنے والے صاحب ایمان بندہ کے ساتھ اس کے داہنے اور بائیں کی ہر چیز لَبَّيْكَ کہتی ہے، لیکن ہم انسان اس لَبَّيْكَ کو نہیں سن سکتے۔

تلبیہ کے بعد کی خاص دعا

(۱۶۳) عَنْ عُمَارَةَ بْنِ خُزَيْمَةَ بْنِ ثَابِتٍ عَنْ أَبِيهِ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ أَنَّهُ كَانَ إِذَا فَرَغَ مِنْ تَلْبِيحِهِ سَأَلَ اللَّهَ رِضْوَانَهُ وَالْجَنَّةَ وَاسْتَعْفَاهُ بِرَحْمَتِهِ مِنَ النَّارِ. (رواہ الشافعی)

ترمذی۔۔۔ عمارہ بن خزیمہ بن ثابت انصاری اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب تلبیہ سے فارغ ہوتے (یعنی تلبیہ پڑھ کر محرم ہوتے) تو اللہ تعالیٰ سے اس کی رضا اور جنت کی دعا کرتے اور اس کی رحمت سے دوزخ سے خلاصی اور پناہ مانگتے (مسند شافعی)

تشہید۔۔۔ اس حدیث کی بناء پر علماء نے تلبیہ کے بعد ایسی دعا کو افضل اور مسنون کہا ہے جس میں اللہ تعالیٰ سے اس کی رضا اور جنت کا سوال کیا جائے اور دوزخ کے عذاب سے پناہ مانگی جائے۔ ظاہر ہے کہ مؤمن بندہ کی سب سے بڑی حاجت اور اس کا سب سے اہم مقصد یہی ہو سکتا ہے کہ اس کو اللہ تعالیٰ کی رضا اور جنت نصیب ہو جائے، اور اللہ کے غضب اور دوزخ کے عذاب سے اس کو پناہ مل جائے، اس لئے اس موقع کی سب سے اہم اور مقدم دعا یہی ہے، اس کے بعد اس کے علاوہ بھی جو چاہے دعا کرے۔ اللَّهُمَّ إِنَّا نَسْأَلُكَ رِضَاكَ وَالْجَنَّةَ وَنَعُوذُ بِكَ مِنَ النَّارِ۔

حبہ الوداع یعنی رسول اللہ ﷺ کا رخصتی حج

اس بارے میں علماء کے اختلاف رائے کا پہلے ذکر کیا جا چکا ہے کہ حج کی فرضیت کا حکم کس سنہ میں آیا، اور یہ بھی لکھا جا چکا ہے کہ راجح قول یہ ہے کہ ۸ھ میں مکہ معظمہ پر اسلامی اقتدار قائم ہو جانے کے بعد ۹ھ میں حج کی فرضیت کا حکم آیا۔ اس سال رسول اللہ ﷺ نے خود توجج نہیں فرمایا، لیکن حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو امیر حج بنا کر بھیجا اور ان کی لمارت میں اس سال حج ادا ہوا، اور آئندہ کے لئے چند اہم اعلانات کئے گئے جن میں سے ایک یہ بھی تھا کہ آئندہ کوئی مشرک اور کافر حج میں شرکت نہیں کر سکے گا اور جاہلیت کے گندے اور مشرکانہ طور طریقوں کی کسی کو اجازت نہیں ہوگی۔ غالباً رسول اللہ ﷺ کے اس سال خود حج نہ

کرنے کی خاص حکمت یہ بھی تھی کہ آپ چاہتے تھے کہ آپ کا حج ایسا مثالی حج ہو جس میں کوئی ایک آدمی بھی کفر و شرک اور جاہلیت کے طور طریقوں سے حج کو مکدر کرنے والا نہ ہو، بلکہ از اول تا آخر بس نورانی نور اور خیر ہی خیر ہو، اور آپ کی دعوت ہدایت اور تعلیم و تربیت کے نتائج کا صحیح آئینہ ہو۔ اس طرح کویا ۹ھ کا یہ حج جو صدیق اکبر کی امارت میں اوابو اگلے سال ہونے والے آپ کے حج کا پیش خیمہ اور اس کی تیاری کے سلسلہ ہی کا ایک قدم تھا۔

پھر اگلے سال ۱۰ھ میں جو آپ کی حیات مبارکہ کا آخری سال ہے آپ نے حج کا ارادہ فرمایا، اور چونکہ آپ کو یہ اشارہ مل چکا تھا کہ اب دنیا میں آپ کے قیام اور کام کا وقت تھوڑا ہی باقی رہ گیا ہے اس لئے آپ نے اس ارادہ حج کی خاص اہتمام سے اطلاع اور تشہیر کرائی تاکہ زیادہ سے زیادہ مسلمان اس مبارک سفر میں آپ کے ساتھ رہ کر مناسک حج اور دین کے دوسرے مسائل و احکام سیکھ سکیں اور سفر حج کی صحبت و رفاقت کے خاص برکات حاصل کر سکیں۔ چنانچہ دور و قریب کے ہزار ہا مسلمان جن کو اس کی اطلاع ہوئی اور ان کو کوئی خاص مجبوری نہیں تھی مدینہ طیبہ آگئے۔ ۲۳ ذیقعدہ کو جمعہ تھا اس دن آپ نے خطبہ میں حج اور سفر حج کے متعلق خصوصیت سے ہدایتیں دیں اور اگلے دن ۲۴ ذیقعدہ ۱۰ھ بروز شنبہ بعد نماز ظہر مدینہ طیبہ سے یہ عظیم الشان قافلہ روانہ ہوا، اور عصر کی نماز و اُحلیفہ جا کر پڑھی، جہاں آپ کو پہلی منزل کرنی تھی، اور یہیں سے احرام باندھنا تھا، رات بھی وہیں گزار دی اور اگلے دن یکشنبہ کو ظہر کی نماز کے بعد آپ نے اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے احرام باندھا اور مکہ معظمہ کی طرف روانہ ہو گئے اور نویں دن ۳ ذی الحجہ کو مکہ معظمہ میں داخل ہوئے..... رفقاء سفر کی تعداد میں راستہ میں بھی اضافہ ہوتا رہا۔

اس سفر میں آپ کے ساتھ حج کرنے والوں کی تعداد کے بارے میں روایات میں بہت اختلاف ہے۔ چالیس ہزار سے لے کر ایک لاکھ تیس ہزار اور ایک لاکھ تیس ہزار تک کے بیانات روایتوں میں موجود ہیں۔ اس عاجز کے نزدیک یہ اختلاف ایسا ہی ہے جیسا کہ بڑے مجموعوں اور میلوں میں شرکت کرنے والوں کی تعداد کے بارے میں لوگوں کے اندازے آج بھی مختلف ہوتے ہیں، جس نے جو عدد بتایا اپنے اندازے کے مطابق بتایا۔ باقاعدہ حساب لگاکے اور شمار کر کے کسی نے بھی نہیں بتایا، تاہم اتنی بات بطور قدر مشترک کے تمامی روایات میں ہے کہ مجمع بعد و حساب تھا، جدھر نظر جاتی تھی آدمی ہی آدمی نظر پڑتے تھے۔

اس حج میں رسول اللہ ﷺ نے مختلف مواقع پر خطبے دیئے اور بالکل اس انداز سے بلکہ صاف صاف یہ آگاہی دے کے یہ خطبے دیئے کہ اب میرا وقت موعود قریب ہے اور تمہیں دین کی تعلیم و تربیت مجھ سے حاصل کرنے کا موقع اس کے بعد نہیں مل سکے گا۔ بہر حال اس پورے سفر میں آپ نے تعلیم و تحقیق اور ہدایت و ارشاد کا خاص اہتمام فرمایا۔

حجۃ الوداع کے سلسلے میں جو روایات کتب حدیث میں ہیں (جن میں سے چند یہاں بھی درج کی جا رہی ہیں) ان سے حج کے مناسک و احکام اور اس کا تفصیلی طریقہ معلوم ہونے کے علاوہ دین اور شریعت کے دوسرے بہت سے ابواب اور شعبوں کے بارے میں نہایت اہم تعلیمات اور ہدایات بھی امت کو مل جاتی

ہیں..... حقیقت یہ ہے کہ قریب ایک مہینے کے اس سفر میں دین کی تعلیم و تبلیغ اور ہدایت و ارشاد کا اتنا کام ہوا، اور اتنے وسیع پیمانے پر ہوا کہ اس کے بغیر برسوں بھی انجام نہیں پاسکتا۔۔۔ اسی سے بعض باتوں میں اکابر امت نے سمجھا ہے کہ دین اور برکات دین حاصل کرنے کا موثر ترین ذریعہ دینی سفر واپس کی رفاقت اور صحبت ہے۔ اس تمہید کے بعد حجۃ الوداع کے سلسلہ میں سب سے پہلے حضرت جابر بن عبد اللہ کی حدیث صحیح مسلم سے نقل کی جاتی ہے، لیکن چونکہ یہ حدیث بہت طویل ہے اس لئے ناظرین کی سہولت فہم کے لئے اس کے ایک ایک حصہ کا ترجمہ کر کے تشریح کی جائے گی۔

(۱۶۴) عَنْ جَعْفَرِ بْنِ مُحَمَّدٍ عَنْ أَبِيهِ لَالٍ دَخَلْنَا عَلَى جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ لَسَّالَ عَنِ الْقَوْمِ حَتَّى أَتَيْنَاهُ إِلَى فَلَقْتُ أَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَلِيٍّ بْنِ حُسَيْنٍ فَأَهْوَى بِيَدِهِ إِلَى رَأْسِي فَتَرَعَ رِزِّي الْأَعْلَى ثُمَّ تَرَعَ رِزِّي الْأَسْفَلَ ثُمَّ وَضَعَ كَفَّهُ بَيْنَ لَدُنَيَّ وَأَنَا يَوْمَئِذٍ غُلَامٌ خَافُ لِقَالَ مَرَحَبًا بِكَ يَا بَنَ أَخِي سَلْ عَمَّا جِئْتَ لَسَّالَهُ وَهُوَ أَعْمَى وَحَضَرَ وَفَتِ الصَّلَاةَ لِقَامَ لِي نَسَاجَةَ مُلْتَصِفًا بِهَا كُلَّمَا وَضَعَهَا عَلَى مَنْكِبِي رَجَعَ طَرَفًا هَا إِلَيْهِ مِنْ صِفْرِهَا وَرَدَّاهُ عَلَى جَنْبِهِ عَلَى الْمَشْجَبِ فَصَلَّى بِنَا فَلَقْتُ أَخْبَرَنِي عَنْ حَجَّةِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ لَقَالَ بِيَدِهِ لَعَقَدَ بِنَا لَقَالَ إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ مَكَتَ بِنِعْ بَيْنَيْنِ لَمْ يَحْجْ ثُمَّ أَذَّنَ لِي النَّاسُ فِي الْعَاصِرَةِ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ حَاجٌّ لِقَدِيمِ الْمَدِينَةِ بَشَرٌ كَثِيرٌ كُلُّهُمْ يَلْتَمِسُ أَنْ يَأْتِمَ بِرَسُولِ اللَّهِ ﷺ وَيَعْمَلَ بِمِثْلِ عَمَلِهِ لَمَخْرَجَنَا مَعَهُ حَتَّى آتَيْنَا ذَا الْحُلَيْفَةِ فَوَلَدَتْ أَسْمَاءُ بِنْتُ عَمَسٍ مُحَمَّدَ بْنَ أَبِي بَكْرٍ فَأَرْسَلَتْ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ كَيْفَ أَصْنَعُ لَالٍ اغْتَسَلِي وَاسْتَظْفِرِي بِفُوفٍ وَأَخْرِجِي لَصَدَّ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ فِي الْمَسْجِدِ ثُمَّ رَكِبَ الْقُصْوَاءَ حَتَّى إِذَا اسْتَوَتْ بِهِ نَافِلُهُ عَلَى الْبِدَاءِ نَظَرْتُ إِلَى مَدَبَصَرِي بَيْنَ يَدَيْهِ مِنْ رَاكِبٍ وَمَاشٍ وَعَنْ يَمِينِهِ مِثْلُ ذَلِكَ وَعَنْ يَسَارِهِ مِثْلُ ذَلِكَ وَمِنْ خَلْفِهِ مِثْلُ ذَلِكَ وَرَسُولُ اللَّهِ ﷺ بَيْنَ أَظْهُرِنَا وَعَلَيْهِ يَنْزِلُ الْقُرْآنُ وَهُوَ يَعْرِفُ قَائِلُهُ وَمَا عَمِلَ مِنْ خَيْرٍ عَمِلْنَا بِهِ لَأَهْلَ بِالْفَوْجِئِ لَيْتَكَ اللَّهُمَّ لَيْتَكَ لَأَخْبِرَكَ لَكَ لَيْتَكَ إِنَّ الْحَمْدَ وَالْبِغْمَةَ لَكَ وَالْمُلْكَ لَأَخْبِرَكَ لَكَ، وَأَهْلُ النَّاسِ بِهَذَا الَّذِي يُهْلُونَ بِهِ فَلَمْ يَزِدْ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ عَلَيْهِمْ شَيْئًا مِنْهُ وَلَزِمَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ تَلْبِئَةً.

ترجمہ: جعفر بن محمد (جو سیدنا حسین بن علی رضی اللہ عنہما کے پر پوتے ہیں، اور امام جعفر صادق کے لقب سے معروف ہیں) اپنے والد ماجد محمد بن علی (معروف بہ امام باقر) سے روایت کرتے ہیں کہ: ہم چند ساتھی جابر بن عبد اللہ کی خدمت میں پہنچے، انہوں نے ہم سے دریافت کیا کہ ہم کون کون ہیں؟ (ہم میں سے ہر ایک نے اپنے متعلق بتایا) یہاں تک کہ جب میری باری آئی تو میں نے کہا کہ میں محمد بن علی بن حسین ہوں (دو اس وقت بہت بوڑھے تھے اور نایاب، جو چکے تھے انہوں نے شفقت اور محبت سے) اپنا ہاتھ میرے سر پر رکھا، پھر میرے کرتے کی اوپر والی گھنٹی کھولی، اس کے نیچے والی گھنٹی کھولی، پھر اپنا ہاتھ

(کرتے کے اندر لے جا کر) میرے بیچ سینے پر رکھا، اور میں ان دنوں بالکل جوان تھا^① اور (میرے آنے پر اپنی مسرت کا اظہار کرتے ہوئے) مجھ سے فرمایا: ”مرحبا بک یا ابن اخی“ (مرحبا! اے میرے بھتیجے، میرے بھائی حسین کی یادگار!!) جو کچھ تمہیں مجھ سے پوچھنا ہے بے تکلف پوچھو! (امام باقرؑ کہتے ہیں) کہ اس اثناء میں نماز کا وقت آگیا۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ ایک چھوٹی سی چادر لپیٹے ہوئے تھے، وہ اسی میں لپیٹے ہوئے نماز کے لئے کھڑے ہو گئے، اور اس کے چھوٹے ہونے کی وجہ سے حالت یہ تھی کہ جب وہ اس کو اپنے منڈھوں پر رکھتے تو اس کے کنارے اٹھ کر ان کی طرف آ جاتے، حالانکہ ان کی رداء (یعنی بڑی چادر) ان کے قریب ہی لٹکن پر رکھی ہوئی تھی (مگر انہوں نے اس کو اوڑھ کر نماز پڑھنا ضروری نہیں سمجھا، بلکہ وہی چھوٹی چادر لپیٹ کر ہمیں نماز پڑھائی) نماز سے فارغ ہونے کے بعد میں نے کہا کہ: ”مجھے رسول اللہ ﷺ کے حج (حجۃ الوداع) کی تفصیلات بتائیے؟“..... انہوں نے ہاتھ کی انگلیوں سے نو کی گنتی کا اشارہ کرتے ہوئے مجھ سے کہا کہ: رسول اللہ ﷺ نے مدینہ آکر نو سال تک کوئی حج نہیں کیا۔ پھر اس میں آپ نے اعلان کر لیا کہ اس سال آپ کا ارادہ حج کرنے کا ہے۔ یہ اطلاع پا کر لوگ بہت بڑی تعداد میں مدینہ آ گئے۔ ہر ایک کی خواہش اور آرزو یہ تھی کہ اس مبارک سفر میں آپ کے ساتھ رہ کر آپ کی پوری پوری پیروی کرے اور آپ کے نقش قدم پر چلے..... (حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ: پھر جب روانگی کا دن آیا تو رسول اللہ ﷺ کی قیادت میں) یہ پورا قافلہ مدینہ سے روانہ ہو کر ذوالحلیفہ آیا، اور اس دن یہیں قیام کیا۔ یہاں پہنچ کر ایک واقعہ یہ پیش آیا کہ اسماء بنت عمیس (جو ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بیوی تھیں، اور وہ بھی اس قافلہ میں تھیں) ان کے یہاں بچہ پیدا ہوا (یعنی محمد بن ابی بکر)۔ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ ایسی حالت میں میں کیا کروں؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ: اسی حالت میں احرام کے لئے غسل کر لیں، اور جس طرح عورتیں ایسی حالت میں کپڑے کا لنگوٹ استعمال کرتی ہیں اسی طرح استعمال کریں، اور احرام باندھ لیں..... پھر رسول اللہ ﷺ نے ذوالحلیفہ کی مسجد میں آخری نماز (ظہر کی) پڑھی، پھر آپ ﷺ اپنی ناقہ قصواء پر سوار ہوئے، یہاں تک کہ جب ناقہ (مسجد ذوالحلیفہ سے کچھ آگے بڑھ کر) بیداء پر پہنچی (جو ذوالحلیفہ کے قریب ہی ذرا بلند اور ہموار میدان سا تھا) تو میں نے اس بلندی سے ہر طرف نگاہ دوڑائی تو آگے پیچھے دائیں بائیں حد نظر تک سوار اور پیادے آدمی ہی آدمی نظر آئے، اور رسول اللہ ﷺ ہمارے درمیان میں تھے اور آپ ﷺ پر قرآن نازل ہو تا تھا اور آپ اس کی حقیقت اور اس کا صحیح مطلب و مدعا جانتے تھے (اس لئے آپ جو کچھ بھی کرتے تھے اللہ کے حکم اور اس کی وحی کے مطابق کرتے تھے) اور ہمارا رویہ یہ تھا کہ جو کچھ آپ کو کرتے دیکھتے تھے وہی ہم بھی کرتے

① محمد بن علی امام باقرؑ ۵ھ میں پیدا ہوئے تھے۔ اگر حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے یہ ملاقات انہوں نے ۱۵، ۱۴ سال کی عمر میں بھی کی ہو، تو اس وقت حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی عمر تقریباً نو سال کی ہوگی۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی وفات ۹۳ سال کی عمر میں ۷۴ھ میں مدینہ طیبہ میں ہوئی، اور مشہور قول کے مطابق اہل مدینہ میں وہ آخری صحابی تھے جن کے انتقال کے بعد مدینہ طیبہ صحابی کے وجود سے خالی ہو گیا۔

تھے تو جب آپ کی ناک بیدار پر کھینچی اس وقت آپ نے بلند آواز میں توحید کا یہ تلمیہ کہا:

”لَيْلِكَ اللَّهُمَّ لَيْلِكَ، لَيْلِكَ لَا شَرِيكَ لَكَ لَيْلِكَ إِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَكَ وَالْمُلْكُ لَا شَرِيكَ لَكَ“

اور آپ کے رفقاء صحابہ جو تلمیہ پڑھتے تھے (جس میں بعض الفاظ کا اضافہ بھی ہوتا تھا) انہوں نے اپنے ہی تلمیہ بلند آواز سے کہا تو رسول اللہ نے ان کے تلمیہ کی کوئی تردید اور تغلیط نہیں کی اور خود اپنا ہی تلمیہ پڑھتے رہے (مطلب یہ ہے کہ آپ کے بعد صحابہ تلمیہ میں بعض تعظیمیں اور تعبدی کلمات کا اضافہ کر کے پکارتے تھے، اور چونکہ اس کی اجازت اور گنجائش ہے اس لئے رسول اللہ نے ان کو اس سے منع نہیں فرمایا، لیکن آپ نے اپنے تلمیہ میں کوئی کمی زیادتی نہیں فرمائی۔)

قال جابر لسا ننوی الا الحج لسا نعرف العمرة حتى اذا اتينا البيت معه استلم الركن فرمل ثلثا ومشي اربعاً ثم تقدم الى مقام ابراهيم فقرأ واتخذوا من مقام ابراهيم فصلى فجعل السقاء يده وبين البيت فكان ابي يقول ولا اعلمه ذكره الا عن النبي كان يقرأ في الركعتين قل هو الله احدى وقيل يا ايها الكفرون ثم رجع الى الركن فاستلمه ثم خرج من الباب الى الصفا فلما دنى من الصفا قرأ ان الصفا والمروة من شعائر الله ابداً بما بدا الله به فبدأ بالصفا فرقى عليه حتى رأى البيت فاستقل القبلة فوحد الله وكبره وقال لا اله الا الله وحده لا شريك له له الملك وله الحمد وهو على كل شئ قدير لا اله الا الله وحده انجز وعده ونصر عبده وهزم الاحزاب وحده ثم دعا بين ذلك قال مثل هذا ثلاث مرات ثم نزل ومشي الى المروة ففعل على المروة كما فعل على الصفا حتى اذا كان خرواف على المروة نادى وهو على المروة والناس تحته فقال لو انى استقبلت من امرى ما ستدبرن لم اسق الهدى وجعلتها عمرة فمن كان منكم ليس معه هدى فليحل وليجعلها عمرة فقام سراقه بن مالك بن جعشم فقال يا رسول الله () لعامنا هذا ام لا بد؟ فشبك رسول الله اصابعه واحدة في الأخرى وقال دخلت العمرة في الحج لا بد ابداً

حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے (تبعہ الوداع کی تفصیلات بیان کرتے ہوئے) بتایا کہ اس سفر میں ہماری نیت (اصلاً) حج کی تھی (مقصد سفر کی حیثیت سے) عمرہ ہمارے ذہن میں نہیں تھا، یہاں تک کہ جب ہم سفر پورا کر کے رسول اللہ کے ساتھ بیت اللہ پہنچ گئے تو آپ نے سب سے پہلے حجر اسود کا استلام کیا (یعنی قاعدے کے مطابق اس پر ہاتھ رکھ کر اس کو چومنا، پھر آپ نے طواف شروع کیا) جس میں تین چکروں میں آپ نے رمل کیا (یعنی وہ خاص چال چلے جس میں قوت اور شجاعت کا اظہار ہوتا ہے) اور باقی چار چکروں میں اپنی عادت کے مطابق چلے، پھر (طواف کے سات چکر پورے کر کے) آپ مقام ابراہیم کی طرف بڑھے، اور یہ آیت تلاوت فرمائی: واتخذوا من مقام ابراهيم فصلى

(اور مقام ابراہیم کے پاس نماز ادا کرو) پھر اس طرح کھڑے ہو کر کہ مقام ابراہیم آپ کے اور بیت اللہ کے درمیان تھا آپ نے نماز پڑھی (یعنی دو گانہ طواف ادا کیا۔) حدیث کے راوی امام محضر صادق بیان کرتے ہیں کہ: میرے والد ذکر کرتے تھے کہ ان دور کعتوں میں آپ ﷺ نے فرمایا: یا ایہا الکفارون اور قل هو اللہ احد کی قزاقی کی۔ اس کے بعد آپ پھر حجر اسود کی طرف واپس آئے اور پھر اس کا استلام کیا، پھر ایک دروازہ سے (سعی کے لئے) صفا پہاڑی کی طرف چلے گئے اور اس کے بالکل قریب پہنچ کر آپ ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی: اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَابَةِ اللّٰهِ (بلاشبہ صفا اور مروہ اللہ کے شعابہ میں سے ہیں جن کے درمیان سعی کا حکم ہے) اس کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا: ”میں اسی صفا سے سعی شروع کرتا ہوں جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں پہلے کیا ہے۔ چنانچہ آپ پہلے صفا پر آئے اور اس حد تک اس کی بلندی پر چڑھے کہ بیت اللہ آپ کی نظر کے سامنے آگیا، اس وقت آپ قبلہ کی رخ کر کے کھڑے ہو گئے اور اللہ کی توحید اور تکبیر اور تہجد میں مصروف ہو گئے۔ آپ ﷺ نے کہا: لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ لہ المثلث ولہ الحمد وهو علی کل شئی قذیر۔ لا الہ الا اللہ وحدہ انجز وعدہ ونصر عدہ وجزہ الاحزاب وحدہ (اللہ کے سوا کوئی عبادت اور پرستش کے لائق نہیں، وہی تہما معبود مالک ہے، کوئی اس کا شریک سا جھمی نہیں، ساری کائنات پر اسی کی فرماں روائی ہے، اور حمد و ستائش اسی کا حق ہے، وہ ہر چیز پر قادر ہے، وہی تہما مالک و معبود ہے۔ اس نے) مکہ پر اور سارے عرب پر اقتدار بخشے اور اپنے دین کو سر بلند کرنے کا اپنا وعدہ پورا فرمایا، اپنے بندے کی اس نے بھرپور مدد فرمائی، اور کفر و شرک کے لشکروں کو اس نے تہما اسی نے شکست دی)..... آپ نے تین دفعہ یہ کلمات فرمائے اور ان کے درمیان دعا مانگی۔ اس کے بعد آپ ﷺ اتر کر مروہ کی طرف چلے، یہاں تک کہ جب آپ کے قدم وادی کے نشیب میں پہنچے تو آپ کچھ دوڑ کے چلے پھر جب آپ نشیب سے اوپر آگئے تو پھر اپنی عام رفتار کے مطابق چلے، یہاں تک کہ مروہ پہاڑی پر آگئے اور یہاں آپ نے بالکل وہی کیا جو صفا پر کیا تھا۔ یہاں تک کہ جب آپ آخری پھیرا پورا کر کے مروہ پر پہنچے، آپ نے اپنے رفقاء صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو مخاطب کر کے فرمایا..... اگر پہلے سے میرے خیال میں وہ بات آجاتی جو بعد میں آئی تو میں قربانی کے جانور مدینہ سے ساتھ نہ لاتا اور اسی طواف سعی کو جو میں نے کیا ہے عمرہ بنا دیتا..... تو اب میں تم لوگوں سے کہتا ہوں کہ تم میں سے جن کے ساتھ قربانی کے جانور نہیں آئے ہیں وہ اپنا احرام ختم کر دیں اور اب تک جو طواف سعی انہوں نے کی ان کو عمرہ بنا دیں..... آپ کا یہ ارشاد سن کر سراقہ بن مالک نے عرض کیا: یا رسول اللہ! کیا یہ حکم کہ اشبرج (جج کے مہینوں) میں عمرہ کیا جائے خاص اسی سال کے لئے ہے یا ہمیشہ کے لئے حکم ہے..... آپ نے اپنے ہاتھ کی انگلیاں دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں ڈال کر فرمایا کہ: دخلت

۱ یہ استلام سعی کے لئے تھا، جس طرح بیت اللہ کا طواف حجر اسود کے استلام سے شروع کیا جاتا ہے اسی طرح سعی سے پہلے بھی استلام منہوں سے۔

العمرہ فی النحر۔ لانا لانداند۔ (عمرہ حج میں داخل ہو گیا، خاص اسی سال کے لئے نہیں بلکہ ہمیشہ کے لئے)۔

تشریح: آپ نے عمرہ کے خاتمہ پر جو یہ بات فرمائی کہ ”جو لوگ قربانی کے جانور ساتھ نہیں لائے ہیں وہ اپنے طواف وسعی کو عمرہ قرار دے دیں، اور میں بھی اگر قربانی کے جانور ساتھ نہ لایا ہوتا تو ایسا ہی کرتا۔“ اس کا مطلب اور اس کی حقیقت سمجھنے کے لئے پہلے یہ جان لینا چاہئے کہ زمانہ جاہلیت میں حج اور عمرہ کے سلسلہ میں جو اعتقادی اور عملی غلطیاں رواج پا کر دلوں میں رائج ہو چکی تھیں ان میں ایک یہ بھی تھی کہ شوال، ذی قعدہ، ذی الحجہ جو اسبہ النحر (یعنی حج کے مہینے) کہلاتے ہیں (کیونکہ حج کا سفر انہی مہینوں میں ہوتا ہے) ان مہینوں میں عمرہ کرنا سخت گناہ سمجھا جاتا تھا، حالانکہ یہ بات بالکل غلط اور من گھڑت تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے شروع سفر ہی میں وضاحت کے ساتھ لوگوں کو یہ بات بتادی تھی کہ جس کا جی چاہے صرف حج کا احرام باندھے (جس کو اصطلاح میں افراد کہتے ہیں) اور جس کا جی چاہے شروع میں صرف عمرہ کا احرام باندھے اور مکہ معظمہ میں عمرہ سے فارغ ہونے کے بعد حج کے لئے دوسرا احرام باندھے (جس کو تمتع کہتے ہیں) اور جس کا جی چاہے حج و عمرہ دونوں کا مشترک احرام باندھے اور ایک ہی احرام سے دونوں کو ادا کرنے کی نیت کرے (جس کو قرآن کہتے ہیں)۔۔۔۔۔ آپ کا یہ ارشاد سننے کے بعد صحابہ کرام میں سے غالباً چند ہی نے اپنے خاص حالات کے لحاظ سے تمتع کا ارادہ کیا، اور انہوں نے ذوالحلیفہ میں صرف عمرہ کا احرام باندھا۔۔۔۔۔ ان میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بھی تھیں۔ ورنہ زیادہ تر صحابہ نے صرف حج کا یا حج و عمرہ دونوں کا مشترک احرام باندھا۔ خود رسول اللہ ﷺ نے دونوں کا احرام باندھا، یعنی (قرآن) اختیار فرمایا۔ اس کے علاوہ اپنی قربانی کے جانور (اونٹ) بھی آپ مدینہ طیبہ ہی سے ساتھ لے کر چلے، اور جو حاجی قربانی کے جانور ساتھ لے کر چلے وہ اس وقت تک احرام ختم نہیں کر سکتا جب تک دسویں ذی الحجہ کو قربانی نہ کر دے۔ اس لئے رسول اللہ ﷺ اور وہ صحابہ کرام جو آپ ﷺ کی طرح اپنی قربانی کے جانور ساتھ لائے تھے حج سے پہلے (یعنی ۱۰ ذی الحجہ کو قربانی کرنے سے پہلے) احرام سے باہر نہیں آ سکتے تھے، لیکن جو لوگ قربانی کے جانور ساتھ نہیں لائے تھے ان کے واسطے یہ شرعی مجبوری نہیں تھی۔

مکہ معظمہ پہنچ کر آپ کو اس کا احساس زیادہ ہوا کہ یہ جو جاہلانہ بات لوگوں کے دلوں میں بیٹھی ہوئی ہے کہ حج کے مہینوں میں عمرہ کرنا سخت گناہ ہے اس کی تردید اور بچ تفریق کے لئے اور دماغوں سے اس کے جراثیم ختم کرنے اور دلوں سے اس کے اثرات کو دھونے کے لئے ضروری ہے کہ وسیع پیمانے پر ان کے خلاف عمل کر کے دکھایا جائے، اور اس کی ممکن صورت یہی تھی کہ آپ ﷺ کے ساتھیوں میں سے زیادہ سے زیادہ لوگ جو آپ کے ساتھ طواف اور سعی کر چکے تھے، اس طواف اور سعی کو عمرہ قرار دے کے احرام ختم کر دیں اور حلال ہو جائیں اور حج کے لئے اس کے وقت پر دوسرا احرام باندھیں، اور خود آپ چونکہ قربانی کے جانور ساتھ لے کے آئے تھے اس لئے آپ کے لئے اس کی گنجائش نہیں تھی، اس لئے آپ ﷺ نے فرمایا کہ: ”اگر شروع میں مجھے اس بات کا احساس ہو جاتا جس کا احساس بعد میں ہوا تو میں اپنے ساتھ قربانی کے جانور نہ لاتا،

اور جو طواف وسعی میں نے کی ہے اس کو مستقل عمرہ قرار دے کر یہ احرام ختم کر دیتا (لیکن میں تو قربانی کے جانور لانے کی وجہ سے ایسا کرنے سے مجبور ہوں، اس لئے آپ لوگوں سے کہتا ہوں کہ) آپ میں سے جو لوگ قربانی کے جانور ساتھ نہیں لائے ہیں وہ اپنے اس طواف وسعی کو مستقل عمرہ قرار دے دیں اور اپنا احرام ختم کر کے حلال ہو جائیں۔..... آپ کا یہ ارشاد سن کر سراقہؓ بن مالک کھڑے ہو گئے، چونکہ وہ اب تک یہی جانتے تھے کہ حج کے مہینوں میں مستقل عمرہ کرنا سخت گناہ کی بات ہے، اس لئے انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ: ان دنوں میں مستقل عمرہ کرنے کا یہ حکم کیا صرف اسی سال کے لئے ہے، یا اب ہمیشہ کے لئے مسئلہ یہی ہے کہ اشہر حج میں مستقل عمرہ کیا جاسکتا ہے؟

رسول اللہ ﷺ نے ان کو اچھی طرح سمجھانے اور ان کے ذہن نشین کرنے کیلئے اپنے ایک ہاتھ کی انگلیاں دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں ڈال کر فرمایا: دَخَلْتُ الْعُمْرَةَ فِي الْحَجِّ۔ (حج میں عمرہ اس طرح داخل ہو گیا) یعنی حج کے مہینوں میں اور ایام حج کے بالکل قریب بھی عمرہ کیا جاسکتا ہے، اور اسکو گناہ سمجھنے والی بات بالکل غلط اور جاہلانہ ہے، اور یہ حکم ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ہے۔

وَلَقِيمَ عَلِيٍّ مِنَ النِّمَنِ بِهَذِهِ النَّبِيِّ ﷺ (فَوَجَدَ لَهَا طِمَّةً مِمَّنْ حَلَّ وَلَبَسَتْ يَتَابَا صَبِيحًا وَانْخَلَعَتْ لَأَنْكَرُ ذَلِكَ عَلَيْهَا لَقَالَتْ إِنَّ أَبِي أَمَرَنِي بِهَذَا) لَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مَاذَا لَكِ خَيْرٌ لَمْ تَحِلِّي الْحَجَّ قَالَ لَكُنْتُ أَلْتَهُمُ إِلَيَّ أَهْلٌ بِمَا أَهَلَ بِهِ رَسُولُكَ قَالَ لِأَنْ مَعِيَ الْهَيْدَى فَلَا تَحِلُّ لَكَ لَكَانَ جَمَاعَةُ الْهَيْدَى إِلَيَّ لَقِيمَ بِهِ عَلِيٌّ مِنَ النِّمَنِ وَالَّذِي أَنِي بِهِ النَّبِيُّ ﷺ مِائَةَ قَالَ لَحَلَّ النَّاسُ كُلُّهُمْ وَلَصُرُوا إِلَّا النَّبِيُّ ﷺ وَمَنْ كَانَ مَعَهُ هَذِي:

ترجمہ: اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ (جوڑ کوڑ اور دوسرے مطالبات کی وصولی وغیرہ کے لئے رسول اللہ ﷺ کے حکم سے یمن گئے ہوئے تھے) وہاں سے رسول اللہ ﷺ کی قربانی کے لئے مزید جانور لے کر مکہ معظمہ پہنچے، انہوں نے اپنی بیوی فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کو دیکھا کہ وہ احرام ختم کر کے حلال ہو چکی ہیں، اور رنگین کپڑے پہنے ہوئے ہیں اور سرمہ بھی استعمال کیا ہے، تو انہوں نے ان کے اس رویہ کو بہت غلط سمجھا اور ناگواری کا اظہار کیا (اور ابو داؤد کی روایت میں ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا کہ: تم کو کس نے یہ کہا تھا کہ تم احرام ختم کر کے حلال ہو جاؤ) حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ: مجھے ابا جان (رسول اللہ ﷺ) نے یہ حکم دیا تھا (میں نے اس کی تعمیل میں ایسا کیا ہے)..... پھر رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ: جب تم نے حج کی نیت کی اور تلبیہ کہہ کے احرام باندھا تو اس وقت

① یہ وہی سراقہؓ ہیں جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کے مکہ سے ہجرت فرمانے کے بعد آپ کو معاذ اللہ گرقار کرنے اور ان کا انعام حاصل کرنے کے لئے اپنے ایک غلام کی نشان دہی پر آپ کا تعاقب کیا تھا اور آپ کے قریب پہنچ جانے پر ان کی گھوڑی کے پاؤں زمین میں دھنسن گئے تھے، اور ان کی درخواست پر جب رسول اللہ ﷺ نے دعا کی تو گھوڑی صحیح سلامت نکل آئی تھی اور یہ مکہ واپس لوٹ گئے تھے۔ ۸ھ تک یہ مکہ معظمہ میں کفر و شرک ہی پر قائم رہے، پھر مکہ معظمہ فتح ہونے کے بعد عام اہل مکہ کی طرح انہوں نے بھی اسلام قبول کر لیا۔

تم نے کیا کہا تھا؟ (یعنی افراد کے طریقے پر صرف حج کی نیت کی تھی یا تمتع کے طریقے پر صرف عمرہ کی یا قرآن کے طریقے پر دونوں کے ساتھ ساتھ نیت کی تھی؟) انہوں نے عرض کیا کہ: میں نے نیت اس طرح کی تھی کہ: **اللَّيْلَةُ اِنِّي اُحِلُّ لَهَا اَعْلَىٰ بِرَسُولِكَ**۔ (اے اللہ! میں احرام باندھتا ہوں اس چیز کا جس کا احرام باندھا ہو تیرے رسول (ﷺ) نے)۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ: میں چونکہ قربانی کے جانور ساتھ لایا ہوں (اور اس کی وجہ سے اب حج سے پہلے احرام ختم کرنے کی میرے لئے گنجائش نہیں ہے، اور تم نے میرے جیسے احرام کی نیت کی ہے) اس لئے تم بھی میری طرح احرام ہی کی حالت میں رہو۔ آگے حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ قربانی کے جانور رسول اللہ ﷺ اپنے ساتھ لے کے آئے تھے اور جو بعد میں آپ ﷺ کے لئے حضرت علی رضی اللہ عنہ یمن سے لے کر آئے ان کی مجموعی تعداد سو تھی (بعض روایات سے تفصیل یہ معلوم ہوتی ہے کہ ۶۳ اونٹ آنحضرت ﷺ کے ساتھ آئے تھے اور ۳۷ حضرت علی رضی اللہ عنہ یمن سے لائے تھے) حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے آگے بیان کیا ہے کہ: رسول اللہ ﷺ کی ہدایت کے مطابق تمام ان صحابہ نے احرام ختم کر دیا۔ جو قربانی کے جانور ساتھ نہیں لائے تھے اور صفامرہ کی سعی سے فارغ ہونے کے بعد اپنے سروں کے بال ترشوا کر وہ سب حلال ہو گئے اور جو طواف وسیع انہوں نے کی تھی اس کو مستقل عمرہ قرار دے دیا۔ پس رسول اللہ ﷺ اور وہ صحابہ حالت احرام میں رہے جو اپنی قربانیاں ساتھ لائے تھے۔

تشریح..... جن صحابہ رضی اللہ عنہم نے آپ کی ہدایت اور حکم کے مطابق اپنا احرام ختم کیا انہوں نے اس موقع پر بال مندوئے نہیں بلکہ صرف ترشوائے، ایسا انہوں نے غالباً اس لئے کیا کہ مندوئے کی فضیلت حج کے احرام کے خاتمہ پر حاصل کر سکیں۔ واللہ اعلم۔

لَمَّا كَانَ يَوْمُ التَّوْبَةِ تَوَجَّهُوا إِلَىٰ مِنًى فَأَهْلُوا بِالْحَجِّ وَرَكِبَ النَّبِيُّ ﷺ فَصَلَّىٰ بِهَا الْكُفْرَ وَالْعَصْرَ وَالْمَغْرِبَ وَالْعِشَاءَ وَالْفَجْرَ ثُمَّ مَكَثَ لِلْيَلَا حَتَّىٰ كَلَبَتِ الشَّمْسُ وَأَمَرَ بِثَبَئَةٍ مِنْ خَيْرِ قُضْرَبٍ لَهُ بِمِمْرَةٍ فَسَارَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ وَلَا نَشْكُ لِقُرَيْشٍ إِلَّا أَنَّهُ وَافَقَ عِنْدَ الْمُشْفَرِ الْحَرَامَ مَحْمًا كَانَتْ لِقُرَيْشٍ تَصْنَعُ فِي الْجَاهِلِيَّةِ لِأَجَازَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ حَتَّىٰ أَتَىٰ عَرَفَةَ فَوَجَدَ الْقَبَةَ لَهُ حُزْبَتٌ لَهُ بِمِمْرَةٍ فَتَزَلَّ بِهَا.

ترجمہ..... پھر جب یوم التوبہ (یعنی ۸ ذی الحجہ کا دن) ہوا تو سب لوگ منیٰ جانے لگے (اور جو صحابہ رسول اللہ ﷺ کے حکم سے صفامرہ کی سعی کر کے اپنا احرام ختم کر چکے تھے اور حلال ہو گئے تھے) انہوں نے حج کا احرام باندھا، اور رسول اللہ ﷺ اپنی ناقہ پر سوار ہو کر منیٰ کو چلے، پھر وہاں پہنچ کر آپ ﷺ نے (اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے مسجد خیف میں) ظہر، عصر، مغرب، عشاء اور فجر پانچوں نمازیں پڑھیں، پھر فجر کی نماز کے بعد تھوڑی دیر آپ منیٰ میں اور ٹھہرے، یہاں تک کہ جب سورج نکل آیا تو آپ ﷺ عرفات کی طرف روانہ ہوئے، اور آپ ﷺ نے حکم دیا تھا کہ صوف کا بنا ہوا خیمہ آپ کے لئے عمرو میں نصب کیا جائے۔

نمرہ دراصل وہ جگہ ہے جہاں سے آگے عرفات کا میدان شروع ہوتا ہے (آپ کے خاندان قریش کے لوگوں کو اس کا یقین تھا اور اس کے بارے میں کوئی شک و شبہ نہیں تھا کہ آپ "مشعر حرام" کے پاس قیام کریں گے، جیسا کہ قریش زمانہ جاہلیت میں کیا کرتے تھے (لیکن آپ ﷺ نے ایسا نہیں کیا بلکہ) آپ مشعر حرام کے حدود سے آگے بڑھ کر عرفہ پہنچ گئے اور آپ ﷺ نے دیکھا کہ (آپ کی ہدایت کے مطابق) نمرہ میں آپ کا خیمہ نصب کر دیا گیا ہے تو آپ اس خیمہ میں اتر گئے۔

تشریح..... حج کی خاص نقل و حرکت کا سلسلہ ۸ ذی الحجہ سے شروع ہوتا ہے جس کو "یمامہ" دیا گیا ہے۔ اس دن صبح کو حجاج منی کے لئے روانہ ہوتے ہیں، افراد یا قرآن کے طریقے پر حج کرنے والے تو پہلے سے احرام کی حالت میں ہوتے ہیں، ان کے علاوہ اور حجاج اسی دن یعنی ۸ ذی الحجہ کو احرام باندھ کر منی کو جاتے ہیں اور نویں کی صبح تک وہیں قیام کرتے ہیں..... رسول اللہ ﷺ اور آپ کے ساتھ بعض صحابہ رضی اللہ عنہم جو اپنی قربانیاں اپنے ساتھ لائے تھے وہ تو احرام کی حالت میں تھے، باقی صحابہ جنہوں نے عمرہ کر کے احرام ختم کر دیا تھا ان سب نے آٹھویں کی صبح کو حج کا احرام باندھا اور حج کا یہ سارا قافلہ منی کو روانہ ہو گیا، اور اس دن وہیں قیام کیا، اور پھر نویں کی صبح کو سورج نکلنے کے بعد عرفات کے لئے روانگی ہوئی۔ عرفات منی سے قریباً ۶ میل اور مکہ سے قریباً ۹ میل ہے، اور یہ حدود حرم سے باہر ہے، بلکہ اس جانب میں حرم کی سرحد جہاں ختم ہوتی ہے وہیں سے عرفات کا علاقہ شروع ہوتا ہے..... عرب کے عام قبائل جو حج کے لئے آتے تھے وہ سب نویں ذی الحجہ کو حدود حرم سے باہر نکل کے عرفات میں وقوف کرتے تھے، لیکن رسول اللہ ﷺ کے خاندان والے یعنی قریش جو اپنے کو کعبہ کا مجاور و متولی اور "اہل حرم اللہ" کہتے تھے وہ وقوف کے لئے بھی حدود حرم سے باہر نہیں نکلتے تھے، بلکہ اس کی حد کے اندر ہی مزدلفہ کے علاقہ میں مشعر حرام پہاڑی کے پاس وقوف کرتے تھے اور اس کو اپنا امتیاز سمجھتے تھے۔ اپنے اس پرانے خاندانی دستور کی بناء پر قریش کا یقین تھا کہ رسول اللہ ﷺ بھی مشعر حرام کے پاس ہی وقوف کریں گے، لیکن چونکہ ان کا یہ طریقہ غلط تھا اور وقوف کی صحیح جگہ عرفات ہی ہے، اس لئے آپ ﷺ نے منی سے چلتے ہی اپنے لوگوں کو ہدایت فرمادی تھی کہ: آپ کے قیام کے لئے خیمہ نمرہ میں نصب کیا جائے۔ چنانچہ اس ہدایت کے مطابق وادی نمرہ ہی میں آپ کے لئے خیمہ نصب کیا گیا، اور آپ وہیں جا کر اترے، اور اس خیمہ میں قیام فرمایا:

حَتَّىٰ إِذَا زَاغَتِ الشَّمْسُ أَمَرَ بِالْقُصْوَاءِ فَرُجِلَتْ لَهُ فَاتَنِي يَطْنُ الْوَادِي فَخَطَبَ النَّاسَ وَلَمَّا
إِنْ دِمَاءُكُمْ وَأَمْرُكُمْ حَرَامٌ عَلَيْكُمْ كَحُرْمَةِ يَوْمِكُمْ هَذَا فِي شَهْرِكُمْ هَذَا فِي بَلَدِكُمْ هَذَا
الْأَكْلُ حَسِيٌّ مِنْ أَمْرِ الْجَاهِلِيَّةِ تَحْتَ لَدُنِّي مَوْضُوعٌ وَدِمَاءُ الْجَاهِلِيَّةِ مَوْضُوعَةٌ وَإِنَّ أَوَّلَ دَمٍ
أَضَعُ مِنْ دِمَائِنَا دَمُ ابْنِ الْحَارِثِ وَكَانَ مُسْتَرْضِعًا لِي بَنِي سَعْدٍ لَقَتْلَهُ هَذَا بَلَدِي وَرَبِّي

① نمرہ ٹھیک وہ جگہ ہے جہاں حرم کی حد ختم ہو کر عرفات کی حد شروع ہوتی ہے۔ موجودہ مسجد نمرہ عرفات کے بالکل سرے پر ہے۔ کہا جاتا کہ اس کی جود یو آر مکہ کی جانب ہے وہ عرفات اور نمرہ کے درمیان حد فاصل ہے۔ حتیٰ کہ اگر خاندان کردہ و دیوار باہر کھینچاں گئے تو عرفات کی حد سے باہر وادی نمرہ میں گئے گی۔

الْبَاحِلِيَّةِ مَوْضُوعٌ وَأَوَّلُ رَبَا أَصْعَ مِنْ رَبَانَا رَبَاعِيَسَ بْنِ عَبْدِ الْمُطَلِّبِ لِأَنَّهُ مَوْضُوعٌ كُلُّهُ
فَاتَّقُوا اللَّهَ فِي الْبَسَاءِ وَالْكُمِ أَخَذَ ثَمُوهُنَّ بِأَمَانِ اللَّهِ وَاسْتَحْلَلْتُمْ لِرُؤُوسِهِنَّ بِكَلِمَةِ اللَّهِ
وَلَكُمْ عَلَيْهِنَّ أَنْ لَا يُؤْطِيقَنَّ لِرُؤُوسِكُمْ أَحَدًا تَكْرَهُونَهُ فَإِنْ قَعَلْنَ ذَلِكَ فَاضْرِبُوهُنَّ ضَرْبًا غَيْرَ
مُبْرَحٍ وَلَهُنَّ عَلَيْكُمْ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ وَقَدْ تَرَكْتُ لَكُمْ مَالًا تَصِلُوا بَعْدَهُ إِنْ
اعْتَصَمْتُمْ بِهِ كِتَابَ اللَّهِ وَأَنْتُمْ تُسَلِّطُونَ عَنِّي لِمَا أَنْتُمْ قَائِلُونَ ؟ قَالُوا تَشْهَدُ إِنَّكَ قَدْ بَلَغْتَ
وَأَذِنْتَ وَتَصَحَّتْ لِقَالِ بِأَصْبَحِ السَّبَاةِ يَرْكُعُهَا إِلَى السَّمَاءِ وَيَنْكُعُهَا إِلَى النَّاسِ أَللَّهُمَّ
أَخْذُكَ اللَّهُمَّ أَخْذُكَ مَرَاتٍ ثُمَّ أَذَى بِلَالٍ ثُمَّ أَقَامَ فَصَلَّى الظُّهْرَ ثُمَّ أَقَامَ فَصَلَّى الْعَصْرَ
وَلَمْ يُصَلِّ بَيْنَهُمَا شَيْئًا.

یہاں تک کہ جب آفتاب ڈھل گیا تو آپ نے اپنی ناقہ قصواء پر کجاوا کسے کا حکم دیا، چنانچہ اس پر کجاوا کس
دیا گیا، آپ اس پر سوار ہو کر وادی (وادئ عرنہ) کے درمیان آئے، اور آپ نے اونٹنی کی پشت پر
ہی سے لوگوں کو خطبہ دیا جس میں فرمایا کہ: ”لوگو! تمہارے خون اور تمہارا مال تم پر حرام ہیں (یعنی ناحق
کسی کا خون کرنا اور ناجائز طریقے پر کسی کا مال لینا تمہارے لئے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے حرام ہے) بالکل اسی
طرح جس طرح کہ آج یوم العرفہ کے دن ذی الحجہ کے اس مبارک مہینہ میں، اپنے اس مقدس شہر میں
(تم ناحق کسی کا خون کرنا اور کسی کا مال لینا حرام جانتے ہو)..... خوب ذہن نشین کر لو کہ جاہلیت کی ساری
چیزیں (یعنی اسلام کی روشنی کے دور سے پہلے تاریکی اور گمراہی کے زمانہ کی ساری باتیں اور سارے قصے
ختم ہیں) میرے دونوں قدموں کے نیچے دفن اور پامال ہیں (میں اس کے خاتمہ اور منسوخی کا اعلان کرتا
ہوں) اور زمانہ جاہلیت کے خون بھی ختم ہیں (یعنی اب کوئی مسلمان زمانہ جاہلیت کے کسی
خون کا بدلہ نہیں لے گا، اور سب سے پہلے میں اپنے گھرانہ کے ایک خون ربیعہ ابن الحارث بن
عبد المطلب کے فرزند کے خون کے ختم اور معاف کئے جانے کا اعلان کرتا ہوں جو قبیلہ بنی سعد کے ایک
گھر میں دودھ پینے کے لئے رہتے تھے اور ان کو قبیلہ بذیل کے آدمیوں نے قتل کر دیا تھا۔^① (بذیل سے
اس خون کا بدلہ لینا ابھی بھی باقی تھا لیکن اب میں اپنے خاندان کی طرف سے اعلان کرتا ہوں کہ اب یہ
قصہ ختم، بدلہ نہیں لیا جائے گا) اور زمانہ جاہلیت کے سارے سودی مطالبات (جو کسی کے کسی کے ذمہ
باقی ہیں وہ سب بھی) ختم اور سوخت ہیں (اب کوئی مسلمان کسی سے اپنا سودی مطالبہ وصول نہیں کرے
گا) اور اس باب میں بھی میں سب سے پہلے اپنے خاندان کے سودی مطالبات میں سے اپنے چچا عباس بن
عبد المطلب کے سودی مطالبات کے ختم اور سوخت ہونے کا اعلان کرتا ہوں (اب وہ کسی سے اپنا سودی

① ربیعہ بن الحارث رسول اللہ ﷺ کے چچا زاد بھائی تھے۔ ان کا ایک شیر خوار بچہ، جس کو عرب کے دستور کے مطابق قبیلہ
بنی سعد کی ایک عورت نے دودھ پلانے کے لئے اپنے گھر رکھ لیا تھا، قبیلہ بذیل کے آدمیوں کے ہاتھ سے بنی سعد اور
بذیل کے ایک جھگڑے میں قتل ہو گیا تھا، رسول اللہ ﷺ کے گھرانے کو اس کا بدلہ لینے کا حق تھا، آپ ﷺ نے اس خطبہ
میں اسی حق سے دستبرداری کا اعلان فرمایا تھا۔

مطالبہ وصول نہیں کریں گے) ان کے سارے سودی مطالبات آج ختم کر دیئے گئے..... اور اے لوگو! عورتوں کے حقوق اور ان کے ساتھ برتاؤ کے بارے میں خدا سے ڈرو، اس لئے کہ تم نے ان کو اللہ کی امانت کے طور پر لیا ہے اور اللہ کے حکم اور اس کے قانون سے اس کے ساتھ متعصم تمہارے لئے حلال ہوا ہے، اور تمہارا خاص حق ان پر یہ ہے کہ جس آدمی کا گھر میں آنا اور تمہاری جگہ تمہارے بستر پر بیٹھنا تم کو پسند نہ ہو وہ اس کو اس کا موقع نہ دیں..... لیکن اگر وہ یہ غلطی کریں تو تم (تنبیہ اور آئندہ سد باب کے لئے اگر کچھ سزا دینا مناسب اور مفید سمجھو) انکو کوئی خفیف سی سزا دے سکتے ہو..... اور ان کا خاص حق تم پر یہ ہے کہ اپنے مقدور اور حیثیت کے مطابق ان کے کھانے پینے کا بندوبست کرو..... اور میں تمہارے لئے وہ سامان ہدایت چھوڑ رہا ہوں کہ اگر تم اس سے وابستہ رہے اور اس کی پیروی کرتے رہے تو پھر کبھی تم گمراہ نہ ہو..... وہ ہے کتاب اللہ..... اور قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کی طرف سے تم سے میرے متعلق پوچھا جائے گا (کہ میں نے تم کو اللہ کی ہدایت اور اس کے احکام پہنچائے یا نہیں)۔ تو بتاؤ! کہ وہاں تم کیا کہو گے اور کیا جواب دو گے؟..... حاضرین نے عرض کیا کہ ہم گواہی دیتے ہیں اور قیامت کے دن بھی گواہی دیں گے کہ آپ (ﷺ) نے اللہ تعالیٰ کا پیغام اور اس کے احکام ہم کو پہنچادئے اور رہنمائی اور تبلیغ کا حق ادا کر دیا اور نصیحت و خیر خواہی میں کوئی دقیقہ اٹھانہ رکھا..... اس پر آپ ﷺ نے اپنی انگشت شہادت آسمان کی طرف اٹھاتے ہوئے اور لوگوں کے مجمع کی طرف اس سے اشارہ کرتے ہوئے تین دفعہ فرمایا: "اللہم! اشہد! اللہم! اشہد! اللہم! اشہد!" یعنی اے اللہ! تو گواہ رہ کہ میں نے تیرا پیام اور تیرے احکام تیرے بندوں تک پہنچادئے اور تیرے بندے اقرار کر رہے ہیں..... اس کے بعد (آپ ﷺ کے حکم سے) حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اذان دی، پھر اقامت کہی، اور آپ ﷺ نے ظہر کی نماز پڑھائی، اس کے بعد پھر بلال رضی اللہ عنہ نے اقامت کہی اور آپ ﷺ نے عصر کی نماز پڑھائی۔

تشریح..... یہ معلوم ہے کہ اس دن (یعنی اس سال وقوف عرفہ کے دن) جمعہ تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے زوال آفتاب کے بعد پہلے مندرجہ بالا خطبہ دیا، اس کے بعد ظہر اور عصر کی دونوں نمازیں (ظہر ہی کے وقت میں) ساتھ ساتھ بلا فصل پڑھیں۔ حدیث میں صاف ظہر کا ذکر ہے، جس سے ظاہر ہے کہ آپ ﷺ نے اس دن جمعہ کی نماز نہیں پڑھی، بلکہ اس کے بجائے ظہر پڑھی اور جو خطبہ آپ ﷺ نے دیا وہ جمعہ کا خطبہ نہیں تھا بلکہ یوم العرفات کا خطبہ تھا..... جمعہ نہ پڑھنے کی وجہ غالباً یہ تھی کہ عرفات کوئی آبادی اور بستی نہیں ہے، بلکہ ایک وادی اور صحرا ہے، اور جمعہ بستیوں اور آبادیوں میں پڑھا جاتا ہے۔ واللہ اعلم۔

یوم العرفہ کے اس خطبہ میں آپ ﷺ نے جو ہدایات دیں اس وقت اور اس مجمع میں انہی چیزوں کا اعلان اور تبلیغ و تلقین ضروری اور اہم تھی..... خطبہ کے بعد آپ ﷺ نے ظہر و عصر ایک ساتھ ظہر ہی کے وقت ادا فرمائیں اور درمیان میں سنت یا نفل کی دو رکعتیں بھی نہیں پڑھیں..... امت کا اس پر اتفاق ہے کہ وقوف عرفات کے دن یہ دونوں نمازیں اسی طرح پڑھی جائیں، اور اسی طرح مغرب و عشاء اس دن مزدلفہ پہنچ کر عشاء کے وقت میں ایک ساتھ پڑھی جائیں۔ رسول اللہ ﷺ نے ایسا ہی کیا تھا جیسا کہ آگے معلوم ہو گا.....

اس دن ان نمازوں کا صحیح طریقہ اور ان کے صحیح اوقات یہی ہیں..... اس کی ایک حکمت تو یہی ہو سکتی ہے کہ اس دن کا یہ امتیاز ہر خاص و عام کو معلوم ہو جائے کہ آج کے دن کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے نمازوں کے اوقات میں بھی تبدیلی کر دی گئی ہے..... اور دوسری حکمت یہ بھی ہو سکتی ہے کہ اس دن کا اصل وظیفہ جو ذکر اور دعا ہے اس کے لئے پوری یکسوئی کے ساتھ بندہ فارغ رہے، اور ظہر سے مغرب تک بلکہ عشاء تک نماز کی بھی فکر نہ ہو۔

آپ ﷺ نے یوم العرفات کے اس خطبہ میں جو اپنے موقع اور محل کے لحاظ سے آپ کی حیاب طیبہ کا سب سے اہم خطبہ کہا جاسکتا ہے۔ سب سے آخری بات اپنی وفات اور جدائی کے قرب کی طرف اشارہ کرتے ہوئے یہ فرمائی کہ: ”میں تمہارے لئے ہدایت و روشنی کا وہ کامل و مکمل سامان چھوڑ کر جاؤں گا جس کے بعد تم کبھی گمراہ نہ ہو سکو گے بشرطیکہ تم اس سے وابستہ رہے اور اس کی روشنی میں چلتے رہے، اور وہ ہے اللہ کی مقدس کتاب قرآن مجید“..... اس سے صاف معلوم ہو جاتا ہے کہ مرض وفات کے آخری دنوں میں جب کہ شدت مرض کی وجہ سے آپ کو سخت تکلیف تھی آپ نے بطور وصیت کے ایک تحریر لکھانے کا جو خیال ظاہر کیا تھا جس کے بارے میں آپ ﷺ نے فرمایا تھا کہ: ”تم اس کے بعد گمراہ نہ ہو گے۔“ اس میں آپ کیا لکھانا چاہتے تھے۔ جیہ الوداع کے اس اہم خطبہ سے صاف ظاہر ہے کہ آپ کتاب اللہ سے وابستگی اور اس کی پیروی کی وصیت لکھنا چاہتے تھے۔ آپ اس اہم خطبہ میں بھی بتا چکے تھے کہ یہ شان کتاب اللہ کی ہے، اور چونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس حقیقت سے آشنا تھے اور اللہ نے موقع پر بات کہنے کی جرأت بھی دی تھی اس لئے انہوں نے اس موقع پر یہ رائے ظاہر کی کہ آپ کی مسلسل تعلیم و تربیت سے ہمیں معلوم ہو چکا ہے کہ یہ حیثیت کتاب اللہ کی ہے اس لئے اس سخت تکلیف کی حالت میں وصیت لکھنے لکھانے کی رحمت کیوں فرمائی جائے، ہمیں آپ کا پڑھنا یا سبق یاد ہے اور یاد رہے گا۔ ”حسبنا کتاب اللہ۔“

لَمْ رَكِبْ حَتَّى آتَى الْمُؤَلَّفَ لَجَعْلَ بَطْنٍ نَالِيهِ الْقُصُوءُ إِلَى الصَّخْرَاتِ وَجَعَلَ حَبْلَ الْمُشَاةِ بَيْنَ يَدَيْهِ وَاسْتَظْهَلَ الْفَيْلَةَ لَمْ يَزَلْ وَالْفَأْ حَتَّى غُرِبَتِ الشَّمْسُ وَذَهَبَتِ الصُّفْرَةُ لِلَيْلَا حَتَّى غَابَ الْفَرْصُ وَأَرْدَفَ أَسَامَةَ وَذَلَعَ حَتَّى آتَى الْمُزْدَلِفَةَ لَصَلَّى بِهَا الْمَغْرِبَ وَالْعِشَاءَ بِأَذَانٍ وَاحِدٍ وَالْمَتَيْنِ وَلَمْ يَسْبَحْ بَيْنَهُمَا شَيْئًا ثُمَّ اضْطَجَعَ حَتَّى طَلَعَ الْفَجْرُ لَصَلَّى الْفَجْرَ حِينَ تَبَيَّنَ لَهُ الصُّبْحُ بِأَذَانٍ وَأَلَامَةٍ ثُمَّ رَكِبَ الْقُصُوءَ حَتَّى آتَى الْمَشْعَرَ الْحَرَامَ لَاسْتَظْهَلَ الْفَيْلَةَ لِدَعَاةٍ وَكَبْرَةٍ وَهَلَلَهُ وَوَحْدَهُ لَمْ يَزَلْ وَالْفَأْ حَتَّى اسْفَرَ جَدًا لَدَلَعَ لَيْلًا أَنْ تَطْلُعَ الشَّمْسُ وَأَرْدَفَ الْفَضْلُ بْنُ عَبَّاسٍ حَتَّى آتَى بَطْنَ مُحَسَّرٍ لِحَرْكٍ لِلَيْلَا ثُمَّ سَلَكَ الطَّرِيقَ الْوُسْطَى الَّتِي تَخْرُجُ عَلَى الْجُمُرَةِ الْكُبْرَى حَتَّى آتَى الْجُمُرَةَ الَّتِي عِنْدَ الشَّجَرَةِ لَرَمَاهَا بِسَبْعِ حَصَيَاتٍ يَكْبُرُ مَعَ كُلِّ حَصَاةٍ مِنْهَا مِثْلَ حَصَى الْخَذْفِ رَمَى مِنْ بَطْنِ الْوَادِي ثُمَّ انْصَرَفَ إِلَى الْمَنْعَرِ لَتَحْرُكًا وَبَيِّنَ بَدْنَهُ ثُمَّ أَعْطَى عَلِيًّا لَتَحْرَمًا غَيْرَ وَأَخْرَجَهُ لِيْ هَذِيهِ ثُمَّ

أَمَرَ مِنْ كُلِّ بَلَدَةٍ بَشْعَةً لَجُجِلَتْ لِي فَنَزِلُ لَطَبَحَتْ لَأَكَلَا مِنْ لَحْمِهَا وَخَرَبْنَا مِنْ مَرْقِهَا ثُمَّ رَكِبَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ لَأَلَاضَ إِلَى النَّبْتِ لَصَلَّى بِمَكَّةَ الظُّهْرَ لَأَتَى عَلَى بَنِي عَبْدِ الْمُطَّلِبِ يَسْقُونَ عَلَى زُمَرٍ لَقَالَ إِنْزِعُوا بَنِي عَبْدِ الْمُطَّلِبِ فَلَوْلَا أَنْ يَبْلُغَكُمْ النَّاسُ عَلَى مِثْقَا يَوْمِكُمْ لَنَزَعْتُ مَعَكُمْ لَنَاوِلُوهُ ذُلُّوا لَشَرِبَ مِنْهُ. (رواہ مسلم)

ترجمہ: پھر (جب آپ ظہر و عصر کی نماز ایک ساتھ بلا فصل پڑھ چکے تو اپنی ناقہ پر سوار ہو کر آپ میدان عرفات میں خاص وقت کی جگہ پر تشریف لائے اور اپنی ناقہ قصواء کا رخ آپ نے اس طرف کر دیا جہر پھر کی بڑی بڑی چٹانیں ہیں اور پیدل جمع آپ نے اپنے سامنے کر لیا اور آپ قبلہ رو ہو گئے اور وہیں کھڑے رہے یہاں تک کہ غروب آفتاب کا وقت آگیا، اور (شام کے آخری وقت میں فصا جو زرد ہوتی ہے وہ) زردی بھی ختم ہو گئی، اور آفتاب بالکل ڈوب گیا، تو آپ (عرفات سے مزدلفہ کے لئے) روانہ ہوئے، اور اسامہ بن زید کو آپ نے اپنی ناقہ پر اپنے پیچھے سوار کر لیا تھا یہاں تک کہ آپ مزدلفہ آگئے (جو عرفات سے قریب تین میل ہے) یہاں پہنچ کر آپ نے مغرب اور عشاء کی نمازیں ایک ساتھ پڑھیں، ایک اذان اور دو اقامتوں کے ساتھ (یعنی اذان ایک ہی دفعہ کہی گئی اور اقامت مغرب کے لئے الگ کہی گئی اور عشاء کے لئے الگ کہی گئی) اور ان دونوں نمازوں کے درمیان بھی آپ نے سنت یا نفل کی رکعتیں بالکل نہیں پڑھیں، اس کے بعد آپ لیٹ گئے، اور لیٹے رہے، یہاں تک کہ صبح صادق ہو گئی اور فجر کا وقت آگیا، تو آپ نے صبح صادق کے ظاہر ہوتے ہی اذان اور اقامت کے ساتھ نماز فجر ادا کی، اس کے بعد آپ مشعر حرام کے پاس آئے (راج قول کے مطابق یہ ایک بلند نیلہ سا تھا مزدلفہ کے حدود میں، اب بھی یہی صورت ہے اور وہاں نشانی کے طور پر ایک عمارت بنادی گئی ہے) یہاں آکر آپ قبلہ رو کھڑے ہوئے اور دعا اور اللہ کی تکبیر و تہلیل اور توحید و تمجید میں مشغول رہے، یہاں تک کہ خوب اجالا ہو گیا۔ پھر طلوع آفتاب سے ذرا پہلے آپ وہاں سے منیٰ کے لئے روانہ ہو گئے اور اس وقت آپ نے اپنی ناقہ کے پیچھے فضل بن عباس کو سوار کر لیا اور چل دیئے، یہاں تک کہ جب وادی محسر کے درمیان پہنچے تو آپ نے اونٹنی کی رفتار کچھ تیز کر دی، پھر اس سے نکل کر اس درمیان والے راستے سے چلے جو بڑے جمرہ پر پہنچتا ہے، پھر اس جمرہ کے پاس پہنچ کر جو درخت کے پاس ہے آپ نے اس پر رمی کی، سات سنگ ریزے اس پر پھینک کر مارے جن میں سے ہر ایک کے ساتھ آپ تکبیر کہتے تھے، یہ سنگ ریزے "تذات" کے سنگ ریزوں کی طرح کے تھے (یعنی چھوٹے چھوٹے تھے جیسے کہ انگلیوں میں رکھ کر پھینکے جاتے ہیں جو قریباً پچھنے اور مڑ کے دانے کے برابر ہوتے ہیں) آپ نے جمرہ پر یہ سنگ ریزے (جمرہ کے قریب والی) نشیبی جگہ سے پھینک کر مارے، اور اس رمی سے فارغ ہو کر قربان گاہ کی طرف تشریف لے گئے، وہاں آپ نے تریسٹھ (۶۳) اونٹوں کی قربانی اپنے ہاتھ سے کی، پھر جو باقی رہے وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حوالہ فرما دیئے۔ ان سب کی قربانی انہوں نے کی اور آپ ﷺ نے ان کو اپنی قربانی میں شریک فرمایا۔ پھر آپ ﷺ نے حکم دیا کہ قربانی کے براؤنٹ میں سے گوشت کا ایک پارچہ لے

لیا جائے، یہ سارے پارچے ایک دیک میں ڈال کر پکائے گئے تو رسول اللہ ﷺ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ دونوں نے اس میں سے گوشت کھایا اور شور بایا۔ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ اپنی ناقہ پر سوار ہو کر طواف زیارت کے لئے بیت اللہ کی طرف چل دیئے اور ظہر کی نماز آپ نے مکہ میں جاکر پڑھی، نماز سے فارغ ہو کر (اپنے اہل خاندان) بنی عبدالمطلب کے پاس آئے جو زمزم سے پانی کھینچ کھینچ کر لوگوں کو پلا رہے تھے تو آپ ﷺ نے ان سے فرمایا کہ: اگر یہ خطر نہ ہو تا کہ دوسرے لوگ غالب آکر تم سے یہ خدمت چھین لیں گے تو میں بھی تمہارے ساتھ ڈول کھینچتا۔ ان لوگوں نے آپ کو بھر کے ایک ڈول زمزم کا دیا تو آپ نے اس میں سے نوش فرمایا۔ (صحیح مسلم)

تشریح..... حج کے سلسلہ کا سب سے بڑا عمل اور رکن اعظم، "وقوف منی" ہے یعنی ۹ ذی الحجہ کو بعد زوال ظہر و عصر کی نماز پڑھ کر میدان عرفات میں اللہ کے حضور میں کھڑے ہونا۔ اس حدیث سے معلوم ہو گیا کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ وقوف کتنا طویل فرمایا تھا..... ظہر و عصر کی نماز آپ نے ظہر کے شروع وقت ہی میں پڑھ لی تھی اور اس وقت سے لے کر غروب آفتاب تک آپ نے وقوف فرمایا اور اس کے بعد سیدھے مزدلفہ چل دیئے اور مغرب و عشاء آپ نے وہاں پہنچ کر ایک ساتھ ادا فرمائیں اور جیسا کہ گزر چکا کیسی اس دن کے لئے اللہ تعالیٰ کا حکم ہے۔

مزدلفہ کی اس رات میں آپ ﷺ نے عشاء سے فارغ ہو کر فجر تک آرام فرمایا، اور اس رات تہجد یکسر ناغہ کیا، دو رکعتیں بھی نہیں پڑھیں (حالانکہ تہجد آپ سفر میں بھی ناغہ نہیں کرتے تھے) اس کی وجہ غالباً یہ تھی کہ نويس کے پورے دن آپ سخت مشغول رہے تھے۔ صبح کو منی سے چل کر عرفات پہنچے، جہاں پہلے خطبہ دیا، پھر ظہر و عصر کی نماز پڑھی اور اس کے بعد سے مغرب تک مسلسل وقوف فرمایا، پھر اسی وقت عرفات سے مزدلفہ تک کی مسافت طے کی، ویا فجر سے لے کر عشاء تک مسلسل حرکت اور مشقت، اور اگلے دن ۱۰ ذی الحجہ کو بھی اسی طرح مشغول رہنا تھا، یعنی صبح کو مزدلفہ سے چل کر منی پہنچنا، وہاں جاکر پہلے رمی کرنا، اس کے بعد صرف ایک یاد دہانی میں نہیں بلکہ ساتھ سے بھی اوپر اونٹوں کی قربانی اپنے ہاتھ سے کرنا، اس کے بعد طواف زیارت کے لئے منی سے مکہ جانا اور وہاں سے پھر منی واپس آنا۔ بہر حال نويس اور دسویں ذی الحجہ کا پروگرام چونکہ اس قدر بھرا ہوا اور پر مشقت تھا، اس لئے ان دونوں کی مزدلفہ والی درمیانی رات میں پوری طرح آرام فرمانا ضروری تھا۔ جسم اور جسمانی قوتوں کے لئے بھی کچھ حقوق ہیں اور ان کی رعایت خاص کر ایسے مجموعوں میں ضروری ہے، تاکہ سہولت اور رعایت کا پہلو بھی عوام کے علم میں آئے اور وہ شریعت کے صحیح اور معتدل مزاج کو سمجھ سکیں۔ واللہ اعلم۔

اس حدیث میں صراحتہ مذکور ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے تریسٹھ (۶۳) اونٹ اپنے ہاتھ سے قربان کئے۔ یہ غالباً وہی تریسٹھ (۶۳) اونٹ تھے جو آپ مدینہ طیبہ سے اپنے ساتھ قربانی کے لئے لائے تھے، باقی سینتیس اونٹ جو حضرت علی رضی اللہ عنہ یمن سے لائے تھے وہ آپ نے انہی کے ہاتھ سے قربان کرائے، تریسٹھ کے عدد کی یہ حکمت بالکل کھلی ہوئی ہے کہ آپ کی عمر تریسٹھ سال تھی، گویا زندگی کے ہر سال کے شکر

میں آپ نے ایک اونٹ قربان کیا۔ واللہ اعلم۔
 آپ نے اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے اپنی قربانی کے اونٹوں کا گوشت پکوا کے کھایا، اور شور پایا، اس سے یہ بات سب کو معلوم ہو گئی کہ قربانی کرنے والا اپنی قربانی کا گوشت خود بھی کھا سکتا ہے اور اپنے اعزہ کو بھی کھلا سکتا ہے۔

۱۰۔ اذی الحجہ کو قربانی سے فارغ ہونے کے بعد آپ طواف زیارت کے لئے مکہ معظمہ تشریف لے گئے۔ مسنون اور بہتر یہی ہے کہ طواف زیارت، قربانی سے فارغ ہونے کے بعد ۱۰ اذی الحجہ ہی کو کر لیا جائے، اگرچہ تاخیر کی بھی اس میں ممانعت ہے۔

زمزم کا پانی کھینچ کھینچ کر حجاج کو پلانا یہ خدمت اور سعادت زمانہ قدیم سے آپ کے گھرانے بنی عبدالمطلب ہی کے حصے میں تھی۔ رسول اللہ طواف زیارت سے فارغ ہونے کے بعد زمزم پر تشریف لائے، وہاں آپ کے اہل خاندان ذول کھنچ کھنچ کر لوگوں کو اس کا پانی پارہے تھے۔ آپ کا بھی جی چاہا کہ اس خدمت میں کچھ حصہ لیں، لیکن آپ نے بالکل صحیح سوچا کہ جب آپ ایسا کریں گے تو آپ کے اتباع اور تقلید میں آپ کے سارے رفقاء، بھی اس سعادت میں حصہ لینا چاہیں گے، اور پھر بنی عبدالمطلب جن کا یہ قدیمی حق ہے وہ محروم ہو جائیں گے، اس لئے آپ نے اپنے اہل خاندان کی دلداری اور اظہار تعلق کے لئے اپنی دلی خواہش کا اظہار تو فرمادیا، مگر ساتھ ہی وہ مصلحت بھی بیان فرمادی جس کی وجہ سے آپ نے اپنی اس دلی خواہش کے قربان کر دینے کا فیصلہ کیا تھا۔

جیسا کہ شروع میں ذکر کیا گیا تھا، حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث تجہ الوداع کے بیان میں سب سے طویل اور مفصل حدیث ہے، لیکن پھر بھی بہت سے واقعات کا ذکر اس میں چھوٹ گیا ہے، یہاں تک کہ حلق اور دسویں تاریخ کے خطبہ کا بھی اس میں ذکر نہیں آیا ہے جو دوسری حدیثوں میں مذکور ہے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی اس حدیث کے بعض راویوں نے اسی حدیث میں یہ اضافہ بھی نقل کیا ہے کہ رسول اللہ نے یہ بھی اعلان فرمایا کہ:

نَعَرْتُ هُنَا وَمِنِي مَخْلُهَا مَنَعَرُوا لَانَعَرُوا لِي رَحَالِكُمْ وَوَلَفْتُ هُنَا وَعَرَلَةُ مَخْلُهَا مَوَلَفْتُ وَوَلَفْتُ هُنَا وَجَمَعَ مَخْلُهَا مَوَلَفْتُ. (رواہ مسلم)

میں نے قربانی اس جگہ کی ہے لیکن منی کا سارا علاقہ قربانی کی جگہ ہے اس لئے تم سب لوگ اپنی اپنی جگہ قربانی کر سکتے ہو، اور میں نے عرفات میں وقوف یہاں (پھر کی بڑی بڑی چٹانوں کے قریب کیا ہے) اور سارا عرفات وقوف کی جگہ ہے (اس کے جس حصہ میں بھی وقوف کیا جائے صحیح ہے) اور میں نے مزدلفہ میں یہاں (مشرع حرام کے قریب) قیام کیا اور سارا مزدلفہ موقوف ہے (اس کے جس حصے میں بھی اس رات میں قیام کیا جائے صحیح ہے)۔

(۱۶۵) عَنْ جَابِرٍ قَالَ نَحَرَ النَّبِيُّ ﷺ عَنْ بَسَائِهِ بِقَرَّةٍ لِي حَبِيبِهِ . (رواہ مسلم)

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے حج میں اپنی ازواج مطہرات کی طرف سے کانٹے کی قربانی فرمائی۔ (آئین احمد)

(۱۶۶) عَنْ عَلِيٍّ قَالَ أَمَرَنِي رَسُولُ اللَّهِ ﷺ أَنْ أَلْزِمَ عَلَى بُذْبُذِهِ وَأَنْ أَتَصَلِّقَ بِلَحْمِهَا وَجُلُودِهَا وَأَجْلِيئَهَا وَأَنْ لَا أُعْطِيَ الْجُزْأَ رَمْنَهَا قَالَ لَنْحْنُ نُعْطِيهِ مِنْ عِنْدِنَا . (رواہ البخاری و مسلم)

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے حکم دیا کہ آپ کی قربانیوں کا انتظام و انصرام کروں اور ان کا گوشت اور کھالیں اور جھولیں صدقہ کر دوں اور قصاب کو (بطور اجرت اور حق الملحمت کے) ان میں سے کوئی چیز نہ دوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ہم ان کو اجرت الگ اپنے پاس سے دیں گے۔ (آئین احمد)

(۱۶۷) عَنْ أَنَسٍ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ أَتَى مِنْى فَاتَى الْجُمُرَةَ فَرَمَاهَا ثُمَّ أَتَى مَنْزِلَةَ بَيْمَنِي وَنَحَرْتُسْكُهُ ثُمَّ دَعَا بِالْحَلَاقِ وَنَازَلَ الْحَلَاقِ جِلْفَهُ الْأَيْمَنَ لِحَلْقِهِ ثُمَّ دَعَا أَبَا طَلْحَةَ الْأَنْصَارِيَّ فَأَعْطَاهُ إِيَّاهُ ثُمَّ نَازَلَ الشِّقِّ الْأَيْسَرَ فَقَالَ إِيْحِلْقْ لِحَلْقَهُ فَأَعْطَاهُ أَبَا طَلْحَةَ فَقَالَ إِيْحِلْقْهُ بَيْنَ النَّاسِ -

(رواہ البخاری و مسلم)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ (۱۰ ذی الحجہ کو صبح مزدلفہ سے) منیٰ تشریف لائے تو پہلے جمرہ العقیقہ پر پہنچ کر اس کی رمی کی۔ پھر آپ اپنے خیمہ پر تشریف لائے اور قربانی کے جانوروں کی قربانی کی، پھر آپ نے حجام کو طلب فرمایا اور پہلے اپنے سر مبارک کی داہنی جانب اس کے سامنے کی، اس نے اس جانب کے بال مونڈے۔ آپ ﷺ نے ابو طلحہ انصاری کو طلب فرمایا اور وہ بال ان کے حوالے کر دیئے، اس کے بعد آپ ﷺ نے اپنے سر کی بائیں جانب حجام کے سامنے کی اور فرمایا کہ اب اس کو بھی مونڈو، اس نے اس جانب کو بھی مونڈ دیا، تو آپ ﷺ نے وہ بال بھی ابو طلحہ ہی کے حوالے فرمادیئے اور ارشاد فرمایا کہ ان بالوں کو لوگوں کے درمیان تقسیم کر دو۔ (آئین احمد)

تشریح..... حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی مندرجہ بالا مفصل حدیث رسول اللہ ﷺ کے سر منڈوانے کا یہ واقعہ ذکر سے جھوٹ گیا ہے، حالانکہ یہ حج کے سلسلے کے دسویں ذی الحجہ کے خاص اعمال اور مناسک میں سے ہے۔

جیسا کہ اس حدیث سے معلوم ہوا، حلق (سر منڈوانے) کا صحیح طریقہ یہی ہے کہ پہلے داہنی جانب کے بال صاف کرانے جائیں اور پھر بائیں جانب کے۔

رسول اللہ ﷺ نے اس موقع پر اپنے بال ابو طلحہ انصاری رضی اللہ عنہ کو عطا فرمائے۔ یہ ابو طلحہ آپ کے خاص کھیمین اور فدائیوں میں سے تھے۔ غزوہ احد میں حضور ﷺ کو کافروں کے حملے سے بچانے کے لئے انہوں نے اپنا جسم تیروں سے چھلنی کر لیا تھا، اس کے علاوہ بھی رسول اللہ ﷺ کے راحت و آرام اور آپ کے بال

آنے والے مہمانوں کا بھی یہ بڑا خیال رکھتے تھے۔ الغرض اس قسم کی خدمتوں میں ان کا اور ان کی بیوی ام سلیم (والدہ انس رضی اللہ عنہ) کا ایک خاص مقام تھا۔ غالباً ان کی انہی خصوصی خدمات کی وجہ سے آپ نے سیر مبارک کے بال ان کو مرحمت فرمائے اور دوسروں کو بھی انہی کے ہاتھوں تقسیم کرائے۔ یہ حدیث اہل اور صالحین کے تبرکات کے لئے بھی واضح اصل اور بنیاد ہے۔ بہت سے مقامات پر رسول اللہ ﷺ کے جو ”موتے مبارک“ بتائے جاتے ہیں ان میں سے جن کے بارے میں قابل اعتماد تاریخی ثبوت اور سند موجود ہے، غالب گمان یہ ہے کہ وہ حجۃ الوداع کے تقسیم کئے ہوئے انہی بالوں میں سے ہوں گے۔ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو ایک ایک دو دو بال تقسیم کئے تھے، اس طرح ظاہر ہے کہ وہ ہزاروں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے پاس پہنچے اور یہ بھی ظاہر ہے کہ ان میں سے ہر ایک نے، اور ان کے انتقال کے بعد ان کے خلفاء نے اس مقدس تبرک کی حفاظت کا کافی اہتمام کیا ہوگا، اس لئے ان میں سے بہت سے اگر اب تک بھی کہیں کہیں محفوظ ہوں تو کوئی تعجب کی بات نہیں۔ لیکن قابل اعتماد تاریخی ثبوت اور سند کے بغیر کسی بال کو رسول اللہ ﷺ کا ”موتے مبارک“ قرار دینا بڑی سنگین بات اور گناہ عظیم ہے، اور بہر حال (اصلی ہو یا فرضی) اس کو اور اس کی زیارت کو ذریعہ تجارت بنانا جیسا کہ بہت سی جگہوں پر ہوتا ہے بدترین جرم ہے۔

(۱۶۸) عَنْ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ فِي حَجَّةِ الْوِدَاعِ اَللّٰهُمَّ ارْحَمْ الْمُحَلِّقِينَ قَالُوا وَ الْمُقَصِّرِينَ يَا رَسُولَ اللَّهِ قَالَ اَللّٰهُمَّ ارْحَمْ الْمُحَلِّقِينَ قَالُوا وَ الْمُقَصِّرِينَ (رواه البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حجۃ الوداع میں فرمایا: ”اللہ کی رحمت ہو ان پر جنہوں نے یہاں اپنا سر منڈوایا۔“ حاضرین میں سے بعض نے عرض کیا: یا رسول اللہ! رحمت کی یہی دعا بال ترشوانے والوں کے لئے بھی فرما دیجئے۔ آپ ﷺ نے دوبارہ ارشاد فرمایا کہ: ”اللہ کی رحمت ہو سر منڈوانے والوں پر۔“ ان لوگوں نے پھر وہی عرض کیا، تو تیسری دفعہ آپ نے فرمایا کہ: ”اور ان لوگوں پر بھی اللہ کی رحمت ہو جنہوں نے یہاں بال ترشوائے۔“ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

ترجمہ: عادت یا ضرورت کے طور پر بال منڈوانا یا ترشوانا کوئی عبادت نہیں ہے، لیکن حج و عمرہ میں جو بال منڈوانے یا ترشوائے جاتے ہیں یہ بندہ کی طرف سے عبدیت اور تذلل کا ایک اظہار ہے اس لئے خاص عبادت ہے، اور اسی نیت سے منڈوانا یا ترشوانا چاہئے اور چونکہ عبدیت اور تذلل کا اظہار سر منڈوانے میں زیادہ ہوتا ہے اس لئے وہی افضل ہے، اور اسی واسطے رسول اللہ ﷺ نے دعائے رحمت میں اس کو ترجیح دی۔ واللہ اعلم۔

(۱۶۹) عَنْ نَبِيِّ بُكْرَةَ قَالَ خَطَبَنَا النَّبِيُّ ﷺ يَوْمَ النَّخْرِ قَالَ اِنَّ الزَّمَانَ اِسْتَدَارَ كَهَيْئَةِ يَوْمٍ خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ السَّنَةَ اِنْتِى عَشْرَ خَهْرًا مِنْهَا اَرْبَعَةٌ حُرْمٌ لِّكَ ثَلَاثُ مَتَوَالِيَّاتٍ دُو الْقَعْدَةِ

تشریح..... اس خطبہ نبوی ﷺ کے ابتدائی حصے میں زمانہ کے گھوم پھر کے اپنے اصلی ابتدائی ہیئت پر آجانے کا جو ذکر ہے اس کا مطلب سمجھنے کے لئے یہ جاننا ضروری ہے کہ جاہلیت میں اہل عرب کا ایک گہرا باندہ دستور اور طریقہ یہ بھی تھا کہ وہ اپنی خاص مصلحتوں کے تحت کبھی کبھی سال تیر و مہینے کا قرار دے دیتے تھے اور اس کے لئے ایک مہینہ کو مکرمان لیتے تھے۔ اس کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ مہینوں کا سارا انتظام غلط اور حقیقت کے خلاف تھا، اس لئے حج جو ان کے حساب سے ذی الحجہ میں ہوتا تھا دراصل ذی الحجہ میں نہیں ہوتا بلکہ جاہلیت کے پچاسوں اور سیتکڑوں برس کے چکر کے بعد ایسا ہوا کہ ان اہل عرب کے حساب سے مثلاً جو محرم کا مہینہ تھا وہی اصل آسمانی حساب سے بھی محرم کا مہینہ تھا، اسی طرح جو اہل عرب کے حساب سے ذی الحجہ کا مہینہ تھا وہی اصل آسمانی حساب سے ذی الحجہ کا مہینہ تھا۔

رسول اللہ ﷺ نے خطبہ کے ابتدائی حصے میں یہی بات فرمائی ہے، اور یہ بتلایا ہے کہ یہ ذی الحجہ جس میں یہ حج ادا ہو رہا ہے اصل آسمانی حساب سے بھی ذی الحجہ ہی ہے اور سال بارہ ہی مہینہ کا ہوتا ہے، اور آئندہ صرف یہی اصلی اور حقیقی نظام چلے گا۔

خطبہ کے آخر میں آپ ﷺ نے خاص وصیت و ہدایت امت کو یہ فرمائی کہ میرے بعد باہم جدال و قتال اور خانہ جنگی میں مبتلا نہ ہو جانا، اگر ایسا ہوا تو یہ انتہائی گمراہی کی بات ہوگی۔۔۔۔۔ اسی خطبے کی بعض روایات میں "تسليم" کے بجائے "خارج" کا لفظ آیا ہے، جس کا مطلب یہ ہو گا کہ باہم جدال و قتال اور خانہ جنگی اسلام کے مقاصد اور اس کی روح کے بالکل خلاف کافرانہ رویہ ہو گا، اور اگر امت اس میں مبتلا ہوئی تو اس کا مطلب یہ ہو گا کہ اس نے اسلامی رویہ کے بجائے کافرانہ طرز عمل اختیار کر لیا۔

امت کو یہ آگاہی آپ نے بہت سے اہم خطبوں میں دی تھی اور غالباً اس کی وجہ یہ تھی کہ آپ پر کسی درجہ پر مشکف ہو چکا تھا کہ شیطان اس امت کے مختلف طبقوں کو باہم لڑانے اور بھڑکانے میں بہت کامیاب ہو گا..... وکان ذالک قدراً مقذوہاً۔

حج کے اہم افعال و ارکان

حجۃ الوداع کے سلسلہ میں حج کے قریب ہمارے ہی اعمال و مناسک کا ذکر و اتعہ کی شکل میں آچکا ہے، اب

اگ الگ اس کے اہم افعال وارکان کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کی ہدایات اور آپ کا طرز عمل معلوم کرنے کے لئے مندرجہ ذیل حدیثیں پڑھئے۔

مکہ میں داخلہ اور پہلا طواف

مکہ معظمہ کو اللہ تعالیٰ نے کعبہ مکرمہ کی نسبت سے جو خاص شرف بخشا ہے اور اس کی بلد اللہ الحرام اور مرکز حج قرار دیا ہے اس کا لازمی تقاضا ہے کہ اس میں داخلہ اہتمام اور احترام کے ساتھ ہو، اور اس کے بعد کعبہ مقدسہ کا حق ہے کہ سب سے پہلے اس کا طواف کیا جائے اور پھر اسی کعبہ کے ایک گوشہ میں جو ایک خاص مبارک پتھر (حجر اسود) لگا ہوا ہے (جس کو اللہ تعالیٰ سے اور جنت سے خاص نسبت ہے) اس کا حق ہے کہ طواف کا آغاز وہاں اور محبت کے ساتھ اس کے اسلام سے کیا جائے۔ رسول اللہ ﷺ کا یہی معمول تھا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ سے یہی سکھایا تھا۔

۱۷۰. عَنْ نَافِعٍ قَالَ إِنَّ ابْنَ عُمَرَ كَانَ لَا يَقْدِمُ مَكَّةَ إِلَّا بَاتَ بِبَيْتِ طُؤَى حَتَّى يُضْبِحَ وَيُفْصِلَ وَيُصَلِّيَ لِيَدْخُلَ مَكَّةَ نَهَارًا وَإِذَا نَفَرْنَا مِنْهَا مَرَّ بِبَيْتِ طُؤَى وَبَاتَ بِهَا حَتَّى يُضْبِحَ وَيَذْكُرَ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يَفْعَلُ ذَلِكَ - (رواہ البخاری و مسلم)

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے خادم نافع سے روایت ہے کہ: عبد اللہ بن عمر جب بھی مکہ آتے تو اس میں داخلہ سے پہلے رات ذی طوی میں گزارتے (جو مکہ کے قریب ایک بستی تھی) یہاں تک کہ صبح ہونے پر غسل کرتے اور نماز پڑھتے، اور اس کے بعد دن کے وقت میں مکہ معظمہ میں داخل ہوتے، اور جب مکہ معظمہ سے واپس لوٹتے تو بھی ذی طوی میں رات گزار کر صبح کو وہاں سے روانہ ہوتے، اور عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بتاتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا دستور بھی یہی تھا۔ (صحیح بخاری، صحیح مسلم)

۱۷۱. عَنْ جَابِرٍ قَالَ إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ لَمَّا قَدِمَ مَكَّةَ أَتَى الْحَجَرَ فَاسْتَلَمَهُ ثُمَّ مَشَى عَلَى بَيْتِهِ فَوَمَلَّ لَفًا وَمَشَى أَرْبَعًا..... (رواہ مسلم)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ مکہ پہنچے تو سب سے پہلے حجر اسود پر آئے اور اس کا استلام کیا، پھر آپ نے دائیں طرف طواف کیا، جس میں پہلے تین چکروں میں آپ نے رمل کیا، اور اس کے بعد چار چکروں میں آپ اپنی عادی رفتار سے چلے۔ (صحیح مسلم)

تذکرہ..... ہر طواف حجر اسود کے استلام سے شروع ہوتا ہے، استلام کا مطلب ہے حجر اسود کو چومنا یا اس پر اپنا ہاتھ رکھ کر یا ہاتھ اس کی طرف کر کے اپنے اس ہاتھ ہی کو چوم لینا۔ پس یہ استلام کر کے طواف شروع کیا جاتا ہے، اور ہر طواف میں خانہ کعبہ کے سات چکر لگائے جاتے ہیں۔

رمل ایک خاص انداز کی چال کو کہتے ہیں جس میں طاقت و قوت کا اظہار ہوتا ہے۔ روایات میں ہے کہ کعبہ میں جب رسول اللہ ﷺ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک بڑی جماعت کے ساتھ عمرہ کے لئے مکہ

معظمہ پہنچے تو وہاں کے لوگوں نے آپس میں کہا کہ یثرب یعنی مدینہ کی آب و ہوا کی خرابی اور بخار و غیرہ وہاں کی بیماریوں نے ان لوگوں کو کمزور اور دبلا پتلا کر دیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کو جب یہ بات پہنچی تو آپ نے حکم دیا کہ طواف کے پہلے تین چکروں میں رمل کی چال چلی جائے، اور اس طرح طاقت و قوت کا مظاہرہ کیا جائے، چنانچہ اسی پر عمل کیا گیا..... لیکن اللہ تعالیٰ کو اس وقت کی یہ اوالیسی پسند آئی کہ اس کو مستقل سنت قرار دے دیا گیا۔ اب یہی طریقہ جاری ہے کہ حج یا عمرہ کرنے والا جو پہلا طواف کرتا ہے جس کے بعد اس کو صفا، مردہ کے درمیان سعی بھی کرنی ہوتی ہے۔ اس کے پہلے تین چکروں میں رمل کیا جاتا ہے، اور باقی چار چکر اپنی عادی رفتار سے کئے جاتے ہیں۔

(۱۷۲) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ أَقْبَلَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ لَدَخَلَ مَكَّةَ فَأَقْبَلَ إِلَى الْحَجَرِ فَاسْتَلَمَهُ ثُمَّ طَافَ بِالْبَيْتِ ثُمَّ أَتَى الصَّفَا فَعَلَاةٌ حَتَّى يَنْظُرَ إِلَى الْبَيْتِ لَوْعَ يَدِيهِ لَجَعَلَ يَذْكُرُ اللَّهُ مَا ضَاءَ وَيَذْكُرُ. (رواه ابو داؤد)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ تشریف لائے تو مکہ میں داخل ہونے کے بعد سب سے پہلے حجر اسود کے قریب پہنچ کر آپ نے اس کا استلام کیا، پھر آپ ﷺ نے طواف کیا، پھر صفا پہاڑی پر آئے اور اس کے اتنے اوپر چڑھ گئے کہ بیت اللہ نظر آنے لگا، پھر آپ ﷺ نے ہاتھ اٹھائے (جس طرح دعا میں اٹھائے جاتے ہیں) اور پھر جتنی دیر تک آپ نے چاہا آپ اللہ کے ذکر و دعا میں مشغول رہے۔ (مشن ابی داؤد)

(۱۷۳) عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ طَافَ النَّبِيُّ ﷺ فِي حَجَّةِ الْوَدَاعِ عَلَى بَعِيرٍ يَسْتَلِمُ الرُّكْنَ بِمِخْمَلَيْنِ.

(رواه البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حجۃ الوداع میں رسول اللہ ﷺ نے اونٹ پر سوار ہو کر بیت اللہ کا طواف کیا۔ آپ ﷺ کے ہاتھ میں ایک خمدار چھڑی تھی اسی سے آپ حجر اسود کا استلام کرتے تھے۔ (صحیح بخاری، صحیح مسلم)

تشریح..... اوپر صحیح مسلم کے حوالہ سے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی جو روایت نقل کی گئی ہے اس میں رسول اللہ ﷺ کے طواف کے بارے میں یہ صریح الفاظ ہیں: ثُمَّ مَشَى عَلَى بَسْمَةِ فَرَسٍ ثَلَاثًا وَمَشَى أَرْبَعًا. آپ حجر اسود کا استلام کرنے کے بعد دابہ کی جانب کو چلے (اور طواف شروع کیا۔ پھر تین چکروں میں تو آپ نے رمل کیا اور چار چکر آپ نے اپنی عادی رفتار سے لگائے) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے طواف اپنے پاؤں پر چل کر کیا تھا۔ اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی اس روایت میں اونٹ پر سوار ہو کر طواف کا تذکرہ ہے۔ لیکن ان دونوں بیانات میں کوئی تضاد نہیں ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے حجۃ الوداع میں مکہ معظمہ پہنچنے کے بعد پہلا طواف پیادہ چا کیا تھا۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے اسی کا ذکر کیا ہے، اور اس کے بعد دوسری ذی الحجہ

کو مٹی سے مکہ آکر جو طواف کیا تھا وہ اونٹ پر کیا تھا، تاکہ سوالات کرنے والے آپ سے سوالات کر سکیں، گویا آپ کی اونٹنی اس وقت آپ کیلئے منبر بنی ہوئی تھی، اور غالباً اپنے عمل سے اس کا اظہار بھی مقصود تھا کہ خاص حالات میں سواری پر بھی طواف کیا جاسکتا ہے۔ واللہ اعلم۔

(۱۷۴) عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ فَالْتِ فَكَوْثُ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ أَتَى أَفْعَكِي فَقَالَ طَوَّفْنِي مِنْ وَرَاءِ النَّاسِ رَاكِبَةً فَطَفَفْتُ وَرَسُولُ اللَّهِ ﷺ يُصَلِّي إِلَى جَنْبِ النَّبِيتِ بِقِرَاءَةِ الطَّوْفِ وَكِتَابِ مَسْكُورٍ.

(رواہ البخاری و مسلم)

... حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ (حجۃ الوداع میں) میں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا: مجھے بیماری کی تکلیف ہے (میں طواف کیسے کروں؟) آپ نے فرمایا کہ: تم سواری ہو کر لوگوں کے پیچھے پیچھے طواف کرو، تو میں نے اسی طرح طواف کیا، اور اس وقت رسول اللہ ﷺ بیت اللہ کے پہلو میں کھڑے نماز پڑھ رہے تھے، اور اس میں سورۃ طور تلاوت فرما رہے تھے۔ (صحیح بخاری، صحیح مسلم)

(۱۷۵) عَنْ عَائِشَةَ فَالْتِ خَرَجْنَا مَعَ النَّبِيِّ ﷺ لَا نَذْكُرُ إِلَّا الْحَجَّ فَلَمَّا كُنَّا بِسَرَفٍ طَلَعَتْ لَدَخْلُ النَّبِيِّ ﷺ وَأَنَا أَتْبَعِي فَقَالَ لَطَلِكْ لَيْسَتْ لَكَ نَعَمَ لَالٍ لِأَنَّ ذَالِكَ خِصْنِي حَبَّكَ اللَّهُ عَلَى بَنَاتِ آدَمَ لَأَفْعَلِي مَا يَفْعَلُ الْحَاجُّ غَيْرَ أَنْ لَا تَطُوفِي بِالنَّبِيتِ حَتَّى تَطْهُرِي.

(رواہ البخاری و مسلم)

... حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ہم لوگ (حجۃ الوداع والے سفر میں) رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مدینہ سے چلے۔ ہماری زبانوں پر بس حج ہی کا ذکر تھا، یہاں تک کہ جب (مکہ کے بالکل قریب) مقام سرف پر پہنچے (جہاں سے مکہ صرف ایک منزل رہ جاتا ہے) تو میرے وہ دن شروع ہو گئے جو عورتوں کو ہر مہینے آتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ (خیمہ) میں تشریف لائے تو آپ نے دیکھا کہ میں بیٹھی رو رہی ہوں۔ آپ نے فرمایا: شاید تمہارے ماہِ ہجری ایام شروع ہو گئے ہیں؟ میں نے عرض کیا کہ: ہاں! یہی بات ہے۔ آپ نے فرمایا: (رونے کی کیا بات ہے) یہ تو ایسی چیز ہے جو اللہ نے آدم کی بیٹیوں (یعنی سب عورتوں) کے ساتھ لازم کر دی ہے، تم وہ سارے عمل کرتی رہو جو حاجیوں کو کرنے ہوتے ہیں سوائے اس کے کہ بیت اللہ کا طواف اس وقت تک نہ کرو جب تک اس سے پاک صاف نہ ہو جاؤ۔ (صحیح بخاری، صحیح مسلم)

(۱۷۶) عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ الطَّوْفُ حَوْلَ النَّبِيتِ مِفْلُ الصَّلَاةِ إِلَّا أَنْتُمْ تَعْمَلُونَ فِيهِ لَمَنْ تَكَلَّمْ فِيهِ فَلَا يَكْفُلُكُمْ إِلَّا بِغَيْرِ.

(رواہ الترمذی و النسائی و الدارمی)

... حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: بیت اللہ کا طواف نماز کی طرح کی عبادت ہے، بس یہ فرق ہے کہ طواف میں تم کو باتیں کرنے کی اجازت ہے، تو جو کوئی

طواف کی حالت میں کسی سے بات کرے تو نیکی اور بھلائی ہی کی بات کرے (لغو فضول یا ناجائز باتوں سے طواف کو مکدر نہ کرے)۔ (جامع ترمذی، سنن ابن ماجہ، سنن ابی داؤد)

(۱۷۷) عَنْ ابْنِ عُمَرَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ إِنَّ مَسْحَهُمَا (الْحَجَرِ الْأَسْوَدَ وَالرَّكْنَ الْيَمَانِي) كُفَّارَةٌ لِلْخَطَايَا وَسَمِعْتُهُ يَقُولُ مَنْ طَافَ بِهَذَا الْبَيْتِ أَسْبَغَ مَا خَصَّاهُ كَانَ كَعَفَى رَأْسِهِ وَسَمِعْتُهُ يَقُولُ لَا يَضَعُ قَدَمًا وَلَا يَرْفَعُ أُخْرَى إِلَّا حَطَّ اللَّهُ عَنْهُ بِهَا خَطِيئَةً وَكَتَبَ لَهُ بِهَا حَسَنَةً. (رواہ الترمذی)

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا کہ: حجر اسود اور رکن یمنی ان دونوں پر ہاتھ پھیرنا گناہوں کے کفارہ کا ذریعہ ہے۔ اور میں نے آپ ﷺ سے یہ بھی سنا، آپ ﷺ فرماتے تھے کہ: جس نے اللہ کے اس گھر کا سات بار طواف کیا اور اہتمام اور فکر کے ساتھ کیا (یعنی سنن و آداب کی رعایت کے ساتھ کیا) تو اس کا یہ عمل ایک غلام آزاد کرنے کے برابر ہو گا۔ اور میں نے آپ ﷺ سے یہ بھی سنا، آپ ﷺ فرماتے تھے کہ: بندہ طواف کرتے ہوئے جب ایک قدم رکھے گا اور دوسرا قدم اٹھائے گا تو اللہ تعالیٰ اس کے ہر قدم کے بدلہ ایک گناہ معاف کرے گا اور ایک نیکی کا ثواب اس کے لئے لکھا جائے گا۔ (جامع ترمذی)

تشریح:..... حدیث کے لفظ ”مَنْ طَافَ بِهَذَا الْبَيْتِ أَسْبَغَ مَا خَصَّاهُ“ کا ترجمہ ہم نے سات بار طواف کرنا کیا ہے۔ شارحین نے لکھا ہے کہ اس میں تین احتمال ہیں: اول طواف کے سات چکر (یہ بات پہلے ذکر کی جا چکی ہے کہ ایک طواف میں بیت اللہ کے سات چکر کئے جاتے ہیں)۔ اور دوسرا احتمال ہے پورے سات طواف جس کے انچاس چکر ہوں گے اور تیسرا احتمال ہے بلاناغہ سات دن طواف..... لیکن بظاہر پہلا مطلب راجح ہے۔ واللہ اعلم۔

حجر اسود

(۱۷۸) عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ فِي الْحَجَرِ وَاللَّهِ لَيُبْعَثَنَّ اللَّهُ يَوْمَ الْقِيَمَةِ لَهُ عَيْنَانِ يَنْصُرُ بِهِمَا وَلِسَانٌ يَنْطِقُ بِهِ يَشْهَدُ عَلَى مَنْ اسْتَلَمَهُ بِحَقِّهِ. (رواہ الترمذی و ابن ماجہ و الدارمی)

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حجر اسود کے بارے میں فرمایا: خدا کی قسم! قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کو فنی زندگی دے کر اس طرح اٹھائے گا کہ اس کی دو آنکھیں ہوں گی جن سے وہ دیکھے گا، اور زبان ہو گی جس سے وہ بولے گا، اور جن بندوں نے اس کا استلام کیا ہو گا ان کے حق میں حجتی شہادت دے گا۔ (جامع ترمذی، سنن ابن ماجہ، سنن ابی داؤد)

تشریح:..... حجر اسود دیکھنے میں پتھر کا ایک ٹکڑا ہے، لیکن اس میں ایک روحانیت ہے اور وہ ہر اس شخص کو پہچانتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی نسبت سے ادب اور محبت کے ساتھ اس کو بلا واسطہ یا بالواسطہ چومتا ہے اور اس کا استلام

کرتا ہے، قیامت میں اللہ تعالیٰ اس کو ایک دیکھنے اور بولنے والی ہستی بنا کر کھڑا کرے گا اور وہ ان بندوں کے حق میں شہادت دے گا جو اللہ کے حکم کے مطابق عاشقانہ اور نیاز مندانہ شان کے ساتھ اس کا ستام کرتے تھے۔

(۱۷۹) عَنْ عَابِسِ بْنِ رَبِيعَةَ قَالَ رَأَيْتُ عُمَرَ يَقْبَلُ الْحَجَرَ وَيَقُولُ إِنِّي لَا عَلَمَ لَكَ حَجَرٌ مَانِعٌ وَلَا تَضُرُّ وَلَوْلَا أَنِّي رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقْبَلُ مَا بَلَّتُكَ . (رواہ البخاری و مسلم)

عابس بن ربیعہ تابعی سے روایت ہے کہ میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو دیکھا وہ حجر اسود کو بوسہ دیتے تھے اور کہتے تھے میں یقین کے ساتھ جانتا ہوں کہ تو ایک پتھر ہے (تیرے اندر کوئی خدائی صفت نہیں ہے) نہ تو کسی کو نفع پہنچا سکتا ہے نہ نقصان اور اگر میں نے رسول اللہ ﷺ کو تجھے چومتے نہ دیکھا ہوتا، تو میں تجھے نہ چومتا..... (صحیح ابن ماجہ)

تشریح..... حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ بات بالاعلان اور علی رؤس الاشهاد اس لئے کہی کہ کوئی تائیدیت یافتہ یا مسلمان حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور دوسرے اکابر مسلمین کا حجر اسود کو چومنا دیکھ کر یہ نہ سمجھ بیٹھے کہ اس پتھر میں کوئی خدائی کرشمہ اور خدائی صفت اور بناؤ بگاڑ کی کوئی طاقت ہے، اور اس لئے اس کو چوما جا رہا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس ارشاد سے ایک اصولی اور بنیادی بات یہ معلوم ہوئی کہ کسی چیز کی جو تعظیم و تکریم اس نظریہ سے کی جائے کہ اللہ و رسول کا حکم ہے۔ وہ تعظیم برحق ہے، لیکن اگر کسی مخلوق کو نافع اور ضار اور بناؤ بگاڑ کا مختار یقین کر کے اس کی تعظیم کی جائے تو وہ شرک کا ایک شعبہ ہے، اور اسلام میں اس کی گنجائش نہیں۔

طواف میں ذکر اور دعا

(۱۸۰) عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ السَّائِبِ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ مَا بَيْنَ الرُّكْنَيْنِ رَيْنَا إِنَّا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةٌ وَفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةٌ وَلِنَا عَذَابُ النَّارِ . (رواہ ابو داؤد)

حضرت عبد اللہ بن السائب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو (طواف کی حالت میں) رکن یمانی اور حجر اسود کے درمیان (کی مسافت میں) یہ دعا پڑھتے ہوئے سنا: رَيْنَا إِنَّا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةٌ وَفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةٌ وَلِنَا عَذَابُ النَّارِ . (صحیح ابن ماجہ)

(۱۸۱) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ وَكَلَّ بِهِ سَبْعُونَ مَلَكًا (بَعْضُ الرُّكْنِ الْيَمَانِي) لَمَنْ قَالَ اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ الْعَفْوَ وَالْعَافِيَةَ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ رَيْنَا إِنَّا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةٌ وَفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةٌ وَلِنَا عَذَابُ النَّارِ، قَالُوا: آمِينَ . (رواہ ابن ماجہ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ رکن یمانی پر ستر فرشتے مقرر ہیں جو ہر اس بندے کی دعا پر امین کہتے ہیں جو اس کے پاس یہ دعا کرے کہ: اللّٰهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ الْعَفْوَ وَالْعَافِيَةَ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ رَيْنَا إِنَّا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةٌ وَفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةٌ وَلِنَا عَذَابُ النَّارِ۔ (اے

ازیں اللہ کے بندے جب اللہ کے حکم سے اس کے جلال و جبروت کا دھیان کرتے ہوئے اور اس کی کبریائی کا لغرو لگاتے ہوئے شیطانی خیالات و عادات اور نفسانی خواہشات و معصیات کو عالم تصور میں نشانہ بنا کر ان جہروں پر کنکریاں مارتے ہیں، اور اس طرح گمراہی اور معصیت کو سنگسار کرتے ہیں تو ان کے قلوب کی اس وقت جو کیفیت ہوتی ہے اور ان کے ایمان والے سینوں کو جو انشراح اور سرور و انبساط اس سے نصیب ہوتا ہے اس کا ذائقہ بس وہی جانتے ہیں..... بہر حال اللہ کے حکم سے اور اس کا حکم نام لے کر جہروں پر کنکریاں پھینکن بھی اہل بصیرت کی نگاہ میں ایک ایمان افروز عمل ہے۔

(۱۸۵) عَنْ عَائِشَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ إِنَّمَا جُعِلَ رَمَى الْجُمَارِ وَالسَّغْيُ بَيْنَ الصَّافَا وَالْمَرْوَةِ لِأَكَامَةِ ذِكْرِ اللَّهِ..... (رواہ الترمذی و الدارمی)

ترجمہ..... حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جرات پر کنکریاں پھینکنا اور صفا و مروہ کے درمیان سعی کرنا اور پھیرے لگانا (لہو و لعب کی باتیں نہیں ہیں، بلکہ) یہ ذکر اللہ کی گرم بازاری کے وسائل ہیں..... (جامع ترمذی، سنن، بیروتی)

(۱۸۶) عَنْ جَابِرٍ قَالَ رَمَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْجَمْرَةَ يَوْمَ النُّحْرِ ضُحًى وَأَمَّا بَعْدُ ذَلِكَ فَإِذَا زَالَتْ الشَّمْسُ..... (رواہ البخاری و مسلم)

ترجمہ..... حضرت جابر سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے دسویں ذی الحجہ کو جمرہ عقبہ کی رمی چاشت کے وقت فرمائی، اور اسکے بعد یام تشریق میں جہرات کی رمی آپ نے زوال آفتاب کے بعد کی۔ (صحیح بخاری، صحیح مسلم) تشریق..... یہی سنت ہے کہ ۱۰ ذی الحجہ کو جمرہ عقبہ کی رمی دو پہر سے پہلے کر لی جائے اور بعد کے دنوں میں زوال کے بعد۔

(۱۸۷) عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ أَنَّهُ انْتَهَى إِلَى الْجَمْرَةِ الْكُبْرَى لَجَعَلَ الْبَيْتَ عَنْ يَسَارِهِ وَمَنِ عَنْ يَمِينِهِ وَرَمَى بِسَبْعِ حَصَيَاتٍ يُكَبِّرُ مَعَ كُلِّ حَصَاةٍ ثُمَّ قَالَ هَكَذَا رَمَى الْإِدْنِ أَنْزَلْتُ عَلَيْهِ سُورَةَ الْبَقَرَةِ. (رواہ البخاری و مسلم)

ترجمہ..... حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ رمی کے لئے جمرہ کبریٰ کے پاس پہنچے، پھر اس طرح اس کی طرف رخ کر کے کھڑے ہوئے کہ بیت اللہ (یعنی مکہ) اس کے بائیں جانب تھا اور منیٰ و اہنی جانب۔ اس کے بعد انہوں نے جمرہ پر سات کنکریاں ماریں، ہر کنکری کے ساتھ اللہ اکبر کہتے تھے۔ اس کے بعد فرمایا کہ: اسی طرح رمی کی تھی اس مقدس ہستی نے جس پر سورہ بقرہ نازل ہوئی تھی (جس میں حج کے احکام اور مناسک کا بیان ہے)۔ (صحیح بخاری، صحیح مسلم)

تشریح..... حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کے رمی کرنے کے طریقے کو تفصیل سے یاد رکھا تھا، اور اسی کے مطابق عمل کر کے لوگوں کو دکھایا کہ رسول اللہ ﷺ جن پر اللہ نے حج کے احکام

ہو جاتے تھے، یہی سنت ہے۔ افسوس ہے کہ ہمارے زمانہ میں اس سنت پر عمل کرنے والے بلکہ اس کے جاننے والے بھی بہت کم ہیں۔

قربانی

قربانی کی عام فضیلت اور اس کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کی عام ہدایات ”کتاب النسبۃ“ میں عید الاضحیٰ کے بیان میں ذکر کی جاچکی ہیں، اور حجۃ الوداع میں رسول اللہ ﷺ نے خود اپنے دست مبارک سے ۶۳ اونٹوں کی، اور آپ کے حکم پر حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے ۱۳ اونٹوں کی جو قربانی کی تھی، اس کا ذکر حجۃ الوداع کے بیان میں گزر چکا ہے، یہاں قربانی کے بارے میں صرف دو تین حدیثیں اور پڑھ لی جائیں۔

(۱۹۰) عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ قُرْطُظٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ إِنَّ أَعْظَمَ الْأَيَّامِ عِنْدَ اللَّهِ يَوْمَ النُّحْرِ ثُمَّ يَوْمَ الْقَرَبِ (قَالَ قُورَ وَهُوَ الْيَوْمُ الثَّانِي) قَالَ وَلَقَرَبَ لِرَسُولِ اللَّهِ ﷺ بَدَنَاتٌ خَمْسٌ أَوْ سِتٌّ لَطِيفُنَّ يَزِدُّنَ إِلَهُ بِأَيَّتِهِنَّ يَبْدَأُ. (رواه ابو داؤد)

ترجمہ: عبد اللہ بن قرطظ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ عظمت والا دن یوم النحر (قربانی کا دن یعنی ۱۰ ذی الحجہ کا دن) ہے (یعنی یوم العرفہ کی طرح یوم النحر بھی بڑی عظمت والا دن ہے) اس کے بعد اس سے اگلا دن یوم القر (۱۱ ذی الحجہ) کا درجہ ہے (اس لئے قربانی جہاں تک ہو سکے ۱۰ ذی الحجہ کو کر لی جائے) اور کسی وجہ سے ۱۰ ذی الحجہ کو نہ کی جاسکے تو ۱۱ کو ضرور کر لی جائے۔ اس کے بعد (یعنی ۱۲ ذی الحجہ کو) اگر کی جائے تو ادا ہو جائے گی لیکن فضیلت کا کوئی درجہ ہاتھ نہ آئے گا) حدیث کے راوی عبد اللہ بن قرطظ (رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد نقل کرنے کے بعد اپنا یہ عجیب و غریب مشاہدہ) بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ پانچ یا چھ اونٹ قربانی کے لئے رسول اللہ ﷺ کے قریب لائے گئے تو ان میں سے ہر ایک آپ کے قریب ہونے کی کوشش کرتا تھا، تاکہ پہلے اسی کو آپ ذبح کریں۔ (سنن ابی داؤد)

تشہید..... اللہ تعالیٰ کو قدرت ہے کہ وہ جانوروں میں، بلکہ مٹی، پتھر جیسے جمادات میں حقائق کا شعور پیدا کر دے۔ یہ ۶، ۵، ۴ اونٹ جو قربانی کے لئے رسول اللہ ﷺ کے قریب کئے گئے تھے ان میں اللہ تعالیٰ نے اس وقت یہ شعور پیدا فرمادیا تھا کہ اللہ کی راوی میں اس کے محبوب اور برگزیدہ رسول محمد ﷺ کے ہاتھ سے قربان ہونا ان کی کتنی بڑی خوش بختی ہے اس لئے ان میں سے ہر ایک اس خواہش کے ساتھ آپ سے قریب ہونا چاہتا تھا کہ پہلے آپ اسی کو ذبح کریں۔

ہم آہوائی صحرا سر خود نہادہ بر کف

بہ امید آنکہ روزے بہ شکار خواہی آمد

(۱۹۱) عَنْ سَلَمَةَ بْنِ الْأَخْوَعِ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ مَنْ ضَعَى مِنْكُمْ فَلَا يُضْبَحَنَّ بَعْدَ ذَلِكَ وَلَيْسَ بِهِ مِنْهُ ضَعَى لَمَّا كَانَ الْعَامُ الْمُقْبِلُ لَأَلَّا يَارَسُولَ اللَّهِ نَفَعَلْ كَمَا فَعَلْنَا الْعَامَ الْمَاضِيَ لَأَلَّا نَكُلُوا وَأَطْعَمُوا وَأَذْجَرُوا لَأَنَّ ذَلِكَ الْعَامَ كَانَ بِالنَّاسِ جَهْدٌ فَارَدْتُ أَنْ تُعْبَتُوا فِيهِمْ —

(رواہ البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت سلمۃ بن الاکوع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے (ایک سال عید الاضحیٰ کے موقع پر) ہدایت فرمائی کہ تم میں سے جو کوئی قربانی کرے تو (اس کا گوشت بس تین دن تک کھا سکتا ہے) تیسرے دن کے بعد اس کے گھر میں اس قربانی کے گوشت میں سے کچھ بھی باقی نہیں رہتا چاہئے۔ پھر جب اگلا سال آیا تو لوگوں نے دریافت کیا کیا ہم اس سال بھی ایسا کریں جیسا کہ گزشتہ سال آپ ﷺ کی ہدایت کے مطابق ہم نے کیا تھا؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: (نہیں) اس سال تین دن والی وہ پابندی نہیں ہے بلکہ اجازت ہے کہ جب تک چاہو (کھاؤ، کھاؤ اور محفوظ رکھو۔ گزشتہ سال وہ ہدایت اس لئے دی گئی تھی کہ عوام کو (نذا کی کمی اور تشنگی کی وجہ سے) کھانے پینے کی تکلیف تھی اس لئے میں نے چاہا کہ قربانی کے گوشت سے تم ان کی پوری مدد کرو (اس لئے میں نے عارضی اور وقتی طور پر وہ حکم دیا تھا، اب جب کہ وہ ضرورت باقی نہیں رہی تمہارے لئے کھانے کھلانے اور محفوظ رکھنے کی پوری گنجائش ہے)۔ (صحیح ابی داؤد)

(۱۹۲) عَنْ بُيُوتَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِنَّا كُنَّا نَهَيَّاكُمْ عَنْ لَعُومِهَا أَنْ تَأْكُلُوهَا فَوْقَ ثَلَاثِ لَيْلَى تَسَعُّكُمْ جَاءَ اللَّهُ بِالسَّعَةِ فَكُلُوا وَادْجِرُوا وَالْفَجْرُ وَالْآيَامُ الْيَوْمَ أَكَلِ وَشَرِبِ وَذَكَّرِ لِلَّهِ. (رواہ ابوداؤد)

ترجمہ: نبیشتہ ہنری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے (عید الاضحیٰ کے موقع پر فرمایا) پہلے ہم نے قربانیوں کا گوشت تین دن سے زیادہ کھانے کی ممانعت کر دی تھی، اور یہ پابندی اس لئے لگائی گئی تھی کہ سب لوگوں کو گوشت اچھی طرح مل جائے، اب اللہ تعالیٰ کا فضل ہے (وہ تشنگی اور فقر و فاقہ والی بات اب نہیں رہی ہے بلکہ) اللہ کے کرم سے لوگ اب خوشحال ہیں، اس لئے (اب وہ پابندی نہیں ہے) اجازت ہے، لوگ کھائیں اور محفوظ رکھیں، اور قربانی کا ثواب بھی حاصل کریں۔ یہ دن کھانے پینے کے اور اللہ کی یاد کے ہیں۔ (صحیح ابی داؤد)

تشریح: جیسا کہ ان دونوں حدیثوں سے معلوم ہوا قربانی کے گوشت کے بارے میں اجازت ہے کہ جب تک چاہیں کھائیں اور رکھیں۔ اور آخری حدیث کے آخری جملہ سے معلوم ہوا کہ ایام تشریق میں بندوں کا کھانا، چنانچہ بھی اللہ تعالیٰ کو محبوب ہے، گویا یہ دن اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندوں کی ضیافت کے دن ہیں، لیکن اس کھانے پینے کے ساتھ اللہ کی یاد اور اس کی تکبیر و تعظیم اللہ سے تو حید سے بھی زبان تر رہنی چاہئے اس کی آمیزش کے بغیر اللہ کے بندوں کے لئے ہر چیز بے ذائقہ ہے۔

اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ

طواف زیارت اور طواف وداع

حج کے اعمال و مناسک اور ان کی ترتیب سے جیسا کہ سمجھا جاسکتا ہے اس کا اہم مقصد بیت اللہ کی تعظیم و تکریم اور اس کے ساتھ اپنی وابستگی کا اظہار ہے جو ملت ابراہیمی کا خاص شعار ہے..... اس لئے جیسا کہ پہلے بھی ذکر کیا جا چکا ہے مکہ معظمہ میں حاضری کے بعد حج کا سب سے پہلا عمل طواف ہی کرنا ہوتا ہے، یہاں تک کہ مسجد حرام میں داخل ہو کر پہلے تحیۃ المسجد بھی نہیں پڑھی جاتی، بلکہ طواف پہلے کیا جاتا ہے، اور دو گانہ طواف اس کے بعد پڑھا جاتا ہے..... حاجی کے اس پہلے طواف کا معروف اصطلاحی نام ہی ”طواف قدوم“ ہے (یعنی حاضری کا طواف)۔ اس کے متعلق احادیث پہلے گزر چکی ہیں۔

اس کے بعد ۱۰ اذی الحجہ کو قربانی اور حلق سے فارغ ہونے کے بعد ایک طواف کا حکم ہے، اس کا معروف اصطلاحی نام ”طواف زیارۃ“ ہے۔ یہ وقوف عرفات کے بعد حج کا سب سے اہم رکن ہے..... پھر حج سے فارغ ہونے کے بعد جب حاجی مکہ معظمہ سے اپنے وطن واپس ہونے لگے تو حکم ہے کہ وہ آخری وداعی کر کے واپس ہو، اور اس کے سفر حج کا آخری عمل بھی طواف ہی ہو، اس کا معروف اصطلاحی نام طواف وداع اور طواف رخصت ہے..... ان دونوں طوافوں سے متعلق چند حدیثیں ذیل میں پڑھئے!

(۱۹۳) عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ لَمْ يَزَلْ فِي السَّبْعِ الَّذِي أَكَاضُ فِيهِ. (رواہ ابو داؤد و ابن ماجہ)

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے طواف زیارت کے سات چکروں میں رمل نہیں کیا (یعنی پورا طواف عادی رفتار سے کیا)۔ (سنن ابی داؤد، سنن ابن ماجہ)

تشریح:..... پہلے گزر چکا ہے کہ حاجی جب مکہ معظمہ حاضر ہو کر پہلا طواف کرے (جس کے بعد اس کو صفا و مروہ کے درمیان سعی بھی کرنی ہوگی) تو اس طواف کے پہلے تین چکروں میں وہ رمل کرے گا۔ حجۃ الوداع میں رسول اللہ ﷺ اور آپ ﷺ کے تمام صحابہ نے ایسا ہی کیا تھا، اس کے بعد ۱۰ اذی الحجہ کو آپ ﷺ نے منیٰ سے مکہ معظمہ آکر طواف کیا اس میں آپ ﷺ نے رمل نہیں کیا، جیسا کہ حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کی اس حدیث میں تصریح ہے۔

(۱۹۴) عَنْ عَائِشَةَ وَابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ أَخْرَطَ طَوَافَ الزِّيَارَةِ يَوْمَ النُّحْرِ إِلَى اللَّيْلِ.....

(رواہ الترمذی و ابو داؤد و ابن ماجہ)

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے طواف زیارت کو مؤخر کیا (یعنی اس کی تاخیر کی اجازت دے دی) کو سوس ڈی الحجہ کی رات تک۔

(جامع ترمذی، سنن ابی داؤد، سنن ابن ماجہ)

تشریح:..... حدیث کا مطلب یہ ہے کہ طواف زیارت کے لئے افضل دن یوم النحر (عید الاضحیٰ) کا دن ہے،

لیکن رسول اللہ ﷺ نے اجازت دی ہے کہ اس دن کے ختم ہونے کے بعد رات میں بھی وہ کیا جاسکتا ہے اور اس رات کا طواف بھی افضلیت کے لحاظ سے ۱۰ اذی الحجہ ہی کا طواف شمار ہوگا..... عام عربی قاعدے کے مطابق رات کی تاریخ اگلے دن والی تاریخ ہوتی ہے اور ہر رات اگلے دن کے ساتھ لگتی ہے، لیکن حج کے مناسک اور احکام میں بندوں کی سہولت کے لئے اس کے برعکس قاعدہ مقرر کیا گیا ہے اور ہر دن کے بعد والی رات کو اس دن کے ساتھ جوڑ دیا گیا ہے، اسی بناء پر جو طواف ۱۰ اذی الحجہ کا دن گزرنے کے بعد رات میں کیا جائے گا وہ ۱۰ اذی الحجہ ہی میں شمار ہوگا، اگرچہ عام قاعدے کے لحاظ سے وہ ۱۱ اذی الحجہ کی رات ہے۔

(۱۹۵) عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ النَّاسُ يَنْصِرُ لَوْنٍ فِي كُلِّ وَجْهِ لَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ لَا يَنْفِرُونَ أَحَدُكُمْ حَتَّى يَكُونُوا آخِرُ عَهْدِهِ بِالْبَيْتِ إِلَّا اللَّهُ خَفَّفَ عَنِ الْحَالِصِينَ. (رواه البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ لوگ (حج کرنے کے بعد) اپنے اپنے وطنوں کے رخ پر چل دیتے تھے (طواف وداع کا اہتمام نہیں کرتے تھے) تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک وطن کی طرف کوچ نہ کرے جب تک کہ اس کی آخری حاضری بیت اللہ پر نہ ہو (یعنی جب تک کہ طواف وداع نہ کر لے) البتہ جو عورت خاص ایام کے عذر کی وجہ سے طواف سے معذور ہو وہ اس حکم سے مستثنیٰ ہے (یعنی اس کو طواف وداع معاف ہے)۔ (صحیح بخاری، ج ۱، ص ۱۷۸)

آتش..... جیسا کہ اس حدیث میں صراحت مذکور ہے۔ پہلے لوگ طواف وداع کا اہتمام اور پابندی نہیں کرتے تھے۔ ۱۲ یا ۱۳ اذی الحجہ تک منیٰ میں قیام کر کے اور رمی جمرات وغیرہ وہاں کے مناسک ادا کر کے اپنے اپنے وطنوں کو چل دیتے تھے..... رسول اللہ ﷺ نے اس ارشاد کے ذریعہ گویا اس کے وجوب اور اہمیت کا اعلان فرمایا۔ چنانچہ فقہاء نے طواف وداع کو واجب قرار دیا ہے، البتہ حدیث کی تصریح کے مطابق وہ مستورات جو اپنے خاص ایام کی وجہ سے طواف سے معذور ہوں، وہ اگر طواف زیارت کر چکی ہوں تو بغیر طواف وداع کئے مکہ معظمہ سے وطن رخصت ہو سکتی ہیں..... ان کے علاوہ ہر بیرونی حاجی کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے ملک کی طرف روانہ ہونے سے پہلے طواف وداع اور رخصت ہی کی نیت سے آخری طواف کرے اور یہی حج کے سلسلے کا اس کا آخری عمل ہو۔

(۱۹۶) عَنْ الْحَارِثِ الثَّقَفِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مَنْ حَجَّ هَذَا الْبَيْتِ أَوْ اعْتَمَرَ فَلْيَكُنْ آخِرُ عَهْدِهِ بِالطَّوْافِ بِالْبَيْتِ. (رواه احمد)

ترجمہ: حارث ثقفی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص حج یا عمرہ کرے تو چاہئے کہ اس کی آخری حاضری بیت اللہ پر ہو اور آخری عمل طواف ہو۔ (سنن احمد، ج ۱، ص ۱۷۸)

(۱۹۷) عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا قَالَتْ أَحْرَمْتُ مِنَ التَّعْبِيعِ بِمَعْمَرَةَ لَدَخَلْتُ لَفَضَيْتُ عُمَرُ بْنَ وَانْتَهَرَنِي رَسُولُ اللَّهِ ﷺ بِالْأَبْطَحِ حَتَّى لَمْ رَغْتُ وَأَمَرَ النَّاسَ بِالرَّجِيلِ قَالَتْ وَأَتَى رَسُولُ اللَّهِ ﷺ الْبَيْتَ لَفَاظَ بِهِ ثُمَّ خَرَجَ. (رواه ابو داؤد)

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حجۃ الوداع کے سفر میں قیام مکہ کی اس آخری رات میں جس میں مدینہ کی طرف واپس ہونے والی تھی (میں نے مقام تنعیم جا کر عمرہ کا احرام باندھا، اور عمرہ کے ارکان (طواف، سعی وغیرہ) ادا کئے اور رسول اللہ ﷺ نے (مٹی اور مکہ کے درمیان) مقام اٹح میں میرا انتظار فرمایا۔ جب میں عمرہ سے فارغ ہو چکی تو آپ نے لوگوں کو کوچ کرنے کا حکم دیا اور آپ طواف وداع کے لئے بیت اللہ کے پاس آئے اور طواف کیا، اور اسی وقت مکہ سے مدینہ کی طرف چل دیئے۔

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا جب حجۃ الوداع کے سفر میں مدینہ سے روانہ ہوئی تھیں تو آپ نے تمتع کا ارادہ کیا تھا اور اس وجہ سے عمرہ کا احرام باندھا تھا، لیکن جب مکہ معظمہ کے قریب پہنچیں، تو (جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے) خاص ایام شروع ہو گئے جس کی وجہ سے وہ عمرہ کا طواف وغیرہ کچھ بھی نہ کر سکیں اور رسول اللہ ﷺ کی ہدایت کے مطابق آپ نے عمرہ ترک کر کے ۸ ذی الحجہ کو حج کا احرام باندھ لیا، اور آپ کے ساتھ پورا حج کیا۔ ۱۳ ذی الحجہ کو جمرات کی رمی کر کے جب رسول اللہ ﷺ مٹی سے واپس ہوئے تو آپ نے اٹح میں قیام فرمایا اور رات وہیں بسر کرنے کا فیصلہ کیا۔ اسی رات میں آپ نے حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کو ان کے بھائی عبدالرحمن بن ابی بکر کے ساتھ بھیجا کہ حدود حرم سے باہر تنعیم جا کر وہاں سے عمرہ کا احرام باندھیں اور عمرہ سے فارغ ہو کر آجائیں، اس حدیث میں اسی واقعہ کا ذکر ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا جب عمرہ سے فارغ ہو کے آئیں تو آپ نے قافلے کو کوچ کرنے کا حکم دیا، قافلہ اٹح سے مسجد حرام آیا، آپ نے اور آپ کے اصحاب کرام رضی اللہ عنہم نے سحر میں طواف وداع کیا اور اسی وقت مدینہ کے لئے روانہ ہو گئے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا یہ عمرہ اس عمرہ کی قضا تھا جو احرام باندھنے کے باوجود نہ کر سکی تھیں۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ طواف وداع مکہ معظمہ سے روانگی ہی کے وقت کیا جائے۔

طواف کے بعد ملترزم سے چھٹنا اور دعا کرنا

خانہ کعبہ کی دیوار کا قریب دو گز کا جو حصہ حجر اسود اور باب کعبہ کے درمیان ہے وہ ملترزم کہلاتا ہے۔ حج کے مسنون اعمال میں سے یہ بھی ہے کہ اگر موقع ملے تو طواف کے بعد اس ملترزم سے چٹ کر دعا کی جائے۔ مندرجہ ذیل احادیث سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ نے حجۃ الوداع میں ایسا ہی کیا تھا:

(۱۹۸) عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعْبٍ عَنْ أَبِيهِ قَالَ كُنْتُ أَطُوفُ مَعَ أَبِي عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو بْنِ الْعَاصِ وَرَأَيْتُ قَوْمًا يَقْرَأُوا الْيَتَمَ فَقُلْتُ لَهُ اإِنْعَلِقِي بِنَا نَلْزِمُ الْيَتَمَ مَعَ هَؤُلَاءِ فَقَالَ أَغْوَدُ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ لَمَّا لَرَعَ مِنْ طَوَائِفِ الْيَتَمِ الْيَتَمِ بَيْنَ الْيَتَمِ وَالْحَجَرِ وَلَالِ هَذَا وَاللَّهِ الْمَكَانَ الَّذِي رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقْرَأُ.

(رواہ البیہقی بهذا اللفظ)

ترجمہ: عمرو بن شعیب اپنے والد شعیب سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے بیان کیا کہ میں اپنے دادا عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے ساتھ طواف کر رہا تھا، میں نے کچھ لوگوں کو دیکھا کہ وہ بیت اللہ سے چٹ رہے ہیں تو میں نے اپنے دادا (حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ) سے عرض کیا کہ ہم کو یہاں

لے چلے ان لوگوں کے ساتھ ہم بھی ان کی طرح بیت اللہ سے چٹ جائیں؟ انہوں نے فرمایا کہ: میں خدا کی پناہ مانگتا ہوں مردود شیطان سے (مطلب نابالغ یہ تھا کہ اگر میں طواف کمرے درمیان ان لوگوں کی طرح ملتزم کی خاص جگہ کا لحاظ کئے بغیر بیت اللہ کی کسی دیوار سے چٹ جاؤں تو یہ خلاف سنہ اور غلط کام ہوگا اور اس سے خدا راضی نہیں ہوگا بلکہ شیطان راضی ہوگا اور میں اس مردود سے خدا کی پناہ مانگتا ہوں..... شعیب کہتے ہیں کہ) پھر جب میرے دادا طواف سے فارغ ہو گئے تو دیوار کعبہ کے خاص اس حصہ پر آئے جو باب کعبہ اور حجر اسود کے درمیان ہے (جس کو ملتزم کہتے ہیں) اور مجھ سے فرمایا: خدا کی قسم! یہی وہ جگہ ہی جس سے رسول اللہ ﷺ چٹ گئے تھے۔ (سنن نسائی)

اور سنن ابی داؤد کی روایت میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرو ملتزم سے اس طرح چٹ گئے کہ اپنا سینہ اور اپنا چہرہ اس سے لگا دیا اور ہاتھ بھی پوری طرح پھیلا کئے اس پہ رکھ دیئے، اور فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو اسی طرح کرتے ہوئے دیکھا تھا۔

تشریح..... اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ملتزم سے چٹنے والا یہ عمل طواف کے بعد ہونا چاہئے اور اس کی خاص جگہ ملتزم ہی ہے۔ اللہ کے دیوانوں کو اس میں جو کیفیت نصیب ہوتی ہے وہ بس انہی کا حصہ ہے اور حج کی خاص الخاص کیفیات میں سے ہے۔

فضائل حرمین

محمد شین کرام کا دستور ہے کہ کتاب الحج ہی میں حرمین پاک کے فضائل کی حدیثیں بھی درج کرتے ہیں، اسی دستور کی پیروی میں حرم مکہ اور حرم مدینہ کے فضائل کی احادیث یہاں درج کی جا رہی ہیں۔

حرم مکہ کی عظمت

خانہ کعبہ کو اللہ تعالیٰ نے اپنا مقدس بیت (گھر) قرار دیا ہے، اور اسی نسبت سے شہر مکہ کو جس میں بیت اللہ واقع ہے بلد اللہ الحرام قرار دیا گیا ہے، گویا جس طرح دنیا بھر کے گھروں میں کعبہ مکرمہ کو اللہ تعالیٰ سے خاص نسبت ہے اسی طرح دنیا بھر کے شہروں میں مکہ معظمہ کو اللہ تعالیٰ کی نسبت کا خاص شرف حاصل ہے۔ پھر اسی نسبت سے اس کی ہر سمت میں کئی کئی میل کے علاقہ کو حرم (یعنی واجب الاحترام) قرار دیا گیا ہے اور اس کے خاص آداب و احکام مقرر کئے گئے ہیں اور ادب و احترام ہی کی بنیاد پر بہت سی ان باتوں کی بھی وہاں ممانعت ہے جن کی باقی ساری دنیا میں اجازت ہے۔ مثلاً ان حدود میں کسی کو شکار کی اجازت نہیں، جنگ اور قتال کی اجازت نہیں، درخت کاٹنے اور درختوں کے پتے جھاڑنے کی اجازت نہیں۔ اس محترم علاقہ میں ان سب چیزوں کو ادب و احترام کے خلاف گناہ گار نہ جسامت قرار دیا گیا ہے۔

اس علاقہ حرم کی حدود پہلے سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے معین کی تھیں، پھر رسول اللہ ﷺ نے اپنے عہد میں انہی کی تجدید فرمائی اور اب وہ حدود معلوم و معروف ہیں، گویا یہ پورا علاقہ بلد اللہ الحرام کا صحن ہے اور اس کا وہی ادب و احترام ہے جو اللہ کے مقدس شہر مکہ معظمہ کا..... اس بارے میں رسول اللہ ﷺ کی چند احادیث ذیل میں پڑھئے۔

(۱۹۹) عَنْ عَبَّاسِ بْنِ أَبِي رَبِيعَةَ الْمَخْزُومِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَزَالُ هَذِهِ الْأُمَّةُ بِخَيْرٍ مَا عَظُمُوا لَهُ الْهُرْمَةُ حَتَّى تَعْظُمَ لَهَا أَضْيَعُ تَعْرِادُكَ هَلَكُوا - (رواہ ابن ماجہ)

عایش بن ابی ربیعہ مخزومی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میری امت جب تک اس حرم مقدس کا پورا احترام کرتی رہے گی اور اس کی حرمت و تعظیم کا حق ادا کرے گی خیریت سے رہے گی اور جب اس میں یہ بات باقی نہ رہے گی برباد ہو جائے گی۔ (سنن ابن ماجہ)

تشریح..... گویا بیت اللہ اور بلد اللہ الحرام (مکہ معظمہ) اور پورے علاقہ حرم کی تعظیم و حرمت اللہ تعالیٰ کے ساتھ بندگی کے صحیح تعلق اور سچی وفاداری کی علامت اور نشانی ہے۔ جب تک یہ چیز اجتماعی حیثیت سے امت میں باقی رہے گی اللہ تعالیٰ اس امت کی نگہبانی فرمائے گا اور وہ دنیا میں سلامتی اور عزت کے ساتھ رہے گی اور جب امت کا رویہ بحیثیت مجموعی اس بارے میں بدل جائے گا اور خانہ کعبہ اور حرم مقدس کی حرمت و تعظیم کے بارے میں اس میں تقصیر آجائے گی تو پھر یہ امت اللہ تعالیٰ کی حمایت و نگہبانی کا استحقاق کھوے گی،

اور اس کے نتیجے میں تباہیاں اور بربادیاں اس پر مسلط ہوں گی۔

ہمارے اس زمانہ میں سفر کی سبوتوں کی وجہ سے اور بعض دوسری وجوہ سے بھی اگرچہ حج کرنے والوں کی تعداد بہت بڑھ گئی ہے لیکن وہاں ساری دنیا کے جو مسلمان آتے ہیں ان کا طرز عمل بتاتا ہے کہ بیت اللہ اور حرم مقدس کے ادب و احترام کے لحاظ سے امت میں بحیثیت مجموعی بہت بڑی تقصیر آگئی ہے اور بلاشبہ یہ بھی ان اسباب میں سے ایک اہم سبب ہے جن کی وجہ سے امت مشرق و مغرب میں اللہ تعالیٰ کی نصرت اور نیبانی سے محروم کر دی گئی ہے۔ اللیم عاف و اعف عنا و اعف لنا و اعف لنا و اعف لنا انت اھلہ و لا تعافلنا سواک اھلہ۔

(۲۰۰) عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ يَوْمَ فَتْحِ مَكَّةَ لَا هِجْرَةَ وَلَكِنْ جِهَادٌ وَبِئْسَ مَا لَهَا فَاسْتَفِرُّوا ثُمَّ لَانْفِرُوا وَقَالَ يَوْمَ فَتْحِ مَكَّةَ إِنَّ هَذَا الْبَلَدَ حَرَمُ اللَّهِ يَوْمَ خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ لَهُوَ حَرَامٌ بِحُرْمَةِ اللَّهِ إِلَى يَوْمِ الْقِيَمَةِ وَإِنَّهُ لَمْ يَحِلَّ الْقِتَالُ فِيهِ لِأَحَدٍ قَبْلِي وَلَمْ يَحِلَّ لِي إِلَّا سَاعَةٌ مِنْ نَهَارٍ لَهُوَ حَرَامٌ بِحُرْمَةِ اللَّهِ إِلَى يَوْمِ الْقِيَمَةِ لَا يُغْضَدُ شَوْكُهُ وَلَا يُفْرَقُ صِنْدُهُ وَلَا يُلْقَى لِقَعَةً إِلَّا مَنْ عَرَفَهَا وَلَا يُخْطَى خِلَافُهَا قَالَ الْعَبَّاسُ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِلَّا الْأَذْخَرُ لَأَنَّهُ لِقِيَمُهُمْ وَلِيُؤْتِيَهُمْ لِقَالًا إِلَّا الْأَذْخَرُ..... (رواہ البخاری و مسلم)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ فتح مکہ کے دن رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اب ہجرت کا حکم نہیں رہا لیکن جہاد ہے، اور نیت! تو جب تم سے رازخدا میں کوچ کرنے کو کہا جائے تو چل دو..... اور اسی فتح مکہ کے دن آپ نے یہ بھی اعلان فرمایا کہ: یہ شہر مکہ اللہ نے اس کو اسی دن سے محترم قرار دیا ہے جس دن کہ زمین و آسمان کی تخلیق ہوئی (یعنی جب اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان کو پیدا کیا اسی وقت زمین کے اس قطعہ کو جس پر مکہ معظمہ آباد ہے، اور اس کے آس پاس کے علاقہ احرام کو واجب الاحرام قرار دیا، لہذا اللہ کے اس حکم سے قیامت تک کے لئے اس کا ادب و احترام واجب ہے) اور مجھ سے پہلے اللہ نے اپنے کسی بندے کو یہاں قتال فی سبیل اللہ کی بھی اجازت نہیں دی، اور مجھے بھی دن کے تھوڑے وقت کے لئے اس کی عارضی اور وقتی اجازت دی گئی تھی اور وہ وقت ختم ہو جانے کے بعد اب قیامت تک کے لئے یہاں قتال اور ہر وہ اقدام اور عمل جو اس مقدس جگہ کے ادب و احترام کے خلاف ہو حرام ہے، اس علاقہ کے خاردار جھاڑ بھی نہ کاٹے چھانٹے جائیں۔ یہاں کے کسی قابل شکار جانور کو پریشان بھی نہ کیا جائے اور اگر کوئی گری پڑی چیز نظر پڑے تو اس کو وہی اٹھائے جو قاعدے کے مطابق اس کا اعلان اور تشہیر کرتا رہے، اور یہاں کی سبز گھاس بھی نہ کاٹی اکھاڑی جائے..... (اس پر آپ کے چچا) حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: ”آخر گھاس کو مستثنیٰ قرار دیا جائے، کیونکہ یہاں کے لوہار اس کو استعمال کرتے ہیں اور گھروں کی چھتوں کیلئے بھی اس کی ضرورت ہوتی ہے۔“ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے اس عرض کرنے پر آخر گھاس کو مستثنیٰ فرمادیا۔ (بخاری، مسلم)

تشریح..... اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ کے دو اعلانوں کا ذکر ہے، جو آپ نے فتح مکہ کے دن خاص طور سے فرمائے تھے..... پہلا اعلان یہ تھا کہ: اب ہجرت کا حکم نہیں رہا..... اس کا مطلب سمجھنے کے لئے یہ جاننا ضروری ہے کہ فتح مکہ سے پہلے جب مکہ پر ان اہل کفر و شرک کا اقتدار تھا جو اسلام اور مسلمانوں کے سخت دشمن تھا، اور مکہ میں رہ کر کسی مسلمان کے لئے اسلامی زندگی گزارنا گویا ناممکن تھا تو حکم یہ تھا کہ مکہ میں اللہ کا جو بندہ اسلام قبول کرے اس کے لئے اگر ممکن ہو تو وہ مکہ سے مدینہ ہجرت کر جائے جو اس وقت اسلامی مرکز اور روئے زمین پر اسلامی زندگی کی واحد تعلیم گاہ اور تربیت گاہ تھی۔ بہر حال ان خاص حالات میں یہ ہجرت فرض تھی اور اس کی بڑی فضیلت اور اہمیت تھی..... لیکن جب ۸ھ میں اللہ تعالیٰ نے مکہ معظمہ پر بھی اسلامی اقتدار قائم کر دیا تو پھر ہجرت کی ضرورت ختم ہو گئی، اس لئے آپ ﷺ نے فتح مکہ ہی کے دن اعلان فرمادیا کہ: اب ہجرت کا وہ حکم اٹھالیا گیا..... اس سے قدرتی طور پر ان لوگوں کو بڑی حسرت اور مایوسی ہوئی ہوگی جن کو اب اسلام کی توفیق ملی تھی اور ہجرت کی عظیم فضیلت کا دروازہ بند ہو جانے کی وجہ سے وہ اس سعادت سے محروم رہ گئے تھے..... ان کی اس حسرت کا مدافعت فرماتے ہوئے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: ہجرت کی فضیلت و سعادت کا دروازہ اگرچہ بند ہو گیا ہے لیکن جہاد فی سبیل اللہ کا راستہ اور اللہ تعالیٰ کے سارے اوامر کی اطاعت کی نیت اور بالخصوص اعلان کلمۃ اللہ کی راہ میں ہر قربانی کے لئے دلی عزم و آمادگی کا دروازہ کھلا ہوا ہے اور بڑی سے بڑی سعادت اور فضیلت ان راہوں سے اللہ کا ہر بندہ حاصل کر سکتا ہے۔

دوسرا اعلان فتح مکہ کے دن آپ ﷺ نے یہ فرمایا کہ: یہ شہر جس کی عظمت و حرمت دور قدیم سے مسلم چلی آ رہی ہے یہ محض رسم و رواج یا کسی فرد یا چنانچہ کی تجویز نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کے اذلی حکم سے ہے اور قیامت تک کے لئے اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ اس کا خاص ادب و احترام کیا جائے، یہاں تک کہ اللہ کے لئے جہاد و قتال جو ایک اعلیٰ درجہ کی عبادت اور بڑے درجہ کی سعادت ہے یہاں اس کی بھی اجازت نہیں ہے۔ مجھ سے پہلے کسی بندہ کو اس کی اجازت وقتی طور پر بھی نہیں دی گئی۔ مجھے بھی بہت تھوڑے سے وقت کے لئے اس کی اجازت اللہ تعالیٰ نے دی تھی اور وہ بھی وقت ختم ہونے کے ساتھ ختم ہو گئی۔ اب قیامت تک کے لئے کسی بندے کو یہاں قتال کی اجازت نہیں ہے..... جس طرح مخصوص سرکاری علاقوں کے خاص قوانین ہوتے ہیں اسی طرح یہاں کے خاص آداب اور قوانین ہیں، اور وہ وہی ہیں جن کا آپ ﷺ نے اس موقع پر اعلان فرمایا..... قریب قریب اسی مضمون کی حدیث حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے۔

۴۰۱) عَنْ جَابِرٍ لَّانْ سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقُولُ لَا يَحِلُّ لِأَحَدٍ أَنْ يُحْمِلَ بِمَكَّةَ الْبِتْلَاحَ. (درواہ مسلم)

ترجمہ..... حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا آپ ﷺ فرماتے تھے کہ: کسی مسلمان کے لئے جائز نہیں کہ وہ مکہ میں ہتھیار اٹھائے۔ (صحیح مسلم)

تشریح..... جمہور علماء امت کے نزدیک اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ مکہ اور حدود حرم میں کسی مسلمان کو دوسرے کے خلاف ہتھیار اٹھانا اور اس کا استعمال کرنا جائز نہیں، یہ اس مقام مقدس کے ادب و احترام کے

خلاف ہے۔ یہ مطلب نہیں ہے کہ کسی کو جتھیا رہا تھا میں لینے کی اجازت ہی نہ ہو۔ واللہ اعلم۔

(۲۰۲) عَنْ أَبِي خُرَيْجٍ الْعَدَوِيِّ قَالَ لَعَمْرُؤِ بِنِ سَعِيدٍ وَهُوَ يَنْتَعِبُ الْبُغُوتَ إِلَى مَكَّةَ إِذْ لَمْ يَلِهَا الْأَمِيرُ أَحَدِيكَ قَوْلًا لَامَ بِهِ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ الْغَدَّ مِنْ يَوْمِ الْفَتْحِ سَبْعَةً أَذْنًا وَوَعَاهُ لَيْسِي وَأَنْصَرْتُ عَنْتَايَ جِئْتُ تَكَلَّمُ بِهِ حَمْدُ اللَّهِ وَاللَّهِ عَلَيَّ لَمْ قَالَ إِنَّ مَكَّةَ حَرَمُهَا اللَّهُ وَلَمْ يُحَرِّمْهَا النَّاسُ فَلَا يَجْعَلُ لِأَمْرٍ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ أَنْ يُسْفِكَ بِهَا دَمًا وَلَا يَغْضِبُهَا حَجَرَةً فَإِنْ أَحَدٌ تَرَخَّصَ بِقِتَالِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ فِيهَا فَقُولُوا لَهُ إِنَّ اللَّهَ لَفِ إِذْنِ لِرَسُولِهِ وَلَمْ يَأْذَنْ لَكُمْ وَإِنَّمَا إِذْنٌ لِي فِيهَا سَاعَةً مِنَ النَّهَارِ وَلَقَدْ عَادَتْ حُرْمَتُهَا الْيَوْمَ كَحُرْمَتِهَا بِالْأَنْسِ وَلَيْتَلَعَ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ لَقِيلَ لِأَبِي خُرَيْجٍ مَا لَكَ عَنْهُمْ؟ قَالَ لَأَلَّ أَنَا أَغْلَمُ بِذَلِكَ مِنْكَ يَا أَبَا خُرَيْجٍ إِنَّ الْحَرَمَ لَا يُعْلَدُ عَاصِيًا وَلَا لَارًا بِدَمٍ وَلَا لَارًا بِخُرْبَةٍ..... (رواه البخاری ومسلم)

ابو خریج عدوی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے عمرو بن سعید سے کہا، جب کہ وہ (مذہب کی طرف سے مدینہ کا حاکم تھا اور اس کے حکم سے عبد اللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ کے خلاف) مکہ پر چڑھائی کرنے کے لئے لشکر تیار کر کے روانہ کر رہا تھا کہ اے امیر! مجھے اجازت دیجئے کہ میں رسول اللہ ﷺ کا ایک فرمان بیان کروں جو آپ ﷺ نے فتح مکہ کے اگلے دن (مکہ میں) ارشاد فرمایا تھا۔ میں نے اپنے کانوں سے آپ ﷺ کا وہ فرمان خود سنا تھا اور میرے ذہن نے اس کو یاد کر لیا تھا اور جس وقت آپ ﷺ کی زبان مبارک سے وہ فرمان صادر ہو رہا تھا اس وقت میری آنکھیں آپ ﷺ کو دیکھ رہی تھیں۔ آپ ﷺ نے پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کی، اس کے بعد فرمایا تھا کہ اے اللہ اور اس کے ماحول کو اللہ نے حرم قرار دیا ہے، اس کی حرمت کا فیصلہ انسانوں سے نہیں کیا ہے، اس لئے جو آدمی اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہو اس کے لئے حرام ہے کہ وہ یہاں خونریزی کرے بلکہ یہاں کے درختوں کا ٹکنا بھی منع ہے۔ (آپ ﷺ نے فرمایا) اور اگر کوئی شخص میرے قول کو سند بنا کر اپنے لئے اس کا جواز نکالے تو اس سے کہو کہ اللہ نے اپنے رسول ﷺ کو اجازت دی تھی، تجھے اجازت نہیں دی ہے، اور مجھے بھی اللہ نے ایک دن کے تھوڑے سے وقت کے لئے عارضی اور وقتی طور پر اجازت دی تھی، اور اس وقت کے ختم ہونے کے بعد وہ حرمت لوٹ آئی، اور اب قیامت تک کسی کے لئے اس کا جواز نہیں ہے۔ (اس کے ساتھ آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا تھا کہ) جو لوگ یہاں موجود ہیں اور جنہوں نے میری یہ بات سنی ہے وہ دوسرے لوگوں کو یہ بات پہنچادیں (اس لئے اے امیر! میں نے رسول اللہ ﷺ کے حکم کی تعمیل میں آپ ﷺ کا یہ فرمان تم کو پہنچایا ہے)۔ ابو خریج سے کسی نے پوچھا کہ پھر عمرو بن سعید نے کیا جواب دیا، انہوں نے بتلایا کہ اس نے کہا کہ: ابو خریج! میں یہ باتیں تم سے زیادہ جانتا ہوں، حرم کسی نہ فرماں کو یا ایسے آدمی کو جو کسی کا ناحق خون کرے یا کوئی نقصان کر کے بھاگ گیا ہو پناہ نہیں دیتا (یعنی ایسے لوگوں کے خلاف حرم میں بھی کارروائی کی جائے گی)۔ (صحیح بخاری، صحیح مسلم)

تشریح..... اسلام کی پہلی ہی صدی میں سیاسی اقتدار کی ہوس رکھنے والوں نے اسلام کے ساتھ جو معاملہ کیا اور اس کے احکام کو اپنی اغراض کے لئے جس طرح توڑا اور وژا وہ تاریخ اسلام کا نہایت تکلیف دہ باب ہے۔ ابوشریح عدوی جو رسول اللہ ﷺ کے صحابی تھے، انہوں نے اموی حاکم عمرو بن سعید کے سامنے بروقت کلمہ حق کہہ کے اور رسول اللہ ﷺ کا فرمان سنا کر اپنا فرض ادا کر دیا..... صحیحین کی اس روایت میں یہ مذکور نہیں ہے کہ عمرو بن سعید نے جوابات کہی، ابوشریح نے اس کے جواب میں کچھ کہا یا نہیں۔ لیکن مسند احمد کی روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا:

لَقَدْ كُنْتُ شَهِيدًا وَكُنْتُ غَايِبًا وَلَقَدْ أَمَرْنَا أَنْ يُبْلَغَ شَهِيدُنَا غَايِبًا وَلَقَدْ بَلَّغْنَاكَ ۝

فتح مکہ کے دن جب رسول اللہ ﷺ نے یہ بات فرمائی تھی میں اس وقت وہاں حاضر اور موجود تھا اور تم وہاں نہیں تھے اور رسول اللہ ﷺ نے ہمیں حکم دیا تھا کہ جو یہاں موجود ہے وہ میری یہ بات ان لوگوں کو پہنچا دیں جو یہاں حاضر نہیں ہیں..... میں نے اس حکم نبوی ﷺ کی تعمیل کر دی اور تم کو یہ بات پہنچا دی۔

ابوشریح عدوی رضی اللہ عنہ کے اس جواب میں یہ بھی مضمحل ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے ارشاد کا مقصد و منشا سمجھنے کے زیادہ حقدار وہ لوگ ہیں جن کے سامنے آپ ﷺ نے یہ بات فرمائی، اور جنہوں نے موقع پر حضور ﷺ سے یہ بات سنی۔

(۲۰۳) عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَدِيٍّ بْنِ حُمْرَاءَ قَالَ رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ وَالْفَا عَلَى الْحُزُورَةِ لَقَالَ وَاللَّهِ إِنَّكَ لَخَيْرُ أَرْضِ اللَّهِ وَأَحَبُّ إِلَيَّ إِلَيَّ اللَّهُ وَلَوْلَا أَنِّي أُخْرِجُكَ مِنْكَ مَا خَرَجْتُ..... (رواه الترمذی وابن ماجہ)

ترجمہ..... عبداللہ بن عدی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ مکہ میں حذورہ (ایک نیلے) پر کھڑے تھے اور مکہ سے مخاطب ہو کر فرما رہے تھے: خدا کی قسم! تو اللہ کی زمین میں سب سے بہتر جگہ ہے، اور اللہ کی نگاہ میں سب سے زیادہ محبوب ہے، اور اگر مجھے یہاں سے نکلنے اور ہجرت کرنے پر مجبور نہ کیا گیا ہوتا، تو میں ہرگز تجھے چھوڑنے نہ جاتا۔ (جامع ترمذی، ابن ماجہ)

تشریح..... اس حدیث میں اس کی تصریح ہے کہ مکہ معظمہ تمام روئے زمین میں سب سے افضل اور باعظمت اور اللہ کے نزدیک محبوب ترین جگہ ہے، اور ہونا بھی یہی چاہئے، کیونکہ اس میں کعبہ اللہ ہے جو حق تعالیٰ کی خاص الخاص تجلی گاہ اور قیامت تک کے لئے اہل ایمان کا قبلہ ہے، جس کا رسول اللہ ﷺ بھی طواف کرتے تھے، اور اسی کی طرف رخ کر کے نماز پڑھتے تھے..... اسی مضمون کی حدیث قریب قریب انہی الفاظ میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی روایت کی گئی ہے:

(۲۰۴) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ لِمَكَّةَ مَا أُطِيقُكَ مِنْ بَلَدٍ وَأَحَبُّكَ إِلَيَّ وَلَوْلَا أَنَّ

قَوْمِي أَخْرَجُونِي مِنْكَ مَا سَكَنْتُ خَيْرَكَ (رواہ الترمذی)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مکہ کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا: تو کس قدر پاکیزہ اور دل پسند شہر ہے، اور تو مجھے کتنا محبوب ہے، اور اگر میری قوم نے مجھے نکال دیا ہو تو میں تجھے چھوڑ کے کسی اور جگہ نہ بسا۔ (ابن ماجہ)

تشریح: ان دونوں حدیثوں میں اس کا ذکر نہیں ہے کہ یہ بات آپ نے کس موقع پر فرمائی۔ شارحین نے حضرت عبداللہ بن عباس والی اس حدیث کی شرح میں ذکر کیا ہے کہ آپ ﷺ نے یہ بات فحکمہ کے سفر میں مکہ سے واپس ہونے کے وقت فرمائی تھی۔ واللہ اعلم۔

مدینہ طیبہ کی عظمت اور محبوبیت

اکثر محدثین کا دستور ہے کہ وہ اپنی مؤلفات میں حج و عمرہ سے متعلق حدیثوں کے ساتھ ”باب فضائل“ کے تحت مکہ معظمہ کی عظمت و فضیلت کی حدیثیں، اور انہی کے ساتھ ”باب فضائل مدینہ“ کے تحت مدینہ طیبہ کی عظمت کی حدیثیں بھی درج کرتے ہیں۔ اس طریقہ کی پیروی کرتے ہوئے یہاں بھی پہلے مکہ معظمہ سے متعلق احادیث درج کی گئی ہیں اور اب مدینہ طیبہ سے متعلق درج کی جارہی ہیں۔

(۲۰۵) عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ لَالٍ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ إِنَّ اللَّهَ سَمَّى الْمَدِينَةَ طَابَةً.

(رواہ مسلم)

تشریح: حضرت جابر بن سمورہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے، آپ ﷺ فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے مدینہ کا نام ”طاب“ رکھا ہے۔ (ابن ماجہ)

تشریح: طاب، طیبہ اور طیبہ ان تینوں کے معنی پاکیزہ اور خوشگوار کے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس کا یہ نام رکھا اور اس کو ایسا ہی کر دیا، اس میں روحوں کے لئے جو خوشگوار ہے، جو سکون و اطمینان اور جو پاکیزگی ہے وہ بس اسی کا حصہ ہے۔

(۲۰۶) عَنْ أَبِي سَعِيدٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ لَالٍ إِنَّ إِبْرَاهِيمَ حَرَّمَ مَكَّةَ لَجَعَلَهَا حَرَامًا وَلِأَنِّي حَرَّمْتُ الْمَدِينَةَ حَرَامًا مَا بَيْنَ مَا زِمْنَاهَا أَنْ لَا يُهْرَاقَ فِيهَا دَمٌ وَلَا يُحْمَلَ فِيهَا سِلَاحٌ وَلَا يُخْطَ فِيهَا خَسْرَةٌ إِلَّا لِعَلْفٍ - (رواہ مسلم)

تشریح: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ حضرت ابراہیم نے مکہ کے ”حرم“ ہونے کا اعلان کیا تھا (اور اس کے خاص آداب و احکام بتائے تھے) اور میں مدینہ کے ”حرم“ قرار دیئے جانے کا اعلان کرتا ہوں، اس کے دونوں طرف کے دروں کے درمیان پورا رقبہ واجب الاحترام ہے، اس میں خوں ریزی نہ کی جائے، کسی کے خلاف ہتھیار نہ اٹھایا جائے (یعنی اسلحہ کا استعمال نہ کیا جائے) اور جانوروں کے چارے کی ضرورت کے سوا درختوں کے پتے بھی نہ جھارے

جائیں۔ (صحیح مسلم)

تشریح..... جیسا کہ اس حدیث سے معلوم ہوا، مدینہ طیبہ بھی سرکاری علاقہ کی طرح واجب الاحترام ہے، اور وہاں ہر وہ عمل اور اقدام منع ہے جو اس کی عظمت و حرمت کے خلاف ہو، لیکن اس کے احکام بالکل وہ نہیں ہیں جو حرم مکہ کے ہیں۔ خود اسی حدیث میں اس کا اشارہ موجود ہے، اس میں جانوروں کے چارہ کے لئے وہاں کے درختوں کے پتے توڑنے اور جھاڑنے کی اجازت دی گئی ہے، جب کہ حرم مکہ میں اس کی بھی اجازت نہیں ہے۔

(۲۰۷) عَنْ سَعْدِ بْنِ لَاحِلٍ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِنِّيْ اُحَرِّمُ مَا بَيْنَ الْمَدِيْنَةِ اَنْ يُّقَطَعَ عِصَاهُهَا اَوْ يُقْتَلَ صَيِّدُهَا وَلَئِنْ الْمَدِيْنَةَ خَيْرٌ لِّهَمْ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ لَا يَدْعُهَا اَحَدٌ رَّغْبَةً عَنْهَا اِلَّا اَنْدَلَّ اللّٰهُ فِيْهَا مَنْ هُوَ خَيْرٌ مِنْهُ وَلَا يَثْبُتُ اَحَدٌ عَلٰى لَا وَاِيَّهَا وَجْهَهَا اِلَّا كُنْتُ لَهُ حَفِيْعًا اَوْ صِهْنًا يَوْمَ الْقِيَمَةِ. (رواہ مسلم)

ترجمہ..... حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں حرم قرار دیتا ہوں مدینہ کے دونوں طرف کے سنگتانی کناروں کے درمیان کے علاقہ کو (یعنی اس کے واجب الاحترام ہونے کا اعلان کرتا ہوں، اور حکم دیتا ہوں کہ) اس کے خاردار درخت کاٹنے نہ جائیں اور اس میں رہنے والے جانوروں کو شکار نہ کیا جائے..... اسی سلسلہ میں آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ (بعض اشیاء کی کمی اور بعض تکلیفوں کے باوجود) مدینہ لوگوں کے لئے بہتر ہے، اگر وہ اس کی خیر و برکت کو جانے (تو کسی تنگی اور پریشانی کی وجہ سے اور کسی لالچ میں اس کو نہ چھوڑے) جو کوئی اپنی پسند اور خواہش سے اس کو چھوڑ کے جائے گا تو اللہ تعالیٰ اس کی جگہ اپنے کسی ایسے بندے کو بھیج دے گا جو اس سے بہتر اور افضل ہوگا (یعنی کسی کے اس طرح چلے جانے سے مدینہ میں کوئی کمی نہیں آئے گی بلکہ وہ جانے والا ہی اس کی برکات سے محروم ہو کر جائے گا) اور جو بندہ مدینہ کی تکلیفوں، تنگیوں اور مشقتوں پر صبر کر کے وہاں پڑا رہے گا میں قیامت کے دن اس کی سفارش کروں گا یا اس کے حق میں شہادت دوں گا۔ (صحیح مسلم)

تشریح..... سفارش اس کی کہ اس کے قصور اور اس کی خطائیں معاف کر دی جائیں اور اس کو بخش دیا جائے۔ اور شہادت اس کے ایمان اور اعمال صالحہ کی اور اس بات کی کہ یہ بندہ تنگیوں تکلیفوں پر صبر کئے ہوئے مدینہ ہی میں پڑا رہا۔

(۲۰۸) عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ لَا يَصْبِرُ عَلٰى لَا وَاِ الْمَدِيْنَةِ وَحِلِّيْهَا اَحَدٌ مِنْ اُمَّئِيْ اِلَّا كُنْتُ لَهُ حَفِيْعًا يَوْمَ الْقِيَمَةِ. (رواہ مسلم)

ترجمہ..... حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میرا جو امتی مدینہ کی تکلیفوں اور تنگیوں پر صبر کر کے وہاں رہے گا، میں قیامت کے دن اس کی شفاعت اور سفارش کروں گا۔ (صحیح مسلم)

۲۰۹ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ كَانَ النَّاسُ إِذَا رَأَوْا أَوَّلَ الْفُجْرَةِ جَاءُوا بِهِ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ لِذَا أَعْلَمَهُ قَالَ
اللَّهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِي مَدِينَتِنَا وَبَارِكْ لَنَا فِي صَاعِنَا وَبَارِكْ لَنَا فِي مَدِينَتِنَا اللَّهُمَّ إِنَّ إِبْرَاهِيمَ عَبْدَكَ
وَخَلِيلَكَ وَنَبِيَّكَ وَنَبِيَّ عَبْدِكَ وَنَبِيَّكَ وَاللَّهُ دَعَاكَ لِمَكَّةَ وَأَنَا أَدْعُوكَ لِلْمَدِينَةِ بِمَقْلٍ مَادَعَاكَ
لِمَكَّةَ وَبِقِلْعَةٍ مَعَهُ ثُمَّ قَالَ يَذْعُرُوا أَصْفَرَ وَيَذْلِلُهُ الْقَيْطَةُ ذَلِكَ الْفُجْرَةُ (رواه مسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ لوگوں کا دستور تھا کہ جب وہ درخت پر نیا پھل دیکھتے تو اس کو لا کر رسول اللہ کی خدمت میں پیش کرتے، آپ اس کو قبول فرما کر اس طرح دعا فرماتے: اے اللہ! ہمارے پھلوں میں اور پیداوار میں برکت دے، اور ہمارے شہر مدینہ میں برکت دے، اور ہمارے صاع اور ہمارے مد میں برکت دے! اللہ! ابراہیم تیرے خاص بندے اور تیرے خلیل اور تیرے نبی تھے، اور میں بھی تیرا بندہ اور تیرا نبی ہوں۔ انہوں نے مکہ کے لئے تجھ سے دعا کی تھی، اور میں مدینہ کے لئے تجھ سے ویسی ہی دعا کرتا ہوں، اور اس کے ساتھ اتنی سی مزید پھر آپ کسی چھوٹے بچے کو بلاتے اور وہ نیا پھل اس کو دے دیتے۔ (صحیح مسلم)

تشریح..... پھلوں اور پیداوار میں برکت کا مطلب تو ظاہر ہے کہ زیادہ سے زیادہ پیداوار ہو اور فصل بھر پور ہو۔ اور شہر مدینہ میں برکت کا مطلب یہ ہے کہ وہ خوب آباد ہو، اور اس کے رہنے والوں پر اللہ کا فضل ہو..... اور صاع اور مد دو پیمانے ہیں۔ اس زمانہ میں غلہ وغیرہ کی خرید و فروخت ان پیمانوں سے ہوتی تھی، ان میں برکت کا مطلب یہ ہے کہ ایک صاع ایک مد جتنے آدمیوں کے لئے یا جتنے دنوں کے لئے کافی ہوتا ہے اس سے زیادہ کے لئے کافی ہو۔

قرآن مجید میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اس دعا کا ذکر ہے جو آپ نے اپنی بیوی سے بچے کو مکہ کی غیر آباد اور بے آب و گیاہ وادی میں بسا کر اللہ سے ان کے لئے کی تھی کہ: ”اے اللہ! تو اپنے بندوں کے دلوں میں ان کی محبت و مودت ڈال دے، اور ان کو ان کی ضرورت کا رزق اور پھل وغیرہ پہنچا، اور یہاں کے لئے امن اور سلامتی مقدر فرما!“

رسول اللہ بطور نظیر اس ابراہیمی دعا کا ذکر کر کے اللہ تعالیٰ سے مدینہ کے لئے وہی دعا، بلکہ مزید اضافے کے ساتھ کرتے تھے..... اس دعا کا یہ ثمرہ بھی ظاہر ہے کہ دنیا بھر کے جن ایمان والے بندوں کو مکہ سے محبت ہے ان کو مدینہ طیبہ سے بھی محبت ہے، اور اس محبوبیت میں تو اس کا حصہ مکہ سے یقیناً زیادہ ہے۔ رسول اللہ نے اس دعا میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اللہ کا بندہ، اس کا نبی اور اس کا خلیل کہا، اور اپنے کو صرف بندہ اور نبی کہا، حبیب ہونے کا ذکر نہیں کیا۔ یہ تو اضع اور کسر نفسی آپ کا مستقل مزاج تھا۔

بالکل نیا اور درخت کا پہلا پھل چھوٹے بچے کو بلا کر دینے میں یہ سبق ہے کہ ایسے مواقعوں پر چھوٹے معصوم بچوں کو مقدم رکھنا چاہئے۔ اس کے علاوہ نئے پھل اور کھسن بچے کی مناسبت بھی ظاہر ہے۔

۲۱۰ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ لَا تَقْرَأُوا السَّاعَةَ حَتَّى تَنْفِي الْمَدِينَةَ جِرَارَهَا مِمَّا

يَنْفِي الْكِبْرَ عَنْهُ الْعَدِيدُ. (رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: قیامت اس وقت تک نہیں آئے گی جب تک مدینہ اپنے فاسد اور خراب عناصر کو اس طرح باہر نہ پھینک دے گا جس طرح لوہار کی بھٹی لوہے کے میل کو دور کر دیتی ہے۔ (صحیح بخاری)

ترجمہ: یعنی قیامت آنے سے پہلے مدینہ کی آبادی کو ایسے خراب عناصر سے پاک صاف کر دیا جائے گا جو عقائد و افکار اور اعمال و اخلاق کے لحاظ سے گندے ہوں گے۔

(۲۱۱) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ عَلَى الْقَابِ الْمَدِينَةِ مَلَاحِكَةٌ لَا يَدْخُلُهَا الطَّاعُونَ وَلَا الْجَاهِلُونَ. (رواہ البخاری)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”مدینہ کے راستوں پر فرشتے مقرر ہیں، اس میں طاعون اور دجال داخل نہیں ہو سکتا۔“ (صحیح بخاری، صحیح مسلم)

ترجمہ: صحیحین ہی کی بعض دوسری حدیثوں میں مدینہ طیبہ کے ساتھ مکہ معظمہ کی بھی یہ خصوصیت بیان کی گئی ہے کہ دجال اس میں داخل نہیں ہو سکے گا۔ یہ غالباً ان دعاؤں کی برکات میں سے ہے جو اللہ کے خلیل سیدنا براہیم علیہ السلام اور اس کے حبیب حضرت محمد ﷺ نے ان دونوں مقدس و مبارک شہروں کے لئے کی تھیں۔

(۲۱۲) عَنْ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مَنْ اسْتَطَاعَ أَنْ يَمُوتَ بِالْمَدِينَةِ فَلَمِئَتْ بِهِ لَا تِي أَسْفَعُ لِمَنْ يَمُوتُ بِهَا. (رواہ احمد والترمذی)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: جو اس کی کوشش کر سکے کہ مدینہ میں اس کی موت ہو تو اس کو چاہئے کہ وہ (اس کی کوشش کرے، اور) مدینہ میں مرے۔ میں ان لوگوں کی ضرورت و شفاعت کروں گا جو مدینہ میں مریں گے (اور وہاں دفن ہوں گے)۔

(۱) (۲) (۳) (۴) (۵) (۶) (۷) (۸) (۹) (۱۰)

ترجمہ: ظاہر ہے کہ یہ بات کہ موت فلاں جگہ آئے، کسی کے اختیار میں نہیں ہے۔ تاہم بندہ اس کی آرزو اور دعا کر سکتا ہے اور کسی درجہ میں اس کی کوشش بھی کر سکتا ہے۔ مثلاً یہ کہ جس جگہ مرنا چاہے وہیں جا کر پڑ جائے، اگر قضاء و قدر کا فیصلہ خلاف نہیں ہے، تو موت وہیں آئے گی۔ بہر حال حدیث کا مدعا یہی ہے کہ جو شخص یہ سعادت حاصل کرنا چاہے، وہ اس کے لئے اپنے امکان کی حد تک کوشش کرے، اخلاص کے ساتھ کوشش کرنے والوں کی اللہ تعالیٰ بھی مدد کرتا ہے۔

(۲۱۳) عَنْ يَحْيَى ابْنِ سَعِيدٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ كَانَ جَالِسًا وَقُبُرُ يَخْفَرُ بِالْمَدِينَةِ لَمَّا لَعَلَ رَجُلٌ لِي الْقَبْرِ لَقَالَ بَنَسْ مَضْجَعُ الْمُؤْمِنِ لَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ بَنَسْ مَا لَقْتُ لَالِ الرَّجُلِ إِنِّي لَمْ أَرِدْ

هَذَا إِنَّمَا أَرَدْتُ الْقَفْلَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ لَا مِثْلَ الْقَفْلِ لَهَا فِي سَبِيلِ اللَّهِ مَا عَلَى الْأَرْضِ بِنَفْعَةٍ أَحَبَّ إِلَيَّ أَنْ يَكُونَ قَبْرِي فِيهَا مِنْهَا فَكَتَبَ مَرَاتِبَ. (رواه مالك مرسلاً)

یعنی وہ صحابی کا واسطہ ذکر کئے بغیر رسول اللہ سے نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ (مدینہ کے قبرستان میں) تشریف فرما تھے، اور (کسی میت کی) قبر کھودی جا رہی تھی۔ ایک صاحب نے قبر میں جھانک کر دیکھا اور ان کی زبان سے نکلا کہ مسلمان کے لئے یہ اچھی آرام گاہ نہیں۔ رسول اللہ نے فرمایا: یہ تمہاری زبان سے بہت بری بات نکلی۔ (ایک مسلمان کو مدینہ میں موت اور قبر نصیب ہوئی اور تم کہتے ہو کہ مسلمان کے لئے یہ آرام گاہ اچھی نہیں)۔ ان صاحب نے (بطور معذرت) عرض کیا: حضور! میرا مطلب یہ نہیں تھا (کہ مدینہ میں موت اور قبر اچھی نہیں) بلکہ میرا مقصد راہ خدا میں شہادت سے تھا (یعنی میں یہ عرض کرنا چاہتا تھا کہ یہ مرنے والے بھائی اگر بستر پر مرنے اور اس قبر میں دفن ہونے کے بجائے جہاد کے کسی میدان میں شہید ہوتے، اور ان کی لاش وہاں خاک و خون میں تڑپتی تو اس قبر میں دفن ہونے سے یہ زیادہ اچھا ہوتا) رسول اللہ نے فرمایا: راہ خدا میں شہید ہونے کے برابر تو نہیں (یعنی شہادت کا مقام تو بے شک بلند ہے، لیکن مدینہ میں مرنا اور اس کی خاک میں دفن ہونا بھی بڑی سعادت اور خوش نصیبی ہے) روئے زمین پر کوئی جگہ ایسی نہیں ہے جہاں اپنی قبر کا ہونا مجھے مدینہ سے زیادہ محبوب ہو۔ یہ بات آپ نے تین دفعہ ارشاد فرمائی۔ (۱۰۰۱/۱)

تشریح: رسول اللہ کے ارشاد کا مطلب بظاہر یہ ہے کہ شہادت فی سبیل اللہ کی فضیلت و عظمت بے شک مسلم ہے اور بستر پر مرنا اور میدان جہاد میں اللہ کے لئے سرکشانا برابر نہیں، لیکن مدینہ میں مرنا اور یہاں دفن ہونا بھی بڑی خوش بختی ہے، جس کی خود مجھے بھی جاہت اور آرزو ہے۔ امام بخاری نے اپنی جامع صحیح بخاری میں کتاب الحج کے بالکل آخر میں مدینہ طیبہ کے فضائل کے سلسلہ کی حدیثیں ذکر کرنے کے بعد اس بیان کا خاتمہ امیر المؤمنین حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کی اس مشہور دعا پر کیا ہے کہ:

”اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنِيْ شَهَادَةً فِيْ سَبِيْلِكَ وَاجْعَلْ مَوْتِيْ فِيْ بَلَدِ رَسُوْلِكَ“

اے اللہ! مجھے اپنی راہ میں شہادت بھی دے اور اپنے محبوب رسول اللہ کے پاک شہر (مدینہ) میں مرنا اور دفن ہونا بھی نصیب فرما!

اس دعا کا واقعہ ابن سعد نے صحیح سند کے ساتھ یہ روایت کیا ہے کہ عوف بن مالک اشجعی رضی اللہ عنہ نے خواب دیکھا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ شہید کر دیئے گئے ہیں۔ انہوں نے یہ خواب حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بیان کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بڑی حسرت سے کہا:

اَتَى لِيْ بِالشَّهَادَةِ وَاَنَا بَيْنَ كَهْرَآئِيْ جَزِيْرَةِ الْعَرَبِ لَسْتُ أَغْزُوْ وَالنَّاسُ حَوْلِيْ

مجھے شہادت فی سبیل اللہ کیسے نصیب ہو سکتی ہے جب کہ میں جزیرۃ العرب کے درمیان مقیم ہوں (اور) وہ سب دارالاسلام بن چکا) اور میں خود جہاد نہیں کرتا، اور اللہ کے بندے ہر وقت میرے آس پاس رہتے ہیں۔

پھر خود ہی کہا:

بَلَّغِي يَا نَبِيَّ بَهَا اللَّهُ إِنْ شَاءَ (فتح الباری بحوالہ ابن سعد)

مجھے شہادت کیوں نہیں نصیب ہو سکتی، اگر اللہ چاہے تو انہی حالات میں مجھے شہادت سے نوازے گا۔

اس کے بعد آپ نے اللہ تعالیٰ سے وہ دعا کی جو اوپر درج کی گئی ہے۔ اللہم اوفی شہادۃ فی سبیلک واجعل موتی فی بلد رسولک۔ آپ کی زبان سے یہ دعا سن کر آپ کی صاحبزادی ام المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ: ”یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ آپ راہِ خدا میں شہید بھی ہوں، اور موت مدینہ میں بھی ہو؟“ آپ نے فرمایا: ”اللہ چاہے گا تو یہ دونوں باتیں ہو جائیں گی۔“

اس سلسلہ کی روایات میں یہ بھی ہے کہ لوگوں کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی اس عجیب و غریب بلکہ بظاہر ناممکن سی دعا سے تعجب ہوا تو کسی کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ دونوں باتیں کس طرح ہو سکتی ہیں۔ جب ابو لؤلؤ نے مسجد نبوی ﷺ کی محراب میں آپ کو زخمی کیا، تب سب نے سمجھا کہ دعا کی قبولیت اس قدر مقدر تھی۔ بے شک جب اللہ تعالیٰ چاہتا ہے تو اس چیز کو واقع کر کے دکھا دیتا ہے جس کے امکان میں بھی انسانی عقلیں شبہ کریں۔ اِنَّ اللہ علیٰ کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ

مسجد نبوی ﷺ کی عظمت و فضیلت

مسجد نبوی ﷺ جس کی بنیاد رسول اللہ ﷺ نے ہجرت کے بعد مدینہ طیبہ میں رکھی، پھر جس میں آپ ﷺ نے عمر بھر نمازیں پڑھیں اور جو آپ ﷺ کی ساری دینی سرگرمیوں، تعلیم و تربیت، ہدایت و ارشاد اور دعوت و جہاد کا مرکز بنی رہی۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو اپنے مقدس بیت خانہ کعبہ اور مسجد حرام کے مساو دنیا کے سارے معبودوں پر عظمت و فضیلت بخشی ہے۔ صحیح حدیث میں ہے کہ اس کی ایک نماز اجر و ثواب میں دوسری عام مساجد کی ہزار نمازوں سے بڑھ کر ہے۔

۴۱۴ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ صَلَوةٌ فِي مَسْجِدِي هَذَا خَيْرٌ مِنْ أَلْفِ صَلَوةٍ فِيمَا سِوَاهُ إِلَّا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ۔ (رواہ البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میری اس مسجد میں (یعنی مدینہ طیبہ کی مسجد نبوی ﷺ میں) ایک نماز، دوسری تمام مساجد کی ہزار نمازوں سے بہتر ہے، سوائے مسجد حرام کے۔ (صحیح بخاری، صحیح مسلم)

تشریح: اس حدیث میں مسجد نبوی ﷺ کی نماز کو مکہ معظمہ کی مسجد حرام کے علاوہ دوسری عام مساجد کی ہزار نمازوں سے بہتر بتلایا گیا ہے لیکن مسجد حرام کے درجہ سے یہ حدیث ساکت ہے، مگر دوسری مندرجہ ذیل

حدیث میں اس کی بھی وضاحت فرمائی گئی ہے۔

(۲۱۵) عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ الزُّبَيْرِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ صَلَوةٌ فِي مَسْجِدِي هَذَا أَفْضَلُ مِنْ أَلْفِ صَلَوةٍ فِيَمَا سِوَاهُ مِنَ الْمَسَاجِدِ إِلَّا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ وَصَلَوةٌ فِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ أَفْضَلُ مِنْ أَلْفِ صَلَوةٍ فِي هَذَا. (رواه احمد)

حضرت عبد اللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میری اس مسجد میں ایک نماز دوسری مسجدوں کی ہزار نمازوں سے افضل ہے سوائے مسجد حرام کے، اور مسجد حرام کی ایک نماز میری اس مسجد کی سو نمازوں سے افضل ہے۔ (مسند احمد)

تشریح: اس حدیث سے یہ بات واضح ہو گئی کہ دنیا کی عام مسجدوں کے مقابلہ میں مسجد نبوی ﷺ میں نماز کا ثواب ہزار گنا بلکہ اس سے بھی کچھ زیادہ ہے اور مسجد حرام کی نماز مسجد نبوی ﷺ کی نماز سے بھی سو درجہ افضل ہے، یعنی عام مساجد کے مقابلہ میں مسجد حرام میں نماز کا ثواب ایک لاکھ گنا بلکہ اس سے بھی کچھ زیادہ ہے۔

(۲۱۶) عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مَنْ صَلَّى فِي مَسْجِدِي أَرْبَعِينَ صَلَوةً لَا تَفُوتُهُ صَلَوةٌ حُبِّبَ لَهُ بَرَاءَةٌ مِنَ النَّارِ وَبَرَاءَةٌ مِنَ الْعَذَابِ وَبَرَاءَةٌ مِنَ الْيَقَاقِ. (رواه احمد والترمذی فی الاوسط)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے میری اس مسجد میں مسلسل ۴۰ نمازیں پڑھیں ایک نماز بھی فوت نہیں ہوئی اس کے لئے لکھ دی جائے گی نجات اور براءت دوزخ سے اور اسی طرح براءت نفاق سے۔ (مسند احمد، ترمذی)

تشریح: بعض اعمال اللہ تعالیٰ کے ہاں اپنی خاص مقبولیت اور محبوبیت کی وجہ سے بڑے بڑے فیصلوں کا باعث بن جاتے ہیں۔ اس حدیث میں مسجد نبوی ﷺ میں مسلسل ۴۰ نمازیں ادا کرنے پر بشارت سنائی گئی ہے کہ ایسے شخص کے بارے میں فرمان الہی ہو جائے گا کہ یہ بندہ نفاق کی نجاست سے بالکل پاک ہے، اور دوزخ اور ہر قسم کے عذاب سے اس کو نجات اور چھٹی ہے۔

(۲۱۷) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مَا بَيْنَ نَحْنِي وَمَنْبَرِي رَوْحَةٌ مِنْ رِيَاحِ الْجَنَّةِ وَمَنْبَرِي عَلَى حَوْضِي - (رواه البخاری ومسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میرے گھر اور میرے منبر کے درمیان کی جگہ جنت کے باغوں میں سے ایک باغچہ ہے، اور میرا منبر میرے حوض کوثر پر ہے۔ (بخاری، مسلم)

تشریح: مسجد نبوی ﷺ میں جس جگہ رسول اللہ ﷺ کا منبر مبارک تھا جس پر رونق افروز ہو کر آپ ﷺ خطبات دیتے تھے (اور وہ جگہ اب بھی معلوم اور متعین ہے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ منبر کی اس جگہ اور آپ ﷺ کے حجرہ شریفہ کے درمیان جو قطعہ زمین ہے وہ اللہ تعالیٰ کی رحمتوں اور عنایتوں کا خاص مورد اور محل ہے

اور اس کی وجہ سے وہ گویا جنت کے باغوں میں سے ایک باغیچہ ہے اور اس لئے اس کا مستحق ہے کہ اللہ کی رحمت اور جنت کے طالبوں کو اس کے ساتھ جنت کی سی دلچسپی ہو۔ اور کہا جاسکتا ہے کہ اللہ کا جو بندہ ایمان و اخلاص کے ساتھ اللہ کی رحمت اور جنت کا طالب بن کر اس قطعہ ارض میں آیا وہ گویا جنت کے ایک باغیچہ میں آگیا اور آخرت میں وہ اپنے کو جنت کے ایک باغیچہ ہی میں پائے گا۔

حدیث کے آخر میں آپ ﷺ نے فرمایا ہے کہ: ”میرا منبر میرے حوض کوثر پر ہے“ اس کا مطلب بظاہر یہ ہے کہ آخرت میں حوض کوثر پر میرا منبر ہوگا اور جس طرح اس دنیا میں اس منبر سے میں اللہ کے بندوں کو اس کی ہدایت پہنچاتا ہوں اور پیغام سناتا ہوں اسی طرح آخرت میں اس منبر پر جو حوض کوثر پر میرا نصب ہوگا اس خداوندی ہدایت کے قبول کرنے والوں کو رحمت کے جام پیاؤں گا، جس جو کوئی قیامت کے دن کے لئے آپ کوثر کا طالب ہو وہ آگے بڑھ کر اس منبر پر سے دیئے جانے والے پیغام ہدایت کو قبول کرے اور اس دنیا میں اس کو اپنی روحانی غذا بنائے۔

(۲۱۸) عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ لَا تُشَدُّ الرِّحَالُ إِلَّا إِلَى ثَلَاثَةِ مَسَاجِدَ مَسْجِدِ الْحَرَامِ وَالْمَسْجِدِ الْأَقْصَى وَمَسْجِدِي هَذَا. (رواہ البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: دنیا میں صرف تین مسجدیں ہیں، ان کے سوا کسی مسجد کے لئے رخصت سفر نہ باندھا جائے۔ مسجد حرام، مسجد اقصیٰ (بیت المقدس) اور میری یہ مسجد (مسجد نبوی)۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ یہ عظمت و شرف صرف ان تین مسجدوں و حاصل ہے کہ ان میں اللہ کی عبادت کرنے کے لئے سفر کرنا درست ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کے قرب و رضا کا باعث ہے۔ ان کے علاوہ کسی مسجد کو یہ درجہ اور شرف حاصل نہیں ہے، بلکہ ان کے لئے سفر کرنے کی ممانعت ہے۔

ظاہر ہے کہ اس حدیث کا تعلق صرف مسجد سے ہے، اور بلاشبہ اس حدیث کی رو سے مسجد حرام اور مسجد نبوی ﷺ اور مسجد اقصیٰ کے سوا دنیا کی کسی بھی مسجد میں عبادت کے لئے سفر کرنا ممنوع ہے، لیکن دوسرے جائزہ نبوی و دینی مقاصد مثلاً تجارت، تحصیل دین، صحبت صلحا، اور تبلیغ و دعوت وغیرہ کے لئے سفر کرنے سے اس حدیث کا کوئی تعلق نہیں۔

زیارت روضہ مطہرہ

اگرچہ روضہ مطہرہ نبوی ﷺ کی زیارت حج کا کوئی رکن یا جز نہیں ہے، لیکن قدیم امت کا یہ تعامل چار آ رہات کہ خاص بر دور دراز ممالقوں کے مسلمان جب حج کو جاتے ہیں تو روضہ پاک کی زیارت اور وہاں سلسلو و سلام کی سعادت بھی ختم و حاصل کرتے ہیں۔ اسی لئے حدیث کے بہت سے مجموعوں میں کتاب الحج کے آخر میں زیارت نبوی ﷺ کی حدیثیں بھی درج کی گئی ہیں، اسی دستور کی پیروی کرتے ہوئے کتاب الحج کے اس سلسلہ کو ہم بھی زیارت نبوی ﷺ کی حدیثوں پر اختتام کرتے ہیں۔

(۲۱۹) عَنْ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مَنْ حَجَّ لَزَارَ قَبْرِي بَعْدَ مَوْتِي كَانَ كَمَنْ زَارَنِي فِي حَيَاتِي.

(رواہ البیہقی فی شعب الایمان والطبری فی الکبری والادبسط)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے حج کیا اور اس کے بعد میری قبر کی زیارت کی میری وفات کے بعد، تو وہ (زیارت کی سعادت حاصل کرنے میں) انجی لوگوں کی طرح ہے جنہوں نے میری حیات میں میری زیارت کی۔

(اشوب فی بیان صحیح البخاری، صفحہ ۱۸۱)

تشریح: رسول اللہ ﷺ کا اپنی قبر مبارک میں بلکہ تمام انبیاء علیہم السلام کا اپنی منور قبور میں زندہ ہونا جمہور امت کے مسلمات میں سے ہے، اگرچہ حیات کی نوعیت میں اختلاف ہے اور روایات اور خواص امت کے تجربات سے یہ بھی ثابت ہے کہ جو اہم قبرا پر حاضر ہو کر سلام عرض کرتے ہیں آپ ان کا سلام سنتے ہیں اور جواب دیتے ہیں، ایسی صورت میں بعد وفات آپ کی قبر پر حاضر ہونا اور سلام عرض کرنا ایک طرح سے آپ کی خدمت میں حاضر ہونے اور بالمشافہ سلام کا شرف حاصل کرنے کی ایک صورت ہے، اور بلاشبہ ایسی سعادت ہے کہ اہل ایمان ہر قیمت پر اس کو حاصل کرنے کی کوشش کریں۔

(۲۲۰) عَنْ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مَنْ زَارَ قَبْرِي وَجَبَتْ لَهُ شَفَاعَتِي.....

(رواہ ابن خریمہ فی صحیحہ والدارقطنی والبیہقی)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے میری قبر کی زیارت کی اسکے لئے میری شفاعت واجب ہوگی۔

(اشوب فی بیان صحیح البخاری، صفحہ ۱۸۱)

تشریح: اس سلسلہ صحیفہ حدیث کی جلد اول میں دو حدیثیں درج ہو چکی ہیں جن میں فرمایا گیا ہے کہ جب تک ایک اہم قبرا پر کسی کو رسول اللہ ﷺ کی محبت اللہ تعالیٰ کے سوا دنیا کی ہر چیز سے (حتی کہ اپنے ماں باپ، اہل و عیال اور خود اپنی ذات سے بھی) زیادہ نہ ہو اس وقت تک اس کو ایمان کی حقیقت و لذت حاصل نہیں ہو سکتی۔ اور روضہ اقدس نبوی کی زیارت بلاشبہ اس محبت کے لازمی تقاضوں میں سے ہے، اور گویا اس کی ایک عملی صورت ہے۔ عربی شاعر نے کہا ہے۔

امر علی الدیار دیار لیلی اقبل ذا الجدار و ذا الجدار
و ما حب الدیار شغفن قلبی و لكن حب من سكن الدیار

علاوہ ازیں زیارت کے وقت زائر کے قلب مؤمن کی جو کیفیت ہوتی ہے اور جو ار نبوی کی برکت ہے ایمانی عہد کی تجدید، گناہوں پر ندامت و شرمساری، الثابت الی اللہ اور توبہ و استغفار کی جولہیں اس وقت اس کے قلب میں اٹھتی ہیں اور محبت نبوی کے جو جذبات موجزن ہوتے ہیں اور محبت و ندامت کے طے

① میں جب اپنی توبہ پر یقینی ہستی سے گذر کتابوں تو بھی اس دیوار کو چومتا ہوں، ابھی اس دیوار کو اور اصل اس بستی کے کہ میں نے محبت کے لیے دل کو انداز کیا نہیں، بلاشبہ میں تو اس بستی میں بسنے والے محبوب پر خدا ہوں۔

جلے جذبات آنکھوں سے جو آنسو گراتے ہیں ان میں سے ہر چیز ایسی ہے جو شفاعت نبویؐ بلکہ مغفرت خداوندی کو بھی واجب کر دیتی ہے، اس لئے اس میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں کہ روضہ اقدس نبویؐ کے ہر صاحب ایمان زائر کو انشاء اللہ ضرور شفاعت نبویؐ نصیب ہوگی..... ہاں اگر بد نصیبی سے کوئی ایسا ہے جس کے قلب کو ان کیفیات و جذبات اور ان واردات میں سے کچھ بھی نصیب نہیں ہوتا تو سمجھنا چاہئے کہ اس کا قلب دولت ایمانی سے خالی ہے پھر اسکی زیارت حقیقی زیارت نہیں صرف صورت زیارت ہے، اور اللہ اور اسکے رسولؐ کے ہاں کسی عمل کی بھی صرف صورت معتبر نہیں۔

رسول اللہؐ کی قبر مبارک کی زیارت کے جن منافع اور برکت و مضامین کا اوپر ذکر کیا گیا ہے اگر اسکو پیش نظر رکھ کے ان احادیث پر غور کیا جائے جو اس زیارت کی ترغیب میں مروی ہیں تو خواہ سند کی لحاظ سے ان پر کلام کیا جاسکے^۱ لیکن معنوی لحاظ سے وہ دین کے پورے فکری اور عملی نظام کے ساتھ بالکل مرتبط اور ہم آہنگ نظر آئیں گی اور ذہن سلیم اس پر مطمئن ہو جائے گا کہ قبر مبارک کی یہ زیارت صاحب قبر کی ذات اقدس کے ساتھ ایمانی تعلق اور محبت و توقیر میں اضافہ اور بنی ترقی کا خاص وسیلہ ہے، یقین ہے کہ ہر خوش نصیب صاحب ایمان بندہ جسے اللہ تعالیٰ نے زیارت کی سعادت سے بہرہ ور فرمایا ہے اس کی شہادت دے سکے گا۔

زیارت روضہ اقدس کے آداب یہ عاجز پوری تفصیل کے ساتھ اپنی کتاب ”آپ حج کیسے کریں؟“ میں لکھ چکا ہے۔ ناظرین سے گزارش ہے کہ وہ اس کو ضرور ملاحظہ فرمائیں۔ انشاء اللہ بڑی روحانی لذتیں پائیں گے۔

”معارف الہدیث“ (جلد چہارم) زیارت نبویؐ کے اس مختصر بیان پر ختم ہوئی۔

فلله الحمد و علی وسئلہ الصلوٰۃ والسلام

① شیخ تقی الدین سبکی شافعیؒ نے اپنے رسالہ ”الذی فیہ“ میں (جو انہوں نے اپنے خیال کے مطابق حافظ ابن حجرؒ کے رد میں لکھا ہے) زیارت روضہ مطہرہ کی فضیلت و ترغیب میں متعدد حدیثیں نقل کی ہیں۔ جن میں سب سے پہلی حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی یہی حدیث ہے۔ اس حدیث پر جب ”سند حسن“ پھر شیخ سبکیؒ نے اس کی سند اور اس کے متعدد طرق پر بسط کلام کر کے ثابت کیا ہے کہ یہ حدیث کم از کم حسن درجہ کی ضرور ہے۔ حافظ ابن حجرؒ کے ایک شاگرد حافظ ابو عبد اللہ عبد الہدیٰ حنبلیؒ نے ”الذی فیہ“ کے جواب میں ”سند حسن“ میں شفاء السقام کی مندرجہ تمام احادیث پر محدثانہ کلام کر کے دکھایا ہے کہ یہ سب حدیثیں ضعیف یا منکر ہیں۔ لیکن اس کے باوجود انہوں نے تسلیم کیا ہے کہ قبر نبویؐ کی زیارت از قبیلہ قربات و مستحبات اور موجب برکات ہے اور لکھا ہے کہ ہمارے شیخ امام ابن حجرؒ کا مسلک بھی یہی ہے، اور جو لوگ ان کی طرف اس کے خلاف منسوب کرتے ہیں وہ شیخ پر افتخار کرتے ہیں۔ بلکہ انہوں نے ابن حجرؒ کے مناسک کے حوالہ سے زیارت نبویؐ کے پورے آداب اور محبت و توقیر سے بھرپور اور ایمان افروز ایک سلام بھی نقل کیا ہے، جو حافظ ابن حجرؒ نے از ابن جری کے لئے لکھا ہے۔ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی مندرجہ بالا حدیث کی سندی حیثیت کے متعلق معتدل رائے حافظ ذہبیؒ کی معلوم ہوتی ہے۔ ملا علی قاریؒ نے شرح شفاء میں اس حدیث کے بارے میں لکھا ہے:

وله طرق و شواہد حسہ الذہبی لاجلہا (شرح شفاء ملا علی قاری ص ۱۴۹ - ج ۲)

اس حدیث کے بہت سے طرق اور شواہد ہیں جن کی وجہ سے اس کو ذہبی نے حسن قرار دیا ہے۔

